فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (القرآن)
فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحديث)

نجم الفتاوی

جلد
سادس

کتاب الطلاق

طلاق کے مختلف ابواب سے متعلق تقریباً چھ سو
اہم فتاوی جات کا مدلل و مفصل مجموعہ



تالیف:
حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و تبویب: مفتی فرحان حسن عفی عنہ
نگران شعبۂ تصنیف و استاذ دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

ناشر
شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین القرآن

فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (القرآن) فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحديث)

نجم الفتاویٰ

جلد سادس

کتاب الطلاق

طلاق کے مختلف ابواب سے متعلق تقریباً چھ سو

اہم فتاوی جات کا مدلل و مفصل مجموعہ

تألیف: حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم

رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب و تبویب: مفتی فرحان حسن

نگران شعبہ تصنیف و استاذ دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

ناشر

شعبہ نشر و اشاعت دارالعلوم یاسین القرآن

کتاب کا نام : نجم الفتاویٰ

مؤلف : حضرت شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہوی دامت برکاتہم
رئیس دارالافتاء و مہتمم دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)

جدید ترتیب وتبویب : مفتی فرحان حسن عفی عنہ (استاذ دارالعلوم یاسین القرآن)

کمپوزنگ : بھائی شکیل احمد صدیقی صاحب

سن اشاعت : 1437ھ بمطابق 2016ء

مطبع : ادارۂ طباعت 0333-2136180

ناشر : شعبۂ نشرواشاعت دارالعلوم یاسین القرآن (نارتھ کراچی)
0301-2113944, 0334-3957443

ملنے کے پتے:
ملک کے مشہور اسلامی کتب خانوں سے طلب فرمائیں!

اسٹاکسٹ : ادارۃ النور
شاپ نمبر 2، پلاٹ نمبر 4/ G.R.E.672 انور مینشن، بنوری ٹاؤن، کراچی
Ph: +92-21-34914569
Email: idaratunnoor@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجمالی فہرست (نجم الفتاوی جلد سادس)

آئینہ عناوین

نجم الفتاوی جلد ٦

کتاب الطلاق

۱۵۹۳۵۴

كِتَابُ الطَّلَاقِ

باب الحكم الشرعی للطلاق وتفسيره وأقسامه وشرائطه

(طلاق کے حکم، اقسام اور شرائط کا بیان)

(۱) طلاق دینے کا شرعی طریقہ کار

سوال...... مفتی صاحب! طلاق کا شرعی طریقہ کیا ہے اور کتنی دفعہ طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے پھر وہ کتنے دن بعد رجوع کرسکتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں باحوالہ جواب مطلوب ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......طلاق دینے کے تین طریقے ہیں:

۱) طلاق احسن: بیوی ماہواری سے پاک ہو، اور بیوی سے صحبت کئے بغیر ایک طلاق رجعی دے، اس صورت میں دوران عدت رجوع کرسکتا ہے، اور عدت کے بعد دوبارہ نکاح کرسکتا ہے، یہ طریقہ سب سے بہتر ہے۔

۲) طلاق حسن: بیوی کو تین طہروں میں الگ الگ تین طلاقیں دے، یہ صورت بھی جائز ہے، البتہ اس صورت میں شرعی حلالہ کئے بغیر آئندہ نکاح نہیں کرسکتا۔

۳) طلاق بدعت: اس کی متعدد صورتیں ہیں، مثلاً یہ کہ بیوی کو ماہواری کی حالت میں طلاق دے، یا ایسے طہر میں طلاق دے جس میں صحبت کرچکا ہو یا ایک ہی مجلس یا ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دے، تو اس طرح طلاق دینے والا گناہ گار ہوگا اور طلاق بھی واقع ہوجائے گی البتہ اگر تین طلاقیں ایک ساتھ دے دیں تو عورت حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہوجائے گی اور اگر حالت حیض میں طلاق دے یا ایسے طہر میں جس میں جماع کیا ہو تین سے کم طلاق دے تو رجوع کا حق باقی رہے گا اور رجوع کے بعد باقی ماندہ طلاق دینے کا حق شوہر کو ہوگا۔

لمافي الهندية (۱/۴۷۰): وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض كذا في الهداية۔

وفيه أيضا(۱/۳۴۸): وأما تقسيمه فإنه نوعان سني وبدعي وكل واحد منهما نوعان نوع يرجع إلى العددونوع يرجع إلى الوقت أما الطلاق السني في العدد والوقت فنوعان حسن وأحسن۔الخ

وفی الشامية (۳/۴۰۰): قوله (إن لم يطلق بائنا) هذا بيان لشرط الرجعة ولها شروط خمس

تعلم بالتأمل شرنبلالية قلت هي أن لا يكون الطلاق ثلاثا في الحرة أو اثنتين في الأمة ولا واحدة مقترنة بعوض مالي ولا بصفة تنبىء عن البينونة كطويلة أو شديدة ولا مشبهة كطلقة مثل الجبل ولا كناية يقع بها بائن ولا يخفى أن الشرط واحد هو كون الطلاق رجعيا وهذه شروط كونه رجعيا متى فقد منها شرط كان بائنا كما أوضحناه أول كتاب الطلاق وقد استغنى عنها المصنف بقوله إن لم يطلق بائنا وهو أولى من قول الكنز إن لم يطلق ثلاثا۔

(۲) طلاق احسن، حسن اور بدعی کی تفصیل

سوال...... مفتی صاحب! طلاق سنی اور طلاق بدعی کی تعریف کیا ہے نیز اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے تجھے ہزار طلاق تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... طلاق کی تین قسمیں ہیں (۱) احسن: کہ ایک صریح طلاق دے ایسے طہر میں جس میں جماع نہیں کیا پھر اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ عدت پوری ہوجائے۔ (۲) حسن: ایک صریح طلاق دے ایسے طہر میں جس میں جماع نہیں کیا اسی طرح پھر دوسرے طہر میں دوسری طلاق اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے۔ (۳) طلاق بدعی: تین طلاقیں ایک ہی طہر میں دے یا دو طلاقیں ایک طہر میں دے چاہے ایک کلمہ کے ساتھ دے یا متفرق کلموں کے ساتھ دے اسی طرح حالت حیض میں یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں جماع کیا ہے یہ بھی طلاق بدعی ہے۔ باقی ہزار طلاق دینے سے تین طلاقیں بیوی پر واقع ہوجائینگی اور باقی لغو ہوں گی۔

لمافی المصنف لابن أبي شيبه (۵۷/۴): عن أبي وائل قال: طلق ابن عمر امرأته وهي حائض، فأتى عمر النبي صلى الله عليه وسلم فأخبره، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: مره فليراجعها، ثم ليطلقها طاهرا في غير جماع.

وفيه أيضاً. عن أبي قلابة؛ أنه كان يقول في طلاق السنة: أن يطلقها واحدة، ثم يدعها حتى تبين بها.

وفيه أيضاً (۶۳/۴): عن سعيد بن جبير قال: جاء رجل إلى ابن عباس، فقال: إني طلقت امرأتي ألفا، أو مائة، قال: بانت منك بثلاث، وسائرهن وزر، اتخذت آيات الله هزوا.

وفي الهندية (۳۴۸/۱): وأما تقسيمه فإنه نوعان سني وبدعي وكل واحد منهما نوعان نوع يرجع إلى العدد ونوع يرجع إلى الوقت أما الطلاق السني في العدد والوقت فنوعان حسن وأحسن فالأحسن أن يطلق امرأته واحدة رجعية في طهر لم يجامعها فيه ثم يتركها حتى تنقضي عدتها أو كانت حاملا قد استبان حملها والحسن أن يطلقها واحدة في طهر لم يجامعها فيه ثم في طهر

آخر أخرى ثم في طهر آخر أخرى كذا في محيط السرخسي والسنة في العدد يستوي فيها المدخول بها وغير المدخول بها في الوقت تثبت في حق المدخول بها خاصة وغير المدخول بها يطلقها في حالة الطهر والحيض كذا في الهداية۔

(ص ۳۴۹): وأما البدعي فنوعان بدعي لمعنى يعود إلى العدد وبدعي لمعنى يعود إلى الوقت فالذي يعود إلى العدد أن يطلقها ثلاثا في طهر واحد أو بكلمات متفرقة أو يجمع بين التطليقتين في طهر واحد بكلمة واحدة أو بكلمتين متفرقتين فإذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيا و البدعي من حيث الوقت أن يطلق المدخول بها وهي من ذوات الأقراء في حالة الحيض أو في طهر جامعها فيه وكان الطلاق واقعا۔

(۳) کیا طلاق دینا حرام ترین کام ہے؟

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اس سال رمضان میں اپنے محلے کی مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا تھا وہاں اور بھی لڑکے بیٹھے تھے جن میں ہمارے محلے کے ایک حافظ صاحب ہیں وہ بھی تھے۔ حافظ صاحب روزانہ رات کو تراویح کے بعد مختلف نوعیت کے مسائل بتاتے تھے ایک دن انہوں نے بتایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے حرام ترین کام طلاق دینا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر یہ حرام کام ہے تو اللہ رب العزت نے اس کو مشروع کیوں کیا لیکن وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ ہم تمام ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ اس سال عید کے بعد کسی مفتی صاحب سے یہ بات پوچھیں گے کہ آیا طلاق دینا حرام ہے یا شریعت میں یہ جائز اور حلال ہے لہٰذا اب ہم آپ سے یہ بات دریافت کررہے ہیں آپ اس سوال کا جواب مدلل طور پر دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب.....اللہ رب العزت نے طلاق کو مشروع کیا ہے، یہ حرام نہیں ہے، البتہ اللہ رب العزت کے نزدیک حلال کاموں میں سب سے مبغوض (ناپسندیدہ) ترین کام طلاق ہے لہٰذا یہ صرف ضرورۃً مشروع ہے۔ یعنی اگر میاں بیوی میں بالکل نباہ نہ ہو سکے تو جدائی کیلئے احسن طریقے سے طلاق دی جاسکتی ہے لہٰذا حافظ صاحب نے جو بات کہی وہ درست نہیں۔

لما في اعلاء السنن (۱۱/۱۶۱): عن ابن عمر رضی الله عنهما عن النبی ﷺ قال: "أبغض الحلال إلى الله عزوجل الطلاق"

وفی الهندية (۱/۳۴۸): وأما وصفه فهو أنه محظور نظرا إلى الأصل ومباح نظرا إلى الحاجة كذا في الكافي۔

وفی الدرالمختار(۳/۲۲۷): (وإيقاعه مباح) عند العامة لإطلاق الآيات أكمل (وقيل) قائله الكمال (الأصح حظره) أي منعه (إلا لحاجة) كريبة وكبر والمذهب الأول كما في البحر

وقولهم الأصل فيه الحظر معناه أن الشارع ترك هذا الأصل فأباحه بل يستحب لو مؤذية أو تاركة صلاة غاية ومفاده أن لا أثم بمعاشرة من لا تصلي ويجب لو فات الإمساك بالمعروف ويحرم لو بدعيا۔

(۴) بغیر عذر کے بیوی کو طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو بغیر کسی عذر کے طلاق دے سکتا ہے یا نہیں اگر دے سکتا ہے تو اس کا مسنون طریقہ کیا ہے اور تین طلاق ایک ہی مجلس میں دینے سے واقع ہوتی ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......بغیر عذر کے طلاق دینا مکروہ مبغوض ہے، بعض حضرات نے حرام تک فرمایا ہے اگر چہ طلاق واقع ہوجائے گی۔ اگر طلاق دینی ہو اور عذر موجود ہو [مثلا نباہ ناممکن ہوجائے وغیرہ] تو اس کا بہتر واحسن طریقہ یہ ہے کہ بیوی کو ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں اس سے جماع نہ کیا ہو، پھر اس کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔ اگر ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو وہ واقع ہوجائیں گی، عورت اس کے لئے حلال نہیں رہے گی لیکن ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا گناہِ کبیرہ ہے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:٢٢٩): اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ --إلى قوله-- فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

وفيه أيضاً (الطلاق:١): يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ۔

وفى اعلاء السنن (١٦٢/١١): طلاق السنة الذى وافق أمر الله وأمر رسوله ﷺ هو الطلاق فى طهر لم يصبها فيه ثم يتركها حتى تنقضى عدتها ولا خلاف فى أنه اذا طلقها فى طهر لم يصبها فيه ثم تركها حتى تنقضى عدتها أنه مصيب للسنة مطلق للعدة التى أمر الله بها۔

وفيه أيضاً (١٦٩/١١): عن أنس رضي الله عنه أن عمر رضي الله عنه كان اذا أتى برجل طلق امرأته ثلاثا أوجع ظهره، عن ابن عباس رضى الله عنهما أتاه رجل فقال إن عمى طلق امرأته ثلاثا فقال إن عمك عصى الله فأندمه الله فلم يجعل له مخرجا۔

وفى الهندية (٣٤٨/١): وأما وصفه فهو أنه محظور نظرا إلى الأصل ومباح نظرا إلى الحاجة كذا في الكافي --- فالأحسن أن يطلق امرأته واحدة رجعية في طهر لم يجامعها فيه ثم يتركها حتى تنقضي عدتها أو كانت حاملا قد استبان حملها --- وأما البدعي فنوعان بدعي لمعنى يعود إلى

العدد وبدعي لمعنى يعود إلى الوقت فالذي يعود إلى العدد أن يطلقها ثلاثا في طهر واحد أو بكلمات متفرقة أو يجمع بين التطليقتين في طهر واحد بكلمة واحدة أو بكلمتين متفرقتين فإذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيا والبدعي من حيث الوقت أن يطلق المدخول بها وهي من ذوات الأقراء في حالة الحيض أو في طهر جامعها فيه وكان الطلاق واقعا۔

(۵) عورت کن وجوہات کی بنا پر طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا عورت اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے اگر کر سکتی ہے تو کن وجوہات کی بنا پر؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بیوی اپنے خاوند سے مختلف وجوہات کی بناء پر طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے اور وہ یہ ہیں کہ میاں بیوی کے مزاجوں میں شدید اختلاف ہو کہ ان کا اکٹھے زندگی گزارنا ممکن نہ ہو، یا پھر ایک ساتھ رہنے میں اللہ عزوجل کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل ممکن نہ ہو، یا زوجہ پر خاوند کی طرف سے ظلم ہو رہا ہو، مثلاً بلاوجہ مار پٹائی کرنا وغیرہ۔ ایسی صورتوں میں شریعت نے عورت کو طلاق کے مطالبہ کا حق دیا ہے، البتہ بلاوجہ اور بغیر شرعی عذر کے عورت کی طرف سے طلاق کا مطالبہ کرنا ناجائز ہے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:٢٢٩): وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ.

وفي المشكوة (٢٨٣/٢): عن ابن عباس: أن امرأة ثابت بن قيس أتت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله ثابت بن قيس ما أعتب عليه في خلق ولا دين ولكني أكره الكفر في الإسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " أتردين عليه حديقته؟ " قالت: نعم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "اقبل الحديقة وطلقها تطليقة". رواه البخاري

وفيه أيضاً(٢٨٣/٢): عن ثوبان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " أيما امرأة سألت زوجها طلاقا في غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة ". رواه أحمد والترمذي وأبو داود وابن ماجه والدارمي

وفي الهندية (٤٨٨/١): إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعلا ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال كذا في الهداية۔

وفي الشامية (٤٤١/٣): قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني

عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط وهذا هو الحكم المذكور في الآية وقد أوضح الكلام عليه في الفتح آخر الباب۔

(۶) عورت کو طلاق دینا کب جائز ہے؟

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ مرد اپنی بیوی کو کن وجوہات کی بنا پر طلاق دے سکتا ہے اور اگر بغیر کسی وجہ کے طلاق دیدے تو کیا شوہر گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر زوجین کے درمیان ناچاقی اور کشیدگی اس حد تک بڑھ گئی ہو کہ ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہورہی ہو یا حقوق اللہ کی پامالی ہورہی ہو اور مصالحت وسمجھوتہ سے معاملہ سلجھ نہیں پارہا ہو تو ان وجوہات کی بنا پر طلاق دینا جائز ہے اور بغیر کسی وجہ کے طلاق دینا مکروہ ہے چنانچہ شوہر اس صورت میں گنہگار ہوگا۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَانٍ۔

وفيه أيضاً (النساء: ۱۲۸): وَإِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَن يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَّالصُّلْحُ خَيْرٌ وَّاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ اللهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔

وفيه أيضاً (النساء:۳۵): وَاللّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَإِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا إِن يُّرِيْدَا إِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا۔

وفي تكملة فتح الملهم (۱/۱۳۳): أمرت الزوج إذا رأى في زوجته مالا يتحمل أن لا يبادر إلى الطلاق في أول مرة وإنما يجتهد في إصلاحها ما أمكن ـ ـ ـ (ص۱۳۴): ثم إن كانت الخلافات بين الزوجين شديدة لا تنقضي بهذه المدارج الثلاثة أمرت الشريعة الإسلامية أقاربهما أن يتدخلوا بينهما لتعتدل الأحوال ـ ـ ـ ثم إن لم تثمر جهود هذين الحكمين ولم يزل الخلافات قائمة فحينئذ أباحت الشريعة الإسلامية الطلاق للزوج۔

وفي الشامية (۳/۲۲۸): قالوا إن سببه الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله تعالى فليست الحاجة مختصة بالكبر والريبة كما قيل بل هي أعم

كما اختاره في الفتح فحيث تجرد عن الحاجة المبيحة له شرعا يبقى على أصله من الحظر ولهذا قال تعالى{فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا } أي لا تطلبوا الفراق وعليه حديث أبغض الحلال إلى الله عز وجل الطلاق قال في الفتح ويحمل لفظ المباح على ما أبيح في بعض الأوقات أعني أوقات تحقق الحاجة المبيحة .اھ وإذا وجدت الحاجة المذكورة أبيح وعليها يحمل ما وقع منه ومن أصحابه وغيرهم من الأئمة صونا لهم عن العبث والإيذاء بلا سبب فقوله في البحر إن الحق إباحته لغير حاجة طلبا للخلاص منها إن أراد بالخلاص منها الخلاص بلا سبب كما هو المتبادر منه فهو ممنوع لمخالفته لقولهم إن إباحته للحاجة إلى الخلاص فلم يبيحوه إلا عند الحاجة إليه لا عند مجرد إرادة الخلاص وإن أراد الخلاص عند الحاجة إليه فهو المطلوب۔

(۷) ماں، باپ کے کہنے پر طلاق دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ساس اور بہو کے گھریلو جھگڑوں کی وجہ سے اگر ساس یا سسر اپنے بیٹے کو حکم کریں کہ تم اسے چھوڑ دو ہم تمہیں دوسری بیوی کروادیں گے تو کیا بیٹا اس حکم کی تعمیل کرے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر بیوی کا قصور اور غلطی نہ ہو تو بلا وجہ شرعی طلاق دینا کفرانِ نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند اور مبغوض ہے لہٰذا اس صورت میں والدین کی اطاعت ضروری نہیں ہے البتہ اگر عورت ناشزہ ہو، بدزبان ہو، اور سمجھانے کے باوجود اپنی بری عادتیں زبان درازی وغیرہ چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہو اور ان وجوہ کی بنیاد پر والدین طلاق دینے کا حکم دیتے ہوں نیز شوہر بھی فیما بینہ وبین اللہ طلاق دینا مناسب سمجھتا ہو تو ان حالات میں طلاق دینا درست ہے۔

لمافی المشکوۃ (ص۴۲۱): وعن ابن عمر رضي الله عنه قال : كانت تحتي امرأة أحبها وكان عمر يكرهها . فقال لي : طلقها فأبيت . فأتى عمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم : " طلقها " . رواه الترمذي وأبو داود۔

وفی المرقاۃ تحت هذا الحديث(۲۰۸/۹):فذكر ذلك له فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم طلقها أمر ندب أو وجوب إن كان هناك باعث آخر۔ رواه الترمذي وأبو داود۔

وفی الشامية (۲۲۸/۳): وأما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر بمعنى أنه محظور إلا لعارض يبيحه وهو معنى قولهم الأصل فيه الحظر والإباحة للحاجة إلى الخلاص فإذا كان بلا سبب أصلا لم يكن فيه حاجة إلى الخلاص بل يكون حمقا وسفاهة رأي ومجرد كفران النعمة وإخلاص الإيذاء بها وبأهلها وأولادها ولهذا قالوا إن [illegible] الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق

وعروض البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله تعالیٰ فليست الحاجة مختصة بالكبر والريبة كما قيل بل هي أعم كما اختاره في الفتح فحيث تجرد عن الحاجة المبيحة له شرعا يبقى على أصله من الحظر ولهذا قال تعالى {فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا} النساء أي لا تطلبوا الفراق وعليه حديث أبغض الحلال إلى الله عز وجل الطلاق قال في الفتح ويحمل لفظ المباح على ما أبيح في بعض الأوقات أعني أوقات تحقق الحاجة المبيحة اهـ

وفی الدر المختار(۲۲۹/۳): بل يستحب لو مؤذية أو تاركة صلاة۔

وفی الرد تحته: قوله (لو مؤذية) أطلقه فشمل المؤذية له أو لغيره بقولها أو بفعلها ط۔

(۸) بیوی کی رضامندی کے بغیر طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا نام رخسانہ ہے عرض یہ ہے کہ میرے شوہر سے میری منہ ماری ہوگئی تھی تو میں اپنی امی کے گھر آ گئی تھی اس کے دو مہینے بعد میرے شوہر نے یہ اڑا دیا کہ میں نے رخسانہ کو طلاق دیدی ہے جبکہ دو مہینے سے نہ میں نے ان کی شکل دیکھی تھی اور نہ انہوں نے مجھے زبانی طلاق دی اور نہ ہی کبھی قانونی طریقے سے طلاق دی ہے لیکن جب مجھے اس بات کا پتہ چلا تو میں نے انہیں فون کیا اور پوچھا کہ ایسا کیوں کرر ہے ہو تو ہنس کے کہنے لگے میں کل آؤں گا۔

اگلے دن وہ میرے گھر آ گئے خوشی سے مجھ سے پانی مانگا اور چائے بنانے کو کہا پھر اپنی جیب میں سے کاغذ نکال کر بیڈ پر رکھا اور کہنے لگے یہ کاغذ اٹھا لے میں نے کاغذ اٹھا کر ان کے سامنے پھاڑ دیا اور وہ چلے گئے اپنے گھر پہنچ کر انہوں نے مجھے فون کیا اور کہا میں طلاق نامہ لایا تھا جبکہ میں نے اس کاغذ کو کھول کے دیکھا اور نہ پڑھا تو کیا اسطرح طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟ گھر میں ہم دونوں اکیلے تھے نہ ان کا کوئی گواہ تھا نہ ہمارے گھر میں کوئی تھا، میں طلاق نہیں لینا چاہتی ہوں۔آپ شریعت کی روشنی میں ہمیں بتائیں کہ طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو اس کا کفارہ بتادیں۔مہربانی ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت طلاق دینے کا حق شوہر کو دیا ہے اب اگر شوہر اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اس کا غلط استعمال کر کے اس کو اپنی بیوی کی طرف منسوب کر دیتا ہے چاہے زبان سے طلاق دے یا لکھ کر طلاق دے طلاق واقع ہو جاتی ہے اگر چہ اس کی بیوی طلاق لینے پر راضی نہ ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں جب آپ کے شوہر نے پہلے یہ بات پھیلادی کہ اس نے اپنی بیوی (رخسانہ) کو طلاق دے دی پھر بعد میں طلاق کو کاغذ پر لکھ کر اور وہ کاغذ آپ کو دے دیا، چاہے آپ نے وہ کاغذ پڑھا ہے یا نہیں پڑھا، طلاق واقع ہوگئی ہے اگر چہ آپ طلاق لینے پر راضی نہ ہوں اگر آپ کے شوہر نے تین طلاقیں لکھی تھیں تو پھر بغیر حلالہ شرعیہ کے آپ کا اپنے شوہر کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم رکھنا ناجائز اور حرام ہے۔

لما فی الهندية (۳۷۸/۱): كتاب الطلاق الفصل السادس فى الطلاق بالكتابة: ولو كتب إلى امرأته إذا

جاءك كتابي هذا فأنت طالق ووصل الكتاب إلى أبيها فأخذ الأب ومزق الكتاب ولم يدفعه إليها إن كان الأب متصرفا في جميع أمورها فوصل الكتاب إلى أبيها في بلدها وقع الطلاق وإن لم يكن كذلك لا يقع الطلاق ما لم يصل إليها وإن أخبرها الأب بوصول الكتاب إليه فإن دفع الأب الكتاب إليها وهو ممزق إن كان يمكن فهمه وقراءته وقع الطلاق عليها وإلا فلا كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الشامية (۲۴۶/۳): مطلب في الطلاق بالكتابة قوله (كتب الطلاق الخ):۔۔۔ وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو ثم المرسومة لا تخلو أما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة وإن علق طلاقها بمجيء الكتاب بأن كتب إذا جاءك كتابي فأنت طالق فجاءها الكتاب فقرأته أو لم تقرأ يقع الطلاق كذا في الخلاصة ط

(۹) طلاق میں عورت کی مرضی کیوں شامل نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ طلاق دینے میں مرد کیوں مختار ہے؟ جبکہ نکاح کے وقت عورت کی مرضی معلوم کی جاتی ہے تو طلاق کے وقت کیوں معلوم نہیں کی جاتی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......دین اسلام دینِ فطرت ہے، اس کے تمام احکام عینِ فطرت کے مطابق ہیں چنانچہ مرد وعورت کے حقوق کی ایک دوسرے پر تقسیم میں بھی شریعت نے مماثلت رکھی ہے کہ عورت امورِ خانہ داری اور مرد باہر کسب معاش کا ذمہ دار ہے لیکن دینِ اسلام نے ایک چیز ایسی رکھی ہے جس میں مرد کو عورتوں پر تفوق حاصل ہے چنانچہ آیت کریمہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ "اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے"

اور وہ فضیلت مرد کی حاکمیت ہے اس حاکمیت کا ہی تقاضا ہے کہ طلاق کا حق صرف مرد کے پاس ہو عورت کا اس میں دخل نہ ہو کیونکہ مرد عموماً اس اختیار کو اس وقت استعمال کرتا ہے جب حالات سر سے گزر چکے ہوں اور میاں بیوی کا رشتہ ازدواج کو قائم رکھنا محال ہو جائے جبکہ عورت میں یہ صفت نہیں، وہ جلد باز واقع ہوئی ہے بات بات پر طلاق دے دے گی اور مصالحِ نکاح کا ہدم لازم آئے گا اس لئے شریعت نے یہ حق مرد کو دیا ہے اور اسے استعمال کرنے کی کچھ حدود بنائی ہیں جو ہر مرد کو معلوم ہونی چاہیئے۔

اس کے برخلاف نکاح کا معاملہ الگ ہے چونکہ شادی سے قبل دونوں ایک دوسرے کیلئے بیگانے ہوتے ہیں لیکن آثار وقرائن سے یہ پتہ لگالیا جاتا ہے کہ دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ نبھاؤ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ دونوں نے عمر بھر ایک ساتھ رہنا ہوتا ہے اس لئے جانبین سے رضامندی معلوم کی جاتی ہے بہرحال طلاق کو نکاح پر قیاس نہیں کیا جاسکتا نیز مرد کو قبل از نکاح بیوی پر کسی قسم کی حاکمیت بھی

حاصل نہیں ہوتی بلکہ دونوں اجنبی ہوتے ہیں۔

لما فی القرآن الكريم (سورة النسآء:۳۴):الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ...الآية۔

وفى المفصل فى أحكام المرأة والبيت المسلم (۳۴۷/۷): وإذا كان نظام الطلاق فى الإسلام شرع لمصلحة الزوجين فى حال اختلافهما وعدم ائتلافهما وبقاء الشقاق بينهما على نحو استعصى على الحل فقد يقال لما ذا كان الطلاق بيد الرجل ولم يكن بيد المرأة وهى مثله طرف عقد النكاح --- قلنا إن القوامية بين الزوجين هى للرجل على امرأته وليس العكس ومن لوازم هذه القوامية أن يكون الطلاق بيد الرجل اھ۔

(۱۰) گھر والوں کے کہنے پر طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بیٹی کی شادی کو ۵ سال ہو گئے ہیں دو بچے ہیں شوہر ناچاقی کی وجہ سے طلاق دینا چاہتا ہے اس کے گھر والے بار بار کہتے ہیں طلاق دیدے۔گھر میں ہر وقت طلاق کے پیپر تیار رکھے ہیں۔ میری بیٹی طلاق لینا نہیں چاہتی۔گھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں گھر کے کام کے پیچھے بھی کہتے ہیں طلاق دے دے ان کی ہر بات یہیں آ کے ختم ہوتی ہے اگر شوہر طلاق دے اور بیوی طلاق نہ لینا چاہتی تو قرآن اور حدیث کا کیا حکم ہے؟ میری بیٹی کے دو بچے ہیں ایک بیٹی ساڑھے تین سال کی اور ایک بیٹا دو مہینے کا ہے ان کے اخراجات کون اٹھائیگا؟ ہمیں اس بات کا اور طلاق کا فتویٰ چاہیئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......مذکورہ صورت حال کے مطابق شوہر کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ محض گھر والوں کے کہنے کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنی بیوی کو طلاق یا طلاق کی دھمکی دے جبکہ بیوی اس کی فرمانبردار ہو، اور ساتھ رہنا بھی چاہتی ہو، اگر اس صورت میں شوہر طلاق دیتا ہے تو یہ بیوی پر ظلم ہے اور اس کا حساب آخرت میں شوہر سے ہوگا۔دوسری بات یہ ہے کہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی زندگی برباد ہو جائے گی۔

لہذا شوہر کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے وہ صلح صفائی سے کام لے اور معاملات درست کرنے کی کوشش کرے اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دے اس پر شوہر کو اجر ملے گا کیونکہ احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کرنے والے کیلئے بہت زیادہ اجر بیان فرمایا ہے اور اگر شوہر ہر حال میں طلاق ہی دینا چاہتا ہو اور ساتھ رہنے کی کوئی صورت بھی نہ ہو نیز وہ طلاق کے پیپر شوہر نے کسی اور سے تیار کرائے ہوں تو جب وہ ان پر دستخط کر دے تو بیوی کو طلاق ہو جائے گی اگر چہ بیوی طلاق نہ چاہتی ہو اور اگر وہ پیپر شوہر نے خود لکھے ہوں اور ان میں بیوی کو طلاق دینے کی صراحت ہو تو اس پیپر کے لکھتے ہی طلاق واقع ہو چکی۔

جہاں تک بچوں کے اخراجات کی بات ہے تو بیٹا اور بیٹی کے اخراجات شوہر کے ہی ذمہ ہیں۔

لمافی خلاصة الفتاوی (۷۵/۲): وطلاق اللاعب والهازل وطلاق الرجل الذی أراد أن یتکلم فسبق لسانه بالطلاق واقع۔

وفی الدر المختار(۲۳۵/۳): (ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل) ولو تقدیرا بدائع لیدخل السکران (ولو عبدا أو مکرها) فإن طلاقه صحیح لا إقراره بالطلاق۔

وفی الشامية (۶۱۲/۳): قوله (وینفق علیهم) أي علی أولاده الصغار وقیل نفقتهم في بیت المال بحر وفي القهستاني عن المحیط وتفرض علی المعسر بقدر الکفایة وعلی الموسر بقدر ما یراه الحاکم قوله (ولو لم یتیسر) أي الإنفاق علیهم أو الاکتساب قال في الفتح وإن لم یف کسبه بحاجتهم أو لم یکتسب لعدم تیسر المکسب أنفق علیهم القریب الخ ومثله في البحر۔

(۱۱) بے نمازی بیوی کو طلاق دینا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو سال قبل میری شادی ہوئی تھی میرا ایک لڑکا بھی ہے دو سال گزر چکے ہیں میری بیوی نہیں سلجھی۔ نماز اور تلاوت کے قریب تک نہیں جاتی، میرے والدین کے ساتھ جھگڑتی رہتی ہے۔ کافی بار پیار ومحبت سے سمجھایا ہے لیکن ماننے کیلئے تیار نہیں، اب میرا ارادہ ہے کہ اس کو طلاق دے کر کسی اور لڑکی سے شادی کرلوں میرے لئے ایسے حالات میں طلاق دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... نکاح کے ساتھ دینی اور دنیوی مصلحتیں متعلق ہوتی ہیں اور طلاق کے ذریعے ان مصلحتوں کو ختم کیا جاتا ہے اسی وجہ سے یہ عام حالات میں مکروہ ہے لیکن اگر زوجین کی طبیعتیں مختلف اور اخلاق میں موافقت نہ ہو، اسی طرح بیوی نماز نہ پڑھتی ہو اور دیگر اعمالِ صالحہ سے گریز کرتی ہو تو مرد کو چاہیئے کہ وہ اولاً پیار ومحبت سے سمجھائے اگر نہ سمجھے تو بستر الگ کرلیا جائے اگر یہ طریقہ بھی کارگر ثابت نہ ہو تو اس کو اس قدر مارا جائے کہ جس سے اس کے بدن پر نشان بھی نہ پڑیں اور وہ ان افعال سے باز آجائے۔ ان سب کے بعد بھی اگر وہ باز نہ آئے اور مرد یہ سمجھے کہ اس عورت کے ساتھ رہنے میں نکاح کے مصالح فوت ہورہے ہیں تو اس ضرورت کی بنا پر مرد کو طلاق دینے کی اجازت ہے۔

صورتِ مسئولہ میں چونکہ آپ پیار ومحبت کے ساتھ سمجھا چکے ہیں اس لئے آپ اپنا بستر الگ کرلیں۔ اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو ضرورت کے بقدر ماریں آخر میں طلاق بھی دے سکتے ہیں البتہ ایک طلاق رجعی دیں تاکہ بوقتِ ضرورت ومصلحت رجوع کا حاصل رہے اور آپ کو بھی تین طلاقیں دے کر ندامت اور گناہ نہ ہو۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۳۴): وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا۔

وفی التفسير المظهری(۱۰۰/۲): وإطلاق الكتاب وسياقه يقتضي أن يكون السياسة على قدر الجريمة فإن خاف نشوزها بأن ظهرت أماراته منها من المخاشنة وسوء الخلق وعظها فان أظهرت النشوز هجرها فإن أصرّت عليه ضربها على قدر نشوزها فان أتت بفاحشة أو تركت الصلوة المكتوبة أو صيام رمضان أو غسل الجنابة أو الحيض يضربها أو يحبسها بقدر ما يرى أن تنزجر بها وان كان نشوزها أدنى من ذلك وأصرّت ولم تنزجر بالوعظ والهجران ضربها غير مبرح۔

وفی سنن ابي داؤد (۲۵۶/۱): عن ابن عمر عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: "أبغض الحلال إلى الله تعالى الطلاق"

وفی بدائع الصنائع (۲۰۴/۴): وأما المعقول فمن وجوه أحدها أن النكاح عقد مصلحة لكونه وسيلة إلى مصالح الدين والدنيا والطلاق إبطال له وإبطال المصلحة مفسدة وقد قال الله عز وجل والله لا يحب الفساد وهذا معنى الكراهة الشرعية عندنا أن الله تعالى لا يحبه ولا يرضى به إلا أنه قد يخرج من أن يكون مصلحة لعدم توافق الأخلاق وتباين الطبائع أو لفساد يرجع إلى نكاحها بأن علم الزوج أن المصالح تفوته بنكاح هذه المرأة أو أن المقام معها سبب فساد دينه ودنياه فتنقلب المصلحة في الطلاق ليستوفي مقاصد النكاح من امرأة أخرى إلا أن لاحتمال أنه لم يتأمل حق التأمل ولم ينظر حق النظر في العاقبة قائم فالشرع والعقل يدعوانه إلى النظر وذلك في أن يطلقها طلقة واحدة رجعية حتى أن التباين أو الفساد إذا كان من جهة المرأة تتوب وتعود إلى الصلاح إذا ذاقت مرارة الفراق۔

وفی البحرالرائق (۱۸۸/۳): وفي المجتبى من آخر الحظر والإباحة لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة ولا عليها تسريح الفاجر إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا اهـ

وفی الهندية (۳۴۸/۱): وأما وصفه فهو أنه محظور نظرا إلى الأصل ومباح نظرا إلى الحاجة كذا في الكافي۔

(۱۲) حق زوجیت سے منع کرنے والی عورت کو طلاق دینا

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا نکاح مورخہ ۱۲/دسمبر ۲۰۰۹ء کو مسماۃ شائستہ کے ساتھ منعقد ہوا۔ نکاح کے دن سے ہی میری اہلیہ کا رویہ میرے ساتھ غیر مناسب رہا۔ چند روز بعد میری اہلیہ نے مجھ سے یہ بات کہی کہ

"میرا نکاح آپ کے ساتھ زبردستی کروایا گیا ہے جبکہ میں کسی اور لڑکے کو پسند کرتی ہوں"۔ اس پر میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ مجھے آپ کے ماضی سے کوئی واسطہ نہیں (مقصد یہ تھا کہ اب ہم دونوں میاں بیوی ہیں اچھے انداز سے زندگی گزاریں اور ماضی میں جو کچھ ہوا بھلا دیں) جس کے بعد میری اہلیہ نے مجھ سے علیحدگی کا مطالبہ کیا ان الفاظ میں کہ" پھر تم مجھے علیحدگی دیدو"۔ میں نے فوراً کہا کہ آئندہ ایسے کلمات زبان پر ہرگز نہیں لانا۔

بہر حال اس معاملے کے بعد وہ اپنے میکے چلی گئی اور واپس نہ آئی۔ میں نے اپنے بڑے بھائی کے معلوم کرنے پر انہیں کچھ صورتحال سے آگاہ کیا تو وہ صلح کروا کر اور سمجھا بجھا کر میری اہلیہ کو واپس گھر لے آئے۔ بعد ازاں بھی معاملات میں بہتری نہ آئی بلکہ اسی انداز سے چلتے رہے، یہاں تک کہ میں نے اس ارادے سے کہ اس کا دل نرم پڑ جائے اور باہمی نباہ ہو جائے اسے عمرہ کروانے لے گیا، وہاں حرم شریف، مطاف میں میں نے اس سے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمارے درمیان محبت قائم ہو جائے مگر اس نے دعا کرنے سے انکار کر دیا اور میری اس سعی کا یہ جواب دیا کہ جتنی بھی کوشش کرلو میں اپنے ارادے کو تبدیل نہیں کروں گی۔ تقریباً تین چار مرتبہ درخواست کی مگر اس نے مسترد کر دی۔

عمرہ سے واپسی پر بھی اسی انداز سے گھر پر رہتی اور وظیفہ زوجیت کی ادائیگی سے انکار کرتی اور مجھے اپنے قریب آنے سے روک دیتی حتیٰ کہ مجھے کمرے سے باہر سونے پر اور اپنے آپ سے دور رہنے پر مجبور کرتی۔ آخر کار میں نے جبراً صحبت کا ارادہ کیا تو یہ کہہ دیا کہ اگر ایسی کوشش کی تو میں خودکشی کرلوں گی۔ جس پر میں صحبت سے باز رہا اور غصہ میں آکر میں نے اپنی اہلیہ کے قریب نہ جانے کی قسم کھالی اس قسم پر میری اہلیہ نے کہا کہ یہ تو ایک طلاق ہوگئی لہٰذا اب بالکل بھی قریب نہ آنا جبکہ میں نے علاقے کے علماء سے مسئلہ معلوم کیا تو علماء نے جواب دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی تاہم قسم توڑنے پر کفارہ لازم ہوگا جو کہ میں ادا کر چکا ہوں۔ اس نوعیت کا ایک مسئلہ اس سے پہلے بھی ہوا ہے کہ موبائل فون پر میری چھوٹی سالی جس کو میں بہن کہتا ہوں اس سے اپنی اہلیہ کا پوچھا کہ کہاں ہے؟ اس نے بتایا کہ آرہی ہے۔ بعد میں رابطہ کیا تو میری اہلیہ نے فون اٹھایا میرے زعم کے مطابق کے میری سالی ہے میں نے کہا کہ" بہن شائستہ کہاں ہے؟ (شائستہ میری اہلیہ کا نام ہے) تو جواب دیا کہ میں ہی شائستہ ہوں۔ اس مکالمہ پر اعتراض کیا کہ اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ یہ مسئلہ بھی علماء سے معلوم کیا تو جواب ملا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ پھر میں نے اسے میکے جانے کو کہہ دیا اور یہ کہا کہ جو چیز چاہیئے وہ یہاں سے لے جاؤ اور میں تمہیں تمہارے میکے چھوڑ دیتا ہوں جس پر اس نے کہا کہ میں خود چلی جاتی ہوں اور وہ میکے چلی گئی۔

اس کے بعد میں نے اس کو نہیں بلایا مگر اس دوران لڑکی کے والدین (میرے سسرال والوں) نے مجھے بدنام کرنے کیلئے یہ بات مشہور کردی کہ میں پاگل ہوں جبکہ الحمد للہ میرا اپنا ذاتی کاروبار ہے اور علاقے کے معتبر افراد جو مشاہدہ کرتے رہتے ہیں انہوں نے اس بات کی تردید کردی۔ بعد ازاں جب یہ سازش کارگر نہ ہوئی تو ایک دوسرا الزام لگا دیا کہ میں نامرد ہوں جبکہ میرے بڑے بھائی نے میرا معائنہ کروایا جس کی رپورٹ بھی الحمد للہ سو فیصد کامل ہے جس کی تصدیق مزید تین ڈاکٹروں سے کروائی۔

نوٹ:......واضح رہے کہ ان سات ماہ کے عرصہ میں میری اہلیہ مجموعی طور پر صرف دو ماہ میرے گھر رہی اکثر وقت اپنے میکے

میں ہی گزارا ہے اوران ۶۰ ایام میں بھی منع کرنے کے باوجود میکے چلی جاتی اور رات گئے ڈیڑھ دو بجے واپس آتی۔ نکاح کے بعد سے لے کر آج تک ہمارے درمیان ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوا۔ اب سوال یہ ہیں:

(۱) اس تمام صورتحال کے بعد شرعاً میں طلاق دے سکتا ہوں یا نہیں اور آیا عنداللہ کوئی مواخذہ تو نہ ہوگا؟

(۲) شرعاً طلاق دینے کا طریقہ کیا ہوگا؟

(۳) میرے گھر والوں نے شادی کے وقت کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ کپڑوں وغیرہ کے ساتھ ساتھ سات تولہ سونا بطور ہدیہ لڑکی کو دیا تھا اور میں نے مہر کے عوض نقد پانچ ہزار روپے اپنی اہلیہ کو دیئے تھے اور یہاں ناچاقیاں اور نافرمانی میری اہلیہ کی طرف سے پائی جارہی ہیں، اس بنیاد پر میں اپنی بیوی کو طلاق دوں تو ہماری طرف سے دیئے ہوئے سونے اور نقدی کا مطالبہ شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

ازراہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر ہماری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... جب میاں بیوی میں نااتفاقی پیدا ہوجائے تو دونوں طرف کے اولیاء کو چاہیئے کہ وہ ان میں صلح کرانے کی حتی الامکان کوشش کریں اور اگر کوئی چارہ کار نہ ہو تو پھر ضرورت کے وقت شوہر کیلئے اپنی بیوی کو طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں، پھر اگر ناچاقی عورت کی جانب سے پائی جائے تو شوہر اپنی بیوی کو بعوض مال طلاق دے سکتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں (برتقدیر صحت واقعہ) اگر آپ اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہیں تو اس پر (انشاء اللہ) عنداللہ کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور آپ کیلئے اپنی بیوی سے طلاق کے عوض سونا اور نقدی کا مطالبہ کرنے کی شرعاً اجازت ہے اگرچہ مناسب یہ ہے کہ مقدار مہر سے زیادہ کا مطالبہ نہ کیا جائے نیز شرعاً طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی بیوی کو ایامِ طہر میں (یعنی مخصوص ایام کے علاوہ کے دنوں میں) جن میں آپ نے بیوی سے ہمبستری نہ کی ہو، ایک طلاق دے کر چھوڑ دیں پھر جب اس کی عدت پوری ہوجائے تو وہ آپ سے فارغ ہوجائے گی اور اس کیلئے دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت ہوگی۔

لما في القرآن الكريم (النساء: ۳۵): وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا۔

(النساء: ۲۰): وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا۔

وفي بدائع الصنائع (۳۲۸/۲): فصل وأما الطلاق على مال فهو في أحكامه كالخلع لأن كل واحد طلاق بعوض۔

وفي الهندية (۴۸۸/۱): إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعلا ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال كذا في الهداية إن

كان النشوز من قبل الزوج فلا يحل له أخذ شيء من العوض على الخلع وهذا حكم الديانة فإن أخذ جاز ذلك في الحكم ولزم حتى لا تملك استرداده كذا في البدائع وإن كان النشوز من قبلها كرهنا له أن يأخذ أكثر مما أعطاها من المهر ولكن مع هذا يجوز أخذ الزيادة في القضاء كذا في غاية البيان۔

وفي الشامية (۴۴۶/۳): نعم يكون أخذ الزيادة خلاف الأولى والمنع محمول على الأولى اهـ ومشى عليه في البحر أيضا۔

(۱۳) بیمار بیوی کو طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا بھائی جو کہ تقریباً پانچ سال پہلے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوا لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔ نکاح کے تقریباً ایک سال کے بعد بھابھی بیماری میں مبتلا ہو گئیں اور ابھی حالت یہ ہے کہ نہ وہ اپنے ہاتھ سے کھانا کھا سکتی ہے اور نہ ہی بول اور چل سکتی ہے۔ چار سال سے بستر پر ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ صحت یاب ہو جائے لیکن امکان بہت کم ہے۔ لڑکی کے والد میرے بھائی کو دوسری شادی کرنے کی اجازت تقریباً ڈیڑھ سال سے دے چکے ہیں لیکن طلاق سے سختی سے منع کیا ہوا ہے بقول ان کے کہ "میں یہ گناہ اپنے سر نہیں لے سکتا" اب لڑکا بہت ملامت کے بعد دوسری شادی کیلئے رضامند ہوا ہے لیکن جب دوسری جگہ رشتہ لے کر جاتے ہیں تو سامنے والے پہلی بیوی کے نکاح کی بات کرتے ہیں کہ پہلے والا معاملہ طے کریں (یعنی پہلے والا نکاح ختم کریں)۔ اس معاملے میں شریعت کی رُو سے ہماری معاونت فرمائیں کہ آیا ہم پہلا نکاح ختم کریں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......بغیر کسی عذر کے اپنی بیوی کو طلاق دینا ایک قبیح فعل ہے اور عورت کے ساتھ ظلم ہے لیکن صورت مسئولہ میں چونکہ پہلی بیوی سے استمتاع ممکن نہیں ہے اور بغیر طلاق کے کوئی رشتہ بھی نہیں دیتا، لہٰذا اس عذر کی بناء پر اسے طلاق دینے کی گنجائش ہے۔

لما في الشامية (۲۲۸/۳): وأما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر بمعنى أنه محظور إلا لعارض يبيحه وهو معنى قولهم الأصل فيه الحظر والإباحة للحاجة إلى الخلاص فإذا كان بلا سبب أصلا لم يكن فيه حاجة إلى الخلاص بل يكون حمقا وسفاهة رأي ومجرد كفران النعمة وإخلاص الإيذاء بها وبأهلها وأولادها ـــ وعليه حديث أبغض الحلال إلى الله عز وجل الطلاق قال في الفتح ويحمل لفظ المباح على ما أبيح في بعض الأوقات أعني أوقات تحقق الحاجة المبيحة اهـ وإذا وجدت الحاجة المذكورة أبيح وعليها يحمل ما وقع منه ومن أصحابه وغيرهم من الأئمة صونا لهم عن العبث والإيذاء بلا سبب۔

(۱۴) دماغی توازن خراب ہونے والی بیوی کو طلاق دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے چھوٹے بھائی شہزاد حسین خان ولد اخلاق حسین خان (مرحوم) کی شادی بروز جمعرات ۱۲/فروری ۲۰۰۹ء کو انجام پائی جس لڑکی سے شادی ہوئی اُس کا نام امبرین بنت واحد خان ہے لڑکی شادی کے دن سے ولیمہ تک ٹھیک تھی جبکہ ۱۷/فروری بروز منگل کی صبح سے وہ مسکرا رہی تھی اور شام تک اس قسم کی مختلف حرکات کر رہی تھی مثلاً کچن کے سارے برتن باہر رکھ دیئے اور غسل کے لئے باتھ روم میں جانے کے بجائے کمرے ہی میں رہی، والدہ کے بار بار سمجھانے پر وہ غسل کرنے کے لئے گئی لیکن ۳ گھنٹے تک باہر نہیں آئی جس پر گھر والوں نے لڑکی کے والدین کو خبر دی، وہ آئے اور کہا کہ ہماری بیٹی کسی آسیب میں آ گئی ہے اور ہم اس کو کہیں چیک کروائیں گے۔

آپ سے معلوم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میرا بھائی اب اس لڑکی کے ساتھ اپنی زندگی کا سفر ختم کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ لڑکی شادی کے ۳ روز کے بعد ہی اپنا دماغی توازن ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے اپنے گھر پر ہے اور گھر والے ہم سے کسی قسم کا رابطہ نہیں کر رہے ہیں۔ میرا اور میرے گھر والوں کا فیصلہ یہ ہی ہے کہ اس سلسلے کو مزید آگے نہ بڑھایا جائے کیونکہ لڑکی کی دماغی کیفیت ٹھیک نہیں ہے۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ اگر ہم لڑکی کو طلاق دیتے ہیں تو آیا شرعاً گنہگار تو نہیں ہوں گے۔ میرے اس مسئلے کو جلد از جلد حل کیا جائے تا کہ میرے بھائی اور دیگر اہل خانہ کی زندگی معمول پر آ سکے۔ لڑکی کی رہائش پاک کالونی میں ہے اور ہم لوگ بفرزون نارتھ کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... نکاح اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لئے مشروع کیا ہے کہ میاں بیوی اللہ کی حدود کو قائم کریں اور خوشگوار زندگی گزار سکیں لیکن جب ان سے یہ چیزیں ادا نہ ہو سکیں تو شریعت نے طلاق کو مشروع کیا ہے کہ شوہر بیوی کو طلاق دیدے لہٰذا صورت مسئولہ میں بصحت واقعہ پہلے بیوی کا علاج کروایا جائے اگر علاج کروانے کے باوجود ٹھیک نہ ہو تو پھر بیوی کو طلاق دیدے کیونکہ اس صورت میں نکاح کی جو مصلحتیں ہیں وہ قائم نہیں ہو سکتیں۔

لمافی حاشية بدائع الصنائع (۱۸۵/۴): حكمة مشروعية الطلاق: إن عقدة النكاح من أعظم نعم الله تعالى فهي تقرب البعيد وتؤلف بين الأشتات والمتعادين وتربط العائلات بعضها ببعض بها تتكون الأسر و من الأسر تتكون الأمم وبها يكتسب الإنسان أنصاراً ويتخذ أعوانا وهي مع هذا سبب في الفقه وصيانة الدين --- وان لزاماً على من يسر الله المؤنة وحباه الاستطاعة ان يعمل على استكمال دينه باختيار الزوجة الصالحة التي تحفظه إذا غاب وتسره اذا حضر وتكون له عوناً على نوائب الدهر والسغيد في هذه الحياة الدنيا من يوفقه الله الى سلوك الجادة في هذا السبيل، --- حتى اذا تعذرت الحياة الهانئة الهادئة أمكن للمسلم أن يفر من

غصص الحياة وأكدارها بما جعله الله له فرجاً ومخرجا من الضيق ولم يجعلها غلاً فی عنقه وقيداً فی رجله واصراً علی ظهره إذ لعلها لا تصح له ولا توافقه فملكه أن يفارقها ويأخذ غيرها۔

وفی الفقه الاسلامی (۹/۶۸۷۴): حكمة تشريع الطلاق: تظهر حكمة تشريع الطلاق من المعقول السابق، وهو الحاجة إلى الخلاص من تباين الأخلاق، وطروء البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله تعالى، فكان تشريعه رحمة منه سبحانه وتعالى أي أن الطلاق علاج حاسم، وحل نهائي أخيراً لما استعصى حله على الزوجين وأهل الخير والحكمين، بسبب تباين الأخلاق، وتنافر الطباع، وتعقد مسيرة الحياة المشتركة بين الزوجين، أو بسبب الإصابة بمرض لا يحتمل، أو عُقْم لا علاج له، مما يؤدي إلى ذهاب المحبة والمودة، وتوليد الكراهية والبغضاء، فيكون الطلاق منفذاً متعيناً للخلاص من المفاسد والشرور الحادثة.

(۱۵) بدتمیز بیوی کو طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری زوجہ اپنے گھر والوں خصوصاً والدہ اور بہنوں کے کہنے میں آکر میرے ساتھ نہایت ہی غیر مہذب اور غیر شائستہ رویہ اپنائے ہوئے ہیں گھر والوں کے کہنے میں آکر ہر وہ کام کرتی ہیں جس سے میں منع کرتا ہوں، اپنے بھائی کے دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے جانا، گاڑی میں غیر مردوں کے بیچ بیٹھ جانا، نقاب نہ لگانا، راہ چلتے تیز آواز میں باتیں کرنا، بے انتہا جھوٹ بولنا، گھر سے بتائے بغیر اور اجازت کے بغیر چلے جانا، گھر میں ایسے کام کرنا جس سے میرے لئے پریشانیاں اور مسئلے پیدا ہوں، ہر وقت لڑتے رہنا، بدکلامی کرنا، تو تڑاخ سے بات کرنا وغیرہ وغیرہ۔

پچھلے تین مہینے سے مجھ سے بلا اجازت اور بغیر بتائے اپنی والدہ کے ہاں جا کر بیٹھ گئی ہیں اور واپس آنے کیلئے الگ گھر لینے کی شرطیں رکھ رہی ہیں جبکہ میں انہیں والدہ کے گھر پر رکھنا چاہ رہا ہوں ہمارا ایک چار ماہ کا بیٹا بھی ہے، میرے انکار کرنے پر ان کی والدہ انہیں طلاق دلوا کر گھر بٹھانے پر راضی ہیں اور میری زوجہ بھی اپنی والدہ، بہنوں اور بھائیوں کے کہنے میں آکر مجھ سے طلاق کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ کیا میں انہیں طلاق دے دوں، اس کا گناہ میرے ذمہ تو نہیں ہوگا، کیونکہ میں انہیں صرف ۴ ماہ کیلئے ہر حال میں اپنی والدہ کے گھر رکھنا چاہ رہا ہوں، اس کے بعد الگ گھر لے لوں گا، مگر یہ راضی نہیں ہیں اور طلاق کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب۔ بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں سب سے پہلے خود شوہر بیوی کو سمجھائے اگر پھر بھی وہ نہ سمجھے تو دونوں خاندان کے بزرگ اس معاملہ کو حل کرنے کی کوشش کریں اگر پھر بھی معاملہ حل نہ ہو تو بیوی کو کچھ عرصہ کیلئے یعنی چھ مہینے یا سال بھر کیلئے والدین کے گھر چھوڑ دیں کہ ممکن ہے اس طرح ان کے اندر اصلاح کی طرف رغبت پیدا ہو جائے بصورت دیگر اگر تمام کوششیں رائیگاں جاتی ہیں اور

طلاق دینے تک نوبت پہنچ جاتی ہے تو ایسے طہر کے زمانے میں جس میں ہمبستری نہ کی ہو ایک طلاق رجعی دے دیں اس میں شوہر کو عدت کے زمانے میں رجوع کا اختیار باقی رہتا ہے اور عدت گزرنے پر عورت بائن ہو جائے گی۔

لما في القرآن الكريم (النساء:۳۵): وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا۔

وفي الهداية (۲/۳۷۳): فالأحسن أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه ويتركها حتى تنقضي عدتها۔

وفي الدر المختار (۳/۲۳۱): (طلقة) رجعية (فقط في طهر لا وطء فيه) وتركها حتى تمضي عدتها (أحسن) بالنسبة إلى البعض الآخر۔

(۱۶) حقوق ادا نہ کرنے والی بیوی کو طلاق دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بیوی میرے حقوق ادا نہیں کرتی اور ہر وقت تکلیف کا عذر کرتی ہے۔ اب وہ کہتی ہے آپ مجھے طلاق دیدو۔ ایسی بیوی کو طلاق دینا کیسا ہے؟ اس صورت میں طلاق دینے سے میں گناہگار ہوں گا؟

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں میاں بیوی کے درمیان اگر حقوق کے معاملے میں اتفاق نہ ہو سکے اور بیوی جماع کی قدرت نہ دیتی ہو تو چونکہ یہ شوہر کا شرعی حق ہے اس کے عدم حصول پر شوہر طلاق دے سکتا ہے البتہ اگر وہ حقوق جو دیانۃً بیوی پر واجب ہوتے ہیں مثلاً گھر کی صفائی، ستھرائی، کھانا بنانا وغیرہ یہ سب حکم کے درجے میں بیوی پر نہیں اگر جھگڑا ان حقوق سے متعلق ہے تو شوہر کو چاہیئے افہام وتفہیم سے معاملے کو حل کرنے کی کوشش کرے، ان حقوق پر بیوی سے سختی سے پیش آنا یا طلاق دینا جائز نہیں۔

لما في القرآن الكريم (النساء:۳۵): وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا۔

وفي البخاري (۲/۷۹۴): عن ابن عباس رضي الله عنه أن امرأة ثابت بن قيس أتت النبي صلى الله عليه وسلم. فقالت: يا رسول الله، ثابت بن قيس، ما أعتب عليه في خلق ولا دين، ولكني أكره الكفر في الإسلام. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتردين عليه حديقته؟ قالت: نعم. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقبل الحديقة وطلقها تطليقة۔

وفيه أيضاً (۲/۷۸۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، لعنتها الملائكة حتى ترجع۔

وفي الشامية (۴۴۱/۳): وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط.

وفي الشامية (۲۲۸/۳): وأما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر بمعنى أنه محظور إلا لعارض يبيحه وهو معنى قولهم الأصل فيه الحظر والإباحة للحاجة إلى الخلاص فإذا كان بلا سبب أصلا لم يكن فيه حاجة إلى الخلاص بل يكون حمقا وسفاهة رأي ومجرد كفران النعمة وإخلاص الإيذاء بها وبأهلها وأولادها ولهذا قالوا إن سببه الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله تعالى۔

(۱۷) ناشکرا اور بدزبان بیوی کو طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری شادی بیس سال قبل ہوئی تھی ذریعہ معاش درمیانہ رہا، اللہ کا شکر ہے کہ تین بچے (بیٹی ۱۸ سال کی اور ایک بیٹا ۱۳ سال اور ایک ۶ سال کا) ہیں زندگی گزر رہی تھی نشیب وفراز میں زندگی کا کارواں چلتا رہا لیکن بیوی اور سسرال والوں کے مطابق وہ خوشحال نہیں پھر تلخی بڑھتی گئی میں نے کنڈیکٹری کی ،ٹھیلہ لگایا، کامیابی نہیں ملی لیکن محنت ومشقت کرتا رہا۔اس کے لئے کبھی قرض لینا پڑا۔کبھی مشکل میں پھنس گیا زندگی اجیرن ہوتی گئی، میں نے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی مگر ناکام رہا۔اللہ تعالی نے زندگی باقی رکھی۔توبہ کی اور اپنے عمل پر ندامت کرتا ہوں اور اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔میں نے جن حالات میں طلاق دی پانچ سال تک اسے برداشت کرتا رہا۔ان تمام واقعات کی روشنی میں آپ قرآن اور رسول کے فرمان کے مطابق بتائیں کہ میں نے جو کیا ٹھیک ہے یا نہیں؟

۱) دومرتبہ بیوی نے مجھے مارا میں نے اس کا جواب نہیں دیا۔

۲) جب بھی آمدنی لاکر دیتا تو ہمیشہ یہی کہتی کہ بس اتنا ہی لا کر دیا اس سے کیا ہوگا میں کہتا کہ اللہ کا شکر کرو لیکن جواب میں کہتی کہ کس بات کا شکر، ان پیسوں سے کیا ہوگا؟

۳) وہ کہتی کہ میری نظر میں کتے سے زیادہ تمہاری اہمیت نہیں ہے میرے پیر کی چپل کے برابر بھی نہیں ہو۔

۴) داڑھی رکھی تو کہتی ایسا چہرہ لگ رہا ہے کہ لعنت برس رہی ہو اور پھٹکار پڑ رہی ہے۔

۵) ایک سادات فیملی کا لڑکا تھا ایک بار میں نے اپنی بیوی سے بیٹی کے رشتے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ مذہبی لوگوں سے اور داڑھی والوں سے سخت نفرت ہے۔اسی طرح کے جھگڑوں میں پچھلے پانچ سال سے کرب ناک زندگی گزر رہی تھی اور بھی بے شمار باتیں ہیں۔اب آپ ارشاد فرمائیں کہ میرا یہ عمل درست تھا یا نہیں؟ یہ تمام باتیں میری برداشت سے باہر ہوگئی تھیں تو یہ عمل کیا۔

۶) پچھلے چار پانچ سالوں سے انہوں نے یہ طریقہ بنایا ہوا تھا کہ ہر بات پر طلاق مانگتی اور کہتی تھی کہ کیسے نہیں طلاق دے گا تیرا باپ بھی طلاق دے گا۔

(نوٹ: کوئی بھی فرد ایسا نہیں تھا جو انہیں لگام دے سکے اور بتا سکے کہ یہ تمام کام شریعت کے خلاف کر رہی ہو۔ وہ خود اپنے آپ کو عقلمند سمجھتی اور کوئی ان کے پائے کا نہیں ہے وہ خود کہتی ہے کہ میں نے اپنے باپ کی نہیں سنی، تو تمہاری کیا سنوں گی۔)

۷) اس عورت کا کہنا ہے کہ اچھی بری قسمت نہیں ہوتی انسان اسے بناتا ہے۔ جو کچھ نہیں کر سکتا وہ اچھی بری قسمت کا بہانہ بنا کر ٹال دیتا ہے اس طرح کی عورت کے بارے شریعت کیا کہتی ہے؟ اصلاح کیلئے مشورے دیئے جائیں کیونکہ میرے معصوم بچے ان کے پاس ہیں اور ان بچوں کو صحیح تربیت کی ضرورت ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......نکاح کے بعد جب زوجین (میاں بیوی) کا آپس میں نباہ مشکل ہو جائے اور وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ پا رہے ہوں خصوصاً جب بیوی نافرمان، فاسقہ اور ہر وقت لڑائی جھگڑے کے لئے تیار ہو تو شریعت مطہرہ نے اس وقت طلاق کو مباح قرار دیا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ بیان کردہ حالات (اگر نفس الامر میں صحیح ہوں) کی بناء پر آپ کا اپنی بیوی کو طلاق دینا درست تھا اور اس پر آپ کا مواخذہ نہ ہوگا۔ اسی طرح زوجین میں جدائی کے بعد اولاد کی پرورش کا حق، لڑکا ہونے کی صورت میں سات سال تک اور لڑکی ہونے کی صورت میں ۹ سال تک ماں کو ہے اور اس کے بعد والدہ کا حق پرورش ختم ہو جاتا ہے اور والد کو اختیار ہوتا ہے وہ اپنی اولاد کو لے لے نیز اگر والدہ ایسی فاسقہ ہو کہ اس کے بارے میں یقین ہو کہ یہ بچے کی پرورش صحیح طریقے سے نہ کر سکے گی یا وہ عورت بچے کے نامحرم سے نکاح کر لے تو اس صورت میں بھی والدہ کا حق پرورش ختم ہو جاتا ہے اور والد کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اولاد کو اپنی تربیت میں لے لے۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۳۴): الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا۔

وفی الهندیة (۳۴۸/۱): وأما وصفه فهو أنه محظور نظرا إلى الأصل ومباح نظرا إلى الحاجة كذا في الكافي۔

وفی الدر المختار (۲۲۹/۳): وقولهم الأصل فيه الحظر معناه أن الشارع ترك هذا الأصل فأباحه بل يستحب لو مؤذية أو تاركة صلاة غاية ومفاده أن لا أثم بمعاشرة من لا تصلي ويجب لو فات الإمساك بالمعروف۔ الخ۔

وفی الشامیة (۴۴۱/۳): وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن

يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اھ ط

وفي الدرالمختار(۵۶۶/۳):(والحاضنة) أما أو غيرها (أحق به) أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى لأنه الغالب ۔۔۔ (والأم والجدة) لأم أو لأب (أحق بها) بالصغيرة (حتى تحيض) أي تبلغ في ظاهر الرواية ولو اختلفا في حيضها فالقول للأم بحر بحثا وأقول ينبغي أن يحكم سنها ويعمل بالغالب وعند مالك حتى يحتلم الغلام وتتزوج الصغيرة ويدخل بها الزوج عيني (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقدر بتسع وبه يفتى۔

وفي الرد تحته: قوله (وبه يفتى) قال في البحر بعد نقل تصحيحه والحاصل أن الفتوى على خلاف ظاهر الرواية ۔الخ۔

وفي الشامية (۵۵۷/۳):والحاصل أن الحاضنة إن كانت فاسقة فسقا يلزم منه ضياع الولد عندها سقط حقها وإلا فهي أحق به إلى أن يعقل فينزع منها كالكتابية ۔

(۱۸)انگریزی فیشن والے کپڑے پہننے پر بیوی کو طلاق دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی بیوی کو نئے نئے فیشن کرنے کا بہت شوق ہے وہ ہر قسم کے لباس پہننے کی کوشش کرتی ہے۔ یہاں تک کہ انگریز عورتوں جیسے آدھی پنڈلیوں، کھلے گلے والے کپڑے پہنتی ہے کبھی کبھار پینٹ شرٹ بھی پہنتی ہے زید کے بہت منع کرنے کے باوجود وہ اس فعل سے باز نہیں آتی کیا اس صورتحال میں زید بیوی کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بیوی اگر اپنے شوہر کے منع کرنے کے باوجود نئے نئے فیشن اختیار کرتی ہے اور انگریزی لباس کی عادی ہے کھلے گلے والے کپڑے پہنتی ہے اور مردانہ لباس پینٹ شرٹ بھی پہنتی ہے تو شوہر کو چاہیئے کہ پہلے وعظ و نصیحت کے ذریعے اصلاح کی کوشش کرے اگر وہ نہ مانے تو بستر علیحدہ کرکے اصلاح پر آمادہ کرے اگر یہ بھی کارگر نہ ہو تو شوہر سختی اختیار کرتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کرے اس سے بھی اگر اصلاح نہ ہو تو خاندان کے بڑوں کے ذریعے مفاہمت کی کوشش کرے جو دونوں خاندان کی طرف سے ہوں اگر پھر بھی اصلاح نہ ہو تو شوہر کیلئے ایسی بیوی کو طلاق دے دینا مستحب ہے۔

لما في القرآن الكريم (النساء:۳۴):وَالّٰتِي تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا.

وفي التفسير المظهرى (۱۰۰/۲):فان خاف نشوزها بان ظهرت اماراته منها من المخاشنة وسوء الخلق وعظها فان أظهرت النشوز هجرها فان أصرّت عليه ضربها على قدر نشوزها

فان أتت بفاحشة أو تركت الصّلوة المكتوبة أو صيام رمضان أو غسل الجنابة أو الحيض ضربها أو يحبسها بقدر ما يرى ان تنزجر بها وان كان نشوزها ادنى من ذلك وأصرّت ولم تنزجر بالوعظ والهجران ضربها غير مبرح۔

وفی مشکوۃ المصابیح (۲/۲۸۷): وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: إن لي امرأة لا ترد يد لامس فقال النبي صلى الله عليه وسلم: " طلقها " قال: إني أحبها قال: " فأمسكها إذا " . رواه أبو داود والنسائي۔

وفی الهندية (۳/۳۴۸): وأما وصفه فهو أنه محظور نظرا إلى الأصل ومباح نظرا إلى الحاجة كذا في الكافي۔

وفی الدر المختار (۳/۲۲۹): بل يستحب لو مؤذية أو تاركة صلاة غاية۔

وفی الرد تحته: قوله (بل يستحب) إضراب انتقالي ط قوله (لو مؤذية) أطلقه فشمل المؤذية له أو لغيره بقولها أو بفعلها ط قوله (أو تاركة صلاة) الظاهر أن ترك الفرائض غير الصلاة كالصلاة وعن ابن مسعود لأن ألقى الله تعالى وصداقها بذمتي خير من أن أعاشر امرأة لا تصلي ط

(۱۹) طلاق احسن اور طلاق ابغض المباحات ہونے میں تعارض کا دفیعہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ طلاق ابغض المباحات ہے دوسری طرف طلاق کی اقسام میں طلاق احسن بھی ہے دونوں میں تضاد نظر آرہا ہے احسن کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جب طلاق دینے کا ارادہ ہو تو طلاق دینا بہت اچھا ہے اور ابغض کا مطلب یہ ہے کہ طلاق بہت بری چیز ہے میں بہت پریشان ہوں میری بیوی نے میری ناک میں دم کر رکھا ہے بہت نافرمانی کر رہی ہے کچھ بھی ماننے کیلئے تیار نہیں۔ آیا طلاق دینا میرے لئے احسن ہوگا یا ابغض؟ اور یہ جو تضاد نظر آرہا ہے اس کا بھی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کے حوالے سے احکامات دیئے ہیں، جہاں توالد وتناسل کی بقاء کے لئے نکاح کی اجازت دی ہے وہاں اگر میاں بیوی کے درمیان تعلقات موافق نہ ہوں تو طلاق اور خلع جیسے احکامات بھی فراہم کئے ہیں لیکن بغیر حاجت وضرورت کے معمولی سی بات پر عورتوں کو طلاق دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض اور ناپسندیدہ ہے جس کو حدیث میں "ابغض المباحات" سے تعبیر کیا ہے اور طلاق کو احسن وحسن کہنا، طلاق بدعی (ایک طہر میں اکٹھے یا متفرقاً تین طلاقیں دینا یا حالت حیض میں طلاق دینا) کے مقابلے میں ہے کیونکہ طلاق بدعی حرام ہے اس کے مقابلے میں ان دو طریقوں کو احسن اور حسن قرار دیا گیا کیونکہ یہ دونوں بوقت ضرورت جائز ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ فی نفسہ وہ حسن یا احسن ہے۔

باقی آپ کو چاہیئے کہ آپس میں تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کریں اور اگر طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو پھر طلاق احسن (طہر میں بغیر جماع کئے ایک طلاق دے کر اس کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ عدت گزر جائے) دے کر اچھے طریقے سے اس کو رخصت کریں۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:٢٢٩): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمۡسَاكٌ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌ بِإِحۡسَانٍ.

وفيه أيضاً(البقرة:٢٣١):وَإِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغۡنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمۡسِكُوهُنَّ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعۡرُوفٍ وَلَا تُمۡسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعۡتَدُوا وَمَن يَفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهُ.

وفي مرقاة المفاتيح (٣٨٦/٦):أن النبي قال أبغض الحلال إلى الله الطلاق قيل كون الطلاق مبغوضا مناف لكونه حلالا فإن كونه مبغوضا يقتضي رجحان تركه على فعله وكونه حلالا فإن كونه مبغوضا يقتضي رجحان تركه على فعله وأجيب بأنه ليس المراد بالحلال ما استوى طرفاه بل أعم فإن بعض الحلال مشروع وهو عند الله مبغوض ـــ ولما كان أحب الأشياء عند الشيطان هو التفريق بين الزوجين كما سبق كان أبغض الأشياء عند الله هو الطلاق هذا حاصل ما ذكره الطيبي وغيره وقال الشمني أجيب بأن المراد بالحلال ما ليس تركه بلازم الشامل للمباح والواجب والمندوب والمكروه اهـ وقد يقال الطلاق حلال لذاته والأبغضية لما يترتب عليه من انجراره إلى المعصية أو يقال أبغض الحلال عند الحاجة إلى الله أي عنده أو في حكمه الطلاق من غير الضرورة والله تعالى أعلم۔

وفي فتح القدير (٤٦٦/٣): فالأحسن أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه ـــ اعلم أن السني المسنون وهو كالمندوب في استعقاب الثواب والمراد به هنا المباح لأن الطلاق ليس عبادة في نفسه ليثبت له ثواب فمعنى المسنون منه ماثبت على وجه لا يستوجب عتابا نعم لو وقعت له داعية أن يطلقها عقيب جماعها أو حائضا أو ثلاثا فمنع نفسه من الطهر إلى الطهر الآخر والواحدة نقول إنه يثاب لكن لا على الطلاق في الطهر الخالي بل على كف نفسه عن ذلك الإيقاع۔

وفي الشامية (٢٢٨/٣): فحيث تجرد عن الحاجة المبيحة له شرعا يبقى على أصله من الحظر ولهذا قال تعالى { فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا }أي لا تطلبوا الفراق وعليه حديث أبغض الحلال إلى الله عز وجل الطلاق۔

وفيه ايضاً(٢٣١/٣): قوله (بالنسبة إلى البعض الآخر) أي لا أنه في نفسه حسن فاندفع به ما قيل

كيف يكون حسنا مع أنه أبغض الحلال وهذا أحد قسمي المسنون ومعنى المسنون هنا ما ثبت على وجه لا يستوجب عتابا لا أنه المستعقب للثواب لأن الطلاق ليس عبادة في نفسه ليثبت له ثواب فالمراد هنا المباح.

(٢٠) طلاق دینے کا اختیار صرف مرد کو ہے

سوال ـــــ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں شاہدہ بنت مقصود حسن آپ سے اپنے ایک دینی مسئلہ میں فتویٰ طلب کرنا چاہتی ہوں جس کی صورت درج ذیل ہے:

میں نے دو روز پہلے غصّہ میں آکر آخر اپنے شوہر اشرف ولد مبارک خان سے علیحدہ ہونے کا سوچا اور تین دفعہ اپنے شوہر کے سامنے یہ الفاظ دہرائے کہ "اشرف آپ سے طلاق لیتی ہوں، آپ سے طلاق لیتی ہوں، آپ سے طلاق لیتی ہوں" یہ الفاظ دہرانے کے بعد مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ صورت مسئولہ میں کیا طلاق ہوگئی یا نہیں؟ میرا اصرار ہے کہ طلاق ہوگئی جبکہ میرے شوہر اس سے انکاری ہیں۔ براہ کرم مذکورہ صورت مسئلہ میں قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں۔

الجواب بعون ملک الوهاب ـــــ صورت مسئولہ میں آپ کا اپنے شوہر کو "تم سے طلاق لیتی ہوں" کے الفاظ کہنے کے بعد اگر آپ کے شوہر نے جواب میں طلاق دیتا ہوں یا اس جیسا کوئی جملہ نہیں کہا جو طلاق دینے پر دلالت کرتا ہو تو آپ پر کوئی طلاق صرف آپ کے کہنے سے واقع نہیں ہوئی کیونکہ طلاق کا اختیار اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے نہ کہ عورت کو۔

ففي الخانية (١/٤٨٠): كتاب الطلاق الفصل الأول في صريح الطلاق: امرأة قالت لزوجها في غضب بينهما إن كان في يدك في يدي أستنقذ نفسي فقال الزوج التي في يدي في يدك فقالت المرأة طلقت نفسي ثلاثا فقال لها الزوج قولي مرة أخرى فقالت المرأة طلقت نفسي ثلاثا ثم قال الزوج لم أرد بذلك طلاقا طلقت ثلاثا بقولها طلقت نفسي ثلاثا بعد قوله قولي مرة أخرى. ولو لم يقل الزوج مرة أخرى والمسألة بحالها ـــــ لا تطلق وكان القول قوله ديانة وقضاء.

وفي الهندية (١/٣٥٣): فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغا عاقلا سواء كان حرا أو عبدا طائعا أو مكرها كذا في الجوهرة النيرة.

وفي الفتاوى اللجنة الدائمة (٢٠/١١) كتاب الطلاق: إذا طلقت المرأة زوجها فهل عليها من كفارة وما كفارة ذلك؟

ج: إذا طلقت المرأة زوجها فلا يقع الطلاق. وليس عليها كفارة. ولكن تستغفر الله وتتوب إليه؛ لأن إصدار الطلاق منها على زوجها مخالف للأدلة الشرعية. فقد دلت على أن الطلاق بيد

الزوج أو من يقوم مقامه شرعا. وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

(۲۱) طلاق زبانی اور تحریری دونوں طرح واقع ہو جاتی ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں فاطمہ زوجہ سمیع اپنے پورے ہوش وحواس میں بول رہی ہوں کہ میرے نو بچے ہوئے جن میں سے چار کا انتقال ہو گیا اور پانچ زندہ ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ ندا، بُسریٰ، عبید، مہک، اقبال۔ ندا کی شادی ہو چکی ہے۔

میرا شوہر کہتا ہے کہ تم نے میرے چار بچے مار دیئے ہیں تم میرے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہو تم خراب عورت ہو اور میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ اس طرح طلاق کا لفظ اس نے وقفے وقفے سے کئی دفعہ کہا۔ اب وہ کہتا ہے کہ اس طرح طلاق نہیں ہوتی۔ کاغذ پر لکھ کر دینے سے طلاق ہوتی ہے۔ میرا کوئی گواہ نہیں۔ میں اللہ کو حاضر وناظر مان کر کہتی ہوں کہ وہ وقفے وقفے سے کئی دفعہ (تین دفعہ سے بہت زیادہ) مجھے طلاق دے چکا ہے۔ میں نے گھر بسانے کی بہت کوشش کی اور ہر طرح کے حالات میں گزارا کرنا چاہا مگر وہ نہ مانا۔ نکاح کے وقت میرے شوہر کا نام سمیع الدین تھا اب اس نے اپنا نام بدل کر مبین الدین رکھ لیا ہے۔ میں نے حتی الامکان کوشش کی کہ اپنے بچوں کے ساتھ رہوں گی۔ تقریباً ایک مہینے تک اپنے بچوں کے ساتھ پرسکون طریقے سے رہی۔

ایک رات اس نے مجھ سے دست درازی کرنے کی کوشش کی تو میں نے اس کو اللہ اور رسول کا واسطہ دیا کہ دیکھو ایسا مت کرو میں تم پر حرام ہوں۔ آخری دفعہ میں نے کہا کہ میں گھر چھوڑ کر چلی جاؤنگی تو اس نے کہا کہ میری اجازت کے بغیر اگر تم نے گھر چھوڑا تو میری طرف سے زندگی بھر کیلئے آزاد ہو۔ پھر دوسرے دن میں نے گھر چھوڑ دیا اور اپنے بڑے بھائی اور بڑی بہن کے پاس آ گئی۔ تقریباً دو مہینے سے میں اپنے بہن اور بھائی کے پاس رہ رہی ہوں۔ ان دو مہینے میں وقتاً فوقتاً دھمکی آمیز فون مجھے اور میرے بہن بھائیوں کو موصول ہوتے رہے ہیں کہ میں تم کو اغوا کرلوں گا اور تمہارے بہن بھائیوں کو اندر کروادوں گا لہٰذا مجھے قرآن وسنت کی روشنی میں بتایا جائے کہ آیا مجھے طلاق ہوئی یا نہیں؟ مجھے تصدیق چاہیئے۔ اگر ہوگئی ہے تو اللہ تعالی نے مجھے جو عدت کا حکم دیا ہے وہ آزادانہ پوری کروں اور اس کے بعد ﷺ اری میں باعزت زندگی گزار سکوں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......طلاق واقع ہونے کیلئے تحریر ضروری نہیں بلکہ الفاظِ طلاق کو عورت کی جانب منسوب کردینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ پر طلاق واقع ہو چکی ہے اور چونکہ خاوند نے تین سے زیادہ دفعہ طلاق دی ہے اس لئے آپ اپنے خاوند پر حرمتِ غلیظہ کے ساتھ حرام ہو چکی ہیں لہٰذا آپ کا اس کے ساتھ کسی قسم کا ازدواجی تعلق قائم رکھنا حرام اور ناجائز ہے۔

لما في الهندية (۱/۳۵۵) كتاب الطلاق، الباب الثاني في ايقاع الطلاق: وإذا قال لامرأته أنت طالق وطالق وطالق ولم يعلقه بالشرط إن كانت مدخولة طلقت ثلاثا۔

وفيه (ص٣٥٦): متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق وإن عنى بالثاني الأول لم يصدق في القضاء كقوله يا مطلقة أنت طالق۔

وفى الشامية(٣/٢٢٣):قوله (ثلاثة متفرقة)وكذا بكلمة واحدة بالأولى ---- وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث قال في الفتح بعد سوق الأحاديث الدالة عليه وهذا يعارض ما تقدم وأما إمضاء عمر الثلاث عليهم مع عدم مخالفة الصحابة له وعلمه بأنها كانت واحدة فلا يمكن إلا وقد اطلعوا في الزمان المتأخر على وجود ناسخ۔

(۲۲) دل میں ارادہ کرنے سے طلاق کا وقوع

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کراچی میں کام کرتا ہے ایک دن اس نے مالک سے گھر جانے کی چھٹی مانگی اس نے انکار کر دیا اسے شدید غصہ آیا اس نے سوچا میں ادھر پڑا ہوا ہوں اور بیوی ادھر پریشان ہے اس کا کیا کرنا چاہیئے بالآخر اس نے دل میں یہ ارادہ کرلیا کہ بیوی کو طلاق دیدی لیکن یہ کلمات زبان پر نہیں لایا۔ آیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......وقوعِ طلاق کیلئے صرف نیت وارادہ کافی نہیں بلکہ الفاظ کا ہونا بھی ضروری ہے بغیر استعمالِ الفاظ کے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ طلاق کے وقوع کیلئے الفاظ رکن کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب تک رکن شئی یا اسکا قائم مقام موجود نہ ہو، اس وقت تک شئی کا وجود ممکن نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فى القرآن الكريم (البقرة:٢٢٩):الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَانٍ۔

وفى اعلاء السنن (١١/٢٠٣):قال عقبة بن عامر رضي الله عنه : " لايجوز طلاق الموسوس".(رواه البخارى تعليقا (٢:٧٩٤)۔

وفيه أيضاً(١/١٧٦):عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال ﷺ "إن الله تجاوز عن أمتي ماحدثت به أنفسها مالم تعمل أو تتكلم" أخرجه البخارى (السابق)۔

وفى بدائع الصنائع (١/٩٨):فصل وأما بيان ركن الطلاق فركن الطلاق هو اللفظ الذي جعل دلالة على معنى الطلاق ---- وأما الذي يقوم مقام اللفظ فالكتابة والإشارة على ما نذكر إن شاء الله تعالى۔

وفى الفتاوى الولوالجية (٢/٨٠):لأن الطلاق إنما يقع بالعبارة أو بما هو قائم مقام العبارة وهو

الكتابة المفهومة۔

وفي الهندية (۳۴۸/۱): أما تفسيره شرعا فهو رفع قيد النكاح حالا أو مآلا بلفظ مخصوص كذا في البحر الرائق وأما ركنه فقوله أنت طالق ونحوه كذا في الكافي۔

(۲۳) طلاق کے وقوع کیلئے عورت کا سننا ضروری نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے شوہر نے مجھ کو طلاق دے دی تھی اور پھر میرا حلالہ کروایا جس آدمی سے میرا حلالہ کروایا تھا اس سے مجھے ایک ہی رات میں حمل ٹھہر گیا۔اس کے بعد وہ شخص میرے پہلے شوہر کے کہنے پر فون پر طلاق دے کر چلا گیا جو کہ میں نے نہیں سنی اُن دونوں نے خود ہی سنی جس پر کافی لوگوں کا کہنا ہے کہ مجھے طلاق نہیں ہوئی لیکن میرے پہلے شوہر کا کہنا ہے کہ ہوگئی لیکن اب وہ مجھ کو قبول نہیں کر رہا جس سے حلالہ ہوا تھا اس سے میری ایک چار ماہ کی بیٹی ہے لیکن آج بھی میں اپنے پہلے شوہر کے گھر میں بغیر نکاح کے ہوں۔

جس نے حلالہ کروایا تھا وہ مجھے گھر سے جانے نہیں دیتا کہ میں سب بچوں کو ماردوں گا نہ تو نکاح کرتا ہے بس جب بھی جانے کا نام لوں تو دھمکیاں دیتا ہے کہ سب بچوں کو ماردوں گا۔آپ مہربانی کر کے مجھے تحریری طور پر اتنا بتا دیجئے کہ اس شخص سے مجھے طلاق ہوئی ہے یا نہیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔مفتی صاحب میں ذہنی اذیت میں مبتلا ہوں۔اس سے میری بیٹی ہے طلاق میں نے نہیں سنی، پہلے والے شوہر کے گھر بغیر نکاح کے ہوں۔ان سب کا جواب لکھ کر دیجئے گا مہربانی ہوگی دل سے دعا دوں گی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......طلاق کے وقوع میں عورت کے لئے طلاق کا سننا ضروری نہیں ہے لہٰذا صورت مذکورہ میں اگر واقعۃً حلالہ کرنے والے شوہر نے آپ کو طلاق دی ہے تو آپ کو طلاق ہوگئی ہے اب آپ پہلے والے شوہر کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد زندگی گزار سکتی ہیں بغیر نکاح کے پہلے والے شوہر کے گھر میں رہنا حرام، ناجائز اور سخت گناہ ہے۔

اگر پہلے والے شوہر نے آپ کو دھمکی کی بنیاد پر اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے تو دونوں خاندانوں کے معزز افراد کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کریں وہ لوگ بیٹھ کر معاملے کو حل کرلیں گے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر آپ جس طریقہ سے بھی اپنی اور اپنے بچوں کی جان اس شخص سے چھڑا سکتی ہیں آپ کو اجازت ہے خواہ بھاگنے کی صورت میں ہو یا عدالتی کارروائی سے (یعنی عدالت سے جو یکطرفہ خلع کی ڈگری ملتی ہے اس مرد سے چھٹکارے کیلئے وہ ڈگری بھی حاصل کر کے جان چھڑائی جاسکتی ہے اگرچہ شرعاً وہ کالعدم ہے) یا اپنے رشتہ داروں سے مل کر زور زبردستی کی صورت میں ہو۔

باقی رہا بیٹی کا مسئلہ تو یہ اس شخص کی بچی ہے جس نے حلالہ کیا تھا اور اس کا خرچ خوراک بھی اسی کے ذمے ہے اس کے علاوہ اس (یعنی حلالہ کرنے والے مرد) کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے اب وہ آپ کے لئے اجنبی کی طرح ہے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَانٍ۔

وفی البخاری (۷۸۷/۲): باب لا یخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم، والدخول علی المغیبة: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: "لا یخلون رجل بامرأة إلا مع ذي محرم"

وفی الهندیة (۳۷۸/۱) کتاب الطلاق: وإن کانت مرسومة یقع الطلاق نوی أو لم ینو ثم المرسومة لا تخلو أما إن أرسل الطلاق بأن کتب أما بعد فأنت طالق فکلما کتب هذا یقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الکتابة۔

وفی الدر المختار (۲۹۲/۳): (قال امرأته طالق ولم یسم وله امرأة) معروفة طلقت امرأته۔

وفی الرد تحته: قوله (ولم یسم) أما لو سماها باسمها فکذلك بالأولی ویقع علی التي عناها أیضا لو کانت زوجته۔

وفی الشامیة (۲۴۸/۳) ولا یلزم کون الإضافة صریحة في کلامه۔

(۲۴) فون پر طلاق دینے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو فون پر کہے کہ میں آپ کو تین طلاقیں دیتا ہوں تو چونکہ عورت سامنے موجود نہیں ہوتی ہے تو آیا فون پر اس طرح طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... طلاق کے وقوع کیلئے بیوی کا سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو فون پر تین طلاقیں دیتا ہے تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

لمافی الهندیة (۳۴۹/۱): وأما البدعي فنوعان بدعي لمعنی یعود إلی العدد وبدعي لمعنی یعود إلی الوقت فالذي یعود إلی العدد أن یطلقها ثلاثا في طهر واحد أو بکلمات متفرقة أو یجمع بین التطلیقتین في طهر واحد بکلمة واحدة أو بکلمتین متفرقتین فإذا فعل ذلك وقع الطلاق وکان عاصیا۔

وفیه أیضا (۳۷۸/۱): ثم المرسومة لا تخلو أما إن أرسل الطلاق بأن کتب أما بعد فأنت طالق فکلما کتب هذا یقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الکتابة۔

(۲۵) بیوی کے کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک دن میں فیکٹری کام پے گیا ہوا تھا اور میری بیوی کا

رویہ میری ماں کے ساتھ ایسا تھا جیسا کہ گھر کے اندر ماسی ہوایک دن وہ (بیوی) گھر سے چلی گئی اپنی خالہ کے گھر جا کے کہتی ہے کہ میں نے اپنے شوہر سے طلاق لے لی ہے اور اپنے ماں باپ کے گھر جا کر کہتی ہے کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا اور میری بیوی تھوڑی نفسیاتی بھی ہے اور لڑکی کے گھر والے بھی خود کہتے ہیں کہ یہ تھوڑی سی نفسیاتی ہے۔ میں نے کچھ عرصہ پہلے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تمہیں طلاق دیدوں گا اور بچہ بھی بیوی کے پاس ہے آیا کہ ہم دونوں کے درمیان طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر یہ بھی بتائیں کہ بچہ کس کے پاس رہے گا قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلے کا جواب دیں۔

تنقیح......مذکورہ مسئلہ کے متعلق شوہر سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ شوہر نے ایسے کوئی الفاظ نہیں کہے جو طلاق پر دلالت کر رہے ہوں بلکہ جس وقت بیوی گھر سے گئی ہے گھر پر اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا، شوہر فیکٹری میں تھا۔ یہ الفاظ عورت نے اپنی طرف سے کہے ہیں بچہ بیوی کے پاس ہے جب شوہر بچے سے ملنے جاتا ہے تو بیوی اس کو ملنے نہیں دیتی اور بیوی شوہر کے گھر آنے کو تیار نہیں ہے، ماں بھی اس کو روکتی ہے۔ بچے کی پیدائش ۲۰۰۷۔۰۳۔۱۴ کو ہوئی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر واقعہ اسی طرح پیش آیا ہے تو آپ کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی ہے وہ اب بھی بدستور آپ کے نکاح میں ہے لہٰذا آپ کی بیوی پر لازم ہے کہ اپنے بچہ سمیت اپنے "یعنی شوہر" کے گھر لوٹ آئے ورنہ سخت گناہ گار ہوگی اور اسی طرح آپ کو بھی چاہیئے کہ صلح کر کے بیوی کو گھر لے آئیں۔ ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کریں نیز آپ کی بیوی کی والدہ کو شرعاً یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس کو شوہر کے گھر جانے سے روکے اور نہ ہی آپ کی بیوی کو شرعاً یہ حق ہے کہ وہ آپ کے بیٹے کو آپ سے ملنے نہ دے۔

لما في الدر المختار، (۲۴۸/۳): (ويقع بها) أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح۔

وفي الرد تحته: قوله (وما بمعناها من الصريح) أي مثل ما سيذكره من نحو كوني طالقا واطلقي ويا مطلقة بالتشديد وكذا المضارع إذا غلب في الحال مثل أطلقك كما في البحر۔

وفي الفقه الإسلامي وأدلته(۶۸۵۱/۹) حقوق الزوج :فليس للزوجة الخروج من المنزل ولو إلى الحج إلا بإذن زوجها، فله منعها من الخروج إلى المساجد وغيرها، لما روى ابن عمر رضي الله عنه قال: رأيت امرأة أتت إلى النبي صلّى الله عليه وسلم، وقالت: يارسول الله، ما حق الزوج على زوجته؟ قال: حقه عليها ألا تخرج من بيتها إلا بإذنه، فإن فعلت، لعنها الله وملائكة الرحمة، وملائكة الغضب حتى تتوب أو ترجع، قالت: يا رسول الله، وإن كان لها ظالماً؟ قال: وإن كان لها ظالماً ولأن حق الزوج واجب، فلا يجوز تركه بما ليس بواجب.

وفى المفصل فى أحكام المرأة والبيت المسلم (۶۴/۱۰)الحضانة:مذهب الحنفية فى مكان الحضانة ---- الأصل فى مكان الحضانة هو مكان الزوجين الذى يقيمان فيه عادة وهذا فى حال قيام

الزوجية ۔۔۔ لأن عليها القيام في بيت زوجها۔ الخ۔

(۲۶) پندرہ سال کے لڑکے کی طلاق کا وقوع

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کردیا اور لڑکا پندرہ برس کا ہو چکا ہے، اس لڑکے کا باپ کہتا ہے کہ یہ نابالغ ہے اور شوہر نے اس لڑکی کو طلاق دے دی۔ طلاق واقع ہوئی یا نہیں، کیا لڑکی اس نکاح کو فسخ کرسکتی ہے اور دوسرا نکاح اس لڑکی کا درست ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جب کسی لڑکے کی عمر قمری اعتبار سے پندرہ برس مکمل ہو جائے تو شرعاً وہ بالغ سمجھا جاتا ہے اگرچہ اس کے اندر کوئی علامت بلوغت کی نہ پائی جاتی ہو اور بالغ آدمی اگر اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اس لڑکے کے طلاق دینے سے اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی اور اس کے باپ کا لڑکے کی عمر پندرہ برس پوری ہو جانے کے بعد یہ کہنا کہ یہ ابھی نابالغ ہے اس کا از روئے شرع اعتبار نہیں۔

لما في البحر الرائق (۳/۴۴۴): قوله (لا طلاق الصبي والمجنون) تصريح بما فهم سابقا للحديث كل طلاق جائز إلا طلاق الصبي والمجنون والمراد بالجواز النفاذ كذا في فتح القدير ۔۔۔ أطلق الصبي فشمل العاقل ولو مراهقا لفقد أهلية التصرف خصوصا ما هو دائر بين النفع والضرر۔

وفي الهندية (۱/۳۵۳): فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغا عاقلا سواء كان حرا أو عبدا طائعا أو مكرها كذا في الجوهرة النيرة۔

(۲۷) تین سال تک ہمبستری نہ کرنے سے طلاق کا وقوع

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے گھریلو ناچاقی کی وجہ سے ناراض ہو کر تقریباً تین سال تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا۔ اب بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے اس فعل کی وجہ سے ان کی بیوی کو طلاق ہوگئی ہے، حالانکہ زید نے کبھی طلاق کے الفاظ استعمال کئے ہی نہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا ان لوگوں کی بات درست ہے؟ کیا واقعی زید پر اس کی بیوی حرام ہوگئی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں، آپ کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں زید نے گھریلو ناچاقی کی وجہ سے تین سال تک جماع نہیں کیا اور اس نے طلاق بھی نہیں دی تو اس سے زید کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ جماع یہ حق زوجیت میں سے ہے، اگر کوئی شخص حق زوجیت ادا نہیں کرتا تو اس سے اس کی بیوی کو طلاق نہیں ہوتی جیسا کہ نان ونفقہ حق زوجیت میں سے ہے اس کے ادا نہ کرنے سے طلاق واقع

نہیں ہوتی تو اسی طرح جماع کے نہ کرنے سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔

لمافی الشامية (۳/۵۹۰) باب النفقات: مطلب في فسخ النكاح بالعجز عن النفقة وبالغيبة قوله (ولا يفرق بينهما بعجزه عنها) أي غائبا كان أو حاضرا قوله (بأنواعها) وهي مأكول وملبوس ومسكن ح ... قوله (وبتضررها بغيبته) أي تضرر المرأة بعدم وصول النفقة بسبب غيبته وفي بعض النسخ وبتعذرها بغيبته أي تعذر النفقة وهي أظهر وهذا مقابل قوله ولا بعدم إيفائه حقها۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۹/۶۵۹۹): حكم الاستمتاع أو هل الوطء واجب؟
قال الحنفية: للزوجة أن تطالب زوجها بالوطء؛ لأن حله لها حقها، كما أن حلها له حقه. وإذا طالبته يجب على الزوج. الخ۔

(۲۸) باپ کے طلاق نامہ سنانے پر "ٹھیک ہے" کہنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے والد محترم نے ایک بندہ کو مقرر کیا کہ میرے بیٹے محمد اشفاق کی طرف سے طلاق نامہ لکھ دے، اس شخص نے وہ طلاق نامہ تحریر کیا، وہ طلاق نامہ مجھے پڑھایا گیا اور نہ سنایا گیا اور نہ ہی میں نے اس پر دستخط کئے، پھر آخر میں میرے والد صاحب نے مجھ سے یہ کہا کہ "آج کے بعد تمہاری بیوی تم پر حرام ہے"۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ "ٹھیک ہے" اور یہ کہہ کر میں مجلس سے اٹھ کر چلا گیا، اس کے بعد میرے اور میری زوجہ کے درمیان چھ سال کی جدائی رہی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا طلاق واقع ہو چکی ہے یا نہیں؟ تفصیل سے جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... صورت مسئولہ میں آپ کا والد صاحب کے قول "تمہاری بیوی تم پر حرام ہے" کے جواب میں "ٹھیک ہے" کہنے سے آپ کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوئی ہے لہٰذا اب بیوی کے ساتھ دوبارہ نکاح کئے بغیر رہنا آپ کیلئے شرعاً جائز نہیں۔

لمافی الهندية (۱/۳۹۴) كتاب الطلاق، الفصل الثانی فی الأمر باليد: ولو قال امرأة زيد طالق فقال زيد أجزت أو رضيت أو ألزمته نفسي لزمه الطلاق كذا في المحيط۔

وفی التاتارخانية (۴/۵۳۷) كتاب الطلاق، الفصل الثامن فی الطلاق الذی يكون من غير الزوج: فيجزه الزوج الخ: وفی المنتقی: عن ابن سماعة، قال: سمعت أبايوسف رحمه الله يقول فی رجل قال لامرأة رجل "إن دخلت هذه الدار فأنت طالق" فقال الزوج نعم فقد حلف الزوج بذلك كله فإن دخلت الدار بعد قول نعم فهی طالق ... ولو قال "امرأة زيد طالق" فقال زيد "قد

أجزت أو رضيت أو ألزمته نفسي" لزمه الطلاق۔

وفي الشامية (۲۹۸/۳): قوله (حرام) من حرم الشيء بالضم حراما امتنع أريد بها هنا الوصف معناه الممنوع فيحمل على ما سبق وسيأتي وقوع البائن به بلا نية في زماننا للتعارف ۔۔۔ والحاصل أن المتأخرين خالفوا المتقدمين في وقوع البائن بالحرام بلا نية حتى لا يصدق۔

(۲۹) بلاضرورت طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا نام حسن تار ہے، میری دوسری شادی تاریخ 18/8/1990 کوسکینہ بنت ابراہیم کے ساتھ ہوئی۔ دو مہینے کے بعد وہ میکے چلی گئی۔ واپس گھر نہ آنے پر میں اپنے ان بھائیوں کے پاس گیا جنہوں نے میری شادی کروائی تھی اور گواہ بھی تھے۔لڑکی والوں کو بلایا گیا۔ اُس کا بھائی اور میری بیوی بھی ساتھ آئی۔ میری بیوی کے بھائیوں نے کہا ہماری بہن تمہارے بچوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ آپ اپنے بچوں سے الگ رہو یا پھر ہماری بہن کو طلاق دے دو۔ میرے لئے بچوں سے الگ رہنا ناممکن تھا اور طلاق دینا آسان تھا مگر میرے رشتہ دار اور گواہ بھائیوں نے طلاق دینے سے روکا اور صبر سے کام لینے کو کہا۔ معاملہ ٹھنڈا ہوتے ہی ہم تمہارا مسئلہ حل کردیں گے، وقت گزرتا گیا میں تقاضا کرتا رہا مگر کوئی مسئلہ حل نہ ہوا۔

میں نے ہماری اوکھائی میمن سمادان کمیٹی میمن سوسائٹی میں کیس داخل کیا، کیس کی ہر پیشی پر میں حاضر رہا، مگر لڑکی والوں کی طرف سے کوئی نہیں آتا تھا، نہ اس کے خلاف کوئی ایکشن لیا گیا۔ اس طرح دوسال گزر گئے۔ میں تنگ آگیا، سمادان کمیٹی والوں کو میں نے کہا آپ کیوں کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ سمادان کمیٹی والوں نے میری فائل بند کردی اور کہا اگر آپ طلاق دینا چاہتے ہیں تو دے دیں۔ جماعت طلاق نہیں دیتی۔ اس طرح اٹھارہ سال گزر گئے، نہ لڑکی والوں نے فیصلے کا کوئی تقاضا کیا پھر بھی میں نے ایک امید کے ساتھ اپنے سالے صاحب کے خاص دوست جو میرا رشتہ دار بھی ہے، اسے مسئلہ کو حل کرنے کو کہا۔ اس بھائی نے بھی پوری کوشش کی مگر لڑکی والوں نے یہ جواب دیا ہماری بہن طلاق چاہتی ہے۔ میں نے کہا طلاق دینے کیلئے میں تیار ہوں مگر لکھ کر دو کہ آپ کی بہن کو طلاق چاہیئے مگر لکھ کر دینے سے ان لوگوں نے انکار کیا۔ محترم مفتی صاحب اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ کیا شرع کے لحاظ سے یہ شادی باقی رہتی ہے کہ نہیں یا اس حالت میں میری شرع کیا مدد کرسکتی ہے؟ مجھے آپ کی طرف سے منصفانہ حل چاہیئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... بلاضرورت عورت کا اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنا مناسب نہیں، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی عورت اپنے شوہر سے بلاضرورت شدیدہ طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی بو حرام ہے اور شوہر کو بھی بلاضرورت شدیدہ طلاق نہیں دینا چاہیئے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مباح اشیاء میں سے سب زیادہ ناپسندیدہ اور مبغوض چیز طلاق ہے۔ طلاق بغیر ضرورت کے دینا منع ہے مگر ضرورت اور حاجت کے وقت جو کہ شرعاً معتبر ہو طلاق دینا مباح ہے، بغیر کسی حاجت اور ضرورت کے طلاق دینا نعمت خداوندی کی ناقدری ہے۔ بیوی اور اولاد کو بلاقصور تکلیف پہنچانا گناہ کا کام ہے لیکن طلاق دینے پر

پابندی لگانا اور اس کا دروازہ بند کر دینا زوجین کیلئے حرج اور ظلم کا باعث بنتا ہے کیونکہ میاں بیوی کے درمیان بعض اوقات کسی وجہ سے شدید اختلاف پیدا ہوجاتا ہے اور دونوں میں اس قدر دوری ہوجاتی ہے کہ حقوق زوجین پامال ہونے لگتے ہیں، ان حالات میں جبراً دونوں کو نکاح پر برقرار رکھنا بلائے عظیم ہے۔

صورت مسئولہ میں آپ کا نکاح ابھی تک باقی ہے۔مناسب یہ ہے کہ فریقین کے قریبی رشتہ داروں میں سے بااثر لوگ مل کر میاں بیوی کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں ورنہ جیسا کہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ کافی دن گزر گئے آپس میں صلح کر کے مسئلہ حل کرنے کی کوئی صورت نہیں بنتی نیز حقوق زوجین کی ادائیگی اور مقاصد نکاح سے فائدہ حاصل کرنے سے بھی آپ لوگ محروم ہیں اس حال میں آپ کیلئے بہتر یہ ہے کہ آپ طلاق دے دیں، اس پر شرعاً کوئی گناہ نہیں اور جبراً آپ کو طلاق دینے سے منع کرنا درست نہیں ہے۔

لمافی حجة الله البالغه (۱۳۸/۲): قال رسول الله ﷺ :"أیما امرأة سألت زوجها طلاقا من غیر بأس (أی شدة وضرورة) فحرام علیها رائحة الجنة" وقال ﷺ : "أبغض الحلال الی الله الطلاق" اعلم أن فی الاکثار من الطلاق وجریان الرسم بعدم المبالاة به مفاسد کثیرة --- ومع ذلك لا یمکن سد هذا الباب والتضییق فیه فإنه قد یصیر الزوجان متناشزین إما لسوء خلقهما أو لطموح عین أحدهما إلی حسن إنسان آخر أو لضیق معیشتهما أو لخرق واحد منهما ونحو ذلك من الأسباب فیکون ادامة هذا النظم مع ذلك بلاءعظیما وحرجا۔

وفی الشامیة (۴۴۱/۳): قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بین الزوجین اختلاف أن یجتمع أهلهما لیصلحوا بینهما فإن لم یصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط

(۳۰) کینیڈین قانون کے مطابق بیوی کا طلاق دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ مسمی فہد نے مساۃ حرا تھانوی سے آج سے چار سال قبل پاکستان میں نکاح کیا پھر یہ دونوں میاں بیوی کینیڈا چلے گئے، دونوں الحمدللہ مسلمان اور کینیڈین شہریت کے حامل ہیں۔شادی کے چار سال بعد مساۃ حرا تھانوی نے کینیڈین قانون کے مطابق اپنے شوہر فہد کو طلاق دے دی۔آنجناب سے یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا عورت کی دی گئی طلاق نافذ ہوگئی جبکہ دونوں میاں بیوی مسلمان ہیں۔کیا شریعت حقہ کی رُو سے کوئی عورت اپنے شوہر کو طلاق دے سکتی ہے؟

(۲) اگر یہ قانون نافذ العمل ہے تو یہ طلاق ہے یا خلع ؟ کیونکہ مرد نے طلاق نہیں دی اور عورت نے خلع کی شرائط پوری نہیں کیں؟

(۳) مسمی فہد اور مسماۃ حرا تھانوی کا ایک بچہ بھی ہے جس کی عمر ڈیڑھ سال ہے۔ براہ کرم یہ وضاحت فرمائیں کہ اب اس کی پرورش اور رکھنے کا زیادہ حق کس کو ہے؟ ماں کو یا باپ کو؟ براہ کرم تفصیلی جواب سے بہرہ مند فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......(۱) شریعت مطہرہ نے زوجین کے متعلق جو احکام بیان فرمائے ہیں، ان میں سے بعض کا تعلق مرد کے ساتھ ہے، عورت کا اس میں کچھ دخل نہیں۔ طلاق بھی ان احکام میں سے ایک ہے چنانچہ شریعت کی رُو سے طلاق دینے کا حق صرف مرد کو حاصل ہے، عورت طلاق نہیں دے سکتی لہٰذا صورت مسئولہ میں کینیڈین قانون کے مطابق عورت کی طرف سے دی گئی طلاق واقع نہیں ہوئی، ان میں زوجیت کا تعلق قائم ہے۔

(۲) طلاق کے متعلق چونکہ کینیڈین قانون شریعت کے خلاف ہے اس لئے وہ نافذ العمل نہیں صرف ان امور میں کینیڈین قانون پر عمل ضروری ہے جو قانون شریعت کے مخالف نہ ہوں اور مباحات کے قبیل سے ہوں۔

لقول النبی ﷺ "لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق"

''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے اعمال میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں''

نیز خلع کی شرائط میں سے یہ ہے کہ لفظ خلع کا استعمال ہو اور عورت کی جانب سے مال اور مرد کی طرف سے رضامندی ہو، صورت مسئولہ میں خلع کی شرائط مفقود ہیں اس لئے خلع بھی نہیں ہوا۔

(۳) شرعاً یہ نہ طلاق ہے اور نہ خلع لیکن حقِ پرورش سات سال تک ماں کو حاصل ہوتا ہے اس کے بعد یہ حق باپ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ صورت مسئولہ میں بچہ چونکہ ڈیڑھ سال کا ہے اس لئے اس کا یہ حق پرورش ماں کو حاصل ہے۔

لمافی البخاری (۴۱۵/۱): عن ابن عمر رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: السمع والطاعة حق ما لم يؤمر بالمعصية، فإذا أمر بمعصية، فلا سمع ولا طاعة۔

وفی سنن ابن ماجه (ص۱۵۱): باب طلاق العبد: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: أتى النبي صلى الله عليه وسلم رجل، فقال: يا رسول الله، سيدي زوجني أمته، وهو يريد أن يفرق بيني وبينها، قال: فصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر، فقال: يا أيها الناس، ما بال أحدكم يزوج عبده أمته، ثم يريد أن يفرق بينهما؟! إنما الطلاق لمن أخذ بالساق.

وفی الهداية (۳۷۶/۲): ويقع طلاق كل زوج إذا كان عاقلا بالغا ولا يقع طلاق الصبي والمجنون والنائم۔

وفی تکملة فتح الملهم (۱۳۴/۱): ثم قد قصرت الشريعة الاسلامية حق الطلاق على الزوج ولم يجعله بيد المرأة فى الظروف العادية لأن المرأة من طبيعتها الاستعجال فى الأمور فلو كان خيار الطلاق بيدها لكانت تقع الفرقة لأسباب بسيطة وأغراض تافهة ولكنها لم تسدد باب

الفرقة من جهة المرأة بالكلية وإنما أباحت لها ذلك في ظروف خاصة فيمكن لها مثلا أن تعقد النكاح بشرط تفويض الطلاق إليها ولو لم تشرط ذلك في العقد فلها أن تختلع من زوجها برضاه وإن لم يكن ذلك فلها أن تطلب من القاضي فسخ النكاح إذا كان زوجها عنيناً أو مجنوناً أو متعنتاً أو مفقوداً۔

وفي الشامية (۴۴۱/۳): وأما ركنه فهو كما في البدائع إذا كان بعوض الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

(۳۱) خلوت صحیحہ کے بعد ایک سے زائد طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شوہر جو عنین (نامرد) ہے۔ اس نے غصہ کی حالت میں بیوی کو کہا کہ تو مجھ پر طلاق طلاق طلاق۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس عورت پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں یا ایک طلاق واقع ہوگی اور دو لغو ہوگئیں جبکہ خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہے لیکن دخول نہیں ہوا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......خلوت صحیحہ چند مسائل (ثبوت نسب، تاکید مہر، نفقہ، سکنی، عدت، دوسری طلاق کا واقع ہونا وغیرہ) میں دخول (ہمبستری) کے قائم مقام ہے چاہے شوہر مجبوب ہو یا عنین یا خصی لہٰذا صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔

لما في الهندية (۳۰۵/۱): وخلوة المجبوب خلوة صحيحة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وخلوة العنين والخصي خلوة صحيحة كذا في الذخيرة۔

وفي الدر المختار (۱۱۴/۳۔۱۱۸): (والخلوة) مبتدأ خبره قوله الآتي كالوطء (بلا مانع حسي) كمرض لأحدهما يمنع الوطء (وطبعي) كوجود ثالث عاقل ۔۔۔ (ولو) كان الزوج (مجبوبا أو عنينا أو خصيا) ۔۔۔ (في ثبوت النسب) ولو من المجبوب (و) في (تأكد المهر) المسمى (و) مهر المثل بلا تسمية و(النفقة والسكنى والعدة وحرمة نكاح أختها وأربع سواها) في عدتها (وحرمة نكاح الأمة ومراعاة وقت الطلاق في حقها) وكذا في وقوع طلاق بائن آخر على المختار ۔

وفي الرد تحته: قوله (وكذا في وقوع طلاق بائن آخر الخ) في البزازية والمختار أنه يقع عليها طلاق آخر في عدة الخلوة وقيل لا اھ وفي الذخيرة وأما وقوع طلاق آخر في هذه العدة فقد قيل لا يقع وقيل يقع وهو أقرب إلى الصواب لأن الأحكام لما اختلفت يجب القول بالوقوع احتياطا ۔۔۔ والحاصل أنه إذا خلا بها خلوة صحيحة ثم طلقها طلقة واحدة فلا شبهة في وقوعها فإذا

طلقها في العدة طلقة أخرى فمقتضى كونها مطلقة قبل الدخول أن لا تقع عليها الثانية لكن لما اختلفت الأحكام في الخلوة أنها تارة تكون كالوطء وتارة لا تكون جعلناها كالوطء في هذا فقلنا بوقوع الثانية احتياطا لوجودها في العدة والمطلقة قبل الدخول لا يلحقها طلاق آخر إذا لم تكن معتدة بخلاف هذه۔

(۳۲) شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت طلاق دینے کی مجاز نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ لڑکی کی شادی کے ڈیڑھ سال بعد اُس کا شوہر جہاد پر چلا گیا اور بیرونِ ملک میں جیل میں قید ہو گیا دس سال گزر گئے، خط وکتابت رہتی تھی لیکن لڑکی کے والد نے خط لکھا کہ تم میری بیٹی کو طلاق دے دو، میں شریعت کے مطابق اپنی بیٹی کی شادی کہیں دوسری جگہ کر دوں کیونکہ شریعت میں جوان بیٹی کا گھر بیٹھنا بہتر نہیں ہے لیکن اس نے جواب دیا کہ ابھی میں یہ نہیں کر سکتا کچھ عرصے کے بعد لڑکی کے والد فوت ہو گئے بھائی وغیرہ اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔

گھر کے حالات تبدیل ہو گئے، لڑکی نے پھر فیصلہ کیا کہ اب مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ شریعت اتنے انتظار کی اجازت نہیں دیتی پھر لڑکی نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ مجھے طلاق چاہیئے۔ بھائی نے عدالت کے ذریعے ان کے گھر والوں کو نوٹس وغیرہ یعنی طلاق وغیرہ کے کاغذ بھیجے۔ اس کے بعد عدالت نے فیصلہ لڑکی کے حق میں دے دیا اور اسے طلاق ہو گئی اس کے بعد عدت کے ایام گزارنے کے بعد رشتے داروں میں شادی ہو گئی اور چھ سال دوسری شادی کو ہو گئے ہیں۔ سابقہ شوہر اب واپس آیا لہٰذا اس کا حل کیا ہے؟ اب یہ لڑکی کس کو ملے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شریعت مطہرہ نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے اور جب تک طلاق میں مرد کی رضامندی نہ ہو، اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح خلع میں بھی مرد کی رضامندی ضروری ہے صرف عورت کی رضامندی سے قاضی یا جج کے خلع کی ڈگری جاری کرنے سے خلع واقع نہیں ہوتا لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ عدالت سے طلاق میں شوہر کی رضامندی شامل نہیں لہٰذا عدالت کا عورت کے حق میں فیصلہ دینا چاہے وہ طلاق کی صورت میں ہو یا خلع کی صورت میں درست نہیں ہے اور یہ عورت بدستور پہلے شوہر کے نکاح میں باقی ہے اور دوسرا نکاح جو ہوا ہے وہ کالعدم ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں تاہم یہ عورت دوسرے شوہر کی عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر کو ملے گی۔

نوٹ: پہلے شوہر کو چاہیئے کہ چونکہ اب کافی عرصہ یہ عورت دوسرے مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار چکی ہے لہٰذا وہ عورت کو طلاق دے دے اور پھر عدت گزار کر وہ عورت دوبارہ اس دوسرے مرد سے نکاح صحیح کر لے۔

لما في ابن ماجه (ص۱۵۱): باب طلاق العبد: عن ابن عباس رضي الله عنه قال: أتى النبي صلى الله عليه وسلم رجل، فقال: يا رسول الله، سيدي زوجني أمته، وهو يريد أن يفرق بيني وبينها، قال:

فصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر، فقال: يا أيها الناس، ما بال أحدكم يزوج عبده أمته، ثم يريد أن يفرق بينهما؟! إنما الطلاق لمن أخذ بالساق.

وفی المبسوط لشمس الائمة السرخسی (۱۱/۳۷): وإذا اختار الأول المهر ولكن يكون النكاح منعقدا بينهما فكيف يستقيم دفع المهر إلى الأول وهو بدل بضعها فيكون مملوكا لها دون زوجها كالمنكوحة إذا وطئت بشبهة فعرفنا أن الصحيح أنها زوجة الأول ولكن لا يقربها لكونها معتدة لغيره كالمنكوحة إذا وطئت بالشبهة وذكر عن عبد الرحمن بن أبي ليلى رحمه الله أن عمر رضي الله عنه رجع عن ثلاث قضيات إلى قول علي رضي الله عنه عن امرأة أبي كنف والمفقود زوجها والمرأة التي تزوجت في عدتها۔

وفی الهندية (۱/۳۳۰): ويثبت نسب الولد المولود في النكاح الفاسد۔

(۳۳) ہمبستری نہ کرنے کے عزم سے طلاق کا وقوع

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن میاں بیوی میں جھگڑا ہوا۔ شوہر نے کہا کہ آج سے آئندہ تم سے ہرگز جماع نہیں کروں گا اور تم سے جماع کروں تو اپنی بہن سے کروں۔ اس کا شرعی حکم بتائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورتِ مسئولہ میں شوہر کا بیوی کو یہ الفاظ (آج سے آئندہ تم سے ہرگز جماع نہیں کروں گا اور تم سے جماع کروں تو اپنی بہن سے کروں) کہنے سے کچھ بھی واقع نہیں ہوگا البتہ ایسے الفاظ کہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی الهندية (۱/۵۰۵) الباب التاسع في الظهار: الظهار هو تشبيه الزوجة أو جزء منها شائع أو معبر به عن الكل بما لا يحل النظر إليه من المحرمة على التأبيد ولو برضاع أو صهرية۔

وفيه أيضاً (۱/۵۰۷): لو قال إن وطئتك وطئت أمي فلا شيء عليه كذا في غاية السروجي۔

(۳۴) مارنے پر شکل نہ دکھانے کی قسم کھانے سے طلاق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا اور میرے شوہر کا کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا اور انہوں نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا بلکہ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ وہ کس جگہ اور کیسے مار رہے ہیں حالانکہ بات اتنی بڑی نہیں تھی خیر جب بات معافی تک پہنچ گئی تو میں نے یہ شرط رکھی کہ وہ یہ تحریر لکھ کر دیں کہ اگر آئندہ مجھ پر ہاتھ اٹھایا تو طلاق ہو جائے گی۔ اس بحث میں انہوں نے مجھے ٹال دیا۔ آخر میں معاملہ اس پر طے ہوا کہ انہوں نے کہا کہ اگر آئندہ میں نے تجھ پر ہاتھ اٹھایا تو میں قسم اٹھاتا ہوں کہ کبھی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا اور نہ اپنی شکل دکھاؤں گا اور گھر لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ اس بات پر راضی نامہ ہوا۔

اب آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ اگر اللہ نہ کرے کبھی دوبارہ ان کا ہاتھ اٹھے تو اس صورت میں نکاح ٹوٹ جائے گا یا قسم، جو آخر میں اٹھائی تھی اور اگر نکاح ٹوٹتا ہے تو دوبارہ پڑھانا پڑے گا یا مکمل طلاق ہو جائے گی اور دوسری بات یہ پوچھنی تھی کہ ہنسی مذاق میں اگر تنگ کرنے کی نیت سے میرے مکے کے جواب میں انہوں نے مجھے مارا تو اس صورت میں کیا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں شوہر کا اپنی بیوی کو یہ کہنا "میں تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا اور نہ اپنی شکل تمہیں دکھاؤں گا" ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی اگرچہ شوہر ان الفاظ سے طلاق کی نیت کرے کیونکہ یہ صرف وعدۂ طلاق ہو سکتا ہے اور وعدہ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی البتہ چونکہ شوہر نے قسم اٹھائی ہے کہ "اگر میں نے تجھے مارا تو تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا اور نہ اپنی شکل تمہیں دکھاؤں گا" اور ظاہر ہے کہ میں تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا اور نہ اپنی شکل تمہیں دکھاؤں گا سے الگ ہونا مراد ہے لہٰذا جب شوہر بیوی کو غصے کی حالت میں مارے گا اور اس کے بعد اس کے ساتھ رہے گا تو اپنی قسم میں حانث ہوگا اور کفارہ لازم ہوگا۔ نیز اس مارنے سے غصہ کی حالت میں مارنا مراد ہوگا ملاعبت ہنسی مذاق میں آپس میں ایک دوسرے کو مارنے سے طلاق نہ ہوگی۔

لمافي الهندية (۱۲۸/۲) الباب الحادي عشر في اليمين في الضرب والقتل وغيره: رجل حلف أن لا يضرب امرأته فقرصها أو عضها أو خنقها أو مد شعرها فأوجعها حنث في يمينه قالوا هذا إذا لم يكن في الملاعبة وإن كان في الملاعبة لا يحنث وهو الصحيح وكذا لو أصاب رأسه رأسها في الملاعبة فأدماها لا يحنث وقيل هذا إذا كانت اليمين بالعربية فإن كانت بالفارسية لا يحنث في جميع ذلك والصحيح أنه يكون حانثا إذا كان على وجه الغضب۔

وفي الشامية (۳۱۸/۳) كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق(ط سعيد): بخلاف قولها أطلق نفسي لا يمكن جعله إخبارا عن طلاق قائم لأنه إنما يقوم باللسان فلو جاز لقام به الأمران في زمن واحد وهو محال وهذا بناء على أن الايقاع لا يكون بنفس أطلق لعدم التعارف وقدمنا أنه لو تعورف جاز ومقتضاه أن يقع به هنا لأنه إنشاء لا إخبار كذا في الفتح ملخصا ۔۔۔ وعبارة الجوهرة وإن قال طلقي نفسك فقالت أنا أطلق لم يقع قياسا واستحسانا۔

(۳۵) دل ہی دل میں بیوی کو طلاق دینے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ محمد ہاشم کی شادی کو بارہ سال گزر چکے ہیں اور وہ تین سال سے بے روزگار ہے اس کے تین بچے ہیں۔ گھر میں پریشانی کی وجہ سے اس کو بار بار یہ خیال آتا ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے لہٰذا ایک دن بیٹھے ہوئے اسے خیالات آرہے تھے اس دوران اس نے اپنے دل میں کہا کہ میری بیوی کو تین طلاق۔ سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ دل میں خیالات اور وسوسے آنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک طلاق کے مخصوص الفاظ پر زبان سے تلفظ نہ کیا ہو۔

لمافی القرآن الکریم (البقرۃ:۲۳۱):وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ.

وفی الھندیۃ (۳۴۸/۱): أما تفسیره شرعا فهو رفع قيد النكاح حالا أو مآلا بلفظ مخصوص كذا في البحر الرائق وأما ركنه فقوله أنت طالق ونحوه كذا في الكافي۔

وفی الشامیۃ (۲۳۰/۳):قوله (وركنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح أو كناية فخرج الفسوخ ۔۔۔ وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوي الطلاق ولم يذكر لفظا صريحا ولا كناية لا يقع عليه كما أفتى به الخير الرملي وغيره وكذا ما يفعله بعض سكان البوادي من أمرها بحلق شعرها لا يقع به طلاق وإن نواه۔

(۳۶) چودہ سال علیحدہ رہنے سے طلاق کا وقوع

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا نام محمد امین ہے کسی بات پر ناراضگی کی وجہ سے تقریباً چودہ سال سے اپنی بیوی کے ساتھ ملاقات نہیں کی لیکن اس دوران میں مسلسل سسرال والوں سے یہ بات کہتا رہا کہ میری بیوی میرے حوالے کردیں لیکن وہ اس طرح کرنے پر تیار نہیں تھے۔اب پوچھنا یہ ہے کہ اس عرصہ کی جدائی سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ براہ کرم جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......طلاق واقع ہونے کیلئے لفظ طلاق کا ہونا ضروری ہے صرف بغیر کچھ کہے جدائی سے طلاق واقع نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ نے اپنی زبان سے یا لکھ کر طلاق کے الفاظ نہ کہے ہوں تو صرف جدا رہنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی چنانچہ آپ کا نکاح اب بھی برقرار ہے۔

لمافی الدرالمختار (۲۲۷،۲۲۶/۳): وشرعا (رفع قيد النكاح في الحال) بالبائن (أو المآل) بالرجعي (بلفظ مخصوص) هو ما اشتمل على الطلاق فخرج الفسوخ۔

وفی الرد تحته: إن ركنه اللفظ فليس اللفظ حقيقته بل دال عليه فلذا قال المصنف تبعا للفتح إنه رفع قيد النكاح بلفظ مخصوص۔

(۳۷) طلاق نامے کی فوٹو کاپیاں کرانے سے طلاق کا حکم

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے ایک کاغذ پر "میری بیوی کو طلاق" لکھ کر اس کی کئی فوٹو کاپیاں نکلوالیں اب اس کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب..... سادہ کاغذ پر صرف ان الفاظ "میری بیوی کو طلاق" کے لکھنے سے اگر طلاق کی نیت سے لکھے ہوں تو طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوتی نیز محض فوٹو کاپیاں کرانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی چاہے کسی بھی نیت سے ہو۔

لمافی خلاصة الفتاوی (۹۱/۲): الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ونعني بالمرسومة أن يكون مصدرا معنونا على مثل ما يكتب إلى الغائب وغير المرسومة أن لايكون مصدرا معنونا وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة فالمستبينة مايكتب على الصحيفة والحائط و الأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشيء لا يمكن فهمه وقراءته ففي غير المستبينة لايقع الطلاق وإن نوى وان كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع الطلاق وإلا فلا، وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أولم ينو ـــ وفي المنتقى: إذا كتب الطلاق ثم نسخه في كتاب آخر أو أمر غيره حتى كتب ولم يمل هو فأتاها الكتابان طلقت تطليقتين وفيما بينه وبين الله تقع واحدة۔

وفي الشامية (۲۴۷/۳): وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اه ملخصا۔

(۳۸) بیوی کی غیر موجودگی میں طلاق دینے کا حکم

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیوی کو اس کی غیر موجودگی میں دو طلاقیں دیں وہ موجود نہیں تھی۔ آپ حضرات سے یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ میری بیوی حمل سے بھی ہے یہ حمل پانچ مہینے کا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب..... صورت مسئولہ میں دو طلاق رجعی واقع ہو گئی ہیں۔ وقوع طلاق کیلئے بیوی کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔ بیوی کی عدم موجودگی میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے نیز حاملہ ہونا بھی وقوعِ طلاق سے مانع نہیں۔ اب شوہر کو عدت کے اندر اندر رجوع کا حق حاصل ہے عدت گزرنے کے بعد تجدید نکاح (دوبارہ نکاح) بھی کر سکتا ہے۔ شوہر کو محتاط رہنا چاہیئے اب اس کو صرف ایک عدد طلاق دینے کا حق حاصل ہے اگر یہ بھی دے دی تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور پھر بغیر حلالہ شرعی عورت اس کے لئے حلال

نہ ہوگی۔

لمافي التاتارخانية (۲۰۶/۳): وفى الكافى إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها فى العدة وبعد مضيها وإن كان الطلاق ثلاثاً فى الحرة أو ثنتين فى الأمة لاتحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها۔

وفى الهندية (۳۷۸/۱): الفصل السادس في الطلاق بالكتابة الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ۔۔۔ ثم المرسومة لا تخلو أما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكلما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة۔

وفيه أيضا(۴۷۰/۱): وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض كذا في الهداية۔

(۳۹) مدت رضاعت میں عورت کو طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے شوہر طارق نے دو گواہوں کے سامنے مجھے تین طلاقیں دے دی تھیں۔ اس وقت میرا بیٹا چھوٹا تھا اور دودھ پیتا تھا۔ مجھے لوگوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا دودھ پیتا ہے اس لئے تمہیں طلاق نہیں ہوئی اور میں دوبارہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے لگی۔ مجھے میری دوست نے کہا کہ تم اپنے شوہر کے ساتھ ناجائز رہ رہی ہو، اور پھر دو تین افراد نے بھی کہا اب میں اپنے شوہر سے الگ ہوگئی ہوں اور دونوں بچے میرے پاس ہیں۔ اب میں اپنی بہن کے پاس ہوں۔ اس وقت میرے شوہر کہتے تھے کہ یہ ناجائز نہیں ہے کہ تم میرے ساتھ رہ رہی ہو۔ مگر اب وہ مجھے طعنے دیتا ہے کہ تم میرے ساتھ ناجائز رہتی تھیں۔ آپ ہی مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں؟ آپ مجھے اس ٹینشن سے آزاد کروایئے۔ میں آپ کی شکر گزار اور بے حد مشکور ہوں گی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......لوگوں کا دینی معاملات میں اپنی طرف سے رائے قائم کرنا درست نہیں دودھ پلانے والی عورت کو بھی طلاق دینے سے شرعاً طلاق واقع ہوجاتی ہے نیز آپ کے شوہر کا یہ کہنا کہ "یہ ناجائز نہیں ہے" انتہائی سنگین جرم ہے مگر شوہر کا اس جرم کے بعد طعنے دینا جرم در جرم اور عذابِ الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے اس پر شوہر کو خوب توبہ واستغفار کرنا چاہیئے۔

محترمہ صاحبہ! اوّل یہ کہ آپ اپنے شوہر کے طعنوں کی طرف توجہ ہی نہ دیں۔ اس کا معاملہ اللہ پاک پر چھوڑ دیں اور بے فکر ہوجائیں۔ دوم یہ کہ آپ بھی اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں۔ پانچ وقت نماز کا اہتمام کریں اور ذکر کا بھی اہتمام کریں کیونکہ ذکر سے دل کو سکون ملتا ہے اور جب ٹینشن ہو تو آپ اس دعا کو پڑھیں۔ ان شاءاللہ، اللہ تعالیٰ آپ کی پریشانیوں کو دور فرمائیں گے۔ دعا یہ ہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْحَلِيْمُ الْحَكِيْمُ. لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔

لما فی القرآن الکریم (الرعد:۲۸): اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

وفی الترمذی (۱۸۱/۲): عن ابن عباس أن نبی الله صلی الله علیه وسلم کان یدعو عند الکرب لا إله إلا الله العلی الحلیم لا إله إلا الله رب العرش العظیم لا إله إلا الله رب السموات والأرض ورب العرش الکریم۔

(۴۰) کیا نکاحِ جدید سے ۳ طلاق کا حق دوبارہ ملتا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے آج سے ایک ماہ قبل اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر رجوع کرلیا تھا۔ اب آج ایک اور دی ہے تو علماء نے فرمایا اب بھی رجوع کرسکتے ہو باقی آپ کو ایک طلاق کا حق ہے۔ اس کے بعد مغلظہ ہوجائے گی۔ میرا ارادہ ہے کہ نکاح جدید کرلوں کیا اس صورت میں نکاح جدید کرنا صحیح ہے؟ اگر نکاح جدید کرلوں تو مجھے نئے سرے سے تین طلاق کا اختیار ملے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شوہر کے پاس کل تین طلاقوں کا اختیار ہوتا ہے۔ اگر اس نے دو طلاقیں واقع کردیں تو مزید اس کو صرف ایک طلاق واقع کرنے کا اختیار رہتا ہے۔ اگر واقع کردہ طلاق رجعی ہو تو عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے اور عدت کے بعد نکاح جدید کرنا ضروری ہوگا لیکن یاد رہے کہ نکاحِ جدید کی ضرورت اس وقت ہوگی جب عدت گزر جائے یا طلاق بائن دی ہو طلاق رجعی کی عدت میں نکاح جدید کی ضرورت نہیں البتہ اگر طلاق رجعی کی عدت میں نکاح جدید کرلے تو یہ بھی رجوع شمار ہوگا لیکن ان میں سے کسی بھی صورت میں تین طلاقوں کا حق دوبارہ نہیں ملتا صرف باقی ماندہ طلاق کا شوہر مالک رہتا ہے۔ اس لئے کہ نئے سرے سے تین طلاقوں کی ملکیت کیلئے ضروری ہے کہ عورت، عدت کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور وہ دوسرا شوہر اس سے ہمبستری کرکے طلاق دے دے یا انتقال کرجائے اور پھر عورت عدت گزار کر پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرے جسے شرعاً حلالہ کہا جاتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب آپ نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر رجوع کرلیا۔ اب دوسری طلاق رجعی دی ہے تو اب بھی آپ رجوع کرسکتے ہیں۔ مزید آپ کے پاس صرف ایک طلاق کا اختیار ہوگا۔ اگر وہ بھی واقع کردی تو پھر عورت مطلقہ مغلظہ ہوجائے گی بغیر حلالہ کے اس سے نکاح درست نہیں ہوگا۔

طلاق رجعی کے بعد اصل تو یہ ہے کہ آپ عدت کے اندر رجوع کرلیں لیکن اگر آپ عدت کے اندر نکاح جدید بھی کرلیں تو یہ رجوع ہی شمار ہوگا اور اس نکاح جدید سے آپ کو نئے سرے سے تین طلاقوں کا اختیار نہیں ملے گا بلکہ مابقیہ ایک طلاق کا اختیار ہوگا۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ:۲۲۹): اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الظّٰلِمُوْنَ۔

وفی البحرالرائق (۴/۸۴):ومنه النكاح والتزوج فلو تزوجها في العدة كان رجعة في ظاهر الرواية كذا في البدائع وهو المختار كذا في الولوالجية وعليه الفتوى كذا في الينابيع فقول الشارحين إنه ليس برجعة عند أبي حنيفة خلافا لمحمد على غير ظاهر الرواية كما لا يخفى فعلم أن لفظ النكاح يستعار للرجعة۔

وفی الهندية(۱/۴۶۸): وإن راجعها بلفظ التزويج جاز عند محمد رحمه الله تعالى وعليه الفتوى وكذا إذا تزوجها صار مراجعا لها هو المختار كذا في الجوهرة النيرة۔

وفی الدرالمختار (۳/۳۹۹):(و) تصح (بتزوجها في العدة) به يفتى۔

وفی الرد تحته: قوله (به يفتى) قال في البحر وهو ظاهر الرواية كذا في البدائع وهو المختار كذا في الولوالجية وعليه الفتوى كذا في الينابيع فقول الشارحين إنه ليس برجعة عنده خلافا لمحمد على غير ظاهر الرواية كما لا يخفى فعلم أن لفظ النكاح يستعار للرجعة ولا تستعار هي له اهـ ملخصا۔

(۴۱)عورت کا طلاق کو اختیار کر لینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص ملازمت کے سلسلے میں سندھ سے پنجاب جانے لگا تو بیوی نے مطالبہ کیا مجھے ساتھ لے جاؤ اس نے انکار کر دیا کافی لڑائی جھگڑا ہوا۔ شوہر نے کہا میں آپ کو کسی صورت میں ساتھ لے کر نہیں جا سکتا باقی آپ کی مرضی کہ نکاح میں رہو یا طلاق لے لو۔ بیوی نے کہا میں طلاق لیتی ہوں شوہر چلا گیا۔ اب لوگ کہہ رہے ہیں کہ طلاق واقع ہوگئی ہے۔ میاں بیوی کافی پریشان ہیں آپ حضرات سے گزارش ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ بتائیں کہ طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اس عورت پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر شوہر رجوع کر سکتا ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں البتہ اگر عدت گزر جائے تو بائنہ ہو جائے گی اور نکاح جدید کے بغیر اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اب شوہر مزید دو طلاقوں کا مالک ہے اگر آئندہ دو طلاقیں دے گا تو یہ عورت مغلظہ ہو جائے گی اور بغیر حلالہ کے نکاح کرنا بھی درست نہ ہوگا۔

لمافی البحرالرائق (۳/۵۶۶):فصل في المشيئة(ولو قال لها طلقي نفسك ولم ينو أو نوى واحدة فطلقت وقعت رجعية وإن طلقت ثلاثا ونواه وقعن)أي وقع الثلاث لأن قوله طلقي

نفسك معناه افعلي فعل التطليق فهو مذكور لغة لأنه جزء معنى اللفظ فتصح نية العموم وهو في حق الأمة اثنتان وفي حق الحرة ثلاث۔

وفی الهندية (۱/۳۰۲):قال لامرأته طلقي نفسك ونوى الثلاث فطلقت نفسها ثلاثا مجتمعا أو متفرقا أو قالت طلقت نفسي فثلاث ولو طلقت واحدة أو ثنتين وقعت ولو طلقت واحدة وسكتت ثم ثنتين وقعت واحدة كذا في التمرتاشي وإن نوى ثنتين تقع واحدة ... ولو طلقت واحدة ولا نية للزوج أو نوى واحدة فهي رجعية وكذا لو قالت أبنت نفسي أو أنا حرام أو بائن أو بتة أو بريئة كذا في التمرتاشي۔

(۴۲) بیوی کا نام بدل کر طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ مشرف کی بیوی کا نام زرینہ ہے ایک دن مشرف نے چند آدمیوں کے سامنے کہا کہ میں نے سفینہ کو طلاق دی لوگوں نے کہا کہ تمہاری بیوی کا نام زرینہ ہے تو مشرف نے جواب دیا کہ مجھے اپنی بیوی کا نام معلوم نہیں ہے کیونکہ جب سے شادی ہوئی ہے میں اس کے پاس نہیں گیا نہ ہی اس کا نام جانتا ہوں البتہ سفینہ کہہ کر اپنی بیوی کو طلاق دینے کی نیت کی ہے اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں خاوند کو اگرچہ نام معلوم نہیں تھا لیکن اس کی نیت اپنی بیوی کو طلاق دینا تھی اس لئے طلاق واقع ہوگئی۔

لما فی القرآن الكريم (البقرة:۲۳۶):لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ. الآية۔

(البقرة:۲۳۷):وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَن تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ۔

وفی البخاری (۲/۱):أخبرني محمد بن إبراهيم التيمي أنه سمع علقمة بن وقاص الليثي يقول سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:" إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرىء ما نوى فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو إلى امرأة ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه"۔

وفی الوالوالجية (۸/۲): رجل قال: طلقت امرأتي فلانة بنت فلان وسماها بغير اسم امرأته لا تطلق امرأته إلا أن ينويها كذا هنا۔

وفی الهندية (۳۵۸/۱): ولو قال امرأته الحبشية طالق ولا نية له في طلاق امرأته وامرأته ليست بحبشية لا يقع عليها وعلى هذا إذا سمى بغير اسمها ولا نية له في طلاق امرأته فإن نوى طلاق امرأته في هذه الوجوه طلقت امرأته كذا في الذخيرة۔

وفی الدر المختار (۲۹۲/۳): (قال امرأته طالق ولم يسم وله امرأة) معروفة طلقت امرأته۔

وفی الرد تحته: ولو قال فلانة بنت فلان طالق ثم قالت أردت امرأة أخرى أجنبية بذلك الاسم والنسب لا يصدق ويقع على امرأته۔

(۴۳) فون پر بیوی کا طلاق کے الفاظ نہ سننے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی اپنی بیوی عظمیٰ کے ساتھ کسی بات پر ناراضگی ہوئی اور یہ شخص اپنے گھر سے چلا گیا اپنے بھائی کے گھر جا کر اپنی بیوی عظمیٰ کو فون کر کے کہا کہ میں نے آپ کو ایک طلاق دی۔ پھر اس شخص نے کہا کہ میں نے آپ کو دوسری طلاق دی۔ بیوی نے میرا دوسری طلاق کا لفظ سننے سے پہلے فون کاٹ دیا تھا۔ دوسری مرتبہ میں نے فون کر کے کہا کہ میں نے آپ کو تیسری طلاق دے دی ہے۔ اب آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ شوہر اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں نے اپنے منہ سے تین طلاق نکالی ہیں بیوی کہتی ہے کہ میں نے دو طلاق سنی ہیں۔

(۱) کس کی بات کا اعتبار ہے؟

(۲) فون پر ایسے الفاظ کہنے سے طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟

(۳) اگر طلاق واقع ہوئی ہے تو کونسی طلاق واقع ہوئی ہے؟

(۴) اگر طلاق مغلظہ واقع ہوئی ہے تو دوبارہ نکاح کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

برائے مہربانی قرآن، حدیث، اور فقہ حنفی سے جواب دیدیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے اور خود بھی اقرار کرے چاہے بیوی نے الفاظ طلاق سنے ہوں یا نہیں، اس کو اس کی اطلاع ملی ہو یا نہیں اور اس پر خواہ گواہ ہوں یا نہ ہوں۔ بہرصورت اس شخص کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور عورت حلالہ شرعیہ کے بغیر اس آدمی سے ازدواجی تعلقات قائم نہیں کر سکتی۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔

وفی البخاری (۷۹۱/۲): عن عائشة رضي الله عنها أن رجلا طلق امرأته ثلاثا، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول۔

وفی الدر المختار (۲۳۵/۳): (ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل) ولو تقديرا بدائع۔

وفيه أيضاً(۲۳۲/۳): (والبدعي ثلاث متفرقة) أو اثنتان بمرة أو مرتين في طهر واحد.

وفي الدر المختار (۴۰۹/۳، ۴۱۰): (لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذ كما سنحققه (بها) أي بالثلاث (لو حرة وثنتين لو أمة) ولو قبل الدخول وما في المشكلات باطل أو مؤول كما مر (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا) يجامع مثله۔

(۴۴) طلاق نامہ تحریر کروا کر پھاڑ دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے وکیل سے کہا کہ شام تک طلاق نامہ لکھ کر لے آنا میں دستخط کردوں گا شام کو وکیل طلاق نامہ لکھ کر لے آیا لیکن دوپہر ہی میں زید کی بیوی سے مفاہمت ہوگئی تھی لہٰذا وکیل کو کہا کہ اب طلاق نامہ کی ضرورت نہیں اس کو پھاڑ دو۔ اس صورت میں طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں زید کا یہ قول کہ شام تک طلاق نامہ لکھ کر لے آنا میں دستخط کردوں گا یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ زید نے ابھی تک طلاق نہیں دی بلکہ طلاق دینے کا ارادہ ہے اور پھر وکیل کو کہا کہ اب طلاق نامہ کی ضرورت نہیں اس کو پھاڑ دو تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما في مصنف عبدالرزاق (۴۱۳/۶): عبد الرزاق عن معمر عن جابر بن زيد عن الشعبي قال إذا كتب إليها بطلاقها ولم يلفظ به ثم محاه قبل أن يبلغها فليس بطلاق ما لم يبلغها قال معمر وأخبرني من سمع الحسن يقول مثل قول الشعبي۔

وفي الهندية (۳۷۹/۱): وكذلك كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابه كذا في المحيط۔

وفي الشامية(۲۴۷/۳): ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه أو قال للرجل ابعث به إليها أو قال له اكتب نسخة وابعث بها إليها وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اهـ ملخصا۔

(۴۵) بیوی کا ازخود بذریعہ کورٹ طلاق لینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا نام رخسانہ بی بی ہے اور میری شادی کو چھ سال ہوگئے

ہیں۔ ۲۰۰۵ء میں شادی ہوئی تھی۔ میں کچھ مہینے سسرال رہی اور باقی مہینے امی کے گھر، نہ سسرال والے ملنے آتے اور نہ شوہر ملنے آتا اور نہ ہی فون کرتے ہیں لہذا میں نے کورٹ سے طلاق لے لی اور عدت گزار رہی ہوں۔ ڈھائی مہینے ہوگئے ہیں اب مجھے کتنے دن عدت کرنی ہے؟ عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... مذکورہ صورت حال کے مطابق آپ کا کورٹ سے طلاق لینا درست نہیں اور نہ کورٹ سے طلاق لینے کی صورت میں آپ پر طلاق واقع ہوئی کیونکہ یہاں طلاق کی شرائط نہیں پائی جاتیں۔ آپ کو چاہیئے کہ شوہر کے گھر رہیں اور اس سے صلح کرلیں، آپ کا بغیر عذر کے والدین کے گھر رہنا صحیح نہیں، اس میں آپ قصوروار ہیں اور جب طلاق واقع نہیں ہوئی تو عدت کے کیا معنی؟؟؟ البتہ اگر آپ شوہر کے گھر رہتی ہیں اور پھر شوہر آپ پر ظلم کرتا ہے اور آپ کا نباہ اس کے ساتھ مشکل ہو تو اس کو خلع پر راضی کریں، اگر وہ خلع پر راضی نہ ہو اور طلاق بھی نہ دے رہا ہو تو اگر آپ عدالت میں اس کے ظلم اور تعنت کو ثابت کردیں تو اس صورت میں عدالت علیحدگی واقع کرسکتی ہے اور طلاق کے بعد عدت تین حیض ہوگی اور حیض نہ آنے کی صورت میں تین ماہ عدت ہوگی۔

لما فی القرآن الکریم (النساء:۱۲۸):وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ وَإِن تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا۔

وفی الهندیة (۱/۵۲۴): إن اختارت الفرقة أمر القاضي أن يطلقها طلقة بائنة فإن أبى فرق بينهما هكذا ذكر محمد رحمه الله تعالى في الأصل۔

وقال أيضا فی الباب السابع عشر فی النفقات (۱/۵۴۵): وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه۔

وفی الشامية (۳/۵۹۱): فعلى هذا ما يقع في زماننا من فسخ القاضي الشافعي بالغيبة لا يصح وليس للحنفي تنفيذه سواء بني على إثبات الفقر أو على عجز المرأة عن تحصيل النفقة منه بسبب غيبته فليتنبه لذلك نعم يصح الثاني عند أحمد كما ذكر في كتب مذهبه وعليه يحمل ما في فتاوى قارئ الهداية حيث سأل عمن غاب زوجها ولم يترك لها نفقة فأجاب إذا أقامت بينة على ذلك وطلبت فسخ النكاح من قاض يراه.ففسخ نفذ وهو قضاء على الغائب وفي نفاذ القضاء على الغائب روايتان عندنا فعلى القول بنفاذه يسوغ للحنفي أن يزوجها من الغير بعد العدة۔الخ۔

(۴۶) غیر مسلم ممالک میں علیحدگی کیلئے طلاق ضروری ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص دارالکفر مثلاً انگلینڈ یا برازیل میں اپنی بیوی

پر زنا کی تہمت لگائے اور عورت بھی شوہر سے جدا ہونا چاہتی ہو تو کیا وہ بذریعہ لعان جدائی اختیار کر سکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......لعان وغیرہ ایسے احکام ہیں جو قاضی کے بغیر جاری نہیں ہو سکتے اور دار الکفر میں قاضی موجود نہیں ہوتے لہٰذا اس صورت میں عورت بذریعہ لعان جدائی اختیار نہیں کر سکتی۔جدائی کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ شوہر طلاق دے دے یا عورت باہمی رضامندی سے خلع لے لے۔

لمافی القرآن الكريم(النور:٦):وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ--إلى قوله--وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔

وفی صحيح البخاری (٨٠١/٢) باب التفريق بين المتلاعنين:عن نافع، أن ابن عمر، رضي الله عنهما أخبره:أن رسول الله صلى الله عليه وسلم فرق بين رجل وامرأة قذفها، وأحلفهما۔

وفی الدرالمختار مع تنوير الابصار (٤٨٤/٣) باب اللعان:(فمن قذف) بصريح الزنا في دار الإسلام (زوجته) الحية بنكاح صحيح ---(لاعن)۔

وفی الرد تحته: (في دار الإسلام) أخرج دار الحرب لانقطاع الولاية ۔

باب الصريح والكناية

(صریح اور کنایہ الفاظ کا بیان)

(۴۷) صریح الفاظ طلاق میں نیت ضروری نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے ایک دوست لندن میں ہیں۔ان کے اوران کی بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا اوراس جھگڑے میں مندرجہ ذیلی کلام ہوا۔اس سلسلے میں آپ کا فتویٰ اور رائے درکار ہے جو آپس میں بات چیت ہوئی وہ درجہ ذیل ہے چونکہ یہ گفتگو فون پر ہوئی اس لئے ریکارڈنگ سے تمام مکالمات درج ذیل ہیں:

مرد: میں نہیں رکوں گا میں جاؤں گا اور اسلامی طریقہ سے جاؤں گا اوراسی طریقہ سے۔

عورت: تیسری کب دیں گے پھر۔

مرد: کیوں دوں میں تو ہوتی کون ہے پوچھنے والی۔تو مجھے یہ بتا! کورٹ کب جارہی ہے تو نے مجھ سے پوچھا کورٹ جارہی ہوں۔

عورت: کیوں ہم نے نہیں بولا۔ہم نے آپ کو سب بتایا ہے،ایک ایک بات بتائی ہے۔

مرد: کورٹ جاؤ گی یا نہیں جاؤ گی؟ یہ بولا تھا تم نے مجھ سے۔

عورت: یہاں تو ہم نے نہیں بولا تھا۔آپ کو کہہ رہی تھی ہم کو سمپل بتادیں آپ نے کہا نہیں نہیں یہ وہ،تو ہم نے پھر جانے کا کہا۔وہی بات ہے ہم کب تک انتظار کرتے۔

مرد: ہاں تو میں نے کہا تم کو کہ کورٹ جاؤ۔نیچے کرو یہی تو تم بھی نہیں جاؤ گی نہ۔

عورت: اگر آپ ہم کو پیپر پر لکھ کردے دیں گے تو ہم کو کیا ضرورت ہے وہاں جانے کی۔

مرد: میں کیوں لکھ کردوں پیپر پر،بتاؤ نا۔میں نے کہا نا سب بیٹھیں گے،سارا خاندان بیٹھے گا اور سب کے سامنے میں بولوں گا بس یہی تو چاہیئے نا تم کو تو میں خود کہہ رہا ہوں کہ میں تمہاری خود شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔

عورت: ہاں تو ختم کرونا،ہاں تو پھر دے دیں فیصلہ،کس بات کا انتظار کررہے ہیں۔

مرد: کیوں میں پاگل ہوں دے،دوں،میں تم کو اسلامی طریقہ سے دوں گا۔

عورت: سنیں آپ ویسے ہی دو طلاقیں دے چکے ہیں۔ایک رہتی ہے،کیوں آپ فضول باتیں کررہے ہیں۔

مرد: آپ ایسا کرو تینوں بول دو، کہہ دو، دے دی ہیں، بول دو سب کو جاؤ، جو کرنا ہے کرلو۔

مرد کے مطابق نہ اس نے طلاق دی نہ اس کی منشا یا ارادہ تھا طلاق دینے کا۔ یہ بیان وہ حلفیہ میرے سامنے دے چکا ہے۔

یہ لفظ بہ لفظ ریکارڈنگ سننے کے بعد تحریر کی ہے دونوں میاں بیوی کا تعلق فقہ حنفی سے ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں چونکہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا گیا جس کے جواب میں اس نے کہہ دیا کہ ''آپ ایسا کرو تینوں بول دو، کہہ دو، دے دی ہیں، بول دو سب کو جاؤ، جو کرنا ہے کرلو'' تو اس میں تین طلاق کی صراحت ہوگئی لہٰذا تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اگرچہ آپ کی نیت نہیں تھی کیونکہ یہ الفاظ صریح ہیں اور الفاظ صریح میں طلاق کے وقوع کے لئے نیت شرط نہیں ہوتی۔ آپ کی بیوی کو تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں لہٰذا آپ کا اپنی بیوی کے ساتھ رہنا اور اس سے ازدواجی رشتہ قائم رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ تین طلاقوں کے ذریعے آپ پر حرام ہو چکی ہے۔

لمافی الھندیة (۱/۳۵۵) کتاب الطلاق: ولو قال لها أنت طالق طالق أو أنتِ طالق أنت طالق أو قال قد طلقتك قد طلقتك أو قال أنت طالق وقد طلقتك تقع ثنتان إذا كانت المرأة مدخولا بها ولو قال عنيت بالثاني الإخبار عن الأول لم يصدق في القضاء ويصدق فيما بينه وبين الله تعالى۔

وفی الدر المختار (۲/۲۵۱) باب الطلاق: (وفي أنت الطلاق) أو طلاق (أو أنت طالق الطلاق أو أنت طالق طلاقا يقع واحدة رجعية إن لم ينو شيئاأو نوى) يعني بالصدر لأنه لو نوى بطالق واحدة وبالطلاق أخرى وقعتا رجعيتين لو مدخولا بها كقوله أنت طالق أنت طالق زيلعي (واحدةأو ثنتين) لأنه صريح مصدر لا يحتمل العدد (فإن نوى ثلاثا فثلاث)۔

(۴۸) ''میں نے تجھے طلاق دی'' کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیوی سے دومرتبہ اس طرح کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی تو اس طرح کہنے سے کتنی طلاق واقع ہو جاتی ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں برتقدیر صحت واقعہ آپ کا اپنی بیوی کو ''میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی'' کہنے سے دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں چنانچہ اگر عدت باقی ہے تو آپ کو رجوع کا حق حاصل ہے البتہ اگر عدت گزر جائے تو تجدید نکاح کے بغیر آپ دونوں کا ازدواجی تعلقات برقرار رکھنا جائز نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَٰنٍ۔

وفی الخانیة (۲/۲۰۸): رجل قال لامرأته المدخول بها أنتِ طالق أنت طالق يقع عليها طلاقان ولا يصدق قضاء إن قال نويت بالثانية الخبر وكذا لو قال قد طلقتك قد طلقتك أو قال أنت

طالق قد طلقتك يقع طلاقان۔

وفی الهندية (۱/۴۷۰): وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض كذا في الهداية۔

(۴۹) دو مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بیوی سے منہ ماری ہوگئی اور میں نے اپنی بیوی کے سامنے دو مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا۔ میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ طلاق ہوگی یا نہیں؟ مجھے مطمئن کیا جائے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... طلاق کا لفظ صریح طور پر ایک یا دو مرتبہ استعمال کرنے سے ایک یا دو طلاق رجعی واقع ہوجاتی ہیں اور تین مرتبہ طلاق کا لفظ صریح طور پر استعمال کرنے سے طلاق مغلظ واقع ہوجاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کا اپنی بیوی کو صریح طور پر طلاق کا لفظ دو مرتبہ استعمال کرنے سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اندر آپ کو اپنی بیوی سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، رجوع کی صورت یہ ہوگی کہ آپ اپنی بیوی سے کہہ دیں کہ میں نے رجوع کرلیا یا ایسا کوئی فعل کرلیں جو حقِ زوجیت پر دلالت کرتا ہو، البتہ عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہوگا۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَانٍ۔

وفی صحيح البخاری (۲/۷۹۰): عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما: أنه طلق امرأته وهي حائض، على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسأل عمر بن الخطاب رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مره فليراجعها، ثم ليمسكها حتى تطهر، ثم تحيض ثم تطهر، ثم إن شاء أمسك بعد، وإن شاء طلق قبل أن يمس، فتلك العدة التي أمر الله أن تطلق لها النساء۔

وفی الدر المختار (۳/۲۵۱، ۲۵۲): (وفي أنت الطلاق) أو طلاق (أو أنت طالق الطلاق أو أنت طالق طلاقا يقع واحدة رجعية إن لم ينو شيئا أو نوى) يعني بالصدر لأنه لو نوى بطالق واحدة وبالطلاق أخرى وقعتا رجعيتين لو مدخولا بها۔

وفيه أيضاً (ص۴۰۹): (وينكح) مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع۔

(۵۰) طلاق کا اقرار کرنے سے طلاق کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ طلحہ اور اس کی زوجہ میں جھگڑا ہوا، طلحہ غصہ میں گھر سے باہر آیا لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میرا سامان منگا دو میں اس گھر سے چلا جاؤں گا میں نے اس کو طلاق دے دی ہے، حالانکہ اس نے طلاق نہیں دی تھی، اب مجھے اس کی ضرورت نہیں، لوگوں نے کہا ایسا مت کہو، اس نے کہا: نہیں جی، میں نے طلاق دے دی ہے آیا ان الفاظ سے کس قسم کی طلاق واقع ہوئی؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....شوہر کا اپنی زوجہ کے متعلق یہ کہنا "میں نے اس کو طلاق دے دی ہے" خواہ وہ اس کہنے میں جھوٹا ہو، طلاق واقع ہو جائے گی لہٰذا صورت مسئولہ میں طلحہ کا اپنی زوجہ کے متعلق یہ کہنا "میں نے اس کو طلاق دے دی ہے" اس جملہ سے ایک طلاق تو واقع ہوگئی، لیکن چونکہ دوسرے جملے "جی میں نے طلاق دے دی ہے" سے مذکورہ طلاق کی خبر دے رہا ہے، اس وجہ سے اس جملے سے طلاق واقع نہیں ہوئی، لہٰذا اس صورت میں طلحہ کی زوجہ پر ایک طلاق واقع ہوگئی ہے، اب اگر عدت باقی ہو تو بغیر نکاح جدید کے رجوع کا حق حاصل ہے لیکن اگر عدت ختم ہوگئی ہے تو ازدواجی تعلقات قائم کرنے کے لئے جدید نکاح ضروری ہے اور اس کے بعد طلحہ کو صرف دو طلاقوں کا اختیار حاصل ہے اگر اس کے بعد کبھی بھی دوسری اور تیسری طلاق دی تو طلحہ پر اس کی بیوی حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو جائے گی۔

لمافی البخاری (۲/۷۹۲) باب من قال لامرأته أنت علی حرام: كان ابن عمر رضي الله عنه إذا سئل عمن طلق ثلاثا، قال: لو طلقت مرة أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم أمرني بهذا، فإن طلقتها ثلاثا حرمت حتى تنكح زوجا غيرك۔

وفی البحرالرائق (۳/۴۲۸) کتاب الطلاق: ولو أقر بالطلاق وهو كاذب وقع في القضاء اهـ وصرح في البزازية بأن له في الديانة إمساكها إذا قال أردت به الخبر عن الماضي كذبا وإن لم يرد به الخبر عن الماضي أو أراد به الكذب أو الهزل وقع قضاء وديانة۔

وفی الهندية (۱/۳۵۵): ولو قال لامرأته أنت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها أو قال قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء كذا في البدائع۔

وفی الدر المختار (۳/۲۹۳): فروع كرر لفظ الطلاق وقع الكل وإن نوى التأكيد دين۔

وفی الرد تحته: قوله (كرر لفظ الطلاق) --- وإذا قال أنت طالق ثم قيل له ما قلت؟ فقال قد طلقتها أو قلت هي طالق فهي طالق واحدة لأنه جواب كذا في كافي الحاكم۔

(۵۱) وعدۂ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ تین سال پہلے میرے شوہر نے ایک بار کہا تھا کہ میں نے طلاق دی۔ اس بات کو دو سال ہو گئے ہیں۔ دوسری بار کہا میں تجھے طلاق دے دوں گا۔ تیسری بار ابھی چار دن پہلے کہا میں تجھے طلاق دیتا ہوں، ازراہِ کرم مجھے بتائیں کہ کتنی طلاقیں واقع ہو گئیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب آپ کے شوہر نے دو سال قبل کہا تھا کہ میں نے تجھے طلاق دی اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی تھی پھر جب آپ میاں بیوی پھر ساتھ رہنے لگے تو اس سے رجوع ثابت ہو گیا۔ دوسری بار آپ کے شوہر نے جو یہ کہا کہ میں تجھے طلاق دے دوں گا اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی البتہ تیسری بار چار دن پہلے جو آپ کے شوہر نے کہا کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں تو پہلے والی طلاق اور یہ طلاق ملا کر دو طلاقیں رجعی واقع ہو گئی ہیں لہٰذا اگر شوہر چاہے تو عدت کے اندر اس کو رجوع کا حق حاصل ہے اور اس صورت میں آپ کے شوہر کیلئے صرف ایک طلاق کا حق باقی رہتا ہے اور اگر شوہر نہیں رکھنا چاہتا تو عدت گزرنے کے بعد آپ کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں۔

لما فی القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَانٍ.... فَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيمَا افۡتَدَتۡ بِهِۦ تِلۡكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَعۡتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ.

وفی الهندية (۱/۳۴۸) كتاب الطلاق: وإذا طلقها ثم راجعها يبقى الطلاق وإن كان لا يزيل الحل والقيد في الحال لأنه يزيلهما في المآل حتى انضم إليه ثنتان كذا في محيط السرخسي۔

وفيه أيضا:(۱/۳۵۴): الطلاق الصريح وهو كأنت طالق ومطلقة وطلقتك وتقع واحدة رجعية وإن نوى الأكثر أو الإبانة أو لم ينو شيئا كذا في الكنز۔

وفيه أيضا:(۱/۴۶۸): الرجعة إبقاء النكاح على ما كان ما دامت في العدة كذا في التبيين۔

وفی الدر المختار(۳/۳۹۷): (هي استدامة الملك القائم) بلا عوض ما دامت (في العدة) ۔

وفی الدرالمختار(۳/۲۴۸): باب الصريح (صريحه مالم يستعمل إلا فيه) ولو بالفارسية (كطلقتك وأنت طالق ومطلقة) (ويقع بها) أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح--- (واحدة رجعية)۔

وفی الرد تحته: قوله (رجعية) أي عند عدم ما يجعل بائنا۔

وفی الشامية(۳/۲۴۸): قوله (وما بمعناها من الصريح) أي مثل ما سيذكره من نحو كوني طالقا

واطلقي ويا مطلقة بالتشديد وكذا المضارع إذا غلب في الحال مثل أطلقك كما في البحر۔

(۵۲) ”دو ماہ کیلئے ایک طلاق دی“ کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے بڑے بھائی نے اپنی بیوی کو نافرمانیوں سے تنگ آکر سرزنش کے لئے مندرجہ ذیل الفاظ کہے کہ ”میں نے تم کو دو ماہ کیلئے ایک طلاق دی“ اب تم دو ماہ بعد میرے نکاح میں واپس لوٹ سکو گی، آپ سے معلوم یہ کرنا تھا کہ اس طرح کی طلاق کا کیا حکم ہے؟ کیا دو ماہ بعد میرے بھائی کی بیوی خود بخود میرے بھائی کے نکاح میں داخل ہو جائے گی اگر نہیں تو پھر اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی لہٰذا عدت کے اندر رجوع کرنے کی اجازت ہے، بقیہ دو ماہ کی قید لغو ہے نیز آپ کے بھائی کی بیوی خود ہی ان کے نکاح میں دوبارہ نہیں آئیں گی بلکہ رجوع کرنا ہوگا۔

لمافی بدائع الصنائع (۲۴۲/۴): ولو قال لها أنت طالق من هنا إلى موضع كذا فهو رجعي في قول أصحابنا الثلاثة۔

وفی الهندية (۳۴۹/۱): إذا قال لامرأته المدخولة وهي من ذوات الأقراء أنت طالق للسنة وقع تطليقة للحال إن كانت طاهرة من غير جماع وإن كانت حائضا أو كانت في طهر جامعها فيه لم يقع للحال شيء حتى يأتي وقت السنة۔

وفی الدرالمختار (۲۴۷/۳): باب الصريح (صريحه ما لم يستعمل إلا فيه) ---- (كطلقتك وأنت طالق ومطلقة) ---- (ويقع بها) ---- (واحدة رجعية)۔

(۵۳) ”ایسی بیوی مجھے درکار نہیں“ کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ ”ایسی بیوی مجھے درکار نہیں“، تو کیا ان الفاظ سے طلاق ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو طلاق رجعی ہوگی یا بائن؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی یہ ”لا حاجة لی فيك“ کے مشابہ ہیں جس میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے صراحۃً نقل ہے کہ باوجود نیت کے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی لہٰذا آپ کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

لمافی البدائع الصنائع (۲۳۷/۴): ولو قال لا حاجة لي فيك لا يقع الطلاق وإن نوى لأن عدم الحاجة لا يدل على عدم الزوجية فإن الإنسان قد يتزوج بمن لا حاجة له إلى تزوجها فلم

يكن ذلك دليلا على انتفاء النكاح فلم يكن محتملا للطلاق۔

وفی الهندية (۳۷۵/۱): قد اتفقوا جميعا أنه لو قال والله ما أنت لي بامرأة أو لست والله لي بامرأة فإنه لا يقع شيء وإن نوى ولو قال لا حاجة لي فيك ينوي الطلاق فليس بطلاق۔

وفی الشامية (۲۹۶/۳): ونقل في البحر عدم الوقوع بلا أحبك لا أشتهيك لا رغبة لي فيك وإن نوى ووجهه أن معاني هذه الألفاظ ليست ناشئة عن الطلاق لأن الغالب الندم بعده فتنشأ المحبة والاشتهاء والرغبة بخلاف الحرمة فإذا لم يقع بهذه الألفاظ مع احتمال أن يكون المراد لأني طلقتك ففي لفظ اليمين بالأولى۔

رسالة

المذاهب والروايات

في

الألفاظ الكنايات

الفاظ کنایات سے طلاق اور اس میں نیت اور احتمال طلاق سے متعلق

مذاہب کی تفصیل اور دیگر امور پر شافی بحث

(۵۴) الفاظ کنائی سے متعلق مفصل فتویٰ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے "تو میری بیوی نہیں" یا ''مجھے تیری ضرورت نہیں'' اور طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہتا ہے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ ان الفاظ سے کسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوسکتی ان میں طلاق کا احتمال ہی نہیں۔

مفتی صاحب ہمیں یہ بات سمجھ نہیں آئی کیونکہ ہم نے تو فتاویٰ میں یہاں تک پڑھا ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو ایک دو تین کہتا ہے اور طلاق کی نیت کرتا ہے تو طلاق ہوجاتی ہے، اسی طرح بہت سے وہ الفاظ جن میں کہیں سے طلاق کا احتمال نہیں، ان میں ادنیٰ احتمال سے طلاق واقع ہوجاتی ہے تو پھر یہ کہنے سے کہ ''تو میری بیوی نہیں'' یا ''مجھے تیری ضرورت نہیں'' طلاق کیوں واقع نہیں ہورہی؟ اس میں تو تقریباً صریح جدائی کا ذکر ہے لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ الفاظ کنائی کی تشریح کردیں نیز لفظ میں احتمال کی تعیین کا کوئی قاعدہ ہے تو اسے بھی ذکر کردیں، ان مولوی صاحب کا کہنا تھا کہ ان دو الفاظ پر تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ ان میں احتمال نہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں فقہاء نے الفاظِ کنائی سے متعلق یہ تشریح کی ہے:

باب الکنایات (کنایته) عند الفقهاء (مالم یوضع له) أي الطلاق (واحتمله وغیره).

(الدر المختار ۲۹۶/۳)

یعنی کنایات وہ الفاظ ہیں جو طلاق کیلئے وضع نہ ہوں بلکہ ان میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہو، ان الفاظِ کنائی سے نیت کے ساتھ طلاق (بائن وغیرہ) واقع ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں صریح وہ الفاظ ہیں جو طلاق کیلئے ہی وضع ہوں ان سے بغیر نیت کے ہی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ گویا کنائی الفاظ میں اصول یہ ہے کہ ان میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہو مثلاً "اذهبي" (چلی جا) "اعتدي" (عدت گزار) وغیرہ الفاظ میں یہ بھی احتمال ہے طلاق مراد ہو اور یہ بھی کہ عمومی طور پر یہ جملے استعمال کئے ہوں اور طلاق مراد نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

کن الفاظ میں احتمال ہے اور کن الفاظ میں طلاق کا احتمال ہی نہیں یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے مثلاً کھانا کھاؤ، پانی پیو وغیرہ الفاظ میں تو قطعاً کوئی احتمال ہی نہیں نہ قریب نہ بعید، لہٰذا ان الفاظ کا قائل نیت بھی کرلے تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن دیگر بہت سے الفاظ ہیں جن

میں احتمال کے ہونے یا نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے [ان میں سے دو تو سوال میں ذکر ہیں۔] ہم نمبر وار ان الفاظ کا ذکر کرتے ہیں:

الفاظِ کنائی اور ان سے وقوعِ طلاق میں اختلاف کا ذکر

(۱) "ما أنت لی بامرأة" (تو میری بیوی نہیں ہے)

اس لفظ میں احتمالِ طلاق ہے یا نہیں، اس میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف ہے، حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں احتمال ہے جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ الفاظ طلاق کا احتمال ہی نہیں رکھتے لہٰذا اگر کوئی شخص بنیت طلاق اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہتا ہے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سے طلاق کا وقوع ہوگا لیکن صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نہیں۔

ہندیہ میں ہے:

"ولو قال ما أنت لی بامرأة أو لست لك بزوج ونوی الطلاق يقع عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعندهما لا يقع" (هنديه ۱/۳۷۵)

اور شامیہ میں ہے:

قال الحصكفی فی الدر: "لست لك بزوج أو لست لی بامرأة أو قالت له لست لی بزوج فقال صدقت طلاق إن نواه خلافا لهما۔"

وقال ابن عابدين تحتها فی الشامية: "قوله (طلاق إن نواه) لأن الجملة تصلح لإنشاء الطلاق كما تصلح لإنكاره فيتعين الأول بالنية وقيد بالنية لأنه لا يقع بدونها اتفاقا لكونه من الكنايات۔" (الشامية ۲۸۳/۳)

گویا کہ "ما انت لی بامرأة" (تو میری بیوی نہیں) "لست لك بزوج" (میں تیرا شوہر نہیں) اور "لست لی بامرأة" (تو میری بیوی نہیں) یا اسی طرح بیوی شوہر سے کہے تو میرا شوہر نہیں اس کے جواب میں شوہر کہہ دے تو نے سچ کہا ان تمام صورتوں میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیت سے طلاق واقع جائے گی کیونکہ ان میں طلاق اور انکارِ نکاح دونوں احتمال ہیں جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس میں طلاق کا احتمال ہی نہیں یہ محض جھوٹ اور انکار ہے لہٰذا صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ان تمام صورتوں میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

(۲) لا حاجة لی فيك (مجھے تیری حاجت یا ضرورت نہیں)

اس لفظ میں ائمہ ثلثہ کا اتفاق ہے کہ اس سے طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ نیت بھی کر لے۔

بحر میں ہے:

"وقوله لا حاجة لی فیك کما فی البدائع ففی هذه الألفاظ لا یقع وإن نوی عند الکل۔"

(البحر الرائق ۳/۵۳۰)

نیز ہندیہ میں ہے:

"ولو قال لا حاجة لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق" (الهندیه ۱/۳۷۵)

البتہ ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں احتمال ہے لہٰذا مع النیۃ طلاق کا وقوع ہوگا۔

" وقال ابن أبی لیلی یقع فی قوله لا حاجة لی فیك إذا نوی " (البحر الرائق ۳/۵۲۸)۔

فقہاء نے ان کے علاوہ الفاظ میں بھی احتمال اور عدم احتمال سے متعلق بحث کی ہے:

"لم یکن بیننا نکاح" (ہمارے درمیان نکاح نہیں ہوا تھا) "لم اتزوجك" (میں نے تم سے شادی نہیں کی تھی)۔ان دونوں الفاظ سے بھی بالاتفاق طلاق واقع نہ ہوگی جبکہ "لا نکاح بینی وبینك" (میرے اور تمہارے درمیان کوئی نکاح نہیں) سے بالاتفاق اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق کا وقوع ہوگا۔

ایسا اس لئے کہ پہلے دونوں جملے محض جھوٹ ہیں اور ماضی میں نکاح کی نفی میں طلاق کا مراد لینا محتمل ہی نہیں جبکہ تیسرا جملہ "لا نکاح بینی وبینك" میں حال میں نکاح کی نفی ہے جس میں انشاء طلاق اور انکارِ نکاح دونوں احتمال ہیں لہٰذا بالاتفاق اس میں طلاق کی نیت کرنے سے طلاق واقع ہوجائے گی۔ اسی بنیاد پر گزشتہ میں ذکر جملہ "لست لی بامرأة" (تو میری بیوی نہیں) میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمہما اللہ علیہما کا اختلاف ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں طلاق کا احتمال بھی ہے کہ تو میری بیوی نہیں کیونکہ میں نے تجھے طلاق دیدی ہے اور انکارِ نکاح کا احتمال بھی ہے تو نیت سے طلاق واقع ہوگی جبکہ صاحبین "لست لی بامرأة" کو بھی محض جھوٹ اور انکارِ نکاح قرار دیتے ہیں لہٰذا مع النیۃ بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔

لما فی الولوالجیة(۲/۱۴): أحدها هذه والثانیة أن قال: لم یکن بیننا نکاح ونوی الطلاق والثالثة إذا قال لم أتزوجك فنوی الطلاق والرابعة إذا قال: لا نکاح بینی وبینك ونوی الطلاق والخامسة إذا قال لست لی بامرأة ونوی الطلاق ففی الثلاث الأول لا یقع الطلاق لأنه کذب محض وفی الوجه الرابع یقع لأنه نوی مایحتمله کلامه لأنه یحتمل أنه لا نکاح بینهما لأنه سبق الطلاق وفی الوجه الخامس کذلك عند أبی حنیفة لأنه یحتمل أنها لیست بامرأة لها لأنه سبق الطلاق وقال أبو یوسف ومحمد: لا تطلق لأنه نفی نکاحها من الأصل کقوله لا زید فی الدار فیکون جحودا من الأصل وجحود النکاح من الأصل لا یصلح کنایة عن الطلاق فلا تعمل فیه النیة کقوله لم أتزوجك۔

وفی الهندیة (۱/۳۷۵): وإن قال لم أتزوجك ونوی الطلاق لا یقع الطلاق بالإجماع كذا في البدائع --- ولو قال لها لا نكاح بيني وبينك أو قال لم يبق بيني وبينك نكاح يقع الطلاق إذا نوی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بحر کے حوالے سے اس مسئلے کو واضح فرمایا کہ ہر وہ لفظ جس میں ماضی میں انکارِ نکاح ہو وہ کذبِ محض ہے نیت سے بھی طلاق نہ ہوگی اور ہر وہ لفظ جس میں حال میں انکارِ نکاح ہے اس میں احتمالِ طلاق اور انکارِ نکاح دونوں ہیں ان میں بالاتفاق نیت سے طلاق واقع ہوگی۔ ان کے علاوہ الفاظ میں اگر طلاق کی نیت کرتا ہے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ احتمالِ طلاق مانتے ہیں مثلاً "لست لی بامرأة" (تو میری بیوی نہیں) وغیرہ میں نیت سے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما انہیں بھی کذبِ محض اور احتمالِ طلاق سے عاری قرار دیتے ہیں لہٰذا صاحبین کے نزدیک ان الفاظ سے نیت کے باوجود بھی طلاق نہ ہوگی، شامیہ میں ہے:

قال الحصكفي فی الدر: "لست لك بزوج أو لست لی بامرأة أو قالت له لست لی بزوج فقال صدقت طلاق إن نواه خلافا لهما۔ ولو أكد بالقسم أو سئل ألك امرأة فقال لا لا تطلق اتفاقا۔"

وقال ابن عابدين تحتها فی الشامية: "قوله (لا تطلق اتفاقا وإن نوی) ومثله قوله لم أتزوجك أو لم يكن بيننا نكاح أو لا حاجة لی فيك بدائع لكن فی المحيط ذكر الوقوع فی قول لا عند سؤاله۔ قال ولو قال لا نكاح بيننا يقع الطلاق والأصل إن نفی النكاح أصلا لا يكون طلاقا بل يكون جحودا ونفی النكاح فی الحال يكون طلاقا إذا نوی وما عداه فالصحيح أنه علی هذا الخلاف، بحر۔" (الشامية ۳/۲۸۳)

عبارت بالا سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ "لست لی بامرأة" (تو میری بیوی نہیں) یا "ما انت لی بامرأة" (تو میری بیوی نہیں) وغیرہ الفاظ میں اختلاف اس وقت ہے جب یہ الفاظ بغیر قسم کے یا بطورِ سوال و جواب نہ ہوں ورنہ ان سے بالاتفاق طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ نیت بھی ہو یعنی اگر کوئی قسم کھا کر کہتا ہے "واللہ ما انت لی بامرأة" (خدا کی قسم تو میری بیوی نہیں) یا اس سے سوال کیا جاتا ہے "ألك امرأة" (کیا تمہاری بیوی ہے؟) اس کے جواب میں وہ کہتا ہے "لا" (نہیں میری بیوی نہیں) تو بالاتفاق ان الفاظ سے طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ قسم اور سوال و جواب ان الفاظ کے اخبار ہونے پر اور انکارِ نکاح کذبا کے احتمال کے معین ہونے پر دال ہیں لہٰذا اس صورت میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ کذبِ محض اور جھوٹ ہے، ان الفاظ میں قسم یا سوال و جواب کی صورت میں طلاق کا احتمال ہی نہیں رہتا لہٰذا ان سے بالاتفاق طلاق کا وقوع نہ ہوگا اگرچہ نیت بھی ہو۔

لما فی الهندية (۱/۳۷۵): قد اتفقوا جميعا أنه لو قال والله ما أنت لی بامرأة أو لست والله لی بامرأة فإنه لا يقع شیء وإن نوی۔

وفی الدر المختار (۳/۲۸۳): ولو أكد بالقسم أو سئل ألك امرأة فقال لا لا تطلق اتفاقا وإن نوی لأن

الیمین والسؤال قرینتا إرادة النفی فیهما۔

وفی الرد تحته: قوله (قرینتا إرادة النفی فیهما) وذلك لأن الیمین لتأكید مضمون الجملة الخبرية فلا یکون جوابه الأخیر و كذا جواب السؤال والطلاق لا یکون إلا إنشاء فوجب صرفه إلى الإخبار عن نفی النکاح کاذبا۔

وفی الطحطاوی علی الدر (۱۲۷/۲): (قوله: لا تطلق وان نوی)لأنه إنکار للنکاح وإنه لیس بطلاق(قوله قرینتا ارادة النفی)أی والنفی خبرلأن جواب القسم لایکون إلاجملة خبرية وكذا جواب الاستفهام والطلاق لایقع الا بالانشاء فیکون من الاخبار الکاذبة وضمیر فیهما یرجع الی الفرعین السابقین۔

اس کے علاوہ "افلحی" (کامیاب ہوجا) ایسا لفظ ہے جس میں ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر یہ لفظ نیتِ طلاق سے کہا جائے تو طلاق کا وقوع ہوگا۔

لما فی الهندیة (۳۷۵/۱):ولو قال افلحی ینوی الطلاق کان طلاقا کذا فی السراج الوهاج۔

نیز بعض الفاظ میں احتمالِ طلاق نہ ہونے کی تصریح کی گئی ہے لہٰذا ان سے نیت کے باوجود طلاق واقع نہ ہوگی مثلاً:

"لا أحبك" (مجھے تجھ سے محبت نہیں)۔

"لا أشتهیك" (میں تجھے نہیں چاہتا)۔

"لا رغبة لی فیك" (مجھے تجھ میں کوئی رغبت نہیں)۔

ان تین الفاظ سے متعلق فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان میں طلاق کا احتمال ہی نہیں لہٰذا نیت کے باوجود ان سے طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔

لما فی البحر (۵۲۸/۳):إذا قال لا حاجة لی فیك أو لا أریدك أو لا أحبك أو لا أشتهیك أو لا رغبة لی فیك فإنه لا یقع وإن نوی فی قول أبی حنیفة وقال ابن أبی لیلی یقع فی قوله لا حاجة لی فیك إذا نوی وفی التفاریق عن ابن سلام یکون ثلاثا إذا نوی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں احتمال نہ ہونے کی مدلل وضاحت بھی کی ہے وہ یہ کہ طلاق میں اکثر ندامت ہوتی ہے اور ندامت کے بعد محبت، اشتہاء اور رغبت بڑھ جاتی ہے لہٰذا یہ الفاظ طلاق کا احتمال نہیں رکھتے۔طلاق سے محبت اور رغبت بڑھتی ہے اور ان الفاظ میں محبت اور رغبت نہ ہونے کا ذکر ہے لہٰذا ان الفاظ سے باوجود نیتِ طلاق کے طلاق واقع نہ ہوگی۔شامیہ میں ہے:

"ونقل فی البحر عدم الوقوع بلا أحبك لا أشتهیك لا رغبة لی فیك وإن نوی ووجهه أن معانی هذه الألفاظ لیست ناشئة عن الطلاق لأن الغالب الندم بعده فتنشأ المحبة والاشتهاء والرغبة۔"

(الشامیة ۲۹۶/۳)

نیز ہندیہ میں ہے:

"إذا قال لا أريدك أو لا أحبك أو لا أشتهيك أو لا رغبة لي فيك فإنه لا يقع وإن نوى في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في البحر الرائق" (الهندية ۱/۳۷۵)

البتہ "في قول أبي حنيفة" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ میں بھی احتمال کے پائے جانے میں ائمہ کا اختلاف ہے الغرض مختلف الفاظ میں احتمالِ طلاق ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے ائمہ مذہب اور فقہاء کے درمیان اختلاف رہا ہے اور بعض الفاظ میں احتمال ہونے اور بعض میں نہ ہونے پر اتفاق بھی نقل ہے۔

مذکورہ بالا الفاظِ کنائی ایک نظر میں

ہم نے جو الفاظ ذکر کئے وہ مختصراً ایک نظر میں یہ ہیں:

۱) "ما أنت لي بامرأة" (تو میری بیوی نہیں)۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احتمال طلاق ہے نیت سے طلاق واقع ہوگی صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک احتمال ہی نہیں۔

۲) "لست لك بزوج" (میں تیرا شوہر نہیں)۔

اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔

۳) "لا حاجة لي فيك" (مجھے تیری حاجت نہیں)۔

اس میں ائمہ ثلثہ یعنی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کا تو اتفاق ہے کہ یہ طلاق کا احتمال نہیں رکھتا البتہ ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں طلاق کا احتمال ہے یعنی اس میں نیت سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

۴) "لم يكن بيننا نكاح" (ہمارے درمیان نکاح نہیں ہوا تھا)۔

اس میں بالاتفاق طلاق کا احتمال نہیں نیت کر بھی لے طلاق واقع نہ ہوگی۔

۵) "لم أتزوجك" (میں نے تجھ سے شادی نہیں کی تھی)۔

اس میں بھی بالاتفاق طلاق کا احتمال نہیں۔

۶) "لا نكاح بيني وبينك" (میرے اور تمہارے درمیان کوئی نکاح نہیں)۔

اس میں بالاتفاق احتمالِ طلاق ہے اگر نیت کرلے تو طلاق کا وقوع ہوگا۔

۷) "لست لي بامرأة" (تو میری بیوی نہیں)۔

اس میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمہما اللہ علیہما کا اختلاف ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احتمال ہے خلافاً لهما۔

۸) جتنے مختلف فیہ الفاظ ذکر ہوئے مثلاً "ما أنت لي بامرأة، لم أتزوجك، لست لي بامرأة وغيره" ان کو اگر قسم

کے ساتھ کہا جائے مثلاً "واللہ ما انت لی بامرأۃ" توقسم کی صورت میں کوئی اختلاف نہ رہے گا بلکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اب ان میں احتمال نہ رہے گا اور بالاتفاق ان سے مع النیۃ بھی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ جوابِ قسم اخبار ہوتا ہے اور طلاق انشاء ہے لہٰذا قسم کے بعد یہ الفاظ فقط اخبارِ کاذبہ اور کذبِ محض بن جائیں گے۔

۹) اسی طرح مختلف فیہ الفاظ اگر سوال و جواب کی صورت میں ہوں (مثلاً کوئی سوال کرے "الك امرأۃ؟" کیا تیری بیوی ہے؟ جواب میں وہ کہے "لا" نہیں) تو پھر بھی بالاتفاق طلاق کا احتمال نہیں رہتا کیونکہ جوابِ سوال بھی اخبار ہوتا ہے انشاء نہیں۔

۱۰) "افلحی" (کامیاب ہوجا)۔

اس میں ائمہ کا اتفاق ہے کہ نیت سے طلاق واقع ہوگی اور یہ طلاق کا احتمال رکھتا ہے۔

۱۱) "لا أحبك" (مجھے تجھ سے محبت نہیں)۔

اس میں احتمالِ طلاق نہیں لہٰذا مع النیہ بھی طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔

۱۲) "لا أشتهيك" (میں تجھے نہیں چاہتا)۔

اسمیں بھی احتمالِ طلاق نہیں۔

۱۳) "لا رغبة لی فیك" (مجھے تجھ میں کوئی رغبت نہیں)۔

اس میں بھی طلاق کا احتمال ہی نہیں، البتہ ان تینوں (لا احبك، لا اشتهيك اور لا رغبة لی فيك) میں بحر اور ہندیہ کی عبارات کے مطابق بعض ائمہ کا اختلاف ہے اور وہ ان الفاظ میں احتمال کے قائل ہیں۔

چند گزارشات

بندہ ناچیز یہاں کچھ گزارشات عرض کرنا چاہتا ہے۔

(۱) احتمالِ طلاق کا ہونا یا نہ ہونا ایک بہت ہی سہل اور عام فہم اصول تھا مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے "اشربی" (پانی پی) اور طلاق کی نیت کرتا ہے تو بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ لفظ طلاق کا محتمل نہیں لہٰذا نیت سے بھی طلاق کا وقوع نہ ہوگا، باقی جن الفاظ میں ادنیٰ سا احتمال بھی آجائے تو ان میں احتمال کا قول کرلینا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے خصوصاً جب اس لفظ سے متعلق بعض ائمہ یہ موقف بھی رکھتے ہوں کہ اس میں طلاق کا احتمال ہے۔

(۲) لیکن چونکہ بیشتر الفاظ اور ان میں اختلاف منصوص اور ائمہ مذہب سے ظاہر الروایۃ اور نقل شدہ ہے لہٰذا اس سے انحراف ممکن نہیں۔

(۳) البتہ یہاں یہ چیز قابلِ غور ہے کہ ایک ہے احتمالِ بعید اور ایک احتمالِ قریب۔ احتمالِ بعید مثلاً اذھبی (چلی جا)، انت واحدۃ (تو ایک ہے) ان الفاظ میں احتمالِ قریب نہیں کیونکہ انقطاعِ نکاح پر دال کوئی لفظ یہاں موجود نہیں اور نہ نفی ہے لیکن پھر بھی ان

میں نیت کے ساتھ طلاق واقع ہوجاتی ہے اور ہوبھی جانی چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا مقصد یہ ہو کہ چلی جا میں نے تجھے طلاق دی ہے یا تو ایک ہے کیونکہ میں نے تجھے طلاق دیدی ہے وغیرہ طلاق کے بعید احتمالات چونکہ ان میں ہیں اور وہ شخص نیت بھی کررہا ہے تو طلاق کا وقوع کرنا چاہیئے۔ جبکہ یہ جو الفاظ ہم نے ذکر کئے مثلاً

"ما أنت لی بامرأة"، "لست لک بزوج" وغیرہ

ان میں صریح نفی موجود ہے تو میری بیوی نہیں، میں تیرا شوہر نہیں۔ بظاہر یہاں طلاق کا احتمال قریب موجود ہے بلکہ عموماً غصے میں بندہ طلاق دینے کیلئے ایسے الفاظ ہی استعمال کرتا ہے تو ان میں اگر قائل طلاق کی نیت کرتا ہے تو طلاق کے وقوع کا قول کرنا چاہیئے جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی یہاں احتمالِ طلاق کے قائل ہیں لیکن صاحبین رحمۃ اللہ علیہما ان الفاظ سے بہرصورت عدمِ وقوع طلاق کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہاں احتمال ہی نہیں۔

(۴) "لم یکن بیننا نکاح" اور "لم أتزوجك" (ہمارے درمیان نکاح نہ تھا، میں نے تجھ سے شادی نہیں کی) ان الفاظ میں ماضی میں نکاح کی نفی ہے لہٰذا ان میں احتمالِ طلاق نہ ہونا اور کذبِ محض ہونا مسلم ہے جبکہ "لا نکاح بینی وبینك" میں چونکہ حال میں نکاح کی نفی ہے لہٰذا یہاں بالاتفاق امکان ہے یہ بھی مسلم ہے۔

(۵) "لا حاجة لی فیك" میں طلاق کا احتمال نہ ہونا بھی قابلِ غور ہے (مجھے تیری حاجت نہیں) اس میں تقریباً طلاق کی تصریح ہے کہ مجھے تیری حاجت نہیں میں نے تجھے طلاق دیدی ہے لہٰذا اس میں ائمہ ثلثہ کے نزدیک احتمال نہ ہونا قابلِ غور مسئلہ ہے جبکہ ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ اس میں احتمال کے قائل ہیں اور ابن سلامؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر "لا حاجة لی فیك" میں تین کی نیت کرلے تو تین کا وقوع ہوجائے گا نیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ "**كتاب الطلاق**" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا کے متعلق حدیث لائے ہیں جب انہوں نے مغیث کو اختیار نہ کرنے پر "لا حاجة لی فیه" فرمایا تھا۔ اس سے پتہ چلا کہ اس لفظ میں طلاق کا احتمال ہے اسی بنیاد پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو کتاب الطلاق میں لائے ہیں۔

"عن ابن عباس رضی الله عنهما أن زوج بريرة كان عبدا يقال له مغيث كأنی أنظر إليه يطوف خلفها يبكی ودموعه تسيل على لحيته فقال النبی صلى الله عليه وسلم لعباس يا عباس ألا تعجب من حب مغيث بريرة ومن بغض بريرة مغيثا فقال النبی صلى الله عليه وسلم لو راجعته قالت يا رسول الله تأمرنی قال إنما أنا أشفع قالت لا حاجة لی فيه."

(صحيح البخاری ۷۹۵/۲ كتاب الطلاق، باب شفاعة النبی فی زوج بريرة)

اس کے علاوہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اس لفظ سے متعلق لایا ہے وہ بھی اس میں احتمالِ طلاق کے قائل ہیں:

"وقال إبراهيم إن قال: لا حاجة لی فيك نيته وطلاق كل قوم بلسانهم." (البخاری ۷۹۴/۲)

یعنی ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص "لا حاجة لی فیك" کہتا ہے تو اس کی نیت پر مدار ہوگا نیز "اذهبی"

اور "أنت واحدة" وغیرہ میں احتمال بعید ہے صریح جدائی میں مخاطبت نہیں جبکہ "لاحاجة لی فیك" میں صریح احتمالِ قریب، طلاق کا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب الطلاق میں اس کے صریح نصوص بھی لا رہے ہیں لہٰذا یہ کہہ دینا کہ اس میں احتمال ہی نہیں محل نظر معلوم ہوتا ہے۔ ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ بھی احتمال کے قائل ہیں نیز ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ بھی نیت سے طلاق واقع کرتے ہیں۔ احتمال کے قائل ہونے کا یہ مطلب نہیں کے بغیر نیت کے طلاق واقع ہوجائے بلکہ نیت کرنا ہوگی اور جب نیت کرے گا پھر یہ کہنا کہ لفظ محتمل ہی نہیں جبکہ بعض ائمہ اس میں احتمال کے قائل بھی ہیں قابل غور مسئلہ ہے۔

(۶) اسی طرح "لاأحبك"، "لا أشتهيك"، "لارغبة لی فیك" الفاظ سے متعلق احتمال نہ ہونا بیان ہوچکا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں علی سبیل الفرض والتقدیر احتمال مانا ہے البتہ طلاق کے وقوع کے وہ بھی قائل نہیں۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ونقل فی البحر عدم الوقوع بلا أحبك لا أشتهيك لا رغبة لی فیك وإن نوی، ووجهه أن معانی هذه الألفاظ لیست ناشئة عن الطلاق لأن الغالب الندم بعده فتنشأ المحبة والاشتهاء والرغبة بخلاف الحرمة فإذا لم یقع بهذه الألفاظ مع احتمال أن یکون المراد لأنی طلقتك ففی لفظ الیمین بالأولی." (شامیة ۲۹۶/۳)

بندہ ناچیز یہاں دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہے پہلی تو یہ کہ ان الفاظ "لا احبك" وغیرہ سے طلاق کے وقوع کے عدمِ احتمال پر یہ دلیل دینا کہ طلاق سے ندامت اور پھر محبت و رغبت پیدا ہوتی ہے لہٰذا "لا أحبك" میں محبت کی نفی کی گئی ہے تو طلاق کا احتمال ہی نہیں یہ بات ہی محل نظر ہے کیونکہ طلاق سے محبت پیدا ہونا یا طلاق کو محبت کے ساتھ لازم وملزوم قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ طلاق تو سخت نفرت میں ہی دی جاتی ہے تب ہی طلاق احسن یہ ہے کہ ایسے طہر میں جس میں جماع نہ ہوا ہو طلاق دی جائے تاکہ نفرت کاملہ کا ظہور ہوجائے گویا کہ طلاق نفرت کا نام ہے، محبت کا نہیں البتہ اگر کہیں محبت پیدا ہوجائے تو یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں اسے لے کر طلاق اور محبت کو ایسا لازم وملزوم کردینا کہ عدمِ محبت سے طلاق مراد ہی نہ لی جاسکے محل نظر ہے۔

دوسری بات بندہ یہاں یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ اگر ہم مان بھی لیں کہ طلاق سے محبت بڑھتی ہے اور "لا احبك" میں محبت کی نفی ہے لہٰذا احتمالِ طلاق نہیں تو یہ فقط ایک احتمال ہے جس کی نفی ہم بھی نہیں کررہے بلکہ اگر قائل یہ مراد لیتا ہے تو طلاق کا وقوع نہ ہوگا لیکن یہاں اس پر بھی تو نظر کی جائے کہ طلاق کے وقوع کا بھی احتمال ہے۔ عدمِ وقوع کا ایک احتمال بیان کرکے کلیةً عدمِ وقوع پر استدلال کیسے ہوسکتا ہے!!! جبکہ دوسرا احتمال علی سبیل الفرض آپ تسلیم بھی کررہے ہیں وہ یہ کہ "لاأحبك لانی طلقتك" کنائی کہا ہی ان الفاظ کو جاتا ہے جن میں طلاق اور غیر طلاقِ دونوں کا احتمال ہو اور نیت سے ایک کی تعیین کرلی جائے۔ اب اگر قائل طلاق والے احتمال کی نیت کررہا ہے اور لفظ میں صریح گنجائش ہے تو پھر طلاق کے وقوع کا قول کرنے میں کیا حرج ہے؟؟؟ اسی طرح "لست لی بامرأة" وغیرہ میں صاحبین رحمہما اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہ کذبِ محض ہے اس میں طلاق کا وقوع نہ ہوگا جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ یہاں احتمال کا اثبات کرتے ہیں لہٰذا

کلیۃً طلاق کے عدم وقوع کا قول کرنا چاہے نیت بھی کرے محل نظر معلوم ہوتا ہے ان الفاظ میں مع النیۃ طلاق ہونی چاہیئے۔

الغرض کنایات طلاق کے باب میں اصول سہل تھا "ما یحتمل الطلاق وغیرہ" الفاظ کنائی ہیں لیکن احتمال کے ہونے یا نہ ہونے کے تعین میں فقہاء کا اختلاف ہو گیا بعض الفاظ میں عدمِ احتمال کی تصریح ائمہ مذہب سے منقول ہے لہٰذا ان میں نیت سے بھی طلاق نہ ہوگی جبکہ حقیقتاً یہ کوئی اتنا پیچیدہ مسئلہ نہیں کہ احتمال کے تعین میں اختلافات ہوں۔ بندہ از حد تحقیق وتفحص کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ یہ مسئلہ ذوق کے مطابق اجتہاد کا ہے، کس لفظ میں احتمال ہے اور کس میں نہیں یہ منصوص تو ہے نہیں، بعض الفاظ ائمہ مذہب سے نقل ہیں لیکن نصوصِ قرآن وحدیث میں ایسا کوئی تعین کہ ان الفاظ میں احتمال ہے اور ان میں احتمال ہی نہیں یہ بات نہیں پائی جاتی لہٰذا ذوقی اجتہاد کے ذریعے یہ تعینات کئے گئے ہیں بعض ائمہ کا اجتہاد اس طرف گیا کہ اس لفظ میں احتمال ہی نہیں تو دیگر بعض نے احتمال کا قول کیا۔

خلاصہ کلام

بندہ ناچیز یہ سمجھتا ہے کہ لفظ میں اگر ادنیٰ احتمال بھی ہو جو زوالِ نکاح اور طلاق مراد لینے کیلئے مد ہو سکتا ہو تو نیت کے ساتھ طلاق کے وقوع کا قول کرنا ہی سہل اور قوی معلوم ہوتا ہے، بندہ یہ نہیں کہتا کہ "کھانا کھاؤ"، "پانی پیو" وغیرہ الفاظ میں بھی احتمال کا قول کیا جائے ظاہر ہے یہ الفاظ بالکل طلاق کی طرف مشیر نہیں لہٰذا ان میں احتمال ہی نہیں لیکن جن الفاظ میں ادنیٰ سا احتمال بھی ہے مثلاً "افلحی" (کامیاب ہو جا) سے فقہاء بالاتفاق نیت کے ساتھ طلاق کے وقوع کے قائل ہیں اور اس میں احتمال مانتے ہیں بندہ عرض کرتا ہے کہ "افلحی" میں احتمال بعید ہے کیونکہ طلاق کامیابی نہیں ناکامی ہے لہٰذا کامیاب ہو جا کہہ کر طلاق مراد لینا درست نہ ہونا چاہیئے لیکن یہ احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ تو مجھ سے چھٹکارے پر کامیاب ہو گئی لہٰذا طلاق واقع ہو جائے۔ بندہ یہی کہنا چاہتا ہے کہ جس لفظ میں ادنیٰ سا بھی احتمال ہو تو اس سے مع النیہ طلاق کے وقوع کا قول کر لیا جائے تو بہتر ہے دیگر احتمالات اگرچہ وہاں موجود ہوں۔

غیر منصوص الفاظِ کنائی میں احتمال کا تعین کیسے ہوگا؟

یہ مسئلہ ہمیشہ تحقیق طلب اور قابلِ غور رہے گا ان منصوص الفاظ کے علاوہ غیر منصوص پر مجال بحث بھی بہت وسیع ہے مثلاً ان الفاظ کے علاوہ کے بارے میں آپ کیا تعین کریں گے، ایک شخص کہتا ہے کہ (تو دیکھنے کے قابل نہیں) یا (تو ناکام ہے) یا (تیرے میرے راستے جدا ہیں) یا (جہاں چاہے چلی جا) یا (یہ عورت میرے کام کی نہیں) یا (تو میرے نکاح سے باہر ہے) یا (میری طرف سے بالکل ختم ہے) وغیرہ بہت سے الفاظ ہیں جو منصوص نہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ منصوص کنائی الفاظ تو گنتی کے چند ہیں ایک بڑی تعداد غیر منصوص الفاظ کی ہے تو ان سے مع النیۃ طلاق کے وقوع کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟؟ ان میں احتمال اور عدمِ احتمال کا تعین کون کرے گا؟

اگر آج کے مفتیانِ کرام پر اسے چھوڑ دیا جائے تو ایک کہے گا کہ اس میں احتمال ہے نیت کے ساتھ طلاق ہوگی دوسرا کہے گا کہ

احتمال ہی نہیں مثلاً (تو دیکھنے کے قابل نہیں) بظاہر اس میں طلاق کا احتمال ہے لیکن کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ جملہ عام استعمال میں تحقیر اور نظروں سے دور کرنے کیلئے آتا ہے لہٰذا اس میں طلاق کا احتمال نہیں لہٰذا اگر احتمال کے تعین یا احتمال کے ناشی عن الدلیل وغیرہ سلسلوں میں لگا جائے گا تو ہر کنائی لفظ میں اولاً تو مفتیان کرام کی آراء لینی پڑیں گی کہ اس میں احتمال مانا جائے یا نہیں؟ احتمال مانا جائے گا تو کنائی بنے گا۔ الغرض مسئلہ پیچیدہ ہوتا جائے گا لہٰذا اصحاب فتویٰ حضرات اس پر غور کریں کہ ان بے شمار کنائی الفاظ کیلئے اس قاعدے "مایحتمل الطلاق وغیرہ" کو عام اور سہل الوصول ہی رکھنا بہتر ہے یا احتمال کے تعین میں پڑنا؟؟؟ اگر اصول کو عام رکھ لیا جائے اور ہر وہ لفظ جس میں احتمالِ طلاق ادنیٰ درجے میں بھی ہو تو اسے کنائی قرار دیا جائے اور مع النیۃ طلاق کے وقوع کا قول کیا جائے تو بہتر معلوم ہوتا ہے۔

فقہاء اور ائمہ مذہب کی تصریحات کے باوجود بھی مسئلہ چونکہ تحقیق طلب ہے لہٰذا اسی وجہ سے بعض اکابر نے بھی اس معاملے میں احتیاط سے کام لیا ہے اور ایک ایسا لفظ جس میں ائمہ ثلثہ کے نزدیک احتمال نہیں اور نیت سے بھی طلاق کا وقوع نہ ہونے کا قول کیا گیا ہے اس میں بعض اکابر بناء بر احتیاط مع النیہ طلاق کے قائل ہیں مثلاً فتاویٰ حقانیہ میں ایک سوال وجواب ہے:

فتاوی حقانیہ کا ایک سوال وجواب

"عنوان: مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں، کا حکم"

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو یہ کہہ دیا کہ "مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں تو ان الفاظ سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی البتہ احتیاط اس میں ہے کہ یہ الفاظ کنایات میں داخل کرکے اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر طلاق کی نیت نہ کی ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ لمافی الھندیۃ: ولو قال لاحاجۃ لی فیک ینوی الطلاق فلیس بطلاق۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ۱/۳۷۵، الفصل الخامس فی الکنایات)

(فتاویٰ حقانیہ ۴/۴۷۷)

بندہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ فتویٰ کے اصول کے مطابق جو الفاظ منصوص ہیں کہ ان میں احتمال نہیں ان میں تو احتیاطاً طلاق کے وقوع کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا، ان کے متعلق بندے کی رائے یہ ہے کہ قائل اگر یہ کہتا ہے کہ میری نیت طلاق کی تھی تو اسے چاہیئے کہ ایک طلاق صریح دے دے تا کہ اختلاف سے نکل سکے کیونکہ ائمہ کی تصریح کے مطابق جو الفاظ (مثلاً لاحاجة لی فیك، لا رغبة لی فیك وغیرہ) بالکل طلاق کے محتمل ہی نہیں ان میں اگر احتیاطاً وقوع کا قول کیا جائے گا تو اگر عند اللہ طلاق نہ ہوئی ہو اور وہ عورت بدستور نکاح میں ہو اور ہم طلاق کا فتویٰ دیدیں اور وہ عورت دوسرا نکاح کر لے تو حرام کا ارتکاب لازم آئے گا لہٰذا منصوص الفاظ میں تو منصوص کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا اور قائل کو صریحاً الگ سے طلاق دینے کا مشورہ دیدیا جائے گا البتہ غیر منصوص الفاظ جتنے بھی ہوں ان میں

بندہ کی رائے یہی ہے کہ جن میں ادنیٰ احتمال بھی ہو مع النیۃ ان سے طلاق کے وقوع کا قول کیا جائے یہی سہل اور بہتر معلوم ہوتا ہے۔
بہر حال یہ ایک تحقیق ہے جو عبارات کو سامنے رکھ کر پیش کی گئی ہے بندہ نے عرض کر دیا کہ مسئلہ تحقیق طلب ہے، دیگر مفتیان کرام بھی اس پر غور فرمائیں کہ کنائی الفاظ میں "ما یحتمل الطلاق وغیرہ" کو عام رکھنا بہتر ہے یا مختلف قیودات لگانا، نیز احتمال کا تعین کرنا کہ احتمال ہے یا نہیں یا مطلقاً ادنیٰ احتمالِ انقطاع سے بھی طلاق کا قول کرنا بہتر ہے۔

وهذا ما ظهر لي من الفتاح الوهاب

لما في المحيط كتاب الطلاق نوع آخر في قوله: لست لي بامرأة (۴/۴۳۳): نوع آخر في قوله لست لي بامرأة وما يتصل به: إذا قال: مراچيزى نباشى وكرر هذا القول ونوى به الطلاق لا يقع الطلاق وكذا إذا قال لم يكن بيننا نكاح، أو قال لم أتزوجك ونوى به الطلاق لا يقع الطلاق بالإجماع، ولو قال: لست لي بامرأة، أو ما أنا بزوجك ونوى الطلاق فهو طلاق عند أبي حنيفة رحمه الله خلافاً لهما وإذا سئل الرجل ألك امرأة فقال لا، ونوى الطلاق فهو على هذا الخلاف۔
فرق أبو حنيفة رحمه الله بين قوله لست لي امرأة وبين قوله لم يكن بيننا نكاح أو لم أتزوجك و الفرق: أن قوله لم أتزوجك ،لم يكن بيننا نكاح لا يحتمل النفي بالطلاق، ولهذا قالوا: لم يكن بيننا نكاح، لم أتزوجك لأني طلقتك لا يصح. فإذا نوى الطلاق به فقد نوى ما لا يحتمله لفظه أما قوله لست لي بامرأة، ما أنا بزوجك كما يحتمل نفي النكاح من الأصل يحتمل للحال بالقطع أي لست لي بامرأة لأني طلقتك، ألا ترى أنه لو صرح به يصح. فإذا نوى به الطلاق فقد نوى ما يحتمله لفظه۔

وفي الدرالمختار (۳/۲۹۶): باب الكنايات (كنايته) عند الفقهاء (ما لم يوضع له) أي الطلاق (واحتمله وغيره (ف) الكنايات (لا تطلق بها) قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب۔

وفي الرد تحته: قوله (ما لم يوضع له الخ) أي بل وضع لما هو أعم منه ومن حكمه لأن ما سوى الثلاث الرجعية الآتية لم يرد به الطلاق أصلا بل هو حكمه من البينونة من النكاح۔۔۔
[تنبيه] أفتى بعض المتأخرين بأن منها علي يمين لا أفعل كذا ناويا الطلاق فتقع به واحدة بائنة لقولهم الكناية ما احتمل الطلاق وغيره ورده عليه السيد محمد أبو السعود في حاشية مسكين بأنه لا يلزمه إلا كفارة يمين لأن ما ذكروه في تعريف الكناية ليس على إطلاقه بل هو مقيد بلفظ يصح خطابها به ويصلح لإنشاء الطلاق الذي أضمره أو للإخبار بأنه أوقعه كأنت حرام إذ يحتمل

لأني طلقتك أو حرام الصحبة وكذا بقية الألفاظ وليس لفظ اليمين كذلك إذ لا يصح بأن يخاطبها بأنت يمين فضلا عن إرادة إنشاء الطلاق به أو الإخبار بأنه أوقعه حتى لو قال أنت يمين لأني طلقتك لا يصح فليس كل ما احتمل الطلاق من كنايته بل بهذين القيدين ولا بد من ثالث هو كون اللفظ مسببا عن الطلاق وناشئا عنه كالحرمة في أنت حرام ونقل في البحر عدم الوقوع بلا أحبك لا أشتهيك لا رغبة لي فيك وإن نوى ووجهه أن معاني هذه الألفاظ ليست ناشئة عن الطلاق لأن الغالب الندم بعده فتنشأ المحبة والاشتهاء والرغبة بخلاف الحرمة.

وفيه أيضاً(٣/٢٠٣): قوله (وغير ذلك الخ) مثل الطلاق عليك وهبتك طلاقك بعتك طلاقك إذا قالت اشتريت من غير بدل خذي طلاقك أقرضتك طلاقك قد شاء الله... لست لي بامرأة وما أنا لك بزوج أعرتك طلاقك ويصير الأمر بيدها على ما في المحيط اهـ.

وفيه أيضاً(٣/٢٣٠): قوله (وركنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح أو كناية فخرج الفسوخ على ما مر وأراد اللفظ ولو حكما ليدخل الكتابة المتسبينة وإشارة الأخرس وإشارة إلى العدد بالأصابع في قوله أنت طالق هكذا كما سيأتي وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوي الطلاق ولم يذكر لفظا صريحا ولا كناية لا يقع عليه كما أفتى به الخير الرملي وغيره وكذا ما يفعله بعض سكان البوادي من أمرها بحلق شعرها لا يقع به طلاق وإن نواه.

(۵۵) "اگر نکاح ٹوٹتا ہے تو ٹوٹنے دو" کہنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو آدمیوں کی لڑائی ہو رہی تھی، دوران لڑائی ایک نے دوسرے سے کہا کہ تمہارا نکاح اس بات سے ٹوٹ گیا ہے جس پر اس نے کہا کہ اگر ٹوٹتا ہے تو ٹوٹنے دو۔ اس صورت میں نکاح باقی رہیگا یا ختم ہو جائے گا؟ اس جملہ سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ یہ بات یاد رہے کہ اس نے کوئی ایسا جملہ نہیں کہا تھا جس میں طلاق کا ذکر ہو۔ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب...... اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے یہ کہے کہ تمہارا نکاح اس بات سے ٹوٹ گیا دوسرے شخص نے جواباً کہا کہ اگر ٹوٹتا ہے تو ٹوٹنے دو، تو محض ان الفاظ کے کہنے کی وجہ سے جبکہ اس شخص نے اس سے پہلے کوئی ایسا لفظ بھی نہیں کہا کہ جس سے صراحۃً یا کنایۃً طلاق پر دلالت ہوتی ہو طلاق واقع نہ ہوگی پس صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی تاہم اس طرح کے جملے زبان پر لانے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی بدائع الصنائع (۲۱۰/۴): فصل وأما بيان ركن الطلاق فركن الطلاق هو اللفظ الذي جعل دلالة على معنى الطلاق لغة وهو التخلية والإرسال ورفع القيد في الصريح وقطع الوصلة ونحوه في الكناية و شرعا هو إزالة حل المحلية في النوعين أو ما يقوم مقام اللفظ أما اللفظ فمثل أن يقول في الكناية أنت بائن أو أبنتك أو يقول في الصريح أنت طالق أو طلقتك وما يجري هذا المجرى۔

وفی الدرالمختار (۲۲۶/۳): كتاب الطلاق (وهو) لغة رفع القيد لكن جعلوه في المرأة طلاقا وفي غيرها إطلاقا فلذا كان أنت مطلقة بالسكون كناية وشرعا (رفع قيد النكاح في الحال) بالبائن (أو المآل) بالرجعي (بلفظ مخصوص) هو ما اشتمل على الطلاق فخرج الفسوخ كخيار عتق وبلوغ وردة فإنه فسخ لا طلاق۔

وفی الرد تحته: قوله (هو ما إشتمل على الطلاق) أي على مادة ط ل ق صريحا مثل أنت طالق أو كناية كمطلقة بالتخفيف وكانت ط ل ق وغيرهما كقول القاضي فرقت بينهما عند إباء الزوج الإسلام والعنة واللعان وسائر الكنايات المفيدة للرجعة والبينونة ولفظ الخلع فتح۔

(۵۶) "أنت طالق للسنة" سے طلاق پر ایک فاضل کا اشکال

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے "انت طالق للسنة"

اس کے ان الفاظ کے کہنے کا کیا حکم ہے؟

۱) طلاقِ سنت کتنی ہوتی ہیں؟ ایک یا تین کتنی طلاق واقع ہوں گی؟

۲) اگر ایک طلاق واقع ہوگی تو پھر اگر کہنے والا تین کی نیت کرتا ہے تو کیا حکم ہوگا؟

۳) اگر تین طلاقیں واقع ہوں تو الگ الگ طہروں میں واقع ہوں گی یا دفعۃً ایک ساتھ بھی واقع ہوجائیں گی؟

۴) ہمیں کسی ساتھی نے بتایا کہ دفعۃً واقع نہ ہوں گی لیکن متفرقا واقع ہوجائیں گی۔ میں چونکہ ھدایہ پڑھ چکا ہوں، یہ عبارت مجھے یاد ہے۔

"بخلاف ما إذا قال أنت طالق للسنة ولم ينص على الثلاث حيث لا تصح نية الجمع فيه لأن نية الثلاث إنما صحت فيه من حيث إن اللام فيه للوقت فيفيد تعميم الوقت ومن ضرورته تعميم الواقع فيه فإذا نوى الجمع بطل تعميم الوقت فلا تصح نية الثلاث"

بظاہر ہدایہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ میں تین طلاقوں کی نیت کرنا درست نہیں لہٰذا کیا میرے دوست کی بات درست ہے؟

۵) اگر تین طلاقیں الگ الگ طہروں میں واقع ہوں تو کیا شوہر پہلے طہر میں ایک طلاق واقع ہونے کے بعد رجوع کرسکتا ہے؟

میرے سوالوں کے شافی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھیں کہ طلاق سنت کیا ہے۔ طلاقِ سنت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔احسن ۲۔حسن

احسن جو سب سے اعلیٰ صورت ہے اور ضرورت کے وقت (نہ کہ بغیر کسی ضرورت کے) یہی طلاق احسن دینا ممدوح ہے اور طلاقِ احسن یہ ہے کہ بیوی کو ایسے طہر میں جس میں اس سے جماع نہ کیا ہو ایک طلاق دے دے اور پھر اس کی عدت گزرنے دے، عدت گزرنے سے وہ عورت نکاح سے خارج ہوجائے گی۔

طلاقِ حسن یہ ہے کہ بیوی کو ایسے طہر کے اندر جس میں اس سے ہمبستری نہ کی ہو ایک طلاق دے پھر اسی طرح دوسرے طہر میں دوسری اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے دے، یہ طلاق حسن ہے اور اس کے بعد عورت حرمتِ مغلظہ کے ساتھ حرام ہوجاتی ہے بغیر حلالہ شرعیہ کے دوبارہ رشتہ ازدواج استوار کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی البتہ ضرورت کے وقت یہ طلاقِ حسن بھی جائز ہے اور کوئی گناہ نہ ہوگا۔

یہ دونوں طلاقِ سنت کہلاتی ہیں۔ ایک اور طلاق کی قسم طلاقِ بدعت ہے، یعنی دفعۃً ایک ساتھ تین طلاقیں دے دینا یا حالت حیض میں بیوی کو طلاق دینا یا ایسے طہر میں جس میں جماع کیا ہو طلاق دینا یہ تینوں طلاقِ بدعت، طلاقِ بدعت یہ ممنوع ہے اگرچہ اگر کوئی دیتا ہے تو اس کا وقوع ہوجاتا ہے لیکن چاہے ضرورتاً دے یا بغیر ضرورت کے بہرحال گناہ گار ہوگا یہ طلاقِ بدعت ہے۔

اب آجائیں سوال میں ذکر کردہ لفظ "أنت طالق للسنة" کی طرف تو اس لفظ میں سنت سے دونوں احتمال مراد لئے جا سکتے ہیں۔ اگر طلاق دینے والا یہ الفاظ ایسے طہر میں استعمال کرتا ہے جس میں اس نے بیوی سے قربت نہ کی ہو اور وہ ایک طلاق دینے کی نیت کرتا ہے تو فی الفور ایک طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر قربت کر چکا ہو یا حالتِ حیض میں یہ لفظ استعمال کرتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں اگلے طہر کی ابتداء ہوتے ہی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوجائے گی اور گویا مرد نے طلاقِ احسن دے دی۔

اگر ان الفاظ کو مرد تین طلاقوں کی نیت سے کہتا ہے تو اوپر تفصیل گزر چکی کہ طلاق حسن بھی سنت طلاق کی ایک صورت ہے جس میں تین ایسے طہروں جس میں جماع نہ کیا جائے میں ایک ایک طلاق واقع ہوجاتی ہے تو مرد کے تین طلاقیں مراد لینے کی صورت میں یہی طلاق حسن متعین ہوگی اور ہر طہر میں ایک طلاق واقع ہوتی جائے گی، گویا مرد نے طلاقِ حسن اپنی بیوی کو دے دی ہے۔

لیکن اگر مرد ان الفاظ سے دفعۃً واحدۃً تین طلاق دینے کی نیت کرتا ہے تو اوپر گزر چکا کہ یہ طلاقِ بدعت ہے۔ طلاقِ سنت کی قسم ہی نہیں تو "**أنت طالق للسنة**" کہہ کر اسے مراد لینا درست نہیں ہوسکتا لہٰذا ایسی نیت کرنا لغو ہوگی۔ صاحب ہدایہ نے اپنی عبارت میں اسی کی تشریح کی ہے:

"بخلاف ما إذا قال أنت طالق للسنة ولم ينص على الثلاث حيث لا تصح نية الجمع فيه لأن نية الثلاث إنما صحت فيه من حيث إن اللام فيه للوقت فيفيد تعميم الوقت ومن ضرورته تعميم الواقع فيه فإذا نوى الجمع بطل تعميم الوقت فلا تصح نية الثلاث"

(برخلاف کہنے والے کا یہ قول) "انت طالق للسنۃ" اس حال میں کہ تین کی صراحت نہ کی ہو تو تین طلاقوں کو جمع کر کے (دفعۃً) دینے کی نیت کرنا صحیح نہ ہوگا.......... جب وہ جمع کی نیت کرتا ہے تو گویا وقت کے عموم کو باطل کرتا ہے تو تین کی دفعۃً واحدہ نیت کرنا درست نہ ہوگا"

یعنی طلاقِ سنت میں تین طلاقیں تب ہی ہوسکتی ہیں جب وہ تعمیم وقت یعنی تین طہروں پر متفرق ہوں اور جب یہ دفعۃً واحدۃً طلاق کی نیت کرتا ہے تو گویا وہ اس تعمیم کو باطل کر رہا ہے اور تعمیم نہ ہو تو پھر طلاق سنت رہتی ہی نہیں چنانچہ دفعۃً واحدۃً تین کی نیت بھی درست نہ ہوگی لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے دوست کی بات درست ہے صاحبِ ہدایہ نے بھی فقط دفعۃً واحدۃً تین طلاق مراد لینے کی نفی کی ہے باقی طلاقِ حسن [یعنی متفرقاً تین] مراد لینا ان کے نزدیک بھی جائز ہے۔

ملحوظۃ: یہاں ایک بات اور قابل لحاظ ہے کہ یہ ساری تشریح صاحب ہدایہ کے مذہب کے اعتبار سے ہے ورنہ اس سلسلے میں (یعنی طلاقِ سنت کہہ کر دفعۃً واحدۃً تین طلاقیں مراد لینے میں) دونوں طرح کے قول منقول ہیں بعض حضرات اس کے جواز کے بھی قائل ہیں البتہ صاحب بحر علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔ صاحب بحر کی عبارت درج ذیل ہے:

"ولو نوى الثلاث جملة اختلف فيه فذهب صاحب الهداية وفخر الإسلام والصدر الشهيد

وصاحب المختلفات إلى عدم صحتها وإنما يقع به واحدة فقط وذهب القاضي أبو زيد وشمس الأئمة وشيخ الإسلام إلى أنه يصح فتقع الثلاث جملة كما تقع مفرقا على الأطهار والأول أوجه كما في فتح القدير "

"اگر تین کی دفعۃً واحدۃً نیت کرتا ہے تو اس میں اختلاف ہے صاحب ہدایہ، فخر الاسلام، صدر الشہید اور صاحب مختلفات کی رائے یہ ہے کہ یہ نیت صحیح نہیں اور اس سے فقط ایک طلاق واقع ہوگی اور قاضی ابو زید، شمس الائمہ اور شیخ الاسلام کی رائے یہ ہے کہ یہ نیت صحیح ہے پس دفعۃً تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی جیسا کہ متفرقاً واقع ہورہی ہیں مختلف طہروں میں۔ لیکن پہلا قول زیادہ بہتر ہے۔" (البحر الرائق ۳/ ۴۲۴)

شامیہ کی عبارت درج ذیل ہے:

"ولو نوى ثلاثا مفرقة على الأطهار صح ولو جملة فقولان ورجح في الفتح القول بأنه لا يصح وتمامه في النهر "

"اگر وہ تین طلاقوں کی متفرق طور پر ہر طہر میں نیت کرتا ہے تو یہ صحیح ہے اور اگر دفعۃً واحدۃً تین کی نیت کرتا ہے تو اس بارے میں دو قول ہیں اور فتح میں عدم صحت کے قول کو ترجیح دی ہے باقی تفصیلات نہر میں ہیں" (شامیہ ۳/ ۲۳۵)

مذکورہ بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ "أنت طالق للسنة" کہہ کر دفعۃً تین طلاقوں کی نیت کرنا درست نہیں البتہ متفرقاً ہر طہر میں ایک کی نیت درست ہوگی نیز متفرقاً طلاق کی نیت کی صورت میں اگر وہ طلاق کے بعد رجوع کرلیتا ہے تو یہ رجوع درست ہوگا البتہ دوسرا طہر شروع ہوتے ہی دوسری طلاق ہوجائے گی پھر رجوع درست ہوگا اور تیسرا طہر شروع ہوتے ہی تیسری طلاق واقع ہوجائے گی اور بیوی حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہوجائے گی پھر رجوع درست نہیں۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کے سوالوں کے بالترتیب جوابات درج ذیل ہیں:

۱) طلاق سنت ایک بھی ہوسکتی ہے اور متفرق طہروں میں تین بھی۔

۲) کہنے والا ایک اور تین (متفرق) دونوں کی نیت کرسکتا ہے۔

۳) اگر کہنے والا تین طلاقوں کی نیت کرتا ہے تو وہ متفرقاً تین طہروں میں واقع ہوں گی اور اگر وہ دفعۃً واحدۃً تین طلاقوں کی نیت سے یہ الفاظ کہتا ہے تو یہ نیت لغو ہوگی اور صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔

۴) آپ کے ساتھی نے درست بتایا "أنت طالق للسنة" سے تین طلاقوں کی دفعۃً واحدۃً دینے کی نیت درست نہیں متفرقاً درست ہے صاحب ہدایہ فقط دفعۃً واحدۃً کی نفی کررہے ہیں تفصیل تحریر کردی گئی ہے۔

۵) جب تین طلاقیں الگ الگ طہر میں واقع ہوں تو ہر طلاق کے بعد رجوع کرسکتا ہے البتہ تیسری طلاق پڑتے ہی عورت حرمتِ مغلظہ کے ساتھ حرام ہوجائے گی اور بغیر حلالہ شرعیہ کے رجوع ممکن نہ رہے گا۔

(۵۷) بیوی کے طلاق مانگنے پر دی، دی، دی کے الفاظ کہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ شراب پی کر گھر میں داخل ہوا اور مجھے کچھ ہوش نہیں تھا، میں نے اپنی بیوی سے اپنے ساتھیوں کیلئے کھانا مانگا تو اس نے دو مرتبہ تو دیا تیسری مرتبہ پھر میں کھانا لینے کیلئے آیا تو اس نے تنگ آ کر غصہ میں کہا مجھے طلاق دے دو۔ میں نے نشے کی وجہ سے اس کے یہ الفاظ نہیں سنے اور میں نے اس کے جواب میں کیا کہا اس کا بھی مجھے علم نہیں، لیکن بقول اس کے میں نے جواباً اس کو یہ کہا ہے کہ میں نے دی، دی، دی تین مرتبہ یہ الفاظ کہے ہیں۔ ان الفاظ کو ایک اور آدمی نے بھی سنا ہے اور وہ اس کی گواہی بھی دے رہا ہے کہ میں نے تین مرتبہ یہ الفاظ کہے ہیں اور عورت بھی یہی کہہ رہی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ان الفاظ سے کون سی طلاق واقع ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ میری بیوی حاملہ ہے اس کی عدت کتنی ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہو چکی ہیں اور یہ آپ پر حرام ہو چکی ہے، بغیر حلالہ شرعیہ کے ازدواجی تعلقات قائم کرنا جائز نہیں ہے اور یہ عورت جب حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے عدت گزارنے کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

(نوٹ: اس مسئلے میں یہ ہماری تحقیق ہے، دوسرے مفتیان کرام سے بھی رجوع کر لیا جائے۔)

لما في القرآن المجيد (البقرة:٢٣٠): فَإِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ.

وفي الهندية (١/٣٥٣): وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط.

وفيه أيضاً (١/٣٨٣-٣٨٤): ولو قالت مرا طلاق كن مرا طلاق كن مرا طلاق كن فقال كردم كردم كردم تطلق ثلاثا وهو الأصح.

(۵۸) ”میں نے تجھے طلاق دی، دی، دی“ کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے طلاق دے دو شوہر نے کہا میں نے تجھے طلاق دی دی دی۔ اس صورت میں کون سی طلاق واقع ہوئی؟ از راہ کرم مسئلہ کا درست جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئلہ میں بیوی کا شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنے پر شوہر کا [طلاق دی، دی، دی] کے الفاظ کے استعمال کرنے سے اسکی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں، اب یہ عورت اپنے شوہر کیلئے حرام ہو گئی جب تک کہ یہ عدتِ طلاق گزارنے کے بعد حلالہ شرعیہ نہ کرے۔ حلالہ شرعیہ کرنے کے بعد اگر شوہر ثانی اسے طلاق دیدے یا قضائے الٰہی سے اس کا انتقال ہو

جائے تو پھر عدت گزارنے کے بعد یہ عورت شوہر اول کیلئے حلال ہوجائے گی اب اگر شوہر اول اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو دوبارہ سے اس عورت سے نکاح کرے گا۔

لما فی البزازية(۱/۱۷۶): قالت له ثلث مرات طلقني فقال الزوج أيضا ثلاث مرات طلقت يقع الثلاث وقيل واحدة حملا على التاكيد۔

وفی الهندية (۱/۳۸۴): ولو قالت مرا طلاق ده ومرا طلاق ده ومرا طلاق ده فقال دادم تقع ثلاث ـــ ولو قالت مرا طلاق كن مرا طلاق كن مرا طلاق كن فقال كردم كردم كردم تطلق ثلاثا وهو الأصح۔

(۵۹) دو طلاق کے بعد بیوی کا منہ پر ہاتھ رکھ دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص غصے میں آکر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، میں نے تمہیں طلاق دی، میں نے تمہیں طلاق دی، پھر تیسری مرتبہ بیوی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ یعنی اس نے دو طلاقیں دیں۔ اس صورت میں اس عورت کو کتنی طلاقیں پڑیں گی؟ اگر دو طلاقیں پڑی ہیں تو کیا وہ عورت بائنہ ہوگئی اور اس صورت میں کیا اس عورت کا اس مرد کے ساتھ بغیر تجدیدِ نکاح کے رہنا جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل اور مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً شوہر نے دو ہی مرتبہ طلاق دی ہے تو عورت کو دو طلاقِ رجعی واقع ہوگئی ہیں چونکہ طلاق رجعی ہے اس لئے عورت خاوند پر حرام نہیں ہوئی، بلکہ عدت کے اندر اندر شوہر کو رجوع کا حق حاصل ہے، تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں البتہ اب شوہر کو صرف ایک ہی طلاق کا حق ہے، یعنی آئندہ اگر مذکورہ عورت کو شوہر نے ایک طلاق اور دے دی تو وہ حرمتِ مغلظہ کے ساتھ حرام ہوجائے گی۔

لما في الهندية (۱/۳۵۵): ولو قال لها أنت طالق طالق أو أنت طالق أنت طالق أو قال قد طلقتك قد طلقتك أو قال أنت طالق وقد طلقتك تقع ثنتان إذا كانت المرأة مدخولا بها۔

وفيه أيضاً(۱/۴۶۸) الباب السادس فى الرجعة: الرجعة إبقاء النكاح على ما كان ما دامت في العدة كذا في التبيين۔

وفى الشامية (۳/۲۹۳) كتاب الطلاق: قوله (كرر لفظ الطلاق) بأن قال للمدخولة أنت طالق أنت طالق أو قد طلقتك قد طلقتك أو أنت طالق قد طلقتك أو أنت طالق وأنت طالق ـــ قوله (وإن نوى التأكيد دين) أي ووقع الكل قضاء۔

وفيه أيضاً(۳/۲۲۷): قوله (أو المآل) أي بعد انقضاء العدة أو انضمام طلقتين إلى الأولى وعليه فلو

ماتت في العدة أو بعد ما راجعها ينبغي أن يتبين عدم وقوع الطلقة الأولى ۔۔۔ قلت ولذا قال في البدائع أمر الطلاق الرجعي فالحكم الأصلي له نقصان العدد فأما زوال الملك وحل الوطء فليس بحكم أصلي له لازم حتى لا يثبت للحال بل بعد انقضاء العدة وهذا عندنا۔

(۶۰) لفظ ۳ اور طلاق کے درمیان کوئی منہ پر ہاتھ رکھ دے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا تجھے تین بیوی نے فوراً آ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش کیا جب اس نے کچھ دیر کے بعد ہاتھ اٹھایا تو کہا طلاق۔ تین طلاقیں واقع ہو گئیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر بیوی کا ہاتھ منہ پر رکھنے سے یا سانس لینے کی وجہ سے خاموش رہا اور پھر ہاتھ ہٹانے کے بعد فوراً اور سانس لینے کے فوراً بعد کہہ دیا تو تین طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر ہاتھ ہٹانے اور سانس لینے کے بعد کچھ دیر خاموش رہا اور پھر کہہ دیا تو ایک طلاق واقع ہوگی تین نہ ہوں گی۔

لمافي الهندية (۳۵۹/۱): ولو قال أنت طالق وهو يريد أن يقول ثلاثا فقبل أن يقول ثلاثا أمسك غيره فمه أو مات تقع واحدة كذا في محيط السرخسي في باب التشكيك والتخيير ولو أخذ إنسان فمه ثم قال ثلاثا فثلاث وهو محمول على ما إذا قال على الفور عند رفع اليد من فمه كذا في الظهيرية۔

وفي الشامية (۳۰۵/۳): وقال بعد ما سكت ثلاثا إن كان سكوته لانقطاع النفس تطلق ثلاثا لأنه مضطر له فلا يعد فاصلا وإلا فواحدة كما في البزازية۔

رسالۃ

ذکر القرائن

لعدم

إلحاق البائن بالبائن

طلاق بائن مطلقا طلاقِ بائن سے ملحق نہیں ہوتی،

چاہے صریح بائن ہو یا کنائی بائن

اس سلسلے میں شامیہ کی عبارات میں پایا جانے والا تعارض،

اس کا دفیعہ، مطلقا عدمِ الحاق کی وجہ اور بہت سی مغلق ابحاث سے متعلق تفصیلی فتوی

(۶۱) بائن کے بائن سے الحاق سے متعلق تحقیقی فتویٰ

سؤال

حضرت مفتی صاحب! یہ جو کہا جاتا ہے طلاق بائن، بائن کو ملحق نہیں ہوتی لیکن صریح بائن کو ملحق ہو جاتی ہے اس کی وجہ فرق کیا ہے؟ کیونکہ بائن کے بائن سے ملحق نہ ہونے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں

(۱) محل نکاح نہیں رہا۔

(۲) خبر دی جا رہی ہو۔

لیکن یہی وجہیں تو صریح میں بھی پائی جاتی ہیں اگر بائن کے بعد صریح دے رہا ہے تو بھی محل نہیں رہا یا، ہو سکتا ہے کہ بائن کی خبر دے رہا ہو تو پھر بائن کے بعد صریح کیوں واقع ہو جاتی ہے؟ ہم نے کہیں پڑھا تھا کہ اصل وجہ خبر بننے کا احتمال ہے اس لئے دوسری بائن واقع نہیں ہوتی۔ اس پر یہ اشکال بھی ہوتا ہے کہ صریح کے بعد صریح بھی تو خبر بن سکتی ہے وہاں تو طلاق کے وقوع کا قول کیا جاتا ہے؟ لہٰذا اس مسئلے کی مکمل توضیح فرما دیں نیز حرام کا لفظ اب صریح بن چکا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں سوال کی جزئیات کا جواب سمجھنا اس مسئلے میں موجود صورتوں اور وجہ الحاق وعدم الحاق پر سیر حاصل بحث پر موقوف ہے، اس کے بغیر مسئلہ سمجھنا اور ان شکوک کا ازالہ مشکل ہوگا۔ لہٰذا بندہ پہلے چند تمہیدی نکات اور صورتیں پیش کرے گا جس کے ذیل میں آپ کے تمام شکوک خود ہی زائل ہو جائیں گے لیکن آخر میں ان شبہات کا جواب نمبر وار بھی تحریر کیا جائے گا۔ چند نکات یہ ہیں:

طلاقِ صریح اور کنائی کی تعیین

(۱) طلاق صریح اور طلاق کنائی میں کیا فرق ہے؟؟؟ صریح ان الفاظِ طلاق کو کہا جاتا ہے جو نیت کے محتاج نہ ہوں چاہے ان سے طلاقِ رجعی واقع ہو مثلاً انت طالق، طلقتک وغیرہ یا طلاقِ بائن واقع ہو مثلاً أنت طالق بائن، افحش الطلاق، طلاق الشیطان وغیرہ یہ دونوں قسم کے الفاظ صریح ہیں ایک سے طلاق رجعی اور ایک سے طلاق بائن بغیر نیت کے واقع ہو جاتی ہیں۔ طلاق کنائی کے الفاظ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو نیت کے محتاج ہوں، ان سے عموماً طلاق بائن واقع ہوتی ہے مثلاً اذهبی (چلی جا) وغیرہ کے الفاظ سے اگر

طلاق کی نیت ہو تو طلاقِ بائن کا وقوع ہو جاتا ہے البتہ بعض کنائی الفاظ سے طلاقِ رجعی بھی واقع ہوتی ہے مثلاً اعتدی (عدت گزار)، انت واحدہ (تو ایک ہے) وغیرہ سے اگر طلاق کی نیت ہو تو ایک طلاقِ رجعی واقع ہو جائے گی لہٰذا الفاظ طلاق کی چار قسمیں ہوئیں۔

(۱) صریح رجعی۔

(۲) صریح بائن۔

(۳) کنائی رجعی۔

(۴) کنائی بائن۔

"أنت حرام" سے متعلق ضروری تنبیہ

(۲) دوسرا نکتہ یہ ملحوظ رہے کہ "أنت حرام" (تو حرام ہے) کا لفظ اصلاً کنائی تھا نیت کا محتاج تھا، لیکن عرف کی بناء پر چونکہ اس کا استعمال فقط طلاق کیلئے ہونا شروع ہو گیا تو اس سے بغیر نیت کے ہی طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے، گویا یہ لفظ صریح کی طرح بن گیا، لفظ حرام سے بغیر نیت کے طلاقِ بائن واقع ہو رہی ہے، لیکن حرام کا لفظ کیونکہ اصلا کنائی ہے لہٰذا اس پر کنائی بائن کے ہی احکام چلیں گے "أنت طالق بائن" یا "أنت افحش الطلاق" کی طرح لفظ "حرام" صریح بائن نہ بنے گا۔ یہ نکتہ بالخصوص ذہن نشین رہے۔ شامیہ میں ہے:

"قال ح ولا یرد أنت علی حرام علی المفتی به مر توقفه علی النیة مع أنه لا یلحق البائن ولا یلحقه البائن لکونه بائنا لما أن عدم توقفه علی الا له لا بحسب أصل وضعه" (شامیة ۳/۳۰۶)

وہ الفاظِ کنائی جن سے طلاقِ رجعی ہو ان سے متعلق ضروری تنبیہ

(۳) تیسرا نکتہ یہ ملحوظ رہے کہ وہ کنائی الفاظ جر رجعی واقع ہوتی ہے ان کا حکم کنائی بائن کی طرح عدمِ لحوق کا نہیں بلکہ ان کا الحاق بائن اور صریح سب سے ہو جاتا ہے کیونکہ ان کنائی الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہو رہی ہے تو ان کی مشابہت بنسبت کنائی کے صریح سے زیادہ ہے، نیز ایسے کنائی الفاظ جہاں طلاقِ رجعی کا وقوع ہو "طالق" وغیرہ الفاظ مقدر نکالے جاتے ہیں گویا یہ صریح ہی ہیں تو ان کا الحاق ہوگا۔

"وأما الکنایات الرواجع کاعتدی واستبرئی رحمك وأنت واحدة وما ألحق بها فإنها وإن کانت تلحق البائن فی ظاهر الروایة بشرط النیة لکنها لما یقع بها الرجعی کانت فی معنی الصریح کما فی البدائع أی فهی ملحقة بالصریح فی حکم اللحاق للبائن، أفاده فی البحر۔ وقال فی المنح إن صحة هذه الألفاظ بالإضمار فإن معنی قوله أنت واحدة أنت طالق طلقة واحدة فیصیر الحکم للصریح لکن لا بد من

النية ليثبت هذا المضمر. فأفاد وجه كونها في حكم الصريح وهو كونه مضمرا فيها وأن الإيقاع إنما هو به لا بها نفسها لكن ثبوته مضمرا توقف على النية وبعد ثبوته بالنية لا يحتاج إلى نية."

(الشامية ۳۰۶/۳)

الحاق کا قاعدہ

(۴) فقہاء نے طلاق کے الحاق کا یہ قاعدہ لکھا ہے:

"(الصريح يلحق الصريح و) يلحق (البائن) بشرط العدة (والبائن يلحق الصريح) الصريح ما لا يحتاج إلى نية بائنا كان الواقع به أو رجعيا ... (لا) يلحق البائن (البائن)... الا اذا كان معلقا بشرط قبل المنجز البائن"

(الدر المختار ۳۰۶/۳)

یعنی صریح طلاق، صریح اور بائن دونوں کو ملحق ہوجاتی ہے لیکن بائن صرف صریح کو ملحق ہوتی ہے بائن کو نہیں۔ یہ الفاظ مطلق نہیں ان میں کچھ تقییدات ہیں جو آگے بیان ہوں گی۔

الحاق کے مطلب اور وجہ کا بیان

(۵) الحاق کا مطلب یہ ہے کہ اولاً ایک طلاق واقع ہو پھر دوسری طلاق دی جائے تو یہ دوسری طلاق پہلے سے ملحق ہوگی یا نہیں؟ یہاں اصول یہ ہے کہ اگر دوسری کو پہلی کی خبر بنانا ممکن ہو تو الحاق نہ ہوگا ورنہ الحاق ہوجائے گا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ صریح الفاظ طلاق، انشاء طلاق کیلئے اصلاً وضع ہیں، جب ان کی اصل انشاء ہے تو انہیں اخبار نہیں بنایا جائے گا بلکہ الحاق ہوگا اور دو طلاقیں واقع ہوں گی لیکن کنائی الفاظ خبر بننے کا احتمال رکھتے ہیں کیونکہ وہ اصلاً انشاء طلاق کیلئے وضع نہیں بلکہ نیت طلاق سے ان میں طلاق کا وقوع ہو رہا ہے مثلاً "اذھبی" (چلی جا) یہ انشاء طلاق کیلئے صریح نہیں لہٰذا اگر دوسری طلاق کنائی بائن ہے تو اس کا گزشتہ بائن سے الحاق نہ ہوگا، البتہ رجعی سے ہوجائے گا کیونکہ کنائی بائن، رجعی کی خبر نہیں بن سکتی۔ لہٰذا اگر یوں کہتا ہے "أنت طالق واذھبی" تو دو طلاقوں کا وقوع ہوگا نیز صریح کے مقدم ہونے کی بناء پر کنائی سے بھی بغیر نیت کے ہی بائن کا وقوع ہوگا کیونکہ کنائی سے پہلے واقع صریح قرینہ مقالیہ ہے لہٰذا دو کا وقوع ہوگا۔[1]

---

[1] الفاظ کنائی سے طلاق کیلئے عموماً نیت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بسا اوقات کنائی کے ساتھ صریح الفاظ کا استعمال کنائی سے نیت طلاق ہونے پر دال بن جاتا ہے، صریح کب دال بنتا ہے؟ نیز مسئلہ ھذا سے متعلق ابحاث پر شافی وکافی فتوی نجم الفتاوی کی اسی جلد میں بنام "**الحرف النهائی فی جعل الصریح قرینة للنیة فی الکنائی**" ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

الغرض اصول اور مدار اخبار اور انشاء پر ہے اگر خبر بنانا ممکن ہو تو الحاق نہ ہوگا اور اگر اخبار ممکن نہ ہو تو انشاء پر محمول کر کے دوسری کا الحاق ہوگا۔ الفاظِ صریح اصلاً انشاء طلاق کیلئے وضع ہوتے ہیں چاہے ان سے رجعی واقع ہو یا بائن ان کا الحاق ہوگا (مثلاً "أنت طالق" اور "أنت أفحش الطلاق"۔ باقی "أنت حرام" صریح نہیں اگرچہ بغیر نیت بائن کا وقوع ہو لیکن اصلاً کنائی ہے لہٰذا حرام کا الحاق نہ ہوگا)۔ کنائی، انشاء طلاق کیلئے وضع نہیں لہٰذا اسے اخبار بنا دیں گے مثلاً کہتا ہے "اذهبی، اذهبی" (چلی جا، چلی جا) اور دونوں سے طلاق کی نیت کرتا ہے تو ایک ہی طلاقِ بائن ہوگی اور دوسری کو خبر بنالیں گے۔ عدمِ الحاق اور اخبار بنانا کنایہ بائن میں ہے جن کنائی الفاظ سے رجعی واقع ہو مثلاً "اعتدی" وغیرہ ان سے متعلق گزر چکا کہ وہ صریح کے حکم میں ہیں ان کا الحاق گزشتہ سے ہوگا مثلاً کہتا ہے "اذهبی واعتدی" اور طلاق کی نیت کرتا ہے تو دو کا وقوع ہوگا۔ گویا فقط کنائی بائن کا بائن سے الحاق نہ ہوگا یعنی "اذهبی" کا "اذهبی" اور "أفحش الطلاق" وغیرہ سے الحاق نہ ہوگا۔

لما فی الدر المختار (۳۰۸/۳): (لا) یلحق البائن (البائن) إذا أمکن جعله إخبارا عن الأول کأنت بائن بائن أو أبنتك بتطليقة فلا يقع لأنه إخبار فلا ضرورة في جعله إنشاء بخلاف أبنتك بأخرى أو أنت طالق بائن أو قال نويت البينونة الكبرى لتعذر حمله على الإخبار فيجعل إنشاء ولذا وقع المعلق۔

وفی الشامیة تحته: قوله (لا يلحق البائن البائن) المراد بالبائن الذي لا يلحق هو ما كان بلفظ الكناية لأنه هو الذي ليس ظاهرا في إنشاء الطلاق كذا في الفتح وقيد بقوله الذي لا يلحق إشارة إلى أن البائن الموقع أولا أعم من كونه بلفظ الكناية أو بلفظ الصريح المفيد للبينونة كالطلاق على مال ...... (قوله اذا امكن) قيد في عدم لحاق البائن البائن ومحترز ما افاده بقوله بخلاف ابنتك بأخرى (الشامية ۳۰۸/۳)

الحاق سے متعلق ضروری تنبیہ

یہاں بائن کے عدمِ الحاق میں یہ بات واضح رہے کہ صرف وہ بائن ملحق نہیں ہوتی جو کنائی الفاظ سے ہو اور اسے اخبار بنانا ممکن ہو اگر اخبار بنانا ممکن نہ ہو مثلاً کوئی شخص کنائی بائن کو معلق کردے مثلاً یوں کہہ دے "إن دخلت الدار فأنت بائن"، پھر تنجیزاً ایک بائن طلاق دیدے اور تنجیزاً بائن کے بعد دخول دار شرط پائی جائے تو اس معلق بائن کا الحاق بعد از تعلیق منجز بائن سے ہوگا کیونکہ یہاں معلق بائن کو منجز کی خبر بنانا ممکن نہیں، عموماً اگرچہ کنائی بائن کا بائن سے الحاق نہیں ہوتا لیکن معلق کا بعد از تعلیق منجز طلاق سے الحاق ہوگا کیونکہ تنجیز تعلیق کے بعد ہے اور کوئی شئ اپنے سے بعد والے کیلئے خبر نہیں بنتی نیز معلق طلاق بائن کا معلق طلاق بائن سے بھی الحاق ہوگا مثلاً دو بار یہ

جملہ کہے "إن دخلت الدار فأنت بائن "تو دخول دار کی صورت میں دوطلاقِ بائنہ واقع ہوں گی[۱]۔

اور اگر کنائی الفاظ میں ہی کوئی ایسی قید ہو جو اسے اخبار بنانے کے امکان کو ختم کرتی ہو مثلاً "أبنتك بأخرى" (میں تجھے دوسری طلاق بائن دیتا ہوں) یہاں اگر طلاق کی نیت ہو تو اس کا الحاق ہوگا کیونکہ لفظ میں "اخری" دوسری کا لفظ ہی اسے اخبار بنانے کے احتمال کو ختم کرتا ہے البتہ اگر دوسری نہیں صرف انت بائن کہہ کر وہ جتنی بار بھی اخبار کی نیت کرے یا انشاء کی، الحاق نہ ہوگا اور اسے اخبار ہی بنایا جائے گا کیونکہ یہاں اخبار بنانا ممکن ہے تو صرف نیت انشاء سے چاہے وہ کہے بھی کہ دوسری "انت بائن" سے میری مراد انشاء تھی پھر بھی الحاق نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ دوسری طلاق اگر کنائی بائن ہو اور اسے خبر بنانا ممکن ہو اور لفظ میں ہی کوئی ایسی قید نہ ہو جو اسے اخبار بنانا محال کرتی ہو تو وہ اخبار بنے گی چاہے انشاء کی نیت بھی ہو کیونکہ اسے اخبار بنانا ممکن ہے، شامیہ میں ہے:

" ولو قال إن دخلت الدار فأنت بائن ثم قال إن كلمت زيدا فأنت بائن ثم دخلت وبانت ثم كلمت يقع أخرى ذخيرة وفي البزازية إن فعلت كذا فحلال الله على حرام ثم قال كذلك لأمر آخر ففعل أحدهما بانت و كذا لو فعل الثاني على الأشبه فليحفظ قيد بالقبلية لأنه لو أبانها أولا ثم أضاف البائن أو علقه لم يصح كتنجيزه بدائع ." (الدر المختار ۳/۳۱۱)

"قال في البحر : وينبغي أنه إذا أبانها ثم قال لها أنت بائن ناويا طلقة ثانية أن تقع الثانية بنيته لأنه بنيته لا يصلح خبرا . فهو كما لو قال أبنتك بأخرى، إلا أن يقال إن الوقوع إنما هو بلفظ صالح له وهو أخرى بخلاف مجرد النية .ا هـ .وفيه أن اللفظ الثاني صالح، ولو أبدل صالحا بمعين له لكان أظهر ط .أقول : ويدفع البحث من أصله تعبيرهم بالإمكان، وبأنه لا حاجة إلى جعله إنشاء متى أمكن جعله خبرا عن الأول لأنه صادق بقوله أنت بائن على أن البائن لا يقع إلا بالنية . فقولهم البائن لا يلحق البائن لا شك أن المراد به البائن المنوي، إذ غير المنوي لا يقع به شيء أصلا ولم يشترطوا أن ينوي به الطلاق الأول .فعلم أن قولهم إذا أمكن إلخ احتراز عما إذا لم يمكن جعله خبرا كما في أبنتك بأخرى، لا عما إذا نوى به طلاقا آخر فتدبر . وأما اعتدي اعتدي فإنه ملحق بالصريح كما تقدم . فلا ينافي ما هنا حيث أوقعوا به مكررا

---

[۱] تعلیق سے متعلق اصول نیز تعلیق کی صورت میں جزاء دفعۃً واحدۃً واقع ہوتی ہے یا تنجیز کی طرح ترتیب وار؟ ثمرہ فرق کی مدلل وضاحت اور بہت سی اہم ابحاث پر مشتمل فتوی نجم الفتاوی کی اسی جلد میں "التهنئة والتبريك في أصول التعليق" کے نام سے ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن

تأمل" (شامیہ ۳/۳۰۹)

ایک اشکال کا دفع

باقی اس تمام بحث میں صریح کے الحاق سے یا کنایہ رجعی (بحکم صریح) سے اشکال نہ ہو کہ اسے بھی تو خبر بنانا ممکن ہے اس کا بھی الحاق نہ ہونا چاہیئے یہ اس لئے کیونکہ صریح انشاء طلاق کیلئے وضع ہے لہٰذا صریح چاہے رجعی ہو یا بائن ماقبل سے اس کا الحاق ہوگا اور اسے خبر نہیں بنایا جائے گا۔

(٦) فقہاء نے قاعدہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

[الصریح یلحق الصریح والبائن، والبائن یلحق الصریح لا البائن]

یہ دو جملے ہیں ایک یہ کہ صریح، صریح اور بائن دونوں سے ملحق ہوجاتی ہے دوسرا یہ کہ بائن صریح سے ملحق ہوتی ہے بائن سے نہیں۔ان دونوں جملوں کی چھ چھ صورتیں بنتی ہیں جو کہ محتمل ہیں، ہم ترتیب وار ان کی تکییف کرتے ہیں۔

الجملۃ الاولی (الصریح یلحق الصریح والبائن)

الحاق اور عدم الحاق کا مدار دوسری طلاق کے صریح یا غیر صریح ہونے پر ہے اگر دوسری طلاق صریح ہو تو اس کا الحاق ہوگا چاہے اس سے رجعی کا وقوع ہو یا بائن کا۔صریح رجعی کی مثال "انت طالق" اور صریح بائن کی مثال انت طالق بائن یا افحش الطلاق وغیرہ۔گویا کہ اصل مدار دوسری طلاق پر ہے اگر وہ صریح ہے تو اس کا الحاق ہوگا پہلی چاہے صریح ہو یا بائن، بس دوسری کا صریح (رجعی یا بائن) ہونا ضروری ہے۔اس جملے کی محتمل چھ صورتیں یہ ہیں:

۱۔ پہلے صریح رجعی ہو اور دوسری بھی صریح رجعی ہو مثلاً انت طالق کے بعد انت طالق۔

۲۔ پہلے صریح بائن ہو اور دوسری صریح رجعی ہو مثلاً انت افحش الطلاق کے بعد انت طالق۔

۳۔ پہلے صریح رجعی ہو اور دوسری صریح بائن ہو مثلاً انت طالق کے بعد انت افحش الطلاق۔

۴۔ پہلے صریح بائن ہو اور دوسری بھی صریح بائن ہو مثلاً انت افحش الطلاق کے بعد انت افحش الطلاق۔

۵۔ پہلے کنائی بائن ہو اور دوسری صریح رجعی ہو مثلاً اذھبی کے بعد انت طالق۔

٦۔ پہلے کنائی بائن ہو اور دوسری صریح بائن ہو مثلاً اذھبی کے بعد انت طالق بائن۔

ان محتمل چھ کی چھ صورتوں میں الحاق ہوگا کیونکہ دوسری طلاق صریح (رجعی یا بائن) ہے باقی پہلی طلاق صریح رجعی ہو یا صریح بائن یا کنائی بائن ہر صورت میں دوسری کا پہلی سے الحاق ہوگا۔

الجملة الثانية (والبائن يلحق الصريح لا البائن)

دوسرا جملہ یہ ہے کہ بائن صریح سے ملحق ہوتی ہے بائن سے نہیں۔ یہاں اولاً تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ بائن صریح کی ضد نہیں بلکہ صریح کی ضد کنائی ہے۔ پھر یہ کہ دوسری طلاق جس پر الحاق کا مدار ہے وہ بائن ہے بائن طلاق چاہے صریح لفظ سے ہو یا کنائی، طلاقِ صریح سے ملحق ہو جاتی ہے لیکن یہاں طلاق صریح کا لفظ عام نہیں بلکہ اس سے مراد صرف صریح رجعی ہے یعنی طلاقِ بائن [صریح یا کنائی]، صریح رجعی سے تو ملحق ہوگی لیکن صریح بائن سے ملحق نہ ہوگی۔ یعنی اذھبی کا الحاق افحش الطلاق سے نہ ہوگا بلکہ فقط ایک کا وقوع ہوگا لہٰذا عبارت میں صریح کا لفظ مقید ہے صرف صریح رجعی مراد ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعدد دلائل ذکر کئے ہیں، بوجہ تطویل ہم فتویٰ کے آخر میں ان کا حوالہ ذکر کریں گے۔

نیز "البائن يلحق الصريح" میں تو بائن عام تھا چاہے صریح ہو یا کنائی اس کا الحاق ہوتا تھا لیکن "لا البائن" میں اسی الحاق ہونے والی بائن سے مراد عام نہیں بلکہ صرف کنائی بائن مراد ہے۔ بائن کا بائن سے جو الحاق نہیں ہوتا اس میں دوسری بائن سے مراد کنائی بائن ہے۔ کنائی بائن کا الحاق بائن سے نہیں ہوتا، صریح بائن کا الحاق ہو جاتا ہے، یعنی افحش الطلاق وغیرہ کا الحاق اذھبی اور دیگر بوائن سے ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ بائن کنائی کے ساتھ مقید ہے گویا کہ جملہ ثانیہ مع قیودات اس طرح بنتا ہے:

"والبائن (الصريح او الكنائي) يلحق الصريح (الرجعي) لكن البائن (الكنائي) لا يلحق البائن (الصريح او الكنائي)۔"

اس جملہ ثانیہ کی محتمل چھ صورتیں یہ ہیں:

۱۔ پہلے صریح رجعی ہو پھر دوسری صریح بائن ہو مثلاً انت طالق کے بعد افحش الطلاق (اس صورت میں الحاق ہوگا)۔

۲۔ پہلے صریح رجعی ہو پھر کنائی بائن ہو مثلاً انت طالق کے بعد اذھبی (اس صورت میں بھی الحاق ہوگا)۔

۳۔ پہلے کنائی بائن ہو پھر صریح بائن ہو مثلاً اذھبی کے بعد افحش الطلاق (الحاق ہوگا کیونکہ دوسری صریح بائن ہے)۔

۴۔ پہلے صریح بائن ہو پھر دوسری بھی صریح بائن ہے مثلاً افحش الطلاق کے بعد افحش الطلاق (اس صورت میں بھی الحاق ہوگا والبائن لا يلحق البائن کے اطلاق میں اگرچہ یہ شامل ہے لیکن اس میں دوسری بائن کو کنائی کے ساتھ مقید کیا گیا ہے)۔

۵۔ پہلے صریح بائن ہو پھر کنائی بائن ہو مثلاً افحش الطلاق کے بعد اذھبی (اس صورت میں الحاق نہ ہوگا یعنی جب دوسری بائن کنائی ہو تو اس کا بائن سے الحاق نہ ہوگا پہلی بائن چاہے صریح ہو جیسے یہ صورت یا کنائی جیسے اگلی صورت)۔

۶۔ پہلے کنائی بائن ہو پھر دوسری بھی کنائی بائن ہو مثلاً اذھبی کے بعد اذھبی (الحاق نہ ہوگا)۔

گویا کہ دوسری طلاق کے الحاق نہ ہونے کی صرف دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جب دوسری کنائی بائن ہو اور پہلی صریح بائن (مثلاً افحش الطلاق کے بعد اذھبی) اور دوسری صورت یہ کہ دوسری طلاق کنائی بائن ہو اور پہلی بھی کنائی بائن ہو (مثلاً اذھبی کے بعد

اذھبی)۔ان دونوں صورتوں میں فقط الحاق نہ ہوگا۔دولفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ کنائی بائن کا بائن سے الحاق نہ ہوگا،اس کے علاوہ ہر صورت میں الحاق ہوگا۔حوالہ درج ذیل ہے:

"قوله (لا يلحق البائن البائن) المراد بالبائن الذی لا يلحق هو ما کان بلفظ الکناية لأنه هو الذی ليس ظاهرا فی إنشاء الطلاق کذا فی الفتح ۔وقيد بقوله الذی لا يلحق إشارة إلى أن البائن الموقع أولا أعم من کونه بلفظ الکناية أو بلفظ الصريح المفيد للبينونة کالطلاق على مال وحينئذ فيکون المراد بالصريح فی الجملة الثانية أعنی قولهم والبائن يلحق الصريح لا البائن هو الصريح الرجعی فقط دون الصريح البائن" (شامیة ۳/۳۰۸)

گویا دوسرے جملے (والبائن یلحق الصریح لا البائن) میں صریح سے مراد فقط صریح رجعی (یعنی انت طالق) اور بائن ثانی کے عدم الحاقِ بائن میں بائنِ ثانی سے مراد کنائی بائن (یعنی اذھبی) مراد ہے۔علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ ثانیہ میں صریح کے رجعی کے ساتھ مقید ہونے کے متعدد دلائل دیئے ہیں۔فتح کے حوالے سے شامیہ کا مذکورہ بالا حوالہ بھی اسے ثابت کرتا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اتنی تفصیل اور مدلل انداز میں یہ بات اس لئے ثابت کی ہے کیونکہ درمختار میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں کچھ تسامح ہوا ہے انہوں نے جملہ ثانیہ (والبائن یلحق الصریح لا البائن) اور جملہ اولی (الصریح یلحق الصریح والبائن) دونوں میں صریح کو عام لے لیا ہے چاہے اس سے صریح رجعی واقع ہو یا صریح بائن۔ جبکہ جملہ اولی (الصریح یلحق الصریح والبائن) میں تو صریح عام ہے چاہے صریح رجعی (أنت طالق) ہو یا صریح بائن (افحش الطلاق) ہو لیکن جملہ ثانیہ (والبائن یلحق الصریح لا البائن) میں صریح سے مراد صرف صریح رجعی ہے یعنی انت طالق نہ کہ صریح بائن (افحش الطلاق)۔ بائن کا الحاق صریح رجعی سے ہوتا ہے (یعنی اذھبی کا الحاق انت طالق سے ہوگا) لیکن صریح بائن سے الحاق نہیں ہوتا (یعنی اذھبی کا الحاق افحش الطلاق سے نہ ہوگا) لہٰذا جملہ ثانیہ (والبائن یلحق الصریح لا البائن) میں صریح مقید بالرجعی ہے جبکہ درمختار میں اسے عام لے لیا گیا ہے۔درمختار کی عبارت یہ ہے:

"(الصريح يلحق الصريح و) يلحق (البائن) بشرط العدة (والبائن يلحق الصريح) الصريح ما لا يحتاج الى نية بائنا کان الواقع به أو رجعيا فتح" (الدر المختار ۳/۳۰۶)

صاحب درمختار کو صریح کی یہ عمومی تشریح جملہ ثانیہ سے قبل کرنی چاہیئے تھی کیونکہ جملہ ثانیہ میں صریح عام نہیں۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے اس تسامح کو ہی مدلل انداز میں رد کرنے کے لئے متعدد دلائل سے جملہ ثانیہ میں (یعنی والبائن یلحق الصریح لا البائن میں) صریح کا رجعی کے ساتھ مقید ہونا بیان فرمایا ہے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قوله (الصريح ما لا يحتاج إلى نية) من هنا إلى قوله على المشهور کان الواجب ذکره قبل قوله والبائن يلحق الصريح لأن هذا کله من متعلقات الجملة الأولى أعنی قوله الصريح يلحق الصريح

والبائن ولأن المراد بالصريح في الجملة الثانية خصوص الرجعي كما تعرفه قريبا يعني أن المراد بالصريح هنا حقيقته لا نوع خاص منه وهو ما وقع به الرجعي فقط بل الأعم ...وفي (۳۰۸/۳):وبه ظهر أن ما نقله الشارح أولا عن الفتح من أن الصريح ما لا يحتاج إلى نية بائنا كان الواقع به أو رجعيا خاص بالصريح في الجملة الأولى أعني قولهم الصريح يلحق الصريح والبائن كما دل عليه كلام الفتح الذي ذكرناه هنا ويدل عليه أيضا أمور منها ما أطبقوا ۔الخ۔

(الشامية۳/۳۰۶،۳۰۸)

خلاصہ یہ کہ ان دونوں جملوں کی کل بارہ صورتیں بنتی ہیں چھ صورتوں میں تو دوسری طلاق صریح ہے تو اس کا الحاق پہلی سے ہوگا چاہے پہلی طلاق کسی بھی نوعیت کی ہو، دوسری کیونکہ صریح ہے (صریح رجعی ہو مثلاً انت طالق یا بائن مثلاً افحش الطلاق) اور صریح انشاء طلاق میں وضع ہے لہٰذا مطلقا الحاق ہوگا۔ دوسرے جملے (والبائن یلحق الصریح لا البائن) کی چھ میں سے بھی تین میں دوسری طلاق صریح بائن یعنی افحش الطلاق ہے لہٰذا الحاق ہوگا اور ایک میں دوسری طلاق اگرچہ کنائی بائن ہے لیکن پہلی اس صورت میں صریح رجعی ہے لہٰذا الحاق ہوگا (یعنی اذهبی کا انت طالق سے الحاق ہوگا)۔ باقی صرف دو صورتیں بچتی ہیں جو جملہ ثانیہ (والبائن یلحق الصریح لا البائن) کی ہیں ایک صورت یہ کہ دوسری کنائی بائن ہو اور پہلی صریح بائن (افحش الطلاق کے بعد اذهبی) یا دوسری کنائی بائن ہو اور پہلی بھی کنائی بائن ہو (اذهبی کے بعد اذهبی)، بارہ صورتوں میں سے فقط ان دو صورتوں میں الحاق نہ ہوگا۔ گویا ہم یہ اصول بنا سکتے ہیں کہ عدمِ الحاق کیلئے دوسری طلاق کا کنائی بائن ہونا ضروری ہے جس کا بائن سے الحاق نہ ہوگا۔

اصول الالحاق

مذکورہ بالا تفصیلات اور مدلل و مبرھن کلام کی روشنی میں بندے نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ طلاق کے الحاق اور عدم الحاق میں یہ اصول ہے کہ دوسری طلاق کنائی بائن ہو اس کا الحاق بائن سے نہ ہوگا۔ پہلی چاہے صریح بائن ہو یا کنائی بائن، پہلی کا فقط بائن ہونا اور دوسری کا کنائی بائن ہونا ضروری ہے یعنی

اذهبی (کنائی بائن) کا افحش الطلاق (صریح بائن)

اور

اذهبی (کنائی بائن) کا اذهبی (کنائی بائن)

سے الحاق نہ ہوگا باقی ہر صورت میں دوسری طلاق کا پہلی سے الحاق ہوگا دوسری طلاق صریح ہو تو نو صورتیں تو یہی بنتی ہیں جن میں الحاق ہوگا چاہے صریح رجعی ہو یا بائن اور پھر پہلی طلاق کی مختلف حالتیں ملا کر نو صورتیں ذکر ہوئیں، ان میں تو الحاق ہوگا۔ ایک صورت ایسی ہے جس میں دوسری کنائی بائن کا بھی الحاق ہوتا ہے وہ یہ کہ پہلی صریح رجعی ہو مثلاً اذهبی کا انت طالق سے الحاق ہوگا کیونکہ اصول یہ ہے کہ

کنائی بائن کا بائن سے الحاق نہ ہوگا اور یہاں پہلی صریح رجعی ہے۔

مکرر وضاحت

یہاں بندہ پھر یہ وضاحت کرنا چاہتا ہے کہ عدمِ الحاق کی وجہ اخبار بننے کا امکان ہے اور کنائی چونکہ انشاء طلاق کیلئے وضع نہیں چنانچہ صریح کے مقابلے میں کنائی میں اخبار بننے کا امکان ہے لہذا دوسری طلاق جب صریح ہو (جس کی نو صورتیں گزریں) تو بہرحال الحاق ہوگا اور انشاء پر محمول کیا جائے گا اور جب دوسری طلاق کنائی ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں ان میں سے دو میں الحاق نہ ہوگا البتہ ایک صورت ایسی ہے جس میں دوسری طلاق کنائی ہے اور پہلی صریح رجعی تو اس صورت میں الحاق ہوگا اور یہاں اخبار نہیں بنایا جائے گا نیز کنائی سے متعلق یہ بحث اس وقت تک ہے جب لفظ میں ہی اخبار کا احتمال ختم نہ کر دیا جائے (مثلاً أبنتك بأخرى میں تجھے دوسری طلاقِ بائن دیتا ہوں) تو دوسری کا اخبار بنانا ممکن نہیں لہٰذا الحاق ہوگا یا دوسری طلاق کنائی بائن منجز سے قبل معلق ہو یعنی ایک شخص بیوی کو کہتا ہے "ان دخلت الدار فاذهبي" (اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو پھر چلی جا) اور طلاق کی نیت کرتا ہے اس کے بعد گھر میں داخل ہونے سے قبل ہی ایک منجز بائن طلاق دے دیتا ہے مثلاً انت بائن وغیرہ بنیت طلاق کہہ کر عورت کو بائن کر دیتا ہے پھر عدت میں ہی دخولِ دار پایا جاتا ہے تو وہ معلق "فاذهبي" والی طلاق کا اس کے بعد منجز دی گئی بائن سے الحاق ہوگا کیونکہ یہ دونوں بائن معلق تھی منجز بائن سے پہلے کی لہٰذا اسے اپنے سے بعد والے کی خبر تو بنایا نہیں جا سکتا اس لئے انشاء پر محمول کر کے اس کا الحاق ہوگا۔ یہی مطلب ہے درمختار کی اس عبارت کا کہ

(الصريح يلحق الصريح و)... (البائن)... (والبائن يلحق الصريح)... (لا)... البائن (البائن) ... (إلا إذا كان)... (معلقا بشرط)... (قبل)... (المنجز البائن).

(تنویر الأبصار المطبوع مع الدر المختار ۳/۳۰۶)

تنجیز اً دی گئی طلاق سے قبل معلق طلاق کا تنجیز اً طلاق کے بعد الحاق اس وجہ سے ہی ہو رہا ہے کہ اسے خبر بنانا ممکن نہیں اگرچہ معلق طلاق کنائی بائن ہے اور اصولاً کنائی بائن کا بائن سے الحاق نہیں ہوتا لیکن یہاں معلق قبل المنجز میں وجہ عدم الحاق (یعنی امکان اخبار) نہ ہونے کی وجہ سے الحاق ہوگا، ہندیہ میں وضاحت سے اس کی صورت درج ہے:

"ولا يلحق البائن البائن بأن قال لها أنت بائن ثم قال لها أنت بائن لا يقع إلا طلقة واحدة بائنة لأنه يمكن جعله خبرا عن الأول وهو صادق فيه فلا حاجة إلى جعله إنشاء لأنه اقتضاء ضروري حتى لو قال عنيت به البينونة الغليظة ينبغي أن يعتبر وتثبت به الحرمة الغليظة إلا إذا كان البائن معلقا بأن قال إن دخلت الدار فأنت بائن ثم قال أنت بائن ثم دخلت الدار وهي في العدة تطلق كذا في العيني شرح الكنز" (الهنديه ۱/۳۷۷)

کنائی رجعی کے عدم الحاق اور حرام کے الحاق سے متعلق ضروری تنبیہ

الغرض کنائی بائن کا بائن سے الحاق نہ ہوگا لا مکان کونہ اخباراً۔ مسئلہ تھوڑا پیچیدہ اور مغلق تھا۔ بندے نے از حد آسان الفاظ میں ذکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ آخر میں احقر یہ بھی ذکر کرنا چاہتا ہے کہ کنائی بائن کی طرح کنائی رجعی میں یہ اشکال نہ ہو کہ وہ بھی تو انشاء طلاق میں ظاہر نہیں لہٰذا اس کا الحاق بھی نہ ہو، اس کا جواب پہلے گزر چکا کہ کنایہ رجعی (مثلاً اعتدی) صریح کے حکم میں ہے اور جتنے کنایہ رواجع ہیں اس میں طالق کا لفظ مقدر مانا جاتا ہے لہٰذا اس میں نیت فقط مضمر کے تعین کیلئے ہے، باقی حکم اس کا صریح کا ہے اسی لئے مذکورہ بارہ صورتوں کے ذکر میں ہم نے کنایہ رجعی کی بحث نہیں کی کیونکہ وہ مکمل صریح رجعی کے حکم میں ہے لہٰذا اس کا الحاق ہر قسم کی طلاق سے ہوگا مثلاً اعتدی کا الحاق انت طالق، اذھبی، افحش الطلاق وغیرہ سب سے ہوگا اور کیونکہ یہ صریح رجعی کے حکم میں ہے لہٰذا کنائی بائن کا بھی اس سے الحاق ہوگا لہٰذا اذھبی کا اعتدی سے الحاق ہوگا اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بنیتِ طلاق یوں کہتا ہے اعتدی و اذھبی (عدت گزار اور چلی جا) تو دو طلاقوں کا وقوع ہوگا۔

نیز یہاں یہ اشکال بھی نہ ہو کہ حرام کا لفظ اب صریح ہو چکا لہٰذا اس کا الحاق بائن وغیرہ سے ہونا چاہیئے کیونکہ حرام اب صریح بائن ہے۔ اس کا جواب واضح ہے اور گزر بھی چکا ہے کہ کنائی بائن سے مراد وہ الفاظ ہیں جن سے بغیر نیت کے طلاق کا وقوع نہ ہو اور حرام بھی اصل کے اعتبار سے کنائی ہے، یہ بعد میں صریح کے حکم میں ہوا ہے لہٰذا اس کا حکم کنائی بائن کا ہی رہے گا اور اس کا الحاق بائن سے نہ ہوگا (مثلاً انت حرام انت حرام یا اذھبی انت حرام وغیرہ صورتوں میں ایک طلاق کا ہی وقوع ہوگا) اور یہ افحش الطلاق وغیرہ کی طرح صریح بائن کے حکم میں نہ ہوگا۔ حرام سے متعلق یہ تفصیل بندے نے اس لئے کی کیونکہ بعض حضرات اکابر نے حرام کو صریح بائن کے حکم میں لے کر اس کے الحاق کا فتویٰ دیا ہے اور "**أنت حرام و حرام و حرام**" میں تین بائن کا وقوع کیا ہے جو کہ تسامح ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحۃً فرمایا ہے:

" قال ح ولا یرد أنت علی حرام علی المفتی بہ من عدم توقفہ علی النیۃ مع أنہ لا یلحق البائن ولا یلحقہ البائن لکونہ بائناً لما أن عدم توقفہ علی النیۃ أمر عرض لہ لا بحسب أصل وضعہ"

(الشامیہ ۳/۳۰۶)

یعنی حرام کا حکم کنائی بائن کا ہی رہے گا اور ہر وہ کنائی بائن جو عرف کی بناء پر صریح بنے اور بغیر نیت کے اس سے طلاق کا وقوع ہو وہ صریح بائن نہ بنے گا بلکہ الحاق کے حکم میں وہ اپنے اصل کنائی بائن کے حکم میں ہی رہے گا اور اس کا الحاق نہ ہوگا۔

مسک الختام

آخر میں بندہ بائن کے الحاق کے اصول اور تفصیلات ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن عابدین کے یہ الفاظ تحریر کردینا مناسب

سمجھتا ہے جو علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے تمام دلائل اور تفصیلات کے بعد ذکر کئے ہیں:

"ھذا ما ظھر لی فی تقریر ھذا المقام الذی زلت فیہ أقدام الأفھام فاغتنمہ فإنہ من جملۃ ما اختص بہ ھذا الکتاب بعون الملک الوھاب" (الشامیۃ ۳/۳۰۹)

سوالوں کے جوابات

آپ کے سوالوں کے مختصر جوابات نمبر وار یہ ہیں:

۱) کنائی بائن کے عدمِ الحاق کی وجہ محلیت نہیں بلکہ اخبار بننا ہے جو کہ صریح میں نہیں، صریح انشاء طلاق میں وضع ہے، اس کا الحاق ہوگا۔ کنایۂ رجعی بھی صریح کے حکم میں ہے، فقط کنایہ بائن میں جب تک اخبار بنانا ممکن ہو تو اس کا الحاق نہ ہوگا اور ایک ہی کا وقوع ہوگا۔ الحاق اور عدم الحاق کی تمام بحث دورانِ عدت ہے عدت گزرنے کے بعد کسی طلاق کا دوسری سے الحاق نہ ہوگا، **لانقطاع النکاح بالکلیۃ۔**

۲) صریح یا بائن کے بعد صریح کے الحاق میں یہ کہنا کہ یہاں یہ صریح بھی تو خبر بن سکتی ہے درست نہیں کیونکہ صریح انشاء طلاق کیلئے وضع ہے لہٰذا اس کا الحاق ہوگا اور اسے انشاء کیلئے ہی معین کیا جائے گا۔

۳) حرام کا لفظ اگرچہ عرف میں صریح ہو چکا ہے لیکن اصلا کنائی ہونے کی وجہ سے عدم الحاق میں یہ کنائی بائن ہی ہے۔

لما فی البحر الرائق (۳/۵۳۳) باب الکنایات: قوله (والبائن يلحق الصريح) كما إذا قال لها أنت طالق ثم قال لها في العدة أنت بائن أطلقه فشمل ما إذا خالعها أو طلقها على مال بعد الطلاق الرجعي فيصح ويجب المال كما في الخلاصة ــ قوله (لا البائن) أي البائن لا يلحق البائن إذا أمكن جعله خبرا عن الأول لصدقه فلا حاجة إلى جعله إنشاء ولا يرد أنت طالق أنت طالق لأنه لا احتمال فيه لتعينه للإنشاء شرعا حتى لو قال أردت به الإخبار لا يصدق قضاء والمراد بالبائن الذي لا يلحق البائن الكناية المفيدة للبينونة بكل لفظ كان لأنه هو الذي ليس ظاهرا في الإنشاء في الطلاق كما أوضحه في فتح القدير ولذا قال في الخلاصة لو قال لها بعد البينونة خلعتك ونوى به الطلاق لايقع به شيء وفي الحاوي القدسي إذا طلق المبانة في العدة فإن كان بصريح الطلاق وقع ولا يقع بكنايات الطلاق شيء وإن نوى اهـ ومراده ما عدا الرواجع۔

وفيه أيضا (۳/۵۳۱): (والصريح يلحق الصريح والبائن) فلو قال لها أنت طالق ثم قال أنت طالق أو طلقها على مال وقع الثاني وكذا لو قال لها أنت بائن أو خالعها على مال ثم قال لها أنت طالق أو هذه طالق كما في البزازية يقع عندنا لحديث الخدري مسندا المختلعة يلحقها صريح الطلاق ما

دامت في العدة ولما ذكر في الأصول من بحث الخاص ، أطلقه فشمل المنجز والمعلق إذا وجد شرطه فكما يقع في العدة منجزا يقع إذا وجد شرطه فيها وأما إذا علقه في العدة فإنه يصح في جميع الصور إلا إذا كان الطلاق بائنا ثم علق البائن في العدة فإنه غير صحيح اعتبارا بتنجيزه كما في البدائع قيدنا الصريح اللاحق للبائن بكونه خاطبها به أو أشار إليها للاحتراز عما إذا قال كل امرأة له طالق فإنه لا يقع على المختلعة وكذا إذا قال إن فعلت كذا فامرأته كذا لا يقع على المعتدة من بائن كما في البزازية والمراد على المختلعة وكذا إذا قال إن فعلت كذا فامرأته كذا لا يقع على المعتدة من بائن كما في البزازية والمراد بالصريح هنا ما وقع به الرجعي فتدخل الكنايات الرواجع من اعتدي واستبري رحمك وأنت واحدة وما ألحق بالثلاثة فلو أبانها أو خالعها ثم قال لها في العدة اعتدي ناويا وقع الثاني في ظاهر الرواية خلافا لما روي عن أبي يوسف نظرا إلى أنها كناية۔

وفي الهندية (١/٣٧٧): الطلاق الصريح يلحق الطلاق الصريح بأن قال أنت طالق ووقعت طلقة ثم قال أنت طالق تقع أخرى ويلحق البائن أيضا بأن قال لها أنت بائن أو خالعها على مال ثم قال لها أنت طالق وقعت عندنا والطلاق البائن يلحق الطلاق الصريح بأن قال لها أنت طالق ثم قال لها أنت بائن تقع طلقة أخرى ولا يلحق البائن البائن بأن قال لها أنت بائن ثم قال لها أنت بائن لا يقع إلا طلقة واحدة بائنة لأنه يمكن جعله خبرا عن الأول وهو صادق فيه فلا حاجة إلى جعله إنشاء لأنه اقتضاء ضروري حتى لو قال عنيت به البينونة الغليظة ينبغي أن يعتبر وتثبت به الحرمة الغليظة إلا إذا كان البائن معلقا بأن قال إن دخلت الدار فأنت بائن ثم قال أنت بائن ثم دخلت الدار وهي في العدة تطلق كذا في العيني شرح الكنز ۔

كذا في ملتقى الابحر (١/٢٦٧) وفتح القدير (٣/٤٣) والتاتر خانيه (٣/٥٣٣)

وفي الشامية (٣/٣٠٦): قوله (لا يلحق البائن البائن) المراد بالبائن الذي لا يلحق هو ما كان بلفظ الكناية لأنه هو الذي ليس ظاهرا في إنشاء الطلاق كذا في الفتح وقيد بقوله الذي لا يلحق إشارة إلى أن البائن الموقع أولا أعم من كونه بلفظ الكناية أو بلفظ الصريح المفيد للبينونة كالطلاق على مال وحينئذ فيكون المراد بالصريح في الجملة الثانية أعني قولهم والبائن يلحق الصريح لا البائن هو الصريح الرجعي فقط دون الصريح البائن وبه ظهر أن ما نقله الشارح أولا عن الفتح من أن الصريح ما لا يحتاج إلى نية بائنا كان الواقع به أو رجعيا خاص بالصريح

في الجملة الأولى أعني قولهم الصريح يلحق الصريح والبائن كما دل عليه كلام الفتح الذي ذكرناه هنا ويدل عليه أيضا أمور منها ما أطبقوا عليه من تعليلهم عدم لحوق البائن البائن بإمكان جعل الثاني خبرا عن الأول ولا يخفى أن ذلك شامل لما إذا كان البائن الأول بلفظ الكناية أو بلفظ الصريح ومنها ما في الكافي للحاكم الشهيد الذي هو جمع كلام محمد في كتبه ظاهر الرواية حيث قال وإذا طلقها تطليقة بائنة ثم قال لها في عدتها أنت علي حرام أو خلية أو برية أو بائن أو بتة أو شبه ذلك وهو يريد به الطلاق لم يقع عليها شيء لأنه صادق في قوله هي علي حرام وهي مني بائن اهـ أي لأنه يمكن جعل الثاني خبرا عن الأول وظاهر قوله طلقها تطليقة بائنة أن المراد به الصريح البائن بقرينة مقابلته له بألفاظ الكناية. تأمل ومنها قول الزيلعي أما كون البائن يلحق الصريح فظاهر لأن القيد الحكمي باق من كل وجه لبقاء الاستمتاع اهـ فهذا صريح في أن المراد بالصريح في الجملة الثانية هو الصريح الرجعي إذ لا يخفى أن بقاء النكاح من كل وجه وبقاء الاستمتاع لا يكون بعد الصريح البائن ومنها ما قدمناه من قول المنصوري وإن كان الطلاق رجعيا يلحقها الكنايات لأن ملك النكاح باق فتقييده بالرجعي دليل على أن الصريح البائن لا يلحقه الكنايات وكذا تعليله دليل على ذلك.

ومنها ما في التاترخانية قبيل الفصل السادس ولو طلقها على مال أو خلعها بعد الطلاق الرجعي يصح ولو طلقها بمال ثم خلعها في العدة لا يصح اهـ.

فانظر كيف فرق بين الرجعي والصريح البائن وهو الطلاق على مال حيث جعل الخلع واقعا بعد الأول لا بعد الثاني فهذا صريح فيما قلناه من أن المراد بالصريح هنا الرجعي فقط وبالبائن الأول ما يشمل البائن الصريح ـــــــ هذا ما ظهر لي في تقرير هذا المقام الذي زلت فيه أقدام الأفهام فاغتنمه فإنه من جملة ما اختص به هذا الكتاب بعون الملك الوهاب.

ثم رأيت في الحواشي اليعقوبية على صدر الشريعة ما نصه وأيضا قولهم والبائن الغير الصريح يلحق الصريح ينبغي أن لا يكون على إطلاقه لأنه لا يلحق الصريح البائن لاحتمال الخبرية عن الأول كما لا يخفى إلا أن يدعي الفرق بين البائنين فلا يصح الخبر بأحدهما عن الآخر اهـ وهذا عين ما فهمته بحمد الله تعالى من أن المراد بالصريح في الجملة الثانية الصريح الرجعي فقط وقوله إلا أن يدعي الفرق الخ قد علمت مما قررناه أولا عدم الفرق فإنه لا شبهة فيه لذي فهم والله سبحانه أعلم.

(۶۲) "اس کا علاج طلاق ہے" سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑے کے دوران والدہ کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے کہ اس (یعنی اپنی بیوی کو اشارہ کر کے) کا علاج طلاق ہے۔ دو یا تین مرتبہ کہتا ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس سے طلاق تو واقع نہیں ہوئی؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ الفاظ تہدید اور دھمکی کے الفاظ ہیں لہٰذا ایسے الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لمافی الخانیة (۲/۲۱۴): ولو قيل لرجل أطلقت امرأتك فقال عدها مطلقة أواحسبها مطلقة لا تطلق امرأته۔

وفی الشامية (۳/۶۶۹): التهديد بالطلاق في معنى عرض الطلاق عليها لأن قوله أطلقك إن فعلت كذا بمنزلة قوله أبيع عبدي هذا۔

(۶۳) "میں نے تمہیں چھوڑ دیا" کے الفاظ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا۔ شوہر نے بیوی سے دو مرتبہ کہا کہ "میں نے تمہیں چھوڑ دیا، تیری شکل پہ تھوک دیا" (اور حقیقت میں تھوکا بھی) بیوی نے کہا کہ میرا تمہارا تعلق ختم ہو گیا۔ شوہر نے کہا کہ تعلق تھا ہی کہاں.......... نیز شوہر تقریباً کئی سال قبل یہ الفاظ کہہ چکا ہے کہ "اپنے بھائیوں کو بلاؤ میں طلاق دے رہا ہوں" اب پوچھنا یہ ہے کہ اس صورت حال میں تین طلاقیں ہو چکی ہیں یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر کا بیوی کو یہ الفاظ (میں نے تمہیں چھوڑ دیا) دو مرتبہ کہنے سے دو طلاقیں واقع ہو گئیں۔ شوہر نے جو کئی سال قبل بیوی کو یہ الفاظ کہے تھے (اپنے بھائیوں کو بلاؤ میں طلاق دے رہا ہوں) ان الفاظ سے ایک طلاق واقع ہو گئی تھی لہٰذا تین طلاقیں پوری ہو چکی ہیں۔ اب دونوں کا آپس میں ازدواجی تعلق رکھنا بغیر حلالہ شرعیہ کے ناجائز اور حرام ہوگا۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة: ۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيمَا حُدُوْدَ اللهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

وفی الخانية علی هامش الهندية (۲/۲۱۷): ولو قال في حالة مذاكرة الطلاق فارقتك أو باينت كأو أبنتك أو أبنت منك أو لا سلطان لي عليك أو سرحتك --- وإن قال لم أنو الطلاق لا

يصدق قضاءً۔

وفي الهندية (۱/۳۷۹): الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية والأصل الذي عليه الفتوى في زماننا هذا في الطلاق بالفارسية أنه إذا كان فيها لفظ لا يستعمل إلا في الطلاق فذلك اللفظ صريح يقع به الطلاق من غير نية إذا أضيف إلى المرأة وما كان بالفارسية من الألفاظ ما يستعمل في الطلاق وفي غيره فهو من كنايات الفارسية فيكون حكمه حكم كنايات العربية في جميع الأحكام كذا في البدائع۔

وفيه أيضاً (۱/۳۷۵): ولو قال في حال مذاكرة الطلاق باينتك ---۔ أو سرحتك ---۔ يقع الطلاق وإن قال لم أنو الطلاق لا يصدق قضاء۔

وفي الشامية (۳/۲۹۹): ثم فرق بينه وبين سرحتك فإن سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فإذا قال رها كردم أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق وقد مر أن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت لكن لما غلب استعمال حلال الله في البائن عند العرب والفرس وقع به البائن لولا ذلك لوقع به الرجعي۔

وفيه أيضاً (۳/۲۵۲) كتاب الطلاق: قوله (فيقع بلا نية للعرف) ---۔ وإنما كان ما ذكره صريحا لأنه صار فاشيا في العرف في استعماله في الطلاق لا يعرفون من صيغ الطلاق غيره ولا يحلف به إلا الرجال وقد مر أن الصريح ما غلب في العرف استعماله في الطلاق بحيث لا يستعمل عرفا إلا فيه من أي لغة كانت۔

(۶۴) ''میں تمہیں طلاق دے دوں گا'' کے الفاظ سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ تقریباً ایک ماہ پہلے میری اور میری بیوی کی کسی بات پر لڑائی ہوئی اور اس نے مجھ سے سخت الفاظ میں بات کی اور میں نے بھی اُس سے سخت الفاظ میں بات کی اور میں نے اس سے کہا کہ (میں تمہیں طلاق دے دونگا) بریکٹ میں لکھے ہوئے الفاظ میرے منہ سے نکلے اس بارے میں کیا حکم شرعی ہے؟ کہ ایک طلاق ہوگئی یا نہیں اگر ہوگئی تو رجوع کی کیا صورت ہوگی؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔آمین۔

الجواب بعون الملک الوھاب......طلاق کے لئے ضروری ہے کہ ماضی یا حال کے صیغہ سے طلاق دی جائے یا ایسے صیغہ سے جس کا اغلب استعمال حال کے لئے ہو، مستقبل کے صیغہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی چنانچہ صورت مسئولہ میں آپ کے الفاظ ''میں تمہیں طلاق

دے دونگا" مستقبل کے الفاظ ہیں لہذا ان سے آپ کی بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ آئندہ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے بھی گریز کریں۔

لمافی البحرالرائق(۴۳۹/۳): وليس منه أطلقك بصيغة المضارع إلا إذا غلب استعماله في الحال كما في فتح القدير۔

وفی الشامیة (۲۴۸/۳) : مطلب سن بوش يقع به الرجعي:۔۔۔ قوله (وما بمعناها من الصريح) أي مثل ما سيذكره من نحو كوني طالقا واطلقي ويا مطلقة بالتشديد وكذا المضارع إذا غلب في الحال مثل أطلقك كما في البحر۔

(٦٥) "کیا تم طلاق چاہتی ہو" کے الفاظ کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا بیوی سے جھگڑا ہو گیا تھا، اُس کے گھر والوں نے مجھ سے طلاق کا کہا تو میں نے اپنی بیوی سے کہا کیا تم طلاق لینا چاہتی ہو تو کیا اس سے طلاق ہو گئی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں بر تقدیرِ صحت واقعہ اگر آپ نے صرف یہی الفاظ (کیا تم طلاق چاہتی ہو) کہے ہوں تو آپ کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی، آپ کا نکاح بدستور برقرار ہے۔

لمافی البحرالرائق(۵۸۳/۳): ولو قال أريديه أو أحبيه أو اهويه أو ارضيه ناويا فأجابته لا يقع لأنها عبارة عن الطلب فلا يستلزم الوجود بخلاف المعلق على إرادتها۔

وفی الھندیة (۴۰۴/۱): ولو قال لها شائي الطلاق ونواه فقالت قد شئت يقع استحسانا وإن لم تكن له نية لا يقع ۔۔۔ ولو قال إن شئت فأنت طالق فقالت نعم أو قبلت أو رضيت لا يقع۔

رسالۃ

الدر الغربی

فی

تحقیق لفظ [احسبی وافرضی]

احسبی، افرضی [سمجھ لے تجھے طلاق ہے]

یا

[سمجھ لے کاغذ ہے، کاغذ ہے، کاغذ ہے] وغیرہ سے طلاق کا بیان

(۶۶) تم سمجھو یہ میری طرف سے کاغذ ہے کاغذ ہے کاغذ ہے کہنے کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کچھ دن پہلے میرا بیوی سے جھگڑا ہوا تو میں نے غصے میں آکر کہا کہ جا اپنے ماں باپ کے گھر چلی جا۔ میں شام کو کاغذ بھیج دوں گا، تو اس نے کہا ابھی کاغذ دو، تو میں نے غصے میں کہہ دیا کہ تم سمجھو یہ میری طرف سے کاغذ ہے، کاغذ ہے، کاغذ ہے۔ کیا میرے اس کہنے سے میری بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولا ایک بنیادی اصول ذہن نشین رہے، وہ یہ کہ طلاق کے الفاظ دو قسم پر ہیں۔

(۱) صریح

(۲) کنائی

صریح وہ الفاظ جو طلاق کیلئے وضع ہوں، ان سے طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو طلاق کا وقوع ہو جاتا ہے مثلا طلقتك (میں نے تجھے طلاق دی) وغیرہ۔ کنائی وہ الفاظ ہیں جو طلاق کیلئے وضع نہ ہوں بلکہ طلاق اور غیر طلاق دونوں کے متحمل ہوں۔ مثلا اذھبی (چلی جا) اس میں دونوں احتمال ہیں کہ طلاق دیدی ہے اس لئے چلی جا یا ویسے ہی نظروں سے دور ہونے کیلئے چلی جا۔ کنائی الفاظ میں مدار نیت پر ہوتا ہے، اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق واقع ہو جاتی ہے ورنہ نہیں۔

بندہ یہاں عرض کرتا ہے کہ کنائی الفاظ میں سرسری نظر سے تو پہچان آسان تھی کہ جو لفظ جدائی سے مشیر ہو، چاہے ادنی اشارہ بھی پایا جائے، اسے کنائی مان لیا جائے اور مع النیۃ طلاق کا وقوع کر دیا جائے، کیونکہ "الکنائی ما یحتملہ و غیرہ" میں بہت عموم ہے۔ بعض الفاظ مثلا یہی اذھبی (چلی جا)، افلحی (کامیاب ہوجا) وغیرہ میں ادنی احتمال کی بناء پر انہیں کنائی قرار دیا گیا ہے اور اگر اس اصول کو عام ہی رکھا جاتا تو الفاظ کنائی کی پہچان مشکل نہ تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ کن الفاظ میں احتمال ہے اور کن میں نہیں؟ کون سا احتمال ناشی عن الدلیل ہے اور کونسا نہیں؟ کس لفظ میں احتمال مانا جائے اور کس میں نہیں؟؟؟ ان ابحاث میں ائمہ مذہب سے لیکر بعد کے فقہاء مجتھدین نے اختلاف کیا ہے جبکہ بات فقط احتمال کی تھی اور احتمال مان لینے سے طلاق واقع نہیں ہوئی تھی، بلکہ طلاق کا مدار تو نیت پر تھا۔ لیکن بعض الفاظ میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں احتمال ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں احتمال نہیں۔ مثلا لست لی بامرأۃ (تو میری بیوی نہیں) وغیرہ، بعض میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک احتمال نہیں ہے، لیکن ابن ابی لیلی اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ احتمال

ہے مثلاً لا حاجة لي فيك (مجھے تیری ضرورت نہیں) میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک احتمال طلاق ہی نہیں۔ یہ الفاظ بول کر قائل اگر طلاق کی نیت بھی کر لے تو ائمہ ثلثہ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔

الغرض یہ ایک تفصیلی موضوع ہے اس موضوع (یعنی کنائی الفاظ سے وقوع طلاق میں نیت اور احتمال کی بحث) سے متعلق ہمارے دارالافتاء سے مفصل و مدلل انداز میں مع تحفظات فتوی تحریر کیا گیا ہے، اسکی مراجعت کی جائے[1]۔ یہاں خلاصۃً یہ بحث ذکر کر نے کا مقصد یہ ہے کہ مذکورہ لفظ ''تم سمجھو یہ میری طرف سے کاغذ ہے، کاغذ ہے، کاغذ ہے'' بیوی کے اس سوال ''ابھی کاغذ دو'' کے جواب میں اسی قبیل سے ہے اور اس میں بھی احتمال ہونے یا نہ ہونے کی بحث چلی ہے۔ ظاہر ہے اگر احتمال ہی نہ ہو تو مع النیۃ بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

''سمجھ لے'' مسئلے کا اصل مدار اس لفظ پر ہے۔ ''کاغذ ہے'' وغیرہ تو کنائی الفاظ ہیں لیکن سمجھ لے کے ساتھ مل کر ان کا حکم کیا ہو گا، اصل اس کی تنقیح ضروری ہے۔ ''سمجھ لے'' کا ممکنہ ترجمہ عربی میں "احسبی" سے کیا جا سکتا ہے۔ مصباح اللغات میں "حسب یحسب" (من باب سمع يسمع) کا ترجمہ ''گمان کرنا'' تحریر ہے۔ اسی سے ملتے جلتے الفاظ "عدی" (شمار کر) اور افرضی (فرض کر) ہیں۔ احسبی، عدی یا افرضی (گمان کر، شمار کر، فرض کر) میں سے احسبی (گمان کر) ''سمجھ لے'' کے قریب تر ہے۔ فقہاء نے ان تمام الفاظ میں احتمال طلاق ہونے کی نفی کی ہے۔ عموماً فقہاء ایک مکالمے کی صورت میں [جو کہ فارسی میں ہے] ان کا عربی ترجمہ ان الفاظ سے کر کے مع النیۃ بھی عدم وقوع طلاق کا حکم لگاتے ہیں۔ فارسی میں مکالمہ یوں ہے کہ بیوی کہتی ہے کہ ''مرا طلاق دہ'' (مجھے طلاق دے) شوہر اس کے جواب میں کہتا ہے (دادہ آنکار) اس ''دادہ آنکار'' کا ترجمہ فقہاء "افرضي أنه وقع" "عدي أنك طالق" اور "احسبي" سے کرتے ہیں کہ [شمار کر لے کہ تو طلاق یافتہ ہے]، [فرض کر لے کہ وہ واقع ہوگئی ہے] یا [گمان کر لے] وغیرہ تراجم کر کے ان الفاظ میں مع النیہ بھی عدم وقوع کا قول کرتے ہیں۔

البحر الرائق کی عبارت ہے:

"معنى قوله دادہ أنكار افرضي أنه وقع أو احسبي فلا يقع به شيء وأنكار بفتح الهمزة وسكون النون وفتح الكاف الصماء وفي آخره راء مهملة ومعناه افرضي وقدري" (البحر ۸/۴۸۱)

اسکے مقابلے میں اسی مکالمے میں شوہر کا ایک جواب ''دادہ است'' (دے دی ہے) بھی منقول ہے۔ اس میں فقہاء بغیر نیت کے ہی طلاق کے وقوع کے قائل ہیں۔ اس کا معنی عربی میں "اعطیت" سے کیا جا سکتا ہے۔ فقہاء ان دونوں میں یہ فرق تحریر فرماتے ہیں

[1] اس سے مراد نجم الفتاوی کی اسی جلد میں موجود فتوی بنام "**المذاهب والروايات في الألفاظ الكنايات**" ہے، الفاظ کنایات سے طلاق اور اس میں نیت اور احتمال طلاق سے متعلق مذاہب کی تفصیل اور دیگر امور پر شافی بحث اس فتوی میں موجود ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

کہ یہ [دادہ است] طلاق کی خبر دینا ہے اور یہ اصول ہے کہ طلاق کی جھوٹی خبر سے انشاء بن کر وقوع طلاق ہو جاتا ہے لہذا یہ ''دادہ است'' خبر کاذب کی بناء پر انشاء ہے، جبکہ "احسبی، عدی، افرضی" میں اخبار نہیں، بلکہ یہ حال میں طلاق کو گمان کرنے کا حکم ہے لہذا یہاں مع النیۃ بھی طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔

لما فی البحر الرائق (۴۸۱/۸): والفرق بینهما أن فی الأولی اخبارا عن الوقوع فیقع الطلاق و فی الثانی لیس باخبار لأن معنی قوله دادہ انکار افرضی۔ الخ۔

جبکہ بعض فقہاء نے فارسی مکالمے کے ترجمے میں یہ الفاظ ذکر کرنے کے بجائے مستقلا بھی ان الفاظ کو ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے بھی نیت کے باوجود، عدمِ وقوعِ طلاق کا حکم لگایا ہے اور احتمال کی نفی کی ہے۔ مثلا خانیہ میں ہے:

"ولو قیل للرجل أطلقت امرأتك فقال عدّها مطلقة واحسبها مطلقة لا تطلق امرأته"

(الخانیة ۲/۲۱۴)

مآل بہر حال ایک ہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ الغرض "احسبی، افرضی اور عدی" میں بتصریح فقہاء احتمال طلاق ہی نہیں، لہذا ''سمجھ لے'' میں بھی کسی قسم کا احتمال نہ ہوگا۔ اگر کوئی نیت بھی کرتا ہے تو طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔

یہاں بندہ فقط یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ اولاً یہ الفاظ "احسبی"، "افرضی" اور "عدی" وغیرہ ظاہر الروایۃ اور ائمہ مذہب سے منقول نہیں، بلکہ اکثر فقہاء نے ایک فارسی مکالمے میں [دادہ انکار] کے ترجمے میں ان کو ذکر کیا ہے اور ان میں اخبار نہ ہونے کی بنا پر احتمال طلاق کی نفی کی ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ بہت سے الفاظ کنائی میں ادنی احتمال کی بناء پر بھی نیت کے وقت وقوعِ طلاق کا قول کیا جاتا ہے تو یہاں "احسبی انك طالق" میں تو تصریح ہے، لہذا اسے انشاء کے معنی میں لے کر طالق کے لفظ صریح سے وقوع طلاق کا قول کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ نیز اس میں اگرچہ احتمال اخبار نہ ہو، لیکن یہ انشاء تو بن سکتے ہیں، لہذا احتمال اخبار نہ ہونا ان الفاظ کے کنایات میں سے ہونے کی نفی نہیں کرتا اور جب قائل [اپنے کو مطلقہ سمجھ]، [گمان کر کہ تو طلاق یافتہ ہے]، [فرض کر لے کہ تجھے طلاق ہوئی ہے] وغیرہ الفاظ استعمال کر کے طلاق کی نیت کر رہا ہے تو پھر ان صریح الفاظ میں صرف یہ کہہ کر کہ یہ اخبار نہیں لہذا ان میں احتمال ہی نہیں اور طلاق کا وقوع نہ ہوگا، یہ بات کچھ محل نظر معلوم ہوتی ہے اور یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ کنائی الفاظ میں احتمال کی بحث کو اتنا زیادہ پیچیدہ کیوں بنایا گیا ہے۔

یہ الفاظ تو بہر حال منصوص ہیں۔ غیر منصوص میں احتمال کا تعین کیسے ہوگا؟؟؟ ایک مفتی کہے گا کہ احتمال ہے، دوسرا ایک اور حجت سے کہے گا کہ احتمال ہی نہیں جبکہ طلاق کے وقوع کا مدار تو نیت پر ہے، پھر مطلقا احتمال مان کر (بالخصوص ایسے صریح الفاظ "احسبی أنك طالق" میں) اگر قائل نیت کر رہا ہے تو طلاق کے وقوع کا قول کرنا چاہیئے اور اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق کا وقوع نہ ہو لیکن مسئلہ (یعنی سمجھ لے کا لفظ) چونکہ منصوص فی الکتب ہے، لہذا بندہ اسی پر فتوی دینے کا پابند ہے چنانچہ [سمجھ لے تجھے طلاق ہے] سے نیت کے باوجود بھی طلاق کا وقوع نہ ہوگا، تو [سمجھ میری طرف سے کاغذ ہے] میں بدرجہ اولی طلاق کا وقوع نہ ہوگا، اگرچہ طلاق کی نیت سے بھی کہے ہوں

کیونکہ [سمجھ لے تجھے طلاق ہے] میں تو سمجھ لے کے ساتھ صریح طلاق کا لفظ ہے لیکن پھر بھی نیت کے باوجود طلاق نہیں ہو رہی (کیونکہ بتصریحِ فقہاء اس میں طلاق کا احتمال ہی نہیں) تو [سمجھ میری طرف سے کاغذ ہے] میں تو طلاق کے بجائے کاغذ ہے کا لفظ ہے جو کہ طلاق میں صریح نہیں تو یہاں بدرجہ اولی طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔

اگر قائل اس بات پر مصر ہے کہ اس نے یہ الفاظ طلاق کی نیت سے کہے ہیں تو اسے چاہیئے کہ ایک اور طلاق صریح دیدے اور بیوی کو علیحدہ کردے ان الفاظ سے بہر حال طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ هذا ما ظهر لي من الفتاح الوهاب

لما فى الخانية(۲/۲۱۴):ولو قيل لرجل أطلقت امرأتك فقال:عدّها مطلقة أواحسبها مطلقة لا تطلق امرأته۔

وفي البحر الرائق (۸/۴۱۸): مسائل متفرقة:(ولو قال الزوج داده أنكار وكرده أنكار) لا يقع الطلاق (وإن نوى الوقوع) والفرق بينهما أن في الأولى إخبارا عن وقوع فيقع الطلاق وفي الثاني ليس بأخبار لأن معنى قوله داده أنكار افرضي أنه وقع أو احسبي فلا يقع به شيء وأنكار بفتح الهمزة وسكون النون وفتح الكاف الصماء وفي آخره راء مهملة ومعناه افرضي وقدري۔

وفي مجمع الانهر(۴/۴۷۸):مسائل متفرقة:ولو قالت المرأة مراطلاق ده فقال الزوج داده كير أو كرده كير أو داده باد أو كرده باد معناه أعطني طلاقا فقال افرضي وقدري أنه قد أعطى أو أنه قد فعل أو أنه كان أعطى أو أنه كان قد فعل لأن قوله كير معناه الأصلي أمسك لكن معناه هنا افرضي وقدري إن نوى الطلاق يقع وإلا أي وإن لم ينو فلا يقع لاحتمال الوعد والإيقاع فيحتاج إلى نية الإيقاع ولو قال الزوج داده است في جواب قولها مراطلاق ده أو كرده است يقع الطلاق وإن لم ينو لأنه لا يحتمل غير الإيقاع فلا يحتاج إلى النية ولو قال داده آنكار وكرده آنكار لا يقع الطلاق وإن نوى الوقوع والفرق بينهما أن في الأول إخبارا عن الوقوع فيقع مطلقا وفي الثانية ليس بإخبار لأن معنى قوله داده آنكار افرضي أنه وقع أو احسبي فلا يقع به شيء۔

وفى الولو الجية(۲/۱۵):امرأة قالت لزوجها مرا طلاق ده فقال الزوج بالفارسية داده كير فههنا أربعة ألفاظ۔[إحداها:داده كير وكرده كير]،[والثانية:داده باذه ،باذ،وكرده كير] ، [والثالثة: داده است ،وكيرده است]،[والرابعة:داده انكار، وكرده انكار]ففى الوجه الأول والثانى :ينوى إن نوى الإيقاع؟ يقع وإلا فلا لأنه يحتمل الإيقاع والوعدوفى الوجه الثالث :يقع نوى أو لم ينو ولا يصدق فى ترك النية قضاء لأنه تحقيق ظاهر وفى الوجه الرابع لا يقع نوى أو لم ينو لأنها فارسية قوله عدى أنك طالق ولو قال ذلك ونوى لا يقع۔ الخ۔

(۶۷)"تیری بیوی کو طلاق" کے جواب میں "قبول ہے" کہنا

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو آدمیوں کا جھگڑا ہوا اور جھگڑے کے دوران تصفیہ کیلئے انہوں نے طلاق پر قسمیں کھائیں، ایک نے دوسرے سے کہا "تیری بیوی کو طلاق" دوسرے نے کہا "مجھے قبول ہے"۔ "اور تیری بیوی کو بھی طلاق" پہلے نے کہا "مجھے بھی قبول ہے"۔ کیا ایسی صورت میں طلاق ہو جاتی ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب.....صورت مسئولہ میں جب دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہوا اور تصفیہ کے لئے ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے سے اس طرح کہا کہ "تیری بیوی کو طلاق" پھر ان دونوں نے قبول بھی کرلیا تو ان دونوں کی بیویوں کو طلاق واقع ہوگئی۔

لمافی المحیط البرهانی (۴۹۳/۱۸): وفي المنتقى: إذا طلق الرجل امرأة رجل أو أعتق عبده أو باعه فقال الزوج أو المولى: رضيت بذلك أو قال: شئت ذلك، فهو إجازة.

وفی فتح القدیر (۳۰۷/۳): [قوله: فإن كل عقد] كالبيع والإجارة ونحوهما [صدر من الفضولي وله مجيز انعقد موقوفا على الإجازة] فإذا أجاز من له الإجازة ثبت حكمه مستندا إلى العقد فسر المجيز في النهاية بقابل يقبل الإيجاب سواء كان فضوليا أو وكيلا أو أصيلا وقال في فصل بيع الفضولي من نهاية الأصل عندنا أن العقود تتوقف على الإجازة إذا كان لها مجيز حالة العقد جازت وإن لم يكن تبطل۔

وفی الشامیة (۹۷/۳): قال في البحر الفضولي من يتصرف لغيره بغير ولاية ولا وكالة أو لنفسه وليس أهلا وإنما زدناه أي قوله أو لنفسه ليدخل نكاح العبد بلا إذن إن قلنا إنه فضولي وإلا فهو ملحق به في أحكامه اهـ والصبي كالعبد وإنما قال من يتصرف لا من يعقد ليدخل اليمين كما لو علق طلاق زوجة غيره على دخول الدار مثلا فإنه يتوقف على إجازة الزوج فإن أجاز تعلق فتطلق بالدخول بعد الإجازة لا قبلها ما لم يقل الزوج أجزت الطلاق علي ولو قال أجزت هذا اليمين علي لزمته اليمين ولا يقع الطلاق ما لم تدخل بعد الإجازة كما في الفتح عن الجامع۔

(۶۸)"میں آپ کو حق زوجیت سے خارج کرتا ہوں" کہنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن میری بیوی نے میرے سے جھگڑا کیا، مجھے برا بھلا کہا میں نے کافی سمجھایا لیکن وہ نہ مانی۔ بات بڑھتی گئی، اس نے مزید زبان درازی شروع کردی۔ میں نے اسی حالت میں کہا میں آپ کو

حق زوجیت سے خارج کرتا ہوں، آپ خاموشی سے چلی جائیں۔ وہ اپنے میکے رہ رہی ہے اب آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہیں؟ کیا اب میں اس کو آباد کرسکتا ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ "میں آپ کو حق زوجیت سے خارج کرتا ہوں" سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور دوبارہ آباد کرنے کیلئے عدت کے دوران رجوع کرسکتے ہیں۔

لمافي المحيط البرهاني (۴/۴۳۵): وفي فتاوى شمس الإسلام رحمه الله: إذا قال لها: أنا أبرأتك عن الزوجية يقع الطلاق من غير نية في حال الغضب وغيره۔

وفي البزازية على هامش الهندية (۴/۱۹۶): ولو قال أبرأتك عن الزوجية يقع بلا نية۔

وفي الهندية (۱/۳۷۶): وإذا قال لها أبرأتك عن الزوجية يقع الطلاق من غير نية في حالة الغضب وغيره كذا في الذخيرة۔

وفي الدرالمختار (۳/۳۹۷، ۳۹۹): (هي استدامة الملك القائم) بلا عوض ما دامت (في العدة)۔۔۔ (بنحو) متعلق باستدامة (راجعتك ورددتك ومسكتك) بلا نية لأنه صريح (و) بالفعل مع الكراهة۔

(۶۹) "میں تجھے پہلے نکاح کی طلاق دیتا ہوں" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکے کا نکاح بچپن میں والد نے کردیا تھا پھر بالغ ہونے کے بعد اس لڑکے نے دوبارہ اس لڑکی سے نکاح کرلیا۔ دو ماہ گزرنے کے بعد اس نے بیوی کو کہا میں آپ کو پہلے نکاح کی طلاق دیتا ہوں، دوسرے کی نہیں۔ اب لوگ کہہ رہے ہیں اس کی بیوی پر طلاق ہوچکی ہے جبکہ وہ بیوی کے ساتھ رہ رہا ہے۔ کہتا ہے میرا دوسرا نکاح موجود ہے۔ لوگ پریشان ہیں، راہنمائی چاہتے ہیں۔ آپ حضرات ہماری راہنمائی فرمائیں کہ اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوچکی ہے یا نکاح برقرار ہے اور یہ میاں بیوی والے تعلقات رکھ سکتے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... والد اگر اپنی اولاد میں سے کسی کا نکاح نابالغی کی حالت میں کرائے تو یہ نکاح صحیح اور منعقد ہوتا ہے، اس صورت میں اولاد کو خیار بلوغ بھی حاصل نہیں ہوتا، صورت مسئولہ میں اگر لڑکے نے ایک مرتبہ یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ میں تمہیں پہلے نکاح کی طلاق دیتا ہوں تو اس سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگئی اور دو مرتبہ کہے ہیں تو دو طلاق واقع ہوگئیں نیز طلاقِ رجعی میں مرد کو دوران عدت بغیر نکاح جدید کے رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اور عدت گزر جانے کے بعد رضامندی سے نکاح جدید کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور اگر تین مرتبہ یہ الفاظ استعمال کئے ہوں تو یہ لڑکی اس لڑکے پر حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہوگئی اور بغیر حلالہ شرعیہ کے دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنا یا رہنا حرام ہوگا۔

باقی لڑکے کا یہ کہنا کہ میں نے پہلے نکاح کی طلاق دی ہے دوسرے کی نہیں، یہ بات غلط ہے کیونکہ شریعت میں نکاح صحیح کے انعقاد پر مرد کو تین طلاقوں کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور طلاق کا یہ اختیار مرد کو ملک جدید کی بناء پر حاصل ہوتا ہے، جبکہ منکوحہ بیوی سے تجدید نکاح کی صورت میں ملک جدید حاصل نہیں ہوتی بلکہ نکاح سابق سے ثابت شدہ ملک کا استحکام مطلوب ہوتا ہے چونکہ الفاظ طلاق صریح ہیں، اس میں نیت کا اعتبار بھی نہیں، لہٰذا طلاق علی حسب ترتیب بالا واقع ہوگئی ہے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

وفی التاتارخانيه (۵۹۳/۳): وفی التجدید صريح الطلاق رجعی، واحدة كانت أو ثنتين، والرجعة استدامة النكاح عندنا وليست بعقد جديد، ولا تشترط لصحتها شرائط النكاح من الإشهاد ورضا المرأة، وتصح فی مادون الثلاث إذا كان اللفظ صريحا الخ۔

وفی الهندية (۴۷۵/۱): وإذا طلق امرأته طلقة أو طلقتين وانقضت عدتها وتزوجت بزوج آخر ودخل بها ثم طلقها وانقضت عدتها ثم تزوجها الأول عادت إليه بثلاث تطليقات ويهدم الزوج الثاني الطلقة والطلقتين كمايهدم الثلاث كذافي الاختيارشرح المختاروهو الصحيح كذا في المضمرات۔

رسالة

الحرف النهائی

فی

جعل الصریح قرینة النیة فی الکنائی

الفاظ کنائی سے طلاق کیلئے نیت کی ضرورت ہوتی ہے،

لیکن بسا اوقات کنائی کے ساتھ صریح الفاظ کا استعمال

کنائی سے نیتِ طلاق ہونے پر دال بن جاتا ہے، صریح کب دال بنتا ہے؟

نیز مسئلہ ھذا سے متعلق ابحاث پر شافی وکافی فتوی

(۷۰) طلاق کنائی کے قرینہ سے صریح بن جانے سے متعلق تحقیقی فتوی

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص بیوی سے کہتا ہے ''جاؤ میں نے تمہیں چھوڑ دیا'' اس سے کتنی طلاقیں ہوں گی؟ کیونکہ یہاں اس شخص نے دو الفاظ استعمال کئے ہیں ایک لفظ ''جاؤ'' دوسرا ہے ''میں نے تمہیں چھوڑ دیا''۔ اس دوسرے لفظ سے تو ایک طلاق بغیر نیت کے ہی واقع ہو جائے گی، کیونکہ یہ تو صریح ہے۔ سؤال یہ ہے کہ یہاں اس شخص نے جو ''جاؤ'' کہا ہے اس سے بھی بغیر نیت کے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ یا اس میں نیت کرنا ضروری ہے؟ کیونکہ اس سے آگے لفظ صریح کا استعمال کیا گیا ہے، جو اس سے بھی طلاق کا ارادہ ہونے پر قرینہ بن سکتا ہے۔

نیز جب ایک جملے میں کنائی اور صریح دونوں قسم کے الفاظ شوہر استعمال کرے تو کنائی میں نیت کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ اور صریح لفظ کنائی سے طلاق کی نیت ہونے پر دال ہوگا یا نہیں؟ اور کیا اس میں صریح کے پہلے یا بعد میں ہونے کی قید ہے؟ مفتی صاحب اس مسئلے کی وضاحت کو فقہاء کی عبارات کے ساتھ مدلل ومفصل تحریر فرما دیں کیونکہ بندہ کی کوتاہ نظر میں ہمارے اکابرین کے فتاوی اس بارے میں معارض ہیں۔ بعض اکابرین نے تو سرے سے اس بات کی طرف التفات ہی نہیں فرمایا۔ انہوں نے ہر حال میں کنائی میں نیت کو شرط قرار دیا ہے۔ چاہے اس سے پہلے یا بعد میں صریح طلاق کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہو، جبکہ فتاوہ محمودیہ (۱۲/ ۵۰۹ فاروقیہ) میں ایک جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ کنائی کے بعد صریح آنے کی وجہ سے انہوں نے کنائی میں نیت کی شرط نہیں لگائی، بغیر نیت کے بھی اس سے طلاق پڑ جانے کا فتوی دیا ہے۔ اس کے بالمقابل احسن الفتاوی (۵/ ۱۴۲) پر خیر المدارس کے ایک فتوی [جو حضرت مولانا عبداللہ صاحب کی طرف سے تھا وہ یوں ہے کہ چاہے صریح کنائی سے پہلے ہو یا بعد، دونوں صورتوں میں یہ لفظ کنائی سے نیت طلاق پر دال ہوگا] اس پر حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشکال کیا ہے کہ اس لفظ کنائی سے نیت طلاق پر دال وہ صریح طلاق ہوگی جو پہلے ہو۔ بعد والی صریح طلاق پہلے والے کیلئے دال نہیں ہوگی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات اور فقہاء کے کلام کی روشنی میں جو مسئلہ کی صحیح صورت ہو، اس کی وضاحت فرما دیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب

قاعدہ یہ ہے کہ قرینہ ہمیشہ مقدم ہوتا ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مع أنه مذکور بعده والقرینة لا بد أن تتقدم کما یعلم مما مر فی اعتدی ثلاثا"
(الشامیة۳/۳۱۴)

ترجمہ۔ حالانکہ یہ اذھبی کے بعد مذکور ہے اور قرینہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ پہلے ہو جیسا کہ اعتدی ثلاثا کے مسئلہ میں معلوم ہو گیا۔

لہذا جس صورت میں صریح اور کنایہ ایک ہی جملے میں استعمال ہوئے ہوں وہاں اگر صریح مقدم ہو تو یہ صریح کنائی کے لفظ سے نیت طلاق پر دال ہوگا اور جہاں کنائی لفظ پہلے ہو اور صریح بعد میں تو چونکہ صریح بعد میں ہے اور قرینہ کیلئے پہلے ہونا ضروری ہے اس لئے یہاں صریح کنائی کے لفظ سے نیت طلاق پر دال نہ ہوگا اور کنائی لفظ سے وقوع طلاق کیلئے نیت شرط ہوگی۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے دلالۃ الحال میں قرینہ حالیہ اور قرینہ مقالیہ دونوں کو شامل کرنے کے بعد قرینہ حالیہ کو حال غضب میں اور قرینہ مقالیہ کو تقدمِ ذکرِ طلاق میں منحصر فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قوله (وهی حالة مذاکرة الطلاق) أشار به إلی ما فی النهر من أن دلالة الحال تعم دلالة المقال قال وعلی هذا فتفسر المذاکرة بسؤال الطلاق أو تقدیم الإیقاع کما فی اعتدی ثلاثا وقال قبله المذاکرة أن تسأله هی أو أجنبی الطلاق۔ (الشامیة۳/۲۹۷۔ باب الکنایات)

لہذا صورت مسئولہ میں چونکہ لفظ ''جاؤ'' کنائی لفظ ہے اور یہ پہلے واقع ہوا ہے بعد میں ''میں نے تمھیں چھوڑ دیا'' ہے، جو کہ صریح ہے، لہذا اس دوسرے لفظ سے بغیر نیت کے ایک طلاق پڑ جائے گی اور لفظ ''جاؤ'' سے اگر نیت طلاق ہو تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔

لمافی النهر الفائق(۲/۲۵۶): باب الکنایات: اعلم أن دلالة الحال تعم دلالة المقال أیضا وعلی هذا فتفسیر المذاکرة بسؤال الطلاق أو تقدیم الإیقاع کما سیأتی فی اعتدی ثلاثا۔

وفی الشامیة(۳/۲۹۷): باب الکنایات: قوله (وهي حالة مذاكرة الطلاق) أشار به إلى ما في النهر من أن دلالة الحال تعم دلالة المقال قال وعلى هذا فتفسر المذاكرة بسؤال الطلاق أو تقديم الإيقاع كما في اعتدي ثلاثا وقال قبله المذاكرة أن تسأله هي أو أجنبي الطلاق۔

وفیه أیضا(۳/۲۹۹): وأما إذا تعورف استعماله في مجرد الطلاق لا بقيد كونه بائنا يتعين وقوع الرجعي به كما في فارسية سرحتك ومثله ما قدمناه في أول باب الصريح من وقوع الرجعي بقوله سن بوش أو بوش أو في لغة الترك مع أن معناه العربي أنت خلية وهو كناية لكنه غلب في لغة الترك استعماله في الطلاق هذا ما ظهر لفهمي القاصر ولم أر أحدا ذكره وهي مسألة مهمة كثيرة الوقوع فتأمل۔۔۔۔۔ وأیضا فیه: بخلاف فارسية قوله سرحتك وهو رها كردم لأنه صار صريحا في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري اهـ۔

وكذا فيه(٢/٢٠٤). باب الكنايات: قوله (قال اعتدي ثلاثا) أي قاله ثلاث مرات ـ ـ ـ قوله (بنية الأول) أي دلالة الحال بسبب نيته الإيقاع بالأول قال في فتح القدير فقد ظهر مما ذكر ان حالة مذاكرة الطلاق لا تقتصر على السؤال وهو خلاف ما قدموه من أنها حال سؤالها أو سؤال أجنبي طلاقها بل هي أعم منه ومن مجرد ابتداء الإيقاع ـ ـ ـ قوله (لو نوى بالثاني فقط) أي نوى به الطلاق ولم ينو بغيره شيئا فثنتان أي يقع به واحدة وكذا بالثالث أخرى وان لم ينو به لدلالة الحال بإيقاع الثاني ولا يقع بالأول شيء لأنه لم ينو به ودلالة الحال وجدت بعده.

(۷۱) لفظ حرام بول کر تین طلاق کی نیت کرنا

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مولانا صاحب نے مجھے ایک دن بتایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے کہ تو حرام ہے اور اس کی نیت تین طلاق کی ہو تو تین طلاق واقع ہوں گی۔ میں نے سوچا کہ ایک لفظ سے تین طلاق کیسے ہوں گی؟ لہٰذا میں نے دارالافتاء سے رابطہ کیا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب.....صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات ملحوظ رہے کہ لفظِ حرام سے طلاق کیلئے طلاق کی نیت کی ضرورت نہیں بغیر نیت کے بھی لفظ حرام بولنے سے طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے البتہ لفظ حرام میں ایک اور تین طلاقِ بائنہ دونوں کا احتمال موجود ہے اور اس کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ مذکورہ صورت میں مولانا صاحب کی بات درست ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ "تو حرام ہے" اور ان الفاظ سے اس کی نیت تین طلاقیں دینے کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ لفظِ حرام کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور طلاق بائن میں اگر تین طلاق کی نیت کی جائے تو تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

یہاں پر ایک لفظ سے تین طلاق کی نیت صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ لفظ حرام سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور بینونت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خفیفہ

(۲) غلیظہ

خفیفہ ایک طلاق کی نیت سے حاصل ہوجاتی ہے اور غلیظہ تین کی نیت سے، لہٰذا متکلم اگر ایک کی نیت کرلے تو وہ بھی درست ہے اور اگر تین کی نیت کرلے تو یہ بھی درست ہے اور مذکورہ صورت میں چونکہ قائل نے تین طلاقوں کی نیت کی ہے لہٰذا تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

لمافی البحرالرائق(۵۲۱/۳) وتصح نية الثلاث ـ ـ ـ ولا تصح نية الثنتين في الحرة لما قدمناه أنه عدد محض بخلاف الثلاث لأنه كل الجنس ولأن البينونة متنوعة إلى غليظة وخفيفة فأيهما نوى صحت نيته۔

وفی الشامیة (۲۹۹/۳) کتاب الطلاق فصل فی الکنایات: وأجيب بأن المتعارف إنما هو إيقاع البائن لا الرجعي حتى لو قال لم أنو لم يصدق ولو قال مرتين ونوى بالأولى واحدة وبالثانية ثلاثا صحت نيته عند الإمام وعليه الفتوى كما في البزازية ـ ـ ـ وإن الحرام في الأصل كناية يقع بها البائن لأنه لما غلب استعماله في الطلاق لم يبق كناية ولذا لم يتوقف على النية أو دلالة الحال۔

(٧٢) "فلاں لڑکی کے ہمراہ شادی نہیں کرنا چاہتا ہے" کے الفاظ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ مہر علی اور احمد بخش نے یہ طے کیا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لڑکوں کو اپنی اپنی لڑکی نکاح کیلئے دیں گے۔ مہر علی نے اپنی لڑکی کا نکاح احمد بخش کے لڑکے شبیر احمد سے کرادیا، مگر احمد بخش نے نابالغہ لڑکی کا نکاح اس شرط پر کرایا کہ رخصتی بالغہ ہونے کے بعد کریں گے۔ پھر احمد بخش کے لڑکے عبدالکریم نے مہر علی کے لڑکے اعجاز حسین سے اس لف شدہ تحریر پر دستخط کرالئے [1] نیز اسی اعجاز حسین سے احمد بخش کی نابالغہ لڑکی کا نکاح ہو چکا ہے۔ اب اُسی اعجاز حسین نے اس تحریر "اب فریقِ اوّل فریق دوئم کی بیٹی کے ہمراہ شادی نہیں کرنا چاہتا ہے" پر دستخط کردیئے۔ نیز فریق اوّل سے مراد مہر علی اور فریق دوم سے مراد احمد بخش ہے۔ اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) نکاح کے بعد اعجاز حسین کا اس تحریر پر دستخط کرنے کا حکم کیا ہے اور اب وہ یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ اس میں کیا لکھا ہے جبکہ وہ پڑھا لکھا ہے۔

(۲) نکاح کے بعد اس عدالتی تحریر کا کیا حکم ہے؟

(۳) بالغہ ہونے کے بعد لڑکی کو خیار بلوغ ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱) صورت مسئولہ میں مذکورہ الفاظ طلاق کے الفاظ نہیں، ان پر اگر تلفظ بھی کرلیا جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

(۲) عدالتی تحریر صرف گواہوں کے ثبوت کی تحریر ہے، اس کے علاوہ اس پر کچھ اثر مرتب نہیں ہوتا۔

(۳) نابالغ لڑکے، لڑکی کا نکاح اگر باپ کرائے تو ان کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوتا۔

لمافی المحیط البرھانی (٤٣٣/٤): قال لم أتزوجك ونوى الطلاق لايقع الطلاق بالإجماع۔

وفيه أيضاً (٤٣٥/٤): وعن أبي حنيفة رحمه الله إذا قال: لا حاجة لي فيك فليس بطلاق وإن نوى؛ لأن نفي الحاجة لا ينفي الزوجية، ولا أحكامها لأن النكاح نكاح مع عدم الحاجة فإن الإنسان قد يتزوج بمن لا حاجة له فيها.

وفی الشامية (٦٥/٣): قوله (بخلاف قول الصغيرة) أي التي زوجها غير الأب والجد أما من زوجاها فلا خيار لها ط۔

---

[1] تحریر میں موجود بنیادی الفاظ "اب فریقِ اوّل فریق دوئم کی بیٹی کے ہمراہ شادی نہیں کرنا چاہتا ہے" سوال میں ذکر ہیں لہذا تحریر کو طبع نہیں کیا جا رہا۔ ازمرتب

(۷۳) "سب کو الگ کر دیتا ہوں" کے الفاظ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے اپنی والدہ اور اپنے سسرال والوں جن میں میری اہلیہ بھی شامل ہیں کہ درمیان رنجشوں کو ختم کرنے کیلئے اپنی والدہ سے کہا اگر آپ لوگ مل جل کر نہیں رہ سکتے تو آپ لوگ الگ ہو جائیں، ایسا کہنے پر میری والدہ کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ میں اپنی والدہ کو چھوڑ کر اپنی اہلیہ کے ساتھ الگ ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے اس اشکال کو دفع کرنے کیلئے یہ کہا کہ میں آپ کے ساتھ ہوں، باقی سب کو الگ کر دیتا ہوں یا کرتا ہوں جبکہ ایسا نہ تو میں چاہتا ہوں اور نہ ہی بولتے وقت میری نیت ایسا کرنے کی تھی۔ مقصود یہ تھا کہ میری والدہ تھوڑا سا درگذر سے کام لیں اور میری والدہ بھی یہ نہیں چاہتیں کہ میں اور میری بیوی الگ ہو جائیں۔ مہربانی فرما کر مسئلے کا حل بتا دیں۔ واضح رہے کہ یہ ساری باتیں میری بیوی کی غیر موجودگی میں ہوئیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ آدمی کا اپنی والدہ کو یہ کہنا کہ میں آپ کے ساتھ ہوں باقی سب کو الگ کر دیتا ہوں یا کرتا ہوں جن میں اس کی اہلیہ بھی شامل ہے اگر اس سے اپنی اہلیہ کو طلاق دینے کی نیت نہیں تھی جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے تو پھر مذکورہ آدمی کی اہلیہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی البتہ طلاق کی نیت نہ ہونے کی صورت میں مذکورہ آدمی اس پر قسم اٹھائے گا کہ میری ان الفاظ سے طلاق کی نیت نہیں تھی۔

لما فی الطحطاوی (۲/۱۳۳۔۱۳۴): فارقتك لايحتمل الرد والسب بل هو متعين للجواب ففی حالة الرضی تتوقف الأقسام الثلاثه تأثيرا علی نيته للاحتمال أی احتمال نية الطلاق بها وعدم النية ولاقرينة فلا وجه لإيقاء الطلاق إلا بالنية۔(قوله بيمينه) اليمين لازمة له سواء ادعت الطلاق ام لا حقا لله۔

وفی الدرالمختار كتاب الطلاق بالكنايات (۳/۲۹۸):فالحالات ثلاث رضا وغضب ومذاكرة والكنايات ثلاث ما يحتمل الرد أو ما يصلح للسب أو لا ولا (فنحو اخرجي واذهبي) ـــ (يحتمل ردا ونحو خلية برية) ـــ (يصلح سبا ونحو اعتدي واستبرئي رحمك أنت واحدة أنت حرة اختاري أمرك بيدك سرحتك فارقتك لا يحتمل السب والرد ففي حالة الرضا) أي غير الغضب والمذاكرة (تتوقف الأقسام) الثلاثة تأثيرا (على نية) للاحتمال والقول له بيمينه في عدم النية۔

(۷۴) تین پتھر دینے سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ایک سال پہلے شادی ہوئی تھی سب حالات ٹھیک

چل رہے تھے لیکن پھر میرے اور میری بیوی کے درمیان حالات خراب ہوگئے اور لڑائی جھگڑے تک نوبت آگئی میری بیوی اپنے میکے چلی گئی میری بیوی کے خاندان والوں نے مجھے کہا کہ تم اس کو طلاق دے دو۔ میں نے ان سے کہا کہ تم مجھے شادی کا خرچہ جو کہ ستر ہزار روپے ہوا تھا وہ دے دو تو میں اس کو چھوڑ دوں گا اور ہمارے ہاں عرف میں طلاق کیلئے تین پتھر دیئے جاتے ہیں۔ ہم نے مل کر یہ مشورہ کیا کہ مجھے ستر ہزار روپے دے دو تو میں اس کو چھوڑ دوں گا۔ ہم نے ایک ثالث مقرر کیا تھا جس کو میں نے تین پتھر دے دیئے اور اس سے کہا کہ اگر انہوں نے مجھے پیسے دے دیئے تو آپ یہ پتھر ان کو دے دینا۔ میں نے دیتے وقت طلاق کے الفاظ نہیں کہے۔ تھے پھر تھوڑے عرصے بعد میری بیوی واپس آگئی اور ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے لگے اور میں نے اس سے کہا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی لہٰذا ہم دونوں ایک ساتھ رہ سکتے ہیں لیکن ان کے گھر والوں نے کہا کہ طلاق واقع ہوگئی ہے حالانکہ انہوں نے مجھے وہ پیسے بھی نہیں دیئے ہیں۔ اب میرا اور ان کا اختلاف ہے میں کہتا ہوں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی جبکہ وہ کہتے ہیں کہ طلاق واقع ہوگئی ہے۔ برائے مہربانی شریعت کی رو سے فیصلہ فرمائیں کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....اگر آپ نے واقعتاً طلاق کے الفاظ نہیں کہے تھے۔ صرف تین پتھر دیئے تھے تو طلاق واقع نہیں ہوئی ہے اور یہ عورت بدستور آپ کی بیوی ہے۔

لمافي الهندية (۱/۳۵۷):ولو قالت لزوجها طلقني فأشار بثلاث أصابع وأراد بذلك ثلاث تطليقات لا يقع ما لم يقل بلسانه هكذا كذا في الظهيرية۔

وفي الشامية (۳/۲۳۰): قوله (وركنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح أو كناية فخرج الفسوخ على ما مر --- وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوي الطلاق ولم يذكر لفظا صريحا ولا كناية لا يقع عليه كما أفتى به الخير الرملي وغيره وكذا ما يفعله بعض سكان البوادي من أمرها بحلق شعرها لا يقع به طلاق وإن نواه۔

(۷۵) بیوی کی طرف تین نوٹ اچھالنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا بیوی سے جھگڑا ہوا کہ میری بیوی غیر آدمی کے ساتھ ٹیلیفون پر بات کر رہی تھی۔ میں گھر میں داخل ہوا تو موبائل بند کر دیا۔ میں نے پوچھا کس کا فون ہے؟ تو اس نے کہا کہ رونگ نمبر تھا جس کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اپنی بیوی کو مارا بھی تھا۔ میں نے غصے میں تین نوٹ دس روپے والے اس کی طرف پھینک دیئے، وہ نوٹ میری بیوی نے نہیں اٹھائے بلکہ گھر کے بچے نے اٹھالئے تھے، پھر میں اپنے بچوں کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے چلا گیا اور میری بیوی اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی۔ کیا اس صورت میں طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر آپ نے جھگڑے وغیرہ کے دوران طلاق کے الفاظ استعمال نہیں کئے،

نہ صراحت کیساتھ اور نہ ہی اشارۃً، بلکہ صرف طلاق کی نیت سے نوٹ پھینکے ہیں زبان سے کچھ نہیں کہا تو اس سے آپ کی بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لمافی الشامیة (۲۳۰/۳): وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوي الطلاق ولم يذكر لفظا صريحا ولا كناية لا يقع عليه كما أفتى به الخير الرملي وغيره۔

(۷۶) "اگر میں تیرے بھائی کے گھر گیا تو تجھے طلاق" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو قسم دے کر یہ کہے کہ اگر میں تمہارے بھائی کے گھر گیا تو تجھ کو طلاق ہوجائے اور اس نے طلاق کی نیت نہیں کی۔ کیا ان الفاظ سے بغیر نیت کے طلاق ہوجاتی ہے؟ شرعی احکامات بتائیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

نوٹ: کیا شریعت میں اس قسم کے بارے میں کوئی حل موجود ہے کہ وہ آدمی اپنے سالے کے گھر بھی جائے اور اس کی بیوی کو طلاق بھی واقع نہ ہو؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کا اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہنے سے کہ "میں اگر تمہارے بھائی کے گھر گیا تو تجھ کو طلاق ہوجائے" جب مذکورہ شخص اپنے سالے کے گھر جائے گا تو اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی۔ یہ الفاظ کنائی نہیں بلکہ صریح ہیں البتہ یہ تعلیق کی قسم ہے اس میں فی الفور طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ شرط کے وجود کے وقت طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

رجعی کا مطلب یہ ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے شوہر اپنی بیوی سے قولاً یا فعلاً رجوع کرلے اور رجوع کرنے کے بعد شوہر دو طلاق کا مالک ہوگا نیز یہاں حیلہ کی ضرورت نہیں کیونکہ اس نے صرف ایک طلاق کو سالے کے گھر جانے پر موقوف کیا ہے [نہ کے تین طلاقیں]۔

لما فی الهندية (۳۵۴/۱): الفصل الأول في الطلاق الصريح وهو كأنت طالق ومطلقة وطلقتك وتقع واحدة رجعية وإن نوى الأكثر أو الإبانة أو لم ينو شيئا كذا في الكنز۔

وفی الدرالمختار (۳۴۴/۳): (شرطه الملك) حقيقة --- أو حكما --- (كقوله لمنكوحته) أو معتدته (إن ذهبت فأنت طالق)۔

وفيه أيضا(۳۵۲/۳): (وفيها) كلها (تنحل) أي تبطل (اليمين) ببطلان التعليق (إذا وجد الشرط مرة إلا في كلما فإنه ينحل بعد الثلاث) لاقتضائها عموم الأفعال۔

وفی الشامية تحته (۳۵۲/۳): قوله (أي تبطل اليمين) أي تنتهي وتتم وإذا تمت حنث فلا يتصور

الحنث ثانيا إلا بيمين أخرى لأنها غير مقتضية للعموم والتكرار لغة نهر۔

(٧٧) بیوی کو "طلاق یافتہ" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے بار بار کئی مواقع پر "اے طلاق یافتہ" کہے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......اپنی ایسی بیوی کو جو پہلے کسی کی مطلقہ نہ ہو "اے طلاق یافتہ" کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین بار اکٹھے یا مختلف اوقات میں "طلاق یافتہ" کہے تو عورت تین طلاقوں کے ساتھ ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائے گی اور آئندہ یہ دونوں میاں بیوی ازدواجی تعلقات قائم نہیں رکھ سکتے البتہ اگر وہ عورت پہلے کسی دوسرے مرد سے طلاق یافتہ ہو تو پھر اس مرد کے اس قول سے طلاق کا دارومدار مرد کی نیت پر ہوگا اگر یہ وہی پہلے مرد کی طلاق یافتہ مراد لیتا ہے تو طلاق نہ ہوگی اور اگر اپنے سے طلاق یافتہ مراد لیتا ہے تو پھر ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

لمافی المحيط البرهانی (٣٩٣/٤): إذا قال لامرأته: يا مطلقة وقع الطلاق عليها، ولو قال: أردت به الشتم دين فيما بينه وبين الله تعالى ولم يدين في القضاء؛ لأنه وصفها بالطلاق ---- ولو قال: أردت طلاق زوج كان لها قبل ذلك إن لم يكن لها زوج قبل ذلك لا يلتفت إلى قوله، وكذا إذا كان لها زوج قبل ذلك وقد مات عنها زوجها لا يلتفت إلى قوله. وإن كان قد طلقها صدق ديانة باتفاق الروايات ويدين في القضاء في رواية أبي سليمان لأنه وصفها بطلاق واقع والطلاق لا يختص بإيقاع زوج دون زوج فيصدق في ذلك۔

وفی الشامية (٢٥١/٣): قوله (وكذا لو نوى الخ) قال في البحر ومنه أي من الصريح يا طالق أو يا مطلقة بالتشديد ولو قال أردت الشتم لم يصدق قضاء ودين خلاصة ولو كان لها زوج طلقها قبل فقال أردت ذلك الطلاق صدق ديانة باتفاق الروايات وقضاء في رواية أبي سليمان وهو حسن كما في الفتح وهو الصحيح كما في الخانية ولو لم يكن لها زوج لا يصدق وكذا لو كان لها زوج قد مات اه قلت وقد ذكروا هذا التفصيل في صورة النداء كما سمعت ولم أر من ذكره في الإخبار كأنت طالق فتأمل۔

(٧٨) "طلاق دے رہا ہوں" کے الفاظ سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک سال قبل میرا اپنی بیوی سے اوپر کے کمرے میں جھگڑا

ہوا۔ وہ زبان درازی کر رہی تھی۔ میں نے غصہ میں آکر اس کو کہا کہ نیچے آؤ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ پھر میں اس کا ہاتھ پکڑ کر نیچے لے آیا اور اپنی والدہ سے کہا کہ اس کو سمجھالو اس نے میرا دماغ خراب کیا ہوا ہے لیکن دوبارہ طلاق کے الفاظ استعمال نہیں کئے۔

کل رات میرا اور میری بیوی کا جھگڑا ہوا تو کہنے لگی میں خلع لے لوں گی۔ میری بیوی دوسرے کمرے میں تھی اور ایک گھنٹہ سے مسلسل زبان درازی کر رہی تھی۔ میں نے پکارا آؤ میں تمہیں طلاق دے رہا ہوں۔ وہ نہیں آئی تو پھر پکارا آؤ میں تمہیں طلاق دے رہا ہوں۔ اس پر میری بیوی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کیا آپ طلاق دے رہے ہیں۔ میں نے کہا: ہاں جاؤ میں دے رہا ہوں اور میں کیا کروں۔ میری بیوی نے کہا چلو اچھا ہے، اب تو طلاق ہوگئی جبکہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا میں صرف ڈرانے کیلئے کہہ رہا تھا۔

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں آپ کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ میں تمہیں طلاق دے رہا ہوں اور بیوی کے سوال کے جواب میں بھی ان ہی الفاظ کا دھرانا اس سے تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور اب آپ کی (مذکورہ) بیوی آپ پر حرام ہے، کیونکہ مذکورہ الفاظ طلاق صریح کے ہیں اور طلاق صریح میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

لما في جامع الترمذي (۲۲۵/۱): باب ماجاء في الجد والهزل في الطلاق: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النكاح والطلاق والرجعة . قال أبو عيسى هذا حديث حسن غريب. والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم.

وفي الدر المختار (۲۴۸/۳): (ويقع بها) أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح۔

وفي الرد تحته: قوله (وما بمعناها من الصريح) أي مثل ما سيذكره من نحو كوني طالقا واطلقي ويا مطلقة بالتشديد وكذا المضارع إذا غلب في الحال مثل أطلقك كما في البحر۔

(۷۹) چھوڑنے، آزاد کرنے اور بعض دیگر کنائی الفاظ کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لفظ "سرحتك"، " أنت حرة"، "آزاد کرنا" اور "میں نے تجھے چھوڑ دیا"، "خلية"، "رھا کردم"، "میرے سے فارغ ہے"، " فارغ خطی "ان الفاظ سے کونسی طلاق واقع ہوتی ہے طلاق رجعی یا طلاق بائن؟ اگر طلاق بائن واقع ہوتی ہے تو طلاق بائن صریح واقع ہوتی ہے یا غیر صریح؟ اور یہ الفاظ کنایات کے قبیل سے ہیں یا الفاظ صریحہ ہیں؟ نیز ان الفاظ کے معانی بھی ذکر کردیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب......(۱) الفاظ طلاق عرف پر مبنی ہیں۔ جو الفاظ کسی بھی زبان میں طلاق ہی میں مستعمل ہوں تو ان سے بغیر نیت کے بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوجاتی ہے جیسے "انت طالق" میں تمہیں طلاق دیتا ہوں لیکن صریح لفظ (الطلاق) کو اگر ایسی صفت کے ساتھ استعمال کیا جائے جس میں شدت کا معنی پایا جاتا ہو تو پھر ان سے ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی جیسے "الطلاق

کالجبل. تطليقة شديدة" نیز کنایات سے عموماً طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے۔

(۲) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ دولفظ "سرحتك" کا فارسی ترجمہ ''رہاء کردم'' [فارس کے عرف میں] اور "حرام" صریح بن گئے ہیں اس کے علاوہ جو لفظ جس عرف میں فقط طلاق کیلئے استعمال ہوتا ہو تو وہ لفظ صریح بن جائے گا اور اس سے بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائے گی۔

"الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت"

"سرحتك" کا اردو ترجمہ ''میں تجھے چھوڑتا ہوں'' ہمارے عرف میں بھی صرف طلاق کیلئے مستعمل ہے لہذا اس سے بغیر نیت کے طلاقِ رجعی واقع ہو جائے گی۔ "سرحتك" (میں تجھے چھوڑتا ہوں) اور "أنت حرة" (تو آزاد ہے) اگرچہ دونوں الفاظ قریب المعنی ہیں لیکن "أنت حرة" عربی زبان میں طلاق کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ اس میں جس طرح نکاح سے حرة (آزاد) ہونے کا احتمال ہے اسی طرح پابندیوں یا غلامی وغیرہ سے آزاد ہونے کا بھی احتمال ہے، اسی طرح "سرحتك" کا لفظ عربی میں کنایہ ہے۔

البتہ "سرحتك" کا فارسی ترجمہ ''رہاء کردم'' علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق صریح بن گیا ہے لہذا اس سے بغیر نیت کے بھی طلاق رجعی واقع ہو جائے گی نیز "سرحتك" کا اردو ترجمہ ''میں تجھے چھوڑتا ہوں'' بھی ہمارے عرف میں صریح ہے اور اسی طرح "أنت حرة" کا اردو ترجمہ یعنی "تو آزاد ہے" یہ بھی اردو زبان میں صریح بن چکا ہے اگرچہ اس میں بھی دونوں طرح کے طلاق اور غیر طلاق کے احتمال موجود ہیں لیکن اردو میں یہ لفظ صرف طلاق میں مستعمل ہے لہٰذا یہ صریح ہے اور ان سے بغیر نیت کے طلاقِ رجعی واقع ہو جائے گی۔

"آزاد کرنا اور چھوڑنا" یہ دونوں الفاظ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک کنایات طلاق میں سے "فارقتك" اور "أنت حرة" کی طرح ہیں اگر طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق بائن واقع ہوگی ورنہ نہیں ہوگی[1]

---

[1] دیکھئے: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۹/۲۶۱) عنوان: ''آزاد کر دیا'' تین مرتبہ کہا تو کون سی طلاق ہوئی۔
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۹/۳۰۷) عنوان: غصہ میں ''سرحتک، فارقتک'' کہا کیا حکم ہے۔
کفایت المفتی (۶/۴۳) عنوان: بیوی کو کہا ''تجھ کو چھوڑتا ہوں''، ''گھر سے نکل جا''۔
کفایت المفتی (۶/۳۸۳) عنوان: شوہر نے کہا ''میں نے آزاد کیا'' تو کون سی طلاق واقع ہوئی [اس فتوی میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''آزاد کیا'' کو کنائی بائن بنایا ہے البتہ غصہ کے موجود ہونے یا نہ ہونے میں اشتباہ کی بنا پر احتیاطاً تجدیدِ نکاح کا حکم دیا ہے لیکن محشی سے یہ تسامح ہوا ہے کہ اس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ''آزاد کیا'' میں صریح بائن کا قرار دے دیا ہے جو کہ نقلاً وعقلاً خلافِ ظاہر ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ]

لیکن حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی، مولانا محمود الحسن گنگوہی، اور مولانا عبدالرحیم لاجپوری رحمہم اللہ کے نزدیک یہ دونوں الفاظ "سرحتک (بہشتی رہا کردم)" کی طرح صریح بن گئے ہیں اوران سے بغیر نیت کے بھی ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔[1]

ہمارے نزدیک ان دونوں لفظوں [آزاد کرنا اور چھوڑنا] میں فتاویٰ محمودیہ، امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ رحیمیہ کا قول راجح ہے کہ یہ دونوں لفظ (آزاد کرنا، چھوڑنا) صریح ہیں اوران سے ایک طلاق رجعی بغیر نیت کے واقع ہوجائے گی اوران دونوں لفظوں کے معنی میں وہ شدت بھی نہیں ہے جولفظ حرام کے معنی میں ہے لہٰذا ان سے ایک طلاق رجعی ہی واقع ہوگی۔

سوال میں مذکور دیگر الفاظ کنائی ہیں۔ "خلية"، "أنت حرة" اور "میرے سے فارغ ہے" سے اگر طلاق کی نیت کی ہوتو طلاق بائن واقع ہوگی ورنہ طلاق نہیں ہوگی البتہ "میرے سے فارغ ہے" سے متعلق اس بات کو ذہن نشین رکھا جائے کہ یہ کنائی کے ان الفاظ کی قبیل سے ہے جوصرف جواب بننے کا احتمال رکھتے ہیں نیز جوالفاظ فقط جواب بننے کا احتمال رکھتے ہوں ان سے متعلق حکم یہ ہے کہ حالتِ غضب اور مذاکرہ طلاق میں بغیر نیت کے طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے لہٰذا مذکورہ الفاظ (میرے سے فارغ ہے[2]) سے حالت غضب اور مذاکرہ طلاق میں بغیر نیت کے طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور اگر حالت رضا ہو [یعنی غصہ کی حالت نہ ہو اور طلاق کا ذکر بھی نہ چل رہا ہو] تو یہ الفاظ نیت کے محتاج ہوں گے۔

فارغ خطی۔ فیروز اللغات میں اس کا ترجمہ یوں کیا ہے "بے تعلقی کی تحریر جو میاں بیوی کے درمیان ہو، طلاق نامہ" (فیروز اللغات ۲/۹۲۱) لہٰذا طلاق نامہ چونکہ تفریق کیلئے ہی ہوتا ہے اس لئے اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور چونکہ یہ طلاق کیلئے متعارف ہے لہٰذا اس سے بغیر نیت کے طلاق بائن واقع ہوگی۔

لمافي الشامية (۲۹۹/۳): بخلاف فارسية قوله سرحتك وهو " رهاء كردم " لأنه صار صريحا في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري اهـ وقد صرح البزازي أولا بأن : حلال الله علي حرام أو الفارسية لا يحتاج إلى نية . حيث قال : ولو قال حلال " أيزدبروي " أو حلال الله عليه حرام لا حاجة إلى النية . وهو الصحيح المفتى به للعرف وأنه يقع به البائن لأنه المتعارف ثم فرق بينه وبين سرحتك فإن سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب

---

[1] دیکھئے: فتاویٰ محمودیہ (۱۲/۳۴۱) عنوان: لفظ "چھوڑ دیا" سے طلاق کا حکم۔
فتاویٰ محمودیہ (۱۲/۵۰۴) عنوان: "میں نے آزاد کی، میرا تیرا کچھ واسطہ نہیں" کا حکم۔
امداد الفتاویٰ (۲/۴۵۴، ۴۲۵) عنوان: لفظ "آزاد کردی" طلاق صریح ہے۔
فتاویٰ رحیمیہ (۸/۳۰۳) عنوان: "آزاد کردی" بحکم صریح ہے۔

[2] یا فارغ کے لفظ کے ساتھ کوئی بھی دیگر جملہ، مثلاً "میں تجھے فارغ کرتا ہوں"۔ از مرتب

استعماله في الصريح فإذا قال "رها كردم" أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا . وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الفرس استعماله في الطلاق وقد مر أن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت ، لكن لما غلب استعمال حلال الله في البائن عند العرب والفرس وقع به البائن ولولا ذلك لوقع به الرجعي .والحاصل أن المتأخرين خالفوا المتقدمين في وقوع البائن بالحرام بلا نية حتى لا يصدق إذا قال لم أنو لأجل العرف الحادث في زمان المتأخرين . فيتوقف الآن وقوع البائن به على وجود العرف كما في زمانهم .وأما إذا تعورف استعماله في مجرد الطلاق لا بقيد كونه بائنا يتعين وقوع الرجعي به كما في فارسية سرحتك ومثله ما قدمناه في أول باب الصريح من وقوع الرجعي بقوله "سن بوش "أو" بوش "أول في لغة الترك مع أن معناه العربي أنت خلية ، وهو كناية لكنه غلب في لغة الترك استعماله في الطلاق . وهذا ما ظهر لفهمي القاصر ، ولم أر أحدا ذكره وهي مسألة مهمة كثيرة الوقوع فتأمل . ثم ظهر لي بعد مدة ما عسى يصلح جوابا ، وهو أن لفظ حرام معناه عدم حل الوطء ودواعيه وذلك يكون بالإيلاء مع بقاء العقد وهو غير متعارف ، ويكون بالطلاق الرافع للعقد ، وهو قسمان : بائن ورجعي ، لكن الرجعي لا يحرم الوطء فتعين البائن . وكونه التحق بالصريح للعرف لا ينافي وقوع البائن به ، فإن الصريح قد يقع به البائن كتطليقة شديدة ونحوه كما أن بعض الكنايات قد يقع به الرجعي ، مثل اعتدي واستبرئي رحمك وأنت واحدة والحاصل أنه لما تعورف به الطلاق صار معناه تحريم الزوجة ، وتحريمها لا يكون إلا بالبائن . هذا غاية ما ظهر لي في هذا المقام ، وعليه فلا حاجة إلى ما أجاب به في البزازية من أن المتعارف به إيقاع البائن ، لما علمت مما يرد عليه ، والله سبحانه وتعالى أعلم۔

(۸۰)وقوعِ طلاق کیلئے بیوی کا موجود ہونا یا سننا ضروری نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ مورخہ [04-06-2011] بوقت صبح آٹھ بجے کے قریب میرا اپنی زوجہ سے جھگڑا ہوگیا۔ میری زوجہ واش روم میں تھیں۔ میں نے بآواز بلند ان کا نام لئے بغیر یہ الفاظ ادا کئے "کہ میں محمد ارشد سہیل بہوش وحواس تجھے طلاق دیتا ہوں" یہ الفاظ میری زوجہ نے سنے اور گھر میں موجود میرے بچوں نے بھی سنے، یہ الفاظ میں نے صرف ایک مرتبہ کہے، دوبارہ یا تیسری بار نہیں دہرائے تھے، صرف ایک بار بول کر غصے کی حالت میں گھر سے باہر چلا گیا تھا۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا میری زوجہ کو طلاق ہوگئی اور اگر نہیں ہوئی تو کیا اس کا کفارہ دینا پڑے گا وغیرہ وغیرہ؟ میری راہنمائی کر کے شکریہ کا موقع مرحمت

فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کا اپنی بیوی کو یوں کہنے سے کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے۔اب اس صورت میں عدت کے دوران (تین ماہواری ختم ہونے سے پہلے) رجوع کر لینے سے نکاح برقرار ہوجائے گا البتہ عدت کے بعد (تین ماہواری گزر جانے کے بعد) دوبارہ نکاح کے ذریعے ازدواجی تعلقات برقرار ہوسکیں گے بہرصورت اب آپ کو باقی دوطلاقوں کا اختیار حاصل ہے نیز وقوعِ طلاق کیلئے بیوی کا موجود ہونا یا سننا ضروری نہیں۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة:۲۲۹):الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِإِحۡسَانٍ۔

وفي الهداية (۲۲۶/۲):فصل فيما تحل به المطلقة :وإذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها لأن حل المحلية باق لأن زواله معلق بالطلقة الثالثة فينعدم قبله ومنع الغير في العدة لاشتباه النسب۔

وفيه أيضاً(۲۱۵/۲)باب الرجعة: وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض لقوله تعالى { فأمسكوهن بمعروف }۔۔۔ والرجعة أن يقول راجعتك أو راجعت امرأتي وهذا صريح في الرجعة ولا خلاف فيه بين الأئمة قال أو يطأها أو يقبلها أو يلمسها بشهوة۔الخ۔

(۸۱)"اگر گھر والوں سے لڑی تو سمجھ طلاق ہو جائے گی" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج سے ڈھائی سال پہلے کی بات ہے۔میری دوسری بیٹی میرے پیٹ میں تھی۔ہم دونوں میاں بیوی کی لڑائی ہوئی۔اس لڑائی میں میرے شوہر نے مجھ سے غصے میں کہا"میں نے تجھے طلاق دی" میری شادی کو چھ سال ہوگئے۔میری اور میری ساس کی کبھی نہیں بنی،بات بات پر تو تو،میں میں ہوتی رہتی،لڑائی جس کو کہتے ہیں وہ دو تین مرتبہ ہوئی۔اس تو تو،میں میں کو میرا شوہر میرا سسر میرا دیور میری نندیں لڑائی سمجھ کر سب میرے پر حاوی ہوتے تھے،ساتھ ساتھ لڑتے تھے۔میرے شوہر بھی میرے خلاف ہو کے مجھ سے کہتے جب تیرا بولنا ان لوگوں کو برا لگتا ہے تو تو کیوں بولتی ہے؟

انہی باتوں کی وجہ سے میرے شوہر نے مجھ سے غصے میں کہا"اگر اب تو ان سے لڑی تو سمجھ تیری میری طلاق ہوجائے گی سمجھ ہوجائے گی" جبکہ اس دن تو میری لڑائی بھی نہیں ہوئی تھی۔صرف ان کی بات کا جواب دیا تھا،دوسری بار جو کہا وہ ڈرانے کے لئے کہا میرے شوہر کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔یہ بات کہہ کے وہ چلے گئے،ان کو اس بات کا کوئی احساس نہیں تھا۔میں نے تین دن کے بعد ان کو اس بات کا احساس دلایا کہ تم نے مجھ سے کیا کہا کہ زندگی اتنی بڑی ہے کبھی نہ کبھی ان کی میری لڑائی ہوئی تو کیا ہوگا؟ آخر میں دو سال برداشت کرلوں گی پانچ سال برداشت کرلوں گی اگر ان کی میری لڑائی ہوئی تو کیا ہوگا؟

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں شوہر کے الفاظ "میں نے تجھے طلاق دی" سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی تھی۔ نیز شوہر کے الفاظ (اگر اب تو ان سے لڑی تو سمجھ تیری میری طلاق ہوجائے گی سمجھ ہوجائے گی) سے طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت سے یہ الفاظ شوہر نے کہے ہوں۔

لمافی القرآن الكريم (البقرة:٢٢٩): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ.

وفی البحر الرائق(٨/٣٨١): (ولو قال الزوج داده أنكار وكرده أنكار) لا يقع الطلاق (وإن نوى الوقوع) والفرق بينهما أن في الأولى إخبارا عن وقوع فيقع الطلاق وفي الثاني ليس بإخبار لأن معنى قوله داده أنكار افرضي أنه وقع أو احسبي فلا يقع به شيء وأنكار بفتح الهمزة وسكون النون وفتح الكاف الصماء وفي آخره راء مهملة ومعناه افرضي وقدري۔

وفی الهندية(١/٣٣٣): إذا قال لامرأته في حالة الغضب إن فعلت كذا إلى خمس سنين تصيري مطلقة مني وأراد بذلك تخويفها ففعلت ذلك الفعل قبل انقضاء المدة التي ذكرها فإنه يسأل الزوج هل كان حلف بطلاقها فإن أخبر أنه كان حلف يعمل بخبره ويحكم بوقوع الطلاق عليها وإن أخبر أنه لم يحلف به قبل قوله كذا في المحيط۔

وفی الدر المختار(٣/٢٤٧) باب الصريح: (صريحه ما لم يستعمل إلا فيه) ولو بالفارسية (كطلقتك وأنت طالق ومطلقة)۔۔۔ (ويقع بها) أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح۔

(٨٢) "آپ آزاد ہیں، جہاں جانا چاہیں جاسکتی ہیں" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایک دن گھر میں آیا تو میری بیوی گھر میں نہیں تھی۔ والدہ سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ آدھے گھنٹے کے بعد بیوی واپس آگئی۔ میں نے پوچھا تو کہنے لگی میں قیدی ہوں، اگر ایک لمحے کیلئے نکلوں تب بھی اجازت لوں، آپ پورے دن غائب ہوں پرواہ نہیں۔ اس وقت مجھے شدید غصہ آیا۔ میں نے کہا میں آپ کو آزاد کرتا ہوں، آپ جہاں جانا چاہیں جاسکتی ہیں، وہ اسی وقت میکے چلی گئی۔ اب نادم ہے معافی مانگ رہی ہے۔ آباد ہونا چاہتی ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اب ایک ساتھ رہنے کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں خاوند کا اپنی بیوی کو غصے کی حالت میں ان الفاظ کا کہنا "میں آپ کو آزاد کرتا ہوں آپ جہاں جانا چاہیں جاسکتی ہیں" اس میں دو قسم کے الفاظ ہیں:

(١) میں آپ کو آزاد کرتا ہوں۔

(٢) آپ جہاں جانا چاہیں جاسکتی ہیں۔

پہلے الفاظ تو صریح ہیں ان سے طلاق رجعی واقع ہوگی (ان الفاظ میں نیت کا کوئی دخل نہیں) دوسرے الفاظ کنائی ہیں جو کہ عام اوقات میں نیت کے محتاج ہوتے ہیں لیکن الفاظِ صریح کے ساتھ اگر الفاظِ کنائی بولے جائیں تو الفاظِ صریح، الفاظ کنائی سے نیت ہونے پر دال بن جاتے ہیں لہذا ''آپ جہاں جانا چاہیں جاسکتی ہیں'' کے الفاظ سے طلاقِ بائن واقع ہوگئی اور عورت دو طلاقوں کے ساتھ بائن ہوگئی اب وہ اس عورت کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا، رجوع کیلئے نکاح جدید ضروری ہے اور نکاح جدید کے بعد خاوند کو ایک طلاق کا حق حاصل ہوگا۔

لما في الشامية (۲۹۹/۳): ثم فرق بينه وبين سرحتك فإن سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فإذا قال رها كردم أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق وقد مر أن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت۔

وفيه أيضا (۲۹۷/۳): باب الكنايات: قوله (وهي حالة مذاكرة الطلاق) أشار به إلى ما في النهر من أن دلالة الحال تعم دلالة المقال قال وعلى هذا فتفسر المذاكرة بسؤال الطلاق أو تقديم الإيقاع كما في اعتدي ثلاثا وقال قبله المذاكرة أن تسأله هي أو أجنبي الطلاق۔

وفيه أيضا (۲۹۹/۳): وأما إذا تعورف استعماله في مجرد الطلاق لا بقيد كونه بائنا يتعين وقوع الرجعي به كما في فارسية سرحتك ومثله ما قدمناه في أول باب الصريح من وقوع الرجعي بقوله سن بوش أو بوش أو في لغة الترك مع أن معناه العربي أنت خلية وهو كناية لكنه غلب في لغة الترك استعماله في الطلاق هذا ما ظهر لفهمي القاصر ولم أر أحدا ذكره وهي مسألة مهمة كثيرة الوقوع فتأمل۔۔۔۔۔وأيضا فيه. بخلاف فارسية قوله سرحتك وهو رها كردم لأنه صار صريحا في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري اهـ۔

(۸۳) چھوڑنے اور فارغ کرنے کے لفظ سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی کو تین سال ہوگئے ہیں، دو ماہ پہلے میرے شوہر نے گھریلو لڑائی جھگڑے میں مجھے مارا، پیٹا، خود سوئے اور نہ ہی مجھے سونے دیا، بلکہ یہ کہتے رہے کہ میں ایک فیصلہ کر رہا ہوں اور فجر میں کہہ رہے تھے کہ میں نے ایک فیصلہ کیا ہے اور اپنی والدہ کو اٹھا کر ان کے سامنے یہ کہا کہ اسے میں اپنے پورے ہوش وحواس میں چھوڑ رہا ہوں اور فارغ کر رہا ہوں، جس پر ان کی والدہ نے یہ کہا کہ اس کے گھر لے کر چل اور اس کے گھر والوں کے سامنے یہ لفظ بول، جس پر میرے شوہر نے کہا کہ......ٹھیک ہے میں اس کے والد اور گھر والوں کے سامنے یہ بول دوں گا۔ مفتی صاحب! مجھے سات ماہ کا حمل بھی

ہے۔اب آپ سے گذارش یہ ہے کہ آپ فتویٰ دیجئے کہ میرے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ کے سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ جس طرح طلاق کے صریح الفاظ "مثلاً میں طلاق دیتا ہوں وغیرہ" کہنے سے طلاق واقع ہوتی ہے اسی طرح وہ الفاظ جو عرف میں طلاق کیلئے استعمال ہوتے ہیں اگر شوہر بلا نیت بھی کہہ دے تو طلاق واقع ہوجائے گی چنانچہ چھوڑ رہا ہوں کے لفظ کے بارے میں فتاوی میں صراحت موجود ہے کہ یہ عرف میں طلاق کیلئے استعمال ہوتا ہے اور جہاں تک فارغ کرتا ہوں کا لفظ ہے تو یہ لفظ اگرچہ کنائی ہے لیکن اس میں صرف جواب بننے کا احتمال ہے لہٰذا اس سے حالت غضب اور مذاکرہ طلاق میں بغیر نیت کے طلاق واقع ہوجائے گی اور یہاں طلاقِ صریح کا تقدم ہی مذاکرہ طلاق پر دال ہے لہٰذا آپ پر دو طلاقیں بائنہ واقع ہوچکی ہیں، بغیر تجدید نکاح کے آپ کا شوہر کے ساتھ رہنا درست نہیں اور اب شوہر کے پاس فقط ایک طلاق کا حق باقی ہے۔

لمافی الشامیة (۲۹۹/۳): فإن سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فإذا قال رها كردم أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق وقد مر أن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت۔

وفيه أيضا (۲۹۷/۳): باب الكنايات: قوله (وهي حالة مذاكرة الطلاق) أشار به إلى ما في النهر من أن دلالة الحال تعم دلالة المقال قال وعلى هذا فتفسر المذاكرة بسؤال الطلاق أو تقديم الإيقاع كما في اعتدي ثلاثا وقال قبله المذاكرة أن تسأله هي أو أجنبي الطلاق۔

(۸۴)"میں نے تمہیں فارغ کیا" کے الفاظ سے طلاق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا نام سیما ہے میری شادی کو دو سال ہوئے ہیں، ویسے تو میرے شوہر بہت اچھے ہیں ہماری ڈیڑھ سال کی ایک بیٹی بھی ہے۔شادی کے ایک سال نو مہینے کے بعد کسی بات پر ہماری لڑائی ہوئی پھر میرے گھر والے میرے شوہر سے بات کرنے گئے۔وہاں کسی بات پر سب ہی غصے میں آگئے جس کی وجہ سے میرے شوہر نے مجھے بتایا کہ میرے منہ سے ایک دفعہ طلاق کا لفظ نکل گیا جو نہ میں نے سنا اور نہ میرے گھر والوں نے اور اُن کے گھر والوں نے بھی نہیں سنا۔ میرے شوہر نے خود مجھے بتایا کہ میں نے تمہیں ایک طلاق دیدی جبکہ میں اُن دنوں حیض سے تھی۔اب پھر ہلکی سی لڑائی پر انہوں نے مجھے کہا کہ میں نے تمہیں فارغ کیا جبکہ میں ڈیڑھ ماہ کی حاملہ بھی ہوں اب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ہمارا نکاح باقی ہے یا ختم ہوچکا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب آپ کے شوہر نے آپ کو بتایا کہ "میں نے تم کو ایک طلاق دے دی" تو

اس وقت آپ پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگئی تھی، پھر دوبارہ دوران لڑائی مذکور شخص کے ”میں نے تمہیں فارغ کیا“ کہنے سے ایک اور طلاق بائن واقع ہوگئی کیونکہ یہ لفظ کنائی ہے لیکن صرف جواب بننے کا محتمل ہے لہٰذا حالتِ غضب میں اس سے بغیر نیت کے طلاق واقع ہوجائے گی نیز وقوعِ طلاق کی صورت میں اگر شوہر رجوع کرنا چاہتا ہے تو تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہوگا اور اس صورت میں آپ کی عدت وضع حمل ہوگی۔

لمافی الهندية (۱/۴۷۲):فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها ۔۔۔ وفی (ص ۵۲۸): وعدة الحامل أن تضع حملها كذا فی الكافی۔

وفی الدرالمختار(۳/۲۹۶): الكنايات (لا تطلق بها)قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب۔

كذا فی أحسن الفتاوی(۵/۱۸۸)

(۸۵) ”تو مجھ پر ۳ مرتبہ حرام ہے“ کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے اور بیوی کے درمیان زبانی لڑائی ہوئی، جس میں میری بیوی نے بہت سست الفاظ استعمال کئے اور یہاں تک کہ میری داڑھی کے متعلق بھی باتیں کہنے لگی۔ میں نے اس کو مارا اور دوسرے رشتہ داروں نے بھی اس کو سمجھایا لیکن وہ خاموش نہیں ہورہی تھی اور مسلسل باتیں کرتی رہتی تھی لہذا میں نے غصہ میں آکر اس سے کہا کہ تو مجھ پر تین مرتبہ حرام ہے۔ تو اب پوچھنا یہ ہے کہ اس کو کتنی طلاقیں پڑ گئیں کیا وہ میرے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا میرے نکاح میں رہنے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......لفظ حرام طلاق بائن ہے اس سے بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے لہٰذا ”تین مرتبہ حرام“ کہنے سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں اب آپ کا اس عورت کے ساتھ بغیر حلالہ شرعیہ کے نکاح نہیں ہوسکتا ہے آپ کو چاہیئے کہ اسے فوراً اپنے سے علیحدہ کردیں۔

لمافی الدرالمختار (۳/۲۵۲): ومن الألفاظ المستعملة الطلاق يلزمني والحرام يلزمني وعلي الطلاق وعلي الحرام فيقع بلا نية للعرف۔

وفی الفقه الاسلامی (۹/۷۰۰۱):زواج التحليل :بينا أن حكم الطلاق الثلاث هو زوال الملك والحل زوالاً مؤقتاً، فتحرم المرأة على من طلقها تحريماً مؤقتاً، ولا يجوز له زواجها قبل التزوج بزوج آخر لقوله تعالى: {فإن طلقها، فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره} [البقرة]۔

(٨٦) بطورِ گالی لفظ طلاق کا استعمال

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارعرف (یعنی سرحد میں) "طَلَاقِیْ" لفظ بطور گالی استعمال ہوتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے "او طلاق دینے والا" چونکہ وہ لوگ طلاق کو بہت معیوب سمجھتے ہیں اسی وجہ سے یہ لفظ بطور گالی سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح لفظ "طَلَاقِیْ" مرد کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح جب عورت کو مخاطب کیا جائے تو پھر مؤنث کا صیغہ "طَلَاقَیْ" استعمال ہوتا ہے یعنی دونوں صیغے اسم فاعل کے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد نے اپنے بیوی سے کہا "طَلَاقَیْ" اور اس کا مقصد گالی دینا تھا نہ کہ طلاق تو اس طرح اپنی بیوی کو کہنے سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب شوہر نے اپنی بیوی سے "طَلَاقَیْ" لفظ استعمال کیا تو یہ "یا مطلقۃ" کے معنی میں ہے اس سے ایک صریح رجعی طلاق واقع ہوجائے گی۔

لما في البحر الرائق (٣/٢٥١): ومنه يا طالق أو يا مطلقة بالتشديد ولو قال أردت الشتم لا يصدق قضاء ويدين كذا في الخلاصة۔

وفي الهندية (١/٣٥٥): رجل قال لامرأته يا مطلقة إن لم يكن لها زوج قبل أو كان لها زوج لكن مات ذلك الزوج ولم يطلق وقع الطلاق عليها۔

(٨٧) "تو میری زوجیت سے باہر ہے" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ فاطمہ ۹ سال کی لڑکی تھی، اس کے والدین نے اس کا نکاح کر دیا لیکن چند دنوں کے بعد جھگڑا شروع ہوگیا۔ والدین نے لڑکی کو جانے نہیں دیا۔ شوہر نے عدالت میں کیس دائر کر دیا۔ عدالت نے نکاح ناجائز قرار دیا کہ لڑکی نابالغہ ہے اس لئے اپنے والدین کے گھر پر رہے گی۔ اس پر شوہر نے کہا تو میری زوجیت سے باہر ہے اور اب ہم کو تیری کوئی ضرورت نہیں، میں کہیں اور نکاح کر چکا ہوں آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور لڑکی کا ۹ سال والا نکاح آیا فسخ ہوا یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں فاطمہ کا نکاح جو والدین نے کروایا ہے وہ منعقد ہوگیا ہے، اب مذکورہ نکاح عدالت کے ناجائز قرار دینے سے فسخ نہیں ہوگا البتہ اگر شوہر نے مذکورہ الفاظ کو "تو میری زوجیت سے باہر ہے" طلاق کی نیت سے کہے ہیں تو یہ الفاظ کہتے ہی اس کی بیوی پر طلاق بائن ہوگئی نیز ''ہم کو تیری کوئی ضرورت نہیں'' الفاظِ طلاق نہیں لہٰذا ان الفاظ سے مع النیۃ بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔

لما في البحر الرائق (٣/٥٣٠): وقوله لا حاجة لي فيك كما في البدائع ففي هذه الألفاظ لا يقع

وإن نوى عند الكل۔

وفي بدائع الصنائع (۲۳۲/۳۔۲۳۳): فصل وأما الكناية فنوعان نوع هو كناية بنفسه وضعا ونوع هو ملحق بها شرعا في حق النية أما النوع الأول فهو كل لفظ يستعمل في الطلاق ويستعمل في غيره نحو قوله أنت بائن ۔۔۔ لا ملك لي عليك لا نكاح لي عليك ۔۔۔ وقوله لا نكاح لي عليك لأني قد طلقتك ويحتمل لا نكاح لي عليك أي لا أتزوجك إن طلقتك ويحتمل لا نكاح لي عليك أي لا أطؤك لأن النكاح يذكر بمعنى الوطء ۔الخ۔

وفي الهندية (۳۷۶/۱): ولو قال أنا بريء من نكاحك يقع الطلاق إذا نوى۔

وفي الدرالمختار(۶۵/۳): (وللولي) الآتي بيانه (إنكاح الصغير والصغيرة)جبرا (ولو ثيبا) كمعتوه ومجنون شهرا (ولزم النكاح ولو بغبن فاحش)۔

وفيه أيضاً(۲۹۶/۳): باب الكنايات (كنايته) عند الفقهاء (ما لم يوضع له) أي الطلاق (واحتمله وغيره (ف) الكنايات (لا تطلق بها)قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب فالحالات ثلاث رضا وغضب ومذاكرة والكنايات ثلاث ما يحتمل الرد أو ما يصلح للسب أو لا ولا ۔۔۔ (و) يقع (بباقيها) أي باقي ألفاظ الكنايات المذكورة۔الخ۔

(۸۸)"فارغ خطی دی" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو یہ کہا کہ میں نے تجھے فارغ خطی دی تو اس سے شرعاً طلاق ہوگی یا نہیں اور یہ خلع کے ہم معنی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......لفظ "فارغ خطی" طلاق سے کنایہ ہے اور چونکہ یہ لفظ طلاق کے لئے متعارف ہے لہٰذا اس سے بلانیت طلاقِ بائن واقع ہوجائے گی اور یہ لفظ خلع کے ہم معنی نہیں بلکہ طلاق سے کنایہ ہے۔

لمافی فیروز اللغات (اردو) (۲/۹۲۱): "فارغ خطی": (۲) بے تعلقی کی تحریر جو میاں بیوی کے درمیان ہو، طلاق نامہ (۳) فارغ کرنا، چھٹکارا دینا، چھٹی دینا

وفي البحرالرائق (۵۲۳/۳) كتاب الطلاق، باب الكنايات: وسيأتي في آخر باب الإيلاء عن الفتاوى أنه لو قال لها أنت علي حرام والحرام عنده طلاق وقع وإن لم ينو وذكر الإمام ظهير الدين لا نقول لا تشترط النية ولكن نجعله ناويا عرفا۔

وفي التاتارخانية (۳۰۴/۳،۳۰۵)فصل في الكنايات: إذا قال لامرأته "أنت علي حرام" ۔۔ وقيل:هو

الطلاق للعرف وبه يفتى، فى تجنيس خواهر زاده والفتوى على أنه يقع الطلاق البائن وإن لم ينو لغلبة استعمال هذه اللفظة فى هذه البلاد۔

(۸۹) "آج تو بس ہوگئی، حد ختم ہوگئی" کے الفاظ کہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا نام محمد عرفان ہے، میری بڑی مشکل سے شادی ہوئی۔ کافی مجاہدوں کے بعد اللہ تعالی نے شادی کرائی۔ شادی کے بعد ایک مرتبہ ہمارے درمیان کچھ تلخ کلامی ہوگئی میں نے بیوی کو بہت سمجھایا کہ بات آہستہ کریں اور گالی وغیرہ نہ دیں تو وہ مسلسل اونچی آواز سے باتیں کرتی رہی اور مجھے گالیاں دیتی رہی۔ میں خاموشی سے سنتا رہا آخر میں میں نے کہا آج تو بس ہوگئی حد ختم ہوگئی۔ اسی وقت میری بیوی نے کہنا شروع کردیا کہ اس نے مجھے طلاق دی ہے حالانکہ میں نے طلاق کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ اب میں بہت پریشان ہوں۔ آپ حضرات میری حالت کو دیکھتے ہوئے فتویٰ دیں کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ ا۔ طلاقِ صریح۔ ۲۔ طلاق کنایۃ۔ طلاقِ صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی بغیر نیت کے بھی ان الفاظ کی ادائیگی سے طلاق واقع ہوجاتی ہے مثلاً میں تجھے طلاق دیتا ہوں وغیرہ۔

طلاقِ کنایۃ میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے بغیر نیتِ طلاق کے طلاقِ کنایہ واقع نہیں ہوتی اور یہ ہر اس لفظ سے واقع ہوتی ہے جو طلاق اور غیرِ طلاق دونوں کا احتمال رکھے مثلاً "تم اپنی ماں کے گھر چلی جاؤ" اس میں دونوں احتمال ہیں ایک یہ کہ میں نے تمہیں طلاق دے دی اس لئے ماں کے گھر چلی جاؤ اور دوسرا یہ کہ فی الحال ماں کے گھر چلی جاؤ بعد میں معاملہ حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح کے الفاظ جو طلاق میں صریح نہ ہوں ان میں وقوعِ طلاق کیلئے نیت ضروری ہوتی ہے بغیر نیت کے ان الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

آپ نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں "آج تو بس ہوگئی، حد ختم ہوگئی" یہ الفاظ کنایہ ہیں اگر آپ نے طلاق کی نیت سے کہے ہوں تو ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو پھر ان الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

لمافى الدر المختار (۲۹۶/۳): الكنايات (لا تطلق بها) قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب۔

وفى الرد تحته: قوله (أو الغضب) ظاهره أنه معطوف على مذاكرة فيكون من دلالة الحال۔

وفى الدر المختار (۳۰۱/۳): (وفي الغضب) توقف (الأولان) إن نوى وقع وإلا لا۔

وفى الرد تحته: قوله (توقف الأولان) أي ما يصلح ردا وجوابا وما يصلح سبا وجوابا ولا يتوقف ما يتعين للجواب بيان ذلك أن حالة الغضب تصلح للرد والتبعيد وللسب والشتم كما تصلح للطلاق وألفاظ الأولين يحتملان ذلك أيضا فصار الحال في نفسه محتملا للطلاق

وغيره فإذا عنى به غيره فقد نوى ما يحتمله كلامه ولا يكذبه الظاهر فيصدق في القضاء۔

وفي الدر المختار (٢٩٨/٣۔٣٠٠): والكنايات ثلاث ما يحتمل الرد أو ما يصلح للسب أو لا ولا (فنحو اخرجي واذهبي وقومي) تقنعي تخمري استتري انتقلي انطلقي اغربي اعزبي من الغربة أو من العزوبة (يحتمل ردا ونحو خلية برية حرام بائن) ومرادفها كبتة بتلة (يصلح سبا ونحو اعتدي واستبرئي رحمك أنت واحدة أنت حرة اختاري أمرك بيدك سرحتك فارقتك لا يحتمل السب والرد)۔

(۹۰) "تو میری طرف سے فارغ ہے بیٹھ جا" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیوی بولتی ہے کہ میرے شوہر نے غصے میں مجھے کہا کہ جا تو میری طرف سے فارغ ہے جبکہ شوہر بولتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کہا، یہ جھوٹ ہے۔ بیوی بولتی ہے کہ میرے شوہر نے میرے کو یہ الفاظ تین مرتبہ بولے ہیں جبکہ اس معاملے کا ایک گواہ بولتا ہے کہ میرے سامنے ایک دفعہ زید نے یہ الفاظ بولے ہیں کہ تو میری طرف سے فارغ ہے، بیٹھ جا۔ شوہر اقرار کرتا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ بولا ہے، بالکل ایسے جیسے گواہ بول رہا ہے، آیا کہ طلاق ہوئی یا نہیں جبکہ بیوی حاملہ ہے، آیا کس کی بات مستند ہوگی شوہر کی یا بیوی کی؟ جبکہ بیوی ایک سے دو ماہ ساتھ رہی ہے، بعد میں اپنی مرضی سے اپنے باپ کے گھر گئی اور وہاں جا کر بولتی ہے کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی۔ شوہر اللہ کو حاضر ناظر جان کر مسجد جا کر اور قرآن کو ہاتھ میں اُٹھا کر اس بات کا اقرار کرنے کو تیار ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ علماء کرام اس پیچیدہ مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اس مسئلے کا جواب تفصیل سے دیا جائے۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ الفاظ (تو میری طرف سے فارغ ہے) سے حالتِ غضب اور مذاکرہ طلاق میں بغیر نیت کے طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے لہٰذا ایک طلاق بائن بغیر نیت کے بھی واقع ہوجائے گی اور اگر حالت رضا ہو [یعنی غصہ کی حالت نہ ہو اور طلاق کا ذکر بھی نہ چل رہا ہو] تو یہ الفاظ نیت کے محتاج ہوتے ہیں لہٰذا اگر حالتِ رضا ہو اور شوہر کی نیت طلاق دینے کی ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی ورنہ نہیں۔

ایک طلاق بائن واقع ہونے کے بعد چونکہ دوسری طلاق بائن واقع نہیں ہوتی لہٰذا مذکورہ لفظ اگر شوہر نے دوسری تیسری مرتبہ کہے بھی ہوں تو بھی ان سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی پس صورت مسئولہ میں صرف ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور طلاق بائن واقع ہونے کے بعد اگر بیوی اس خاوند کے ساتھ رہنے پر راضی ہو تو دوبارہ نکاح کرنے کے بعد دونوں کا ایک ساتھ رہنا جائز ہے۔

لما في الدرالمختار(٢٤٧/٣): باب الصريح(صريحه ما لم يستعمل إلا فيه) ولو بالفارسية (كطلقتك وأنت طالق ومطلقة)۔

وفى الرد تحته: قوله (ولو بالفارسية) فما لا يستعمل فيها إلا في الطلاق فهو صريح يقع بلا نية ---- مطلب سن بوش يقع به الرجعي تنبيه قال في الشرنبلالية وقع عن التطليق بلغة الترك هل هو رجعي باعتبار القصد أو بائن باعتبار مدلول سن بوش أو سن بوش أول لأن معناه خالية أو خلية فينظر اهـ قلت وأفتى الرحيمي تلميذ الخير الرملي بأنه رجعي وقال كما أفتى به شيخ الإسلام أبو السعود ونقل مثله شيخ مشايخنا التركماني عن فتاوى على أفندي مفتي دار السلطنة وعن الحامدية۔

وفيه أيضاً(ص۲۹۹):لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فإذا قال رها كردم أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق۔

وفيه أيضاً(ص۲۹۸): قوله (حرام) من حرم الشيء بالضم حراما امتنع أريد بها هنا الوصف معناه الممنوع فيحمل على ما سبق وسيأتي وقوع البائن به بلا نية في زماننا للتعارف---- لكن لما غلب استعمال حلال الله في البائن عند العرب والفرس وقع به البائن لولا ذلك لوقع به الرجعي۔

وفى الدر المختار(۳/۳۰۷)(لا) يلحق البائن (البائن)إذا أمكن جعله إخبارا عن الأول كأنت بائن بائن أو أبنتك بتطليقة فلا يقع لأنه إخبار فلا ضرورة في جعله إنشاء بخلاف أبنتك بأخرى أو أنت طالق بائن أو قال نويت البينونة الكبرى لتعذر حمله على الإخبار فيجعل إنشاء ولذا وقع المعلق۔

(۹۱)"اگر میرے گھر والوں سے ملی تو تمہیں طلاق" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مورخہ ۲۳ مارچ ۲۰۱۱ء کے دن میرے گھر میں کچھ مہمان آئے، زوجہ نے جو کھانا بنایا وہ خراب ہوگیا جس پر میں نے غصے میں اس کو برا بھلا کہا اور میں نے اس سے کہا کہ آج کے بعد تم مجھ پر حرام ہو۔اس سے پہلے ستمبر ۲۰۱۰ء میں میرا اپنی بہن سے کسی بات پر جھگڑا ہوگیا اور میں نے گھر آ کر اپنی زوجہ سے کہا کہ اگر آج کے بعد تم ان سے یعنی میرے گھر والوں سے ملیں تو تمہیں ایک طلاق ہوگی۔آپ سے گذارش یہ ہے کہ میں نے جب یہ الفاظ کہے تھے تو جامع مسجد الحبیب کے امام سے میں نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ایک طلاق ہو چکی ہے۔

از راہِ کرم ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے میری راہنمائی فرمائیں کہ ہمارا نکاح قائم ہے یا نہیں؟ اور آگے مجھے کیا کرنا پڑے گا؟ پچھلے نکاح میں پانچ ہزار معجّل اور ایک لاکھ مؤجل تھے جو کہ پانچ سال میں ادا کرنا تھے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... ستمبر ۲۰۱۰ء میں جو آپ نے شرط لگائی تھی کہ "اگر میرے گھر والوں سے ملیں تو ایک طلاق ہوگی" لہٰذا زوجہ اگر آپ کے گھر والوں سے مل چکی ہو تو ایک طلاق واقع ہو چکی ہے اور اگر اب تک نہیں ملیں تو طلاق کا وقوع نہیں ہوا ہے۔ نیز مؤرخہ ۲۳ مارچ ۲۰۱۱ء کو "آج کے بعد تم مجھ پر حرام ہو" کے الفاظ کہنے سے آپ کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے اور نکاح ختم ہو چکا ہے دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے۔ نیز ستمبر میں معلق طلاق کی شرط (گھر والوں سے ملنا) اگر اب تک نہیں پائی گئی ہو تو اس طلاق بائن کی عدت گزرنے کے بعد چونکہ بیوی کلیۃً نکاح سے نکل جائے گی لہٰذا اس وقت شرط پر عمل کرلیا جائے تو اس معلق طلاق کے وقوع سے بچا جاسکتا ہے۔

الغرض ایک طلاق بائن تو بہر حال واقع ہو چکی ہے۔ دوسری معلق طلاق کا تعلق شرط کے پائے جانے سے ہے، جب شرط پائی جائے گی اس وقت طلاق کا وقوع ہوگا گزشتہ نکاح کا تمام مہر اور آئندہ نکاح کا مہر دونوں بیوی کو دینا ہوں گے۔ اگر بیوی نکاح میں ہوئی تو پچھلے نکاح کا کل مہر زوجہ کو واپس کرنا ضروری ہے اسی طرح جو نیا نکاح کریں گے اس کا جو بھی مہر طے ہو وہ بھی ادا کرنا پڑے گا (کم سے کم مہر دس درہم چاندی یعنی تقریباً اکتیس (۳۱) گرام چاندی ہے اس سے کم مہر رکھنا جائز نہیں)۔

لمافی الدرالمختار(۳/۲۵۲): ومن الألفاظ المستعملة الطلاق يلزمني والحرام يلزمني وعلي الطلاق وعلي الحرام فيقع بلا نية للعرف۔

وفيه أيضا(۳/۳۰۶):(الصريح يلحق الصريح و) يلحق (البائن) بشرط العدة (والبائن يلحق الصريح) الصريح ما لا يحتاج إلى نية بائنا كان الواقع به أو رجعيا. فتح فمنه الطلاق الثلاث فيلحقهما وكذا الطلاق على مال فيلحق الرجعي ويجب المال والبائن ولا يلزم المال كما في الخلاصة فالمعتبر فيه اللفظ لا المعنى على المشهور (لا) يلحق البائن (البائن)--- (إلا إذا كان) البائن (معلقا بشرط)۔

وفي الشامية (۳/۲۵۲):كما أفتى المتأخرون في أنت علي حرام بأنه طلاق بائن للعرف بلا نية مع أن المنصوص عليه عند المتقدمين توقفه على النية قوله (إلا إذا كان البائن معلقا) ۔

وفيه أيضا (ص ۳۱۰): يشمل ما إذا آلى من زوجته ثم أبانها قبل مضي أربعة أشهر ثم مضت قبل أن يقربها وهي في العدة فإنه يقع خلافا لزفر بحر۔

وفي الدر المختار(۴/۳۴۴):(شرطه الملك) حقيقة كقوله لقنه إن فعلت كذا فأنت حر أو حكما۔

وفي الرد تحته :قوله (أو حكما) أي أو كان الملك حكما كملك النكاح فإنه ملك انتفاع بالبضع لا ملك رقبة ثم إن هذا الحكمي إن كان النكاح قائما فهو حكمي حقيقة وإن

كان بعد الطلاق وهي في العدة فهو حكمي حكما وإلى هذا أشار بقوله لو حكما ط۔

(۹۲) "تجھے تیرے بھائی اور باپ کو ہبہ کیا" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مرتبہ زید اپنی بیوی پر ناراض ہوگیا اسی حالت میں اس نے کہا کہ میں نے تجھے تیرے باپ اور بھائی کو ہبہ کر دیا۔ اب آپ حضرات سے معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر شوہر کی نیت طلاق دینے کی ہو تو پھر اس صورت میں اگر ایک کی یا دو کی نیت کی ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر طلاق کی نیت ہی نہیں کی تو پھر اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لمافي القدوری (۱۶۳): والضرب الثاني الكنايات ولا يقع بها الطلاق إلا بالنية أو بدلالة الحال وهى على ضربين منها ثلثة ألفاظ يقع بها الطلاق الرجعي ولا يقع بها إلا واحدة وهى قوله اعتدى --- وبقية الكنايات إذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائنة وإن نوى ثلثا كانت ثلثاً وإن نوى ثنتين كانت واحدة وهذه مثل قوله أنت بائن وبتة --- ووهبتك لأهلك۔

وفي الهندية (۳۷۶/۱): روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه إذا قال وهبتك لأهلك أو لأبيك أو لأمك أو للأزواج فهو طلاق إذا نوى وإن قال وهبتك لأخيك أو لخالك أو لعمك أو لفلان الأجنبي لم يكن طلاقا كذا في السراج الوهاج۔

(۹۳) "میں پسند نہیں تو مجھ سے اچھا شوہر ڈھونڈلو" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ساس کے ڈانٹنے پر داماد نے کہا کہ اگر میں تمہیں پسند نہیں ہوں تو اپنی بیٹی کیلئے مجھ سے اچھا شوہر تلاش کرلو، کیا مذکورہ الفاظ سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں الفاظ مذکورہ کنائی ہیں لہٰذا اس میں نیت کا اعتبار ہوگا اگر طلاق کی نیت سے یہ الفاظ کہے ہیں تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اگر طلاق کی نیت نہیں تھی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

لمافي الهندية (۳۷۵/۱): وبابتغي الأزواج تقع واحدة بائنة إن نواها أو اثنتين وثلاث إن نواها هكذا في شرح الوقاية۔

(۹۴)"آج سے بات صاف کر دی ہے" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ماموں ایک دن گھر میں دوپہر کا کھانا کھانے کیلئے آئے تو گھر میں کھانا نہیں تھا اور اس وقت ان کی بیوی گھر میں موجود بھی نہیں تھی۔ بچوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ نانی سے ملنے کیلئے گئی ہیں ان کو شدید غصہ آیا اور بولا "میں نے آج سے بات صاف کر دی ہے" یہ الفاظ تین مرتبہ بولے اور پھر چلے گئے جب ان کی بیوی کو اس بات کا علم ہوا تو وہ ڈر کی وجہ سے گھر واپس نہیں آئی اور کہہ رہی ہے کہ اس نے مجھے طلاق دیدی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ان الفاظ کے کہنے سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر واقع ہوتی ہے تو کتنی طلاق واقع ہوئی ہیں، آباد ہونے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شرعی قاعدے کے مطابق وقوعِ طلاق کیلئے ضروری ہے کہ طلاق دینے والا جس لفظ سے طلاق دینے کا ارادہ کر رہا ہے وہ الفاظِ طلاق میں سے ہو، خواہ لفظ صریح ہو جو صرف طلاق ہی کیلئے استعمال کیا جاتا ہو، جیسے "میں نے تجھے طلاق دی" یا لفظِ کنائی ہو کہ طلاق اور غیر طلاق دونوں میں استعمال ہوتا ہو مثلاً "میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں" اگر طلاق دینے والا لفظِ صریح سے طلاق دیتا ہے تو بغیر نیت کے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور اگر لفظ کنائی سے طلاق دیتا ہے اور طلاق کی نیت کر لیتا ہے تو ایسی صورت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ الفاظ کنائی سے مراد وہ الفاظ ہیں جن میں طلاق کا احتمال ہو "آج سے بات صاف کر دی ہے" میں بھی طلاق کا احتمال ہے لہٰذا اگر شوہر نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی ہو تو ایک طلاقِ بائن واقع ہوجائے گی ورنہ کچھ واقع نہ ہوگا۔

لمافی الهندية (۱/۳۴۸): تفسيره شرعا فهو رفع قيد النكاح حالا أو مآلا بلفظ مخصوص كذا في البحر الرائق۔

وفی (ص ۳۷۹): الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية والأصل الذي عليه الفتوى في زماننا هذا في الطلاق بالفارسية أنه إذا كان فيها لفظ لا يستعمل إلا في الطلاق فذلك اللفظ صريح يقع به الطلاق من غير نية إذا أضيف إلى المرأة وما كان بالفارسية من الألفاظ ما يستعمل في الطلاق وفي غيره فهو من كنايات الفارسية فيكون حكمه حكم كنايات العربية في جميع الأحكام كذا في البدائع۔

وفی الشامية (۳/۲۹۶): ما ذكروه في تعريف الكناية ليس على إطلاقه بل هو مقيد بلفظ يصح خطابها به ويصلح لإنشاء الطلاق الذي أضمره أو للإخبار بأنه أوقعه كأنت حرام۔۔۔فليس كل ما احتمل الطلاق من كنايته بل بهذين القيدين ولا بد من ثالث هو كون اللفظ مسببا عن الطلاق وناشئا عنه كالحرمة في أنت حرام ونقل في البحر عدم الوقوع بلا أحبك لا أشتهيك لا

رغبة لي فيك وإن نوى ووجهه أن معاني هذه الألفاظ ليست ناشئة عن الطلاق لأن الغالب الندم بعده فتنشأ المحبة والاشتهاء والرغبة بخلاف الحرمة فإذا لم يقع بهذه الألفاظ مع احتمال أن يكون المراد لأني طلقتك ففي لفظ اليمين بالأولى۔

(۹۵) "یہ میری بیوی نہیں ہے" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن میری بیوی سے لڑائی ہوگئی تو میں نے غصہ میں یہ کہہ دیا کہ "یہ میری بیوی نہیں ہے، میں اسے اپنی بیوی تسلیم نہیں کرتا" میں نے طلاق کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ آپ یہ بتائیں کہ کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی یا مجھے کوئی کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی کو ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی اگر اس کی نیت طلاق دینے کی ہے اور اگر اس جملہ سے اس کی نیت طلاق دینے کی نہیں ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما في الهندية (١/٣٧٥): ولو قال لامرأته لست لي بامرأة أو قال لها ما أنا بزوجك أو سئل فقيل له هل لك امرأة فقال لا فإن قال أردت به الكذب يصدق في الرضا والغضب جميعا ولا يقع الطلاق وإن قال نويت الطلاق يقع في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى۔

وفي الدر المختار (٣/٢٩٨): (كنايته) عند الفقهاء (ما لم يوضع له) أي الطلاق (واحتمله) وغيره (ف) الكنايات (لا تطلق بها) قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب۔

(۹۶) "یہ اب کبھی نہ جائیگی" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میاں بیوی میں کچھ اختلاف ہوا اور بیوی ماں باپ کے پاس چلی گئی جب شوہر اسے لینے گئے تو وہ آنے پر راضی نہ ہوئی، یہاں تک کہ ماں نے بیٹی سے کہا کہ ابھی اپنے گھر چلی جاؤ اب خود رضا (شوہر کا نام) آپ کو لینے آگیا ہے لیکن بیوی نے کہا کہ میں نہیں جاتی، اس پر شوہر نے کہا کہ یہ اب کبھی نہیں جائے گی۔ ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر کا قول (یہ اب کبھی نہیں جائے گی) سے طلاق ہونے کا مدار شوہر کی نیت پر ہے، اگر شوہر نے طلاق کے ارادہ سے مذکورہ جملہ کہا ہے تو اس سے طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور اگر طلاق کے ارادہ سے نہیں کہا ہے تو پھر طلاق واقع نہ ہوگی۔

لما في التاتارخانية (۲۱۳/۳): فالأصل في ألفاظ الكنايات أن لا يقع الطلاق بها إلا بالنية وفي الهداية أو بدلالة الحال --- وفي قوله اخرجي، اذهبي، اغربي، تقنعي، تخمري، تصح نية الثلاث۔

وفي الخانية (۲۱۷/۲): وفيما سوى ذلك من الكنايات نحو قولك حبلك على غاربك تقنعي تخمري استبرئي قومي اخرجي اذهبي انتقلي --- لا نكاح لي عليك وهبتك لأهلك قبل الأهل أو لم يقبل لا يقع الطلاق إلا بالنية وإذا قال لم أنو الطلاق كان مصدق۔

(۹۷) "مجھے تمہاری ضرورت نہیں اب تم یہیں رہو" کہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا اپنے سسرال میں سسرال والوں سے جھگڑا ہو رہا تھا جھگڑے کے دوران اس نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں، اب تم یہیں رہو۔ یہ کہہ کر گھر واپس چلا گیا اب اپنے اس اقدام پر نادم ہے اسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......"مجھے تمہاری ضرورت نہیں" ان الفاظ میں حنفیہ کی تصریح کے مطابق طلاق کا احتمال نہیں لہٰذا اگر شوہر طلاق کی نیت سے بھی یہ الفاظ استعمال کرتا ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی البتہ اگر شوہر طلاق مراد ہونے پر مصر ہو تو اسے چاہیئے کہ الگ سے ایک طلاق صریح دیدے۔

لمافي البحر الرائق(۳۰۳/۳): إذا قال لا حاجة لي فيك أو لا أريدك أو لا أحبك أو لا أشتهيك أو لا رغبة لي فيك فإنه لا يقع وإن نوى في قول أبي حنيفة وقال ابن أبي ليلى يقع في قوله لا حاجة لي فيك إذا نوى۔

وفي الدرالمختار(۲۹۶/۳): الكنايات (لا تطلق بها)قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب۔

(۹۸) "اٹھ جا، دفع ہو جا، میرے گھر سے نکل جا" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کا اپنی اہلیہ سے جھگڑا چل رہا تھا کہ اس نے جھگڑے کے دوران کہا اٹھ جا، دفع ہو جا، میرے گھر سے نکل جا۔ کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو کتنی طلاقیں ہوتی ہیں، دوبارہ صلح کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں ان جیسے الفاظ ادا کرنے سے اگر خاوند نے طلاق دینے کی نیت کی ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے اور دوبارہ صلح کرنے کی صورت یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں آپس میں دوبارہ نکاح کرلیں اور اگر خاوند نے طلاق

دینے کی نیت نہ کی ہو تو ان الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لما في الدر المختار (۲۹۶/۳): (كنايته) عند الفقهاء (ما لم يوضع له) أي الطلاق (واحتمله) وغيره (ف) الكنايات (لا تطلق بها) قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب فالحالات ثلاث رضا وغضب ومذاكرة والكنايات ثلاث ما يحتمل الرد أو ما يصلح للسب أو لا ولا (فنحو اخرجي واذهبي وقومي) --- (يحتمل ردا) --- (وفي الغضب) توقف (الأولان) إن نوى وقع وإلا لا۔

(۹۹) میری ہونے والی بیوی کو طلاق، نیز تین چیزیں دے کر یہ تمہاری تین ہیں کہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی ہونے والی بیوی کو کہتا ہے "میری ہونے والی بیوی کا طلاق" کیا ان الفاظ کو غیر معینہ عورت پر تعلیق کہہ کر اس تعلیق کو درست کہا جا سکتا ہے جبکہ ایک طرح ہونے والی بیوی معین ہے، منگنی ہو چکی ہے، چند دن بعد شادی ہے تو وہ عورت متعین ہی ہے اور متعین عورت کے بارے میں یوں کہنا "میری ہونے والی بیوی رائلہ کو طلاق" کہنے سے یہ تعلیق لغو ہے تو ہماری صورت میں کیا حکم ہوگا؟ نیز ایک مرد اپنی عورت کو تین چیزیں دے کر کہتا ہے "یہ تمہاری تین ہیں" اور طلاق کی نیت کرتا ہے تو کیا طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... واضح رہے کہ طلاق میں الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے، معینہ عورت میں صراحۃً شرط [یعنی حرفِ شرط اگر وغیرہ] کا ہونا ضروری ہے البتہ غیر معینہ عورت میں معناً شرط کا ہونا بھی کافی ہو جاتا ہے گویا جب حرفِ شرط ذکر ہو تو یہ معینہ اور غیر معینہ دونوں عورتوں میں اثر کرے گا لیکن جب حرفِ شرط ذکر نہ ہو تو صرف غیر معینہ میں تو اثر کرے گا مثلاً "میری ہونے والی بیوی کا طلاق" میں جب یہ شادی کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی لیکن معینہ عورت میں اثر نہ کرے گا مثلاً "میری ہونے والی بیوی رائلہ کو طلاق" عورت کے معین ہونے کی وجہ سے تعلیق لغو ہوگئی باقی بچ گئے" رائلہ کو طلاق" کے الفاظ۔ ظاہر ہے ان الفاظ میں نہ ملک ہے اور نہ اضافت الی الملک [جبکہ تعلیق کی صورت میں ملک یا اضافت الی الملک کا ہونا ضروری ہے]، لہٰذا یہ الفاظ لغو ہو جائیں گیں۔ اس شخص نے اگر رائلہ سے شادی بھی کر لی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲۔ بیوی کو تین چیزیں دے کر طلاق کی نیت کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک کہ زبان سے الفاظ طلاق کا تلفظ نہ کیا ہو۔

لما في الخانية (۲۱۴/۲): امرأة قالت لزوجها طلقني فاشار اليها بثلاثة اصابع ونوى به ثلث تطليقات لا تطلق ما لم يتلفظ به ... اذا قال لامرأته "انت طالق" واشار اليها بثلاث اصابع ونوى به الثلاث ولم يذكر بلسانه فانها تطلق واحدة۔

وفی الهندية (۱/۴۲۰) كتاب الطلاق، باب التعليق: التعليق بصريح الشرط وهو أن يذكر حرف الشرط يؤثر في المرأة المعينة وغير المعينة والتعليق بمعنى الشرط يعمل في غير المعينة كما لو قال المرأة التي أتزوجها فهي طالق ولا يعمل في المعينة بأن قال هذه المرأة التي أتزوجها فهي طالق فتزوجها لا تطلق كذا في معراج الدراية۔

وفی الدر المختار (۳/۳۴۵) كتاب الطلاق، التعليق: ويكفي معنى الشرط إلا في المعينة باسم أو نسب أو إشارة فلو قال المرأة التي أتزوجها طالق تطلق بتزوجها ولو قال هذه المرأة الخ لا لتعريفها بالإشارة فلغا الوصف۔

وفی الرد تحته: قوله (باسم أو نسب) الذي في البحر وغيره ونسب بالواو قال فلو قال فلانة بنت فلان التي أتزوجها طالق فتزوجها لم تطلق اهـ أي لأنه لغا الوصف بالتزوج بقي قوله فلانة بنت فلان طالق وهي أجنبية ولم توجد الإضافة إلى الملك فلا يقع إذا تزوجها قوله (أو إشارة) التعريف بالإشارة في الحاضرة وبالاسم والنسب في الغائبة حتى لو كانت المرأة حاضرة عند الحلف لا يحصل التعريف بذكر اسمها ونسبها ولا تلغو الصفة ويتعلق الطلاق بالتزوج۔

(۱۰۰) "میں تجھے جدا کرتا ہوں" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تجھے جدا کرتا ہوں" اور طلاق کی نیت کرلی، اس سے کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ اور اگر ایک ہفتہ کے بعد رجوع کرنا چاہے تو کر سکے گا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں اگر آدمی نے اپنی بیوی کو کہا کہ میں تجھے جدا کرتا ہوں اور ایک طلاق کی نیت کرلی تو اس سے ایک ہی طلاقِ بائن واقع ہوگی اور طلاق بائن کے بعد رجوع نہیں کر سکتا البتہ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔

لمافی الهندية (۱/۳۷۴): الفصل الخامس في الكنايات لا يقع بها الطلاق إلا بالنية أو بدلالة حال كذا في الجوهرة النيرة ـ ـ ـ ولو قال في حال مذاكرة الطلاق باينتك أو أبنتك أو أبنت منك أو لا سلطان لي عليك أو سرحتك أو وهبتك لنفسك ـ ـ ـ يقع الطلاق وإن قال لم أنو الطلاق لا يصدق قضاء۔

وفی (ص: ۱/۴۷۳) فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية۔

(۱۰۱) دو طلاق دینے کے بعد بیوی کو "طلاق کی بیٹی" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے اور میری بیوی کے درمیان کئی روز سے اختلافات تھے۔اسی دوران ایک رات ہمارے درمیان بات بڑھ گئی اور میں نے اسے دو مرتبہ صریح طلاق دے دی، تیسری مرتبہ میں نے کہا کہ طلاق کی بیٹی۔اب میری بیوی کہتی ہے کہ تم نے مجھے تین طلاق دی ہیں حالانکہ میں نے تیسری مرتبہ کہا کہ طلاق کی بیٹی۔اب آپ حضرات سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا میرے ان الفاظ سے میری بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں یا نہیں؟ اگر تین طلاق کا وقوع ہوا ہو تو پھر کوئی ایسا طریقہ بتادیں جس سے دوبارہ ہمارے درمیان ازدواجی رشتہ قائم ہوجائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کے دو مرتبہ صریح طلاق دینے سے دو طلاقیں رجعی واقع ہوگئی ہیں اور اس کے بعد آپ کے الفاظ طلاق کی بیٹی اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی لہذا اس صورت میں عدت کے دوران رجوع کر لینے سے نکاح برقرار رہے گا البتہ عدت کے بعد دوبارہ نکاح کے ذریعے سے ازدواجی تعلقات برقرار ہوسکیں گے۔بہر صورت اب آپ کو صرف ایک طلاق کا اختیار حاصل ہے۔

لمافی الخانیة (۲/۲۰۹): رجل قال لامرأته یا مطلقة إن لم یکن لها زوج قبله أو کان لها زوج قبله ۔۔ وقد کان طلقها ذلك الزوج إن لم ینو بکلامه الإخبار طلقت وأن قال عنیت به الإخبار دین فیما بینه وبین الله تعالی وهل یدین في القضاء اختلفت الروایات فیه والصحیح أنه یدین۔

وفی الولوالجیة (۲/۷): رجل طلاق امرأته ثم قال لها یا مطلقة لایقع شی لأنه صادق فی هذا الإخبار۔

(۱۰۲) بیوی ہونے اور نکاح وغیرہ کی نفی کردینے سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غلام فرید بن عبدالعزیز کی اہلیہ بغیر اجازت لئے اپنے ننھیال چلی گئی تو غلام فرید بھی اس کے ننھیال پہنچ گیا۔ایک یا دو دن بعد آپس میں کسی بات پر غلام فرید الجھ گیا تو اس نے یہ لفظ کہے۔

(۱) تو میری بیوی نہیں ہے۔

(۲) تو میرے نکاح میں نہیں ہے۔

(۳) تو میرے حق میں نہیں ہے۔

(۴) تو مجھ سے پوچھ کر نہیں آئی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) پھر جب غلام فرید اپنے علاقے پہنچا تو ایک رشتہ دار بشیر احمد بن واحد بخش کے گھر رات دس بجے گیا اور کہا کہ میں نے آپ کے گھر میں سونا ہے۔ سونے سے پہلے غلام فرید نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، بشیر احمد نے کہا کہ کیا غلطی ہوئی ہے؟ غلام فرید نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، وجہ بھی بیان کی کہ میری بیوی کی نانی سے میں تنگ ہورہا تھا کہ کبھی کہتی کہ تو کماتا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ واضح رہے کہ غلام فرید کی بیوی کی نانی نے کوئی طلاق پر غلام فرید کو مجبور نہیں کیا تھا۔ بشیر احمد کہتا ہے کہ میں نے پوچھا کتنی دفعہ لفظ طلاق کہا تو غلام فرید نے کہا کہ ایک دفعہ سمجھو، بشیر احمد کہتا ہے کہ میں نے سوچا کہ اسے عقل نہیں ہے شاید اس نے ایک سے زیادہ دفعہ کہا ہو پھر سے میں نے پوچھا کہ صحیح صحیح بتاؤ ایک دفعہ کہا یا دو دفعہ، تو غلام فرید نے کہا کہ دو دفعہ سمجھو تو واقعہ جبکہ اس کے برعکس ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو ننھیال میں الفاظ طلاق نہیں کہے تھے تو غلط اقرار سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر واقع ہوتی ہے تو کونسی واقع ہوتی ہے رجعی یا بائنہ یا مغلظہ؟ اگر رجعی واقع ہوتی ہے تو پھر رجوع کا طریقہ کیا ہے آیا دو آدمیوں کے سامنے رجوع کرلے یا اور کوئی طریقہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ابتداءً غلام فرید نے چار الفاظ استعمال کئے ہیں۔

(۱) ان میں سے پہلے دو الفاظ کہ "تو میری بیوی نہیں ہے" اور "تو میرے نکاح میں نہیں ہے" ان کے متعلق فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان الفاظ کو نیت طلاق کے ساتھ ادا کرنے سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور صورت مسئولہ میں طلاق ہی کی نیت سے غلام فرید نے یہ الفاظ ادا کئے ہیں جیسا کہ وہ خود اس بات کا اقرار کرچکا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے لہٰذا ان دونوں الفاظ سے غلام فرید کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں، بقیہ دو الفاظ کہ "تو میرے حق میں نہیں ہے" اور "تو مجھ سے پوچھ کر نہیں آئی" الفاظ طلاق میں سے نہیں ہیں لہٰذا یہ لغو ہیں۔

(۲) غلام فرید کا اقرار طلاق غلط نہیں بلکہ درست ہے، اس لئے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے البتہ چونکہ اس اقرار سے طلاق سابق کی خبر دینا مقصود ہے نہ کہ طلاق جدید کا انشاء لہٰذا اس اقرار کی بناء پر مزید کسی طلاق کا اضافہ نہ ہوگا۔ پھر جبکہ دو طلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں لہٰذا اگر شوہر چاہے تو دورانِ عدت عورت سے رجوع کرسکتا ہے اگرچہ عورت راضی نہ ہو، رجوع کا طریقہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ میں رجوع کرتا ہوں یا کوئی ایسا عمل کرے جو میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق پر دلالت کرے۔ رجوع کیلئے مستحب ہے کہ دو آدمیوں کے سامنے مرد زبانی رجوع کرلے، لیکن اگر بغیر گواہوں کے بھی رجوع کرلیا تب بھی رجوع ثابت ہوجائے گا اور اگر عورت کی عدت گزرچکی ہو تو میاں بیوی رضامندی سے دوسرا نکاح کرنے کے بعد ازدواجی زندگی گزار سکتے ہیں۔

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ ان دو طلاقوں کے بعد اگر شوہر نے پھر کبھی بھی صریح یا کنایہ الفاظ سے طلاق کا تلفظ کیا تو عورت اپنے شوہر پر تین طلاقوں کی وجہ سے حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہوجائے گی اور پھر بغیر حلالہ شرعیہ کے شوہر کیلئے حلال نہ ہوسکے گی۔

لمافی البدائع (۲۲۴/۴): ولو قال لامرأته أنت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها أو قال قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء لأن كلامه انصرف إلى الإخبار بقرينة الاستخبار۔

وفى الخانية (۲/۲۱۷): ولوقال لها لا نكاح بيني وبينك أو قال لم يبق بيني وبينك نكاح أو قال فسخت نكاحك يقع الطلاق اذا نوى الخ۔

وفى الدر المختار (۳/۲۸۲): لست لك بزوج أو لست لي بامرأة أو قالت له لست لي بزوج فقال صدقت طلاق إن نواه خلافا لهما الخ۔

وفى الرد تحته: قوله (طلاق إن نواه) لأن الجملة تصلح لإنشاء الطلاق كما تصلح لإنكاره فيتعين الأول بالنية وقيد بالنية لأنه لا يقع بدونها اتفاقا لكونه من الكنايات وأشار إلى أنه لا يقوم مقامها دلالة الحال لأن ذلك فيما يصلح جوابا فقط وهو ألفاظ ليس هذا منها وأشار بقوله طلاق إلى أن الواقع بهذه الكناية رجعي كذا في البحر من باب الكنايات قوله (لا تطلق اتفاقا وإن نوى) ومثله قوله لم أتزوجك أو لم يكن بيننا نكاح أو لا حاجة لي فيك ، بدائع ۔

وفى الدر المختار(۳/۲۸۳): ولو أكد بالقسم أو سئل ألك امرأة فقال: لا،لا تطلق اتفاقا وإن نوى لأن اليمين والسؤال قرينتا إرادة النفي فيهما ۔

وفى الرد تحته: قوله (لا تطلق اتفاقا وإن نوى) ومثله قوله لم أتزوجك أو لم يكن بيننا نكاح أو لا حاجة لي فيك، بدائع لكن في المحيط ذكر الوقوع في قول لا عند سؤاله قال ولو قال لا نكاح بيننا يقع الطلاق والأصل ان نفي النكاح أصلا لا يكون طلاقا بل يكون جحودا ونفي النكاح في الحال يكون طلاقا إذا نوى وما عداه فالصحيح أنه على هذا الخلاف اھ۔

(۱۰۳) موبائل پر "بس ختم" کا میسج کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے تین سال قبل اپنی بچی طلعت جہاں کا نکاح اپنے چھوٹے بھتیجے افتخار احمد سے مبلغ ۲۵۰۰۰ (پچیس ہزار) حق مہر سے کیا تھا جس وقت اس کی عمر ۲۲ سال تھی۔ افتخار احمد کے بڑے بھائی کا اپنا کاروبار ہے۔ افتخار کے بڑے بھائی نے بوقتِ نکاح یہ وعدہ کیا تھا کہ میں افتخار کو الگ کاروبار لگا کر دوں گا اور پانچ سال بعد رخصتی کرالوں گا مگر ایسا نہ ہوا اور افتخار بڑے بھائی کے ساتھ ہی کام کرتا رہا۔

اب وہ لوگ جو کہ میر پور خاص میں مقیم ہیں ذرا ذرا سی بات پر اور رشتہ داروں کی شادی بیاہ کے موقع پر ہماری بیٹی کو بلواتے ہیں جبکہ ہم لوگ اسے پسند نہیں کرتے کہ لڑکی رخصتی سے پہلے اس طرح بار بار لڑکے کے گھر جائے۔ بار بار اسی طرح کے واقعات ہونے پر وہ لوگ ناراض ہوگئے اور افتخار کی بہن نے فون کر کے کہا کہ فیصلہ سننے کیلئے تیار ہوجاؤ، بعد میں لڑکے کی طرف سے میسج وصول ہوا کہ "بس ختم" اور کچھ نہیں لکھا:

آیا شریعت کی رُو سے سسرال والوں کا رخصتی سے پہلے لڑکی کو بلوانا کیسا ہے؟ اگر گھر والے منع کریں تو اُن کے ناراض ہونے کا کیا حکم ہے؟ اور شوہر کی بہن کا فون پر کہی گئی بات کا کیا حکم ہے، کیا اس طرح طلاق ہو جائے گی یا نہیں؟ شرعی اعتبار سے دلائل سے واضح فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب لڑکے، لڑکی کا نکاح کر دیا گیا تو بہتر تو یہی تھا کہ فوراً رخصتی کر دیتے تا کہ نکاح کا جو مقصد گناہوں سے بچنا اور نظروں اور دیگر اعضاء کی حفاظت ہے۔ رخصتی نہ کرنے کی وجہ اگر کوئی شرعی عذر تھا تب تو گناہ نہ ہوگا لیکن اگر رخصتی نہ کرنے کی وجہ رسم ورواج تھا تو گناہ دونوں کو ہوگا (یعنی لڑکی اور لڑکے کے گھر والوں کو)۔

طلاق دینے کا اختیار شریعت نے صرف اور صرف مرد (شوہر) کو دیا ہے لہٰذا بہن کے کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ موبائل پر میسج "بس ختم" اگر افتخار احمد نے ہی بھیجا ہو یا پھر اس کے حکم سے کسی اور نے بھیجا ہو اور اس بات کا مکمل یقین ہو جائے نیز شوہر نے میسج "بس ختم" طلاق ہی کی نیت سے بھیجا ہو تو پھر لڑکی پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر لڑکا، لڑکی کے ساتھ خلوۃ صحیحہ کر چکا تو لڑکے کے ذمہ کل مہر کی ادائیگی لازم ہوگی لیکن اگر خلوۃ صحیحہ نہیں کر سکا تو پھر نصف مہر کی ادائیگی لازم ہوگی اور اگر میسج لڑکے (افتخار احمد) نے نہیں بھیجا بلکہ کسی اور نے اس کے حکم کے بغیر بھیجا ہو یا افتخار احمد کی طلاق کی نیت نہ ہو تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

نکاح کے بعد لڑکا، لڑکی کی حیثیت چونکہ میاں بیوی کی ہو جاتی ہے لہٰذا لڑکے کے گھر والوں کا لڑکی کو بلانا شرعاً جائز ہے لیکن رخصتی سے قبل میل جول میں بے شمار مفاسد سامنے آتے ہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ رخصتی کے بعد ہی بھیجا جائے۔

لمافي الشامية (۲۹۶/۳): باب الكنايات (كنايته) عند الفقهاء (ما لم يوضع له) أي الطلاق (واحتمله) وغيره (ف) الكنايات (لا تطلق بها) قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب فالحالات ثلاث رضا وغضب ومذاكرة والكنايات ثلاث ما يحتمل الرد أو ما يصلح للسب أو لا ولا ---(ونحو خلية برية حرام بائن) ومرادفها كبتة بتلة۔

(۱۰۴) "اپنے لئے دوسرا شوہر تلاش کرو" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بیوی کو یہ کہنا کہ اپنے لئے دوسرا شوہر تلاش کرو، اس سے بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر شخص مذکور نے اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے یہ کہا کہ "اپنے لئے دوسرا شوہر تلاش کرو" تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے بغیر تجدید نکاح کے زوجین کا ساتھ رہنا حرام ہے اور اگر طلاق کی نیت سے نہیں کہا ہو تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لمافي الهندية (۳۷۵/۱): وبابتغي الأزواج تقع واحدة بائنة إن نواها أو اثنتين وثلاث إن

نواها هكذا في شرح الوقاية۔

(۱۰۵) "ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک دن میں نے قسم کھائی کہ ہر حلال چیز میرے اوپر حرام ہے۔ایک صاحب نے کہا کہ آپ پر بیوی بھی حرام ہوچکی ہے تو کیا ان الفاظ کے کہنے سے بیوی حرام ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ان الفاظ "ہر حلال چیز میرے اوپر حرام ہے" کی وجہ سے آپ پر ہر حلال چیز حرام ہوگئی اور حلال کے اندر چونکہ بیوی بھی تھی لہٰذا وہ بھی آپ پر حرام ہوگئی ہے۔حرام کے الفاظ سے بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے لہٰذا آپ کی بیوی بھی مطلقہ بائنہ ہوگئی اور اب دوبارہ نکاح کئے بغیر وہ آپ کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔نیز ان الفاظ کے کہنے سے چونکہ ہر حلال چیز آپ پر حرام ہوچکی ہے اس لئے اب آپ کو یہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا ہوگا۔آپ کو چاہیئے کہ کوئی حلال چیز کھالیں اور قسم ٹوٹنے کا کفارہ ادا کریں اور آئندہ اس طرح کی قسمیں کھانے سے اجتناب کریں۔

لمافي الخانية (۲/۲۵۰): رجل قال كل حل على حرام أو قال كل حلال أوقال كل حلال الله أو قال حلال المسلمين وله امرأة ولم ينو شيئا اختلفوا فيه قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل والفقيه أبو جعفر و أبو بكر الاسكاف و أبو بكر بن سعيد رحمهم الله تبين منه امرأته بتطليقة واحدة وإن نوى ثلاثا فثلاث وإن قال لم أنوبه الطلاق لا يصدق قضاء لأنه صار طلاقا عرفا ولهذا لايحلف به إلا الرجال فإن كانت له امرأة واحدة تبين بتطليقة واحدة۔

وفي الهندية (۱/۳۸۴): لو قالت لزوجها حلال خدا بر تو حرام فقال آرى حرمت عليه بتطليقة۔

وفي الشامية (۳/۲۹۸): قوله (حرام) من حرم الشيء بالضم --- وسيأتي وقوع البائن به بلا نية في زماننا للتعارف لا فرق في ذلك بين محرمة وحرمتك سواء قال علي أو لا أو حلال المسلمين علي حرام وكل حل علي حرام وأنت معي في الحرام وفي قوله حرمت نفسي لا بد أن يقول عليك --- والحاصل أن المتأخرين خالفوا المتقدمين في وقوع البائن بالحرام بلا نية حتى لا يصدق إذا قال لم أنو لأجل العرف الحادث في زمان المتأخرين فيتوقف الآن وقوع البائن به على وجود العرف كما في زمانهم۔

(۱۰۶) "اگر بیٹی کا فلاں سے رشتہ کیا تو تو مجھ پر حرام ہے" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو یوں کہا: اگر تو نے میری بیٹی/بیٹا

کا رشتہ فلاں جگہ کر دیا تو تو مجھ پر حرام ہے اور اس طرح کے الفاظ تین مرتبہ کہے اور بیوی نے اسی جگہ رشتہ کر دیا تو اس صورت میں عورت مرد پر حرام ہوگی یا نہیں؟ یا پھر نیت کے بعد طلاق ہوگی۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت کر دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر نے نیت کی ہو یا نہ کی ہو، بہر صورت تین طلاق بائنہ واقع ہوگئی ہیں، اب حلالہ شرعیہ کے بغیر دونوں کا ساتھ رہنا ممکن نہیں۔

نوٹ: لفظِ حرام اولاً کنائی بائن تھا لیکن عرف کی وجہ سے صریح بائن بن گیا ہے البتہ الحاق میں اس کا حکم کنائی بائن والا ہی ہے۔ کنائی بائن کا کنائی بائن سے الحاق اس صورت میں نہیں ہوتا جبکہ دونوں منجز [فی الفور] ہوں، البتہ معلق کا الحاق بعد از تعلیق منجز و معلق طلاق سے ہوتا ہے لہٰذا یہاں الحاق ہوگا اور شرط کے پائے جانے کے وقت تین طلاقیں بائنہ واقع ہو جائیں گی۔[1]

لمافی الدرالمختار (۳۰۶/۳):(الصريح يلحق الصريح و) يلحق (البائن)---(لا) يلحق البائن (البائن)إذا أمكن جعله إخبارا عن الأول كأنت بائن بائن ---(إلا إذا كان) البائن (معلقا بشرط) أو مضافا (قبل) إيجاد (المنجز البائن) كقوله إن دخلت الدار فأنت بائن ناويا ثم أبانها ثم دخلت وبانت بأخرى لأنه لا يصلح إخبارا--- ولو قال إن دخلت الدار فأنت بائن ثم قال إن كلمت زيدا فأنت بائن ثم دخلت وبانت ثم كلمت يقع أخرى ذخيرة وفي البزازية إن فعلت كذا فحلال الله علي حرام ثم قال كذلك لأمر آخر ففعل أحدهما بانت وكذا لو فعل الثاني على الأشبه فليحفظ قيد بالقبلية لأنه لو أبانها أولا ثم أضاف البائن أو علقه لم يصح كتنجيزه بدائع۔

وفى الرد تحته : قوله(ولو قال إن دخلت)بيان لما إذا كانا معلقين كمافي البحرقوله (ثم دخلت وبانت)---إذلا يخفى أن التعليق بعدإيجادالمنجزيصلح كون المعلق فيه وهو البينونة الثانية خبرا عن المنجز الثابت أولا بخلاف ما قبله فالوجه ما قالوه دون ما قبله فتدبر قوله (ثم كلمت) فلو عكست أي بأن كلمته أولا ثم دخلت فالظاهر أن الحكم كذلك لوجود العلة لأن كلا من تعليقه لا يصلح إخبارا عن الآخر لعدم كونها طالقا عند كل من التعليقين اھ ح۔

---

[1] طلاق بائن مطلقاً طلاقِ بائن سے ملحق نہیں ہوتی، چاہے صریح بائن ہو یا کنائی بائن۔ اس سلسلے میں شامیہ کی عبارات میں پایا جانے والا تعارض، اس کا دفعیہ، مطلقاً عدمِ الحاق کی وجہ نیز تعلیق کی صورت میں الحاق اور اس کی وجہ اور بہت سی متعلق ابحاث سے متعلق تفصیلی فتویٰ نجم الفتاویٰ کی اسی جلد میں "ذکر القرائن لعدم الحاق البائن بالبائن" کے نام سے ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

(۱۰۷) ”تو چلی جا“ کے لفظ سے طلاق کا وقوع

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں سعید احمد خان فلیٹ نمبر G-6 کا رہائشی ہوں میں مدیحہ ہائٹس میں رہتا ہوں۔ میری شادی کو ۲۳ سال ہوگئے ہیں۔ میرے اپنی بیوی سے تعلقات تقریباً آٹھ سال سے ختم ہیں اور ہمارے گھر میں لڑائی جھگڑے رہتے ہیں۔ آٹھ سال پہلے میں نے اپنی بیوی کو ”تو چلی جا“ تین دفعہ بولا تھا جبکہ میری بیوی لڑائی جھگڑے کے دوران کہتی تھی کہ میں گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ جس پر میں نے بھی یہ کہا کہ تو گھر چھوڑ کر چلی جا۔ اب تین چار ماہ پہلے میرا جھگڑا ہوا تو پھر میں نے یہی الفاظ بولے کہ تو چلی جا۔ مجھے یہ یاد نہیں کہ میں نے تین دفعہ یہ الفاظ بولے یا دس دفعہ۔ ہم ابھی ایک گھر کے اندر ہی رہتے ہیں۔ برائے مہربانی ہمیں جواب عنایت فرمائیں کہ آیا اس طرح کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور آیا میرا اس کے ساتھ رہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ ”تو چلی جا“ یہ طلاق کے لئے کنائی لفظ ہے جو طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور اگر طلاق کی نیت سے بولا جائے تو اس سے طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے لہٰذا آج سے آٹھ سال قبل آپ نے اپنی بیوی کو ”تو چلی جا“ اگر طلاق کی نیت سے کہا تھا تو اس سے ایک طلاق بائن پڑ گئی تھی اور بیوی آپ کے نکاح سے نکل چکی تھی بغیر تجدید نکاح کے ساتھ رہنا جائز نہ تھا اور اگر طلاق کی نیت نہیں تھی تو کچھ واقع نہ ہوا۔

حالیہ ۳ ماہ قبل والے جھگڑے میں بھی آپ کا اپنی بیوی کو کئی دفعہ ”چلی جا“ کہنا اگر طلاق کی نیت سے تھا تو ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی تجدیدِ نکاح کرنا ہوگا اور اگر نیت نہ ہو تو کچھ واقع نہ ہوگا۔ بہرصورت یہ آپ کی دیانت پر منحصر ہے کہ آپ فیصلہ کریں کہ میں نے یہ الفاظ بنیت طلاق استعمال کئے تھے یا نہیں اور قبر وآخرت کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کریں کہ آپ نے کس نیت سے یہ الفاظ کہے تھے کیونکہ طلاق کا معاملہ حلت وحرمت کا ہے اس میں ذرا سا جھوٹ زندگی بھر حرام کاری میں ابتلاء کا باعث بن سکتا ہے۔

لما في الشامية (۲۹۸/۳):

قوله (والكنايات ثلاث الخ) حاصله أنها كلها تصلح للجواب أي إجابته لها في سؤالها الطلاق منه لكن منها قسم يحتمل الرد أيضا أي عدم إجابة سؤالها كأنه قال لها لا تطلبي الطلاق فإني لا أفعله وقسم يحتمل السب والشتم لها دون الرد وقسم لا يحتمل الرد ولا السب بل يتمحض للجواب ---- قوله (فنحو اخرجي واذهبي وقومي) أي من هذا المكان لينقطع الشر فيكون ردا أو لأنه طلقها فيكون جوابا رحمتي۔

وفيه أيضاً(ص۳۰۸): قوله (لا يلحق البائن البائن) المراد بالبائن الذي لا يلحق هو ما كان بلفظ الكناية لأنه هو الذي ليس ظاهرا في إنشاء الطلاق كذا في الفتح۔

(۱۰۸) "تو مجھ سے ہمیشہ کیلئے علیحدہ ہو" تین بار کہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کل میرے ایک دوست نے صبح سویرے فون کیا میں نے فون اٹھایا تو وہ بہت پریشان تھا، اس کا اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑا ہوا ہے اور اس نے کہا کہ میں نے غصہ میں اپنی بیوی کو تین بار کہا کہ اب تو مجھ سے ہمیشہ کیلئے علیحدہ ہو، اب میرا کیا ہوگا میں نے دارالافتاء سے رجوع کیا ہے۔لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں کہ کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کے دوست نے اپنی بیوی کو لڑائی جھگڑے کے دوران غصہ کی حالت میں تین بار الفاظ کنائی سے طلاق دی ہے۔اگر اس سے ان کا ارادہ برا بھلا کہنے کا تھا تب تو طلاق واقع نہیں ہوئی اور اگر ان الفاظ سے اس کا ارادہ طلاق دینے کا تھا تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے۔

لمافی الهندية (۱/۳۷۴۔۳۷۵): الفصل الخامس في الكنايات لا يقع بها الطلاق إلا بالنية أو بدلالة حال كذا في الجوهرة النيرة --- والأحوال ثلاثة حالة الرضا وحالة مذاكرة الطلاق بأن تسأل هي طلاقها أو غيرها يسأل طلاقها وحالة الغضب --- وفي حالة مذاكرة الطلاق يقع الطلاق في سائر الأقسام قضاء إلا فيما يصلح جوابا وردا فإنه لا يجعل طلاقا كذا في الكافي وفي حالة الغضب يصدق في جميع ذلك لاحتمال الرد والسب --- وألحق أبو يوسف رحمه الله تعالى بخلية وبرية وبتة وبائن وحرام أربعة أخرى ذكرها السرخسي في المبسوط وقاضي خان في الجامع الصغير وآخرون وهي لا سبيل لي عليك لا ملك لي عليك خليت سبيلك فارقتك۔

(۱۰۹) "میری بیوی میرے لائق نہیں رہی" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا ایک دوست ہے اور قریبی دوست ہے وہ اکثر اپنے گھر کی باتیں مجھ سے کرتا ہے اور اکثر اپنی بیوی کی برائی کرتا رہتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ یار میری بیوی میرے لائق نہیں رہی، جب کئی دفعہ اس نے مجھ سے یہ بات ذکر کی تو میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہیں اس طرح کہنے سے طلاق تو واقع نہیں ہوجاتی۔ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں نیز اگر طلاق ہوگئی تو پھر رجوع کا طریقہ کیا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مذکورہ شخص کا اپنی بیوی کے بارے میں یوں کہنا کہ "میری بیوی میرے لائق نہیں رہی" ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی البتہ ان الفاظ کے استعمال سے اجتناب لازم ہے۔

لمافی الدرالمختار (۳/۲۸۲): لست لك بزوج أو لست لي بامرأة أو قالت له لست لي بزوج فقال

صدقت طلاق إن نواه خلافا لهما ولو أكد بالقسم أو سئل ألك امرأة فقال لا تطلق اتفاقا۔

وفی ردالمحتار (۲۸۳/۳): قوله (لا تطلق اتفاقا وإن نوى) ومثله قوله لم أتزوجك أو لم يكن بيننا نكاح أو لا حاجة لي فيك بدائع۔

وفی التاتارخانية (۳۱۷/۳): وفی جامع الجوامع: لا حاجة لی فيك أو مايدريك ونوى لايقع۔ إذا قال لامرأته مراچيزى نباش! كرّر هذا القول ونوى به الطلاق لايقع الطلاق ۔۔۔ اذا قال مالی امرأة. ونوى الطلاق لايكون طلاقا۔الخ۔

(۱۱۰) مذاکرہ طلاق کیا ہے اور فیصلہ دیا کہنے سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مذاکرہ طلاق کیا ہے؟ بیوی سے طلاق کی بات مذاکرہ طلاق ہے یا ساس، دوست وغیرہ سے بیوی کے بارے میں ذکر بھی مذاکرہ طلاق ہے اور وہ کنائی الفاظ جو مذاکرہ طلاق میں بغیر نیت وقوع طلاق کا سبب ہوتے ہیں، ساس یا دوستوں میں بیوی کے ذکر کے وقت ان کا استعمال طلاق واقع کردے گا یا نہیں؟

(۲) میں نے تجھے فیصلہ دیا یہ الفاظ استعمال کرنے سے طلاق کا وقوع ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ الفاظ صریح ہیں یا کنائی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱) مذاکرۂ طلاق، طلاق کے متعلق گفتگو کو کہتے ہیں وہ چاہے طلاق کے مطالبے کے ساتھ ہو اور مطالبہ چاہے بیوی کرے یا ساس کرے یا کوئی اور یا بغیر مطالبے کے ہو لیکن کسی بھی صورت میں ایسے الفاظ کا ذکر مقدم ہو جو طلاق کی نیت ہونے پر دلالت کرتے ہوں، وہ مذاکرۂ طلاق شمار ہوگا لہٰذا وہ الفاظ کنائی جو مذاکرۂ طلاق میں نیت پر موقوف نہیں ہوتے مذکورہ تمام صورتوں میں ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۲) "میں نے تجھے فیصلہ دیا" اس میں چونکہ لفظ فیصلہ ایسا لفظ ہے جو نہ گالی بن سکتا ہے اور نہ ڈانٹ کیلئے استعمال ہو سکتا ہے، اس میں فقط جواب بننے کی صلاحیت ہے لہٰذا یہ ان الفاظ کنایہ میں سے ہوا جو کہ فقط جواب بن سکتے ہیں اور ان سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے لہٰذا اس لفظ سے بھی اگر مذاکرۂ طلاق میں کہا ہو تو بغیر نیت کے طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور حالت رضا میں طلاق نیت پر موقوف ہوگی۔

لمافی فتح القدير (۷۳/۴): وقد ظهر مما ذكر أن حال مذاكرة الطلاق لا تقتصر على السؤال وهو خلاف ما قدموه من أنها حال سؤالها أو سؤال أجنبي طلاقها بل هي أعم من حالة السؤال للطلاق ومن مجرد ابتداء الإيقاع ثم على هذا لقائل أن يقول المذاكرة التي تصير الكناية معها ظاهرة في الإيقاع إنما هي سؤال الطلاق لأن ذكر الكناية الصالحة للإيقاع دون الرد عقيب سؤال الطلاق ظاهر في قصد الايقاع به فيمتنع قبول دعواه إرادة الطلاق بخلاف المذاكرة بمعنى

الابتداء بإيقاع الطلاق مرة فإن الإيقاع مرة لا يوجب ظهور الإيقاع مرة ثانية وثالثة فلا يكون اللفظ الصالح له ظاهرا في الإيقاع حتى لا يقبل قوله في عدم إرادته بالكناية ـ

وفي الشامية (٢٩٦/٣): قوله (وهي حالة مذاكرة الطلاق) أشار به إلى ما في النهر من أن دلالة الحال تعم دلالة المقال قال وعلى هذا فتفسر المذاكرة بسؤال الطلاق أو تقديم الإيقاع كما في اعتدي ثلاثاوقال قبله المذاكرة أن تسأله هي أو أجنبي الطلاق ـ ـ ـ قوله (والكنايات ثلاث الخ) حاصله أنها كلها تصلح للجواب أي إجابته لها في سؤالها الطلاق منه لكن منها قسم يحتمل الرد أيضا أي عدم إجابة سؤالها كأنه قال لها لا تطلبي الطلاق فإني لا أفعله وقسم يحتمل السب والشتم لها دون الرد وقسم لا يحتمل الرد ولا السب بل يتمحض للجواب كما يعلم من القهستاني وابن الكمال ـ ـ ـ قوله (يحتمل ردا) أي ويصلح جوابا أيضا ولا يصلح سبا ولا شتما ح ـ

وفيه أيضاً(٣٠٣/٣): قوله (قال اعتدي ثلاثا) أي قاله ثلاث مرات قوله (وبالباقي حيضا) هذا إذا كان الخطاب مع من هي من ذوات الحيض فلو كانت آيسة أو صغيرة فقال أردت بالأول طلاقا وبالباقي تربصا بالأشهر كان حكمه كذلك . فتح قوله (لنيته حقيقة كلامه) وهو إرادته أمرها بالاعتداد بالحيض بعد الطلاق قوله (بنية الأول) أي دلالة الحال بسبب نيته الإيقاع بالأول قال في فتح القدير فقد ظهر مما ذكر أن حالة مذاكرة الطلاق لا تقتصر على السؤال وهو خلاف ما قدموه من أنها حال سؤالها أو سؤال أجنبي طلاقها بل هي أعم منه ومن مجرد ابتداء الإيقاع قوله (حتى) تفريع على ما فهم من اعتبار دلالة الحال ط ـ

وفيه أيضاً (٢٩٩/٣): وقد مر أن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت لكن لما غلب استعمال حلال الله في البائن عند العرب والفرس وقع به البائن لولا ذلك لوقع به الرجعي والحاصل أن المتأخرين خالفوا المتقدمين في وقوع البائن بالحرام بلا نية حتى لا يصدق إذا قال لم أنو لأجل العرف الحادث في زمان المتأخرين فيتوقف الآن وقوع البائن به على وجود العرف كما في زمانهم وأما إذا تعورف استعماله في مجرد الطلاق لا بقيد كونه بائنا يتعين وقوع الرجعي به كما في فارسية سرحتك ومثله ما قدمناه في أول باب الصريح من وقوع الرجعي بقوله سن بوش أو بوش أو في لغة الترك مع أن معناه العربي أنت خلية وهو كناية لكنه غلب في لغة الترك استعماله في الطلاق هذا ما ظهر لفهمي القاصر ولم أر أحدا ذكره وهي مسألة مهمة كثيرة الوقوع فتأمل ـ

(۱۱۱) "میرا تجھ سے ہمبستری کا تعلق ختم" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کسی مرد کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ "میرا تجھ سے اس کام کا تعلق ختم" (ہمبستری کی طرف اشارہ ہے) اور یہ بات تین مرتبہ کہی گئی۔ آیا یہ رشتہ ختم ہو گیا یا باقی ہے؟ مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر قسم کھا کر یہ الفاظ کہے ہیں تو ایلاء ہوگا اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار مہینے تک بیوی کے قریب نہ گیا تو طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر اس سے پہلے بیوی کے قریب چلا گیا تو کفارہ دینا ہوگا (کفارہ دس مساکین کو کھانا کھلانا یا دس مساکین کو کپڑے دینا ہے اگر ان دونوں کی طاقت نہ ہو تو تین دن روزے رکھے)۔ اگر بغیر قسم کھائے یہ الفاظ کہے ہیں تو اگر طلاق کی نیت کی ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اگر طلاق کی نیت نہیں کی تو کچھ بھی واقع نہیں ہوا۔

لمافی الجوھرة (۱۳۲/۲): ولو آلى من امرأته في مجلس واحد ثلاث مرات فقال : والله لا أقربك والله لا أقربك والله لا أقربك إن أراد التكرار فالإيلاء واحد واليمين واحدة وإن لم يكن له نية فالإيلاء واحد واليمين واحدة وإن أراد التغليظ والتشديد فالإيلاء واحد واليمين ثلاث في قول أبي حنيفة وأبي يوسف حتى إذا مضت أربعة أشهر ولم يقربها بانت بتطليقة وإن قربها أوجب ثلاث كفارات.

وفی الھندیة (۳۷۵/۱): ذكرها السرخسي في المبسوط وقاضي خان في الجامع الصغير وآخرون وهي لا سبيل لي عليك لا ملك لي عليك خليت سبيلك فارقتك ولا رواية في خرجت من ملكي قالوا هو بمنزلة خليت سبيلك۔

وفی الدر المختار (۴۳۹/۳): وفي الجوهرة كرر والله لا أقربك ثلاثا في مجلس إن نوى التكرار اتحدا وإلا فالإيلاء واحد واليمين ثلاث۔

(۱۱۲) "چل پیچھے ہٹ" کے الفاظ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہا کہ چل پیچھے ہٹ اور طلاق کی نیت کرلی۔ تھوڑی دیر بعد جب غصہ ختم ہوا تو نادم ہوا اور بیوی سے کہا کہ میں تجھے طلاق نہیں دینا چاہتا، غصہ کی وجہ سے یہ الفاظ میرے منہ سے نکل گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا مذکورہ الفاظ سے طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں طلاق کی نیت سے اس طرح کہنے سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی اب اگر

شوہراس کواپنی زوجیت میں رکھنا چاہتا ہے تو تجدید نکاح ضروری ہے۔

لمافی البخاری (۲/۷۹۲): باب إذا قال: فارقتك، أو سرحتك، أو الخلية، أو البرية، أو ما عني به الطلاق، فهو على نيته وقول الله عز وجل: {وسرحوهن سراحا جميلا} وقال: {وأسرحكن سراحا جميلا} ---۔ وقالت عائشة رضى الله عنها: قد علم النبي صلى الله عليه وسلم أن أبوي لم يكونا يأمراني بفراقه۔

وفی التاتارخانية (۳/۳۱۵): و مدلولات الطلاق فهو مثل قوله اذهبی و قومی وتقنعی ---۔ وما شاكلها اذا نوى الطلاق بهذه الألفاظ يقع بائنا۔

وفيه أيضاً(ص۳۱۶): رجل قال لا مرأته ابعدی عنی ونوی الطلاق تصح۔

وفی الدر المختار (۳/۲۹۶):(ف) الكنايات (لا تطلق بها)قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب۔

وفی الرد تحته: فقالوا بعضها لا يقع بها إلا بالنية اه وأراد بهذا البعض ما يحتمل الرد كاخرجي واذهبي وقومي۔

وفی الدرالمختار(۳/۴۰۹): (وينكح) مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع۔

(۱۱۳)شوہر کا جواب میں "یونہی سمجھ" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کوغصہ کی حالت میں کہا چل اٹھ یہاں سے۔وہ نہ اٹھی تو دوبارہ کہا کہ چل پیچھے ہٹ۔عورت نے پوچھا کیا تو مجھے طلاق دینا چاہتا ہے تو شوہر نے کہا یونہی سمجھ۔سوال یہ ہے کہ کیا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر نے چونکہ غصہ کی حالت میں کنایہ الفاظ "چل اٹھ یہاں سے" استعمال کئے ہیں اور پھر بیوی کے پوچھنے پر کیا تو مجھے طلاق دینا چاہتا ہے اس کا جواب "یونہی سمجھ" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کنائی الفاظ سے اس نے طلاق ہی مراد لی تھی لہٰذا اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔

لمافی المبسوط للسرخسی (۶/۷۸): قال: ولو قال اذهبي ونوى به الطلاق كان طلاقا موجبا للبينونة لأنه لا يلزمها الذهاب إلا بعد زوال الملك۔

وفی الدر المختار (۳/۲۹۶): باب الكنايات (كنايته) عند الفقهاء (ما لم يوضع له) أي الطلاق (واحتمله) وغيره(ف) الكنايات (لا تطلق بها)قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة

الطلاق أو الغضب۔

وفی الشامية (۳۰۸/۳):قوله (لا يلحق البائن البائن) المراد بالبائن الذي لا يلحق هو ما كان بلفظ الكناية لأنه هو الذي ليس ظاهرا في إنشاء الطلاق كذا في الفتح وقيد بقوله الذي لا يلحق إشارة إلى أن البائن الموقع أولا أعم من كونه بلفظ الكناية أو بلفظ الصريح المفيد للبينونة كالطلاق على مال۔

(۱۱۴)"تم آزاد ہو" کے الفاظ سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا اپنے شوہر سے ابتداء نکاح سے معاملہ خوشگوار نہیں رہا، بات بات پر مجھے مارنا، میرے گھر والوں کو کوسنا اور طنزیہ جملے کہنا، ان کا مستقل مشغلہ ہے کئی بار انہیں سمجھایا گیا مگر یہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور وقتاً فوقتاً لڑائیاں ہوتی رہیں۔ایک دن میں اپنی والدہ کے گھر تھی یہ آئے اور لڑنا شروع کر دیا، گھر پر کوئی بڑا نہ تھا، جاتے وقت انہوں نے کہا کہ "تم آزاد ہو" یہ کہہ کر چلے گئے۔

میرے سسر صاحب دیندار ہیں اور ان کی دینداری دیکھ کر ہی رشتے پر ہاں کی تھی لیکن شادی کے بعد ان کی اصلیت سامنے آئی۔مفتی صاحب آپ بتائیں کیا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اس "تم آزاد ہو" کے واقعے کے ۳ یا ۴ دن بعد وہ آ کر واپس مجھے گھر لے گئے۔ میں نہیں جانا چاہتی تھی لیکن میرے ان سے ۳ بچے ہیں۔ایک چھوٹی یعنی سال سے کم کی بیٹی ہے، ان کی وجہ سے جانا پڑا لیکن اب حالیہ جھگڑوں کے بعد میں ان کے ساتھ نہیں جانا چاہتی، وہ اصرار کر رہے ہیں۔آپ قرآن وسنت کے مطابق بتائیں کہ اس مسئلے کا کیا حل ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......آپ کے شوہر نے جب آپ سے ایک مرتبہ کہا کہ "تم آزاد ہو" اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی مگر جب آپ کے آپس میں تعلقات ہو گئے تو اس سے رجوع ثابت ہوگیا اب آپ کے شوہر کو صرف دو طلاقوں کا حق باقی رہ گیا ہے اگر ان کے ساتھ مصالحت ممکن ہے تو آپ کو چاہیئے کہ آپ اپنا گھر بسالیں۔آپ کے کہنے کے مطابق وہ نان نفقہ وغیرہ نہیں دیتے اور مار پیٹ کرتے ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ دیندار ہیں ایسی روش ترک کردیں اپنے بچوں کے مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے گھر آباد کرنے کی کوشش کریں آپ ان ۔ ے بڑوں سے مفاہمت کروانے کی کوشش کریں ہاں اگر خدانخواستہ مصالحت اور نبھاؤ کی کوئی صورت ممکن نظر نہیں آتی ہو تو ان سے طلاق یا خلع لے کر جدا ہونے کی گنجائش ہے۔

لمافی الشامية (۲۹۹/۳): ثم فرق بينه وبين سرحتك فإن سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فإذا قال رها كردم أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق وقد مر أن الصريح ما لم

يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت۔

(۱۱۵) کیا بیوی کو دوسری شادی کی اجازت دینا طلاق ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی شادی کو پندرہ سال ہو گئے ہیں اور بچے بھی ہیں۔ ایک دن زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ جب سے شادی ہوئی ہے، اس وقت سے ابھی تک میرے دل میں آپ کی محبت بہت زیادہ ہے اور اب بھی باقی ہے شروع میں جب عزت تھی، اس وقت بھی آپ نے میرا ساتھ دیا تھا اور اب اللہ تعالیٰ نے فراوانی سے نوازا ہے، آپ مجھے ایک بات کی اجازت دیدیں کہ میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں، اس پر غصہ میں آکر عورت نے بھی کہہ دیا کہ آپ بھی مجھے دوسری شادی کی اجازت دیدیں، شوہر نے کہا کہ میں نے آپ کو نہ چاہتے ہوئے اجازت دیدی۔ سوال یہ ہے کہ شوہر کی مذکورہ اجازت سے بیوی کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں شخص مذکور کا بیوی کی اس بات "آپ بھی مجھے دوسری شادی کی اجازت دیدیں" کے جواب میں یہ کہنا کہ "میں نے آپ کو اجازت دیدی" ان الفاظ سے اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہے تو بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی ورنہ کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ ایسے بیہودہ الفاظ استعمال کرنے سے احتیاط کرنا چاہیئے۔

لما في الهندية (۳۷۶/۱) :ولو قال تزوجي ونوى الطلاق أو الثلاث صح وإن لم ينو شيئا لم يقع كذا في العتابية۔

وفي الشامية (۲۹۷/۳): قوله (قضاء) قيد به لأنه يقع ديانة بدون النية ولو وجدت دلالة الحال فوقوعه بواحد من النية أو دلالة الحال إنما هو في القضاء فقط كما هو صريح البحر وغيره قوله (أو دلالة الحال) المراد بها الحالة الظاهرة المفيدة لمقصوده۔

(۱۱۶) لفظ "فارغ ہے" سے طلاق کے متعلق تحقیق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے دارالعلوم یاسین القرآن کے تمام جهد الرفقاء[1] کو دیکھا اور ایک مسئلہ میں سخت تعارض پایا۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں تجھے فارغ کرتا ہوں،

---

[1] دارالافتاء دارالعلوم یاسین القرآن میں ہر سال تخصص فی الفقہ کے شرکاء جو فتاوی حل کرتے ہیں ان کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ کتابی صورت میں جمع کر دیا جاتا ہے چنانچہ بعد میں ان فتاوی سے استفادہ آسان ہو جاتا ہے، ہر سال کے اس مجموعہ کو "جهد الرفقاء" کا نام دیا جاتا ہے۔ کئی سالوں سے یہ ترتیب جاری ہے۔ سائل کی مراد یہی مجموعات ہیں۔ از مرتب

تو میری طرف سے فارغ ہے، اس کے متعلق جہد الرفقاء ۷ سنہ ۱۴۲۲ھ رقم المسلسل ۹۷۰ پر یہ مذکور ہے، شوہر نے [فارغ کرتا ہوں اور چھوڑ رہا ہوں] میں سے ہر لفظ کو دو مرتبہ استعمال کیا ہے تو ہماری رائے کے مطابق تین طلاق واقع ہو چکی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فارغ کے لفظ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور یہ سرحتک کی طرح صریح ہو چکا ہے جبکہ جہد الرفقاء سنہ ۱۴۳۰ھ رقم المسلسل ۳۶۸۲ پر مذکور ہے "سوال میں مذکور سارے الفاظ کنائی ہیں، خلیۃ، انت حرۃ اور تو میرے سے فارغ ہے" سے اگر طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق بائن واقع ہوگی ورنہ طلاق نہیں ہوگی۔ دیگر جہد الرفقاء میں بھی طلاق بائن والے قول کو لیا گیا ہے، نیز اس فتوے سے معلوم ہوتا ہے کہ فارغ کہنے کی صورت میں حالت غضب میں بھی اگر طلاق کی نیت ہوگی تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں جبکہ جہد الرفقاء سنہ ۱۴۳۱ھ (۱۴۰۸/۳) میں اس کے برعکس مذکور ہے چنانچہ عبارت یہ ہے "میں نے تمہیں فارغ کیا" یہ الفاظ کنایہ میں سے ہے، اس سے حالت رضا کے علاوہ حالت غضب اور حالت مذاکرہ طلاق میں بلا نیت طلاق بائن واقع ہوگی۔

برائے مہربانی ان دونوں تعارضوں کو دور فرما کر تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں اور اس مسئلے کے متعلق دیگر اہل فتویٰ کی رائے بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... الفاظِ کنائی میں ردّ یاسبّ کا احتمال ہونا یا نہ ہونا اس کا مدار عرف پر ہے، اسی وجہ سے آپ کو ہمارے دارالافتاء سے جاری شدہ فتاویٰ میں تعارض نظر آیا ہے۔ لفظ "فارغ ہے" سے متعلق بندے نے کافی تحقیق اور عرف کا جائزہ لینے کے بعد حتمی رائے یہی اختیار کی ہے کہ لفظ "فارغ ہے" صریح نہیں بلکہ الفاظِ کنائی میں سے ہے البتہ اس میں ردّ یاسبّ کا احتمال نہیں یہ فقط جواب کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا "فارغ" ہے سے حالتِ رضا میں تو نیت کا ہونا ضروری ہوگا لیکن حالتِ غضب یا مذاکرہ طلاق میں یہ لفظ استعمال کرنے سے بغیر نیتِ طلاق کے ہی طلاقِ بائن واقع ہوجائے گی لہٰذا جہد الرفقاء سنہ ۱۴۳۱ھ (۱۴۰۸/۳) پر موجود فتویٰ بندے کے نزدیک راجح ہے۔

لما في الدر المختار(۲۹۶/۳): باب الكنايات (كنايته) عند الفقهاء (ما لم يوضع له) أي الطلاق (واحتمله وغيره (ف) الكنايات (لا تطلق بها) قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب فالحالات ثلاث رضا وغضب ومذاكرة والكنايات ثلاث ما يحتمل الرد أو ما يصلح للسب أو لا ولا ـــ (ففي حالة الرضا) أي غير الغضب والمذاكرة (تتوقف الأقسام) الثلاثة تأثيرا (على نية) للاحتمال والقول له بيمينه في عدم النية ويكفي تحليفها له في مُنزله فإن أبى رفعته للحاكم فإن نكل فرق بينهما، مجتبى (وفي الغضب) توقف (الأولان) إن نوى وقع وإلا لا (وفي مذاكرة الطلاق) يتوقف (الأول فقط) ويقع بالأخيرين وإن لم ينو لأن مع الدلالة لا يصدق قضاء في نفي النية لأنها أقوى لكونها ظاهرة والنية باطنة ولذا تقبل بينتها على الدلالة لا على النية إلا أن تقام على إقراره بها، عمادية۔

وفى الشامية (٢٥٢/٣): وهذا في عرف زماننا كذلك فوجب اعتباره صريحا كما أفتى المتأخرون في أنت علي حرام بأنه طلاق بائن للعرف بلا نية مع أن المنصوص عليه عند المتقدمين توقفه على النية ولا ينافي ذلك ما يأتي من أنه لو قال طلاقك علي لم يقع لأن ذاك عند عدم غلبة العرف۔

رسالۃ

ھدیۃ الباری

فی

تحقیق "کاروکاری"

کاروکاری کی رسم، اس میں کئے جانے والے قتل،

الزام اور وقوع طلاق سے متعلق اہم فتوی

(۱۱۷) لفظ "کاری" سے طلاق سے متعلق مفصل فتویٰ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سندھ، بلوچستان اور جنوبی پنجاب کے بیشتر علاقوں میں ایک رسم "کاروکاری" کے نام سے مروج ہے۔ جس میں شوہر کسی غیر مرد سے بیوی کے جنسی تعلقات (زنا) ہونے یا جنسی تعلقات کے شبہ کی بنا پر لفظ "کاری" کہہ کر گھر سے نکال دیتا ہے۔

لفظ "کاری" کے معنی اردو زبان میں سیاہ کے ہیں۔ یہ لفظ عورت کے کسی غیر مرد کے ساتھ زنا یا شبہ زنا کی بنا پر بولا جاتا ہے۔ (جبکہ یہ لفظ "کاری" بعض علاقوں کے عرف میں گالی کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے)۔

جس مرد وعورت پر کاروکاری کا الزام لگایا جاتا ہے اس مرد وعورت کو حتی الامکان قتل کردیا جاتا ہے، جن کو بغیر نماز جنازہ اور کفن دفن کے کسی گڑھے یا دریا میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اگر وہ قتل سے بچ جائیں تو پھر یہ معاملہ علاقائی جرگہ کے پاس چلا جاتا ہے، جس میں ایک یا ایک سے زائد سردار ورئیس شریک ہوتے ہیں۔

بسا اوقات یہ جرگہ اسی لفظ "کاری" کو طلاق کے قائم مقام بنا کر عورت کو شوہر سے علیحدہ کردیتا ہے اور عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوتا ہے، بعض علاقوں میں اس لفظ "کاری" کو طلاق کے قائم مقام نہیں سمجھا جاتا بلکہ علیحدگی کی صورت میں شوہر سے مستقل طور پر صریح الفاظ طلاق کہلوا کر عورت کو شوہر سے علیحدہ کیا جاتا ہے نیز جرگہ کبھی ملزمہ کو بری کردیتا ہے اور اس صورت میں شوہر ملزمہ کو دوبارہ بغیر نئے نکاح کے بیوی کی حیثیت سے اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور کبھی جرگہ مرد وعورت کو مجرم ٹھہراتا ہے (اگرچہ ثبوت جرم زنا میں شرعی طریقہ کو مدنظر نہیں رکھا جاتا) جس کا حل دو طرح سے کیا جاتا ہے:

۱۔ ملزمہ عورت کے سسرال والے، اس مرد [جس پر زنا کا الزام ہو] کے خاندان سے بعوضِ جرم، ایک لڑکی لیتے ہیں جس کا نکاح وہ اپنے خاندان کے کسی بھی فرد سے کردیتے ہیں۔

۲۔ ملزم کے قبیلہ سے بھاری مالی جرمانہ وصول کیا جاتا ہے جو ملزمہ کے سسرال کو بعوض جرم دیا جاتا ہے اور مقرر حصہ سردار کو بھی دیا جاتا ہے۔

اس مذکورہ تفصیل کے بعد مندرجہ بالا رسم کے متعلق چند پیچیدہ مسائل کا شرعی حل مطلوب ہے:

۱) حالت غضب میں شوہر کا بیوی کو لفظ "کاری" کہہ کر گھر سے نکال دینا طلاق ہے یا قذف؟

۲) اگر یہ لفظ طلاق ہے تو طلاق صریح ہوگی یا کنایہ عن الطلاق؟ اور اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی یا طلاق بائنہ؟

۳) مذکورہ الزام کے عدم ثبوت پر شوہر کا اس عورت کو نئے نکاح کئے بغیر بیوی کی حیثیت سے اپنے پاس رکھنا کیسا ہے؟

۴) اگر شوہر بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ عین زنا کی حالت میں دیکھے تو ایسے شوہر کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا وہ اس زانی مرد اور بیوی کو قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟ قتل کرنے کی صورت میں شوہر پر شرعاً کوئی سزا ہوگی یا نہیں؟

۵) موجودہ دور میں جبکہ سرکاری عدالتیں اور قانون موجود ہے تو مذکورہ جرگہ و پنچایت کی شرعی حیثیت کیا ہوگی۔ آیا ان کو اس طرح کے معاملات کے فیصلے کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں اور ان کے کئے ہوئے فیصلہ پر عمل کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟

۶) جرگہ کا جرم ثابت کرنے کی صورت میں مجرم مرد کے خاندان سے کسی لڑکی کو جرم کا عوض بنا کر نکاح کرانا شرعاً کیسا ہے؟

۷) ملزم کے خاندان سے مالی جرمانہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اس جرمانہ کا مصرف کیا ہوگا؟

۸) جہاں ملزم مرد وعورت کو بغیر نماز جنازہ اور کفن، دفن کے گڑھے وغیرہ میں ڈال دیا جائے تو علاقہ والوں اور رشتہ داروں پر شرعاً کیا لازم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب

"کاروکاری" سے متعلق جو سوالات دریافت کئے گئے ان کے لئے معتبر کتب دینیہ اور محقق فقہائے کرام کے فتاویٰ کی طرف رجوع کیا گیا اور پھر اس تمام سعی کے بعد ان سوالات کے جوابات سپرد قرطاس کئے گئے ہیں، البتہ ان جوابات کو جاننے سے قبل بطور "مقدمہ" کے کاروکاری کی صحیح حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت سے آگاہی حاصل کر لینا بھی ضروری ہے۔

بقائے انسانیت کیلئے اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کے درمیان جو تعلق قائم فرمایا ہے وہ کسی ذی شعور پر مخفی نہیں، لیکن اس تعلق کی نوعیت اور دوسری مخلوقات کے نر و مادہ کے درمیان تعلق کی نوعیت میں جو فرق رکھا ہے وہ انسانیت کیلئے قابلِ فخر ہے اور پھر اس تعلق کو کس طرح صحیح طریقے اور راہ اعتدال میں رکھا جا سکتا ہے اس کے لئے اپنے معصوم پیغمبروں کو عملی سبق سکھانے کیلئے بنی آدم میں مبعوث فرمایا اور ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر میں علی وجہ الکمال اعلیٰ صفات کا حامل، اسوۂ حسنہ بنا کر بھیجا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہر ہر عمل اور قول وفعل سے اپنی امت کو وہ سبق سکھائے جو رہتی دنیا تک انسانیت کیلئے شمع ہدایت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد وزن کے حقوق کو جس انداز میں بتایا، سکھایا اور خود ان پر عمل کر کے دکھایا، وہ امت کیلئے قابل فخر ہے۔

مرد وعورت میں جو فطری جذبات خدا تعالیٰ نے رکھے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جائز استعمال کا طریقہ سکھایا اور فرمایا کہ جب تمہارے گھر کوئی مناسب رشتہ آئے تو اسے قبول کر لیا کرو ورنہ زمین میں فساد برپا ہوگا چنانچہ حدیث مبارک ہے:

وعنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض ". رواه الترمذي (مشكوة)

''جس شخص کے دین اور اخلاق سے تم راضی ہو جب وہ تمہاری طرف پیغام نکاح بھیجے تو پس تم اس سے نکاح کر دو ورنہ زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔''

عورت میں چونکہ فطری طور پر جذباتیت اور نرم خوئی غالب ہوتی ہے اس لئے مرد کو ''قوام'' بنایا گیا اور اکثر اہم اختیارات اور فیصلوں کی باگ مرد کے ہاتھ میں رکھی گئی نیز نکاح چونکہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس کے ابتدائی مراحل میں ذرا سے غلط فیصلے سے آئندہ کی پوری زندگی متاثر ہوتی ہے اس لئے اس میں مرد کو زیادہ اختیار دیا گیا اور یہاں تک ارشاد فرمایا گیا کہ ''**لانکاح إلا بولي** مشکوۃ، البتہ عورت کے جذبات کا بھی پوری طرح احترام کیا گیا ہے اس کو محض ایک کھلونا نہ سمجھا گیا کہ جب چاہا جس کے ساتھ چاہا اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس کا بیاہ رچا دیا بلکہ اس کے اولیاء کو تلقین کی گئی کہ

عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تنكح الأيم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن". (مشكوة)

''ثیبہ [یعنی شوہر دیدہ بالغہ] کا نکاح اس کی صریح اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور باکرہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت (اگرچہ دلالۃً ہو) کے بغیر نہ کیا جائے۔''

لیکن عورت کو اتنی بھی چھوٹ نہیں دی گئی کہ وہ جب، جہاں اور جس کے ساتھ چاہے اپنی زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلے بلکہ اگر کوئی عورت اپنے اولیاء کی مرضی کے خلاف غیر کفوء میں نکاح کرتی ہے تو اس کے متعلق ارشاد ہے:

وعن عائشة رضى الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل". (مشكوة)

''جو کوئی عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر (غیر کفوء میں) نکاح کرے گی تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔''

نیز ایک دوسری جگہ یہ فرمایا گیا:

وعن ابن عباس رضى الله عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: "البغايا اللاتى ينكحن أنفسهن بغير بينة".

وعن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تزوج المرأة المرأة ولا تزوج المرأة نفسها فإن الزانية هي التي تزوج نفسها". رواه ابن ماجه (مشكوة)

''عورت اپنا نکاح خود نہ کرے کیونکہ زانیہ عورت اپنا نکاح خود (کرنے کی جرأت) کرتی ہے۔''

غرض ایسی جامع اور اعتدال کی تعلیم دی گئی کہ جس میں اگر عورت کا پورا پورا احترام اور اس کے جذبات کی مکمل رعایت رکھی گئی تو دوسری طرف مرد کی حاکمیت اور غیرت پر بھی آنچ نہ آنے دی گئی۔

اب اگر کسی جگہ ان معصوم تعلیمات کو ٹھکرا کر اپنی جھوٹی انانیت اور نفسانیت کو قانون بنالیا جائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ فحاشی اور خون ریزی ہوگا، اسی خون ریزی کی ایک مثال ہمارے ملک کے بعض علاقوں میں رائج "کاروکاری" کی رسم بد ہے۔

کاروکاری کیا ہے؟

"کاروکاری" کے متعلق استفتاء میں جو صورتحال ذکر کی گئی ہے وہ نامکمل ہے، ہمارے ملک کے جن مختلف علاقوں میں یہ رسم رائج ہے وہاں کے لوگوں سے گفت وشنید کے بعد اور اس پر لکھے جانے والے مواد پر نظر کرنے سے جو صورتحال سامنے آتی ہے وہ اس طرح ہے کہ کاروکاری کی رسم صرف اس خاص مذکورہ شق میں، ہی منحصر نہیں کہ مرد کو بیوی پر زنا یا شبہ زنا ہوا تو کاری کہہ کر گھر سے نکال دیا بسا اوقات پوری جائیداد کو اپنے قبضے میں رکھنے کیلئے بھائی اپنی پاکدامن بہن پر کاری کا الزام لگا کر اسے زندگی سے بھی محروم کر دیتا ہے اور کبھی کسی کنواری لڑکی پر اس کے باپ بھائی وغیرہ کو صرف بدچلنی کا شبہ ہو تو اسے بھی جان سے مار دیتے ہیں، وہاں اس بات کا کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی گزر نہیں ہوتا کہ اگر کوئی کنوارپن میں بدکاری کر بیٹھے تو شریعت اس کے متعلق کیا حکم دیتی ہے؟ ان لوگوں کے نزدیک ایسے شخص کی جس پر "کاری" کا دھبہ لگ گیا ہو صرف ایک ہی صحیح سزا ہے کہ اسے جینے کا حق نہیں اگرچہ اس نے توبہ کر لی ہو، حالانکہ ہماری شریعت نے ایسے موقع پر بھی جو حکم ہمیں دیا ہے اس میں برائی کا قلع قمع بھی ہے اور جذبات کی تسکین بھی، کسی مرد کو اگر اپنی بیوی کے کردار پر شبہ ہے اور اس کے زعم میں وہ یقینی بدکردار ہے تو شریعت نے اس کے لئے طلاق ولعان کی راہ رکھی ہے جس میں اس کے جذبات کی بھی رعایت ہے اور اس کی جان کا بھی تحفظ، اگر کوئی شخص عین زنا میں پکڑا جاتا ہے تو شریعت نے اگر وہ شادی شدہ ہے اس کی سزا موت تجویز کی ہے لیکن ایک ایسے طریقے سے کہ اگر کہیں وہ نافذ ہو تو اس کو دیکھ کر ہر آنکھ درسِ عبرت لے اور اگر وہ زانی غیر شادی شدہ ہے تو اس کو سو کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا ہے جس میں اس کے جرم کی نوعیت کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔

ان علاقوں میں عام طور پر دینداری کم اور ایسے رسم ورواج زیادہ ہیں جنہیں دینداری سمجھا جاتا ہے ان جگہوں پر عموماً یہ رواج ہے کہ غیر علاقے اور غیر قبیلے کے لوگوں سے تو عورتوں کو دور رکھا جاتا ہے البتہ جو غیر محرم قبیلے اور خاندان کے ہوتے ہیں ان کے ساتھ میل ملاپ میں کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی بلکہ بعض علاقوں میں غیر محرم رشتہ داروں سے خواتین کے مصافحے اور بے تکلف بات چیت کو برا اور گناہ بھی نہیں سمجھا جاتا ہے، مرد حضرات خواتین پر اتنی حاکمیت جماتے ہیں کہ نوجوان خواتین کا نکاح ان کی مرضی کے بغیر جبراً کر دیتے ہیں، ان کے مہر میں بڑی بڑی رقموں کا مطالبہ کرتے ہیں اور بعض جگہ اسے خود ہی اڑا جاتے ہیں، جرگہ اور پنچائیت کے فیصلوں میں بطورِ جرمانہ کے عورتوں کو بھی بھیڑ، بکری کی صف میں کھڑا کر دیا جاتا ہے، شادی بیاہ میں ان کی خواہشات کا ذرا بھی پاس نہیں رکھا جاتا بلکہ بعض مرتبہ پندرہ، سولہ سال کی لڑکی، مرد کی مالی ہوس کی وجہ سے ساٹھ سال کے بوڑھے سے زبردستی بیاہ دی جاتی ہے جس کی وجہ سے شادی کے بعد خواتین ایسی سرکشی کرتی ہیں جس کا نتیجہ کاروکاری جیسی رسموں کو جنم دیتا ہے۔

ان علاقوں میں اگر کوئی عاقلہ بالغہ لڑکی ازخود اپنی برادری میں اپنے ہم رتبہ لڑکے کے ساتھ شرعی طریقے پر نکاح کر لیتی ہے تو

اس کے اولیاء اس وقت شریعت کے حکم کو نہیں دیکھتے بلکہ انہیں یہ غم وغصہ ہوتا ہے کہ جب ہماری مرضی نہیں ہے تو اس لڑکی نے کیسے اس کے ساتھ نکاح کرلیا اگر چہ لڑکا کفو کے اعتبار سے بلکہ ہر لحاظ سے ہم سے اونچے درجے کا ہے لیکن وہ اسے اپنی جھوٹی انانیت کے خلاف سمجھتے ہیں اور لڑکا لڑکی دونوں کو جان سے ماردینے کو قابلِ فخر اور اعزاز سمجھتے ہیں اور اس خون ریزی کیلئے تن من دھن کی بازی لگادینے سے بھی گریز نہیں کرتے، اس تمام تر تحریر سے ہماری غرض "کورٹ میرج" کی حمایت نہیں ہے اور نہ ہی کسی زانی، زانیہ یا بدچلن کی پاکدامنی ثابت کرنا ہے بلکہ جو لوگ ایسے موقع پر حدودِ شریعت کو پامال کرتے ہیں انہیں "تنبیہ" اور "راہ اعتدال سے آشنا" کرنا مقصود ہے۔

شریعت کے احکام اور اس کا مزاج

شریعتِ مقدسہ نے ہمیں جس اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے اس کا مفہوم اور دائرہ کار بڑا وسیع ہے، عام گھریلو زندگی سے لے کر زندگی کے بڑے بڑے فیصلوں میں بھی شریعت نے ہمیں راہ اعتدال کو تھامنے اور اس پر قائم رہنے کی تلقین کی ہے، اگر کوئی مجرم جرم کرتا ہے تو اس کو سزا دینے میں بھی یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس پر ظلم نہ ہو چنانچہ دورِ نبوی میں جب ایک شخص پر حد جاری کی جارہی تھی تو بعض لوگ اس شخص پر دشنام طرازی کرنے لگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ان کو اس فعل سے روک دیا اور فرمایا کہ اس کے معاملے میں شیطان کی اعانت نہ کرو۔ قانونِ شریعت کی تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ جب تک یقینی جرم ثابت نہ ہو مسلمانوں کو حدود اور سزاؤں سے بچائے اور اعلیٰ اخلاق، بلند کردار اور توبہ واستغفار کے ذریعے سے ان کے رذائل کو زائل کرے چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:

وعنها قالت رضی الله عنها قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : " ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فإن كان له مخرج فخلوا سبيله فإن الإمام أن يخطئ فى العفو خير من أن يخطئ فى العقوبة ". رواه الترمذي وقال: قد روي عنها ولم يرفع وهو أصح۔

"جب تک ہوسکے مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو اور اگر کسی کے واسطے خلاصی ہوسکے تو اس کی راہ چھوڑ دو، اور امام کا درگزر میں لغزش کرنا، سزا میں لغزش کرنے سے بہتر ہے۔"

بخاری شریف میں ایک صحابی کا واقعہ مذکور ہے کہ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں پہنچ کر (سراپا ندامت بن کر) اقرار جرم کیا کہ میں نے ایک راہ چلتی خاتون کا بوسہ لے لیا ہے تو آسمان سے اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمادی:

"إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" (هود: ۱۱۴)

"بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں۔"

اسی طرح ایک مرتبہ بارگاہِ رسالت میں ایک عورت نے حاضرِ خدمت ہو کر اقرارِ زنا کرتے ہوئے فریاد کی:

فقالت: یا رسول الله طهرني. یعنی اے اللہ کے رسول مجھے پاک فرمادیجئے۔

لیکن رحمۃ للعالمین اور دنیا کے سب سے بڑے غیرت مند انسان نے اس کو بھی فرمایا:

فقال: " ویحك ارجعی فاستغفری الله وتوبی إلیه "

"تیرا ناس ہو چل پھر جا اور خدا تعالیٰ کے حضور استغفار اور توبہ کر۔"

اگر دورانِ سزا بھی کسی مجرم کے بچ جانے کی کوئی سبیل پیدا ہو جاتی تو قانونِ شریعت کی سعی ہوتی ہے کہ وہ رائیگاں نہ جائے، چنانچہ زمانہ نبوت میں جب ایک شخص پر حدِ زنا جاری کی جارہی تھی اور زانی مرد تکلیف کی شدت سے بھاگا لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پھر بھی سنگ باری کر کے رجم کے حکم کو پورا کیا، جب یہ واقعہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی جوش میں فرمایا:

فقال: " هلا ترکتموه لعله أن یتوب. فیتوب الله علیه "

"ارے تم نے کیوں نہ اس کو چھوڑ دیا شاید وہ توبہ کرتا اور اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا۔"

البتہ اگر شرعی قاضی کی عدالت میں صحیح طور پر جرم ثابت ہو جائے اور شرعاً اس کے لئے کوئی گنجائش نہ ہوتی ہو تو مجرم خواہ کتنے ہی اونچے خاندان، حسب ونسب اور جاہ وحشم والا ہو شریعت اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتی اور نہ اس کے حق میں کسی کی سفارش قبول کی جاتی ہے چنانچہ ایک ایسے ہی موقع پر یہ ارشاد فرمایا گیا تھا:

" وایم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها "

"بخدا اگر (میری لختِ جگر) فاطمہ بنت محمد رضی اللہ عنہا چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

اُن علاقوں کے لوگوں کا عمل دیکھئے جو اپنے آپ کو آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیوا غلام کہتے ہیں اور ان تعلیمات شریعت پر نظر ڈالئے۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

ان علاقوں کے لوگوں سے پوچھا جائے کہ دین، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ماننے کا نام ہے یا اپنی خواہشات پر عمل کرنے کا نام ہے؟ شریعتِ محمدیہ نے ہر چیز کی ایک حد رکھی ہے اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کسی بُرے کام میں ملوث دیکھتا ہے تو شریعت نے اس کو نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے لیکن مجرم کے جرم کی حالت سے نکل جانے کے بعد شریعت نے کسی کو بھی قانون شکنی کی اجازت نہیں دی کہ جس کو جب چاہا گالی دیدی یا جان سے ہی مار دیا، بلکہ اگر صحیح اسلامی قانون نافذ ہو جہاں کسی پاکدامن عورت پر غلط الزام لگانے کا مطلب خود اپنے جسم پر اسی کوڑوں کا تحفہ ہو، جہاں کسی کو بلا وجہ گالی دینے کا مطلب قاضی کے ڈنڈوں کی فہمائش ہو اور جہاں کسی کو ناحق قتل کرنے کا مطلب قصاص کی صورت میں سامنے آتا ہو، ایسے پاکیزہ اسلامی ماحول میں اول تو ایسے بڑے گناہوں کے ارتکاب کے واقعات رونما ہوں گے ہی نہیں اور جہاں اِکا دُکا واقعے پیش آئیں گے وہاں لوگ اپنی من مانی کرتے ہوئے دسیوں مرتبہ سوچیں گے۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ "کاروکاری" کے نام پر جو رسم رائج ہے کہ جس پر زنا یا شبہ زنا ہوا اس کو اڑادیا اور یونہی بے گوروکفن ڈال دیا یہ سراسر ظلم اور ناجائز ہے بلکہ ایسے موقعے پر جب شرعی قاضی یا عدالتیں نہ ہوں یا ہوں لیکن ان تک رسائی ممکن نہ ہو تو وہاں کے مستند اور متبحر علماء سے اس بارے میں پوچھا جائے کہ ایسی صورتحال میں شریعت ہمیں کیا حکم دیتی ہے اور پھر اس کے مطابق کوئی لائحہ عمل سوچا جائے۔

سوالوں کے جوابات

"کاروکاری" کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت جاننے کے بعد اب ہم بعون اللہ تعالیٰ استفتاء میں پوچھے گئے سوالات کے جوابات کو ذکر کرتے ہیں۔

(۱)(۲)(۳)۔ نکاح ایک ایسا عقد ہے جو دینی و دنیوی مصالح کے حصول کا وسیلہ بنتا ہے، البتہ جب میاں بیوی کی طبیعتوں میں کسی وجہ سے ہم آہنگی اور اخلاق میں موافقت نہ رہے تو پھر نکاح کی مصالح فوت ہو جاتی ہیں، بلکہ بسا اوقات اس کا قائم رہنا شر اور فساد کا ذریعہ بن جاتا ہے اور میاں بیوی کی دنیاوی و اخروی مصلحت علیحدگی میں ہو جاتی ہے اس کے لئے شریعت مطہرہ نے طلاق کی راہ ہموار رکھی ہے اور اپنے مزاج کے مطابق بنی آدم کی مصالح پر نظر کرتے ہوئے اسے کسی خاص لفظ و زبان کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ ہر وہ لفظ جو جس علاقے کے عرف میں ایسے موقعے پر جدائی کیلئے بولا جاتا ہے اسے اس قسم کی علیحدگی کیلئے مشروع قرار دیا اور قاعدہ بنادیا کہ جب شوہر اس لفظ کا زبان سے تلفظ کرے گا تو شرائط مقیدہ کے ساتھ اس کی بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی اگر وہ لفظ طلاق صریح پر دلالت کرتا ہوگا تو اس کے (ایک یا دو مرتبہ) تلفظ سے اگرچہ نیت نہ ہو طلاق رجعی ہوگی اور اگر اس لفظ کا تعلق کنایات سے ہے تو نیت یا قرینہ کے وقت اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

لفظِ کاری سے طلاق کا حکم

اس تمہید کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ جن علاقوں کے عرف میں لفظ "کاری" طلاق صریح کیلئے مستعمل ہے وہاں اس لفظ کے ایک مرتبہ تلفظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اس صورت میں شوہر بغیر نکاح جدید کے عدت کے دوران بیوی سے رجوع کرسکتا ہے اور جن علاقوں کے عرف میں یہ لفظ الفاظِ کنایات میں سے ہے اور استعمال کے اعتبار سے صریح نہیں بنا ہے وہاں اس کے تلفظ سے طلاق بائن واقع ہوگی بشرطیکہ شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو یا قرینہ پایا جاتا ہو، طلاق بائن کی صورت میں شوہر کا بیوی کو بغیر نکاح جدید کے ساتھ رکھنا جائز نہیں اور جن علاقوں میں "کاری" کا لفظ صریح زنا کی تہمت کے وقت بولا جاتا ہے تو اس صورت میں یہ قذف ہوگا اور اس پر

شریعت کے احکام، قذف کی شرائط کے ساتھ لاگو ہوں گے (اور جن علاقوں میں یہ لفظِ کاری نہ طلاق کے معنی میں استعمال ہوتا ہو اور نہ صریح زنا کی تہمت کے وقت، بلکہ زنا یا شبہ زنا کی طرف کنایۃً اشارے کیلئے بولا جاتا ہو تو وہاں اس پر شرعی قذف کا حکم نہ ہوگا) البتہ قاضی یا عدالت شوہر پر تعزیر جاری کر سکتی ہے۔

قتل زانی کا حکم

(۴) اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ عین زنا کی حالت میں دیکھے تو اگر زانی محصن ہو تو شوہر کیلئے زانی مرد اور عورت کو قتل کرنے کی دیانۃً گنجائش ہے البتہ قضاءً جائز نہیں اور اگر زانی محصن نہیں تو پھر غلطی سے قتل ہوجانے کی صورت (مثلاً دھمکانے میں گولی چل گئی وغیرہ) تو دیانۃً گنجائش ہے ورنہ غیر محصن زانی کو عمداً قتل کرنا جائز نہیں[۱]۔ احادیث مشروعیت لعان میں تو قتل کی صریح ممانعت وارد ہے یعنی قتل کرنے کی قضاءً تو کوئی گنجائش نہیں البتہ محصن کو دیانۃً قتل کر سکتا ہے یعنی قتل کرنے کے بعد اگر وہ چار گواہ پیش کر دیتا ہے تو فبہا ورنہ اسے بھی قضاءً بطور قصاص قتل کر دیا جائے گا، گو ان شاء اللہ، عنداللہ وہ ماخوذ نہ ہوگا لیکن دنیا میں بہر حال وہ "مجرم" شمار کیا جائے گا۔

پنچائیت اور جرگہ کا حکم

(۵)(۶)۔ فقہ حنفی میں پنچائیت و جرگہ کا کوئی تصور نہیں ہے البتہ ماضی قریب کے معتمد اور محقق علمائے احناف (حضرت تھانوی اور مفتی شفیع صاحب وغیرہما رحمہمااللہ علیہم) نے ان علاقوں میں جہاں قانون وعدالتیں نہیں ہیں یا وہ شرعی فیصلہ نہیں کرتیں، بعض ناقابل برداشت احکام میں مذہب مالکیہ پر فتویٰ دیتے ہوئے "جرگہ و پنچائیت" کو مشروع قرار دیا ہے اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ کیونکہ یہ مسئلہ مالکیہ سے لیا گیا ہے اس واسطے اس کی سب شرطیں مذہب مالکیہ سے لینا لازم ہے اور ان کے نزدیک پنچائیت کے افراد کا کم از کم تین اور دیندار ہونا ضروری ہے، نیز پنچائیت کا، معاملے کی مکمل روئیداد کی ہر ہر جزئی کے حکم کو معاملہ فہم علمائے محققین سے دریافت کر کے ان کے فتوی کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے اور پنچائیت کے فیصلے پر تمام اراکینِ پنچائیت کا اتفاق ہونا بھی ضروری ہے کثرت رائے کا اعتبار نہیں ہے نیز پنچائیت حد جاری نہیں کر سکتی، حد کے اجراء کیلئے قاضی کا ہونا ضروری ہے، پنچائیت بوقت ضرورت فقط فیصلہ کر سکتی ہے، جہاں ان شرائط مذکورہ بالا میں سے کوئی بھی بات مفقود ہو تو اس پنچائیت کا فیصلہ شرعاً معتبر نہ ہوگا اگرچہ نفس الامر میں صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

جس طرح قاضی کیلئے حدود شرع کی پابندی ضروری ہے اسی طرح پنچائیت کیلئے بھی ضروری ہے کہ اس کے تمام احکام حدود شرع کے موافق ہوں لہٰذا اگر کسی جگہ مذکورہ بالا شرائط کے مطابق پنچائیت یا جرگہ کا وجود ہو تو اس کے لئے بھی مجرم مرد کے خاندان سے کسی لڑکی کو جرم کا عوض بنا کر نکاح کرانا شرعاً درست نہیں۔

نوٹ:۔ "ہماری معلومات کے مطابق پاکستان کے بعض علاقوں میں جہاں جرگہ یا پنچائیت کا رواج ہے وہاں علمائے کرام

---

[۱] مسئلہ کی مزید تفصیلات جاننے کیلئے نیز مسئلہ ھذا سے متعلق فقہی عبارات، شرعی نصوص، ھندوانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور اس کی تنقیح بحث لعان، شانِ نزول، سیاق وسباق کا لحاظ رکھتے ہوئے تفصیلی فتوی "فک العانی بقتل الزانی" نجم الفتاوی کی اسی جلد میں ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

تنظیم کی بیان کردہ "شرائط پنچائیت" مفقود ہیں لہٰذا اس بنا پر انکا کوئی فیصلہ شرعاً معتبر نہ ہوگا۔

تعزیر بالمال

(۷) تعزیر بالمال یعنی مالی جرمانہ وصول کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے جو ایک روایتِ ضعیفہ اس کے جواز کی منقول ہے اس کا بھی مطلب یہ ہے کہ مجرم کے مال کو کچھ مدت کیلئے روک لیا جائے اور جب انزجار کی امید ہو جائے (اور اس پر توبہ کے آثار ظاہر ہو جائیں) تو اس کا مال واپس کر دیا جائے یہ مطلب نہیں کہ حاکم یا والی اسے اپنے ذاتی یا قوم کے مفاد میں خرچ کرے۔

کفن دفن اور غسل وغیرہ کا حکم

(۸) سوائے ان باغیوں اور ڈاکوؤں کے جو عین واردات کے وقت مارے گئے ہوں، ہر مسلمان مرد و عورت، بچے بوڑھے کو اس کے مرنے کے بعد غسل وکفن دینا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنا اس کی موت سے باخبر مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے البتہ بعض لوگوں کے پڑھ لینے سے یہ فرض سب پر سے ساقط ہو جاتا ہے اور جہاں کوئی بھی میت کو غسل وکفن نہ دے اور نہ نماز جنازہ پڑھے تو سب علاقے والے گناہ گار ہوں گے، اگرچہ وہ میت ایسے شخص کی ہی کیوں نہ ہو جس پر شرعی حد جاری کی گئی ہو یا حالتِ زنا میں اسے قتل کر دیا گیا ہو لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مرد و عورت کو زنا یا شبہ زنا کی بنیاد پر قتل کر کے بے گور وکفن اور بغیر نماز جنازہ پڑھے کسی گڑھے میں ڈال دینا درست نہیں بلکہ علاقے والوں کے ذمہ ہے کہ ایسی میت کے ساتھ بھی وہی معاملہ کریں جو عام مسلمان میت کے ساتھ کیا جاتا ہے ورنہ سب گناہ کے مرتکب ہوں گے، البتہ اگر بطور تنبیہ علاقے کے نیک اور اچھے لوگ زانی اور زانیہ کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں بلکہ عام لوگ پڑھ کر دفن کر دیں تو مضائقہ نہیں۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِإِحْسَانٍ۔

وفیه أیضا (البقرة:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

وفی القرآن الکریم (النور:۴): وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً۔

وفی الصحیح للامام البخاری (۱۰۱۲/۲): عن المغیرة، قال سعد بن عبادة: لو رأیت رجلا مع امرأتي لضربته بالسیف غیر مصفح. فقال النبي صلی الله علیه وسلم: أتعجبون من غیرة سعد لأنا أغیر منه، والله أغیر مني۔

وفی المصنف لابن ابي شیبة (۳۶/۳): عن هشام، عن ابن سیرین، قال: ما أعلم، أن أحدا من أهل

العلم ولا التابعين ترك الصلاة على أحد من أهل القبلة تأثما.

وفی تکملة فتح الملهم (۱/۲۵۷): (قوله: أتعجبون من غيرة سعد؟) تمسك بهذا التقرير من قال: "ان من وجد رجلا يزنى بامرأته فقتله فلا شئ عليه" وتفصيل المسئلة أنه إن أثبت ذلك بأربعة شهود فالجمهور على أنه لا يقتص منه وهو قول أبي حنيفة وأما إن جاء شاهدين على أنه قتله بهذا السبب فقال الجمهور يقتص منه، وقال أحمد و اسحاق لا قصاص عليه كما حكاه الحافظ فى شرح حديث سهل من لعان الفتح. وهذا حكم القضاء وأما فيما بينه وبين الله فيسع له قتل الرجل إن كان ثيبا و علم أنه نال منها ما يوجب الغسل، صرح به الحافظ والنووى و الشامى. حجة الجمهور ما أخرجه مالك فى الأقضية من المؤطا عن على أنه قال فى مثله "إن لم يأت بأربعة شهداء فليعط برمته" يعنى يقاد منه.

وأما حديث الباب فقد وقع ههنا مختصرا. وقد ورد فى حديث سلمة بن المحبق عند ابن ماجة ما يوضحه و يدل على قول الجمهور وهو ما رويناه --- وفيه أن النبیﷺ قال فى مبدء الأمر: "كفى بالسيف شاهدا" ثم أتبعه بقوله "لا" إنى أخاف أن يتتابع فى ذلك السكران والغيران" فقوله الأول حكم الديانة وقوله الثانى حكم القضاء۔

وفى بدائع الصنائع (۳/۲۰۴): أن النكاح عقد مصلحة لكونه وسيلة إلى مصالح الدين والدنيا والطلاق إبطال له وإبطال المصلحة مفسدة وقد قال الله عز وجل والله لا يحب الفساد وهذا معنى الكراهة الشرعية عندنا أن الله تعالى لا يحبه ولا يرضى به إلا أنه قد يخرج من أن يكون مصلحة لعدم توافق الأخلاق وتباين الطبائع أو لفساد يرجع إلى نكاحها الخ۔

وفى الخانية على هامش الهندية (۳/۴۲۹): و ذكر الإمام القاضي الإسبيجابي رحمه الله تعالى إذا قال لامرأة يا روسبى يحد حد القذف و عن إبراهيم النخعي رحمه الله تعالى إذا قال لامرأة يا روسبيج يكون قاذفا و التعزير حق العبد كسائر حقوقه يجوز فيه الإبراء و العفو و الشهادة على الشهادة ويجري فيه اليمين۔

وفی الشامية (۳/۲۵۲): أن الصريح ما غلب في العرف استعماله في الطلاق بحيث لا يستعمل عرفا إلا فيه من أي لغة كانت۔

و فيه أيضا (۴/۶۳): وحاصله أنه لا يحل ديانة لا قضاء فلا يصدقه القاضي إلا ببينة والظاهر أنه يأتي هنا التفصيل المذكور في السرقة وهو ما في البزازية وغيرها إن لم يكن لصاحب الدار بينة

فإن لم يكن المقتول معروفا بالشر والسرقة قتل صاحب الدار قصاصا وإن كان متهما به فكذلك قياسا وفي الاستحسان تجب الدية في ماله لورثة المقتول لأن دلالة الحال أورثت شبهة في القصاص لا في المال۔

وفيه أيضاً(٣٦٩/٥): وفي الفتح وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا ويكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا إماما يصلي بهم الجمعة اهـ وهذا هو الذي تطمئن النفس إليه فليعتمد نهر والإشارة بقوله وهذا إلى ما أفاده كلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من كافر على خلاف ما مر عن التاترخانية ولكن إذا ولي الكافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة تأمل ثم إن الظاهر أن البلاد التي ليست تحت حكم سلطان بل لهم أمير منهم مستقل بالحكم عليهم بالتغلب أو باتفاقهم عليه يكون ذلك الأمير في حكم السلطان فيصح منه تولية القاضي عليهم۔

وفيه أيضاً(٤١٨/٥): وإن كان القضاء بالجور عن عمد وأقر به فالضمان في ماله في الوجوه كلها بالجناية والإتلاف ويعزر القاضي ويعزل عن القضاء ط عن الهندية ملخصا۔

وفيه أيضاً(٦١/٤، ٦٢): قوله (لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز اهـ ومثله في المعراج وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشرنبلالية ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه اهـ ۔۔۔ والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال۔

وفي الدر المختار (٢١٠/٢): (وهي فرض على كل مسلم مات خلا) أربعة (بغاة وقطاع طريق) فلا يغسلوا ولا يصلى عليهم (إذا قتلوا في الحرب) ولو بعده صلي عليهم لأنه حد أو قصاص۔الخ۔

وفي الردالمحتار: قوله (ولو بعده الخ) قال الزيلعي وأما إذا قتلوا بعد ثبوت يد الإمام عليهم فإنهم يغسلون ويصلى عليهم وهذا تفصيل حسن أخذ به كبار المشايخ لأن قتل قاطع الطريق في هذه الحالة حد أو قصاص ومن قتل بذلك يغسل ويصلى عليه وقتل الباغي في هذه الحالة للسياسة أو لكسر شوكتهم فينزل منزلته لعود نفعه إلى العامة اهـ۔

(۱۱۸) تین مرتبہ "میں نے تمہیں طلاق دیدی" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ میں نے تمہیں طلاق دی اس کی بیوی اپنے کام میں مشغول رہی اور اس کی طرف توجہ نہیں دی تو اس شخص نے کہا کہ تم نے سنا نہیں میں نے تمہیں ایک طلاق دیدی جب اس کی بیوی بدستور اپنے کام میں مشغول رہی تو پھر دوبارہ کہا کہ میں نے تمہیں ایک طلاق دیدی اب سوال یہ ہے کہ اس جملہ کے بار بار کہنے کی وجہ سے کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں دوسری اور تیسری دفعہ طلاق کے الفاظ (میں نے تمہیں ایک طلاق دیدی) سے اگر پہلی طلاق کی خبر دینا مقصود ہے تو ایک طلاق واقع ہوگئی ہے اور اگر دوسری مرتبہ کہنے سے پہلی طلاق کی خبر دینا مقصود ہو جبکہ تیسری دفعہ یہ ارادہ نہیں تھا تو دو طلاق واقع ہوگئی ہیں اور اگر دونوں دفعہ کہنے کے وقت طلاق کی خبر دینا مقصود نہ ہو تو تین طلاقیں واقع ہو کر حرمت مغلظہ ثابت ہوگئی ہے لہٰذا حلالہ شرعیہ کے بغیر نکاح کرنا اور اکٹھے رہنا جائز نہیں ہے۔

لمافی بدائع الصنائع (۲۲۴/۴) ولو قال لامرأته أنت طالق فقال له رجل ما قلت؟ فقال طلقتها أو قال قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء لأن كلامه انصرف إلى الإخبار بقرينة الاستخبار۔

وفي الهندية (۳۵۵/۱): ولو قال لها أنت طالق طالق أو أنت طالق أنت طالق أو قال قد طلقتك قد طلقتك أو قال أنت طالق وقد طلقتك تقع ثنتان إذا كانت المرأة مدخولاً بها ولو قال عنيت بالثاني الاخبار عن الأول لم يصدق في القضاء و يصدق فيما بينه وبين الله تعالى ولو قال لإمرأته أنت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها أو قال قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء كذا في البدائع۔

وفي اللجنة الدائمة (۲۲۷/۲۰): إذا كان الأمر كما ذكر السائل أولاً من أنه طلق زوجته طلقة واحدة وأنه لما وجدها لم تخرج من بيته قال لها ثانياً (أنا قلت لك إنك مطلقة) ثم قال لها ثالثاً عند ما حضر الضابط لإخراجها (إنني طلقتها) فما حصل منه يعتبر طلقة واحدة لأن تكرار الطلاق على الوجه المذكور يعتبر إخباراً عن الطلاق الأول فاذا لم تكن هذه الطلقة آخر ثلاث تطليقات فله أن يعود إليها بعقد و مهر جديدين برضاها۔ الخ۔

(۱۱۹) مطلقہ مغلظہ کے ساتھ ازدواجی تعلق رکھنا حرام ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری شادی کو چھ سال ہوگئے ہیں ایک بیٹی پانچ سال کی

اور بیٹا تین سال کا ہے دو بچے ہیں۔ میرے شوہر نے مجھے ڈھائی سال پہلے سب کے سامنے معمولی جھگڑے پر طلاق کا ایک لفظ منہ سے نکالا پھر آٹھ ماہ بعد دوسری بار طلاق کا لفظ منہ سے نکالا اور فوراً رجوع کر لیا۔ مفتی صاحب سے فتویٰ لیا کہ دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں اور پھر آج سے آٹھ مہینے پہلے پھر تیسری بار طلاق کا لفظ منہ سے نکالا، اس دوران گھر میں کوئی بھی نہیں تھا پھر ایک گھنٹے کے بعد فوراً رجوع کر لیا۔ تین بار وقفے وقفے سے کہا اور تینوں بار فوراً رجوع کیا۔

میں یہ بات بھی بتانا چاہوں گی کہ میرے شوہر شادی سے پہلے نشہ کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کو دماغ کا مسئلہ ہے کہ ان کو شدید غصہ آتا ہے اور پھر آدھے ایک گھنٹے کے بعد غصہ ختم ہو جاتا ہے وہ اپنے اس مسئلہ کی دوائی بھی دس سال سے کھا رہے ہیں۔ میں اپنے شوہر کے ساتھ ابھی بھی ازدواجی حیثیت سے رہ رہی ہوں اور مجھے بار بار ڈر لگتا ہے کہ میں اس بات کا فتویٰ لے لوں وہ مجھ سے پیار بھی کرتے ہیں اور الگ بھی نہیں ہونا چاہتے۔۔ وہ حلالہ پر بھی راضی نہیں۔ اس بات کو تسلیم کرنے سے جھوٹ بھی بولتے ہیں کہ میں نے ایک بار جو سب کے سامنے کہا تھا بس وہ ہی کہا ہے ڈھائی سال میں وقفے وقفے سے کہنے کے بعد فوراً رجوع کیا اس صورت میں کیا مسئلہ ہے اور اس کا کیا حل ہے میں بہت پریشان ہوں اور بے سکون ہوں۔ اللہ کے عذاب سے بھی ڈر لگتا ہے اور ہم دونوں کا ایک دوسرے کے بغیر گزارہ بھی نہیں۔ برائے مہربانی مجھے جلد از جلد اس مسئلہ کا حل بتا دیں تا کہ میں اور میرے شوہر سکون سے رہ سکیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو میاں بیوی کا آپس میں ازدواجی تعلق قائم رکھنا حرام ہو جاتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً آپ کے شوہر نے آپ کو تین طلاقیں دیدی ہیں تو آپ کیلئے ان کے ساتھ رہنا حرام و ناجائز اور بہت بڑا گناہ ہے البتہ اگر آپ پھر سے ازدواجی تعلقات قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے حلالہ شرعی (یعنی کسی دوسرے شخص سے نکاح کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم ہو اور پھر اس نے طلاق دے دی ہو یا وفات پا چکا ہو اور عورت عدت بھی گزار چکی ہو) ضروری ہے اور بغیر حلالہ کے ازدواجی تعلقات برقرار رکھنا حرام اور ناجائز ہے۔

لما في القرآن المجيد (البقرة:۲۳۰): فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

وفي التاتارخانية (۳۷۷/۴) كتاب الطلاق: وأما حكمه ۔۔۔ فزوال حل العقد متى تم ثلاثا۔

وفي الهندية (۳۵۳/۱): فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغا عاقلا سواء كان حرا أو عبدا طائعا أو مكرها كذا في الجوهرة النيرة۔

وفي الشامية (۲۵۱/۳): والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوى على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب ۔۔۔ وفي البزازية عن الأوزجندي أنها ترفع الأمر للقاضي فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه اه قلت أي إذا لم تقدر على الفداء أو الهرب ولا على منعه عنها فلاينافي ما قبله۔

(۱۲۰) حلالہ کیلئے نکاح کے بعد ہمبستری ضروری ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے دوست اسد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں، دو مہینے بعد دونوں خاندانوں میں صلح ہوگئی۔ اب اسد کی خواہش ہے کہ ہم دوبارہ ایک ساتھ ہوجائیں، اس کے لئے اسد نے ایک عالم سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ بغیر حلالے کے یہ لڑکی آپ کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

چنانچہ لڑکی کے والدین نے حلالے کی غرض سے اپنی بیٹی کا نکاح کروایا۔ نکاح کے بعد رخصتی ہوئی اور دوسرے ہی دن لڑکی اپنے گھر واپس آگئی اور انہوں نے مہینے کے اندر اندر طلاق بھی لے لی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ لڑکا کہتا ہے کہ میں نے حقوق زوجیت ادا نہیں کئے ہیں اور لڑکی کا بھی یہی بیان ہے۔ اب آپ حضرات سے پوچھنا یہ ہے کہ شرعاً حلالے کا کیا حکم ہے اور صرف نکاح کرنے سے عورت زوج اول کے لئے حلال ہوجاتی ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو اس عورت کے ساتھ اس کا دوبارہ نکاح اس وقت ہوسکتا ہے جب یہ عورت عدت گزار کر دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور وہ اس عورت کے ساتھ حق زوجیت بھی ادا کرے پھر طلاق دیدے یا فوت ہوجائے تو جب اس عورت کی عدت گزر جائے تو اب پہلے شوہر کیلئے اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دوسرے شوہر کے حقِ زوجیت ادا کئے بغیر فقط نکاح کر کے طلاق دینے سے وہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوئی۔

لما في البخاری (۷۹۱/۲): عن ابن شهاب، قال: أخبرني عروة بن الزبير، أن عائشة رضى الله عنها أخبرته: أن امرأة رفاعة القرظي جاءت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. فقالت: يا رسول الله، إن رفاعة طلقني فبت طلاقي، وإني نكحت بعده عبد الرحمن بن الزبير القرظي، وإنما معه مثل الهدبة. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعلك تريدين أن ترجعي إلى رفاعة؟ لا. حتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته۔

وفی الهندية (۴۷۳/۱) باب الرجعة فصل فيما تحل به المطلقة: وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية۔

(۱۲۱) "تین پتھروں سے تجھے طلاق ہو" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ شوہر گھر کے باہر کھڑا تھا شوہر نے بیوی سے کہا کہ اندر سے پیسے لے کر آؤ۔ بیوی گھر سے پیسے لے کر آئی لیکن آنے میں تھوڑی دیر ہوگئی۔ شوہر نے اس بات پر بیوی سے کہا کہ تین پتھروں سے تجھے

طلاق ہو۔ یہ جملہ ایک دفعہ ہی کہا ہے اور بیوی حاملہ ہے۔ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شخص مذکور کا اپنی بیوی کو "تین پتھروں سے تجھے طلاق ہو" کے الفاظ کہنے سے اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں اور بیوی مغلظہ بائنہ ہوگئی ہے۔ اب مذکورہ شخص کا اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلقات رکھنا شرعاً ناجائز وحرام ہے۔

لما في الخانية على هامش الهندية (١/٤٥٨) كتاب الطلاق: رجل قال لامرأته أنت طالق مثل سنجة دانق يقع واحدة ولو قال مثل سنجة دانق ونصف يقع تطليقتان --- فالحاصل أنه إذا شبه الطلاق بما يوزن بسنجة واحدة وإن شبه بما يوزن بسنجتين يقع تطليقتان وإن شبه بما يوزن بثلاث سنجات أو أكثر يقع الثلاث۔ الخ۔

وفي الهندية (١/٣٥٧): ولو قال أنت بثلاث وقعت ثلاث إن نوى ولو قال لم أنو لا يصدق إذا كان في حال مذاكرة الطلاق --- ومثله بالفارسية توبسه على ما هو المختار للفتوى۔

وفي الشامية (٣/٢٣٠) كتاب الطلاق: قوله (وركنه لفظ مخصوص) هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح أو كناية فخرج الفسوخ على ما مر وأراد اللفظ ولو حكما ليدخل الكتابة المتسبينة وإشارة الأخرس والإشارة إلى العدد بالأصابع في قوله أنت طالق هكذا كما سيأتي وبه ظهر أن من تشاجر مع زوجته فأعطاها ثلاثة أحجار ينوي الطلاق ولم يذكر لفظا صريحا ولا كناية لا يقع عليه كما أفتى به الخير الرملي وغيره۔

(١٢٢) ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی کی والدہ اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا اور اس وقت اس عورت کا خاوند گھر پر نہیں تھا، جھگڑا ہوا تو والدہ نے فون پر اپنے بیٹے کو بلایا تب تک اس کی بیوی اس کی والدہ سے لڑکر چلی گئی تھی اور بیٹے نے گھر آکر صورتحال معلوم ہونے پر غصہ میں کہا ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق۔ آیا طلاق ہوئی یا نہیں اور کونسی طلاق ہوئی؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں چونکہ اس شخص نے لڑائی جھگڑے کے بعد غصہ میں یہ الفاظ (ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق) اپنی بیوی کو کہے ہیں لہٰذا اس کو تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور وہ بائنہ مغلظہ ہوگئی اب شرعی حلالہ کے بغیر دوبارہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔

لما في القرآن المجيد (البقرة: ٢٣٠): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ

طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔

وفي مشكوة المصابيح (۲/۲۸۴) باب الخلع والطلاق: عن عائشة رضي الله عنها قالت: جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: إني كنت عند رفاعة فطلقني فبت طلاقي فتزوجت بعده عبد الرحمن بن الزبير وما معه إلا مثل هدبة الثوب فقال: " أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة؟ " قالت: نعم قال: "لا حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك"۔

وفي بدائع الصنائع (۳/۱۰۲) كتاب الطلاق: وإن قال بهشتم ولم يقل إن زن فإن قال ذلك في حال سؤال الطلاق أو في حال الغضب فهي واحدة يملك الرجعة ولا يدين أنه ما أراد به الطلاق في القضاء وإن قال في غير حال الغضب ومذاكرة الطلاق يدين في القضاء لأن معنى قولهم بهشتم خليت وليس في قوله خليت إضافة إلى النكاح ولا إلى الزوجة فلا يحمل على الطلاق إلا بقرينة نية أو بدلالة حال وحال الغضب ومذاكرة الطلاق دليل إرادة الطلاق ظاهرا فلا يصدق في الصرف عن الظاهر۔

وفي الهندية (۱/۴۷۳) كتاب الطلاق فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به: وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية۔

(۱۲۳) "تجھے آج بھی طلاق، کل بھی طلاق پرسوں بھی طلاق" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے لڑائی کرتے ہوئے ہاتھ اٹھایا جس پر لڑکے کی ماں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا اس کو مت مار بلکہ اس کو طلاق دیدے، چنانچہ لڑکے نے کہا "تجھے آج بھی طلاق، کل بھی طلاق، پرسوں بھی طلاق"۔ آیا اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جلد جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر کے یہ الفاظ کہنے سے کہ "تجھے آج بھی طلاق، کل بھی طلاق، پرسوں بھی طلاق" عورت پر طلاق مغلظہ (یعنی تین طلاق) واقع ہو چکی ہیں لہٰذا اب ان دونوں کا آپس میں ازدواجی تعلق قائم رکھنا شریعت کی رو سے ناجائز اور حرام ہے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ۔ إلى

قوله۔۔ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔

وفی الهندية (۱/۳۶۷): ولو قال أنت طالق اليوم وبعد غد طلقت ثنتين في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الدر المختار (۳/۲۶۵): (وفي أنت طالق اليوم غدا أو غدا اليوم اعتبر اللفظ الأول) ولو عطف بالواو يقع في الاول واحدة وفي الثاني ثنتان كقوله أنت طالق بالليل والنهار أو أول النهار وآخره وعكسه أو اليوم ورأس الشهر والأصل أنه متى أضاف الطلاق لوقتين كائن ومستقبل بحرف عطف فإن بدأ بالكائن اتحد أو بالمستقبل تعدد وفي أنت طالق اليوم وإذا جاء غدا أو أنت طالق لا بل غدا طلقت واحدة للحال وأخرى في الغد۔

(۱۲۴) "طلاق دی اور چھوڑ دیا" سے واقع ہونے والی طلاق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر کورٹ میں جا کر اقرار کیا کہ "میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور چھوڑ دیا"۔ پھر دو مہینے کے بعد پھر اس کو راستے سے اٹھا کر گھر لے آیا اس کی بیوی کو مسئلہ معلوم نہ تھا۔ یوں بیس سال گزر گئے۔ بیس سال کے بعد اپنی بیوی کو پھر چھوڑ دیا اور تھانے میں اقرار کیا کہ میں نے "اپنی بیوی کو طلاق دے کر چھوڑ دیا ہے" اب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ بیوی نے پرانے شوہر کے ساتھ جو وقت گزارا اس کا گناہ کس پر ہوگا اور بیس سال بعد چھوڑنے کے بعد اب شوہر پر خرچ پانی لازم ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جو الفاظ طلاق صریح میں استعمال ہوتے ہیں ان سے ایک یا دو طلاق دینے کی صورت میں رجوع کیا جا سکتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ شوہر نے الفاظ صریح (میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور چھوڑ دیا) کے ساتھ اگر طلاق دی ہے تو اس پہلے بیان کے مطابق دو طلاقیں رجعی واقع ہو گئیں، اس لئے شوہر کا عورت کو اس کے بعد گھر لے جانا درست ہے (بشرطیکہ عدت کے ایام کے اندر ہو) اور یہ رجوع شمار ہوگا اور جو بیس سال ساتھ گزارے ان کا کسی پر کوئی گناہ نہیں البتہ بیس سال کے بعد تھانہ میں نئے بیان کی وجہ سے ایک اور طلاق واقع ہو گئی، جس کی وجہ سے عورت مغلظہ ہو گئی اور اس کے بعد عورت پر عدت گزارنا لازم ہے۔ عدت کے ایام (تین حیض) میں عورت کا نان نفقہ اور رہائش شوہر کے ذمے ہے۔

لما فی القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ۔

(الطلاق: ۷): لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا۔

وفی الدر المختار (۳/۴۰۹، ۴۱۰): (وينكح) مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع

ومنع غيره فيها لاشتباه النسب (لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذكما سنحققه (بها) أي بالثلاث (لو حرة وثنتين لو أمة) ۔۔۔ (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا) يجامع مثله۔

وفی الشامیة (۲۹۹/۳): بخلاف فارسية قوله سرحتك وهو رهاء كردم لأنه صار صريحا في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري اھ ۔۔۔ ثم فرق بينه وبين سرحتك فإن سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فإذا قال رها كردم أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق۔

(۱۲۵)"دل سے طلاق دیتا ہوں طلاق طلاق" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ جھگڑے کے دوران میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ تم فیصلہ کردو تو میں نے کہا کہ میں تم کو دل سے طلاق دیتا ہوں طلاق طلاق پھر کچھ دیر بعد ہم نے صحبت بھی کی جب کہ میری بیوی حاملہ بھی ہے۔ اب آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کتنی؟ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کے مذکورہ الفاظ سے آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں جس کی وجہ سے آپ کی بیوی آپ پر حرام ہوگئی ہے، لہٰذا فی الفور آپ دونوں کا الگ ہوجانا ضروری ہے، اب آپ کے لئے آپس میں کسی قسم کا ازدواجی تعلق قائم کرنا شرعاً درست نہیں اور طلاق کے بعد جو آپ دونوں نے صحبت کی ہے اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ سے خوب توبہ واستغفار کریں۔

لمافي المصنف لابن ابي شيبة (۵۱۹/۹): عن واقع بن سحبان قال : سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأته ثلاثا في مجلس؟ قال : أثم بربه ، وحرمت عليه امرأته.

وفی الهندية (۳۵۵/۱): ولو قال لها أنت طالق طالق أو أنت طالق أنت طالق أو قال قد طلقتك قد طلقتك أو قال أنت طالق وقد طلقتك تقع ثنتان إذا كانت المرأة مدخولا بها ولو قال عنيت بالثاني الإخبار عن الأول لم يصدق في القضاء ويصدق فيما بينه وبين الله تعالى۔

وفی الدرالمختار (۲۸۰/۳): (بخلاف) أنت طالق (أكثره) أي الطلاق (بالتاء المثناة من فوق فإنه يقع به الثلاث ولا يدين في) إرادة (الواحدة) كما لو قال أكثر الطلاق أو أنت طالق مرارا۔

وتحته فی الشامية : قوله (أو أنت طالق مرارا) في البحر عن الجوهرة لو قال أنت طالق مرارا تطلق ثلاثا إن كان مدخولا بها كذا في النهاية اھ

(۱۲۶) بیوی کو تین مرتبہ "میں نے طلاق دی" کہنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بندہ "عدنان حسین" نے گھریلو ناچاقی کی بناء پر اپنی بیوی کو تین مرتبہ "میں نے طلاق دی" کے الفاظ کہے نیز اپنے والد، والدہ، بہن اور بھائی وغیرہ کو مخاطب کر کے کہا کہ میرا آپ سے واسطہ ختم۔ ازراہِ کرم شرع کی روشنی میں ان الفاظ کی حقیقت اور اس پر مرتب ہونے والے حکم کو بیان فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں، جس کا حکم یہ ہے کہ اب حلالہ سے قبل تعلقِ زوجیت قائم نہیں ہوسکتا اور تین طلاقیں ایک ساتھ دینا گناہ ہے، اس لئے مذکورہ شخص کو توبہ واستغفار بھی کرنی چاہیئے۔ نیز آپ کا اپنے والد، والدہ، بہن اور بھائی وغیرہ کو یہ کہنا کہ میرا آپ سے واسطہ ختم، قطع رحمی ہے جو کہ حرام ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ "جو صلہ رحمی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اچھا معاملہ فرمائیں گے اور جو قطع رحمی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونے والا ہے۔" اس لئے جس جس سے آپ نے مذکورہ بات کہی، ان کو راضی کر لیجئے اور اب تک جو کچھ ہوا، اس پر اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کیجئے۔

لما فی القرآن المجید (البقرة: ۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

وفی صحیح البخاری (۸۸۵/۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إن الرحم شجنة من الرحمن، فقال الله: من وصلك وصلته، ومن قطعك قطعته"

وفی الشامیة (۴۱۰/۳): قوله (حتى يطأها غيره) أي حقيقة أو حكما ـ ـ ـ ولا بد من كون الوطء بالنكاح بعد مضي عدة الأول لو مدخولا بها وسكت عنه لظهوره۔

(۱۲۷) "میں آپ کی بہن کو ۳ طلاقیں دے رہا ہوں" کہنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی اپنے بہنوئی سے فون پر بات کرے اور بہنوئی باتوں باتوں کے دوران اسے یہ کہے کہ آپ کی بہن کو تین طلاقیں دے رہا ہوں تو کیا اس سے طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ واضح رہے کہ حالت غضب اور مذاکرہ طلاق وغیرہ ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں کے حکم میں فرق بھی واضح کر دیا جائے اور قرآن وسنت کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں بتقدیر صحت واقعہ مذکورہ شخص کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہیں لہٰذا ان کا بغیر حلالہ شرعیہ کے آپس میں ازدواجی تعلقات برقرار رکھنا جائز نہیں ہے نیز حالت غضب اور مذاکرہ طلاق دونوں صورتوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں دونوں صورتوں میں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة: ۲۲۹): اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٌۢ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ

لَكُمْ اَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا إِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ --إلى قوله-- فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

وفی مشکوۃ المصابیح (۲۸۴) باب الخلع والطلاق: عن عائشة رضی الله عنها قالت : جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت : إني كنت عند رفاعة فطلقني فبت طلاقي فتزوجت بعده عبد الرحمن بن الزبير وما معه إلا مثل هدبة الثوب فقال : " أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة ؟ " قالت : نعم قال : "لا حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك " ۔

وفی الشامية (۲۴۸/۳): قوله (وما بمعناها من الصريح) أي مثل ما سيذكره من نحو كوني طالقا واطلقي ويا مطلقة بالتشديد وكذا المضارع إذا غلب في الحال مثل أطلقك كما في البحر قلت ومنه في عرف زماننا تكوني طالقا۔

(۱۲۸) زبانی دو طلاقوں کو تحریراً تین لکھ دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری شادی ۲۶/ اگست ۲۰۰۵ء کو ہوئی تھی جس کے ایک ماہ بعد میں سسرال سے لڑکی کے والد کے سامنے غصہ کر کے اپنی بیوی کو لے کر آیا، تھوڑی دیر بعد اس کا بھائی اسے لینے آ گیا۔ میں نے اسے منع کیا کہ اسے مت لے جاؤ لیکن وہ نہیں مانا پھر میں نے اپنی بیوی کو منع کیا کہ تم مت جاؤ وہ بھی نہیں مانی اور چلی گئی اس کے چند دن بعد میں نے اسے فون پر ایک طلاق دے دی پھر ایک ماہ بعد ہم میں صلح ہو گئی اور پھر ساتھ رہنے لگے اس دوران ہمارے دو بچے ہوئے ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔

پھر میرا اپنی بیوی سے اس بات پر کہ ہمیں ماں باپ کے ساتھ ہی رہنا چاہیئے کیونکہ اس وقت ہمارے اور ماں باپ دونوں کے حالات بہت خراب تھے۔ جھگڑا ہوا کیونکہ وہ ساتھ ہونے پر راضی نہ تھی میں نے اسے دوسری طلاق دے دی پھر وہ مان گئی اور ہم ساتھ ہو گئے۔

پھر میری بیوی اپنے بھائی کی شادی پر دس دن کے لئے اپنے گھر چلی گئی اور واپس آنے کے بعد فوراً ایک ہفتے کے اندر دوبارہ جانے کا کہنے لگی اس کے گھر والے اس سے ملنے آئے تھے کیونکہ اس کے پاؤں میں سوئی چبھ گئی تھی۔ میرا بیٹا ۵ دن سے زیادہ مجھ سے نہ ملنے پر بیمار ہو جاتا تھا اسے بخار چڑھ جاتا تھا۔ میں نے اپنی بیوی کو جانے کی اجازت نہیں دی اور اس سے کہا کہ اگر جانا ہے تو میں جو دو طلاقیں تمہیں دے چکا ہوں اس کی تحریر لکھ کر دے رہا ہوں یہ لے جاؤ اور اپنے گھر والوں سے مشورہ کر لینا اگر تمہارا گزارا میرے ساتھ نہیں ہو رہا تو خلع مانگ لینا۔

تحریر: میں شمس الرحمن اپنی بیوی صائمہ کو طلاق دیتا ہوں۔

(۱) طلاق

(۲) طلاق

شمس

یہ تحریر میری بیوی نے رکھ لی اور نہ جانے پہ راضی ہوگئی ہم تقریباً ایک ہفتہ ساتھ رہے اس دوران مباشرت بھی ہوئی اس کے بعد پھر میں اپنی بیوی کو اس کے گھر چھوڑ آیا۔ اس نے وہ پرچہ اپنے رشتہ داروں یا گھر والوں میں سے کسی کو دکھایا تو انہوں نے کہا کہ تین طلاقیں ہو چکی ہیں۔ یہ بات میری بیوی نے میرے گھر آ کر بتائی اور ہم مزید ۲ دن ساتھ رہے پھر میرے سسرال والے آ کر میری بیوی اور بچوں کو لے گئے اور کہا کہ دو دن کے اندر سامان اور حق مہر ادا کردو اور ۲ دن بعد آ کر سامان اور حق مہر جو کہ چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) تھا اس میں سے پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) میں نے ادا کردیئے باقی نو ہزار (۹۰۰۰) چند دنوں کے بعد ادا کردیئے۔ اب بات کو ۴ ماہ ہو چکے ہیں۔

ہم نے بنوری ٹاؤن سے فتویٰ لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ہوگئی ہیں جبکہ اہلحدیث سے فتویٰ لیا ہے وہ کہتے ہیں دو طلاقیں ہوئی ہیں اور رجوع کرنا جائز ہے۔ برائے مہربانی آپ راہنمائی فرمائیں آیا تین طلاقیں ہوگئی ہیں یا دو ہوئی ہیں اور رجوع کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ شکریہ۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ تحریر "میں شمس الرحمن اپنی بیوی صائمہ کو طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق" کے بعد آپ کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہیں لہٰذا آپ کو بغیر حلالہ شرعیہ کے ایک ساتھ رہنا اور ازدواجی تعلقات برقرار رکھنا جائز نہیں۔

لما في القرآن المجيد (البقرة:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔

وفي الهندية (۱/۳۵۵): ولو قال لها أنت طالق طالق أو أنت طالق أنت طالق أو قال قد طلقتك قد طلقتك أو قال أنت طالق وقد طلقتك تقع ثنتان إذا كانت المرأة مدخولا بها ولو قال عنيت بالثاني الإخبار عن الأول لم يصدق في القضاء ويصدق فيما بينه وبين الله تعالى --- وإذا قال لامرأته أنت طالق وطالق ولم يعلقه بالشرط إن كانت مدخولة طلقت ثلاثا وإن كانت غير مدخولة طلقت واحدة وكذا إذا قال أنت طالق فطالق فطالق أو ثم طالق ثم طالق أو طالق طالق كذا في السراج الوهاج۔

وفي الدر المختار (۳/۲۴۶): فروع كتب الطلاق إن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوى وقيل مطلقا۔

وفيه أيضا (٣/٢٤٦): (لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذ كما سنحققه (بها) أي بالثلاث ... (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا) يجامع مثله ... (بنكاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف.

باب الطلاق الثلاث

(تین طلاقیں دینے کا بیان)

(۱۲۹) تین طلاقوں سے متعلق غیر مقلدین کے فتوے پر عمل کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اس نے مسلک دیوبند کے علماء سے فتویٰ لیا انہوں نے فتویٰ دیا کہ تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں بغیر حلالہ شرعیہ کے ایک ساتھ رہنا جائز نہیں پھر یہ شخص غیر مقلدین کے پاس گیا انہوں نے فتویٰ دیا کہ ایک طلاق واقع ہوئی ہے آپ رجوع کر سکتے ہو، اس نے غیر مقلدین کا فتویٰ مان کر بیوی سے رجوع کر کے اپنے پاس رکھ لیا اب اس شخص کو زانی کہیں گے یا فاسق؟ حالانکہ اس کے پاس بھی دلیل شرعی موجود ہے اس پر ایک عرصے تک عمل ہوتا رہا ہے اب جو شریعت کا حکم ہو مفصلا بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی خواہ ایک ساتھ دے یا الگ الگ دے اور اسی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں اجماع ہوا ہے اور یہی جمہور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے۔ صورت مسئولہ میں تین طلاقوں کے بعد (خواہ متفرق طور پر دی ہوں یا مجتمع طور پر دی ہوں) غیر مقلدین کا یہ فتویٰ دینا کہ تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی اجماع صحابہ، تابعین، ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور قرآن وسنت کے خلاف ہے لہٰذا اس شخص کا اس فتویٰ پر عمل کر کے اس مطلقہ کی طرف بغیر حلالہ شرعیہ کے رجوع کرنا ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ یہ شخص حرام میں مبتلا ہو کر سخت گناہ کا مرتکب ہوا ہے اس پر واجب ہے کہ اس عورت سے فوراً الگ ہو جائے ورنہ ساری زندگی حرام میں مبتلا رہے گا البتہ اگر یہ شخص اس عورت کو دوبارہ آباد کرنا چاہتا ہے تو حلالہ شرعیہ کے بعد نکاح کر کے اس کو آباد کر سکتا ہے۔ باقی یہ کہنا کہ غیر مقلدین کے پاس بھی دلیل ہے اور اس پر ایک عرصہ عمل بھی ہوتا رہا ہے یہ صحیح نہیں ہے اس کے چند جوابات ہیں:

(۱) یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ (تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہیں) جو تاویل کا احتمال رکھتا ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ خود اپنے قول کے خلاف منقول ہے۔

(۳) اجماع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے بعد اجماع ہی پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۴) اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ اس پر ایک عرصہ عمل ہوتا رہا ہے تو نکاح متعہ اور امہات الاولاد کی بیع پر بھی ایک عرصہ تک

عمل ہوا ہے لیکن اب جس طرح اہل سنت والجماعت میں سے کوئی بھی حلتِ متعہ اور امہات الاولاد کی بیع کے جائز ہونے کا قائل نہیں اسی طرح تین طلاق دینے سے ایک طلاق واقع ہونا بھی اجماع کے خلاف ہے۔

لمافی المحلی بالاثار (٣٨٦/٩): قال سمعت محمود بن لبيد قال: أخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعا فقام غضبان ثم قال: أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم، فقام رجل فقال: يا رسول الله ألا أقتله۔

وفي الشرح الكبير لابن قدامة الحنبلي (٢٤٣/٨، ٢٤٤): (فصل) فان طلق ثلاثا بكلمة واحدة وقع الثلاث وحرمت عليه حتى تنكح زوجا غيره ولا فرق بين قبل الدخول وبعده روي ذلك عن ابن عباس وأبي هريرة وابن عمر وعبد الله بن عمرو وابن مسعود وأنس وهو قول أكثر أهل العلم من التابعين والائمة بعدهم --- فأما حديث ابن عباس فقد صحت الرواية عنه بخلافه وأفتى بخلافه قال الاثرم سألت أبا عبد الله عن حديث ابن عباس بأي شئ تدفعه فقال أدفعه برواية الناس عن ابن عباس من وجوه خلافه ثم ذكر عن ابن عباس من وجوه خلافه أنها ثلاث وقيل معنى حديث ابن عباس أن الناس كانوا يطلقون واحدة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر والا فلا يجوز أن يخالف عمر ما كان في عهد النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر ولا يسوغ لابن عباس ان يروي هذا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ويفتي بخلافه۔

وفي فتح الباري (٢٩٩/٩): وفي الجملة فالذي وقع في هذه المسألة نظير ما وقع في مسألة المتعة سواء أعني قول جابر أنها كانت تفعل في عهد النبي صلى الله عليه و سلم وأبي بكر وصدر من خلافة عمر قال ثم نهانا عمر عنها فانتهينا فالراجح في الموضعين تحريم المتعة وايقاع الثلاث للاجماع الذي انعقد في عهد عمر على ذلك ولا يحفظ أن أحدا في عهد عمر خالفه في واحدة منهما وقد دل إجماعهم على وجود ناسخ وان كان خفي عن بعضهم قبل ذلك حتى ظهر لجميعهم في عهد عمر فالمخالف بعد هذا الإجماع منابذ له والجمهور على عدم اعتبار من أحدث الاختلاف بعد الاتفاق والله أعلم۔

وفي الدر المختار(٢٣٢/٣): (والبدعي ثلاث متفرقة) أو اثنتان بمرة أو مرتين في طهر واحد (لا رجعة فيه)۔

وفي الرد تحته: قوله (ثلاثة متفرقة)وكذا بكلمة واحدة بالأولى وعن الإمامية لا يقع بلفظ الثلاث ولا في حالة الحيض لأنه بدعة محرمة وعن ابن عباس يقع به واحدة --- وذهب جمهور

الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث قال في الفتح بعد سوق الأحاديث الدالة عليه وهذا يعارض ما تقدم وأما إمضاء عمر الثلاث عليهم مع عدم مخالفة الصحابة له وعلمه بأنها كانت واحدة فلا يمكن إلا وقد اطلعوا في الزمان المتأخر على وجود ناسخ أو لعلمهم بانتهاء الحكم لذلك لعلمهم بإناطته بمعان علموا انتفاءها في الزمن المتأخر وقول بعض الحنابلة : توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم عن مائة ألف عين رأته فهل صح لكم عنهم أو عن عشر عشر عشرهم القول بوقوع الثلاث باطل ؟ أما أولا فإجماعهم ظاهر لأنه لم ينقل عن أحد منهم أنه خالف عمر حين أمضى الثلاث . ولا يلزم في نقل الحكم الإجماعي عن مائة ألف تسمية كل في مجلد كبير لحكم واحد على أنه إجماع سكوتي .وأما ثانيا فالعبرة في نقل الإجماع نقل ما عن المجتهدين والمائة ألف لا يبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم أكثر من عشرين كالخلفاء والعبادلة وزيد بن ثابت ومعاذ بن جبل وأنس وأبي هريرة . والباقون يرجعون إليهم ويستفتون منهم وقد ثبت النقل عن أكثرهم صريحا بإيقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف { فماذا بعد الحق إلا الضلال } وعن هذا قلنا لو حكم حاكم بأنها واحدة لم ينفذ حكمه لأنه لا يسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف لا اختلاف وغاية الأمر فيه أن يصير كبيع أمهات الأولاد أجمع على نفيه وكن في الزمن الأول يبعن اهـ ملخصا ثم أطال في ذلك.

رسالة

رفع الالتباس

عن

مسئلة الطلاق الثلاث

تین طلاقوں کے تین ہونے اور غیر مقلدین کے

جاری کردہ فتوی پر تفصیلی استدراک، متعلقہ امور پر شافی وکافی تحقیق

(۱۳۰) تین طلاقوں سے متعلق تفصیلی فتویٰ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا نام فاطمۃ الزھراء بنت انجم شمیم ہے۔ محمد آصف ولد عزیز احمد سے میرا نکاح ۱۶/اگست ۲۰۱۳ء بروز جمعہ کو ہوا تھا۔ حالات خراب ہونے کے باعث میں اپنے والد کے گھر میں تھی۔ ۱۸/نومبر ۲۰۱۳ء ٹیلیفون کال آئی۔ میرے والد نے ریسیو کی۔ اس میں انہوں نے مجھ سے بات کرنے کیلئے کہا۔ جب میں نے ان سے بات کی تو انہوں نے مجھ سے میری خواہش پوچھی، میں نے ان کو اپنی خلع کی خواہش بتادی۔ انہوں نے مجھ سے کہا فاطمہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا ایک دفعہ ہوگئی۔ پھر کہا میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا دو دفعہ ہوگئی۔ پھر کہا میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، اور کال کاٹ دی۔

اب وہ کہتے ہیں میں دوائیوں کے زیرِ اثر تھا۔ جس کی تصدیق میرے والد کرتے ہیں۔ ان کی آواز ڈسٹرب تھی۔ قرآن وسنت کی روشنی مین بتایئے اس طلاق کی کیا حیثیت ہے۔

غیر مقلدین کا مسئلہ ھذا سے متعلق فتویٰ[1]

جناب مفتی صاحب السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ

گزارش ہے کہ مسمی آصف کی شادی فاطمہ بنت محمد انجم سے ۲۰/۸/۲۰۱۳ کو ہوئی۔ ۱۲۹ کتوبر کو میری بانجھی کا نکاح تھا۔ دوسرے دن میرا بیوی سے جھگڑا ہوگیا، جس پر وہ طلاق کا مطالبہ کرنے لگی۔ میں نے اسے اپنے میکے جانے کو کہا تاکہ معاملہ کچھ ٹھنڈا ہوجائے اور سوچ سمجھ کے کچھ فیصلہ کیا جائے۔ ۱۷ تاریخ کو مجھے گھٹن ہونے لگی، ہسپتال میں علاج کے بعد مجھے گھر بھیج دیا گیا، نیز غنودگی اور نیند کی گولیاں دی گئیں۔ دو تین دن بعد میں نے اپنی بیوی کے نمبر پر فون کیا تو میرے سسر نے اٹھایا۔ میں نے فاطمہ سے بات کرنے کو کہا، اس سے بات ہوئی تو میں نے پوچھا کہ تم نے کیا سوچا؟ اس نے کہا کہ میرا تو وہی ایک ہی مطالبہ ہے، جس پر میں نے بے ہوشی کی

([1]) یہ مسئلہ ھذا سے متعلق سائلہ کے شوہر کا غیر مقلدین کے دارالافتاء سے لیا گیا فتویٰ ہے جس میں غیر مقلدین نے تین طلاقوں کو ایک قرار دیا ہے سائلہ نے اس سوال سمیت دارالافتاء دارالعلوم یاسین القرآن سے رجوع کیا، استاذ محترم دامت برکاتہم کی طرف سے مسئلہ کا جو جواب تحریر کیا گیا وہ اگلی سطور میں ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

حالت میں ہی اسے طلاق کہہ دی اور موبائل فون رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد چھوٹی بہن کو بھی فون کر کے معاملہ بتایا۔ میری بہن نے فاطمہ کو فون کر کے پوچھا کہ میں نے اسے کیا کہا ہے۔ اس نے کہا کہ تمہارے بھائی نے مجھے تین طلاق دے دی ہیں اور آواز غنودگی کی سی تھی۔ میرے سسر نے بھی یہی بات کہی، اب میں اپنے کئے پر بہت شرمندہ و پریشان ہوں اور اپنی بیوی سے رجوع کرنا چاہتا ہوں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

سائل: محمد آصف، نارتھ کراچی

الجواب بعون الوہاب بصورت صحت وحقیقت سوال:

سوال نامہ کے مطابق آپ نے ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق کہہ دی ہیں جبکہ عورت کو ایک مرتبہ بھی طلاق دی جائے تو عدت گزرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے، البتہ ایک مجلس مین کہی گئی طلاقیں شرعی اعتبار سے ایک ہی شمار ہوتی ہیں (اور اگر آپ نے اس کے علاوہ اپنی بیوی کو کبھی طلاق نہیں دی تو آپکی طرف سے یہ ایک طلاق واقع ہو چکی ہے)۔

قرآن کریم نے نکاح وطلاق کے احکام انتہائی وضاحت سے پیش کئے ہیں اور اکٹھے تین طلاق کا وجود وجواز قرآن وحدیث میں کہیں بھی نہیں ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

"الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَانٍ"

''طلاق (وقفہ وقفہ سے) دو بار ہے پھر چاہے تو اسے (بیوی کو) اچھے انداز سے روک لے یا احسن طریقے سے چھوڑ دے۔''

[سورۃ البقرۃ ۲۲۹]

اگلی آیت مبارکہ میں تیسری طلاق کا تذکرہ ہے، جس کے بعد (امساک) رجوع حرام ہے حتیٰ کہ وہ عورت کسی اور شخص سے دستور کے مطابق شادی کرے پھر ناچاقی کی صورت میں طلاق ہو جائے یا وہ خاوند فوت ہو جائے تو اس صورت میں پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائیگی، لیکن مروجہ حلالہ قطعاً جائز نہیں ہے بلکہ یہ فعل ملعونہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

"كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة وقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا في أمر قد كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم"

''رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سال میں ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں (دو سال گزرنے کے بعد) امیر المؤمنین نے شوریٰ سے مشورہ کیا۔ جس معاملہ (طلاق) میں لوگوں کے لئے نرمی و رخصت تھی لوگ

اس میں جلدی کرنے لگے ہیں، پس اگر ہم ان پر نافذ کر دیں؟ تو انہوں نے نافذ کر دی۔"

(مسلم باب الطلاق الثلاث، حدیث ۱۴۷۲)

عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں طلاق کی شرح میں اضافہ ہو گیا تو انہوں نے بطور تعزیر یہ آرڈیننس جاری کر دیا کہ آئندہ ایسی طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی اور پھر اس سے بعد میں رجوع کر لیا۔ دیکھیں "اغاثة اللهفان لابن قیم"۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں کہہ دیں، پھر اس پر پریشان ہوئے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تو نے کیسی طلاق دی؟ اس نے کہا: "طلقتها ثلاثا" میں نے تین طلاق کہہ دی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "فی مجلس واحد؟" (ایک مجلس میں) "قال: نعم" (اس نے کہا: جی ہاں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فانما تلك واحدة" (یہ ایک ہی طلاق ہے) "فارجعه إن شئت قال فرجعها" (اگر تو چاہے تو رجوع کر لے تو اس نے رجوع کر لیا۔)

دیکھئے "مسند احمد" ج ا حدیث ۲۶۵، مسند ابو یعلی، حدیث ۲۴۹۵، سنن بیہقی ج ۷، حدیث ۳۳۹

ان ادلہ کی روشنی میں آپ کی بیوی کو ایک رجعی طلاق واقع ہو چکی ہے اور رجعی طلاق میں عدت کے اندر گواہوں کے روبرو اپنی بیوی سے رجوع (صلح) کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے اور تمام معاملات میں قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

دارالافتاء

جامعہ الدراسات الاسلامیۃ

گلشن اقبال یونیورسٹی روڈ کراچی

حضرت مفتی صاحب یہ وہ فتویٰ ہے جو میرے شوہر نے غیر مقلدین کے ہاں سے لیا ہے۔ براہِ کرم قرآن اور حدیث کی روشنی میں دلائل کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: سائلہ کے شوہر نے غیر مقلدین سے مذکورہ صورت میں رجوع کے جواز کا فتویٰ لیا ہے اور شوہر کا کہنا ہے کہ مجھے اس فتویٰ کی بنیاد پر رجوع کا حق حاصل ہے اور اگر رجوع کا حق نہیں تو اس فتوے کو غلط ثابت کرو، پھر مانوں گا۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں مسماۃ فاطمۃ الزہراء کو تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اور وہ اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہے۔ شوہر کو نہ رجوع کا حق ہے نہ دوبارہ نکاح کا۔ حلالہ شرعیہ کے بغیر یہ عورت واپس نکاح میں نہیں آسکتی۔ حلالہ شرعیہ یہ ہے کہ مسماۃ فاطمۃ الزہراء عدت کے بعد کسی اور مرد سے نکاح کرلے اور ان دونوں میں ازدواجی تعلقات قائم ہو جائیں، پھر اتفاقاً اس کا شوہر طلاق دیدے یا بقضاء الٰہی اس کا

انتقال ہوجائے تو مسماۃ فاطمہ عدت کے بعد اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کی مجاز ہوگی۔ باقی میاں کا دوائی کے زیر اثر ہوکر طلاق دینا تو اس میں شرعی حد یہ ہے کہ اگر آدمی پر اتنی زیادہ مدہوشی طاری ہو کہ اسے اپنے قول وفعل کا علم ہی نہ ہو رہا ہو کہ میں کیا کر رہا ہوں یا کیا کہہ رہا ہوں، اس حد تک مدہوش ہوجائے تو طلاق واقع نہیں ہوتی ورنہ تھوڑا بہت خلل آنا طلاق کے واقع ہونے کیلئے مانع نہیں۔

صورت مسئولہ سے بالکل واضح ہے کہ آپ کے شوہر پر اس درجہ تک دوائی کا اثر نہ تھا کہ بالکل مدہوش ہوں اور قول وفعل کا علم ہی نہ ہو رہا ہو، بلکہ انہوں نے توصراحتاً فون پر ایک طلاق دینے کے بعد کہا، یہ ایک دفعہ ہوگئی۔ دوسری دینے کے بعد کہا، یہ دو دفعہ ہوگئی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ دوائی کا اثر اس درجہ کا نہ تھا لہٰذا یہ آواز کا ڈسٹرب ہونا طلاق کے وقوع سے مانع نہ ہوگا۔

باجماعِ امت تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی

واضح رہے کہ ایک مجلس میں یا ایک ہی کلمہ میں تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اور عورت مغلظہ ہوجاتی ہے۔ چاروں ائمہ اور جمہور صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سب کا اس پر اجماع ہے قرآن کریم اور احادیث بھی اس پر گواہ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دی گئیں جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا:

"باب من اجاز طلاق الثلاث: فلما فرغا قال عويمر كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها فطلقها ثلاثا قبل أن يأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم." صحيح البخاری (۷۹۱/۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب ایک یا دو طلاق سے متعلق دریافت کیا جاتا تو آپؓ فرماتے کہ ایک یا دو طلاق تک تو گنجائش ہے لیکن تین طلاقیں دینے کی صورت میں تم [بہرصورت] اپنے رب کے نافرمان ہوگے البتہ وہ عورت تم سے جدا ہوجائے گی۔

"وكان عبد الله إذا سئل عن ذلك قال لأحدهم أما أنت طلقت امرأتك مرة أو مرتين فإن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أمرني بهذا وإن كنت طلقتها ثلاثا فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجا غيرك وعصيت الله فيما أمرك من طلاق امرأتك." (مسلم ۴۷۶/۱)

خود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جن سے ایسی روایات مروی ہیں جن میں بظاہر ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کیا گیا ہے وہ خود ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے کا فتویٰ دیا کرتے تھے:

"باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث (رحمانيه): عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس رضى الله عنهما فجاء رجل فقال إنه طلق امرأته ثلاثا. قال فسكت حتى ظننت أنه رادُّها إليه. ثم قال ينطلق أحدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس وإن الله قال (ومن يتق الله يجعل له مخرجا) وإنك لم تتق الله فلم أجد لك مخرجا عصيت ربك وبانت منك امرأتك." سنن ابی داؤد (۳۱۷/۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اس کو اعلانیہ طور پر نافذ کیا کہ تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی اور کسی کا یہ کہنا کہ میری نیت ایک طلاق کی تھی باقی دو تاکیداً کہی گئیں اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ آپ کے اس قول پر کسی صحابی نے انکار نہیں کیا لہٰذا تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس پر اجماع ہوگیا، پس اب اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا اور اس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں حتیٰ کہ فقہ حنفی کی مشہور مستند کتاب شامیہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی حاکم یا قاضی بھی اس کے خلاف ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہونے کا فیصلہ دے تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

لما فی شرح معانی الآثار (۲/۴۱۹) باب الرجل یطلق امراته ثلاثا معا (قدیمی): عن طاوس عن أبیه عن ابن عباس رضی الله عنهما.... وذکرا بعد ذلك من کلام عمر رضی الله عنه ما قد ذکرناه قبل هذا الحدیث فخاطب عمر رضی الله عنه بذلك الناس جمیعا وفیهم أصحاب رسول الله صلی الله علیه و سلم ورضی عنهم الذین قد علموا ما تقدم من ذلك فی ذلك فی زمن رسول الله صلی الله علیه و سلم فلم ینکره علیه منهم منکر ولم یدفعه دافع فکان ذلك أکبر الحجة فی نسخ ما تقدم من ذلك لأنه لما کان فعل أصحاب رسول الله صلی الله علیه و سلم جمیعا فعلا یجب به الحجة کان کذلك أیضا إجماعهم علی القول إجماعا یجب به الحجة و کما کان إجماعهم علی النقل بریئا من الوهم والزلل کان کذلك إجماعهم علی الرأی بریئا من الوهم والزلل وقد رأینا أشیاء قد کانت علی عهد رسول الله صلی الله علیه و سلم علی معانی فجعلها أصحابه رضی الله عنهم من بعده علی خلاف تلك المعانی لما رأوا فیه مما قد خفی علی من بعدهم فکان ذلك حجة ناسخا لما تقدمه من ذلك تدوین الدواوین والمنع من بیع أمهات الأولاد وقد کن یبعن قبل ذلك۔

وفی الشامیة(۳/۲۳۳): کتاب الطلاق: وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من أئمة المسلمین إلی أنه یقع ثلاث قال فی الفتح بعد سوق الأحادیث الدالة علیه: وهذا یعارض ما تقدم .وأما إمضاء عمر الثلاث علیهم مع عدم مخالفة الصحابة له وعلمه بأنها کانت واحدة فلا یمکن إلا وقد اطلعوا فی الزمان المتأخر علی وجود ناسخ أو لعلمهم بانتهاء الحکم لذلك لعلمهم بإناطته بمعان علموا انتفاءها فی الزمن المتأخر وقول بعض الحنابلة: توفی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن مائة ألف عین رأته فهل صح لکم عنهم أو عن عشر عشر عشر هم القول بوقوع الثلاث باطل؛ أما أولا فإجماعهم ظاهر لأنه لم ینقل عن أحد منهم أنه خالف عمر حین أمضی الثلاث. ولا یلزم فی نقل الحکم الإجماعی عن مائة ألف تسمیة کل فی مجلد

كبير لحكم واحد على أنه إجماع سكوتي وأما ثانيا فالعبرة في نقل الإجماع نقل ما عن المجتهدين والمائة ألف لا يبلغ عدة المجتهدين الفقهاء منهم أكثر من عشرين كالخلفاء والعبادلة وزيد بن ثابت ومعاذ بن جبل وأنس وأبي هريرة والباقون يرجعون إليهم ويستفتون منهم وقد ثبت النقل عن أكثرهم صريحا بإيقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف- {فماذا بعد الحق إلا الضلال}-وعن هذا قلنا لو حكم حاكم بأنها واحدة لم ينفذ حكمه لأنه لا يسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف لا اختلاف وغاية الأمر فيه أن يصير كبيع أمهات الأولاد أجمع على نفيه وكن في الزمن الأول يبعن اھ ملخصا ثم أطال في ذلك۔

اس باب میں غیر مقلدین کے فتوی کا حکم نیز ان کے طرزِ استدلال میں تضاد کا بیان

اگر کوئی شخص غیر مقلدین سے اکٹھی تین طلاقوں کے ایک رجعی طلاق ہونے کا فتویٰ لے بھی آئے تو اس سے حرمت ختم نہ ہوگی کیونکہ وہ فتویٰ تمام امت کے اجماعی فتویٰ کے خلاف ہے، حتیٰ کہ ان کا یہ فتویٰ اہل حرمین کے فتویٰ کے بھی خلاف ہے جبکہ غیر مقلدین حضرات مختلف فیہ مسائل میں اہل حرمین کے عمل کو بطورِ حجت پیش کرتے ہیں اور خود اہلِ حرمین کا اس مسئلہ میں متفقہ فیصلہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین شمار ہوں گی۔

اسی طرح أصح الکتب بعد کتاب الله "صحیح البخاری" جو ان کے یہاں نصِ قطعی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں موجود ہر حدیث کو حجۃً پیش کرتے ہیں، اس مسئلہ میں جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب و مذہب بھی تین طلاقوں کے وقوع کا معلوم ہوتا ہے تو اس مسئلہ میں وہ بخاری شریف سے بھی پہلوتہی کرتے ہیں اور اپنے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے مضطرب اور ضعیف احادیث سے استدلال کرکے تمام امت کے اجماعی مسئلہ کی مخالفت کرتے ہیں حالانکہ دیگر مسائل میں خود صحیح اور ضعیف کا ڈھنڈھورا پیٹتے ہیں کہ یہ صحیح ہے، قابل استدلال ہے اور یہ ضعیف ہے، قابل استدلال نہیں۔ لیکن یہاں ان کا مدعا جب صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہوتا تو اپنے اصول کے خلاف ضعیف ومضطرب احادیث سے استدلال کرکے امت کو گمراہ کرنے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا ان کی طرف سے دیئے گئے فتویٰ کا کوئی اعتبار نہیں اور اس کا تفصیلی جواب آگے چل کر دیا جائیگا، تاکہ عوام ان کی اس خیانت اور امت کو گمراہ کرنے کی کوششوں سے متنبہ ہوجائیں۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹): اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ --إلى قوله-- فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

وفی احکام القرآن للجصاص (۲۸۶/۱):ذكر الحجاج لإيقاع الطلاق الثلاث معا:قال أبو بكر قوله تعالى الطَّلاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ الآية يدل على وقوع الثلاث معا مع كونه منهيا عنها وذلك لأن قوله الطَّلاقُ مَرَّتَانِ قد أبان عن حكمه إذا أوقع اثنين بأن يقول أنت طالق أنت طالق فی طهر واحد وقد بينا أن ذلك خلاف السنة فإذا كان فی مضمون الآية الحكم بجواز وقوع الاثنتين على هذا الوجه دل ذلك على صحة وقوعهما لو أوقعهما معا لأن أحدا لم يفرق بينهما وفيها الدلالة عليه من وجه آخر وهو قوله تعالى فَلا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ فحكم بتحريمها عليه بالثالثة بعد الاثنتين ولم يفرق بين إيقاعهما فی طهر واحد أو فی أطهار فوجب الحكم بإيقاع الجميع على أی وجه أوقعه من مسنون أو غير مسنون ومباح أو محظور۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۸۸۲/۹): طلاق المجنون والمدهوش ، كتاب الطلاق (دار الفكر):ولا يصح طلاق المجنون، ومثله المغمی عليه، والمدهوش: وهو الذی اعترته حال انفعال لا يدری فيها ما يقول أو يفعل، أو يصل به الانفعال إلى درجة يغلب معها الخلل فی أقواله وأفعاله، بسبب فرط الخوف أو الحزن أو الغضب، لقوله صلّى الله عليه وسلم: "لا طلاق فی إغلاق" والإغلاق: كل ما يسد باب الإدراك والقصد والوعی، لجنون أو شدة غضب أو شدة حزن ونحوها۔

غیر مقلدین کے فتویٰ کا تفصیلی جواب

قرآن کریم سے استدلال کا جواب اور ''مرۃ'' کی اقسام کا بیان

موصوف کا قرآن کریم کی آیت ''الطلاق مرتان '' میں مرتان کے لفظ سے اس طرح استدلال کرنا کہ مرتان سے مراد، دو وقفہ وقفہ سے دی گئی طلاقیں ہیں کیونکہ لغت میں مرتان اسی کو کہا جاتا ہے کہ جب مرۃ بعد مرۃ ہو تو ان کی یہ بات مرۃ کی اقسام اور طلاق کونسی قسم میں سے ہے اس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ مرتین، مرات کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے، کبھی اس سے فعل مراد ہوتا ہے، کبھی عین مراد ہوتا ہے، لیکن اکثر استعمال فعل میں ہوتا ہے۔ بہر حال اعیان کی مثال جیسے حدیث پاک میں آتا ہے:

"عن أنس رضی اللہ عنہ أن أهل مكة سألوا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أن يريهم آية فأراهم انشقاق القمر مرتين".(مسلم ۳۷۳/۲) أی شقتين وخلقتين۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند کے دوٹکڑے ہوگئے تو مرۃ سے یہاں عین مراد ہے کہ دوٹکڑے، فعل مرادنہیں یعنی فعل انشقاق کے دومرتبہ شقِ قمر ہوا۔ اسی طرح قرآن کی آیت "نُّؤْتِهَآ أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ" یہاں بھی مرۃ سے عین مراد ہے یعنی اجرین [دوگنا اجر] فعل مرادنہیں، یعنی فعل ایتاء مرادنہیں، کہ ایتاء دومرتبہ ہوگا، بلکہ ایک مرتبہ میں دوگنا اجر دیں گے لہٰذا مرۃ کی اس قسم میں مرتین و مرات کا اجتماع زمانِ واحد میں متکلم واحد سے ممکن ہے، لیکن مرۃ فعلی میں مرۃ اور مرات کا اجتماع زمان واحد میں نہیں ہوسکتا، کیونکہ فعل مثلی شئ ہے اور دومثل کا ایک ہی فاعل سے ایک ہی وقت میں ان کا صدور محال ہے، جیسے قرآن کریم میں لعان کے بارے میں حکم ہے "أربع شهادات بالله" یعنی چار مرتبہ اللہ کو گواہ بنانا اب یہاں "أربع شهادات" میں شہادت ایک فعل ہے، لہٰذا "اربع" یعنی چار شہادات کا الگ الگ زمانہ میں پایا جانا ضروری ہے۔ ایک ہی زمانہ میں ان کا تصور ناممکن ہے (کہ ایک آدمی چار مرتبہ گواہی ایک ہی ساتھ صادر کردے) لہٰذا اگر لعان کرنے والا یہ کہتا ہے کہ اشهد بالله اربع شهادات بأنی صادق [میں چار مرتبہ اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں سچا ہوں] تو یہ ایک ہی گواہی شمار ہوگی۔ الغرض اتنی بات تو موصوف کے یہاں بھی مسلم ہے کہ مرۃ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مرۃ عینی جس میں مرتین مرات کا تصور ایک فاعل سے ایک ہی وقت میں ہوسکتا ہے اور دوسری قسم مرۃ فعلی جس میں مرتین اور مرات کا تصور ایک فاعل سے ایک ہی وقت میں ممکن نہیں۔ چنانچہ اغاثۃ اللهفان میں ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فأجابهم الآخرون: بأن المرتين والمرات يراد بها الأفعال تارة والأعيان تارة وأكثر ما تستعمل في الأفعال وأما الأعيان فكقوله في الحديث: انشق القمر على عهد رسول الله مرتين أي شقتين وفلقتين ولما خفي هذا على من لم يحط به علما زعم أن الانشقاق وقع مرة بعد مرة في زمانين وهذا مما يعلم أهل الحديث ومن له خبرة بأحوال الرسول ﷺ وسيرته أنه غلط وأنه لم يقع الانشقاق إلا مرة واحدة ولكن هذا وأمثاله فهموا من قوله مرتين المرة الزمانية.

اذا عرف هذا فقوله نؤتها أجرها مرتين [الأحزاب: ٣١] وقوله يؤتون أجرهم مرتين [القصص: ٥٤] أي ضعفين فيؤتون أجرهم مضاعفا وهذا يمكن اجتماع المرتين منه في زمان واحد.

وأما المرتان من الفعل فمحال اجتماعهما في زمن واحد فإنهما مثلان واجتماع المثلين محال وهو نظير اجتماع حرفين في آن واحد من متكلم واحد وهذا مستحيل قطعا فيستحيل أن يكون مرتا الطلاق في إيقاع واحد ولهذا جعل مالك وجمهور العلماء من رمى الجمار بسبع حصيات جملة أنه غير مؤدي للواجب عليه وإنما يحتسب له رمي حصاة واحدة فهي رمية لا سبع رميات واتفقوا كلهم على أنه لو قال في اللعان: أشهد بالله أربع شهادات أني صادق كانت شهادة واحدة وفي الحديث الصحيح: من قال في يوم سبحان الله وبحمده مائة مرة حطت عنه خطاياه ولو كانت مثل زبد البحر فلو قال: سبحان الله وبحمده مائة مرة هذا اللفظ لم

یستحق الثواب المذکور وکانت تسبیحة واحدة وکذلك قوله تسبحون الله دبر کل صلاة ثلاثا وثلاثین وتحمدون ثلاثا وثلاثین وتکبرون أربعا وثلاثین لو قال : سبحان الله ثلاثا وثلاثین لم یکن مسبحا ھذا العدد حتی یأتی به واحدة بعد واحدة ونظائر ذلك فی الکتاب والسنة اکثر من أن تذکر" (إغاثة اللھفان من مصائد الشیطان ۳۳۳/۱ ما شرع الله الطلاق الا وفیه الرجعة دار الکتب العلمیة)

''مرتین اور مرات سے کبھی فعل مراد ہوتا ہے اور کبھی عین مراد ہوتا ہے لیکن اس کا اکثر استعمال افعال میں ہوتا ہے۔ بہر حال عین کی مثال جیسے حدیث میں آتا ہے انشق القمر الخ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے اور جب یہ بات مخفی ہوتی ہے اس شخص پر جس کو اس کا پورا علم نہیں تو وہ یہ کہنے لگتا ہے کہ شق قمر ایک مرتبہ۔ کے بعد دوسری مرتبہ یعنی دو مرتبہ الگ الگ زمانوں میں ہوا حالانکہ حدیث کا علم رکھنے والے اور آپ ﷺ کے احوال و سیرت سے تعلق رکھنے والے یہ جانتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے اور شق قمر صرف ایک مرتبہ ہی ہوا ہے لیکن یہ اور اس کی طرح [کم علم] لوگوں نے یہاں مرتین کو مرۃ زمانی یعنی فعلی سمجھ لیا۔۔۔۔اور مرۃ کی یہ قسم یعنی مرۃ عینی وہ قسم ہے جس میں مرتین کا ایک زمانہ میں اجتماع ممکن ہے۔ رہا مرۃ فعلی تو اس میں مرتین کا زمانہ واحد میں اجتماع محال ہے اس لئے کہ مرتین من الفعل مثلین ہیں اور دو مثلی چیزوں کا اجتماع محال ہے اور اس کی نظیر دو حرفوں کا آنِ واحد میں ایک ہی متکلم سے اجتماع ہے اور یہ بالکل محال ہے لہٰذا ایک ہی ایقاع میں دو طلاقوں کا وقوع محال ہوگا۔۔۔۔۔الخ''

پس اس سے اتنی بات تو ثابت ہوگئی کہ موصوف کے نزدیک بھی یہ بات مسلم ہے کہ مرۃ کا استعمال دو طرح سے ہے۔ ایک مرۃ عینی، جہاں مرۃ سے عین مراد لیا جائے، اس میں مرتین اور مرات کا تصور آن واحد میں ممکن ہے، دوسرا مرۃ زمانی یعنی جہاں مرۃ سے فعل مراد لیا جائے، وہاں مرتین اور مرات کا آنِ واحد میں اجتماع محال ہے۔

آیت میں ''مرۃ عینی'' مراد ہے نہ کہ ''مرۃ فعلی''

اب بات یہ ہے کہ [الطلاق مرتان] میں مرتان ''مرۃ'' کی کونسی قسم ہے؟ موصوف اس سے مراد مرۃ فعلی لیتے ہیں۔ یعنی یہاں مرتان سے دو مرتبہ ایقاعِ طلاق مراد ہے اور یہ بات معلوم ہو چکی کہ مرۃ سے مراد جب فعل ہو تو وہاں مرتین کا ایک ساتھ اجتماع زمانِ واحد میں محال ہے، لہٰذا الطلاق مرتان میں مرتان کا ثبوت اس وقت ہوگا جب دو وقفہ وقفہ سے طلاق دی جائیں، گویا اکٹھی تین طلاقوں کا ثبوت قرآن میں کہیں نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ الطلاق مرتان میں مرۃ سے مرۃ فعلی تو شوہر کا فعلِ ایقاع ہے اور اس فعلِ ایقاع کا یہاں ذکر نہیں، لہٰذا یہاں مرۃ فعلی نہیں، بلکہ مرۃ کی وہ قسم مراد ہے جس سے عین مراد ہوتا ہے۔ یہ بات مسلمہ قاعدہ سے معلوم ہو چکی کہ جہاں مرۃ سے عین مراد

ہو وہاں مرتین اور مرات کا تصور آن واحد میں ممکن ہے، لہٰذا الطلاق مرتان میں مرتان جس طرح دو وقفہ وقفہ والی طلاق کو شامل ہے اسی طرح دو اکٹھی طلاقوں کو بھی شامل ہوگا۔ جیسا کہ الانقاذ من الشبہات فی انفاذ المکروہ من الطلقات (المطبوع مع اعلاء السنن) میں مذکور ہے۔

"وهذا الكلام صريح في استعمال المرتين بمعنى العددين في الأعيان أي في غير الأفعال والطلاق في قوله تعالى: الطلاق مرتان عني بمعنى انه ليس بفعل لأنه صفة المرأة لافعل الزوج أعني ايقاع الطلاق فاندفع احتجاجهم بالآية أيضاً"

(الانقاذ ۱۷۳/۱۱ کتاب الطلاق ادارة القرآن والعلوم الاسلامية)

"ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے یہ بات صراحتاً معلوم ہوگئی کہ مرتین اعیان یعنی غیر افعال میں عددین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور الطلاق مرتان میں لفظ طلاق سے مراد فعل نہیں (بلکہ عین ہے) اس لئے کہ یہ عورت کی صفت ہے نہ کہ شوہر کا فعل یعنی ایقاعِ طلاق لہٰذا ان کا آیت سے استدلال اس اعتبار سے بھی باطل ہوگیا۔"

جب اس آیت سے دو اکٹھی طلاقوں کا وقوع ثابت ہوگیا تو اسی آیت سے تین طلاقوں کے اکٹھے وقوع کا ثبوت بھی ہو جائے گا کیونکہ ان دونوں میں کسی نے فرق نہیں کیا چنانچہ امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

"فإذا كان في مضمون الآية الحكم بجواز وقوع الاثنتين على هذا الوجه دل ذلك على صحة وقوعهما لو أوقعهما معا لأن أحدا لم يفرق بينهما وفيها الدلالة عليه من وجه آخر وهو قوله تعالى فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنۢ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ فحكم بتحريمها عليه بالثالثة بعد الاثنتين ولم يفرق بين إيقاعهما في طهر واحد أو في أطهار فوجب الحكم بإيقاع الجميع على أي وجه أوقعه من مسنون أو غير مسنون ومباح أو محظور"

(احكام القرآن للجصاص ۳۸۶/۱ ذكر الحجاج لايقاع الثلاث معا)

"جب آیت کے مضمون میں اس طرح سے دو طلاقوں کے وقوع کے جواز کا حکم ثابت ہوگیا تو یہ دلالت کرتا ہے اس صورت میں بھی دو طلاقوں کے وقوع کے صحیح ہونے پر جب یہ اکٹھی واقع کی جائیں اس لئے کہ کسی نے ان دونوں کے درمیان فرق نہیں کیا اور اس آیت میں اس پر دوسری طرح سے بھی دلالت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فلا تحل لہ" یعنی تیسری طلاق کے بعد وہ اس کے لئے حلال نہیں پس دو کے بعد تیسری کے ذریعہ اس پر حرمت کا حکم لگایا گیا اور اس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا کہ ان دونوں طلاقوں کو ایک طہر میں واقع کیا گیا ہو یا الگ الگ طہروں میں لہٰذا اس سے تین کو اکٹھی واقع کرنے کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا چاہے سنت طریقہ سے واقع کی ہو یا غیر سنت طریقہ سے، جائز طریقہ سے واقع کی ہو یا ناجائز طریقہ سے۔"

پس اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اکٹھی تین طلاقوں کے وقوع کا ثبوت قرآن کریم سے بھی اشارۃً ملتا ہے، لہٰذا موصوف کا یہ

کہنا کہ تین اکٹھی طلاقوں کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں یہ غلط ہے۔

غیر مقلدین کے ایک اشکال کا جواب

نیز موصوف کا یہ کہنا کہ اگر تین طلاقیں اکٹھی واقع کردی جائیں تو اس آیت میں پہلی دوسری طلاق کے بعد جس رجوع کا فامساك بمعروف کے لفظ کے ساتھ ذکر ہے اس پر عمل کرنا ناممکن ہوگا اس سے متعلق عرض ہے کہ سب سے پہلے تو اس آیت کا شانِ نزول سمجھ لیا جائے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کے نزدیک طلاق کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی البتہ عدت کی مدت مقرر تھی، لہٰذا آدمی اپنی بیوی کو جتنی چاہتا طلاق دیتا رہتا، پھر جب عدت پوری ہونے کا وقت آتا تو رجوع کر لیتا، اسی طرح کرتا رہتا اور بیوی کو تنگ کرتا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ میں تجھے اپنے پاس ٹھکانہ دونگا اور نہ ہی تجھے آزاد حلال چھوڑوں گا تو اس عورت نے کہا: یہ کیسے؟ اس نے کہا میں تجھے طلاق دوں گا پھر جب عدت پوری ہونے کے قریب ہوگی تو میں تجھ سے رجوع کرلوں گا۔ اس عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی شکایت کی، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مرد کے طلاق کی اس تعداد کا بیان کیا گیا جتنی تعداد تک اسے رجوع کا اختیار حاصل ہے اور پچھلی رسم کو منسوخ کردیا گیا چنانچہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے الجامع لاحکام القرآن میں فرمایا ہے:

"قوله تعالى: (الطَّلاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ) فيه سبع مسائل: الاولى- قوله تعالى: (الطَّلاقُ مَرَّتَانِ) ثبت أن أهل الجاهلية لم يكن عندهم للطلاق عدد، وكانت عندهم العدة معلومة مقدرة، وكان هذا في أول الإسلام برهة، يطلق الرجل امرأته ما شاء من الطلاق، فإذا كادت تحل من طلاقه راجعها ما شاء، فقال رجل لامرأته على عهد النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لا آويك ولا أدعك تحلين، قالت: وكيف؟ قال: أطلقك فإذا دنا مضى عدتك راجعتك. فشكت المرأة ذلك إلى عائشة رضي الله عنها، فذكرت ذلك للنبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فأنزل الله تعالى هذه الآية بيانا لعدد الطلاق الذي للمرء فيه أن يرتجع دون تجديد مهر وولي، ونسخ ما كانوا عليه. قال معناه عروة بن الزبير وقتادة وابن زيد وغيرهم"

آیت کے شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ آیت کی منشاء صرف یہ بتانا ہے کہ کتنی طلاقوں تک مرد کو رجوع کا اختیار ہے۔ آیت کا ہرگز یہ مقصود نہیں کہ ایسی طلاق واقع ہی نہ ہوگی جس میں رجوع نہ ہو سکے۔

حدیث رکانہ رضی اللہ عنہ کا جواب نیز روایت میں اضطراب کا بیان

باقی رہا حدیث رکانہ سے استدلال تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق رکانہ کے بارے میں جو روایات مروی ہیں ان

میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مسند احمد کی روایت جس کو موصوف نے اپنے فتوی میں ذکر کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عكرمة، مولى ابن عباس، عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: طلق ركانة بن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثا في مجلس واحد، فحزن عليها حزنا شديدا، قال: فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم: كيف طلقتها؟ قال: طلقتها ثلاثا، قال: فقال: في مجلس واحد؟ قال: نعم قال: فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت قال: فرجعها فكان ابن عباس رضي الله عنهما: يرى أنما الطلاق عند كل طهر۔"

(حدیث رقم ۲۳۸۳ مسند عبداللہ بن عباس، مکتبہ دار احیاء التراث ۴۳۸/۱)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ جو مطلب خاندان کے تھے انہوں نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔ اس روایت میں یہ صراحت ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں، جبکہ سنن ابی داود میں انہیں حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے لفظ البتہ سے طلاق دی تھی چنانچہ ابوداؤد کی روایت ملاحظہ ہو:

"عن عبد الله بن علي بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده أنه طلق امرأته البتة فأتى رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فقال: ما أردت؟ قال واحدة. قال: آلله. قال آلله. قال: هو على ما أردت۔"

قال أبو داود وهذا أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثا لأنهم أهل بيته وهم أعلم به وحديث ابن جريج رواه عن بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما۔"

"یزید بن رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو لفظ البتہ کیساتھ طلاق دی پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری کیا نیت تھی؟ انہوں نے عرض کیا: ایک طلاق کی نیت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اللہ کی قسم (ایک ہی کی نیت تھی)؟ انہوں نے عرض کیا: کہ اللہ کی قسم (ایک ہی کی نیت تھی)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اتنی طلاق واقع ہوئی جتنی تمہاری نیت تھی۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابن جریج کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے جس میں ہے کہ رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں کیونکہ یہاں راوی گھر والوں میں سے ہے اور وہ اس بارے میں زیادہ جانتے ہیں (کیونکہ طلاق گھر کا معاملہ ہے) جبکہ ابن جریج کی حدیث بعض بنی ابی رافع، عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے (جو کہ رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر والوں میں سے نہیں)۔"

نوٹ: لفظ البتہ سے طلاق، طلاق بائن ہوتی ہے لہٰذا اس کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر ایک کی نیت کرے تو ایک

واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہوتی ہیں لہٰذا لفظ البتہ سے بذات خود تین مراد نہیں ہوتیں، بلکہ یہ مطلق لفظ ہے اور نیت پر محمول ہوتا ہے لہٰذا دونوں روایتوں میں اس طرح اضطراب پایا گیا کہ ایک میں صراحتاً تین طلاقوں کا لفظ ہے اور اس روایت میں البتہ کا لفظ ہے جس سے ایک بھی مراد ہوسکتی ہے، جبکہ ایک کی نیت ہو اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بات پر قسم کھانے کا حکم ارشاد فرمانے سے بالکل مؤکد معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ایک کی نیت تھی لہٰذا اس روایت میں لفظ البتہ سے ایک طلاق مراد ہوئی اور اضطراب ثابت ہوگیا۔

حدیث رکانہ رضی اللہ عنہ میں صاحب قصہ کے اعتبار سے اضطراب کا بیان

اسی طرح صاحب قصہ کے بارے میں بھی روایات مضطرب ہیں چنانچہ مسند احمد کی روایت جس کو موصوف نے ذکر کیا ہے، ابن اسحاق سے مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قصہ خود حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ الفاظ یہ ہیں:

"عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: طلق ركانة بن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثا في مجلس واحد."

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔

ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قصہ رکانہ نہیں بلکہ رکانہ رضی اللہ عنہ کے والد یزید تھے چنانچہ روایت کے الفاظ ہیں:

"حدثنا احمد بن صالح حدثنا عبد الرزاق ...عن عكرمة ... عن ابن عباس رضى الله عنهما قال طلق عبد يزيد ابو ركانة واخوته ...الخ"

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عبد یزید جو کہ رکانہ کے والد ہیں انہوں نے اپنے بیوی کو طلاق دی۔"

لہٰذا یہ حدیث صاحب قصہ کے اعتبار سے بھی مضطرب ہوئی اور خود علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا اعتراف ہے، چنانچہ زاد المعاد میں فرماتے ہیں:

"وقد شهد إمام أهل الحديث محمد بن إسماعيل البخاري بأن فيه اضطرابا هكذا قال الترمذي في " الجامع " وذكر عنه في موضع آخر أنه مضطرب. فتارة يقول طلقها ثلاثا وتارة يقول واحدة وتارة يقول البتة. وقال الإمام أحمد وطرقه كلها ضعيفة وضعفه أيضا البخاري حكاه المنذري عنه." (زاد المعاد ۵/۲۶۵)

"امام اہل الحدیث محمد بن اسماعیل البخاری یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس حدیث میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ یہی امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ "جامع الترمذی" میں فرماتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے موقع پر بھی ان سے منقول و مذکور ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ کسی روایت میں راوی فرماتے ہیں کہ "طلقها ثلاثا" کہ انہوں نے اپنی

بیوی کو تین طلاقیں دیں اور کسی روایت میں راوی فرماتے ہیں "واحدة" یعنی انہوں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی اور کسی روایت کے راوی فرماتے ہیں "البتة" کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق "البتة" دی (جس سے ایک بھی مراد ہو سکتی ہے اور تین بھی، جو بھی نیت ہو) اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ منذری ان سے اس کو نقل کرتے ہیں۔"

حدیثِ رکانہ امام بخاری اور امام احمد وغیرہما رحمہم اللہ کے نزدیک مضطرب ہے

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جن کا قول موصوف کے نزدیک حرف آخر ہوتا ہے وہ خود اس حدیث کے مضطرب ہونے کے قائل ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اضطراب کا حکم لگانا صرف ترمذی کے طریق کو دیکھتے ہوئے نہیں، بلکہ تمام طرق کو دیکھتے ہوئے انہوں نے یہ حکم لگایا ہے کیونکہ صرف طریق ترمذی میں اضطراب نہیں بلکہ تمام طرق کو دیکھتے ہوئے اس میں اضطراب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تمام طرق کو ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا جس طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نافع اور علی بن یزید کا طریق ضعیف ہے۔ اسی طرح ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا طریق بھی ضعیف ہوگا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حدیث رکانہ مضطرب ہے اور مضطرب حدیث سے اتنے اہم مسئلہ میں اجماع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف استدلال ٹھیک نہیں لہٰذا موصوف کا اس حدیث سے تین طلاقوں کو ثابت کرنا درست نہ ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ روایت اور ان کے فتوی میں تعارض کا بیان

اسی طرح یہ حدیث اس وجہ سے بھی قابل استدلال نہیں کہ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود اپنی روایت کے خلاف ایک مجلس یا ایک کلمہ کی تین طلاقوں میں تین کے وقوع کا فتوی دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد کی روایت ہے:

"عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس رضي الله عنهما فجاء رجل فقال إنه طلق امرأته ثلاثا. قال فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه ثم قال: ينطلق أحدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس وإن الله قال (ومن يتق الله يجعل له مخرجا) وإنك لم تتق الله فلم أجد لك مخرجا عصيت ربك وبانت منك امرأتك۔"

"حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھا ان کے پاس ایک آدمی آ کر کہنے لگا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی حماقت پر سوار ہو کر چل پڑتا ہے (بے وقوفی سے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے) پھر آ کر کہتا ہے اے ابن عباس! اے ابن عباس! حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے نکلنے کی راہ پیدا فرمائیں گے اور تو چونکہ (طلاق

کے معاملہ میں) اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرا اس لئے میں تیرے لئے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا تو اپنے رب کا نافرمان ٹھہرا اور تیری بیوی بھی تجھ سے جدا ہوگئی۔"

نوٹ: فتح الباری میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا گیا ہے چنانچہ مذکور ہے:

" وأخرج أبو داود بسند صحيح من طريق مجاهد قال كنت عند ابن عباس رضى الله عنهما فجاءه رجل فقال إنه طلق امرأته ثلاثا فسكت... وأخرج أبو داود له متابعات عن ابن عباس بنحوه"

(فتح الباری ۲۹۷/۹، دار احیاء التراث)

اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد کے طریق سے صحیح سند کے ساتھ تخریج کی ہے۔ اسی طرح زاد المعاد میں بحوالہ ابوداؤد روایت ہے:

" وذكر أبو داود في " سننه " عن محمد بن إياس أن ابن عباس وأبا هريرة وعبد الله بن عمرو بن العاص رضى الله عنهم سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثا فكلهم قال لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره قالوا : فهؤلاء أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كما تسمعون قد أوقعوا الثلاث جملة ولو لم يكن فيهم إلا عمر المحدث الملهم وحده لكفى فإنه لا يظن به تغيير ما شرعه النبي صلى الله عليه وسلم من الطلاق الرجعي فيجعله محرما وذلك يتضمن تحريم فرج المرأة على من لم تحرم عليه وإباحته لمن لا تحل له ولو فعل ذلك عمر لما أقره عليه الصحابة فضلا عن أن يوافقوه... قالوا : ونحن في هذه المسألة تبع لأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فهم أعلم بسنته وشرعه۔"

(زاد المعاد ۲۵۸/۵)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں محمد بن ایاس سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے جب باکرہ (یعنی غیر مدخول بہا) جس کو اس کے شوہر نے اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہوں ایسی عورت کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ سب فرماتے کہ یہ عورت اب اس شخص کے لئے حلال نہیں ہو سکتی، جب تک کہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کر لے۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ خود اپنی روایت کے خلاف تھا اور جب راوی کا فتویٰ اپنی روایت کے خلاف ہو تو اسکی روایت قابل استدلال نہیں ہوتی۔

راوی کی روایت اور فتویٰ میں تعارض کے وقت ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر استدراک

جہاں تک تعلق ہے ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کا کہ زیادہ مشہور یہ ہے کہ راوی کی روایت ہی کو لیا جائے نہ کہ اس کے قول، رائے اور فتویٰ کو کیونکہ روایت معصوم ہے اور راوی معصوم نہیں تو یہ بات محل نظر ہے، ابن قیمؒ اغاثۃ اللھفان میں تحریر فرماتے ہیں:

"وهذا المسلك إنما يجيء على إحدى الروايتين : أن الصحابي إذا عمل بخلاف الحديث لم يحتج

به واتبع عمل الصحابي والمشهور عنه : أن العبرة بما رواه الصحابي لا بقوله إذا خالف الحديث." (اغاثة اللهفان من مصائد الشيطان ۳۲۵/۱، دار الكتب العلميه)

ترجمہ: یہ مسلک کہ جب صحابی اپنی روایت کی ہوئی حدیث کے خلاف عمل کرے تو اس کی وہ روایت قابل استدلال نہ ہوگی اور صحابی کے عمل کی اتباع کی جائیگی یہ دو روایتوں میں سے ایک روایت کے مطابق ہے اور مشہور روایت یہ ہے کہ اعتبار صحابی کی روایت کا ہی ہوگا نہ کہ اس کے قول کا جب اس کا قول حدیث کے خلاف ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کا جواب یہ ہے کہ راوی کی روایت کو عمل کے مقابلے میں ترجیح دینا اس وقت بہتر ہے جبکہ روایت ثبوتاً ودلالۃً من کل الوجوہ ثابت ہو یعنی اس میں کسی قسم کا کلام نہ ہو۔ جیسا کہ الانقاذ من الشبہات فی انفاذ المکروہ من الطلقات (المطبوع مع اعلاء السنن) میں مذکور ہے:

"وما يقال: ان العبرة برواية الراوی لا برأيه فهذا بعد ثبوت الرواية ودلالته على خلاف رأيه وما نحن فيه ليس كذلك لأن فيها كلاما ثبوتا ودلالة كما عرفت."

(۱۶۶/۱۱، ادارة القران والعلوم الاسلامية)

"یہ جو کہا جاتا ہے کہ اعتبار راوی کی روایت کا ہوگا نہ کہ اس کی رائے کا تو یہ اس روایت اور اس کی اس رائے کے خلاف دلالت کے بالکل ثابت ہونے کے بعد ہے اور ہماری زیر بحث حدیث اس طرح کی نہیں کیونکہ اس میں ثبوتاً و دلالۃً دونوں طرح سے کلام ہے۔"

پس معلوم ہوا کہ زیر بحث روایت میں ثبوتاً و دلالۃً دونوں طرح کلام ہے لہٰذا یہاں راوی کی روایت کو اس کے قول وعمل پر ترجیح دینا مناسب نہ ہوگا، بلکہ راوی کے فتوی اور عمل کو ترجیح دی جائیگی۔

الغرض یہ روایت سنداً ومتناً اضطراب کی وجہ سے بھی قابل استدلال نہیں۔ اسی طرح خود راوی کی رائے اور فتوی کے اس کی اپنی روایت کے مخالف ہونے کی وجہ سے بھی یہ روایت قابل استدلال نہیں لہٰذا اس حدیث سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے کا استدلال کسی طرح ٹھیک نہ ہوگا۔

تین طلاقیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعزیری فیصلہ تھا یا عہد رسالت کا حکم؟

غیر مقلدین حضرات اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے ایک اور روایت بھی پیش کرتے ہیں جو کہ ان کے مذکورہ بالا فتوی میں بھی ذکر کی گئی ہے۔ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ عہد رسالت میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ اس معاملے میں جلد بازی سے کام لینے لگے ہیں، جس میں ان کے لئے سوچ وبچار کا موقع تھا پس اگر ہم ان پر

ان تینوں کو نافذ کردیں (تو اچھا ہوگا) لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر تینوں طلاقیں نافذ کردیں۔

چنانچہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ تین کو تین قرار دینا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور تعزیر کیا تھا۔ اصل حکم کے اعتبار سے ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تفصیلی اور مدلل جواب

ان کی اس بات کا سب سے بہتر اور بے غبار جواب یہ ہے کہ ان حضرات کی پیش کردہ روایت کا اولاً تو وہ مطلب ہی نہیں جو یہ حضرات مراد لیتے ہیں کہ ابتداء میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں بلکہ اس حدیث کا تعلق ایک خاص صورت سے ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص تین الفاظ سے تین طلاقیں دے کر یہ کہے کہ میری نیت دوسرے اور تیسرے لفظ سے محض تاکید کی تھی تجدید طلاق کی نہ تھی تو ابتداء میں غلبہ صدق اور سلامت صدور کی بناء پر اس کا قول تسلیم کرلیا جاتا تھا اور ایک ہی طلاق کا حکم لگایا جاتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس طرح [طلاق ثلاث] کے واقعات بکثرت پیش آنے لگے اور صدق و دیانت میں کمی ہو کر لوگوں میں جھوٹ دھوکہ اور فریب کا رواج ہونے لگا۔ اب کسی کی دیانت پر بھروسہ کرکے اس کے ''دعوی تاکید'' کی تصدیق مشکل ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ظاہر تکرار کو دیکھ کر اس کے مطابق تینوں طلاقوں کو نافذ فرمایا اور نیت تاکید کے دعوی کو قبول نہ فرمانے کا حکم صادر فرمایا، یہی حدیث بالا کا وہ مطلب ہے جسے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مفسر اعظم نے بھی پسند فرمایا ہے، فتح الباری میں ہے:

"الجواب الخامس دعوى أنه ورد في صورة خاصة فقال ابن سريج وغيره يشبه أن يكون ورد في تكرير اللفظ كأن يقول أنت طالق أنت طالق أنت طالق وكانوا أولا على سلامة صدورهم يقبل منهم إنهم أرادوا التأكيد فلما كثر الناس في زمن عمر وكثر فيهم الخداع ونحوه مما يمنع قبول من ادعى التأكيد حمل عمر اللفظ على ظاهر التكرار فأمضاه عليهم وهذا الجواب ارتضاه القرطبي وقواه بقول عمر ان الناس استعجلوا في أمر كانت لهم فيه اناة وكذا قال النووي ان هذا أصح الأجوبة" (فتح الباری، ۲۹۸/۹)

''حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کا پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ایک خاص صورت سے تعلق رکھتی ہے، چنانچہ ابن سریج رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ اس حدیث کا تعلق تکرار الفاظ والی صورت سے ہو، مثلاً کوئی اس طرح طلاق کے الفاظ مکرر کہے أنت طالق أنت طالق (اور پھر تکرار سے تاکید مراد لے) تو ابتداء اسلام میں چونکہ لوگوں کے دل (جھوٹ، دھوکہ وغیرہ سے) صاف و سلامت ہوا کرتے تھے، اس لئے ان سے ارادہ تاکید کا قول تسلیم کرلیا جاتا لیکن پھر عہد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی اور ان میں دھوکہ، فریب اور جھوٹ جیسی چیزیں بڑھ گئیں، جو تاکید کا دعوی قبول کرنے سے مانع تھیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظ کو ظاہر تکرار پر ہی محمول کرلیا اور ظاہر تکرار ہی کو ان پر نافذ کردیا۔ اس

جواب کو اما قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے پسند فرمایا ہے اور اسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول [لوگوں نے ایسے معاملے میں جلدی کی جس میں ان کیلئے مہلت تھی] سے اس کی تائید کی ہے ۔اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ (حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا) صحیح ترین جواب ہے"

معلوم ہوا کہ اصل تو یہی تھا کہ تین لفظوں سے دی جانے والی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں، لیکن ابتداء زمانہ میں کوئی دوسرے اور تیسرے لفظ سے محض تاکید کا دعوی کرتا، اگرچہ خلاف اصل ہوتا، لیکن غلبہ صدق کی بناء پر اس کی بات تسلیم کرلی جاتی ۔ یہ مطلب نہیں کہ مطلقا تین کو ایک ہی شمار کیا جاتا ہو۔ اگر ایسی ہی بات ہوتی تو حدیث رکانہ جس کے بعض طریق میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "واللہ ماأردت الا واحدۃ" یعنی میری نیت ایک ہی کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم دے کر پوچھا "واللہ ماأردت الا واحدۃ؟" کیا اللہ کی قسم تیری ایک ہی کی نیت تھی؟ انہوں نے عرض کیا "واللہ ماأردت الا واحدۃ" اللہ کی قسم میری ایک ہی کی نیت تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلفیہ طور پر پوچھا "واللہ ماأردت الا واحدۃ؟" تو اگر عہد رسالت میں تین طلاقیں مطلقا ایک ہوتیں، جیسا کہ غیر مقلدین کہتے ہیں تو پھر قسمیں دے کر پوچھنے کا کیا مطلب؟؟؟؟ ابتداء ہی کہہ دیتے کہ ایک طلاق ہوئی، لیکن چونکہ اصل میں تین طلاقیں تین ہی ہوتی تھیں، لیکن اس وقت اگر کوئی تاکید کا اور صرف ایک طلاق کی نیت کا دعوی کرتا تو قضاء غلبہ صدق کی بناء پر اس کا دعوی مقبول ہوتا تھا، جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا، اسی وجہ سے ان صحابی کے اس دعوی کو قبول کرکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طلاق شمار فرمائی۔

"ولو سلم أن الأمر على عكس ما قلنا وأن ركانة كان طلق امرأته ثلاثا فرواه بعضهم بلفظ البتة فلم يجعله رسول الله ﷺ طلاقا واحدا إلا بعد أن حلفه بأنه لم ينوبذلك إلا تطليقة واحدة لما أخرجه أبو داؤد... فأخبر بذلك النبي ﷺ وقال والله ماأردت الا واحدة فقال رسول الله ﷺ والله ماأردت الا واحدة؟ فقال ركانة والله ماأردت الا واحدة فردها اليه رسول الله ﷺ فانظر كيف حلفه رسول الله ﷺ مرتين على أنه لم ينو الا واحدة وقدمنا أن دعوى نية التأكيد كانت مسموعة فى القضاء على عهد النبى ﷺ لخلو الزمان عن الكذب والخديعة ولو كانت الطلاق الثلاث تعد واحدة على الاطلاق كما يزعمه ابن تيمية ومن وافقهم لم يكن رسول الله ﷺ ليحلفه على إرادة الواحدة لأنه لا حاجة الى النية حينئذ ولا فائدة فى التحليف فإن ابن تيمية ومن وافقه لا يشترطون النية فى ذلك وإنما يجعلون الثلاث واحدة ولو نواها المطلق ثلاثا فغاية مايدل عليه حديث ركانة أن النبى ﷺ صدقه قضاء فى نية التاكيد و هومسلم عندنا وليس فيه مايدل على أن الثلاث واحدة ولو نطقها الرجل بنية التأسيس."

(تكملة فتح الملهم ١/١٤٠)

''اگر تسلیم کرلیا جائے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے جو ہم نے کہا اور حقیقت میں حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں اور پھر بعض راویوں نے اسے لفظ البتہ سے ذکر کردیا (یعنی اگر بالفرض ہم مذکورہ بات تسلیم بھی کرلیں) تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں تین طلاقوں کو ابتداءً ہی ایک طلاق قرار نہیں دیا بلکہ پہلے اس بات پر قسم کھلوائی کہ انہوں نے اس سے ایک ہی طلاق کی نیت کی تھی اس کے بعد ایک طلاق قرار دیا جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں اس کو ذکر کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی اور حضرت رکانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم میرا ایک ہی طلاق کا ارادہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قسم دے کر پوچھا) اللہ کی قسم ایک ہی کا ارادہ تھا۔ پس یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دو مرتبہ اس بات پر قسم لی کہ ان کی نیت ایک طلاق کی تھی؟؟ یہ بات ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تاکید کی نیت کا دعوی قضاءً مقبول ہوتا تھا، اس لئے کہ وہ زمانہ جھوٹ اور دھوکہ سے خالی تھا اور اگر عہد رسالت میں تین طلاقیں علی الاطلاق ایک شمار ہوتی تھیں جیسا کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کا گمان ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طلاق کی نیت پر قسمیں نہ دیتے اس لئے کہ اس وقت نیت کی کوئی ضرورت نہ ہوتی اور پھر اس پر قسم کھلانے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا جبکہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین اس میں نیت کی کوئی شرط نہیں لگاتے اور وہ تین کو (مطلقا) ایک قرار دیتے ہیں اگرچہ طلاق دینے والے نے تین کی بھی نیت کی ہو۔

لہٰذا حدیث رکانہ زیادہ سے زیادہ اس بات پر دال ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاءً ان کی تاکید کی نیت کی تصدیق کرلی تھی اور یہ بات تو ہمارے نزدیک بھی مسلم ہے (کہ اس وقت قضاء دعوی تاکید تسلیم کرلیا جاتا تھا) لیکن اس حدیث میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ تین طلاقیں مطلقا ایک شمار ہوتی تھیں اگرچہ اس کو تاسیس واستیناف کی نیت سے بولا ہو''

مذکورہ بالا بیان سے اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ تین الفاظ سے تین طلاقیں دی جائیں تو اصل یہی ہے کہ تین واقع ہوں لیکن ابتداء میں ایک علت عارضہ کی بناء پر دعوی تاکید قبول کرلیا جاتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب علت یعنی غلبہ صدق ختم ہوگئی تو اب حکم اصل کی طرف لوٹ آیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین کو تین نہیں بنایا، بلکہ وہ اصل میں ہی تین تھیں، علت عارضہ کے ختم ہونے اور تغیر زمانہ کی بنیاد پر انہوں نے صرف حکم کو اپنی اصل کی طرف پھیرا ہے کہ اب قضاءً تاکید کی نیت مقبول نہ ہوگی، پس ائمہ کا اب بھی یہی فیصلہ ہے کہ اگر کوئی اس زمانے میں تین لفظوں سے تین طلاقیں دے کر کہے کہ میری مراد تاکید تھی تو دیانۃً تو اس کی بات تسلیم کی جائیگی لیکن قضاءً اصل کے مطابق اس پر تین طلاقیں ہی نافذ کی جائیں گی۔

لما في الدر المختار: فروع كرر لفظ الطلاق وقع الكل وإن نوى التأكيد دين.

وفي الرد تحته: قوله (كرر لفظ الطلاق) بأن قال للمدخولة أنت طالق أنت طالق أو قد طلقتك قد طلقتك... قوله (وإن نوى التأكيد دين) أي ووقع الكل قضاء وكذا إذا طلق أشباه أي بأن لم ينو استئنافا ولا تأكيدا لأن الأصل عدم التأكيد. (الشامية ۳/۲۹۳)

یہ تو تھا حدیث بالا کا جواب انکاری اور جواب تسلیمی یہ ہے کہ اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ حدیث بالا کا وہی مطلب ہے جو یہ حضرات پیش کرتے ہیں (یعنی عہد رسالت میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں) تو بھی یہ روایت قابل استدلال نہیں کیونکہ خود اس حدیث کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتوی اس کے خلاف یعنی تین طلاقوں کے وقوع کا تھا۔ پس اگر عہد رسالت اور عہد صدیقی میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو روایت بھی کرتے ہیں تو خود تین کو ایک قرار کیوں نہ دیتے تھے اور تین کے وقوع کا فتوی کیوں دیتے تھے؟ لہٰذا جب خود راوی اپنی روایت کے خلاف فتوی دے تو یہ روایت کہاں قابل استدلال ہوسکتی ہے !!! یہی وجہ ہے کہ جب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کس وجہ سے رد کرتے ہیں؟ تو انہوں نے یہی وجہ بیان فرمائی کہ ان کے اپنی روایت کے خلاف فتوی دینے کی وجہ سے۔

"وقد قال أحمد لما سئل عنه بأنك بما ترد هذا الحديث؟ فقال: برواية الناس عن ابن عباس رضی الله عنهما خلافه وهل هذا إلا تضعيف لهذه الرواية وقدح فيه"

(اعلاء السنن ۱۱/۱۲۷)

"امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ آپ کس وجہ سے اس حدیث کو رد کرتے ہیں تو فرمایا کہ لوگوں کے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف روایت کرنے کی وجہ سے اور یہی بات اس حدیث کے ضعف اور قدح کا ذریعہ ہے۔"

خلاصہ یہ کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دلیل بنا کر ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے کے حکم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعزیری آرڈیننس قرار دینا بالکل غلط اور تحکم محض یعنی دعوی بلا دلیل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رجوع کا جواب

غیر مقلدین حضرات کا عوام کو یہ تاثر دینا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آخر زمانہ میں اپنے تین طلاقوں کے فیصلہ پر نادم ہو گئے تھے اور اپنے فیصلہ سے رجوع کرلیا تھا، پس جب وہ تعزیری فیصلہ بھی ختم تو اب تو بہرحال تین طلاقیں ایک ہی شمار ہونی چاہئیں اور اس رجوع کو ثابت کرنے کے لئے اغاثۃ اللھفان کے حوالہ سے یہ مندرجہ ذیل روایت پیش کرتے ہیں:

" قال الحافظ أبو بكر الاسماعيلي في مسند عمر: أخبرنا أبو يعلى: حدثنا صالح بن مالك: حدثنا خالد بن يزيد بن أبي مالك عن أبيه قال: قال عمر بن الخطاب رضی الله عنه: ما ندمت على شيء ندامتي على ثلاث: أن لا أكون حرمت الطلاق وعلى أن لا أكون أنكحت الموالي وعلى أن لا أكون قتلت النوائح۔"

(اغاثة اللهفان ۱/۳۷۱، ندم عمر آخر حياته ان يكون رد امر الطلاق)

"خالد بن یزید ابن ابی مالک اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے کسی

چیز پر اتنی ندامت نہیں جتنی تین چیزوں پر ہے۔ایک یہ کہ کاش میں طلاق کو حرام نہ کرتا۔۔الخ"

ان کے اس دعوے اور پیش کردہ روایت کا جواب یہ ہے کہ اولاتو یہ رجوع ثابت ہی نہیں اس لئے کہ جو روایت رجوع کے بارے میں یہ حضرات پیش کرتے ہیں وہ بالکل منکر اور ضعیف روایت ہے۔اس روایت کے راویوں میں ایک راوی خالد بن یزید بن ابی مالک انتہائی ضعیف،غیر ثقہ اور کذاب راوی ہے،چنانچہ ناقدین روات نے اس راوی پر مختلف انداز سے جرح کی ہے جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے چنانچہ "الکامل فی ضعفاء الرجال" میں ہے:

"حدثنا أحمد بن يحيىٰ قال سمعت أحمد بن حنبل يقول: خالد بن يزيد بن أبي مالك ليس بشيء"

(۴۲۳/۳، خالد بن يزيد، دار الكتب العلميه)

"امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خالد بن یزید کوئی قابل اعتبار شخصیت نہیں ہے"

اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہ غیر ثقہ ہے:

"وقال النسائي فيما أخبرني محمد بن العباس أنه قال: خالد بن يزيد بن أبي مالك ليس بثقة" (أيضا)

"امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: خالد بن یزید بن ابی مالک ثقہ نہیں ہے"

اور اسی الکامل میں صاحب کتاب خود فرماتے ہیں:

"ولم أر من أحاديث خالد هذا إلا كل ما يتحمل في الرواية يرويه ضعيفا عنه فيكون البلاء من الضعيف لا منه۔" (۴۲۷/۳، دار الكتب العلميه)

"میں اس خالد کی احادیث کو نہیں دیکھتا مگر ہر وہ حدیث جس کی روایت میں احتمال ہو یا کوئی ضعیف راوی اسے اس سے روایت کرتا ہے، پس اصل مسئلہ ان ضعیف راویوں کا ہے نہ کے اس کا"

کتاب الجرح والتعدیل میں مذکور ہے کہ خالد بن یزید منکر حدیثیں ہی نقل کرتا ہے چنانچہ مذکور ہے:

"حدثنا عبد الرحمن قال سئل أبي عن خالد بن يزيد بن أبي مالك فقال: يروي أحاديث مناكير" (۳۵۹/۳، خالد، دار الفكر)

"حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں میرے والد سے خالد بن یزید بن ابی مالک کے بارے میں پوچھا گیا تو میرے والد نے فرمایا وہ منکر حدیثیں ہی نقل کرتا ہے۔"

اسی طرح امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین خالد بن یزید کی طرف کذب کی نسبت کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

"لم يرض أن يكذب على أبيه حتى كذب على أصحاب رسول الله ﷺ"

(تهذيب التهذيب ۷۷/۲، راوی رقم ۱۹۸۳، ق خالد، دار احياء التراث)

''خالد ابن یزید نے اپنے والد پر جھوٹ بولنے پر بس نہیں کی بلکہ آپ ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تک پر جھوٹ بولا ہے۔''

اور ابن حبان تو خالد بن یزید راوی کی اس روایت سے استدلال کو پسند ہی نہیں کرتے، جس حدیث کو اپنے والد سے روایت کرنے میں وہ منفرد ہو، چنانچہ تہذیب التہذیب میں مذکور ہے:

"وقال ابن حبان: وهو من فقهاء الشام كان صدوقا في الرواية ولكنه كان يخطي كثيرة وفي حديثه مناكير لا يعجبني الاحتجاج به إذا انفرد عن أبيه۔ "

(۷۷/۲، راوی رقم ۱۹۸۳، ق خالد، دار احیاء التراث)

''ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ فقہاء شام میں سے ہیں اور روایت کرنے میں سچے ہیں لیکن اکثر غلطی کرجاتے ہیں اور ان کی احادیث میں منکر حدیثیں ہیں مجھے ان کی اس روایت سے استدلال کرنا پسند نہیں جس کو اپنے والد سے روایت کرنے میں وہ منفرد ہوں۔''

ان تمام ناقدین رواۃ کی نظر میں خالد بن یزید بن ابی مالک ایک انتہائی ضعیف، غیر ثقہ، کذاب اور منکر احادیث کو نقل کرنے والے ثابت ہوئے۔ اب اتنے اہم مسئلہ میں ایسے ضعیف راوی کی روایت سے استدلال کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رجوع کو ثابت کرنا اور اجماع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نہ مانتے ہوئے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہاں درست ہوسکتا ہے!!!! ان حضرات کے ہاں تو بعض روایات معمولی ضعف کی وجہ سے بھی رد کردی جاتی ہیں، بلکہ اس معاملہ میں تو یہ حضرات اتنے متشدد ہیں کہ بعض اوقات ضد میں مدمقابل کی پیش کردہ صحیح روایت کو بھی ضعیف کہہ کر رد کردیتے ہیں، لہٰذا اپنی مطلب براری کے لئے ان حضرات کا ایسی انتہائی ضعیف روایت کو مستدل بنانا کہاں کا انصاف ہوگا!!!! اور پھر اس سے بڑھ کر یہ بات کہ اس ضعیف راوی کی روایت کا کوئی متابع بھی موجود نہیں کہ جس سے اس کی تائید ہو اور اسے قوت حاصل ہوجائے۔ یہ بات ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پہلے معلوم بھی ہوچکی ہے کہ جب خالد بن یزید بن ابی مالک راوی کسی حدیث کے اپنے والد سے روایت کرنے میں منفرد ہوں تو اس سے استدلال مناسب نہیں۔ موجودہ روایت کی صورتحال بھی یہی ہے کہ وہ اس حدیث کو اپنے والد سے روایت کرنے میں منفرد ہیں لہٰذا یہ روایت کسی طرح قابل استدلال نہ ہوگی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اتنے اہم مسئلہ سے رجوع کرنا کوئی اتنی ہلکی بات تھی کہ خالد بن یزید کے والد یزید کے علاوہ کسی نے اس کو نقل نہیں کیا!!!! اگر اتنا اہم معاملہ ندامت اور رجوع کا ثابت ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت اس کو نقل کرتی اور پھر بعد میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس اجماعی فیصلہ کے مطابق فیصلہ ہی نہ دیتے، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

الغرض...... جس روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رجوع ثابت کیا جارہا ہے وہ ضعیف اور منکر ہونے کی بناء پر قابل استدلال نہیں، لہٰذا اس روایت کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رجوع اور ندامت ثابت کرنا بالکل غلط اور تحکم ہے، پس ان حضرات کا ثابت کردہ رجوع درست ہی نہیں۔ ثانیاً اگر بالفرض ہم یہ بات تسلیم بھی کرلیں کہ یہ روایت صحیح ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے فیصلے سے رجوع ثابت ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ رجوع اسی تاکید کو تاسیس پر محمول کرنے والے فیصلہ سے ہوگا، کیونکہ پہلے یہ بات تفصیل سے ذکر کی جاچکی ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین کو تین نہیں قرار دیا بلکہ تین تو عہد رسالت میں بھی تین ہی تھیں، البتہ ایک خاص صورت یعنی تین میں تاکید کی نیت کا اعتبار کرنا جو کہ عہد رسالت میں سلامتِ صدور کی بناء پر مقبول ہوتا تھا، تغیر زمانہ کی وجہ سے اس کو رد کر کے تاکید کو تاسیس پر محمول کیا تھا اور تاکید کی نیت کو غیر معتبر قرار دیا تھا، لہٰذا رجوع ثابت بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اسی تاکید کو تاسیس پر محمول کرنے والے فیصلہ سے ہوگا، نہ کہ تین کو تین قرار دینے سے۔

لیکن یہ مفروضہ بھی ممکن نہیں کیونکہ ماقبل میں معلوم ہو چکا کہ یہ روایت انتہائی ضعیف اور من گھڑت ہے اس لئے اس ضعیف روایت کی بناء پر کسی طرح کا رجوع ثابت نہیں ہوسکتا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تاکید کو تاسیس پر محمول کرنے کے فیصلہ سے بھی رجوع ثابت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی جمہور ائمہ کا یہی فیصلہ ہے کہ اگر کوئی طلاق کے الفاظ تین مرتبہ بول کر تاکید کی نیت کر لے تب بھی قضاءً تاسیس ہی پر محمول ہوگا اور تین طلاقیں ہی واقع ہوں گیں جیسا کہ ماقبل میں تفصیل سے اس کو ذکر کیا گیا ہے۔

لہٰذا ان حضرات کا عوام کو یہ تاثر دینا کہ اولاً تو ایک مجلس کی تین طلاقوں کا تین ہونا عہد رسالت کا حکم ہی نہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تعزیری آرڈیننس تھا اور پھر ثانیاً اس پر نادم ہو کر اس سے رجوع بھی کر لیا تھا، یہ ایک خلط مبحث اور خواہش پرستی ہے جو اجماع امت کے خلاف ہونے کی بناء پر مردود ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عوام وخواص کو ان فتنہ پردازوں کے فتنوں سے محفوظ فرمائے اور "علیکم بالسواد الأعظم" کے حکم پر عمل کرتے ہوئے جمہور امت کے شانہ بشانہ ہو کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری پوری پیروی اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(۱۳۱) ڈاکٹر ذاکر نائیک کا تین طلاقوں کو ایک کہنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا نام عظمیٰ اشفاق ہے۔ میری شادی کو ایک سال ہوا ہے۔ میرے شوہر نہایت ضدی اور غصہ والے ہیں۔ شادی والے دن سے وہ اپنے گھر والوں اور مجھ سے جھگڑا کر رہے ہیں انہیں اپنی کزن سے شادی کرنے کی خواہش تھی۔ اس جھگڑے میں ایک دفعہ انہوں نے مجھے ایک طلاق دے دی۔ پھر ہم ساتھ رہنے لگے ایک دن میکے جانے کا کہنے پر جھگڑنے لگے اور یہ لفظ بولے "میں نے تجھے تین طلاقیں دیں، میں نے تجھے تین طلاقیں دیں" میں اس سب کیلئے قطعاً تیار نہ تھی۔

میرے نندوئی اور نند آئے ہوئے تھے انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر ذاکر نائیک اسلام کے بڑے اسکالر ہیں میں نے ان کے پروگرام سنے ہیں ان کا کہنا ہے کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں تین نہیں، لہٰذا تم رجوع کر سکتے ہو۔ اس سے مجھ میں اور میرے شوہر کی جان میں جان آئی اور ہمیں یاد آیا کہ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب نے تو کوئی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے، اسی طرح جعفر پھلواری نے "اجتہادی مسائل" نامی کتاب میں اس پر بحث کی ہے کہ تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی تین دینے سے تین شمار نہ ہوں گی۔ ازراہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں کیا صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں آپ اپنے شوہر پر تین طلاقوں کے ساتھ حرام ہو چکی ہیں اب حلالہ شرعیہ کے بغیر آپ کا نکاح یا کسی قسم کا ازدواجی معاملہ ان کے ساتھ رکھنا قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔ باقی ڈاکٹر ذاکر نائیک کا یہ کہنا کہ "تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہیں" یا اسی طرح جعفر پھلواری کی تحقیق یہ سب قرآن وحدیث، اجماع امت اور سلف وخلف کے متفقہ مسئلے کے خلاف ہے۔ ان کی باتیں قطعاً مہمل اور بے وزن ہیں لہٰذا آپ کو اور آپ کے نندوئی وغیرہ کو چاہیئے کہ شرعی مسائل میں ایسے اٹکل یا بے اعتبار لوگوں کی باتوں پر کان دھرنے کے بجائے ثقہ علماء کرام سے مسائل پوچھ کر اس پر عمل کریں۔ الغرض آپ کو تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں اور متفرق مجالس میں یا ایک ہی مجلس میں یا ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دینے کی صورت میں باجماع امت تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

لما فی قوله تعالیٰ (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا إِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

وفی اعلاء السنن (۱۶۸/۱۱): عن محمود بن لبید رضی الله عنه قال أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعا، فقام غضبانا ثم قال: "أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم" حتى قام رجل وقال يا رسول الله! ألا أقتله۔۔ الخ۔

وفی الدر المختار (۳/۲۳۲): (والبدعي ثلاث متفرقة) أو اثنتان بمرة أو مرتين في طهر واحد۔

وفی الرد تحته: قوله (والبدعي) منسوب إلى البدعة والمراد بها هنا المحرمة لتصريحهم بعصيانه. بحر قوله (ثلاثة متفرقة)وكذا بكلمة واحدة بالأولى --- وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث۔

وفی الشامية (۳/۴۰۰): قوله (إن لم يطلق بائنا) هذا بيان لشرط الرجعة ولها شروط خمس تعلم بالتأمل. شرنبلالية قلت هي أن لا يكون الطلاق ثلاثا في الحرة أو اثنتين في الأمة ولا واحدة مقترنة بعوض مالي ولا بصفة تنبئ عن البينونة كطويلة أو شديدة ولا مشبهة كطلقة مثل الجبل ولا كناية يقع بها بائن۔

(۱۳۲) مطلقہ مغلظہ کو بغیر حلالے کے ساتھ رکھنے والے کی سزا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں بہت پریشان ہوں۔ براہ مہربانی اس مسئلے کا کوئی اسلامی فتویٰ جاری کریں کیونکہ میں آپ کے پاس آنہیں سکتی ہوں، مگر خط میں اُس مسئلہ کو لکھ رہی ہوں۔ ایک عورت جس کا نام رابعہ سلطانہ بنت رضی الدین ہے۔ رابعہ سلطانہ نے اپنے پہلے شوہر ناصر سے طلاق کے بعد پندرہ دن یا اس سے بھی زیادہ اُس کے گھر پر ہی نہیں بلکہ اُس کے بستر پر وہ سب کچھ کرتی رہی جو میرے علم کے مطابق اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ مگر رابعہ مجھے کہتی ہے اُس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا کیونکہ وہ اُس کا پہلے شوہر تھا اگر کچھ کیا تو اپنے پہلے شوہر کے ساتھ کیا، یہ سب باتیں جو میں کر رہی ہوں وہ جاہلیت کی باتیں ہیں اور اُس کے بھائی اور باپ بھی اس بات کو جاہلیت کی بات کہتے ہیں۔

اب آپ اس بات اور مسئلہ کو کیا کہتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا فرمان ہے؟ مجھے اس تحریر کا جواب عنایت فرمائیں اور اسلامی فتویٰ جاری کریں کہ اس عورت رابعہ کی اسلام میں کیا سزا ہے تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

ایک بات اور رابعہ سلطانہ کی ۳ سال پہلے دوسری شادی ہوئی تھی اس بات کا اس کے دوسرے شوہر کو اب علم ہوا تو رابعہ نے اپنے دوسرے شوہر کو دھوکا دیا اور جھوٹ کہا کہ اس گھر کو چھوڑ کر اپنے بھائی کے گھر پر آئی ہے اور دوسرے شوہر سے عدالت سے خلع لے رہی ہے۔ اس مسئلہ میں دوسرے شوہر کو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے؟ اس کا تحریری جواب عنایت فرمائیں بہت مہربانی ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو اس صورت میں بغیر حلالہ شرعیہ کے ایک ساتھ رہنا اور ازدواجی تعلقات برقرار رکھنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت (رابعہ سلطانہ بنت رضی الدین) کا اپنے پہلے شوہر (ناصر) کے ساتھ رہنا اور ازدواجی تعلقات برقرار رکھنا طلاق کے بعد جائز نہیں تھا بلکہ حرام اور گناہ کبیرہ تھا لیکن یہ بات یاد رہے

کہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اگر ناصر نے تین طلاقیں دی ہوں۔ جہاں تک آپ نے خلع کے متعلق سوال کیا تو اتنی بات جان لیجئے کہ خلع زوجین کا ایک ایسا باہمی معاملہ ہے جس میں طرفین کی رضامندی شرط ہے لہٰذا آج کل عدالتوں سے جو یک طرفہ خلع کی ڈگری لے لی جاتی ہے اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں لہٰذا عدالت اگر یک طرفہ خلع کا فیصلہ کر بھی دیتی ہے تو خلع واقع نہیں ہوگا اور رابعہ سلطانہ اپنے دوسرے شوہر کی منکوحہ برقرار رہے گی لیکن دونوں خاندانوں کے بڑے اور بزرگ حضرات کو چاہیئے کہ یا تو ان دونوں کے درمیان صلح کروادیں اور اگر کوئی چارہ کار نہ ہو تو پھر ان کے دوسرے شوہر کو چاہیئے کہ بخوشی اس عقد کو ختم کردیں۔ جہاں تک اس قبیح فعل کی سزا کا تعلق ہے تو اتنی بات جان لیجئے کہ اگر اسلامی حکومت ہو تو شادی شدہ مرد و عورت کو قاضیِ وقت رجم (سنگسار) کرتا ہے البتہ موجودہ دور میں چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے اس لئے صدق دل سے توبہ واستغفار کرنی چاہیئے۔

لمافی الهندية (۱/۴۷۳): وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية۔

وفی الدرالمختار (۳/۴۰۹، ۴۱۰): (لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذ كما سنحققه (بها) أي بالثلاث (لو حرة وثنتين لو أمة) ولو قبل الدخول وما في المشكلات باطل أو مؤول كما مر (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا) يجامع مثله۔۔۔ (بنكاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف۔

وفی الشامية (۳/۴۴۱): قوله (وشرطه كالطلاق) وهو أهلية الزوج وكون المرأة محلا للطلاق منجزا أو معلقا على الملك وأما ركنه فهو كما في البدائع إذا كان بعوض الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

(۱۳۴۳) مطلقہ ثلثہ کو بغیر حلالہ کے ساتھ رکھنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے آج سے تقریباً پچیس سال پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی تھیں، اس کے عزیز واقارب نے مختلف مفتی حضرات کے فتاوی دکھائے کہ اب میاں بیوی کا ازدواجی تعلق رکھنا حرام ہے تو انہوں نے اس وقت بیوی کو چھوڑ دیا تھوڑے عرصے کے بعد ایک غیر مقلد سے ان کی ملاقات ہوئی تو اس نے ان کو ایک فتویٰ دکھایا جس میں قرآن کی آیت اور اسی طرح احادیث موجود تھیں جس سے پتہ چلتا تھا کہ ایک طلاق ہوگی چنانچہ جب اس شخص نے وہ آیت اور احادیث دیکھیں تو دوبارہ اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرلیا، ان کی جوان اولادیں ہیں۔ اب ہمارے ایک عزیز چاہ رہے ہیں کہ ان کی اولاد کے ساتھ اپنی اولاد کا رشتہ کریں لیکن پوچھنا یہ ہے کہ یہ اولاد ان کی جو اس طلاق کے واقعہ کے بعد ہوئی ہیں تو کیا یہ اولاد ثابت النسب ہوگی یا ولدالزنا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کوئی

آدمی بیوی کو ایک لفظ سے یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدے تو تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے بیوی مرد پر حرام ہو جاتی ہے، اس کے بعد بیوی شوہر کیلئے بغیر حلالہ شرعیہ کے حلال نہیں ہوتی اور بغیر حلالہ شرعیہ کے خاوند کا بیوی سے ازدواجی تعلقات قائم کرنا ناجائز و حرام ہیں لہٰذا مذکورہ شخص کی بیوی اس پر حرام ہوگئی تھی اس کے بعد بیوی کا خاوند کے پاس رہنا حرام تھا اور اسی طرح اس شخص کا اپنی بیوی سے بغیر حلالہ شرعیہ کے تعلقات قائم کرنا زنا ہے۔

اگر کوئی آدمی اس حالت میں اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھے تو تمام مسلمانوں اور عزیز و اقارب پر لازم ہے کہ وہ اس سے قطع تعلق کرلیں۔ اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں یہاں تک کہ وہ بیوی سے جدائی اختیار کرے اور مذکورہ صورت میں اس کے گھر سے رشتہ کرنے میں اس سے تعلقات قائم کرنا لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں لہٰذا اس رشتہ سے اجتناب کرنا ضروری ہے نیز اس کی اولاد پر بھی لازم ہے کہ وہ والدین سے قطع تعلق کرلیں، تاہم جہاں تک نکاح کے جواز کا تعلق ہے تو اس کے لئے ثبوت نسب ضروری نہیں بلکہ غیر ثابت النسب لڑکی سے بھی نکاح کرنا جائز ہے البتہ مذکورہ صورت میں فقہاء کرام نے احتیاطاً شبہ کی وجہ سے بغیر حلالہ شرعیہ کے تعلقات سے پیدا ہونے والی اولاد کو بھی ثابت النسب کہا ہے۔

لمافی البحرالرائق ، كتاب الحدود (۲۳/۵) (ط رشيديه): والحاصل أنه لا يثبت النسب في شبهة الفعل عند الدعوة إلا في المطلقة ثلاثا والفرق أن الشبهة فيها شبهة في العقد بخلاف باقي محال شبهة الاشتباه۔۔۔ وصرح الزيلعي بأن النسب يثبت فيه بالدعوة كما سيأتي فتحرر أن النسب لا يثبت في شبهة الفعل إلا في موضعين۔

وفی الدرالمختار. كتاب الحدود (۲۲/۴): الواطیء (إن ادعى النسب يثبت في الأولى) شبهة المحل (لا في الثانية) أي شبهة الفعل لتمحضه زنا (إلا في المطلقة ثلاثا بشرطه) بأن تلد لأقل من سنتين لا لأكثر إلا بدعوة كما مر في بابه۔

وفی الرد تحته: قوله (كما مر في بابه) من أنه لا يثبت النسب في المطلقة ثلاثا بعد سنتين إلا بدعوة ح قلت وتحصل من هذا أنه إذ ادعى الولد يثبت النسب سواء ولدت لأقل من سنتين أو لأكثر وإن لزم الوطء في العدة لوجود شبهة العقد وأما بدون الدعوى فلا يثبت إلا إذا ولدت لأقل من سنتين۔

(۱۳۴) مطلقہ ثلاثہ بغیر حلالے کے نکاح میں نہیں آسکتی

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا نام بشیر احمد ولد عزیز احمد ہے۔ میں یوسف گوٹھ سرجانی ٹاؤن میں رہائش پذیر ہوں۔ میری شادی عرصہ ۸ سال پہلے شازیہ دختر مشتاق سے ہوئی جن سے میرے تین بچے ہیں۔ آج سے تقریباً

تین ماہ پہلے میرا اپنی بیوی سے اس بات پر جھگڑا ہوا کہ وہ میری والدہ سے جھگڑا کر رہی تھی اور ان کو گالی دے رہی تھی تو میں نے ان کو منع کیا اور غصہ میں دو تھپڑ مارے۔ اس وقت میری خالہ بھی تھیں تو میں نے غصہ میں بغیر نام لئے کہا طلاق، طلاق، طلاق دے دی، اس کے بعد میں غصہ میں اس کو خالہ کے گھر لے گیا اور ان کے گھر والوں کو بلایا وہ آئے اور اپنی لڑکی کو لے گئے۔

جب میرا غصہ اترا تو میں نے لوگوں سے معلوم کیا کوئی کہنے لگا کہ حلالہ ہوگا اور ایک صاحب جو کہ پیر ہیں انہوں نے کہا کہ ایک دیگ پکا کر غریب لوگوں کو کھلا دو اور اللہ سے معافی مانگ کر اپنی بیوی کو لے آؤ۔ میرے تین چھوٹے معصوم بچوں کا مسئلہ ہے۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل بتائیں۔ آیا طلاق ہوگئی اب حلالہ کرنا ہوگا یا پھر ان صاحب کا بتایا ہوا مسئلہ صحیح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اب آپ کا اس عورت کو اپنے پاس رکھنا حرام اور ناجائز ہے، اس سے دوبارہ نکاح کی فقط ایک صورت ہے وہ یہ کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ ہمبستری کرنے کے بعد اس کو خود ہی طلاق دیدے اور عدت بھی گزر جائے تو اس وقت آپ اس عورت کو نکاح جدید اور مہر جدید کے ساتھ اپنے پاس رکھ سکتے ہیں اور یہ عورت آپ کیلئے حلال ہوگی نیز دینی مسائل ہر شخص سے نہیں پوچھنے چاہئیں بلکہ ایسے علماء سے پوچھے جائیں جو مستند ہوں۔ پیر صاحب نے جو بات کہی ہے وہ جہالت پر مبنی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے ان کی اس بات پر عمل کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

لما فی القرآن المجید (البقرة:۲۳۰): فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

وفی صحیح البخاری (۷۹۱/۲): عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن رجلا طلق امرأته ثلاثا، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول"

وفی الدر المختار (۴۰۹/۳، ۴۱۰): (لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذ كما سنحققه (بها) أي بالثلاث (لو حرة وثنتين لو أمة) --- (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا) يجامع مثله۔

وفی الرد تحته: قوله (حتى يطأها غيره) أي حقيقة أو حكما --- ثم اعلم أن اشتراط الدخول ثابت بالإجماع فلا يكفي مجرد العقد۔

(۱۳۵) طلاق دینے کا شرعی طریقہ کار نیز مطلقہ ثلثہ سے حلالہ کرنے کی شرط پر ایک اشکال وجواب

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص سخت پریشان ہے اس نے اپنی بیوی کو جھگڑوں اور کچھ شبہات کی بناء پر طلاق دی تھی اور تین طلاقیں دے کر فارغ کر دیا تھا۔ اب اسے دوبارہ عقد میں لینے کی خواہش پیدا ہوئی کسی نے بتایا کہ آپ کا اس سے حلالہ کئے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا۔ وہ بہت نادم ہوا۔ اس نے عورت سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو خبر ملی کہ گزشتہ

شبہات درست تھے۔ اس عورت کو رنگے ہاتھوں غیر مرد کے ساتھ دیکھا گیا ہے اور اس کے ساتھ منہ کالا کرنے کی باتیں بھی سامنے آئیں۔ اب وہ شخص بہت پریشان ہے اگر اس عورت کو نکاح میں لینے سے قبل حلالہ کرانا ضروری ہے تو یہ جو اس کے ناجائز تعلقات ہیں یہ اگر مخصوص حد کو تجاوز کر چکے ہوں تو یہ حلالہ نہ کہلائے گا؟ کیا حکم ہے؟ کیا دوسرے مرد سے شادی کے بعد ہمبستری بھی ضروری ہے؟ یہ پہلے مرد کے ساتھ ناانصافی نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ نکاح کا معاملہ انتہائی نازک اور بے انتہا تحمل و تدبر کا متقاضی معاملہ ہے لہٰذا شریعت میں اس کے انعقاد اور ازالے دونوں کے کچھ قواعد و ضوابط بیان کئے گئے ہیں اگر ان کے مطابق ہی عقدِ نکاح کیا جائے اور بوقتِ ضرورتِ فراق اگر شرعی طریقوں کو مدنظر رکھا جائے تو پھر وہ غلط فہمیاں اور نتائج سامنے نہیں آتے جن کو دیکھ کر انسان کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ ”یہ پہلے مرد کے ساتھ ناانصافی ہے۔“

دراصل اولاً تو شریعت نے نکاح کے بندھن کو باندھتے وقت ہی کچھ چیزیں بیان کی ہیں اگر عقد ان کو دیکھ کر کیا جائے تو امید ہے کہ جھگڑوں کی نوعیت اتنی گھمبیر نہیں بنے گی کہ نوبت طلاق تک پہنچ جائے مثلاً دینداری کو ترجیح دینا، والدین کے مشورے سے ہی شادی طے کرنا نیز دیگر بہت سے امور ہیں جن کا لحاظ کر کے اگر مزاجوں کی موافقت پائی جانے کی صورت میں نکاح کر دیا جائے تو یہ عقد دیرپا اور مضبوط ہوتا ہے۔

بہر حال اگر میاں، بیوی میں نبھاؤ نہ ہو پائے اور مستقل دن رات جھگڑا فساد ہی زندگی کا معمول بن چکا ہو تو شریعت مرد کو یہ حکم دیتی ہے کہ اولاً بیوی کو سختی سے سمجھائے۔ بات نہ بنے تو ثانیاً اپنا بستر عورت سے علیحدہ کر لے۔ پھر بھی تبدیلی نہ آئے تو ثالثاً اسے ہلکا پھلکا تادیباً مارے (مقصود مارنا نہ ہو بلکہ سدھارنا ہو نیز چہرے پر نہ مارے) اور اگر پھر بھی صلح نہ ہو پائے تو رابعاً دونوں خاندان والوں کو جمع ہو کر کچھ کرنا چاہیئے اور اگر یہ بھی کارگر نہ ہو تو خامساً بیوی کو احسن طریقے سے ایک طلاق ایسے طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو دے دے اور پھر عورت کو عدت گزارنے کیلئے چھوڑ دے تین حیض عدت گزرنے کے بعد عورت خود ہی نکاح سے نکل جائے گی اور اگر تین حیض گزرنے سے پہلے یا بعد جب بھی عورت اور مرد دوبارہ اس عقد کو تسلسل دینا چاہیں تو عدت کی تکمیل سے قبل تو بغیر نکاح کے ہی رجوع ہو سکتا ہے اور عدت کے بعد چاہے کتنا عرصہ ہی گزر چکا ہو دوبارہ نکاح کر کے وہ اس عقد کو بحال کر سکتے ہیں البتہ اب مرد کو دو طلاق کا حق باقی رہے گا۔

یہ ہے شریعت کے مطابق علیحدگی کا طریقہ کار جس میں مرد پر کوئی گناہ نہیں بلکہ اگر مرد کی طرف سے تعدی نہ ہو اور وہ اس طرح تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان مراحل سے گزر کر احسن طریقے سے ایک طلاق دے دے اور اپنی اور اس عورت کی زندگی کو سکون دے تو امید ہے اس پر اجر بھی ملے گا نیز اس طریقے سے رجوع کا دروازہ مکمل طور پر بند نہیں ہوتا بلکہ بدستور مرد کے پاس اختیارِ رجوع رہتا ہے۔

اس کے برخلاف آج کل ہمارا معمول کیا بن چکا ہے؟ چونکہ شرعی احکامات سے بے تعلقی ہے لہٰذا ذرا ذرا سی بات پر بیوی کو تین طلاقوں کا تحفہ دے دیا جاتا ہے اور جب تک مرد تین طلاقوں کے الفاظ مکمل نہ کرے وہ یہ سمجھتا ہی نہیں کہ طلاق واقع بھی ہو سکتی ہے جبکہ شریعت نے مرد کو حقِ طلاق اس لئے نہیں دیا یہ تو مردانگی کے خلاف ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر بے دھڑک تین طلاقیں دے دی جائیں۔

عورت کوحق طلاق نہ دینے میں ایک راز یہ بھی ہے کہ عورت کی طبیعت میں عجلت ہے وہ معمولی باتوں پر طلاق واقع کر لے گی، چنانچہ مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے لیکن یہ حق اس لئے نہیں کہ اسے بے دھڑک لاگو کردیا جائے۔ یاد رہے! اس طرح ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ کا کام ہے۔ چاہے عورت کی غلطی ہو یا نہ ہو، ایک ساتھ تین طلاقیں دینا مرد کیلئے سخت گناہ کا کام ہے اگرچہ اسی وقت تین طلاقوں کا وقوع ہوجائے گا اور بغیر حلالہ شرعیہ کے دوبارہ نکاح کے تمام دروازے بند ہوجائیں گے۔ آپ ﷺ کے دربار میں ایک مرتبہ ایک ایسے شخص کا ذکر ہوا جس نے تین طلاقیں ایک ساتھ دی تھیں تو آپ ﷺ غصے میں آگئے اور ارشاد فرمایا "کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلا جائے گا"۔

اس لئے صورت مسئولہ میں چونکہ اس مرد نے بغیر کسی تدبر کے ایک ساتھ تین طلاقیں دے دی ہیں اور صلح کے ابتدائی چار مراحل کو بھی بظاہر انجام میں لانے کی کوشش نہیں کی لہٰذا یہ طریقہ کار خلافِ شرع اور موجبِ اثم ہے۔ غلطی کا مرتکب یہ شوہر بھی ہے لہٰذا اب اس نے چونکہ خود سارے دروازے بند کردیئے ہیں اور بیوی بچوں کے مستقبل سے قطع نظر کرتے ہوئے تین طلاقیں دے دی ہیں لہٰذا اب یہ پریشان ہو یا نادم دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا۔ اس کو بیوی پر زنا کا شک ہو یا یقین بہرحال دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا۔ جب تک حلالہ شرعیہ نہ کرایا جائے۔

شریعت نے ایسے مردوں کیلئے بطورِ سزا حلالہ کو مشروع کیا ہے تاکہ وہ مرد جو تین طلاقوں سے قبل صبر ہی نہ کرتے ہوں انہیں تنبیہ ہو اور یہ عورت کیلئے ایک انعام ہے کہ شریعت نے اس عورت کو ایسے مرد کے چنگل سے ہمیشہ کیلئے آزاد کردیا ہے۔ مرد کیلئے یہ سزا تب ہی بنے گا جب شریعت نکاحِ صحیح کے ساتھ ہمبستری کے بعد اپنی مرضی سے طلاق دے دینے کو حلالہ قرار دے وگرنہ زنا، یا غیر کفوء میں لڑکی کا نکاح کسی گھٹیا قسم کے انسان سے کرا کے حلالہ کرا لینے یا بغیر ہمبستری کے صرف نکاح کو حلالہ قرار دینے سے یہ سزا نہ بن پائے گی کیونکہ یہ امور تو مرد کیلئے باعثِ شرم و عار نہ ہوں گے لہٰذا شریعت نے حلالہ کی صحت کیلئے مخصوص شرائط مرد کو تادیب کرنے کیلئے لگائی ہیں یہ ناانصافی نہیں بلکہ اس کی طرف سے کردہ ظلم کی سزا ہے جو اسے بھگتنی ہے۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس عورت نے زنا کیا ہو یا نہیں، دونوں صورتوں میں حلالہ سے قبل یہ شخص اس عورت کو دوبارہ نکاح میں نہیں لے سکتا۔ حلالہ کیلئے لڑکی کا نکاحِ صحیح اور پھر ہمبستری ہونا ضروری ہے نیز جب یہ شخص روزمرہ کے جھگڑوں اور شبہات کی بناء پر یکدم تین طلاقیں دے کر اس عقد کو جڑ سے ختم کرچکا ہے تو وہ کیوں دوبارہ اتنی بڑی مصیبت اپنے سر لینا چاہتا ہے؟؟؟

لما فی القرآن الکریم (النساء:۳۴،۳۵): الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۔

وفی الكلام المجيد أيضاً (البقرة:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔

وفی الهندية (۱/۴۷۳): وإذا وطئها إنسان بالزنا أو بشبهة لا تحل لزوجها لعدم النكاح۔

وفی الدر المختار (۳/۵۷): فلا تحل مطلقة ثلاثا نكحت غير كفء بلا رضا ولي بعد معرفته إياه فليحفظ۔

وفی الشامية (۳/۵۷): قوله (نكحت)۔۔۔ وقوله بلا رضا نفي منصب على المقيد الذي هو رضا الولي والقيد الذي هو بعد معرفته إياه فيصدق بنفي الرضا بعد المعرفة وبعدمها وبوجود الرضا مع عدم المعرفة ففي هذه الصور الثلاثة لا تحل وإنما تحل في الصورة الرابعة وهي رضا الولي بغير الكفء مع علمه بأنه كذلك اھ ح قلت والأنسب أن يقول مع علمه به عينا لما في البحر لو قال الولي رضيت بتزوجها من غير كفء ولم يعلم بالزوج عينا هل يكفي صارت حادثة الفتوى و ينبغي لا يكفي لأن الرضا بالمجهول لا يصح كما ذكره في الخانية فيما إذا استأذنها الولي ولم يسم الزوج فقال لأن الرضا بالمجهول لا يتحقق ولم أره منقولا۔۔۔ وقال الكمال لأن المحلل في الغالب يكون غير كفء وأما لو باشر الولي عقد المحلل فإنها تحل للأول اھ وفي البحر وهذا كله إذا كان لها ولي وإلا فهو صحيح مطلقا اتفاقا۔

(۱۳۶) مطلقہ ثلثہ ارتداد سے حلال نہ ہوگی

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر مطلقہ ثلثہ کو اس کے گھر بھیج دیا جائے اور وہ عورت سخت بدزبان، بدتمیز اور اخلاق وتہذیب کے نام سے ناواقف ہو۔ مستقل گالم گلوچ، شوہر کو کوسنا اور محلے میں بے عزتی کرنا اس کی عادت ہو، لہٰذا اسے مرد نے تین طلاقیں دے کر فارغ کر دیا۔ اس کے بعد وہ عورت قادیانی بن گئی اور اسلام کو ترک کر کے کفر کو اختیار کر لیا یعنی مرتد ہوگئی ابھی ایک جگہ تقریب میں اتفاقاً دونوں کا آمنا سامنا ہوگیا۔ اب اس عورت میں کچھ عقل آئی ہے اور گمراہیوں میں پھنس کر اب وہ اس دلدل سے نکلنا چاہتی ہے۔

لہٰذا مفتی صاحب آپ بتائیں کہ یہ دونوں مرد وعورت، دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں کیونکہ ارتداد تو سب گزشتہ کو ھدم کر دیتا ہے تو ان کیلئے کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مطلقہ ثلثہ بغیر حلالہ شرعیہ کے قطعاً پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ اگر عورت طلاقِ ثلثہ کے بعد العیاذ باللہ ارتداد اختیار کر لے اور پھر واپس اسلام کی طرف لوٹ آئے تب بھی یہ شوہر اوّل کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔

حلالہ شرعیہ یہ ہے کہ عورت کسی اور مرد سے نکاح کرے اس نکاح میں کسی قسم کی طلاق وغیرہ کی شرط نہ لگائی گئی ہو، پھر وہ مرد اپنی

خوشی سے بغیر کسی حسی یا ذہنی دباؤ کے خود طلاق دیدے یا اس کی موت واقع ہو جائے اور اس دوسرے مرد کی عدت سے یہ عورت فارغ ہو جائے تو اس کے بعد یہ عورت شوہر اوّل کے نکاح میں آسکتی ہے ورنہ نہیں۔

یادرہے! کہ حلالہ کیلئے نکاحِ صحیح کے بعد وطی ضروری ہے بصورتِ دیگر حلالہ ناقص رہے گا جو مفید حلت نہیں ہوسکتا۔

لمافی الشامية (۴۱۲/۳): قوله (ولا ملك أمة الخ) عطف على قوله وطء المولى أي لو طلقها ثنتين وهي أمة ثم ملكها أو ثلاثا وهي حرة فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبيت وملكها لا يحل له وطؤها بملك اليمين حتى يزوجها فيدخل بها الزوج ثم يطلقها كما في الفتح۔

(۱۳۷) مطلقہ ثلاثہ کے ساتھ ملک یمین سے بھی وطی حلال نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق ثلاثہ دیتا ہے پھر وہ عورت مرتد ہوکر دارالحرب چلی جاتی ہے اور اس کے بعد وہاں سے قید ہوکر واپس دارالاسلام میں آجاتی ہے۔ دارالاسلام میں اس کا شوہر ہی اسے خرید لیتا ہے۔ مفتی صاحب اب اس عورت سے وطی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وطی کرنا جائز ہے کیونکہ اب یہ منکوحہ نہیں مملوکہ بن گئی ہے لہذا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں سابق شوہر کا مذکورہ عورت سے وطی کرنا ناجائز ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں" فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ"یعنی اب وہ عورت اس مرد کیلئے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ یہاں پر لاتحل لہ مطلقاً فرمایا ہے یعنی اس کے لئے حلال نہیں خواہ ملک یمین کے اعتبار سے ہو یا ملک نکاح کے اعتبار سے۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے لہٰذا دونوں صورتوں میں وطی جائز نہیں ہوگی، خواہ ملک نکاح کے اعتبار سے ہو یا ملک یمین کے اعتبار سے۔

لمافی الهندية (۴۷۳/۱): ولو ارتدت المطلقة ثلاثا ولحقت بدار الحرب ثم استرقها أو طلق زوجته الأمة ثنتين ثم ملكها ففي هاتين لا يحل له الوطء إلا بعد زوج آخر كذا في النهر الفائق۔

وفی الشامية (۴۱۲/۳): أي لو طلقها ثنتين وهي أمة ثم ملكها أو ثلاثا وهي حرة فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبيت وملكها لا يحل له وطؤها بملك اليمين حتى يزوجها فيدخل بها الزوج ثم يطلقها كما في الفتح۔

(۱۳۸) مطلقہ عورت کو بچوں سے ملنے سے روکنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کا طلاق کے بعد مرد کے سامنے آنا کیسا ہے؟

اگر وہ آجاتی ہے تو کیا حکم ہے؟ اسے اپنے بچوں کی غرض سے آنا پڑتا ہے۔ عورت کے گھر والے، خاندان والے اب اس مرد سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے اور عورت کو بھی منع کرتے ہیں۔ کوئی رشتہ دار اگر ملنے کی کوشش کرے تو کہتے ہیں کہ اگر تم اس مرد یا بچوں سے ملو گے تو ہم سے نہیں ملنا۔ کیا ان کا یہ رویہ درست ہے؟ اس عورت کو شرعاً کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں ایسے معاملات میں اعتدال اور تحمل سے کام لینا ضروری ہے۔ افہام و تفہیم سے ان معاملات کو حل کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے بجائے افراط (عورت کا بار بار اکیلے اس گھر میں جانا) یا تفریط (عورت کے گھر والوں کا مکمل قطع تعلق کرنا) مسئلے کا حل نہیں بلکہ مسئلہ کو مزید بڑھانے کا سبب بنے گا۔

لہٰذا اولاً تو عورت کو چاہیئے کہ اکیلے اس گھر میں نہ جائے کیونکہ وہ مرد عدت گزر جانے کے بعد اجنبی بن چکا ہے اس کے سامنے آنا قطعاً جائز نہیں لہٰذا عورت کو چاہیئے کہ بچوں کو میکے میں ہی بلا لینے کا انتظام کرلے۔ اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو (بچے چھوٹے ہوں یا کوئی لانے والا نہ ہو وغیرہ) تو پھر عورت اپنی والدہ یا کسی گھر والے کے ساتھ وقتاً فوقتاً اپنے بچوں سے ملنے اس گھر جا سکتی ہے۔ عورت کے گھر والوں کو بھی چاہیئے کہ اس معاملے میں عورت کا ساتھ دیں۔ عورت اگر اکیلے بار بار اس گھر میں جارہی ہے اور اس پر یہ لوگ ناراض ہیں تو یہ ناراضگی اگرچہ بجا ہے لیکن انہیں عورت کے احساسات کی بھی قدر کرنی چاہیئے، بچوں سے دوری کا معاملہ انتہائی تکلیف دہ ہوتا ہے اور دیگر خاندان والوں کو اس مرد یا بچوں سے بغیر کسی شرعی عذر کے ملنے سے روکنا جائز نہیں۔ صرف طلاق یا علیحدگی کی وجہ سے مکمل بائیکاٹ کر دینا درست امر نہیں۔

لہذا صورت مسئولہ میں اولاً عورت بچوں کو اپنے گھر بلا لینے کا انتظام کرے اگر یہ ممکن نہ ہو تو اپنی والدہ یا گھر کے کسی فرد کے ساتھ جائے اور اپنے بچوں سے مل کر آجائے اور اگر کوئی گھر والا بھی ملانے پر تیار نہ ہو تو اکیلے جانے کی گنجائش ہے البتہ اس مرد کے سامنے آنے سے مکمل اجتناب کرے اور پردے کا اہتمام کرتے ہوئے اپنے بچوں سے مل کر گھر واپس لوٹ آئے۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة: ۲۷): وَيَقْطَعُوْنَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ أُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

وفی المسلم (۳۱۵/۲): عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله خلق الخلق حتى إذا فرغ منهم قامت الرحم فقالت هذا مقام العائذ من القطيعة قال نعم أما ترضين أن أصل من وصلك وأقطع من قطعك قالت بلى. قال فذاك لك ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرءوا إن شئتم (فهل عسيتم إن توليتم أن تفسدوا في الأرض وتقطعوا أرحامكم أولئك الذين لعنهم الله فأصمهم وأعمى أبصارهم أفلا يتدبرون القرآن أم على قلوب أقفالها)۔

وفی الهندية (۵۳۵/۱): إذا طلقها ثلاثا أو واحدة بائنة وليس له إلا بيت واحد فينبغي له أن يجعل بينه وبينها حجابا حتى لا تقع الخلوة بينه وبين الأجنبية فإن كان فاسقا يخاف عليها منه فإنما

تخرج وتسکن منزلا آخر وإن خرج الزوج وترکها فھو أولی۔

(۱۳۹) مطلقہ مغلظہ کہاں عدت گزارے گی؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے ہم زلف نے میری سالی کو تقریباً چھ ماہ پہلے ایک طلاق دی تھی۔ طلاق کے بعد دونوں میاں بیوی میں ناراضگی ختم ہوگئی اور دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔ آج دونوں میں دوبارہ لڑائی ہوئی اور ہمارے ہم زلف نے دو طلاقیں دے دیں۔ براہ کرم اگر خدانخواستہ طلاق ہوگئی ہے تو بتایئے کہ عدت شوہر کے گھر پر جائز ہے یا والدہ کے گھر پر؟ طلاق کراچی میں دی گئی ہے، ان کی رہائش حیدرآباد میں ہے۔ اس کے شوہر چاہتے ہیں کہ عدت شوہر کے گھر حیدرآباد میں ہو تاکہ گھر پر عدت گزارنے سے میرے خاندان کو طلاق کا علم نہیں ہوسکے۔ عدت کے دوران رشتہ داروں سے پردہ کرنا ضروری ہے؟ ان رشتہ داروں کی وضاحت کردیں اور حلالہ کیا جائے تو صحبت لازمی ہے یا نہیں؟ اس کی بھی وضاحت کردیں۔ براہ کرم احادیث اور قرآن کی روشنی میں بتایئے۔ بڑی نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں چونکہ شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں اس لئے تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوگئی ہیں۔ یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوچکی ہے، بغیر حلالہ شرعیہ کے ایک ساتھ رہنا جائز نہیں۔ اب اس عورت کو چاہیئے کہ شوہر کے گھر میں شوہر سے الگ ہوکر عدت گزارے، اگر خاوند کے گھر عدت گزارنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر اپنے والدین کے گھر عدت گزارے عدت کے دوران ان لوگوں سے پردہ ہوگا جن سے عام اوقات میں پردہ کرنا ضروری ہوتا ہے اور وہ ہر وہ شخص ہے جس سے زندگی میں کسی بھی وقت نکاح ہوسکتا ہے۔ نیز حلالہ کا طریقہ یہ ہوگا کہ یہ عورت اپنی عدت پوری کرے عدت ختم ہونے کے بعد کسی دوسرے شخص سے طلاق کی شرط کے بغیر نکاح کرے، وہ اس کے ساتھ ہمبستری کرے اس کے بعد وہ شخص اپنی خوشی سے طلاق دے دے یا اس کی موت واقع ہوجائے، پھر یہ عورت عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے۔

لمافی الھندیة (۱/۳۵۵): وإذا قال لامرأته أنت طالق وطالق وطالق ولم یعلقه بالشرط إن کانت مدخولة طلقت ثلاثا وإن کانت غیر مدخولة طلقت واحدة وکذا إذا قال أنت طالق فطالق فطالق أو ثم طالق ثم طالق أو طالق طالق کذا في السراج الوھاج۔

وفی الشامیة (۳/۵۳۸): قوله (وفي المجتبی الخ) حیث قال والأفضل أن یحال بینھما في البیتوتة بستر إلا أن یکون فاسقا فیحال بامرأة ثقة وإن تعذر فلتخرج ھي وخروجه أولی اھ۔

(۱۴۰) مطلقہ ثلثہ کا عدت کے بعد سسرال میں رہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم میاں بیوی میں صبح صبح مغزماری ہوگئی۔ میں بلڈ پریشر کا

مریض بھی ہوں تو غصہ آ گیا اور غصہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور کہا کہ تم کو طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے اور چھوڑ دیا جاؤ اب پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں طلاق ہوتی ہے یا نہیں اور اگر طلاق ہوجاتی ہے تو ہم میاں بیوی الگ طور پر ایک مکان میں رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ ہمارے تین بیٹے جوان ہیں اور دو بیٹیاں بھی جوان ہیں۔ دو بیٹیوں کی شادی ہوگئی اور ایک بیٹے کی بھی شادی ہوگئی ہے اور وہ (بیٹا) اسی مکان میں ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ ہمارا مکان بڑا ہے، آٹھ کمروں پر مشتمل ہے۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ الفاظ سے آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور وہ آپ کے حق میں ایک اجنبی خاتون کی طرح ہوچکی ہے البتہ آپ پر لازم ہے کہ عدت گزرنے تک مذکورہ عورت کو نان، نفقہ اور رہائش فراہم کریں اور یہ رہائش مذکورہ مکان میں علیحدہ دینے سے بھی آپ بری الذمہ ہوجائیں گے لیکن عدت گزرنے کے بعد مذکورہ خاتون کا اسی گھر میں رہائش پذیر ہونا فتنہ میں پڑنے کا سبب بن سکتا ہے لہٰذا یہ درست نہیں البتہ اگر گھر اتنا بڑا ہو کہ مرد اور عورت علیحدہ جگھوں پر ایک ہی گھر میں رہ سکتے ہیں اور ان دونوں کا آمنا سامنا نہ ہو اور بچے اس بات کا خیال رکھ سکتے ہوں تو پھر ان دونوں کے ایک ہی گھر میں علیحدہ علیحدہ رہنے کی گنجائش ہے لیکن اگر معمولی سی بھی بے پردگی یا فتنہ کا احتمال ہو تو ایک گھر میں ان دونوں کا رہنا جائز نہیں۔

لمافی التاتارخانية (۴۰۵/۵) كتاب النفقات: فی كل موضع لم يصح الإبراء عن السكنى ينظر إن كان المنزل ملكا للزوج ينبغي أن يخرج الزوج من المنزل ويعتزل عنها ويتركها فی ذلك المنزل إلى أن تنقضي عدتها، وكذلك إذا كان المنزل بكراء و إن اكترى لها منزلا آخر يجوز لكن الأفضل أن يتركها فی المنزل كانا يسكنان فيه قبل الطلاق۔

وفی الهندية (۳۵۳/۱): فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغا عاقلا سواء كان حرا أو عبدا طائعا أو مكرها كذا في الجوهرة النيرة وطلاق اللاعب والهازل به واقع وكذلك لو أراد أن يتكلم بكلام فسبق لسانه بالطلاق فالطلاق واقع كذا في المحيط۔

(۱۴۱) طلاق ثلثہ کے بعد مرد اور عورت کا ایک گھر میں رہنا

سوال......مفتی صاحب درج ذیل باتوں کا جواب مطلوب ہے:

(۱) کیا طلاق مغلظہ واقع ہونے کے بعد جوان میاں بیوی یا بوڑھے میاں بیوی کے ایک گھر میں علیحدہ علیحدہ رہنے کے اعتبار سے مسئلہ میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ حالانکہ کتب فقہ مستثنیات سے بھری پڑی ہیں۔

(۲) طلاق مغلظہ واقع ہونے والی عورت کا زیادہ حقدار کون ہے؟ اس عورت کے بیٹے جو جوان ہیں یا اس کے جوان بھائی جن

پر اس عورت کی کفالت واجب اور ضروری ہو اور جن کی سرپرستی میں رہ کر وہ عورت اپنی بقیہ ماندہ زندگی گزار سکے۔

(۳) اگر شریعت ان (سابقہ میاں، بیوی) کو علیحدہ علیحدہ ایک گھر میں رہنے کی اجازت دیتی ہے تو کیا ان کے بیٹے کے مقتدا اور عالم دین ہونے کی وجہ سے صورت مسئولہ میں فتویٰ اور تقویٰ کے اعتبار سے کوئی فرق آئے گا یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث و فقہ حنفی کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......(۱) طلاق مغلظہ واقع ہونے کے بعد میاں، بیوی آپس میں اجنبی ہو جاتے ہیں چونکہ کافی عرصہ ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی طبیعتوں میں انبساط پیدا ہو جاتا ہے اس لئے ان کا ایک ہی گھر میں علیحدہ علیحدہ رہنا درست نہیں البتہ اگر میاں بیوی دونوں عمر کی اس دہلیز تک پہنچ چکے ہوں کہ اس عمر مین جذبات سرد پڑ جاتے ہوں اور ان کے درمیان جوان (سمجھدار) اولاد بھی موجود ہو جوان کے کسی فتنے میں پڑنے سے بچنے کا ذریعہ بن سکے اور کسی دینی مفسدہ (مثلاً ان کی اولاد کے مقتدا اور عالم دین ہونے کی وجہ سے لوگوں میں ان کے بارے میں کوئی غلط فضاء قائم ہو جائے اور لوگ ان کے خلاف باتیں بنانے لگیں یا ان کے فعل کو حجت اور دلیل بنا کر اس طرح کے فتنے میں پڑنے لگیں) کا اندیشہ نہ ہو تو اس صورت میں ایک ہی گھر میں علیحدہ علیحدہ رہائش اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

(۲) طلاق مغلظہ واقع ہونے والی عورت کے زیادہ حقدار اس کے جوان بیٹے ہیں جن پر اس عورت کی کفالت واجب اور ضروری ہے۔

(۳) مسئلہ کا حکم تو بیان کر دیا گیا ہے البتہ جب ان کی اولاد مقتدا اور عالم دین ہوں اور لوگوں کو ان کے درمیان طلاق مغلظہ واقع ہونے کا علم بھی ہو تو اس صورت میں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ (سابقہ) میاں، بیوی ہرگز ایک ہی گھر میں نہ رہیں اس لئے کہ اس طرح ایک مقتدا گھرانے کے لئے مختلف النوع مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

لمافی الهندية (۵۶۴/۱): الفصل الخامس في نفقة ذوي الأرحام قال ويجبر الولد الموسر على نفقة الأبوين المعسرين مسلمين كانا أو ذميين قدرا على الكسب أو لم يقدرا۔

وفی الدرالمختار (۵۳۸/۳) فصل فی الحداد: قال ولهما أن يسكنا بعد الثلاث في بيت واحد إذا لم يلتقيا التقاء الأزواج ولم يكن فيه خوف فتنة انتهى وسئل شيخ الإسلام عن زوجين افترقا ولكل منهما ستون سنة وبينهما أولاد تتعذر عليهما مفارقتهما فيسكنان في بيتهم ولا يجتمعان في فراش ولا يلتقيان التقاء الأزواج هل لهما ذلك قال نعم وأقره المصنف۔

وفی الرد تحته: قوله (وسئل شيخ الإسلام)۔۔۔ كأنه أراد بنقل هذا تخصيص ما نقله عن المجتبى بما إذا كانت السكنى معها لحاجة كوجود أولاد يخشى ضياعهم لو سكنوا معه أو معها أو كونهما كبيرين لا يجدهو من يعوله ولا هي من يشتري لها أو نحو ذلك۔

فصل فی نیۃ الطلاق وإضافتہ إلی المرأۃ

(لفظ طلاق سے طلاق کی نیت اور عورت کی طرف اس کی نسبت سے متعلق مسائل کا بیان)

(۱۴۲) سالے کو فون پر کہنا "میں نے تین طلاقیں دیں"

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا گھریلو مسائل کی وجہ سے۔ اس کی بیوی میکے چلی گئی دو دن گزرنے پر بغیر اجازت میکے گئی ہوئی بیوی جب واپس نہ آئی تو شوہر کو بڑا غصہ آیا اس نے سسرال فون کیا، سالے نے فون اٹھایا اس نے فوراً کہا "میں نے تین طلاقیں دیں" یہ کہا اور لائن کاٹ دی۔ بعد میں اس سے پوچھا جارہا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میری مراد بیوی کو طلاق دینا نہ تھی۔ وہ طلاق کا انکاری ہے۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ جاری فرمائیں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر نے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ یہ ہے "میں نے تین طلاقیں دیں" اس لفظ میں صراحۃً یا دلالۃً کسی بھی طور پر بیوی کی طرف نسبت موجود نہیں اس لئے ان الفاظ سے طلاق کے وقوع کا مدار شوہر کی نیت پر ہوگا۔ شوہر نے چونکہ جھگڑے کے دو دن بعد فون کر کے اپنے سسرال میں یہ الفاظ کہے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کی نیت بیوی کو طلاق دینے کی ہی تھی لہٰذا شوہر اللہ کو حاضر وناظر اور آخرت کے حساب کو مدنظر رکھتے ہوئے بتائے کہ ان الفاظ کے کہتے وقت اس کی مراد بیوی تھی یا نہیں؟ اگر بیوی ہی مراد تھی تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں ورنہ کچھ واقع نہ ہوگا۔

نوٹ: نیز اس مسئلے میں دیگر مفتیان کرام سے بھی رجوع کرلیا جائے۔

لمافی الخانیۃ (۱/۲۱۵): رجل قال امرأۃ طالق أ وقال طلقت امرأۃ ثلاثا وقال لم أعن به امرأتي يصدق ـــ رجل قال لامرأته فی الغضب ارتوزن من سه طلاق وحذف الیاء لا تطلق امرأته لأنه ما أضاف الطلاق إليها۔

وفی الھندیۃ (۱/۳۵۸): رجل قال طلقت امرأۃ أو قال امرأۃ طالق ثم قال لم أعن امرأتي يصدق۔

وفيه (۱/۳۶۰): ولو اضاف الطلاق الی جملتها أو إلی مایعبر عن الجملة وقع الطلاق۔

(۱۴۳) بیوی کو کتاب الطلاق پڑھاتے وقت الفاظ طلاق کا استعمال

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بیوی کو عالمہ بننے کا شوق ہوا۔ میں نے اس کو کتابیں پڑھانا شروع کردیں۔ ایک دن میں کتاب الطلاق پڑھا رہا تھا تو مسئلہ بیان کرتے ہوئے میں نے کہا تم کو طلاق، تم کو طلاق، تم کو طلاق۔ وہ اٹھ کر چلی گئی اس نے کہا آپ نے مجھے طلاق دیدی۔ میں نے بہت سمجھایا وہ نہیں مانتی حالانکہ میں تو صرف مسئلہ سمجھا رہا تھا۔ اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... وقوعِ طلاق کے لئے الفاظِ طلاق سے طلاق کا قصد ہونا ضروری ہے۔ اگر طلاق کے الفاظ پڑھانے کیلئے یا بطورِ حکایت یا دیگر کسی قصد سے استعمال کئے جائیں تو اگرچہ بیوی سامنے موجود ہو طلاق واقع نہیں ہوتی لہٰذا صورت بالا میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لما فی الأشباه والنظائر فی القاعدة الاولی (ص۲۴): ولكن لا بد أن يقصدها باللفظ. قالوا لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها ويقول في كل مرة: أنت طالق، لم يقع ولو كتبت امرأتي طالق أو أنت طالق وقالت له اقرأ علي فقرأ عليها لم يقع عليها لعدم قصدها باللفظ۔

وفی خلاصة الفتاویٰ (۲/۷۵): وفی فتاویٰ أهل سمرقند فی رجل حكى عن رجل فلما بلغ إلى ذكر الطلاق خطر بباله ذكر امرأته إن نوى عند ذكر الطلاق عدم الحكايات واستئناف الطلاق و كان الكلام موصولا بحيث يصلح للإيقاع على امرأته طلقت امرأته وإن لم ينو لا تطلق وهو محمول على الحكاية۔

وحكى عن شيخ الاسلام أوزجندی فی رجل يذكر مسائل الطلاق بين يدی امرأته ويقول أنت طالق وهو لا ينوی بذلك طلاق امرأته لا تطلق۔

وفی الهندية (۱/۳۵۳): حكى يمين رجل فلما بلغ إلى ذكر الطلاق خطر بباله امرأته إن نوى عند ذكر الطلاق عدم الحكاية واستئناف الطلاق وكان موصولا بحيث يصلح للإيقاع على امرأته يقع لأنه أوقع وإن لم ينو شيئا لا يقع لأنه محمول على الحكاية كذا في الفتاوى الكبرى۔

(۱۴۴) ”میں نے تم کو طلاق دی“ لکھنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ صابر حسین نے ایک کاغذ پر یہ الفاظ خود تحریر کئے ”میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی“ اور یہ کاغذ اپنی بیٹی کو دے دیئے۔ بیٹی نے اپنی ماں کو تحریر پڑھ کر سنادی۔

ماں کا نام کنیز فاطمہ ہے۔ آپ فرمائیے طلاق ہوئی یا نہیں؟ کچھ رشتے داروں نے پنچایت بٹھائی اور فیصلہ کیا ہے طلاق نہیں ہوئی۔ دونوں میاں بیوی ایک ہی مکان میں رہائش رکھتے ہیں۔ میں بھی اس پنچایت میں موجود تھا مگر میں نے اس فیصلے کی مخالفت کی ہے اور پنچایت میں موجود صاحبان سے کہا ہے یہ ہمارا کام نہیں ہے، یہ مفتی صاحبان کا کام ہے۔ اب آپ اپنا فیصلہ تحریر فرمائیے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا نام لے کر یا اس کی طرف نسبت کر کے یعنی "میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی" کہتا ہے تو بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اگر مطلقاً کہے کہ طلاق دیتا ہوں اور اضافت موجود نہ ہو تو اس صورت میں نیت کا اعتبار ہوگا اگر کہنے والے کی نیت اپنی بیوی کو طلاق دینے کی تھی تو طلاق واقع ہوگی وگرنہ نہیں بشرطیکہ مذاکرہ طلاق یا غضب کی حالت نہ ہو ورنہ مطلقاً طلاق کو وقوع ہو جاتا ہے۔

تحریر کی صورت میں اگر مرسومہ تحریر ہو تو بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ مرسومہ وہ ہے جو خط کے طریقے پر لکھی جاتی ہے اگر اس طریقے پر بیوی کو طلاق لکھے گا تو بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً یہ لکھے: [بسم اللہ الرحمن الرحیم عمرو بن زید کی طرف سے فلانہ (بیوی کا نام) کو ملے۔ اما بعد! پس میں تجھے طلاق دیتا ہوں] تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور نیت کی ضرورت بھی نہیں ہوگی کیونکہ کتابت مرسومہ بمنزلہ قول کے ہوتی ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو أنت طالق بولتا ہے تو اس کی بیوی کو طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ یہ الفاظ صریح ہیں نیت کی ضرورت نہ ہوگی اسی طرح کتابت مرسومہ جو بمنزلہ قول کے ہوتی ہے اس میں بھی نیت کی ضرورت نہ ہوگی۔

البتہ اگر تحریر مرسومہ نہ ہو تو بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ کتابت غیر مرسومہ وہ ہے جو خط کے طریقے پر نہ لکھی جائے بلکہ انسان ویسے ہی لکھتا ہے طلاق دینے یا اپنا خط چیک کرنے کیلئے وغیرہ، اگر اس صورت میں لکھتا ہے میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں تو اس کی نیت معلوم کی جائے گی کیونکہ اس طریقے پر لکھنے میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے دوسرا اپنا خط یا کاغذ چیک کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس طرح لکھنا اگرچہ صریح ہے لیکن دو معنوں کا احتمال ہے اس وجہ سے کنایات میں شامل کیا گیا ہے چنانچہ جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو کنائی الفاظ بولتا ہے تو اس کی نیت معلوم کی جاتی ہے اسی طرح اس طریقے پر لکھنا بھی کنایات میں شامل ہے چنانچہ اس صورت میں بھی اس کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

صورتِ مسئولہ میں تحریر غیر مرسومہ ہے لہذا اگر شوہر کی نیت طلاق کی نہ ہو تو اس تحریر سے طلاق واقع نہیں ہوئی لیکن بظاہر شوہر نے طلاق کی نیت سے یہ تحریر لکھی ہے لہذا اس تحریر "میں نے تم کو طلاق دی الخ" سے تین طلاقوں کو وقوع ہو گیا ہے۔

لما في الشامية (۲۴۶/۳): مطلب في الطلاق بالكتابة قوله (كتب الطلاق الخ) قال في الهندية الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ونعني بالمرسومة أن يكون مصدرا ومعنونا مثل ما يكتب إلى الغائب وغير المرسومة أن لا يكون مصدرا ومعنونا وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة فالمستبينة۔الخ۔

رسالة

جهد الرقاق

في

الإضافة إلى المرأة عند تلفظ الطلاق

الفاظ طلاق کے تلفظ کے وقت بیوی کی طرف ان کی اضافت کا مطلب،

درجات اور متعلقہ ابحاث پر سیر حاصل فتوی

(١٤٥) الفاظ طلاق میں اضافت سے متعلق مکمل تحقیق

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ طلاق کے الفاظ میں بیوی کی طرف اضافت سے کیا مراد ہے؟ یہ مسئلہ ہمارے لئے کافی الجھن کا باعث بنا ہوا ہے۔ کتبِ فقہ کے بعض صریح حوالوں سے جو معلوم ہوتا ہے وہ درج ذیل ہے، خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

"رجل قال لامرأته اگر توزن منی سه طلاق مع حذف الياء لا يقع اذا قال لم أنو الطلاق لأنه لما حذف الياء فلم يكن مضيفا اليها" (خلاصة الفتاوی ٢/٧٦)

یہی جزئیہ تاتارخانیہ (٣/٢٧٩) میں بھی ہے۔ اسی طرح المحیط البرھانی میں جزئیہ ہے:

"فقال بالفارسية: اگر توزن منی یك طلاق ودوطلاق وسه طلاق قومی واخرجی من عندی وهويزعم أنه لم يردبه الطلاق فالقول قوله، قال الفقيه أبو الليث لأنه لم يضف الطلاق إلى المرأة ولم يذكر الإيقاع" (المحيط البرهانی ٤/٤٠١)

نیز درمختار میں ہے:

"قيد بخطابها لأنه لو قال إن خرجت يقع الطلاق أو لا تخرجی إلا بإذنی فإنی حلفت بالطلاق فخرجت لم يقع لتركه الإضافة إليها" (الدر المختار ٣/٢٤٨)

اور شامیہ میں یہ بھی ہے:

"لو قال امرأة طالق أو قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم اعن امرأتی يصدق" (شامیه ٣/٢٤٨)

خلاصہ اور محیط کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کی موجودگی میں کہتا ہے "اگر تو عورت ہے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق" کہنے سے طلاق نیت پر موقوف رہے گی کیونکہ مرد نے اپنی طرف سے عورت کی طرف طلاق کی اضافت ونسبت نہیں کی۔ مفتی صاحب! کیا مسئلہ ایسا ہی ہے آپ درج ذیل سوالوں کے جواب مرحمت فرمادیں:

(١) إضافة الطلاق الى المرأة کا کیا مطلب ہے؟ اگر بیوی ذہن میں ہے تو یہی اضافت کیلئے کافی نہیں یعنی مذاکرہ طلاق چل رہا ہو اور مرد کہہ دے طلاق طلاق طلاق تو طلاق ہوگی یا نیت پر موقوف ہوگی؟ یا اسی طرح سسرال میں جھگڑا ہو پھر مرد گھر سے باہر

نکل کر زور سے بولے طلاق طلاق طلاق۔ بعد میں کہے کہ بیوی کو طلاق دینا مقصود نہ تھا صرف سالوں کو ڈرا رہا تھا، کیا قرینۂ مذاکرہ ہی نیت یا اضافت کے قائمقام نہ ہوگا؟

(۲) اگر کسی سے جبراً طلاق دلوائی گئی اور اس نے طلاق طلاق طلاق کہا پھر بعد میں کہتا ہے کہ بیوی مراد نہیں تھی جبکہ اکراہ کے وقت بیوی بھی موقع پر موجود تھی، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

(۳) ایک شخص لکھتا ہے کہ "میری بیوی کو طلاق" تو کیا یہ بھی نیت پر موقوف رہے گا یا فی الفور طلاق ہو جائے گی؟

(۴) سوال میں ذکر کردہ جو الفاظ نیت پر موقوف ہیں، کیا فتویٰ بھی اسی پر ہے کہ یہ الفاظ نیت پر موقوف رہیں گے؟

ازراہِ کرم مسئلہ کی مفصل تنقیح فرما کر مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اوّلاً یہ تعیین ضروری ہے کہ اضافت کیا ہے۔ اضافت کہتے ہیں نسبت کرنے کو یعنی طلاق کی نسبت بیوی کی طرف کرنا "إضافة الطلاق الی المرأة" ہے۔ اس اضافت کی دو قسمیں ہیں:

اضافت کی دو قسموں کا بیان

(۱) اضافتِ صریحہ: یہ ہے کہ شوہر صراحۃً بیوی کی طرف نسبت کرے مثلاً "طلقتك" "میں نے تجھے طلاق دی" وغیرہ۔ یہاں شوہر بیوی کی طرف صراحۃً نسبت کر رہا ہے کہ "میں نے تجھے طلاق دی" لہٰذا یہ اضافت صریحہ ہے۔

(۲) اضافت معنویہ: یہ ہے کہ صراحۃً نسبت تو نہ ہو لیکن قرائن موجود ہوں کہ بیوی کو طلاق دے رہا ہے مثلاً خطاب ہو "أنت طالق" (تو طلاق یافتہ ہے) یا نام ذکر ہو "زینب طالق" (زینب کو طلاق ہے) یا اسم اشارہ ہو "هذه طالق" (یہ طلاق یافتہ ہے)، اسی طرح مذاکرہ طلاق اور حالتِ غضب بھی ارادہ طلاق کے قائمقام بن جاتے ہیں۔ ان تمام الفاظ میں شوہر بیوی کی طرف طلاق دینے کی صراحۃً نسبت نہیں کر رہا لہٰذا یہ اضافتِ معنویہ ہیں۔

اس کے بعد یہ بات بھی ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ طلاق کے صریح الفاظ سے بھی جب تک "إضافة الطلاق الی المرأة" نہ ہو طلاق واقع نہیں ہوتی۔

"الصريح لا يحتاج إلى النية ولكن لا بد في وقوعه قضاء وديانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالما بمعناه ولم يصرفه إلى ما يحتمله كما أفاده في الفتح وحققه في النهر" (شامية ۲۵۰/۳)

لہٰذا قصد اضافت ضروری ہے۔ جہاں اضافتِ صریحہ ہو مثلاً "طلقتك" (میں نے تجھے طلاق دی) وغیرہ وہاں تو دیانۃً اور قضاءً طلاق کا وقوع ہو جائے گا اگرچہ شوہر انکار کرے کہ میری مراد بیوی نہیں، کیونکہ اضافت صریحہ میں بیوی مراد نہ ہونے کا احتمال ہی نہیں

لہٰذا دیانۃً اور قضاءً طلاق کے وقوع کا حکم لگے گا۔

جن الفاظ میں اضافت صریحہ نہ ہو معنویہ ہو [یعنی اس میں شوہر کی جانب سے صراحۃً بیوی کی طرف طلاق دینے کی نسبت نہ ہو] مثلاً "أنت طالق، زینب طالق، هذه طالق"

" قوله (لتركه الإضافة) أي المعنوية فإنها الشرط والخطاب من الإضافة المعنوية وكذا الإشارة نحو هذه طالق وكذا نحو امرأتي طالق وزينب طالق ح" (شامية ۳/۲۴۸)

ایسے الفاظ میں حکم یہ ہے کہ ان کے استعمال سے طلاق کا وقوع تو ہوگا لیکن اگر شوہر بیوی کو طلاق کے مراد ہونے کی نفی کرتا ہے تو دیانۃً اس کی تصدیق ہوگی البتہ قضاءً چونکہ خلافِ ظاہر ہے لہٰذا اس کی تصدیق قضاءً نہیں کی جائے گی نیز ان میں سے "انت طالق" میں اگر بیوی موجود ہو اور پھر کہے کہ بیوی مراد نہ تھی تو دیانۃً بھی تصدیق نہ ہوگی کیونکہ بیوی کی موجودگی اور خطاب بیوی کے مراد ہونے پر دال ہوگا۔ اسی طرح فقہاء نے "الطلاق یلزمنی، الحرام یلزمنی وعلیّ الطلاق" وغیرہ الفاظ میں بھی اگرچہ اضافت صریحہ نہ ہو اضافتِ معنویہ عرف کی بناء پر مانی ہے لہٰذا قضاءً شوہر کی تصدیق نہ ہوگی۔

لما فی الخانية علىٰ هامش الهندية (۱/۴۶۵): لو قال عمرة طالق وامرأته عمرة وقال لم أعن به امرأتي طلقت امرأته ولا يصدق قضاءً وكذا لو قال بنت فلان طالق ذكر اسم الأب ولم يذكر اسم المرأة وامرأته بنت فلان وقال لم أعن به امرأتي لا يصدق قضاءً و تطلق امرأته۔ الخ۔

وفی بدائع الصنائع (۴/۲۲۵): وحال الغضب ومذاكرة الطلاق دليل إرادة الطلاق ظاهرا فلا يصدق في الصرف عن الظاهر۔

وفی البحر الرائق (۳/۴۴۲): وذكر اسمها أو إضافتها إليه كخطابه كما بين۔۔۔ لو قال بنت فلان طالق ذكر اسم الأب ولم يذكر اسم المرأة وامرأته بنت فلان وقال لم أعن امرأتي لا يصدق قضاء وتطلق امرأته وكذا لو لم ينسبها إلى أبيها وإنما نسبها إلى أمها أو ولدها تطلق ، كذا في الخانية۔

وفی الشامية (۳/۲۴۸): لو قال امرأة طالق أو قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم أعن امرأتي يصدق اه ويفهم منه أنه لو يقل ذلك تطلق امرأته لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها ۔۔۔ بخلاف ما لو ذكر اسمها أو اسم أبيها أو أمها أو ولدها فقال عمرة طالق أو بنت فلان أو بنت فلانة أو أم فلان فقد صرحوا بأنها تطلق وأنه لو قال لم أعن امرأتي لا يصدق قضاء إذا كانت امرأته كما وصف كما سيأتي قبيل الكنايات وسيذكر قريبا أن من الألفاظ المستعملة الطلاق يلزمني والحرام يلزمني وعلي الطلاق وعلي الحرام فيقع بلانية للعرف الخ

فأوقعوا به الطلاق مع أنه ليس فيه إضافة الطلاق إليها صريحا فهذا مؤيد لما في القنية وظاهره أنه لا يصدق في أنه لم يرد امرأته للعرف والله أعلم۔

اضافت کی تیسری قسم کا بیان

یہ توان الفاظ کا ذکر تھا جن میں اضافت صریحہ یا معنویہ پائی جاتی ہو، بعض الفاظ وہ ہیں جن میں اضافت ہی نہیں ہوتی، نہ صریحہ اور نہ معنویہ مثلاً "امرأة طالق" (عورت کو طلاق ہے) یا "طالق" (طلاق ہے) یا "طلقت امرأة" (میں نے عورت کو طلاق دی) یا (اگر تو عورت ہے تین طلاق) یا "إن خرجت يقع الطلاق" (اگر تو گھر سے نکلی تو طلاق واقع ہوگی) یا "لا تخرجي إلا باذني فإني حلفت بالطلاق" (میری اجازت کے بعد گھر سے نہ نکلنا کیونکہ میں نے طلاق کا حلف اٹھایا ہوا ہے) ان تمام الفاظ میں بیوی کی طرف طلاق کی نسبت نہیں کی گئی نہ صریحاً اور نہ معناً اور آخری "حلفت بالطلاق" میں ایقاع طلاق کا ہی ذکر نہیں لہٰذا ان سب میں اصلاً طلاق کا وقوع ہوگا [کیونکہ الفاظِ طلاق موجود ہیں] اور قائل کی نیتِ طلاق ہی حکماً ان میں اضافت پیدا کردے گی یا حالتِ غضب یا مذاکرہ سے ان میں حکماً اضافت پیدا ہوجائے تب بھی شوہر کی تصدیق نہ ہوگی مثلاً طلاق، طلاق، طلاق اگر غصہ کی حالت میں یا مذاکرہ طلاق کے وقت کہا جائے تو اس سے بیوی کو طلاق ہی مراد ہوتی ہے لہٰذا اس صورت میں شوہر کی تصدیق نہ کی جائے گی لیکن اگر عام حالت ہو اور قائل بیوی کے مراد ہونے کی نفی کردے تو ان الفاظ میں قضاءً بھی اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہاں اضافت صریحہ اور معنویہ نہیں لہٰذا قائل کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

لما في الهندية (۳۵۸/۱): رجل قال طلقت امرأة أو قال امرأة طالق ثم قال لم أعن امرأتي يصدق ولو قال عمرة طالق وامرأته عمرة وقال لم أعن امرأتي لم يصدق قضاء كذا في المحيط۔

وفي الخانية على هامش الهندية (۴۶۵/۱): رجل قال لامرأته في الغضب اگر توزن من سه طلاق وحذف الياء لا تطلق امرأته لأنه ما أضاف الطلاق اليها۔ وفي (ص۳۵۸): اذا قال إحدى امرأتي طالق ثم قال عنيت التي نكاحها فاسد لم يصدق قضاءً۔

وفي الدر المختار (۲۴۸/۳): لو قال إن خرجت يقع الطلاق أو لا تخرجي إلا بإذني فإني حلفت بالطلاق فخرجت لم يقع لتركه الإضافة إليها۔

وفي الرد تحته: "قوله (لتركه الإضافة) أي المعنوية فإنها الشرط والخطاب من الإضافة المعنوية وكذا الإشارة نحو هذه طالق وكذا نحو امرأتي طالق وزينب طالق اهـ أقول وما ذكره الشارح من التعليل أصله لصاحب البحر أخذا من قول البزازية في الأيمان قال لها لا تخرجي من الدار إلا بإذني فإني حلفت بالطلاق فخرجت لا يقع لعدم ذكر حلفه بطلاقها ويحتمل الحلف بطلاق

غيرها فالقول له اهـ ومثله في الخانية وفي هذا الأخذ نظر فإن مفهوم كلام البزازية أنه لو أراد الحلف بطلاقها يقع لأنه جعل القول له في صرفه إلى طلاق وغيرها والمفهوم من تعليل الشارح تبعا للبحر عدم الوقوع أصلا لفقد شرط الإضافة مع أنه لو أراد طلاقها تكون الإضافة موجودة ويكون المعنى فإني حلفت بالطلاق منك أو بطلاقك ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت فقال امرأتي طلقت امرأته اهـ ... فهذا يدل على وقوعه وإن لم يضفه إلى المرأة صريحا ... ويفهم منه أنه لو يقل ذلك تطلق امرأته لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها فقوله إني حلفت بالطلاق ينصرف إليها ما لم يرد غيرها لأنه يحتمله كلامه بخلاف ما لو ذكر اسمها أو اسم أبيها أو أمها أو ولدها فقال عمرة طالق أو بنت فلان أو بنت فلانة أو أم فلان فقد صرحوا بأنها تطلق وأنه لو قال لم أعن امرأتي لا يصدق قضاء إذا كانت امرأته كما وصف كما سيأتي قبيل الكنايات وسيذكر قريبا أن من الألفاظ المستعملة الطلاق يلزمني والحرام يلزمني وعلي الطلاق وعلي الحرام فيقع بلا نية للعرف الخ فأوقعوا به الطلاق مع أنه ليس فيه إضافة الطلاق إليها صريحا فهذا مؤيد لما في القنية وظاهره أنه لا يصدق في أنه لم يرد امرأته للعرف والله أعلم"

وأيضا فی الشامیة (٣/٢٩٢)

ایک تنبیہ

الغرض وہ الفاظ جن میں اضافت صریحہ اور معنویہ دونوں موجود نہ ہوں وہاں شوہر کے انکار کی صورت میں اس کا قول مع الیمین معتبر ہوگا لیکن ان تمام تفصیلات سے متعلق یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ تمام احکام عام اوقات میں ان الفاظ کے استعمال کرنے کے ہیں لیکن اگر مذاکرہ طلاق ہو یا غصہ کی حالت ہو تو چاہے اضافت صریحہ کے الفاظ ہوں یا معنویہ یا دونوں نہ ہوں، طلاق کا وقوع بہر حال ہوگا کیونکہ یہاں تو صریح لفظ طلاق ذکر ہے کنائی میں جب مذاکرہ وغیرہ نیت کے قائم مقام بن جاتے ہیں تو یہاں بدرجہ اولیٰ بنیں گے پھر انکار معتبر نہ ہوگا۔ آپ نے سوال میں "إن خرجت یقع الطلاق" وغیرہ سے متعلق درمختار کی عبارت نقل کی ہے جس میں ان الفاظ سے مطلقاً طلاق کے عدمِ وقوع کا ذکر ہے لیکن درمختار میں تسامح ہوا ہے ہم نے اوپر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا استدراک نقل کر دیا ہے کہ اگرچہ یہاں اضافت صریحہ یا معنویہ نہ ہو لیکن اگر بیوی مراد ہو تو اس نیت سے بھی طلاق پڑے گی، ایسا نہیں کہ جہاں اضافت صریحہ یا معنویہ نہ ہو وہاں طلاق کا احتمال ہی نہیں لہٰذا درمختار کی مطلقاً نفی محل نظر ہے، بلکہ ان تمام الفاظ سے اگر بیوی مراد ہو تو طلاق کا وقوع ہوگا علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں درمختار پر یہی استدراک فرمایا ہے البتہ اگر شوہر بیوی کے مراد ہونے کا منکر ہو تو پھر اس کی بات مع الیمین معتبر

ہوگی۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسے الفاظ جن میں اضافت صریحہ یا معنویہ نہ ہو وہاں شوہر کے سکوت سے بھی طلاق کا وقوع ہوگا صرف انکار مع الیمین میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

لما فی الشامیة (٢٤٨/٣):فی البحر لو قال امرأة طالق أو قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم أعن امرأتی یصدق ویفهم منه أنه لو یقل ذلك تطلق امرأته لأن العادة أن من له امرأة إنما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها۔

خلاصہ کلام

تمام صورتوں کا خلاصہ یہ نکلتا ہے:

(١) الفاظ طلاق میں اضافت صریحہ ہو تو دیانۃً اور قضاءً دونوں میں شوہر کی تصدیق نہ ہوگی مثلاً "طلقتك" (میں نے تجھے طلاق دی)۔

(٢) الفاظ طلاق میں اضافت معنویہ ہو مثلاً عمرۃ طالق، امرأتی طالق، انت طالق وغیرہ ان میں قضاءً تو شوہر کے انکار کا اعتبار نہیں البتہ دیانۃً اس کی بات معتبر ہوگی اگر وہ کہتا ہے کہ میری مراد بیوی نہ تھی۔

(٣) الفاظ طلاق میں اضافت صریحہ اور معنویہ دونوں نہ ہوں (البتہ طلاق کا لفظ ہو) مثلاً "امرأة طالق، طلقت امرأة، لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق" وغیرہ یہاں نہ اضافت صریحہ ہے اور نہ معنویہ لہٰذا اگر شوہر کی نیت طلاق دینے کی ہو یا ان الفاظ کے استعمال کے بعد کچھ نہ کہے تو ان سے طلاق کا وقوع ہوگا البتہ اگر انکار کرتا ہے تو قضاءً شوہر کی بات مع الیمین معتبر ہوگی۔

آپ کے سوال میں مذکور تمام الفاظ اس تیسری قبیل سے ہیں (اگر تو زن منی سہ طلاق) بدون الیاء، "ان خرجت یقع الطلاق"، "امرأة طالق" یا "طلقت امرأة" سب میں اضافت صریحہ اور معنویہ دونوں موجود نہیں اور کتب میں چونکہ قضاءً مع الیمین تصدیق کا ذکر ہے اس لئے آپ کو تشویش ہوئی۔محترم اصلاً تو ان الفاظ سے طلاق کا وقوع ہوگا کتب میں ذکر مسئلہ اس وقت کا ہے جب شوہر یہ انکار کردے کہ میری مراد بیوی نہیں تو چونکہ ان الفاظ میں بیوی کی طرف کسی قسم کی اضافت نہیں لہٰذا شوہر کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اور یہ کوئی قابلِ اشکال بات نہیں۔نیز ہم نے ذکر کردیا کہ یہ تمام احکام اس وقت سے متعلق ہیں جب عام اوقات میں ان الفاظ کا استعمال کیا جائے مذاکرہ طلاق یا غصہ کی حالت نہ ہو۔یعنی نہ طلاق کا ذکر چل رہا ہو اور نہ غصہ کی حالت شوہر پر طاری ہو اگر ایسی حالت ہوگی تو پھر اضافت صریحہ ہو یا معنویہ یا کچھ نہ ہو فقط طلاق کا لفظ ہو یہ حالت اس میں اضافت کی قائم مقام بن جائے گی بدائع میں ہے:

"وحال الغضب ومذاکرة الطلاق دلیل إرادة الطلاق ظاهرا فلا یصدق فی الصرف عن الظاهر"

(بدائع ٢٢٥/٤)

نیز حالت غضب اور مذاکرہ طلاق بعض کنائی الفاظ (جو صرف جواب بن سکتے ہوں) میں بغیر نیت کے طلاق کے قضاء اطلاق

کا وقوع ہوتا ہے مثلاً اعتدی (عدت گزار) کا لفظ صرف جواب بن سکتا ہے تو مذاکرۃ طلاق اور غضب میں اس کے استعمال سے بلا نیت بھی طلاق کا وقوع ہوتا ہے اور قضاءً تصدیق نہیں کی جاتی پھر یہاں صریح الفاظ طلاق میں بدرجہ اولیٰ مذاکرہ اور غضب، اضافت کے قائمقام بنیں گے اور طلاق کا وقوع قضاءً ہوگا اور کسی قسم کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ شامیہ میں ہے:

لما فی الدر المختار: (وفی الغضب) توقف (الأولان) إن نوی وقع وإلا لا (وفی مذاکرۃ الطلاق) یتوقف (الأول فقط) ویقع بالأخیرین وإن لم ینو لأن مع الدلالۃ لا یصدق قضاء فی نفی النیۃ لأنہا أقوی لکونہا ظاہرۃ والنیۃ باطنۃ ولذا تقبل بینتہا علی الدلالۃ لا علی النیۃ إلا أن تقام علی إقرارہ بہا. عمادیۃ۔

وفی الرد تحتہ: بخلاف ألفاظ الأخیر أی ما یتعین للجواب لأنہا وإن احتملت الطلاق وغیرہ أیضا لکنہا لما زال عنہا احتمال الرد والتبعید والسب والشتم اللذین احتملتہما حال الغضب تعینت الحال دالۃ علی إرادۃ الطلاق فترجح جانب الطلاق فی کلامہ ظاہرا فلا یصدق فی الصرف عن الظاہر فلذا وقع بہا قضاء بلا توقف علی النیۃ کما فی صریح الطلاق إذا نوی بہ الطلاق عن وثاق۔

(شامیۃ ۳/۳۰۱)

گویا اضافت صریحہ، معنویہ اور بلا اضافت الفاظ سے متعلق یہ تفصیلات [کہ صریحہ میں قضاءً تصدیق نہ ہو اور معنویہ میں بھی، لیکن بلا اضافت الفاظ میں تصدیق کی جائے] عام اوقات سے متعلق ہیں (جبکہ جھگڑا وغیرہ نہ ہو اور شوہر بیوی کے مراد ہونے کا انکار کردے) اور اگر مذاکرہ طلاق یا غضب کی حالت ہو تو پھر ہر قسم کے صریح الفاظ سے قضاءً طلاق کا وقوع ہوگا اور یہ حالت ہی ''بیوی کے مراد'' ہونے پر دال ہوگی۔

سائل کے سوالوں کے جوابات

آپ کے سوال میں مذکور جزئیات کا جواب ملاحظہ ہو:

(۱) بیوی کی نیت کرلینا یہ اضافت صریحہ یا معنویہ نہیں بلکہ یہ محض نیت ہے جس کا ذمہ دار دیانۃً خود قائل ہے، اگر بیوی کی نیت کرتا ہے تو ہم نے ذکر کردیا کہ ایسے الفاظ جن میں اضافت صریحہ یا معنویہ نہ ہوں وہاں بھی طلاق کا وقوع ہوجاتا ہے بلکہ کنائی الفاظ سے بھی اگر بیوی کو طلاق کی نیت ہو تو طلاق کا وقوع ہوجاتا ہے لیکن نیت ایک مخفی امر ہے شریعت اور قضاء ظاہر کی مکلف ہے۔ شوہر اگر بیوی کی نیت کرنے کی نفی کرتا ہے تو چونکہ الفاظ میں صریح یا معنوی اضافت نہیں لہٰذا شوہر کی قضاءً تصدیق ہوگی۔

(۲) اگر کسی سے جبراً ''طلاق، طلاق، طلاق'' بلوایا جاتا ہے اور وہ یہ الفاظ کہہ دیتا ہے تو اگرچہ یہاں اضافت صریحہ اور معنویہ دونوں نہیں لیکن اکراہ ہی مذاکرہ طلاق پر دال ہے اور ضرور یہ ذکر ہوا ہوگا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے لہٰذا جبراً ''طلاق طلاق طلاق'' کہنے

سے قضاءً طلاق کا وقوع ہوگا اور اگر شوہر انکار بھی کرتا ہے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

(۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ لکھے "میری بیوی کو طلاق ہے" یا "میری بیوی زینب کو طلاق ہے" تو چونکہ یہ کتابت مستبینہ غیر مرسومہ ہے [کتابت غیر مرسومہ وہ ہوتی ہے جو خط کے طریقے پر نہ لکھی جائے بلکہ انسان ویسے ہی لکھتا ہے طلاق دینے یا اپنا خط چیک کرنے کیلئے وغیرہ، اگر اس صورت میں لکھتا ہے میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں تو اس میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے] لہٰذا اگرچہ الفاظ صریحہ ہوں لیکن مرسومہ (مصدر اور معنون) نہ ہونے کی بناء پر بغیر نیت کے ان سے طلاق کا وقوع نہ ہوگا اگر نیت کرتا ہے تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔

(۴) آپ کا یہ کہنا کہ (سوال میں ذکر کردہ جو الفاظ نیت پر موقوف ہیں کیا فتوی بھی اسی پر ہے کہ یہ الفاظ نیت پر موقوف ہیں) یہ مسئلے کی نوعیت نہ سمجھنے کی بنا پر ہے۔ ہم نے وضاحت کردی کہ یہ الفاظ نیت پر موقوف نہیں ان سے بلا نیت بھی طلاق واقع ہوگی البتہ (بیوی کے مراد ہونے کے) انکار کی صورت میں اضافت نہ ہونے کی بناء پر شوہر کی تصدیق اور قضاءً عدم وقوع طلاق کا حکم لگایا جائے گا لیکن انکار کے وقت قضاءً تصدیق سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ الفاظ نیت پر موقوف ہیں محل نظر ہے۔ نیز یہ تمام تفصیل عام اوقات کی ہے مذاکرہ طلاق یا غصہ کی حالت میں ان الفاظ کا استعمال قضاءً بھی وقوع طلاق کا سبب بنے گا پھر اگرچہ اضافت نہ ہو لیکن مذاکرہ اور غضب ہی ارادہ طلاق اور اضافت کے قائمقام بن جائیں گے۔

مسک الختام

یہاں مسک الختام کے طور پر زیر بحث مسئلے سے متعلق ایک اور اہم بات (جس کا ذکر اگرچہ سوال میں نہیں) بندہ ذکر کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ اضافۃ الطلاق الی المراۃ کے مسئلے میں فقہاء نے ایک قید اور لگائی ہے اور وہ "قصد" کی ہے یعنی اضافت ہو اور اس اضافت کا قصد بھی ہو۔

آسان الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی کی عبارت نقل نہ کی جارہی ہو اگر کسی کی بات نقل ہو رہی ہو تو چاہے اس کی جو بھی صورت [اضافت صریحہ، معنویہ یا حکمیہ میں سے] ہو، چونکہ بیوی کا قصد نہیں اب اگرچہ اضافت صریحہ بھی ہو لیکن منقول ہے تو طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔

لما فی الشامیة (۲۵۰/۳): الصريح لا يحتاج إلى النية ولكن لا بد فی وقوعه قضاء وديانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالما بمعناه ولم يصرفه إلى ما يحتمله كما أفاده فی الفتح وحققه فی النهر۔

نقل کی ایک صورت تعلیم و تعلم ہے مثلاً شوہر بیوی کو فقہ کی کوئی کتاب پڑھاتے ہوئے کہے "طلقتك" تو چونکہ یہاں کتاب کی بات نقل ہے طلاق کا قصد نہیں لہٰذا طلاق کا وقوع نہ ہوگا یا کسی کے خط کی عبارت نقل کرے کہ فلاں نے خط لکھا ہے اور اس میں لکھا ہے

"میں نے تجھے طلاق دی" ظاہر ہے یہ دوسرے کی بات نقل کر کے بیوی کو سنا رہا ہے تو یہاں طلاق کا وقوع نہ ہوگا یا کسی کی قسم کی حکایت اور نقل کرتا ہے کہ فلاں نے قسم کھائی کہ "اگر تو نے فلاں کام کیا تو تجھے طلاق" وغیرہ ان تمام الفاظ میں اگرچہ الفاظ طلاق میں اضافت ہے اور صریح ہے لیکن چونکہ نقلِ کلام ہے اور اصلاً نہیں کہہ رہا لہٰذا ان سے بھی طلاق کا وقوع نہ ہوگا گویا اضافتِ طلاق کا بالقصد کہنا بھی ضروری ہے اور ان تمام صورتوں میں جہاں نقلِ کلام ہو مثلاً تعلیم و تعلم، حکایتِ یمین، نقلِ خط وغیرہ ان سب میں قضاءً یا دیانۃً طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔

لما فی الشامیة (۲۵۰/۳): الصریح لا یحتاج إلی النیة ولکن لا بد فی وقوعه قضاء ودیانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إلیها عالما بمعناه ولم یصرفه إلی ما یحتمله کما أفاده فی الفتح وحققه فی النهر احترازا عما لو کرر مسائل الطلاق بحضرتها أو کتب ناقلا من کتاب امرأتی طالق مع التلفظ أو حکی یمین غیره فإنه لا یقع أصلا ما لم یقصد زوجته وعما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غیر عالم بمعناه فلا یقع أصلا علی ما أفتی به مشایخ أوزجند صیانة عن التلبیس

امید ہے اس تفصیل سے آپ کے تحفظات دور ہو گئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

لما فی المحیط (۴۰۱/۴) فیما یرجع الی صریح الطلاق: رجل قال: طلقتِ امرأة أو قال: امرأة طالق، ثم قال: لم أعن امرأتي یصدق ولو قال عمرة طالق وامرأته عمرة وقال: لم أعن امرأتي لم یصدق قضاءً لأن في الوجه الأول لم تعرف امرأته أصلاً وفي الوجه الثاني عرفها بالاسم ذکره في فتاوی أهل سمرقند۔

وکذا فیه (۴۸۴/۴) ایقاع الطلاق بالکتاب: أن تکتب هذا کتاب فلان بن فلان إلی فلانة أما بعد: فأنت طالق. وفي هذا الوجه یقع الطلاق علیها في الحال وإن قال: لم أعنِ به الطلاق لم یصدق في الحکم. وهذا لأن الکتابة المرسومة بمنزلة المقال۔

وفی الخانیة (۴۶۵/۱): ولو قال عمرة طالق وامرأته عمرة طلقت امرأته ولا یصدق قضاء في صرف الطلاق عنها ۔۔۔ رجل قال لامرأته في الغضب اگر توزن من سه طلاق وحذف الیاء لا تطلق امرأته لأنه ما أضاف الطلاق إلیها۔

وفی الهندیة (۳۵۸/۱): رجل قال طلقت امرأة أو قال امرأة طالق ثم قال لم أعن امرأتي یصدق ولو قال عمرة طالق وامرأته عمرة وقال لم أعن امرأتي لم یصدق قضاء کذا في المحیط۔

وفی الهندیة أیضا (۳۷۵/۱) کتاب الطلاق، باب الکنایات: والأحوال ثلاثة حالة الرضا وحالة مذاکرة الطلاق بأن تسأل هي طلاقها أو غیرها یسأل طلاقها وحالة الغضب ففي حالة الرضا

لا يقع الطلاق في الألفاظ كلها إلا بالنية والقول قول الزوج في ترك النية مع اليمين وفي حالة مذاكرة الطلاق يقع الطلاق في سائر الأقسام قضاء إلا فيما يصلح جوابا وردا فإنه لا يجعل طلاقا كذا في الكافي۔

وفی الدر المختار(٣/٢٤٨) كتاب الطلاق: قيد بخطابها لأنه لو قال إن خرجت يقع الطلاق أو لا تخرجي إلا بإذني فإني حلفت بالطلاق فخرجت لم يقع لتركه الإضافة إليها۔

وفی الرد تحته: قوله (لتركه الإضافة) أي المعنوية فإنها الشرط والخطاب من الإضافة المعنوية وكذا الإشارة نحو هذه طالق وكذا نحو امرأتي طالق وزينب طالق اهـ ح أقول وما ذكره الشارح من التعليل أصله لصاحب البحر أخذا من قول البزازية في الأيمان قال لها لا تخرجي من الدار إلا بإذني فإني حلفت بالطلاق فخرجت لا يقع لعدم ذكر حلفه بطلاقها ويحتمل الحلف بطلاق غيرها فالقول له اهـ ومثله في الخانية وفي هذا الأخذ نظر فإن مفهوم كلام البزازية أنه لو أراد الحلف بطلاقها يقع لأنه جعل القول له في صرفه إلى طلاق وغيرها والمفهوم من تعليل الشارح تبعا للبحر عدم الوقوع أصلا لفقد شرط الإضافة مع أنه لو أراد طلاقها تكون الإضافة موجودة ويكون المعنى فإني حلفت بالطلاق منك أو بطلاقك ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت فقال امرأتي طلقت امرأته اهـ ويؤيده ما في البحر لو قال امرأة طالق أو قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم أعن امرأتي يصدق اهـ ويفهم منه أنه لو يقل ذلك تطلق امرأته لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها فقوله إني حلفت بالطلاق ينصرف إليها ما لم يرد غيرها لأنه يحتمله كلامه بخلاف ما لو ذكر اسمها أو اسم أبيها أو أمها أو ولدها فقال عمرة طالق أو بنت فلان أو بنت فلانة أو أم فلان فقد صرحوا بأنها تطلق وأنه لو قال لم أعن امرأتي لا يصدق قضاء إذا كانت امرأته كما وصف كما سيأتي قبيل الكنايات وسيذكر قريبا أن من الألفاظ المستعملة الطلاق يلزمني والحرام يلزمني وعلي الطلاق وعلي الحرام فيقع بلا نية للعرف الخ فأوقعوا به الطلاق مع أنه ليس فيه إضافة الطلاق إليها صريحا فهذا مؤيد لما في القنية وظاهره أنه لا يصدق في أنه لم يرد امرأته للعرف والله أعلم۔

وفی الدر المختار(٣/٢٩٧): باب الكنايات (كنايته) عند الفقهاء (ما لم يوضع له) أي الطلاق (واحتمله) وغيره (ف) الكنايات (لا تطلق بها) قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة

مذاكرة الطلاق أو الغضب.

وفي الرد تحته: قوله (وهي حالة مذاكرة الطلاق) أشار به إلى ما في النهر من أن دلالة الحال تعم دلالة المقال قال وعلى هذا فتفسر المذاكرة بسؤال الطلاق أو تقديم الإيقاع كما في اعتدي ثلاثا وقال قبله المذاكرة أن تسأله هي أو أجنبي الطلاق.

(۱۴۶) سابقہ شوہر کی تحریرِ طلاق کو پڑھنے سے طلاق کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے ایک مطلقہ خاتون سے شادی کی ہے۔ گزشتہ کل میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ میں نے اپنی بیوی کے سابقہ شوہر کا طلاق نامہ پڑھ لیا۔ جس میں تین مرتبہ یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے: "میں راشدہ بیگم کو طلاق دیتا ہوں، میں راشدہ بیگم کو طلاق دیتا ہوں، میں راشدہ بیگم کو طلاق دیتا ہوں"۔ پڑھتے وقت میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی، صرف ایک تحریر کے طور پر پڑھ رہا تھا لیکن اب مجھے یہ یاد نہیں ہے کہ پڑھتے وقت میں نے زبان سے یہ الفاظ ادا کئے تھے یا نہیں؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ اگر زبان سے الفاظ ادا کئے تھے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ از راہ کرم آپ اس مسئلے کا حل بتائیں کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں جب طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا بلکہ سابقہ شوہر کی تحریر کو پڑھا ہے تو چاہے پڑھتے وقت زبان سے الفاظ ادا کئے تھے یا ادا نہیں کئے دونوں صورتوں میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لمافی الاشباہ والنظائر(ص۲۸): قالوا لو کرر مسائل الطلاق بحضرتها ويقول في كل مرة : أنت طالق . لم يقع ولو كتبت امرأتي طالق أو أنت طالق وقالت له اقرأ علي فقرأ عليها لم يقع عليها لعدم قصدها باللفظ .

وفی الھندیة(۳۷۹/۱): وكذلك كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابه كذا في المحيط والله أعلم بالصواب۔ هكذا فی الشامیة (۲۴۷/۳)۔

(۱۴۷) گن پوائنٹ پر صرف "طلاق، طلاق، طلاق" کا لفظ کہنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ گزشتہ ہفتے میرے گھر چند ڈاکو منہ پر کپڑا لپیٹے ہوئے گھس گئے، مجھے اور میری بیوی کو گن پوائنٹ پر ایک کمرے میں بند کر دیا، سونا اور نقدی سب کچھ سمیٹ لیا اور پھر میری بیوی کے سامنے میری کنپٹی پر ٹی ٹی رکھ کر کہنے لگے کہ اپنی بیوی کو تین طلاق دو، ورنہ ہم تمہیں مار دیں گے۔ مجبوراً میں نے صرف اتنا کہا "طلاق، طلاق، طلاق" نہ اپنی بیوی کا نام لیا اور نہ اس کی طرف اشارہ کیا۔ اب آپ بتائیں کیا میری بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں اگر شوہر کی نیت تھی یا بیوی کا ذکر پہلے کیا گیا تھا جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے تو طلاق کا وقوع ہو چکا ہے پھر چاہے شوہر قسم بھی کھالے صریح الفاظ طلاق کے استعمال میں اگر اضافت اور قرینہ دونوں نہ ہوں تو شوہر کے انکار کے وقت اس کی تصدیق ہوتی ہے جبکہ یہاں بظاہر قرینہ موجود ہے لہٰذا طلاق کے وقوع کا حکم لگے گا۔

لمافی البدائع (۳۰۷/۴): ومنها الإضافة إلى المرأة في صريح الطلاق حتى لو أضاف الزوج صريح

الطلاق إلى نفسه بأن قال أنا منك طالق لا يقع الطلاق وإن نوى وهذا عندنا۔

وفى الشامية (۳/۲۴۸): ويؤيده ما في البحر لو قال امرأة طالق أو قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم أعن امرأتي يصدق اه ويفهم منه أنه لو يقل ذلك تطلق امرأته لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها فقوله إني حلفت بالطلاق ينصرف إليها ما لم يرد غيرها لأنه يحتمله كلامه۔

وفى الفقه الاسلامى (۹/۶۸۹۸): يفهم مما ذكر أنه يشترط لإيقاع الطلاق ما يأتي:۔۔۔۔ ۳: إضافة الطلاق إلى الزوجة، أي إسناده إليها لغة، بأن يعينها بأحد طرق التعيين، كالوصف، أو الاسم المسماة به، أو الإشارة والضمير، فيقول: امرأتي طالق، أو فلانة طالق، أو يشير إليها بقوله: هذه طالق، أو أنت طالق، أو يقول: هي طالق، في أثناء حديث عنها؛ أو إسناده إليها عرفاً مثل: علي الطلاق أو الحرام إن أفعل كذا، أو الطلاق يلزمني إن لم أفعل كذا، فالطلاق هنا مضاف إلى المرأة في المعنى، وإن لم يضف إليها في اللفظ، وذلك خلافاً للحنابلة۔

(۱۴۸) "تیری ماں کو تین طلاق" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص شراب پی کر گھر آیا نشہ کی حالت میں بیوی کو مارنا شروع کر دیا اور اسی حالت میں کہا تیری ماں کو تین طلاق تو اس سے اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ الفاظ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لمافى المصنف لابن ابى شيبة (۴/۶۴): عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "لا طلاق إلا بعد النكاح"۔

وفى الهندية (۱/۳۶۱): ففي امرأة الغير لا يلزم امرأته طلاق إن كان طلقها أو لم يطلقها نوى الزوج طلاقا أو لم ينو۔

وفى الدر المختار (۳/۲۲۶): كتاب الطلاق (وهو) لغة رفع القيد لكن جعلوه في المرأة طلاقا وفي غيرها إطلاقا ۔۔۔ وشرعا (رفع قيد النكاح في الحال) بالبائن (أو المآل) بالرجعي (بلفظ مخصوص) هو ما اشتمل على الطلاق۔

(۱۴۹) سالوں کو ڈرانے کیلئے "طلاق" کی آواز لگانا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بندہ کا جھگڑا، مار پٹائی، گالم گلوچ، سالے سے ہوئی۔ اس نے مجھے مارا پیٹا۔ میں نے اس پر باہر آ کر یہ آواز لگائی، طلاق، طلاق، جبکہ میں مکمل ہوش وحواس میں تھا۔ بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا۔ صرف سالوں کو محلے کی سطح پر گندہ کرنے کیلئے یہ آواز لگائی۔ آپ سے گزارش ہے کہ آیا بیوی کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں، شرعی نقطہ نظر سے قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ بندہ ممنون ومشکور رہے گا۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہو گئی ہیں۔ آپ کے الفاظ میں اگرچہ اضافت نہیں لیکن الفاظ صریح ہیں نیز عرف اور جھگڑا اس بات پر دال ہیں کہ بیوی ہی مراد ہے لہٰذا آپ کی بیوی پر دو طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ اب آپ بغیر تجدید نکاح عدت میں رجوع کر سکتے ہیں۔

لمافي المشكوة (ص ۲۸۴): وعن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : " ثلاث جدهن جد وهزلهن جد : النكاح والطلاق والرجعة " . رواه الترمذي وأبو داود۔

وفي الشامية(۳/۲۴۸): ويؤيده ما في البحر لو قال امرأة طالق أو قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم أعن امرأتي يصدق اه ويفهم منه أنه لو يقل ذلك تطلق امرأته لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها فقوله إني حلفت بالطلاق ينصرف إليها ما لم يرد غيرها لأنه يحتمله كلامه بخلاف ما لو ذكر اسمها أو اسم أبيها أو أمها أو ولدها فقال عمرة طالق أو بنت فلان أو بنت فلانة أو أم فلان فقد صرحوا بأنها تطلق وأنه لو قال لم أعن امرأتي لا يصدق قضاء إذا كانت امرأته كما وصف كما سيأتي قبيل الكنايات وسيذكر قريبا أن من الألفاظ المستعملة الطلاق يلزمني والحرام يلزمني وعلي الطلاق وعلي الحرام فيقع بلانية للعرف الخ فأوقعوا به الطلاق مع أنه ليس فيه إضافة الطلاق إليها صريحا فهذا مؤيد لما في القنية وظاهره أنه لا يصدق في أنه لم يرد امرأته للعرف والله أعلم۔

(۱۵۰) تین مرتبہ "ڈیورس" کا لفظ بولنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا اپنی بیوی سے کل رات جھگڑا ہو رہا تھا اور اس دوران میرے منہ سے دو مرتبہ "ڈیورس" کے الفاظ نکلے اور کچھ دیر بعد تیسری مرتبہ بھی کہا لیکن میرا ارادہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا نہیں تھا نہ میرے ذہن میں تھا نہ دل میں، نہ ہی میں نے طلاق کا ارادہ کیا تھا۔ میرا ایک چھوٹا بچہ بھی ہے لہٰذا آپ بتائیں یہ طلاق تو نہیں ہوئی کیونکہ

اسلام میں تو بہت آسانیاں ہیں وہ تو راستہ نکالتا ہے اور میں نے یوں نہیں کہا تھا کہ ڈیورس دیتا ہوں، صرف یوں کہا ڈیورس، ڈیورس اور پھر تھوڑی دیر بعد تیسری مرتبہ کہا ڈیورس۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... طلاق واقع ہونے کے لئے زوجہ کی طرف صراحۃً طلاق کی نسبت کرنا ضروری نہیں بلکہ جب قرائن موجود ہوں مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو جھگڑے کے دوران غصہ کی حالت میں لفظ طلاق (بغیر نسبت کئے) کہے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں جب آپ نے اپنی بیوی کو ڈیورس (Divorce) کے الفاظ تین بار کہے تو اس سے آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی لہٰذا آپ اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات بغیر حلالہ شرعیہ کے قائم نہیں کر سکتے۔

لمافی الخانية(۲/۲۰۷): رجل قال امرأته. طالق ولم يسم وله امرأة معروفة طلقت امرأته استحسأناً۔

وفی الشامية (۳/۳۶۹): قلت ومقتضى هذا الفرع أن من وصل في الغضب إلى حال لا يدري فيها ما يقول يقع طلاقه۔

وفی الشامية (۳/۲۴۸): من الألفاظ المستعملة الطلاق يلزمني والحرام يلزمني وعلي الطلاق وعلي الحرام فيقع بلانية للعرف الخ فأوقعوا به الطلاق مع أنه ليس فيه إضافة الطلاق إليها صريحا فهذا مؤيد لما في القنية وظاهره أنه لا يصدق في أنه لم يرد امرأته للعرف والله أعلم۔

(۱۵۱) مذاکرہ طلاق میں صرف لفظ "طلاق" کہنے سے طلاق واقع ہو جائے گی

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ۱۵ شعبان کو ہماری بہن کو طلاق ہوئی ہے لیکن کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی ہے۔ ہم آپ سے اس بات کی وضاحت چاہتے ہیں۔ طلاق اس طرح دی گئی ہے کہ بہن نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ انہوں نے یک دم ایک سانس میں ۴ یا ۳ یا ۵ مرتبہ بولا ہے، نام نہیں لیا اور نہ ہی یہ بولا ہے کہ میں نے تجھے یا تم کو یا تیرے کو طلاق دی ہے۔ بس غصے میں یہ کہا ہے: طلاق۔ طلاق۔ طلاق دی۔ بہن صحن میں کھڑی تھی اور شوہر کمرے میں تھے طلاق دیتے وقت نہ تو، نہ تم، تجھے کچھ نہیں کہا۔ اب بہت رو رہے ہیں۔ ہم لوگ بہت پریشان ہیں، ہمارے والد ہیں نہ بھائی۔ مہربانی فرما کر اس کا جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں چونکہ شوہر نے مذکورہ الفاظ یعنی (طلاق، طلاق، طلاق) حالۃ مذاکرۃ الطلاق میں استعمال کئے ہیں اور طلاق میں عورت کی طرف نسبت صراحۃً ضروری نہیں ہے، سیاق وسباق بھی عورت کی طرف نسبت کیلئے کافی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں عورت کو تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں، بغیر حلالہ شرعیہ کے عورت اور مرد کا آپس میں رہنا جائز نہیں ہے۔

لمافی الشامية (۳/۲۴۸): قوله (لتركه الإضافة) أي المعنوية فإنها الشرط والخطاب من الإضافة المعنوية وكذا الإشارة نحو هذه طالق وكذا نحو امرأتي طالق وزينب طالق اهـ۔

وفی الشامية (۲۴۸/۳):من الألفاظ المستعملة الطلاق يلزمني والحرام يلزمني وعلي الطلاق وعلي الحرام فيقع بلانية للعرف الخ فأوقعوا به الطلاق مع أنه ليس فيه إضافة الطلاق إليها صريحا فهذا مؤيد لما في القنية وظاهره أنه لا يصدق في أنه لم يرد امرأته للعرف والله أعلم۔

وفيه أيضاً(۲۴۸/۳): ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت فقال امرأتي طلقت امرأته اھ۔

(۱۵۲) دورانِ درس الفاظ طلاق استعمال کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک استاذ درس کے دوران طلبہ کو سمجھا رہے تھے۔ انہوں نے کہا: "مثال کے طور پر میں نے اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے" تو اس طرح کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر چہ طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ کسی اور کے الفاظ نقل کرتے وقت طلاق کے الفاظ نقل کر دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن استاذ کا اس طرح مثال دینا غیر محتاط ہے استاذ صاحب کو چاہیئے غائب کے صیغوں کے ساتھ ایسی مثالیں دیں مثلاً "زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ اسے طلاق" کیونکہ متکلم کے صیغے سے مثال دیتے وقت اگر لفظ سے اپنی بیوی کو طلاق کا قصد ذہن میں آ گیا تو طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے اور پھر یہ مثال حکایت پر محمول نہ ہوگی لہٰذا طلاق جیسے الفاظ کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان جیسے الفاظ کو بھی زبان پر لانے سے اجتناب کیا جائے۔

لمافی الهندية (۳۵۳/۱):حكى يمين رجل فلما بلغ إلى ذكر الطلاق خطر بباله امرأته إن نوى عند ذكر الطلاق عدم الحكاية واستئناف الطلاق وكان موصولا بحيث يصلح للإيقاع على امرأته يقع لأنه أوقع وإن لم ينو شيئا لا يقع لأنه محمول على الحكاية كذا في الفتاوى الكبرى۔

وفی الشامية(۲۵۰/۳): مطلب في قول البحر إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانة إلى النية قوله (أو لم ينو شيئا) لما مر أن الصريح لا يحتاج إلى النية ولكن لا بد في وقوعه قضاء وديانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالما بمعناه ولم يصرفه إلى ما يحتمله كما أفاده في الفتح وحققه في النهر احترازا عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها أو كتب ناقلا من كتاب امرأتي طالق مع التلفظ أو حكى يمين غيره فإنه لا يقع أصلا ما لم يقصد زوجته وعما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غير عالم بمعناه فلا يقع أصلا على ما أفتى به مشايخ أوزجند صيانة عن التلبيس وغيرهم من الوقوع قضاء فقط وعما لو سبق لسانه من قول أنت حائض مثلا إلى أنت طالق فإنه يقع قضاء فقط وعما لو نوى بأنت طالق الطلاق من وثاق فإنه يقع قضاء فقط أيضا۔

(۱۵۳) "میں طلاق دیتا ہوں" کے الفاظ سے طلاق کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمد ساجد نے ڈیڑھ سال قبل اپنی بیوی کو کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں، میں طلاق دیتا ہوں، میں طلاق دیتا ہوں، آیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ ان کا ایک لڑکا ہے جس کی عمر دو سال ہے اب وہ ماں کے پاس ہے، اس بچے کی پرورش کا حق کس کو ملے گا اور اس بچے کے اخراجات کس کے ذمہ لازم ہوں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب……وقوع طلاق کیلئے کلام میں عورت کی طرف طلاق کی نسبت کرنا یا اس کی طرف اشارہ کرنا یا اس کو مخاطب کر کے طلاق کے الفاظ کہنا ضروری ہے، چاہے نسبت اور خطاب الفاظ میں صراحۃً موجود ہوں یا کسی قرینے کی بناء پر کلام میں معنا اور حکما موجود ہوں لہٰذا صورت مسئولہ میں بھی مذکورہ الفاظ (میں طلاق دیتا ہوں) ساجد نے اپنی بیوی کو خطاب کر کے کہے ہیں نیز ان میں اضافت موجود ہونے کی وجہ سے ساجد کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں اور وہ تین طلاق کے ساتھ ساجد پر مطلقہ مغلظہ ہوگئی ہیں، اب بغیر حلالہ شرعی کے دوبارہ ساجد کے نکاح میں آنا ناجائز اور حرام ہے۔ نیز بچے کی پرورش کا حق سات سال تک ماں کو ملے گا، اس کے بعد پھر باپ کا حق ہے نیز بچے کے تمام اخراجات باپ کے ذمہ ہیں نہ کہ ماں کے۔

لمافی الدر المختار (۳/۲۴۷،۲۴۸): باب الصريح (صريحه ما لم يستعمل إلا فيه) ولو بالفارسية (كطلقتك وأنت طالق ومطلقة) بالتشديد قيد بخطابها لأنه لو قال إن خرجت يقع الطلاق أو لا تخرجي إلا بإذني فإني حلفت بالطلاق فخرجت لم يقع لتركه الإضافة إليها (ويقع بها) أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح۔

وفی الرد تحته: قوله (لتركه الإضافة) أي المعنوية فإنها الشرط والخطاب من الإضافة المعنوية وكذا الإشارة نحو هذه طالق وكذا نحو امرأتي طالق وزينب طالق اهـ۔

وفی الهندية (۱/۵۴۱): الباب السادس عشر في الحضانة أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم إلا أن تكون مرتدة أو فاجرة غير مأمونة كذا في الكافي۔

(۱۵۴) الفاظ طلاق میں بیوی کی نیت ضروری ہونے میں فتاویٰ کے تعارض کا دفعیہ

سوال……کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص الفاظ طلاق کو ادا کرے مگر اس میں اپنی بیوی کی نیت بھی نہیں کرتا اور نہ ہی اس کو مخاطب کرتا ہے صرف طلاق، طلاق کہتا ہے تو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے جب تک نیت نہیں ہوگی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہے:

"ويؤيده ما في البحر لو قال: امرأة طالق أو قال طلقت امرأة ثلثا وقال لم أعن امرأتي يصدق"

(شامیة۳/۲۴۸)

جبکہ ہمارے اردو فتاویٰ کی عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی۔ فتاویٰ مفتی محمود(۶/۵۲۴)، امداد الاحکام (۲/۳۸۶)، فتاویٰ دار العلوم دیوبند(۹/۷۹)اب میں الجھن میں مبتلا ہوگیا ہوں کہ کس کی بات صحیح ہے کیونکہ دونوں عبارتوں میں تضاد معلوم ہورہا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......طلاق کے وقوع کے لئے اضافت شرط ہے خواہ اضافت صریحہ ہو یا حکمیہ ہو[اضافت حکمیہ یہ ہے کہ نہ صراحۃً اضافت ہو اور نہ معناً نام یا اشارے کی صورت میں اضافت پائی جائے]، تاہم اضافت حکمیہ کی صورت میں اگر بیوی مراد نہ ہو اور کوئی قرینہ بھی موجود نہ ہو تو شوہر کی بات مان لی جاتی ہے اور طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن یہ نیت کی محتاج نہیں اگر قرینہ نہ ہو اور کوئی نیت بھی نہ ہو تب بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فقط بیوی مراد نہ ہونے کی نیت کے وقت شوہر کی تصدیق کا ذکر کیا ہے اور جہاں تک اردو فتاویٰ جات کی عبارات کا تعلق ہے تو وہ بھی اضافت حکمیہ سے ہی متعلق ہیں وہاں چونکہ قرینہ [حالتِ غضب یا عرف وغیرہ] پایا جارہا ہے اس لئے انہوں نے بغیر نیت کے وقوع طلاق کا حکم لگایا ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی تضاد باقی نہیں رہا بلکہ آپ نے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے غلط مفہوم نکالا ہے جب صریح الفاظ طلاق مستعمل ہیں تو پھر بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہوگی البتہ جب اضافت اور قرینہ نہ ہو اور شوہر کہے کہ بیوی مراد نہیں تب شوہر کی تصدیق کی جاتی ہے یہی شامیہ میں ہے۔[1]

لمافی الھندیة (۱/۳۸۲): ولو قالت طلقني فضربها وقال لها اینك طلاق لا یقع ولو قال اینکت طلاق یقع۔

وفیه أیضاً(ص۳۸۳): ولو قالت مرا طلاق ده ومرا طلاق ده ومرا طلاق ده فقال دادم تقع ثلاث۔

وفی الشامیة (۳/۲۴۸): ولا یلزم کون الإضافة صریحة في کلامه لما في البحر لو قال طالق فقیل له من عنیت فقال امرأتي طلقت امرأته اھ۔

وفی الشامیة(۳/۲۵۰): مطلب في قول البحر إن الصریح یحتاج في وقوعه دیانة إلی النیة قوله (أو لم ینو شیئا) لما مر أن الصریح لا یحتاج إلی النیة ولکن لا بد في وقوعه قضاء ودیانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إلیها عالما بمعناه ولم یصرفه إلی ما یحتمله کما أفاده في الفتح۔

---

[1] اس مسئلے کی مدلل وضاحت کیلئے نیز الفاظ طلاق کے تلفظ کے وقت بیوی کی طرف ان کی اضافت کا مطلب، درجات اور متعلقہ ابحاث پر سیر حاصل تحقیقات جاننے کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد میں موجود فتوی "جھد الرقاق فی الاضافة الی المرأة عند تلفظ الطلاق" ملاحظہ ہو۔ از مرتب

(۱۵۵) دو بیویوں والے کا بغیر تعیین طلاقِ ثلثہ کے الفاظ کے استعمال کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کی دو بیویاں تھیں اس نے کہا یا طلقتك ثلاثة اے عورت! میں نے تجھے تین طلاقیں دیں اور اس کی کوئی بیوی اس وقت موجود نہیں تھی۔ دونوں بیویاں باہر تھیں تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور اگر ہوگی تو دو بیویوں میں سے کس پر ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں زید کے دو بیویوں میں سے ایک بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اور وہ بغیر "حلالہ شرعیہ" کے زید کے لئے حلال نہیں ہوسکتی، البتہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ طلاق کس بیوی پر واقع ہوئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ زید ان بیویوں میں سے جس کو طلاق کے لئے متعین کرے گا اسی پر طلاق واقع ہوگی۔

لمافی المصنف لابن ابی شیبة (۵۶۵/۹)(ط: ادارة القرآن والعلوم الاسلامية) كتاب الطلاق :۴۵

في الرجل تكون له النسوة ، فيقول : إحداكن طالق ، ولا يسمي:

۱۸۳۱۶۔ عن إبراهيم ؛ في رجل قال : امرأته طالق ثلاثا ، وله نسوة ، فقال : إن كان نوى منهن شيئا فهي التي نوى ، وإن لم يكن نوى منهن شيئا فليختر أيتهن شاء وكذلك الإيلاء والظهار۔

۵۰۔ في الرجل تكون له امرأتان ، فينهى إحداهما عن الخروج ، فخرجت التي لم ينه ، فقال: فلانة خرجت ؟ أنت طالق۔

۱۸۳۵۱۔ حدثنا هشيم ، عن يونس ، عن الحسن ؛ في رجل له امرأتان ، نهى إحداهما عن الخروج ، فخرجت التي لم ينه ، فظن أنها التي نهاها أن تخرج ، فقال : فلانة خرجت ؟ أنت طالق ، قال: تطلق التي أراد ونوى۔

وفی التاتارخانية (۲۸۱/۳) كتاب الطلاق(ايقاع الطلاق بطريق الإضمار وترك الإضافة): فإن قال امرأته طالق، وله امرأتان كلتاهما معروفتان يصرف الطلاق الى أيتهما شاء۔

وفی (ص ۲۶۱): ولو قال لامرأته "یا مطلقه" وفی الولوالجية: أو قال يا طلاق، وقع الطلاق عليها۔

وفی الدرالمختار(۲۹۰/۳) كتاب الطلاق، مطلب فيما قال: إمرأته طالق وله امرأتان الخ:(ولو قال امرأتي طالق وله امرأتان أو ثلاث تطلق واحدة منهن وله خيار التعيين) اتفاقا وأما تصحيح الزيلعي فإنما هو في غير الصريح كامرأتي حرام كما حرره المصنف وسيجيء في الإيلاء۔

فصل فی الطلاق بألفاظ مصحفة

(الفاظ مصحفہ سے طلاق کا بیان)

(۱۵۶) الفاظ مصحفہ کا حکم

سوال...... بندے نے آنجناب سے الفاظ مصحفہ سے وقوعِ طلاق کے متعلق چند سوال پوچھنے ہیں:

(۱) کتب فقہ میں پانچ الفاظ مصحفہ سے طلاق کا ذکر ہوتا ہے کیا عربی میں فقط وہی الفاظ تصحیف طلاق کے وقوع کے لئے مفید ہیں یا کسی بھی قسم کی تصحیف کے بعد کوئی لفظ بنے طلاق واقع ہوجائے گی۔

(۲) مصری حضرات ک، ق کو گ پڑھتے ہیں ایک مصری اپنی بیوی کو کہے طالگ یا طالگتک تو یہ لفظ مصحف کہلائے گا؟ طلاق ہوگی؟

ازراہِ کرم تصحیف سے متعلق ان جزئیات کے مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... الفاظِ طلاق میں تصحیف سے متعلق فقہاء کرام کی عبارات مختلف ہیں۔ اگر ان کو دیکھا جائے تو درج ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

(۱) لفظ طلاق میں ط کی جگہ تاء یا قاف کی جگہ عین، غین، کاف اور لام سے تصحیف کی جائے تو یہ صریح طلاق کے حکم میں ہی ہوگی اور بغیر نیت کے طلاق واقع ہوجائے گی نیز اس میں صاحبِ علم اور جاہل انسان کا کوئی فرق نہیں اور ڈرانے دھمکانے کیلئے بھی ان کے استعمال سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ یہ کل نو (۹) الفاظ بنتے ہیں:

(۱) طلاع	(۲) طلاغ	(۳) طلاک	(۴) طلال
(۵) تلاق	(۶) تلاع	(۷) تلاغ	(۸) تلاک
(۹) تلال			

یہ نو الفاظِ مصحفہ ایسے ہیں کہ ان سے بغیر نیت کے طلاق کا وقوع ہوجاتا ہے۔

(۲) اس کے علاوہ ط، ل، ق الگ الگ حروفِ تہجی بیوی کو بولنے سے بھی اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق کا وقوع، ہوجاتا ہے۔

(۳) کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے ''أنت طا'' اس سے کچھ واقع نہیں ہوتا، البتہ اگر ''أنت طالِ'' کہا (کہ طلاق کے دو لفظ موجود

ہوں) تو نیت کا اعتبار ہوگا اگر نیت تھی تو طلاق کا وقوع ہوگا ورنہ نہیں البتہ اس صورت میں نیت کا اعتبار عمومی اوقات میں ہے اگر مذاکرہ طلاق یا غصہ کی حالت چل رہی ہو توان الفاظ سے بھی بغیر نیت کے طلاق کا وقوع ہو جائیگا۔

متاخرین فقہاء احناف نے ان الفاظ میں تصحیف کی تصریح کی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص منصوص الفاظ کے علاوہ تصحیف کرتا ہے توان مصحفہ الفاظ سے طلاق کا وقوع نہ ہوگا البتہ ایسے الفاظ استعمال کرنے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیئے کیونکہ طلاق کا معاملہ ایسا نہیں کہ اسے ڈرانے دھمکانے یا اپنی اَنا کی تسکین کیلئے استعمال کیا جائے، نیز یہاں یہ بات بھی بطورِ خاص ملحوظ رہے کہ اگر وہ الفاظ اس شخص کے عرف میں ہی طلاق کیلئے مستعمل ہوں توان الفاظ کے استعمال سے بہرحال طلاق کا وقوع ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں تصحیف کا مسئلہ ہی نہ رہے گا۔

لہٰذا آپ کے سوالوں کے جوابات درج ذیل ہیں:

(۱) کتب فقہ میں پانچ نہیں بلکہ پانچ سے زائد الفاظ میں تصحیف کی تصریح ہے جو الفاظ مصرّح ہیں انہی میں تصحیف معتبر ہے۔

(۲) مصری حضرات کاف کو جو گاف پڑھتے ہیں تو ان کے عرف میں طلاگ کا لفظ ہی وقوعِ طلاق کیلئے موضوع ہو گیا ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مصحف نہیں بلکہ وقوعِ طلاق کیلئے موضوع ہے، لہٰذا ان کے ''طلاگ'' یا ''طلگتک'' کہنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

لما فی البحر الرائق(۴۳۹/۳): ومنه الالفاظ المصحفة وهی خمسة تلاق و تلاغ و طلاغ، وطلاك، وتلاك فيقع قضاء ولا يصدق إلا إذا أشهد على ذلك قبل التكلم بأن قال امرأتي تطلب مني الطلاق وأنا لا أطلق فأقول هذا ولا فرق بين العالم والجاهل وعليه الفتوى۔

وفی الولوالجية (۱۷/۲) : رجل قال لامرأته أنت طا فأخذ انسان فمه لايقع شئی نوی أولم ينو، حتى يجيئ باللام وينوی الطلاق لأن العرب تنقص حرفا إلا أنه يشترط النية الى ان قال وهذا كله اذا لم يكن فی مذاكرة الطلاق ولافی حالة الغضب وإن كان فی تلك الحالة يقع وإن لم تكن اللام مكسورة لأنه بمنزلة الكنايات۔

وفی الدر المختار، مطلب فی الصريح (۲۴۹/۳):(ويقع بها) أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح ويدخل نحو طلاغ وتلاغ وطلاك وتلاك أو ط ل ق أو طلاق باش بلا فرق بين عالم وجاهل وإن قال تعمدته تخويفا لم يصدق قضاء إلا إذا أشهد عليه قبله به يفتى۔

وفی الردالمحتار: مطلب من الصريح الألفاظ المصحفة قوله (ويدخل نحو طلاغ وتلاغ الخ) أي بالغين المعجمة قال في البحر ومنه الألفاظ المصحفة وهي خمسة فزاد على ما هنا تلاق وزاد في النهر إبدال القاف لاما قال ط وينبغي أن يقال إن فاء الكلمة إما طاء أو تاء واللام إما قاف

أو عين أو غين أو كاف أو لام واثنان في خمسة بعشرة تسعا منها مصحفة وهي ما عدا الطاء مع القاف اه قوله (أو ط ل ق)۔۔۔۔وهذا بمنزلة الكناية لأن هذه الحروف يفهم منها ما هو المفهوم من صريح الكلام إلا أنها لا تستعمل كذلك فصارت كالكناية في الافتقار إلى النية اه وأنت خبير بأنه إذا افتقر إلى النية لا يناسب ذكره هنا لأن الكلام فيما يقع به الرجعية وإن لم ينو وسيصرح الشارح أيضا بعد صفحة بافتقاره إلى النية وذكره أيضا في باب الكناية وقدمناه أيضا أول الطلاق عن الفتح وفي البحر يقع بالتهجي كأنت ط ل ق وكذا لو قيل له طلقتها فقال ن ع م أو ب ل ي بالهجاء وإن لم يتكلم به أطلقه في الخانية ولم يشترط النية وشرطها في البدائع اه قلت عدم التصريح بالاشتراط لا ينافي الاشتراط على أن الذي في الخانية هو مسألة الجواب بالتهجي والسؤال بقول القائل طلقتها قرينة على إرادة جوابه فيقع بلا نية بخلاف قوله ابتداء أنت طالق بالتهجي تأمل۔

وفی الطحطاوی علی الدر باب الصريح (۱۱۲/۲):(قوله نحو طلاغ) بالعين المهملة وذكر البحر أن الألفاظ المصحفة وهی تلاق وتلاغ وطلاك وطلاغ وتلاك وزاد فی النهر تلاغ وتلاث وينبغی أن يقال إن الفاء إما طاء أو تاء واللام إما قاف أو عين أو غين أو كاف أولام واثنان فی خمسة بعشرة الصريح منها الطاء مع القاف وما عدا ذلك مصحف۔۔۔ (قوله: بلا فرق الخ) مرتبط بقوله ويدخل نحو طلاغ وتلاغ وطلاق وتلاك كما فی البحر۔

(۱۵۷)بیوی کو دھمکانے کیلئے "تلاق" کے لفظ سے طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔ اگر کوئی عالم اپنی بیوی کو ڈرانے کیلئے طلاق کے بجائے تلاق کہے اور اس پر گواہ بھی بنالے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ عالم سے مراد عالم مروجہ ہے یا عالم بالمسئلہ۔ اگر مروجہ عالم ہے اور اس کو طلاق بالطاء اور بالتاء میں فرق معلوم نہ ہو اور وہ طلاق کو بالتاء کے ساتھ تلفظ کرے تو اس کی بیوی کو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......لفظ طلاق، تا کے ساتھ کہا جائے یا طا کے ساتھ تلفظ کیا جائے اس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور مفتی بہ قول کے مطابق لفظ طلاق تا کے ساتھ کہنے میں عالم یا غیر عالم میں کوئی فرق نہیں، ہاں اگر بیوی کو دھمکانے کیلئے ایسے الفاظ (تلاق) استعمال کرے اور پہلے گواہ بھی بنالے کہ میں دھمکانے کیلئے طلاق دے رہا ہوں، تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لمافی الهندية (۳۵۷/۱): رجل قال لامرأته ترا تلاق هاهنا خمسة ألفاظ تلاق وتلاغ وطلاغ

وطلاك وتلاك عن الشيخ الإمام الجليل أبي بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالی أنه يقع وإن تعمد وقصد أن لا يقع ولا يصدق قضاء ويصدق ديانة إلا إذا أشهد قبل أن يتلفظ به وقال إن امرأتي تطلب مني الطلاق ولا ينبغي لي أن أطلقها فأتلفظ بها قطعا لقيلها وتلفظ بها وشهدوا بذلك عند الحاكم لا يحكم بالطلاق بينهما وكان في الابتداء يفرق بين العالم والجاهل كما هو جواب شمس الأئمة الحلواني رحمه الله تعالی ثم رجع إلی ما قلنا وعليه الفتوی كذا في الخلاصة۔

وفی الدر المختار، كتاب الطلاق (۳/۲۴۹): (ويقع بها) أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح ويدخل نحو طلاغ وتلاغ وطلاك وتلاك أو ط ل ق أو طلاق باش بلا فرق بين عالم وجاهل. وإن قال تعمدته تخويفا لم يصدق قضاء إلا إذا أشهد عليه قبله به يفتی۔

(۱۵۸) "طلا، طلا، طلا" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں محمد عدنان ولد عثمان غنی نے دوران جھگڑا غصہ کی حالت میں اپنے حواس سے بیگانہ ہوکر اپنی زوجہ فرح ناز کو نہ چاہتے ہوئے بھی طلا طلا طلا کے تین الفاظ ادا کئے اور اپنی کی گئی اس حرکت پر نادم ہوں۔ میں اور میری زوجہ ہم اپنے رشتہ زوجیت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں، ہماری ایک عدد بیٹی بھی ہے جس کا نام عائشہ عدنان ہے بیٹی کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال ہے اور وہ ماں کا دودھ پیتی ہے۔ جناب شریعت کی رو سے فتویٰ دیں کہ کیا ہمارا رشتہ قائم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......آپ نے جھگڑا اور غصہ کی حالت میں یہ سمجھتے ہوئے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے رہا ہوں یہ الفاظ (طلا طلا طلا) ادا کئے تو آپ کی زوجہ (فرح ناز) پر تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔ اب آپ کا رشتہ زوجیت باقی نہیں رہا۔ آپ فرح ناز کے ساتھ حلالہ شرعیہ کے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں اس کے بغیر آپ کا فرح ناز کے ساتھ رہنا ناجائز اور حرام ہوگا۔

لما فی الولوالجية (۲/۱۷): رجل قال لامرأته أنت طا فأخذ انسان فمه لايقع شئی نوی أولم ينو، حتی يجيئ باللام وينوی الطلاق لأن العرب تنقص حرفا إلا أنه يشترط النية الی ان قال وهذا كله اذا لم يكن فی مذاكرة الطلاق ولافی حالة الغضب وإن كان فی تلك الحالة يقع وإن لم تكن اللام مكسورة لأنه بمنزلة الكنايات۔

(۱۵۹) لفظ تلاق سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی کو بجائے لفظ طلاق کے تلاق کا لفظ

استعمال کیا۔ کسی کے پوچھنے پر زید نے جواب دیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ڈرانے کی غرض سے طلاق کے بجائے تلاق کو استعمال کیا۔ زید کا یہ قول قابل اعتبار ہوگا یا نہیں نیز زید کے لفظ تلاق سے بیوی مطلقہ ہوجائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں شرعی حکم سے مستفید فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں کسی شخص کا اپنی بیوی کو تین بار لفظ تلاق کہنا اس سے تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اور بیوی اس شخص پر حرام ہوگئی ہے کیونکہ یہ صریح الفاظ میں داخل ہے۔

لما فی الدر المختار(۲۴۸/۳): باب الصريح (صريحه ما لم يستعمل إلا فيه) ولو بالفارسية (كطلقتك وأنت طالق ومطلقة) ---(ويقع بها) أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح ويدخل نحو طلاغ وتلاغ وطلاك وتلاك أو ط ل ق۔

وفی الرد تحته: مطلب من الصريح الألفاظ المصحفة قوله (ويدخل نحو طلاغ وتلاغ الخ) أي بالغين المعجمة قال في البحر ومنه الألفاظ المصحفة وهي خمسة فزاد على ما هنا تلاق۔الخ۔

(۱۶۰) تراق تراق کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہتے ہیں ایک سال سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان میاں بیوی میں کوئی محبت والفت نہیں ہر وقت گھر سے لڑنے کی آواز آتی رہتی ہے ایک دن میں گھر کے باہر چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے گھر سے آواز آئی کہ ان کے شوہر نے بیوی کو یوں کہا کہ تجھ کو تراق ہے تراق ہے تراق ہے اور اپنے گھر سے باہر آگئے پھر کچھ پشیمان ہوئے تو کہنے لگے میں نے طلاق تو نہیں کہا بس ڈرانے کیلئے تراق تراق کے الفاظ کہے ہیں میری بیوی پر طلاق تو واقع نہیں ہوئی۔ میں نے کہا بھائی مفتی نہیں ہوں لیکن یہاں قریب میں ایک مدرسہ ہے جہاں مفتی صاحب ہوتے ہیں تم ان سے پوچھ لو تو وہ کہنے لگا یار تم مجھ کو پوچھ کر بتاؤ۔ لہٰذا مفتی صاحب اب آپ بتائیں کیا حکم ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بجائے لفظ طلاق کے کوئی اور لفظ مثلاً تلاغ یا طلاک وغیرہ کہتا ہے تو اس سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے البتہ فقہاء نے بعض الفاظ مصحفہ کی تصریح کی ہے کہ طلاق کا وقوع ان ہی کے استعمال سے ہوگا اور تراق کا لفظ ان میں داخل نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کی بیوی پر تراق، تراق، تراق کہنے کی وجہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی لیکن ایسے الفاظ استعمال کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لمافی البحرالرائق(۴۳۹/۳): ومنه الألفاظ المصحفة وهي خمسة تلاق وتلاغ وطلاغ وطلاك وتلاك فيقع قضاء ولا يصدق إلا إذا أشهد على ذلك قبل التكلم بأن قال امرأتي تطلب مني الطلاق وأنا لا أطلق فأقول هذا ولا فرق بين العالم والجاهل وعليه الفتوى۔

وفی الهندية (۳۵۷/۱):قال الشيخ الإمام أبو بكر رحمه الله تعالى هذا استفتيت في تركي قال

لامرأته تر تلاق بالتاء والقاف وهو خطاب بالتركي للطلاق فقال أردت به الطلاق وما أردت به الطلاق وأفتيت أنه لا يصدق في القضاء كذا في الذخيرة

باب تفویض الطلاق ووکالتہ

(طلاق کا حق بیوی کے حوالے کرنے اور طلاق میں وکالت کا بیان)

(۱۶۱) بوقتِ نکاح تفویضِ طلاق کی شرط لگانا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کا نکاح ہوا شادی کے تقریباً ڈھائی سال اچھے گزرے لیکن پھر بات بات پر جھگڑے معمول بن گئے شوہر بھی ضدی طبیعت کا تھا لہٰذا معاملات سلجھنے کے بجائے مسلسل الجھتے گئے اور نوبت یہاں تک آگئی کہ لڑکی والوں کی طرف سے طلاق کا مطالبہ سامنے آنے لگا۔ شوہر نے طلاق دینے سے انکار کردیا کافی جھگڑوں پنچائتوں جرگوں کے بعد بھی شوہر علیحدگی دینے پر تیار نہ تھا، بالآخر مہر کی معافی اور ۵۰ ہزار رقم کے عوض طلاق دینے پر اسے راضی کیا گیا اس ساری مارا ماری میں تقریباً ۲ سال گزر گئے۔ اس عورت کا ایک بیٹا بھی ہے جو ابھی ۳ سال کا ہوگا۔

وہ عورت بچے کیلئے سرپرست اور اس معاشرے میں عزت کی زندگی گزارنے کیلئے دوسری شادی کرنا چاہتی ہے لیکن دوبارہ اس پہلے والے معاملے سے مسلسل ڈرتی ہے۔ اسے متواتر ڈراؤنے خواب آتے ہیں گھر والے بھی شش پنج میں ہیں، اب ان کے ذہن میں یہ ترکیب آئی ہے کہ دوسرا نکاح اس شرط پر کیا جائے کہ طلاق کا حق بیوی کو ہوگا شوہر کو نہیں اور وہ جب چاہے جتنی چاہے طلاق واقع کرسکتی ہے تو کیا مفتی صاحب اس طرح کی شرط لگانا درست ہے؟ اور شرعی نقطہ نظر سے کیا طلاق کا حق بیوی کی طرف منتقل ہوجائے گا؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ شریعت نے مرد کو ازدواجی زندگی میں سربراہ اور قوام بنایا ہے۔ گھر کا بڑا، گھر کے اہم فیصلوں کا مالک مرد ہے۔ مرد چونکہ عموماً عورت کے مقابلے میں تحمل وبرداشت کے معاملے میں بڑھ کر ہوتے ہیں لہٰذا شریعت نے طلاق کا حق بھی مرد کو دیا ہے اور جب صلح ناممکن ہوجائے اور نرمی، سختی سے سمجھانے، بستر علیحدہ کرلینے وغیرہ جیسی کوئی تدبیر اتفاق پیدا کرنے میں کارگر نہ ہو تو شریعت کی نظر میں ایک طلاق دے کر اس عقد کو ختم کردینا ہی مستحسن ہے۔

البتہ بعض مرد فطرتاً نالائق ہوتے ہیں۔ وہ بیوی کو انسان نہیں غلام سمجھ لیتے ہیں اور پھر مرتے دم تک ان کے لئے اذیت کا نشان بن جاتے ہیں ایسے مرد بھی اس دنیا میں موجود ہیں جو نہ بیوی کو مرنے دیتے ہیں اور نہ طلاق دے کر علیحدہ سکون کی زندگی گزارنے دیتے ہیں لہٰذا ان جیسے مردوں کے ڈر سے بوقتِ ضرورت اگر ایسی شرط لگادی جائے کہ طلاق کا حق عورت کو بھی ہوگا تو اس کی گنجائش ہے البتہ شوہر کو بدستور طلاق واقع کرنے کا حق باقی رہے گا۔ صورت مسئولہ میں چونکہ اس عورت کے ساتھ ایک بار یہ حادثہ پیش آچکا ہے لہٰذا اگر

اسے یہ ڈر ہے کہ دوبارہ بھی ایسا کچھ ہوسکتا ہے تو وہ احتیاطاً تفویضِ طلاق کی شرط پر نکاح کر سکتی ہے اور جب شوہر اس شرط پر ہاں کر دے تو طلاق کا حق بیوی کو تفویض ہو جائے گا۔

البتہ نکاح خواں کو چاہئے کہ نکاح کے ایجاب وقبول سے قبل لڑکے سے اس طرح کے الفاظ کہلوا دے جن میں نکاح کی طرف نسبت ہو مثلاً "جب میرا نکاح فلاں بنت فلاں سے ہو جائے تو اس کی طلاق کا حق اس کے حوالے ہے وہ جب چاہے جتنی چاہے طلاق واقع کرلے" یعنی اس طرح کے الفاظ جن میں نکاح کی طرف نسبت ہو اس طرح طلاق کا حق عورت کے اختیار میں بھی آجائے گا۔

لمافی البحرالرائق (۳/۳۱۰): وأورد على أنه تمليث منها أنه كيف يعتبر تمليكا مع بقاء ملكه والشيء الواحد يستحيل أن يكون كله مملوكا لشخصين وأجاب في الكافي بأنه تمليك الإيقاع لا تمليك العين فقبل الإيقاع بقي ملكه اهـ

وفی الدرالمختار (۳/۴۱۵): ولو خافت أن لا يطلقها تقول زوجتك نفسي على أن أمري بيدي زيلعي وتمامه في العمادية۔

وفيه أيضا (۳/۳۴۴): (شرطه الملك) --- (كقوله لمنكوحته) أو معتدته (إن ذهبت فأنت طالق أو الإضافة إليه) --- (كإن) نكحت امرأة أو إن (نكحتك فأنت طالق)۔ الخ۔

(۱۶۲) شوہر کی تفویض کے جواب میں مجھے اپنے شوہر سے عشق ہے کہنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا "تجھے اختیار ہے" جواب میں بیوی نے کہا "مجھے تو اپنے شوہر سے عشق ہے" کیا ان الفاظ سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا طلاق کا احتمال ہے؟

مفتی صاحب شوہر نے غصے میں طلاق کی نیت سے یہ لفظ کہے تھے مگر بیوی نے پیار سے جواب دے دیا۔ کیا ان الفاظ سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے اگر پڑتا ہے تو ازراہِ کرم جلد از جلد تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں شوہر کا طلاق کی نیت سے یہ الفاظ بولنا "تجھے اختیار ہے" طلاق کے حق کو بیوی کے حوالے کر دیتا ہے اسی مجلس میں بیوی کو اختیار مل جاتا ہے کہ اپنے اوپر طلاق واقع کر لے یا شوہر کو اختیار کر لے۔

صورت مسئولہ میں شوہر کے قول کے جواب میں بیوی کا یہ کہنا "مجھے تو اپنے شوہر سے عشق ہے" شوہر کی بات کا جواب نہیں بلکہ ایک غیر متعلقہ جملہ ہے، بیوی کے پاس اسی مجلس میں بدستور اختیار باقی رہے گا چاہے طلاق واقع کرے یا شوہر کو اختیار کرلے البتہ مجلس کے بعد اختیار ختم ہو جائے گا۔

لمافی الهندية (۱/۳۹۰) وإذا قال لها اختاري --- وإن قالت هويت زوجي أو أحببته فهي على خيارها وإن قالت كرهت فراق زوجي فقد اختارته۔

رسالة

شفاء المریض

في

عدم إیقاع الطلاق بألفاظ التفویض

لفظ [أمرک بید ک] تفویض طلاق کیلئے آتا ہے یا وقوع طلاق کیلئے؟

درمختار کی ایک عبارت کی مدلل وضاحت

(۱۶۳) "تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے" کے الفاظ سے طلاق کا حکم

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک فیکٹری میں کام کرتا ہوں مگر میری بیوی کی ایک سہیلی مختلف سچی جھوٹی باتیں کہہ کر اس کو بہکاتی رہتی ہے ایک دن میں کام پر گیا ہوا تھا تو مجھ کو میری بیوی نے فون کیا اور کہنے لگی کہ میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور میں اپنے گھر جا رہی ہوں اور فون پر خوب جھگڑی۔ خیر میں نے فون پر اسے کہا کہ تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے، چاہے تو میرے ساتھ رہو چاہے اپنے گھر جاؤ۔

یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا اور فیکٹری کے ہی ایک دیندار دوست سے اس کا ذکر کیا وہ دوست عالم کا کورس کچھ کر چکا تھا اس نے کہا ان الفاظ سے تو طلاق پڑ جاتی ہے اور اگر تم نے طلاق کی نیت سے کہے تھے تو طلاق پڑ گئی، یہ طلاق کے الفاظ ہیں۔ مفتی صاحب میں بڑا پریشان ہوا کیونکہ میں نے طلاق کی نیت سے ہی یہ الفاظ کہے تھے۔ مفتی صاحب آپ بڑے اور مسائل سے اچھی طرح واقف ہیں۔ از راہِ کرم مسئلے کا کچھ حل فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب

صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ "تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے" یہ الفاظِ طلاق نہیں بلکہ الفاظِ تفویضِ طلاق ہیں یعنی ان الفاظ سے طلاق کا حق بیوی کے حوالے کیا جا سکتا ہے لیکن طلاق کے وقوع کیلئے بیوی کا طلاق کو اختیار کرنا ضروری ہوگا بصورت دیگر طلاق نہ ہوگی۔

البتہ اتنا فرق ہے کہ یہ تفویضِ طلاق میں صریح نہیں بلکہ کنایہ ہیں ان الفاظ سے تفویضِ طلاق کیلئے شوہر کا ان کے استعمال کے وقت طلاق کی نیت کرنا ضروری ہے ورنہ طلاق کا حق بیوی کو تفویض نہ ہوگا اور کنائی ہونے کے اندر یہ الفاظ تیسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں یعنی وہ الفاظ جو صرف جواب بننے کا احتمال رکھتے ہوں یہ اس قبیل سے ہیں لہٰذا حالتِ رضا میں تو نیت کرنا ضروری ہوگا اور حالت مذاکرہ طلاق یا حالتِ غضب میں فقط ان الفاظ کا استعمال بدون نیت ہی حقِ طلاق کو تفویض کر دے گا کیونکہ مذاکرہ طلاق یا غضب ہی نیت کے قائمقام بن جائے گا۔

اس تفصیل کے بعد یہ سمجھئے کہ اگرچہ یہ الفاظِ طلاق میں سے نہیں بلکہ تفویض طلاق میں کنائی ہے، کنائی الفاظ طلاق جس طرح وقوع طلاق میں نیت کے محتاج ہوتے ہیں اسی طرح یہ الفاظ تفویضِ طلاق میں نیت کے محتاج ہوتے ہیں لہٰذا فقہاء الفاظ طلاق

میں ہی کنائی الفاظ کے ذکر کے وقت ان کا بھی ذکر کر دیتے ہیں مثلاً درمختار میں ہے:

"فالحالات ثلاث رضا وغضب ومذاكرة والكنايات ثلاث ما يحتمل الرد ... (فنحو اخرجي ... (يحتمل ردا ونحو خلية برية حرام ... (يصلح سبا ونحو اعتدي ... اختاري أمرك بيدك ... لا يحتمل السب والرد"

"پس تین حالتیں ہیں ۔رضا،غصہ اور مذاکرہ اور الفاظ کنائی بھی تین قسم کے ہیں جو ردّ بن سکتے ہیں ۔۔۔مثلاً اخرجی نکل جا۔۔۔یہ ردّ بننے کا محتمل ہے اور مثلاً خلیہ، بریۃ حرام یہ سبّ (گالی) بن سکتے ہیں اور مثلاً اعتدی عدت گزار۔۔۔اختاری، اختیار کر، امرک بیدک، تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔۔۔ یہ نہ ردّ بن سکتے ہیں اور نہ سبّ بن سکتے ہیں"

(درمختار ۳/۲۹۸)

فقہاء کا اس طرح الفاظ کنائی للطلاق کی تیسری قسم میں الفاظ تفویض طلاق کنائی کا بھی ذکر کر دینا یہ ذکر بعض حضرات کے لئے تشویش کا باعث بن گیا اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ بھی الفاظ طلاق ہیں اور عند النیۃ ان سے بھی فی الفور طلاق پڑ جائے گی جبکہ حقیقتاً ایسا نہیں بلکہ ان الفاظ سے صرف حق طلاق بیوی کو تفویض ہوتا ہے اور اس تفویض کیلئے شوہر کا طلاق کی نیت کرنا ضروری ہے لیکن فقط شوہر کی نیت طلاق سے ''امرک بیدک'' جیسے الفاظ کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی، درمختار کی مذکورہ بالا عبارت کے ذیل میں درمختار کے شہرہ آفاق محشی علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں تحریر فرماتے ہیں:

"قوله (اختاري أمرك بيدك)... وهذا لا يناسب ذكره في هذا المقام ولقد وقع بسبب ذلك خطأ عظيم من بعض المفتين فزعم أنه يقع به الطلاق وأفتى به وحرم حلالا ونعوذ بالله من ذلك وقد نبه عليه الشارح عنه قوله خلا اختاري ح أي حيث ذكر أنه لا يقع بهما الطلاق ما لم تطلق المرأة نفسها أي مع نية الزوج تفويض الطلاق لها أو دلالة الحال من غضب أو مذاكرة كما يأتي في الباب الآتي ويعلم مما هنا"

"(ماتن کا قول اختاری، امرک بیدک)......اس کا یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں اس کے یہاں ذکر کرنے سے بہت بڑی خطا بعض مفتیوں سے واقع ہوگئی ہے انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور یہ فتویٰ بھی دیدیا اور انہوں نے اس طرح حلال (بیوی) کو حرام قرار دیدیا اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ میں رکھے اھ شارح (یعنی حصکفی) نے آگے متن کے قول "خلا اختاری" میں اس بات پر تنبیہ کی ہے وہاں شارح نے وضاحت کی ہے کہ ان دونوں الفاظ سے اس وقت تک طلاق واقع نہ ہوگی جب تک بیوی طلاق واقع نہ کرلے یعنی جب ان الفاظ کے استعمال کے وقت شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو یا دلالتِ حال یعنی غصہ اور مذاکرہ طلاق ہو (تب عورت کے طلاق واقع کرلینے سے طلاق واقع ہوجائے گی) جیسا کہ اگلے باب میں آرہا ہے۔"

(ردالمحتار ۳/۳۰۰)

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کے ان وضاحتی کلمات کے بعد مسئلہ زیر بحث میں کسی اور وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے یہ الفاظ "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" چونکہ مذاکرہ طلاق کے وقت تھا لہٰذا اگر آپ نیت نہ بھی کرتے تو بھی طلاق کا حق عورت کو تفویض ہو جاتا البتہ ان الفاظ سے طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اس کے بعد اگر عورت اسی مجلس میں اپنے اوپر طلاق واقع کر لیتی ہے تو طلاق واقع ہوگی ورنہ طلاق واقع نہ ہوگی نیز مجلس کے اختتام کے ساتھ ہی عورت کو تفویض کردہ یہ حق بھی ختم ہو جائے گا۔

لہٰذا آپ کے فیکٹری کے ساتھی کا بتایا ہوا مسئلہ غلط ہے آپ کو چاہیئے کہ حلت حرمت کے اتنے اہم مسائل ہر ایک سے معلوم کرنے کے بجائے معتبر دارالافتاء سے معلوم کریں۔

لمافی الدرالمختار(۳/۳۱۵): (قال لها اختاري أو أمرك بيدك ينوي) تفويض (الطلاق) لأنها كناية فلا يعملان بلا نية (أو طلقي نفسك فلها أن تطلق في مجلس علمها به) مشافهة أو إخبارا (وإن طال) يوما أو أكثر ما لم يوقته ويمضي الوقت قبل علمها (ما لم تقم) لتبدل مجلسها حقيقة (أو) حكما بأن (تعمل ما يقطعه) مما يدل على الإعراض لأنه تمليك فيتوقف على قبولها في المجلس لا توكيل فلم يصح رجوعه حتى لو خيرها ثم حلف أن لا يطلقها فطلقت لم يحنث في الأصح۔

(۱۶۴) بیوی کا طلاق کو اختیار کر لینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ شوہر بیوی کی آپس میں بات ہو رہی تھی۔ بیوی نے شاپنگ کے لئے پیسے مانگے۔ شوہر نے منع کیا تو بیوی نے کہا کہ میں اپنے والدین سے لے لوں گی۔ شوہر نے کہا کہ ہاں وہ بھی کہتے ہوں گے کہ کہاں باندھ دیا۔ بیوی نے کہا ہاں انہیں بھی اس کا احساس ہے۔ شوہر نے کہا میں نے تمہیں تھوڑی باندھا ہے، تمہیں اختیار ہے۔ میں نے تمہیں کوئی زبردستی تھوڑی روک کر رکھا ہے۔ بیوی نے کہا اب جب میں والدین کے گھر جاؤں گی (۲۰ دن کے بعد) تو واپس نہیں آؤں گی، پھر دونوں خاموش ہو گئے۔ اب اس کا کیا حکم ہے شوہر کا کہنا ہے کی میری فی الوقت طلاق دینے کی نیت نہیں تھی البتہ یہ بات پہلے سے ذہن میں تھی کہ اگر یہ طلاق مانگے گی تو دیدوں گا لیکن اس وقت کوئی نیت نہ تھی۔ اب دونوں صورتوں میں کیا حکم ہوگا یعنی اگر فی الوقت کوئی نیت نہ ہو اور اگر نیت ہو کہ یہ طلاق مانگے گی تو دیدوں گا، تمام صورتوں کے مفصل احکام تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......سوال نامہ میں درج زوجین کے مکالمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گفتگو حالتِ غضب وخصومت (جھگڑا) میں ہوئی ہے۔ فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق جھگڑے کی حالت میں اگر شوہر یہ الفاظ کہہ دے کہ "تمہیں اختیار ہے" تو ان الفاظ سے طلاق کا اختیار بیوی کے سپرد ہو جاتا ہے اگرچہ شوہر کی نیت تفویضِ طلاق کی نہ ہو۔ پھر بیوی کا جواباً یہ کہنا کہ "اب جب میں والدین کے گھر جاؤں گی تو واپس نہیں آؤں گی" اس بات کی دلیل ہے کہ بیوی کو شوہر کی طرف سے جن دو امور (شوہر کے پاس رہنا یا اپنے والدین کے پاس رہنا) میں اختیار دیا گیا تھا ان میں سے بیوی نے والدین کے پاس رہنے کو اختیار کیا ہے۔ اور فقہائے کرام نے یہ بات صراحۃً ذکر کی ہے کہ اختیار کے جواب میں والدین کو اختیار کرنے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگئی۔ دوبارہ ازدواجی تعلقات قائم کرنے کے لئے نیا نکاح کرنا ہوگا، اس کے بعد آپ کے پاس صرف دو طلاقیں دینے کا اختیار ہوگا۔ باقی رہا ذہن میں اس بات کا ہونا کہ "اگر یہ طلاق مانگے گی تو دے دوں گا" تو اس سے طلاق کے واقع ہونے یا نہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لمافی بدائع الصنائع(۲۶۰/۴) فصل فی اختاری: ولو قال لها اختاري فقالت اخترت أبي وأمي أو أهلي والأزواج فالقياس أن لا يكون جوابا ولا يقع به شيء وفي الاستحسان يكون جوابا وجه القياس أنه ليس في لفظ الزوج ولا في لفظ المرأة ما يدل على اختيارها نفسها فلا يصلح جوابا وجه الاستحسان أن في لفظها ما يدل على الطلاق لأن المرأة بعد الطلاق تلحق بأبويها وأهلها وتختار الأزواج عادة فكان اختيارها هؤلاء دلالة على اختيارها الطلاق فكأنها قالت اخترت الطلاق۔

وفيه أيضاً(ص۲۴۸) وأما شرط صيرورة الأمر بيدها فشيئان أحدهما نية الزوج الطلاق لأنه من

كنايات الطلاق فلا يصح من غير نية الطلاق ألا ترى أنه لا يملك إيقاعه بنفسه من غير نية الطلاق فكيف يملك تفويضه إلى غيره من غير نية الطلاق حتى لو قال الزوج ما أردت به الطلاق يصدق ولا يصير الأمر بيدها لأن هذا التصرف يحتمل الطلاق ويحتمل غيره إلا إذا كان الحال حال الغضب والخصومة أو حال مذاكرة الطلاق فلا يصدق في القضاء لأن الحال تدل على إرادة الطلاق ظاهرا فلا يصدق في العدول عن الظاهر۔

وفيه أيضاً(ص۲۵٦):وأما بيان ما يصلح جواب جعل الأمر باليد من الألفاظ وما لا يصلح وبيان حكمه إذا وجد فالأصل فيه أن كل ما يصلح من الألفاظ طلاقا من الزوج يصلح جوابا من المرأة ۔۔۔ وأما الواقع بهذه الألفاظ التي تصلح جوابا فطلاق واحد بائن عندنا إن كان التفويض مطلقا عن قرينة الطلاق۔

وفی الهندية (۳۸۸/۱) الباب فی تفويض الطلاق: ثم لا بد من النية في قوله اختاري فإن اختارت نفسها في قوله اختاري كانت واحدة بائنة ولا تكون ثلاثا وإن نوى الزوج ذلك كذا في الهداية فإذا اختارت نفسها فأنكر قصد الطلاق فالقول له مع يمينه أما إذا خيرها بعد مذاكرة الطلاق فاختارت نفسها ثم قال لم أنو الطلاق لم يصدق في القضاء وكذا إذا كانا في غضب وإذا لم يصدق في القضاء لا يسع المرأة أن تقيم معه إلا بنكاح مستقبل كذا في فتح القدير ۔۔۔ وكذا قولها أختار أبي أو أمي أو أهلي أو الأزواج يغني عن ذكر النفس كذا في التبيين ۔۔۔ ولو قال لها اختاري فقالت أنا أختار نفسي فهي طالق استحسانا كذا في الهداية ۔۔۔(۳۹۰/۱) وإذا قال لها اختاري فقالت لا أختارك أو قالت لا أريدك أو قالت لا حاجة لي فيك فهذا كله باطل ولو قالت لا أختار الطلاق فهذا رد الأمر وإن قالت هويت زوجي أو أحببته فهي على خيارها وإن قالت كرهت فراق زوجي فقد اختارته۔

(۱٦۵)"جب چاہے جو چاہے طلاقیں دے سکتی ہے" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا" تو جب چاہے جو چاہے اتنی طلاقیں اپنے آپ کو دے سکتی ہے" وہ عورت یہ سن کر میکے چلی آئی۔ اب وہ یہ چاہتی ہے کہ یہ حق پورا استعمال نہ کرے ایک طلاق ابھی واقع کرے اور اگر شوہر سدھر جائے تو صحیح ورنہ دو بعد میں واقع کرے گی۔ کیا وہ یہ کر سکتی ہے؟ مفتی صاحب شوہر بیوی کو طلاق کا حق دے تو اس کی Validity کتنی ہوتی ہے؟ یعنی یہ تفویض کس مدت تک قابل تاثیر رہتی ہے اور الفاظ کے ہیر پھیر سے کچھ فرق پڑتا ہے؟ نیز ایک

ساتھ ایک ہی مجلس میں دینا ضروری ہے یا ہمارے سوال کی طرح مختلف مجالس میں دے سکتی ہے؟ نیز طلاق کا اختیار دینے کے بعد رجوع کرسکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... "تو جب چاہے" یہ متی شئت کا ترجمہ ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ مذکورہ لفظ کے ذریعے جس خاتون کو طلاق کا حق ملے تو یہ حق اسی ایک مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہوگا بلکہ وہ کسی بھی مجلس میں اپنے آپ کو ایک مرتبہ ایک طلاق دے سکتی ہے اس کے بعد یہ حق ختم ہو جائے گا البتہ چونکہ مذکورہ صورت میں "تو جو چاہے اتنی طلاقیں اپنے آپ کو دے سکتی ہے" کے بھی الفاظ ہیں اس لئے مذکورہ خاتون کو ایک سے تین طلاقیں دینے کا اختیار ہوگا لیکن یہ اختیار اس کو ایک مرتبہ حاصل ہے ایک مرتبہ طلاق دینے کے بعد (صورت مسئولہ کے پیش نظر خواہ جتنی طلاقیں دے) دوسری مرتبہ اس کو اختیار نہیں ہوگا اگرچہ مجلس ایک کیوں نہ ہو۔

(۲) بنیادی طور پر تفویض کی مستقل کوئی مدت اور تعداد متعین نہیں بلکہ الفاظ تفویض کے اعتبار سے اس کی مدت متعین ہوتی ہے یعنی الفاظ ہی کے اعتبار سے ایک مجلس یا مختلف مجالس میں اس کو اختیار رہتا ہے اور ایک یا ایک سے زائد طلاق کی تفویض کا بھی الفاظ سے پتہ لگایا جاتا ہے۔

(۳) بیوی کو طلاق کا اختیار دینے کے بعد شوہر کو رجوع کا حق نہیں ہوگا۔

لما فی البحر الرائق (۵۴۱/۳) کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق: وفي جامع الفصولين تفويض الطلاق إليها قيل هو وكالة يملك عزلها والأصح أنه لا يملكه اهـ

وفی الهندية (۴۰۱/۱) کتاب الطلاق الفصل الثانی فی الامر باليد: وإن قال أمرك بيدك كيف شئت تقتصر مشيئتها على المجلس وكذا في قوله إن شئت أو ما شئت أو كم شئت۔ الخ۔

وفيه أيضاً (ص ۴۰۳): وإن قال لها طلقي نفسك متى شئت فلها أن تطلق في المجلس وبعده ولها المشيئة مرة واحدة ــ ولو قال طلقي نفسك كيف شئت لها أن تطلق كما شاءت بائنا أو رجعيا واحدة أو ثنتين أو ثلاثا ويختص بالمجلس كذا في التهذيب۔

وفی الدر المختار (۳۱۶/۳): باب تفويض الطلاق: فلم يصح رجوعه۔

وفيه أيضاً (۳۲۹/۳): (وفي كم شئت أو ما شئت لها أن تطلق ما شاءت) في مجلسها۔

وفی الردالمحتار: قوله (لها أن تطلق ما شاءت) أي واحدة أو ثنتين أو ثلاثا ويتعلق أصل الطلاق بمشيئتها بالاتفاق۔

(۱۶۶) تفویضِ طلاق کو شہر سے باہر نکلنے کی شرط سے مشروط کرنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں اس شہر سے باہر نکل گیا

تو آپ کو اختیار ہوگا جب چاہے جتنی چاہیں طلاقیں واقع کرلیں۔اس کے بعد ایک مرتبہ یہ ہوا کہ زید کی بیوی سخت بیمار ہوگئی ڈاکٹروں نے دوسرے شہر ہسپتال لیجانے کا کہا، زید وہاں لے گیا۔ کچھ عرصہ بعد بیوی اور شوہر میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا بیوی نے کہا کہ چونکہ مجھے اختیار حاصل ہوگیا ہے اس لئے میں نے اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کردیں کیونکہ آپ شہر سے باہر نکل گئے تھے۔ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں چونکہ عورت کو اختیار حاصل ہو چکا ہے لہٰذا عورت کا اپنے اوپر تین طلاق واقع کرنا درست ہے اور اس سے عورت پر تین طلاق واقع ہوجائیں گی کیونکہ شوہر کے الفاظ ''اگر میں اس شہر سے باہر نکل گیا تو آپ کو اختیار ہوگا جب چاہے جتنی چاہیں طلاقیں واقع کرلیں'' میں وقت اور تعدادِ طلاق دونوں کا عموم ہے لہٰذا عورت کسی بھی وقت ایک ساتھ تین طلاقیں اپنے اوپر واقع کرسکتی ہے۔

لمافی کنز العمال (۳۲۱/۱۶): إن أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج۔

وفی الهداية (۳۹۵/۲): وإن قال لها طلقي نفسك متى شئت فلها أن تطلق نفسها في المجلس وبعده لأن كلمة متى عامة في الأوقات كلها فصار كما إذا قال في أي وقت شئت۔

(ص۳۹۷): وإن قال لها أنت طالق كم شئت أو ما شئت طلقت نفسها ما شاءت لأنهما يستعملان للعدد فقد فوض إليها أي عدد شاءت۔

وفی الهندية (۴۰۶/۱): ولو قال لها أنت طالق متى شئت أومتى ما شئت أو إذا شئت أو إذا ما شئت فلها أن تشاء فی المجلس وبعد القيام عن المجلس ولو ردت لم يكن ردا ولا تطلق نفسها إلا واحدة۔۔۔(۴۰۷/۱): وإن قال لها أنت طالق كم شئت أو ما شئت طلقت نفسها ما شاءت واحدة أوثنتين أو ثلاثا۔

وفيه أيضا(۳۹۹/۱): إن غبت عنك ستة أشهر ولم تصل بك نفسي ونفقتي في هذه المدة فأمر طلاقك بيدك ثم غاب عنها ولم تصل إليها نفسه ووصلت نفقته كان الأمر بيدها لأن الطلاق ههنا معلق بعدم الفعلين في المدة ولم يوجد ذلك فيحنث۔

(۱۶۷) شوہر کا کئی سال قبل "اگر تم چاہو تو اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہو" کہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے اپنی زندگی میں ایک دفعہ اپنی بیوی سے یہ کہا تھا کہ اگر تم چاہو تو اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہو لیکن اس وقت اس نے کچھ نہیں کہا البتہ کل ۱۵ سال بعد وہ مجھے بتائے بغیر گھر سے چلی گئی، معمولی سا جھگڑا ہوا تھا اور جب شام کو میں نے فون کر کے پوچھا تو کہنے لگی کہ آپ اپنا وعدہ بھول گئے۔میں نے پوچھا کہ کونسا وعدہ کیونکہ

مجھے اس وقت یاد نہیں تھا۔ کہنے لگی کہ پندرہ سال پہلے آپ نے مجھے اختیار دیا تھا طلاق واقع کرنے کا لہٰذا آج میں نے طلاق واقع کر لی ہے اور آپ سے اب میرا کوئی تعلق نہیں۔ جب میں نے یہ بات سنی تو میرے تو پاؤں کے نیچے سے زمین ہی نکل گئی۔

میں نے اپنے محلے کے امام صاحب سے پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ شاید اس میں کوئی گنجائش ہے کیونکہ اگر اسی مجلس میں بیوی طلاق واقع کرتی تو ہوجاتی بعد میں نہیں ہوسکتی اور چونکہ آپ کی بیوی نے پندرہ سال بعد طلاق واقع کی ہے اس لئے یہ طلاق نہیں ہوئی لیکن پھر بھی آپ کسی مفتی صاحب سے فتویٰ لے لیں لہٰذا انہوں نے مجھے آپ کا پتہ بتایا۔ آپ براہ کرم میری مشکل کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جب شوہر بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دے اور وہ اس کو جان لینے کے بعد کسی ایسے کام میں لگ جائے جو اعراض کرنے پر دلالت کرے یا مجلس تبدیل ہوجائے تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا لہٰذا صورت مسئولہ میں پندرہ سال گزرنے کی وجہ سے آپ کی بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ختم ہوگیا اور طلاق واقع نہیں ہوئی، وہ بدستور آپ کی بیوی ہیں۔

لمافی القرآن الکریم (الاحزاب:۲۸): يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا۔

وفی القدوری (ص۱۶۶): وان قال لامرأته اختاری نفسك ینوی بذلك الطلاق أو قال لها طلقی نفسك فلها أن تطلق نفسها مادامت فی مجلسها ذلك فان قامت منه أو أخذت فی عمل آخر خرج الأمر من یدها۔

وفی الدر المختار (۳/۳۱۵): (قال لها اختاري أو أمرك بيدك ينوي) تفويض (الطلاق) لأنها كناية فلا يعملان بلا نية (أو طلقي نفسك فلها أن تطلق في مجلس علمها به) مشافهة أو إخبارا (وإن طال) يوما أو أكثر ما لم يوقته ويمضي الوقت قبل علمها (ما لم تقم) لتبدل مجلسها حقيقة (أو) حكما بأن (تعمل ما يقطعه) مما يدل على الإعراض لأنه تمليك فيتوقف على قبولها في المجلس لا توكيل۔

وفی الرد تحته: قوله (أو طلقي نفسك) هذا تفويض بالصريح ولا يحتاج إلى نية والواقع به رجعي وتصح فيه نية الثلاث كما سيذكره المصنف أول فصل المشيئة۔

(۱۶۸) کنائی الفاظِ تفویض کے ساتھ طلاق کا لفظ استعمال کرنے کا حکم

سوال...... مفتی صاحب! "تمہیں اختیار ہے" یا "تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے" یہ دونوں الفاظ تفویض میں کنائی ہیں۔ اگر نیت ہوگی

تو طلاق منتقل ہوگی۔ پوچھنا یہ ہے کہ اگر مرد کہے "تمہیں طلاق کا اختیار ہے" یا "تمہارا طلاق کا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے" تب بھی یہ الفاظ کنایہ رہیں گے یا صریح بن جائیں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تفویض کی صورت میں اگر مرد لفظ طلاق کی تصریح کرے مثلاً "تمہیں طلاق کا اختیار ہے" یا "طلاق کا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے" تو اس صورت میں یہ دونوں الفاظ کنائی نہیں رہیں گے بلکہ صریح بن جائیں گے لہٰذا ایسی صورت میں جبکہ عورت اپنے آپ کو اختیار کرلیتی ہے تو طلاق رجعی واقع ہوگی اور نیت کی بھی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ اختیار اور امر بالید اگرچہ تفویض میں الفاظ کنائی ہیں لیکن جب صریح طلاق کو اس کے ساتھ ملا لیا تو یہ صریح بن گئے اور ان سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔ جس طرح "أنت طالق بائن" میں طلاق صریح کے ساتھ بائن کو ملحق کیا جاتا ہے تو طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے نہ کہ رجعی۔

لما فی الهندية (۱/۳۹۰): ولو قال اختاري تطلقة فقالت اخترتها تقع رجعية --- إذا قال أمرك بيدك في تطليقة فهي تطليقة رجعية ، في المنتقى إذا قال أمرك بيدك في ثلاث تطليقات فطلقت نفسها واحدة أو ثنتين فهي رجعية كذا في الذخيرة۔

وفی الدر المختار(۳/۳۲۳) كتاب الطلاق: (أمرك بيدك في تطليقة أو اختاري تطليقة فاختارت نفسها طلقت رجعية) لتفويضه إليها بالصريح والمفيد للبينونة إذا قرن بالصريح صار رجعيا كعكسه قيد بفي ومثلها الباء۔

(۱۶۹) نکاح میں دس سال تک طلاق کا حق بیوی کو ہونے کی شرط لگانا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دورانِ نکاح ایک مرتبہ یہ شرط لگائی گئی کہ آئندہ دس سال تک طلاق کا حق بیوی کو ہوگا شوہر کو نہیں۔ شوہر نے قبول کرلیا۔ نکاح ہوگیا۔ اب شوہر طلاق دینا چاہتا ہے تو کیا شوہر اگر دس سال گزرنے سے قبل طلاق دے تو طلاق ہوجائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں طلاق شوہر کا ایک ایسا حق ہے جو اس کے ساقط کرنے سے بھی ساقط نہیں ہوتا لہٰذا طلاق دینے کا حق کسی کے سپرد کرنے سے بدرجہ اولیٰ شوہر کو طلاق کا حق باقی رہے گا نیز دورانِ نکاح اگر ایجاب وقبول کے وقت تفویض کی شرط پر ایجاب کیا گیا تھا" مثلاً میں آپ سے نکاح کرتی ہوں اس شرط پر کہ طلاق کا حق مجھے ہوگا جب چاہوں جتنی چاہوں طلاق واقع کرلوں" یا ایجاب سے قبل تفویض کا عمل ہو لیکن اس کی نسبت نکاح کی طرف ہو مثلاً کہے کہ میں جب بھی فلانہ بنت فلاں سے نکاح کروں تو اس کا طلاق دینے کا حق اس کے پاس ہوگا وہ جب چاہے جتنی چاہے طلاق دے سکتی ہے" تو یہ درست ہے نیز دس سال تک کی شرط لگانا بھی درست ہے اگر تفویض میں ایسی شرط لگادی جائے تو اس مدت کے اندر اندر طلاق کے وقوع کا حق بیوی کو بھی مل جاتا ہے البتہ وہ مدت (مثلاً صورتِ مسئولہ میں دس سال) گزرنے کے بعد طلاق کا حق بیوی سے ختم ہوجائے گا لیکن شوہر کا حق طلاق بہرصورت شوہر

کے پاس رہے گا، وہ جب چاہے طلاق دے سکتا ہے۔

لمافی الدرالمختار (۳/۳۲۳): قال اختاري اليوم أو أمرك بيدك هذا الشهر خيرت في بقيتهما وإن قال يوما أو شهرا فمن ساعة تكلم إلى مثلها من الغد وإلى تمام ثلاثين يوما ولو جعله لها رأس الشهر خيرت في الليلة الأولى ويومها ولا يبطل المؤقت بالإعراض بل بمضي الوقت علمت أو لا۔

وفی الشامية (۳/۳۲۴): قوله (ولا يبطل المؤقت) أي الخيار المؤقت بيوم أو شهر أو سنة بالإعراض في مجلس العلم بل بمضي الوقت المعين علمت بالتخيير أو لا أما الخيار المطلق فيبطل الإعراض ط والله أعلم۔

(۱۷۰) تفویضِ طلاق کو نکاح ثانی کے ساتھ معلق کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ کہا کہ اگر میں نے دوسری شادی کرلی تو تمہیں طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ اب اس نے کسی کی مطلقہ بیوی سے صرف حلالہ کی نیت سے نکاح کرلیا اور دوسرے دن تین طلاقیں دیدیں۔ کیا اس صورت میں اس کی بیوی کو اختیار ہوگا یا نہیں؟ اگر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا تو کتنی کا کیونکہ شوہر نے صرف ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا تھا؟

الجواب بعون الملك الوهاب......صورتِ مسئولہ میں عورت کو جس وقت مرد کے نکاح ثانی کا علم ہوگا اسی وقت اس کو طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا چاہے تو طلاق واقع کرے چاہے تو طلاق واقع نہ کرے۔ اگر عورت نے طلاق واقع کی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر عورت نے طلاق واقع نہ کی اور نکاحِ ثانی کے علم کے بعد دوسرے کاموں میں مشغول ہوگئی تو پھر اس کو طلاق واقع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہے گا۔

لمافی البخاری (۲/۷۹۲): عن مسروق، قال: سألت عائشة رضى الله عنها عن الخيرة، فقالت: خيرنا النبي صلى الله عليه وسلم، أفكان طلاقا؟ قال مسروق: لا أبالي أخيرتها واحدة أو مائة، بعد أن تختارني۔

وفی الهندية (۱/۳۹۶): التفويض المعلق بشرط إما أن يكون مطلقا عن الوقت وإما أن يكون موقتا فإن كان مطلقا بأن قال إذا قدم فلان فأمرك بيدك فقدم فلان فأمرها بيدها إذا علمت في مجلسها الذي قدم فيه۔

(۱/۳۸۹): وإن كان التفويض مقرونا بذكر الطلاق بأن قال لها اختاري الطلاق فقالت

اخترت الطلاق فهي واحدة رجعية۔

وفی الشامية (۳/۳۱۵): لو قال اختاري الطلاق فقالت اخترت الطلاق فهي واحدة رجعية لأنه لما صرح بالطلاق كان التخيير بين الإتيان بالرجعي وتركه ط عن البحر۔

(۱۷۱) مرد کا اپنے طلاق کے حق سے دستبردار ہونے کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص اپنے طلاق کے اختیار کو ختم کردے اور کہے کہ مجھے طلاق دینے کا جو حق ہے اس حق سے میں دستبردار ہوتا ہوں، آئندہ اگر میں طلاق دوں بھی تو وہ واقع نہیں ہوگی پھر اس نے طلاق دی تو آیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور کیا طلاق کے اختیار کو ختم کردینے سے شرعاً اختیار ختم ہوجاتا ہے یا نہیں؟ براہ کرم مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب……اللہ رب العزت نے طلاق کا اختیار شوہر کو دیا ہے اور یہ ایسا اختیار ہے جو ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے طلاق کے اختیار کو ختم کرنا چاہے اور یوں کہہ بھی دے کہ "مجھے طلاق دینے کا جو حق ہے اس حق سے میں دستبردار ہوں آئندہ اگر میں طلاق دوں بھی تو واقع نہیں ہوگی" تو اس کا یہ کلام لغو ہوگا اور اگر وہ اس کے بعد طلاق دے تو وہ طلاق واقع ہوجائے گی لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص نے ان الفاظ کے استعمال کے بعد طلاق دی ہے تو طلاق واقع ہوچکی ہے۔

لما في بدائع الصنائع (۴/۲۶۶): فصل وأما قوله طلقي نفسك فهو تمليك عندنا سواء قيده بالمشيئة أو لا ويقتصر على المجلس كقوله أنت طالق إن شئت وعند الشافعي هو توكيل ولا يقتصر على المجلس قيده بالمشيئة أو لم يقيده وأجمعوا على أن قوله لأجنبيٍ طلق امرأتي توكيل ولا يتقيد بالمجلس وهو فصل التوكيل فإن قيده بالمشيئة بأن قال له طلق امرأتي إن شئت فهذا تمليك عند أصحابنا الثلاثة ـــ قوله لامرأته طلقي نفسك لا يمكن أن يجعل توكيلا لأن الإنسان لا يصلح أن يكون وكيلا في حق نفسه فلم يمكن أن تجعل وكيلة في حق تطليق نفسها ويمكن أن تجعل مالكة للطلاق بتمليك الزوج فتعين حمله على التمليك بخلاف الأجنبي لأنه بالتطليق يتصرف في حق الغير والإنسان يصلح وكيلا في حق غيره والله الموفق۔

وفی السراجية (۴۵): وكله بأن يطلقها تطليقة غدا بألف ثم أبانها الزوج ثم طلقها الوكيل لا يقع۔

(۱۷۲) حق طلاق سے دستبردار ہونے کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک یہ کہ شوہر اگر یوں کہتا ہے کہ "میں اپنے طلاق کے حق

سے دستبردار ہوتا ہوں اب طلاق دینے کا حق مجھے نہیں" تو کیا اس طرح دستبردار ہونا جائز ہے؟ اور کیا وہ دستبردار ہو جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہبی اور کسبی دونوں اعتبار سے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد، امامت، قضاء، نبوۃ، تعدد ازواج اور طلاق وغیرہ کا حق اللہ تعالیٰ نے مرد کے ہاتھ میں دیا ہے اور طلاق کا حق ایسا ہے کہ اگر مرد اس سے دستبردار ہونا چاہے تو بھی نہیں ہوسکتا سوائے اس کے اس حق کو استعمال کرلے (یعنی بیوی کو طلاق دے دے) لہٰذا مرد کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے طلاق کے حق سے دستبردار ہوجائے اور نہ اس طرح کرنے سے اس کا حق ساقط ہوگا بلکہ وہ بدستور طلاق دینے کا مالک ہوگا جب چاہے اس حق کو بروئے کار لاسکتا ہے تاہم شوہر اگر اپنی بیوی کو اختیار طلاق دیتا ہے یا کسی غیر کو وکیلِ طلاق بنالیتا ہے تو یہ تفویض و توکیل درست ہے لیکن پھر بھی مرد بذات خود طلاق دینے کا حقدار ہوتا ہے اگر وہ خود طلاق دے تو طلاق واقع ہوگی۔

لمافي الهندية (۳۸۹/۱) كتاب الطلاق: وإن كان التفويض مقرونا بذكر الطلاق بأن قال لها اختاري الطلاق فقالت اخترت الطلاق فهي واحدة رجعية۔

(۱۷۳) طلاق میں تفویض اور وکالت درست ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری شادی دو سال قبل کراچی میں ہوئی ہے جبکہ میں خود پنجاب کا رہنے والا ہوں اور میرے والدین اور بہن بھائی سارے پنجاب ہی میں رہتے ہیں میں اور میری اہلیہ کراچی میں رہائش پذیر ہیں الحمدللہ میرا ایک بیٹا بھی ہے جس کی عمر ایک سال آٹھ ماہ ہے۔ مفتی صاحب دراصل بات یہ ہے کہ میرے گھر والے میری اس شادی سے ناخوش تھے اس لئے میرے گھر والوں کے ساتھ حالات کچھ ٹھیک نہیں ہیں اور اب میں اپنی اہلیہ اور بچے کو پنجاب لے جانا چاہتا ہوں لیکن میرے گھر والے اس پر راضی نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے شادی کراچی میں کی ہے تو اب رہو بھی وہاں ہی، سوائے والد صاحب کے سب میرے خلاف ہیں بس اسی پریشانی کی وجہ سے میری اہلیہ کے ساتھ بھی تلخ کلامی ہوتی ہے اس لئے کہ وہ پنجاب جانا نہیں چاہتی جبکہ میری مرضی یہ ہے کہ وہ میرے ساتھ پنجاب چلی جائے تاکہ ہم وہاں رہیں اور میرے اپنے گھر والوں کے ساتھ معاملات بھی آہستہ آہستہ درست ہوجائیں۔

گزشتہ ہفتہ میری اس موضوع پر اپنی اہلیہ کے ساتھ بات ہوئی تو ہم دونوں کے درمیان بات کافی بڑھ گئی اور مجھے انتہائی غصہ آگیا اور قریب تھا کہ میں آپے سے باہر ہوکر اپنی بیوی کو کچھ کہہ دیتا جب میرے والد صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے مجھے فون پر بہت سمجھایا اور کہا کہ تم دونوں میاں بیوی آپس میں صحیح رہو، ان شاء اللہ باقی معاملات خود ٹھیک ہوجائیں گے لیکن مفتی صاحب میں بہت زیادہ غصہ والا آدمی ہوں اور مجھے یہ ڈر ہے کہ اب اگر میری بیوی کے ساتھ اس طرح تلخ کلامی ہوئی تو کہیں میں غصہ کی وجہ سے اسے طلاق ہی نہ دیدوں پھر یہ سوچتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ ایسا کردیا تو بچے کا کیا بنے گا۔ میرے ایک بھائی یہاں کراچی میں ہی ہوتے ہیں ان کے ساتھ میری ان معاملات پر بات ہوتی رہتی ہے جب میں نے گزشتہ دنوں والی بات ان کو بتائی تو وہ کہنے لگے کہ تم چونکہ بہت غصے

والے ہو اور خطرہ یہ ہے کہ کہیں تم طلاق نہ دیدو لہذا تم ایسا کرو کہ تینوں طلاق یا پھر دو طلاق والد صاحب کے سپرد کر دو جس کو فقہ کی اصطلاح میں تفویض کہتے ہیں تو جب تم والد صاحب کو تفویض کرو گے تو اگر چہ تم بیوی کو طلاق دیدو پر طلاق واقع نہ ہوگی جب تک کہ تمہارے والد صاحب طلاق نہ دیدیں۔

حضرت اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا طلاق سے بچنے کیلئے کیا میں اس طرح اپنے والد صاحب کو تینوں طلاقیں یا دو تفویض کر سکتا ہوں؟ اور یہ کہ تفویض کے بعد اگر میں بیوی کو طلاق دیدوں تو کیا وہ طلاق شمار ہوگی؟ براہ کرم جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......طلاق کا حق کسی کو تفویض کر دینے سے یا کسی کو وکیل بنا دینے سے اگر چہ وہ شخص جس کی طرف طلاق تفویض کی گئی ہے یا جس کو وکیل بنایا گیا ہے اس کی بیوی کو طلاق دینے کا حقدار ہو جاتا ہے لیکن اس سے شوہر کا حق طلاق بالکلیہ ختم نہیں ہو جاتا، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر آپ اپنے والد صاحب کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بنا دیتے ہیں یا حق طلاق انہیں تفویض کر دیتے ہیں تو اس سے ان کو طلاق دینے کا حق حاصل ہو جائے گا لیکن اگر ان کے طلاق دینے سے قبل آپ نے خود ہی طلاق دے دی تو آپ کی طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔آپ کے بھائی نے مسئلہ صحیح نہیں بتایا۔

لمافی الهندية، الباب الثالث فی تفويض الطلاق(١/٤٠٩): رجل وكل رجلا بطلاق امرأته ثم طلقها الموكل بائنا أو رجعيا ثم طلقها الوكيل فطلاق الوكيل واقع ما دامت في العدة ولا ينعزل بإبانة الموكل إذا لم يكن طلاق الوكيل بمال۔الخ۔

وفی الشامية، فصل فی المشيئة (٣/٣٣١): قوله (وإذا قال لرجل ذلك) اسم الإشارة راجع إلى الأمر بالتطليق أي قال له طلق امرأتي قيد به احترازا عما لو قال له أمر امرأتي بيدك فإنه يقتصر على المجلس ولا يملك الرجوع على الأصح وكذا جعلت إليك طلاقها فطلقها يقتصر على المجلس ويكون رجعيا بحر۔

(١٧٤) وکیل کا تین طلاقیں لکھ کر دستخط کرا لینے کا حکم

سوال......مفتی صاحب! درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(١) ایک شخص نے وکیل کو کہا کہ مجھے طلاق نامہ لکھ کر دیدو، میں نے بیوی کو طلاق دینی ہے، وکیل نے تین طلاقیں لکھ کر دیدیں اور اس نے بغیر پڑھے دستخط کر دیئے۔ بعد میں علم ہونے پر کہا کہ میری نیت تو ایک طلاق کی تھی یا میرے ذہن میں کوئی عدد نہیں تھا، اس صورت میں شرعاً کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

(٢) زید کے والد پر لوگوں نے اسلحہ تان لیا اور زید سے کہا کہ اس طلاقنامے پر دستخط کرو، چنانچہ زید نے دستخط کر دیئے اور طلاق لکھ دی، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی شخص کسی کو طلاق نامہ لکھنے کا وکیل بنائے اور وہ تین طلاقیں لکھ کر دیدے اور شوہر اس کو پڑھے بغیر دستخط کردے تو شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا اگر اس نے تین طلاق کی نیت کی تو تین واقع ہوجائیں گی اور اگر ایک کی نیت کی یا اس نے کہا کہ میرے ذہن میں کوئی عدد نہیں تھا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر شوہر نے ایک طلاق کی نیت کی یا اس کے ذہن میں کوئی عدد نہیں تھا تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی البتہ اگر طلاق نامہ پڑھ کر دستخط کرتا ہے یا وکیل اسے بتادیتا ہے کہ اسمیں اس کی بیوی کو تین طلاقوں کا ذکر ہے تو پھر تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی نیز اکراہ اور جبر کی وجہ سے طلاق نامہ پر الفاظ طلاق لکھنے یا دستخط کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی القرآن المجید (البقرة:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔

وفی الهندية (۴۰۸/۱): رجل وكل غيره بالطلاق فطلقها الوكيل ثلاثا إن كان الزوج نوى بالتوكيل بالثلاث طلقت ثلاثا وإن لم ينو الثلاث لا يقع شيء في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى۔

وفی الشامية (۳۲۳/۳): وفيه عن كافي الحاكم لو وكله أن يطلق امرأته فطلقها الوكيل ثلاثا إن نوى الزوج الثلاث وقعن وإلا لم يقع شيء عنده وقالا تقع واحدة۔

وفيه أيضاً(۲۳۶/۳): وفي البحر أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق، لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا۔

(۱۷۵) طلاق کی کیسٹ تیار کروانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ جناب عالی میری شادی کو تین سال ہوگئے ہیں میری بیوی چھ مہینے میکے میں اور چھ مہینے میرے ساتھ رہتی ہے (یعنی اس طرح ایک مہینہ میرے ساتھ اور ایک مہینے ماں کے گھر) اس دوران مجھے بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے چونکہ ہم دونوں ہی فلیٹ میں علیحدہ رہتے ہیں۔ میں جب سمجھاتا تو اس کے گھر والے اس کو سمجھانے کے بجائے اس کی حمایت کرتے اور وہ اپنے والدین کے (یعنی میکے) محلے داروں کی مثالیں دیا کرتی ہے کہ فلاں لڑکی چار مہینے میکے میں رکی اور فلاں چھ مہینے رکی اور اکثر اوقات سردمہری کا اظہار کرتی۔ پچھلی مرتبہ پورے ۹ ماہ میکے میں جاکر بیٹھ گئی۔ اس دوران میں نے رابطہ کیا مگر بے سود۔ اسی دوران میں نے اس کو ڈرانے کے لئے ایک کیسٹ تیار کی جو کہ کچھ اس طرح سے تھی کہ جس میں میں نے صرف اس کو مخاطب کیا تھا جبکہ باقی جملے کسی اور نے ادا کئے تھے۔ میرا پروگرام یہ کیسٹ بذریعہ ٹیلی فون سنانے کا تھا مگر اس کی نوبت نہیں آئی۔ نو ماہ بعد جب میں نے فون کیا تو شاہینہ گھر لوٹ آئی اور اس نے قسم کھائی کہ وہ اب آئندہ گھر سے بلا اجازت نہیں جائے گی علاوہ اس کے کہ

اور اس کے گھر (میکے) میں کسی کی حالت تشویش ناک حد تک خراب نہ ہو اور میں نے اس کو معاف کر دیا اور وہ میرے ساتھ بمشکل دو ماہ رہی ہوئی کہ میں کاروباری سلسلے میں گھر سے باہر گیا تو وہ میکے چلی گئی۔ میں جب گھر آیا تو وہ موجود نہ تھی اور گھر کے دروازے کھلے ہوئے تھے میں نے کئی فون کئے مگر بے سود، پھر شام کے وقت میرے فون کرنے پر ان کی بھابی نے ریسیو کیا اور کہا کہ میں بلاتی ہوں۔ ٹیلی فون پر تیہی کھڑ کھڑاہٹ ہوئی میں نے وہ کیسٹ جو کہ چھ ماہ قبل تیار کی تھی ریسیور کے ساتھ آن کر دی جو کہ اس طرح سے تھی کہ

(خلاصہ): میں نے ریکارڈ کیا تھا شاہینہ اور باقی میرے جاننے والے کی ریکارڈنگ تھی کہ میں نے تمہیں طلاق دی۔ جناب عالی اگلے روز میں نے اس سے ملاقات کی اور اس کو بتلادیا اب مسئلہ یہ لاحق ہو گیا ہے کہ میرے سالے اور میکے کے دیگر افراد کا کہنا یہ ہے کہ اس طرح بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ محترم مفتی صاحب کیا میرے میکے والوں کا کہنا درست ہے کیا واقعی اس طرح بھی طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... جس دن آپ نے کیسٹ تیار کی تھی اس دن دوسرے آدمی کو اگر آپ نے طلاق دینے کا وکیل بنایا تھا [مثلاً اس طرح کے الفاظ کہے ہوں کہ میں اپنی بیوی کا نام لوں گا اور تم اسے طلاق دے دینا] پھر اس نے ایک مرتبہ طلاق کا لفظ کہا تھا تو اسی وقت آپ کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی تھی۔ اس دن کے بعد اگر آپ کی بیوی اپنی عدت تین حیض مکمل ہونے سے پہلے آپ کے گھر آ گئی تھی اور آپ اس کے ساتھ رہنے لگی تھی تو آپ کا رجوع ثابت ہو گیا تھا اب تک اس کے ساتھ رہنا اور آئندہ کیلئے ساتھ رہنا صحیح ہے اور اگر طلاق دینے کے بعد آپ نے رجوع نہیں کیا تھا اور آپ کے پاس آنے سے پہلے اس کے تین حیض مکمل ہو گئے تھے تو اس کی عدت پوری ہونے کے ساتھ ہی آپ کا نکاح ختم ہو چکا تھا۔ اب آپ اس کو نہیں رکھ سکتے، دوبارہ ساتھ رہنے کی صورت یہ ہے کہ جدید نکاح کر لیں۔ مذکورہ تفصیل اس صورت میں ہے جب آپ نے دوسرے شخص کو طلاق دینے کا وکیل بنایا ہو اور اگر آپ نے طلاق دینے کا وکیل نہیں بنایا تھا اور اس نے یہ الفاظ بغیر وکالت کے کہے ہوں تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما في التاتارخانية (۳۸۷/۳): وفي الحجة: طلق أجنبي امرأة رجل أو أعتق عبده فأخبر فقال نعم ما صنعت لا يقع ولا يعتق لانه كالمستهزئ به لأنه لا ولاية له على عبده ولا امرأته وإن قال بئسما صنعت يقع والأظهر أنه لايقع في الفصلين۔

وفي الهندية (۳۹۳/۱): رجل قال لغيره طلق امرأتي رجعية فقال لها الوكيل طلقتك بائنة يقع واحدة رجعية۔

وفيه أيضا (۳۹۴/۱): أخبر أن فلانا طلق امرأتك فقال نعم ما صنع أو بئس ما صنع قيل في الأول يقع وفي الآخر لا يقع هو الظاهر والمأخوذ به كذا في جواهر الأخلاطي۔

وفي الدر المختار (۴۰۹/۳): (وينكح) مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع۔

باب الطلاق بالكتابة والهاتف والرسائل

(تحریر، فون اور میسج وغیرہ کے ذریعے طلاق دینے کا بیان)

(۱۷۶) طلاق زبانی اور تحریری دونوں طرح دی جاسکتی ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نئی کراچی سندھی ہوٹل بشیر چوک پر رہائش پذیر ہوں۔ میں لڑکی امرین ولد محمد سلیم کا چچا ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ میری بھابھی بدقماش تھی۔ اس نے مل کر سازش کے طور پر اپنی ہی بیٹی کو ایک لڑکے کے ساتھ آزادی دی اور یہاں تک کہ لڑکی کو نشہ آور شربت پلا کر اس لڑکے اور لڑکی کو گھر میں چھوڑ کر باہر سے تالا لگا کر چلی گئی اور پھر یہ ہوا کہ لڑکے نے اس بچی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا ڈالا اور لڑکی حاملہ ہوگئی اور لڑکی کو جو پانچ ماہ ہوگئے تو گٹھ جوڑ کر کے لڑکی کا اس لڑکے سے نکاح پڑھا دیا اور پھر شادی کے چار ماہ بعد اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوگیا اور اس کے بعد لڑکے اور اس کے گھر والوں نے مار پیٹ کر کے یہ کہہ کر گھر سے نکال دیا کہ اب تجھے گھر میں نہیں رکھیں گے اور یہ کہ جب لڑکی نے کہا کہ اگر نہیں رکھنا چاہتے ہو تو مجھے طلاق دے دو، اس پر لڑکے کے گھر والوں نے کہا طلاق کیوں دیں تمہارا تو نکاح ہی جائز طور پر نہیں ہوا کیونکہ تم حاملہ تھی اور حمل کی صورت میں نہ تو نکاح ہوتا ہے اور نہ ہی طلاق لہٰذا آپ جناب مفتی صاحب سے التجا ہے کہ ہماری مدد فرماتے ہوئے راہنمائی فرمائیں کہ کیا اس صورت میں نکاح ہوا یا نہیں اور یہ کہ طلاق کے الفاظ کہنا یا تحریر کے طور پر طلاق نامہ ضروری ہے اس کا فتویٰ عنایت کردیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......آپ کی بھتیجی کا نکاح مذکورہ حالت میں (یعنی زنا کے ذریعے حاملہ ہونے کی صورت میں) درست ہوگیا ہے اور لڑکی کے سسرال والوں کا یہ کہنا کہ اس حالت میں نکاح اور طلاق نہیں ہوتا درست نہیں۔ طلاق کے لئے تحریری ہونا ضروری نہیں اگر زبانی بھی طلاق دی جائے تو طلاق ہوجاتی ہے البتہ قانونی پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے تحریری طور پر بھی طلاق لے لینا بہتر ہے۔

لمافی التاتارخانیه (۶/۳) کتاب النکاح: قال أبو حنيفة ومحمد: يجوز أن يتزوج امرأة حاملا من الزنا ولا يطأها۔

وفی الهندیة (۳۵۶/۱): إن قال أنت طالق فاعتدي تقع واحدة --- ولو قال أنت طالق واحدة واحدة تقع واحدة --- ولو قال لها أنت طالق ثم [illegible] مطلقة لا تقع أخرى۔

وفيه أيضاً (۱/۳۷۸) فصل فی الطلاق بالكتابة: ثم المرسومة لا تخلو اما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكلما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة۔

(۱۷۷) زبانی اور تحریری طلاق میں نیت کا فرق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "میری فلاں بیوی کو طلاق" تو اس کی بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی لفظ صریح ہونے کی بنا پر نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس کے برخلاف اگر کوئی آدمی کسی کاغذ پر مذکورہ الفاظ (میری فلاں بیوی کو طلاق) لکھتا ہے تو اس کی بیوی کو طلاق واقع نہ ہوگی جب تک طلاق کی نیت نہ کرے۔ حالانکہ مذکورہ الفاظ بھی صریح ہیں نیت کا اعتبار نہیں ہونا چاہیئے۔ ان دونوں کے درمیان فرق کو واضح فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... کتابت کی دو صورتیں ہیں مرسومہ اور غیر مرسومہ، کتابت مرسومہ وہ ہے جو خط کے طریقے پر لکھی جاتی ہے اگر اس طریقے پر بیوی کو طلاق لکھے گا تو بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً یہ لکھے: [بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عمرو بن زید کی طرف سے فلانہ (بیوی کا نام) کو ملے۔ اما بعد! پس میں تجھے طلاق دیتا ہوں] تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور نیت کی ضرورت بھی نہیں ہوگی کیونکہ کتابت مرسومہ بمنزلہ قول کے ہوتی ہے جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو انت طالق بولتا ہے تو اس کی بیوی کو طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ یہ الفاظ صریح ہیں نیت کی ضرورت نہ ہوگی اسی طرح کتابت مرسومہ جو بمنزلہ قول کے ہوتی ہے اس میں بھی نیت کی ضرورت نہ ہوگی۔

کتابت غیر مرسومہ وہ ہے جو خط کے طریقے پر نہ لکھی جائے بلکہ انسان ویسے ہی لکھتا ہے طلاق دینے یا اپنا خط چیک کرنے کیلئے وغیرہ۔ اگر اس صورت میں لکھتا ہے میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں تو اس صورت میں اس کی نیت معلوم کی جائے گی کیونکہ اس طریقے پر لکھنے میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے دوسرا اپنا خط یا کاغذ چیک کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس طرح لکھنا اگرچہ صریح ہے لیکن دو معنوں کا احتمال ہے لہٰذا اسے کنایات میں شامل کیا گیا ہے چنانچہ جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو کنائی الفاظ بولتا ہے تو اس کی نیت معلوم کی جاتی ہے اسی طرح اس طریقے [یعنی غیر مرسومہ طریقے] پر لکھنا بھی کنایات میں شامل ہے چنانچہ اس صورت میں بھی اس کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

صورت مسئولہ میں جو کتابت طلاق ہے وہ کتابت غیر مرسومہ میں داخل ہے اور اس طریقے کی کتابت میں دونوں احتمال ہیں طلاق اور غیر طلاق کا اس وجہ سے نیت کی ضرورت پیش آئے گی جبکہ انت طالق بولنے کی صورت میں نیت کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ یہ الفاظ صریح ہیں دوسرے معنی کا احتمال نہیں رکھتے۔

لما فی حاشية الطحطاوی (۲/۱۱۱): وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا فلا وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو --- (قوله: ولو كتب على وجه

الرسالة) بأن يكتب بسم الله الرحمن الرحيم أما بعد اذا وصل إليك كتابي فانت طالق۔الخ۔

وفى الشامية (٣/٢٤٦): مطلب في الطلاق بالكتابة قوله(كتب الطلاق الخ) قال في الهندية الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ونعني بالمرسومة أن يكون مصدرا ومعنونا مثل ما يكتب إلى الغائب وغير المرسومة أن لا يكون مصدرا ومعنونا وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة فالمستبينة ما يكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشيء لا يمكن فهمه وقراءته ففي غير المستبينة لا يقع الطلاق وإن نوى وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو ثم المرسومة لا تخلو اما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة وإن علق طلاقها بمجيء الكتاب بأن كتب إذا جاءك كتابي فأنت طالق فجاءها الكتاب فقرأته أو لم تقرأ يقع الطلاق كذا في الخلاصة ط قوله (إن مستبينا) أي ولم يكن مرسوما أي معتادا وإنما لم يقيده به لفهمه من مقابله وهو قوله ولو كتب على وجه الرسالة الخ فإنه المراد بالمرسوم قوله (مطلقا) المراد به في الموضعين نوى أو لم ينو وقوله ولو على نحو الماء مقابل قوله إن مستبينا قوله(طلقت بوصول الكتاب) أي إليها ولا يحتاج إلى النية في المستبين المرسوم ولا يصدق في القضاء أنه عنى تجربة الخط ط بحر ومفهومه أنه يصدق ديانة في المرسوم رحمتي۔

رسالۃ

التوضیح

فی

بیان أنواع الکتابة والتوقیع

کتابت طلاق اوراس میں نیت کا دخل،

تحریر مرسومہ اور غیر مرسومہ کی تعیین، غیر کے لکھے طلاق نامے پر دستخط کا حکم

اور متعلقہ ابحاث پر مدلل اور نادر فتوی

(۱۷۸) کتابتِ طلاق میں نیت اور دستخط کا حکم

سؤال

مفتی صاحب! طلاق سے متعلق درج ذیل سؤالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) کتب میں طلاق مرسومہ میں بغیر نیت کے وقوع طلاق کا حکم ہے اور مرسومہ کیلئے معنون، مصدر الخ بہت سی قیدیں ہیں۔فقط ''میں اپنی بیوی فلاں کو طلاق دیتا ہوں'' یہ لکھنا بظاہر مرسومہ نہیں تو کیا مفتی صاحب مسئلہ ایسا ہی ہے؟ کوئی شخص صرف یہ لکھ کر کہ میں اپنی بیوی فلاں کو طلاق دیتا ہوں بیوی کو بھیج دے یہ طلاق نہ ہوگی اس کے بعد بھی نیت اور اقرار ضروری ہوگا غیر مرسومہ ہونے کی وجہ سے یا ایسا نہیں؟ از راہِ کرم مرسومہ کی تفصیل فرمادیں۔کیا پورا طلاق نامہ ہونا ہی مرسومہ ہے؟

(۲) دوسرا یہ کہ غیر مرسومہ یا دوسرے سے طلاق نامہ لکھوا کر طلاق دینے میں کتب میں اقرار کو شرط قرار دیا گیا ہے یہ اقرار کیا ہے؟ دستخط اقرار ہیں یا زبانی اقرار ضروری ہے؟ نیز کیا اس زبانی اقرار کے بغیر دوسرے سے لکھوائے طلاق نامے میں طلاق کا وقوع ہی نہ ہوگا؟ یہ تو تھوڑا بعید از قیاس ہے۔از راہِ کرم طلاق کے معاملے میں اقرار سے متعلق تفصیلات منقح طور پر تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اولاً تحریری طلاق کی صورتیں متعین کرنا اور ان کے احکام جاننا ضروری ہے۔

تحریراً طلاق کی صورتوں کا بیان

فقہاء نے تحریراً طلاق کی دو قسمیں بنائی ہیں: (۱) مرسومہ (۲) غیر مرسومہ

تحریرِ مرسومہ

وہ تحریری طلاق ہے جو کسی صفحے وغیرہ پر باعنوان کسی خط کی طرح نام وغیرہ سے مصدر کر کے لکھی جائے مثلاً ''یہ فلاں بن فلاں کا خط ہے فلانہ کیلئے، امابعد پس تجھے طلاق ہے'' اس طرح سے باعنوان طلاق تحریر کرنا مرسومہ طلاق ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ بغیر نیت کے فی الحال ہی طلاق کا وقوع ہوجاتا ہے اس میں کسی اقرار یا دستخط کی ضرورت نہیں یہ تحریر زبانی طلاق کے حکم میں ہے۔اس میں غائب کو لکھے جانے والے خط کی طرح باعنوان مع الاسماء تحریراً طلاق دی جاتی ہے۔

تحریرِ غیر مرسومہ

وہ تحریری طلاق جو مذکورہ بالا کیفیت کی نہ ہو اس میں عنوان اور تصدیر وغیرہ نہ ہو تو وہ طلاق غیر مرسومہ ہے، مثلاً یوں لکھتا ہے: "میری بیوی کو طلاق" یا "میری بیوی فلانۃ کو طلاق" اور یہاں مصدر اور معنونا ہونے کی صورت نہ ہو تو یہ لکھنا طلاق غیر مرسومہ ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔

لمافی الشامیة (۲۴۶/۳): مطلب فی الطلاق بالکتابة قوله (کتب الطلاق الخ) قال فی الهندیة الکتابة علی نوعین مرسومة وغیر مرسومة ونعنی بالمرسومة أن یکون مصدرا ومعنونا مثل ما یکتب إلی الغائب وغیر المرسومة أن لا یکون مصدرا ومعنونا وهو علی وجهین مستبینة وغیر مستبینة فالمستبینة ما یکتب علی الصحیفة والحائط والأرض علی وجه یمکن فهمه وقراءته وغیر المستبینة ما یکتب علی الهواء والماء وشیء لا یمکن فهمه وقراءته ففی غیر المستبینة لا یقع الطلاق وإن نوی وإن کانت مستبینة لکنها غیر مرسومة إن نوی الطلاق یقع وإلا لا وإن کانت مرسومة یقع الطلاق نوی أو لم ینو۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۹۰۲/۹): الطلاق بالکتابة إلی الغائب: اتفق الفقهاء علی وقوع الطلاق بالکتابة علی التفصیل التالی: عبارة الحنفیة: الکتابة إما مستبینة أو غیر مستبینة، والکتابة المستبینة: هی الکتابة الظاهرة التی یبقی لها أثر کالکتابة علی الورق والحائط والأرض. والکتابة غیر المستبینة: هی التی لا یبقی لها أثر، کالکتابة علی الهواء أو علی الماء، وکل شیء لا یمکن فهمه وقراءته، وحکمها: أنه لا یقع بها طلاق وإن نوی۔ أما الکتابة المستبینة فهی نوعان: کتابة مرسومة: وهی التی تکتب مصدَّرة ومعنونة باسم الزوجة وتوجه إلیها کالرسائل المعهودة، کأن یکتب الرجل إلی زوجته قائلاً: إلی زوجتی فلانة، أما بعد فأنت طالق، وحکمها: حکم الصریح إذا کان اللفظ صریحاً، فیقع الطلاق ولو من غیر نیة۔ وأما الکتابة غیر المرسومة: فهی التی لا تکتب إلی عنوان الزوجة أو باسمها ولا توجه إلیها کالرسائل المعروفة، کأن یکتب الرجل فی ورقة "زوجتی فلانة طالق" وحکمها حکم الکنایة ولو کان اللفظ صریحاً، لا یقع بها الطلاق إلا بالنیة۔

ہمارے عرف میں تحریرِ مرسومہ کیا ہے؟

ان دلائل کی روشنی میں کتابتِ طلاق میں مرسومہ اور غیر مرسومہ کا فرق واضح ہوگیا۔ ہمارے عرف میں مرسومہ طلاق، طلاقنامے

کو کہا جا سکتا ہے کیونکہ معہود طلاقنامے کے اوپر عنوان بھی ہوتا ہے اور تمام تفصیلات اولاً درج ہوتی ہیں اور پھر طلاق کا ذکر ہوتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص طلاقنامہ لکھتا ہے اس پر بیوی کا نام اور طلاق دینے کا ذکر کرتا ہے تو یہ طلاق مرسومہ ہوگی۔ اب چاہے نیت نہ ہو طلاق کا وقوع لکھتے ہی ہو جائے گا اور غیر مرسومہ ہمارے ہاں یہ ہے کہ کسی بھی کاغذ پر میری بیوی زینب کو طلاق ہے وغیرہ الفاظ لکھ دیتا ہے اس پر طلاقنامے کا عنوان اور خط کی صورت میں تصدیر وغیرہ نہیں ہوتی تو اس غیر مرسومہ صورت میں اگر نیت کرے گا تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔

طلاقنامہ لکھوانے یا دوسرے کے لکھے طلاق نامہ پر دستخط کا حکم

یہ بات تو واضح ہوگئی لیکن یہاں ایک صورت اور ہے کتب میں اس کے احکام بھی ملتے ہیں اور وہ ہے طلاقنامہ وغیرہ لکھوانا یا دوسرے کے لکھے طلاقنامے پر دستخط کر دینا اس کا حکم کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں ایک بات تو یہ واضح رہے کہ اگر طلاق لکھواتے وقت کوئی شخص اس قسم کے الفاظ استعمال کرے کہ "لکھ میری بیوی کو طلاق ہے" (اکتب طلاق امرأتی) اس صورت میں تو کیونکہ اس نے خود ہی طلاق کا زبانی استعمال کر لیا تو یہ کہتے ہی طلاق کا وقوع ہو جائے گا، چاہے سامنے والا لکھے یا نہیں لہٰذا ہماری بحث ایسی صورت سے نہیں جہاں "میری بیوی کو طلاق ہے" وغیرہ الفاظ شوہر استعمال کر دے اس میں کتابت کا مسئلہ ہی نہیں۔

اب رہ گئی یہ صورت کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ "میری بیوی کیلئے طلاقنامہ لکھ" (استکتب من آخر کتابا بطلاقھا) یا ایک طلاق کا پرچہ لکھ وغیرہ [یعنی زبان سے طلاق دینے کا ذکر نہ کرے] تو اس صورت میں اگر سامنے والا طلاقنامہ [جو کہ مصدر و معنون ہو] وغیرہ لکھ دیتا ہے تو بھی یہ مرسومہ کے حکم میں نہ ہوگا بلکہ یہ طلاقنامہ اگرچہ مصدر ہو، معنون ہو، مہر لگی ہو، سب کچھ ہو لیکن اس طلاقنامہ سے شوہر کے اقرار کے بغیر طلاق واقع نہ ہوگی، اگر شوہر اقرار کر لیتا ہے یا دو گواہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ طلاقنامہ اس شخص نے لکھوایا ہے تب تو طلاق ہوگی ورنہ کسی دوسرے سے لکھائے طلاقنامے میں طلاق کا حکم نہ لگے گا۔

یہی حکم دوسرے کے خود طلاقنامہ لکھ کر شوہر سے اقرار کروانے کا ہے یعنی شوہر دوسرے کو نہ کہے بلکہ دوسرا شخص خود ہی تحریر لے کر آئے اور شوہر سے اقرار کرائے کہ یہ اس کا طلاقنامہ ہے اس سے بھی شوہر کے اقرار کے بغیر طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ الغرض دوسرے سے لکھوائے گئے یا دوسرے کے خود لکھ کر اس سے اقرار کرائے گئے طلاقنامے میں اصل مدار شوہر کے اقرار پر ہے ورنہ طلاق کا وقوع نہ ہوگا اگرچہ وہ تحریر مصدر، معنون وغیرہ تمام شرائط سے مزین ہو۔

کیا دستخط زبانی اقرار کے قائم مقام ہے؟

یہاں یہ بحث بھی ضروری ہے کہ کیا دوسرے کے لکھے طلاقنامے کا زبانی اقرار ضروری ہے؟ فقہاء نے اقرار کی شرط لگائی ہے اور اقرار زبانی ہوتا ہے لہٰذا دستخط، زبانی اقرار کے قائمقام ہوگا یا نہیں؟ کافی تحقیق وتتبع کے بعد بندہ ناچیز اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ دستخط اقرار کے کلی طور پر قائمقام نہیں کیونکہ فقہاء نے "وختمہ" دوسرے کے طلاقنامے پر مہر لگانے کے باوجود اقرار ضروری قرار دیا ہے لہٰذا دستخط زبانی

اقرار سے کفایت نہ کرے گا البتہ آج کل چونکہ مروج یہی ہے کہ شوہر سے طلاق نامے پر دستخط لئے جاتے ہیں لہٰذا اگر شوہر طلاقنامے پر دستخط کردیتا ہے تو طلاق کے وقوع کا حکم لگے گا لیکن اگر شوہر بعد میں انکار کردے کہ یہ میرے دستخط نہیں یا میں نے نہیں کئے یا یہ طلاقنامہ میرا ہے ہی نہیں یا یہ غلط دستخط ہیں وغیرہ کوئی بھی انکار کی صورت پیش آجائے تو شوہر کا زبانی اقرار ضروری ہوگا یا شوہر کے دستخط کرنے پر دو گواہ لائے جائیں کہ اس نے یہ دستخط طلاق نامے کے علم کے باوجود کئے تھے اور اگر شوہر زبانی اقرار نہیں کرتا نیز گواہ بھی موجود نہ ہوں تو انکار کی صورت میں طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔

مسئلہ کی ملخص صورتوں کا بیان

لہٰذا مسئلہ ہذا میں درج ذیل صورتیں ملخص ہوتی ہیں:

(۱) پورا طلاقنامہ خود لکھتا ہے جس میں عنوان، اپنا نام، بیوی کا نام اور طلاق کا ذکر وغیرہ تمام تفصیلات ہوں تو یہ طلاقنامہ لکھنا خود صریح طلاق کے حکم میں ہے، لکھتے ہی بغیر نیت کے طلاق کا وقوع ہوجائے گا۔

(۲) صرف "میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں" یا اس طرح کی غیر مرسومہ تحریرات خالی کاغذ پر لکھتا ہے تو یہ کنائی طلاق کے حکم میں ہے اگرچہ الفاظ صریح ہیں لیکن ان میں نیت کرے گا تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔

(۳) دوسرے سے طلاقنامہ لکھواتا ہے یا دوسرا خود لکھا طلاقنامہ لاکر اس سے اقرار کرواتا ہے کہ یہ طلاقنامہ میرا ہے تو ان دونوں صورتوں میں شوہر کا زبانی اقرار ضروری ہوگا اگر صرف دستخط کرتا ہے تو طلاق کا وقوع ہوجائے گا اور دستخط کو اقرار سمجھیں گے لیکن اگر شوہر بعد میں دستخط وغیرہ کا منکر ہو تو اس کا زبانی اقرار ضروری ہوگا یا اس کے دستخط پر دو گواہ لائے جائیں جو یہ گواہی دیں کہ اس نے یہ دستخط طلاقنامے کا علم ہوتے ہوئے کئے تھے اس صورت میں یہ طلاقنامہ معتبر ہوگا، بدون اس کے یہ غیر کا لکھا طلاقنامہ بے حیثیت ہوگا۔

امید ہے درج بالا تفصیلات کی روشنی میں آپ کے تمام اشکالات دور ہوگئے ہوں گے۔

لما فی بدائع الصنائع (۲۲۵/۳): وحال الغضب ومذاكرة الطلاق دليل إرادة الطلاق ظاهرا فلا يصدق في الصرف عن الظاهر۔

وفی (ص۲۳۹): فصل وأما النوع الثاني فهو أن يكتب على قرطاس أو لوح أو أرض أو حائط كتابة مستبينة لكن لا على وجه المخاطبة امرأته طالق فيسأل عن نيته فإن قال نويت به الطلاق وقع وإن قال لم أنو به الطلاق صدق في القضاء لأن الكتابة على هذا الوجه بمنزلة الكناية. لأن الإنسان قد يكتب على هذا الوجه ويريد به الطلاق وقد يكتب لتجويد الخط فلا يحمل على الطلاق إلا بالنية وإن كتب كتابة غير مستبينة بأن كتب على الماء أو على الهواء فذلك ليس بشيء حتى لا يقع به الطلاق وإن نوى لأن ما لا تستبين به الحروف لا يسمى كتابة فكان

ملحقا بالعدم وإن كتب كتابة مرسومة على طريق الخطاب والرسالة مثل أن يكتب أما بعد يا فلانة فأنت طالق أو إذا وصل كتابي إليك فأنت طالق يقع به الطلاق ولو قال ما أردت به الطلاق أصلا لا يصدق إلا أن يقول نويت طلاقا من وثاق فيصدق فيما بينه وبين الله عز وجل لأن الكتابة المرسومة جارية مجرى الخطاب ألا ترى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يبلغ بالخطاب مرة وبالكتاب أخرى وبالرسول ثالثا وكان التبليغ بالكتاب والرسول كالتبليغ بالخطاب فدل أن الكتابة المرسومة بمنزلة الخطاب فصار كأنه خاطبها بالطلاق عند الحضرة فقال لها أنت طالق۔

وفى خلاصة الفتاوى (٢/٩٠) كتاب الطلاق: وفى الأصول فى باب طلاق الأخرس: الكتابة من الأخرس والصحيح على ثلاثة أوجه، ان كتب على وجه الرسالة وهو أن يكتب على صحيفة مصدرا معنونا وثبت ذلك باقراره أو ببينة فهو كالخطاب، ولو قال الصحيح والأخرس لم أنوبه الطلاق لم يصدق فى القضاء ۔۔۔ وان كتب على شئ يستبين عليه امرأته طالق أو عبده حر إن نوى صح وإلا فلا. ولو كتب على الهواء أو على الماء لم يقع به شئ وإن نوى ۔۔۔ وفى نسخة الشيخ الامام شمس الائمة السرخسى إن كتب امرأته طالق فهى طالق سواء بعث الكتاب إليها أو لم يبعث، وإن كان المكتوب إذا وصل إليك كتابي فأنت طالق فما لم يصل لا يقع۔

وفى الهندية (٣٧٩/١): رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه وطواه وختم وكتب في عنوانه وبعث به إلى امرأته فأتاها الكتاب وأقر الزوج أنه كتابه فإن الطلاق يقع عليها وكذلك لو قال لذلك الرجل ابعث بهذا الكتاب إليها أو قال له اكتب نسخة وابعث بها إليها وإن لم تقم عليه البينة ولم يقر أنه كتابه لكنه وصف الأمر على وجهه فإنه لا يلزمه الطلاق في القضاء ولا فيما بينه وبين الله تعالى وكذلك كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابه كذا في المحيط والله أعلم بالصواب۔

وفى الدر المختار (٢٤٦/٣): فروع كتب الطلاق إن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوى وقيل مطلقا ولو على نحو الماء فلا مطلقا ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب كأن يكتب يا فلانة إذا أتاك كتابي هذا فأنت طالق طلقت بوصول الكتاب، جوهرة۔

وفى الرد تحته: مطلب في الطلاق بالكتابة قوله (كتب الطلاق الخ) قال في الهندية الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ونعني بالمرسومة أن يكون مصدرا ومعنونا مثل ما يكتب

إلى الغائب وغير المرسومة أن لا يكون مصدرا ومعنونا وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة فالمستبينة ما يكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشيء لا يمكن فهمه وقراءته ففي غير المستبينة لا يقع الطلاق وإن نوى وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو ثم المرسومة لا تخلو اما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة وإن علق طلاقها بمجيء الكتاب بأن كتب إذا جاءك كتابي فأنت طالق فجاءها الكتاب فقرأته أو لم تقرأ يقع الطلاق كذا في الخلاصة ط ـــ ولو قال للكاتب اكتب طلاق امرأتي كان إقرارا بالطلاق وإن لم يكتب ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه أو قال للرجل ابعث به إليها أو قال له اكتب نسخة وابعث بها إليها وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يملِه بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اهـ ملخصا.

(۱۷۹) دھوکہ سے طلاق نامے پر انگوٹھا لگوا لینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ داود ایک مسجد کا امام ہے۔ اس نے زینب کے شوہر سے مکرو فریب سے انگوٹھا لگوا کر طلاق بنالی اور پھر کسی دوسرے شخص سے زینب کا نکاح کر دیا، اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور ایسے امام کا کیا حکم ہے اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر زینب کے شوہر کو اس بات کا علم تھا کہ انگوٹھا لگوائی جانے والی تحریر میں اس کی بیوی کو طلاق دینا لکھا ہوا ہے اس کے باوجود اس نے انگوٹھا لگا دیا تو اس سے طلاق واقع ہوگئی ہے لیکن اگر زینب کے شوہر کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس تحریر میں طلاق لکھی ہوئی ہے اور مذکورہ امام نے دھوکہ وفریب سے طلاق نامہ پر انگوٹھا لگوایا ہے اور بظاہر سوال سے یہی صورت معلوم ہوتی ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی اور زینب پہلے ہی شوہر کی بیوی ہے لہٰذا زینب کا دوسرا نکاح اس پہلے نکاح کی موجودگی میں درست نہیں ہوا۔

مذکورہ امام ایسا فعل کرنے کی وجہ سے فاسق ہے اور جب تک سچی توبہ نہ کرے تب تک اس کا امامت کرانا مکروہ تحریمی ہے۔

لما فی الهندية (۱/۳۷۹): رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فكتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته كذا فی فتاویٰ قاضیخان۔

وفيه أيضاً(۱/۳۷۸): ففی غير المستبينة لا يقع وان نویٰ، وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا فلا، وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو۔

وفيه ايضاً (۱/۸۵): كتاب الصلاة الفصل الثالث فی بيان من يصلح اماما: وتجوز إمامة الأعرابي والأعمى والعبد وولد الزنا والفاسق كذا في الخلاصة إلا أنها تكره هكذا في المتون۔

وفی الشامية(۳/۲۴۷): ولو استكتب اخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه أو قال للرجل ابعث به إليها، أو قال له اكتب نسخة وابعث بها إليها وإن لم يقرأنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على جهة لا تطلق قضاء ولا ديانة، وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقرأنه كتابه۔

وفی الشامية أيضا(۱/۵۶۰): وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه وقد وجب عليهم إهانته شرعا ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا

تزول العلة فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا قال ولذا لم تجز الصلاة خلفه أصلا عند مالك ورواية عن أحمد۔

(۱۸۰) کاغذ پر تین طلاق لکھوا کر شوہر سے دستخط کرانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے ایک کاغذ پر یہ لکھ کر کہ زید کی بیوی ہندہ کو تین طلاق، زید سے دستخط کرائے زید نے زبان سے کچھ نہیں کہا، اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورتِ مسئولہ میں اگر اس شخص نے کاغذ پر یہ لکھ کر کہ "زید کی بیوی ہندہ کو تین طلاق" زید سے دستخط کرائے تو اس سے طلاق واقع ہوجائے گی اور زید کے دستخط اس تحریر کا اقرار ہیں لہٰذا اب بغیر حلالہ کے ساتھ رہنا جائز نہیں البتہ اگر زید اس تحریر اور دستخط کا انکار کرتا ہے کہ یہ میری تحریر نہیں تو پھر اس تحریر سے طلاق کے وقوع کیلئے دو گواہ یا زید کا زبانی اقرار ضروری ہوگا ورنہ اس تحریر سے طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔

لما في قوله تعالىٰ(البقرة:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔

وفی الهندية (۱/۳۷۸) : الفصل السادس في الطلاق بالكتابة الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ونعني بالمرسومة أن يكون مصدرا ومعنونا مثل ما يكتب إلى الغائب وغير موسومة أن لا يكون مصدرا ومعنونا وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة فالمستبينة ما يكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشيء لا يمكن فهمه وقراءته ففي غير المستبينة لا يقع الطلاق وإن نوى وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا فلا وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو۔

وفی ص (۱/۳۷۹): رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق إمرأته فلانة بنت فلان بن فلان فكتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته كذا في فتاوى قاضيخان۔

وفی الشامية (۳/۲۴۷): ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه أو قال للرجل ابعث به إليها أو قال له

اكتب نسخة وابعث بها إليها وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اھ ملخصا۔

(۱۸۱) طلاق نامے کا عورت کو دکھانا ضروری نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے طلاق نامہ لکھوایا، ابھی عورت پر اس کو ظاہر نہیں کیا تو کیا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مرد نے جو طلاق نامہ لکھوایا ہے اور اب وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ میں نے ہی وہ طلاق نامہ لکھوایا تھا اور اس میں ایسی کوئی شرط نہ ہو کہ جب یہ طلاق نامہ بیوی کو ملے تو اسے طلاق ہوگی تو پھر اس صورت میں اس طلاق نامہ سے طلاق واقع ہوجائے گی نیز طلاق نامے میں جتنی طلاقوں کا ذکر ہو، اتنی طلاقیں واقع ہوجائیں گی، طلاقنامے سے طلاق کے وقوع کیلئے بیوی کو طلاق نامہ دکھانا ضروری نہیں۔

لمافی الهندية (۳۷۸/۱) الفصل السادس فی الطلاق بالكتابة: ثم المرسومة لا تخلو أما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكلما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة۔

وفی الشامية (۲۴۶/۳): ولو قال للكاتب اكتب طلاق امرأتي كان إقرارا بالطلاق وإن لم يكتب ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه أو قال للرجل ابعث به إليها أو قال له اكتب نسخة وابعث بها إليها وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اھ ملخصا۔

(۱۸۲) کیا طلاق نامے پر دستخط کرنا ضروری ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے طلاق نامہ لکھا لیکن دستخط نہیں کئے۔ اپنی بیوی کو بھیجا تو وہ پریشان ہوگئی لیکن اس کے والدین نے کہا بیٹی پریشان ہونے کی بات نہیں اس لئے کہ طلاق نامہ پر دستخط موجود نہیں ہیں اور جب تک دستخط نہ ہوں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ محلہ کے امام صاحب نے بھی یہی جواب دیا کہ طلاق کیلئے دستخط کا ہونا ضروری ہے۔

اب عورت مطمئن نہیں ہے وہ پریشان ہے اس کی ایک سہیلی نے مشورہ دیا کہ ہمارے قریب ایک دارالافتاء ہے ''دارالافتاء جامعہ دارالعلوم یاسین القرآن'' وہاں جاکر اطمینان کر لیتے ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ طلاق نامہ صرف لکھنے سے طلاق ہوجاتی ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......طلاق کا لفظ زبان سے بولنے یا اپنی رضامندی سے طلاق نامہ لکھنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ طلاق نامہ میں دستخط وغیرہ کا ہونا شرط نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی۔

لمافی الشامية (۲۴۶/۳) مطلب فی الطلاق بالكتابة: (قوله كتب الطلاق الخ) --- وإن كانت مرسومة يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة وإن علق طلاقها بمجئی الكتاب بان كتب اذا جاءك كتابي فانت طالق فجاءها الكتاب فقرأته أولم تقرأ يقع الطلاق كذا فی الخلاصة۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۶۹۰۲/۹): أما الكتابة المستبينة فهي نوعان: كتابة مرسومة: وهي التي تكتب مصدَّرة ومعنونة باسم الزوجة وتوجه إليها كالرسائل المعهودة، كأن يكتب الرجل إلى زوجته قائلاً: إلى زوجتي فلانة، أما بعد فأنت طالق، وحكمها: حكم الصريح إذا كان اللفظ صريحاً، فيقع الطلاق ولو من غير نية.

(۱۸۳) غیر کے طلاق نامہ لکھ کر بھیجنے سے طلاق نہ ہوگی

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے چچا کا بیٹا جس کا نام نوید منظور ہے۔ نوید گونگا ہے بول نہیں سکتا۔ انہوں نے اس کی شادی تقریباً ۸ سال ہوگئے ہیں کی تھی۔ جس کے بارے میں کچھ دینی معلومات چاہتے ہیں۔ برائے مہربانی دین کی روشنی میں وضاحت فرمادیں۔ شکریہ

(۱) جب چچا نے اپنے بیٹے کی شادی کی تھی تو چچا لوگوں نے لڑکی کو اپنے بیٹے کو دکھایا تھا تاکہ وہ شادی سے پہلے پسند کر لے دونوں کی شادی ہوگئی۔ شادی کے تقریباً چار سال بعد لڑکی کہنے لگی اپنے سسرال والوں سے کہ میرا نکاح نوید کے ساتھ دوبارہ کروایا جائے۔ جب دوبارہ نکاح کی وجہ پوچھی گئی تو لڑکی کہنے لگی کہ میں نے نوید کو دل سے قبول نہیں کیا تھا میرے ساتھ زبردستی کی گئی تھی۔ میری نانی اور دادی وغیرہ نے جن کے دباؤ میں آکر میں نے سائن کردیئے تھے لہٰذا اب میرا دوبارہ نکاح کروایا جائے۔

(۲) اس طرح معاملہ چلتا رہا لیکن چچا لوگوں نے دوبارہ نکاح نہیں پڑھوایا بلکہ تقریباً چار سال مزید گزرنے کے بعد گھریلو ناچاقی کی وجہ سے انہوں نے اس لڑکی کو طلاق اس کے گھر بھجوادی کیونکہ لڑکی ناراض ہوکر تقریباً ایک مہینے سے اپنے گھر پر گئی ہوئی تھی۔ کچھ عرصے تقریباً دو سال بعد چچا سے اس موضوع پر میری بات ہوئی تو چچا سے پتہ چلا کہ جو طلاق چچا نے انہیں بھجوائی تھی وہ خود ہی لڑکے کی لاعلمی میں بنوا کر اس پر گواہوں کے بھی سائن خود کروا کر انہیں بھیجی ہے، حالانکہ لڑکا بالکل ذہنی طور پر نارمل ہے، فیکٹری میں سلائی کا کام کرتا

ہے۔ اکیلا فیکٹری آتا جاتا ہے۔ ان کی فیکٹری پاور ہاؤس پر واقع ہے۔ اب ہم لوگ اُسی لڑکی کو لانا چاہتے ہیں۔ لڑکی کو واپس لانے کے لئے کیا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔ چچا نے جو لڑکے کو لاعلم رکھا ہے اس صورت میں لڑکی کو طلاق ہوگئی ہے یا کہ نہیں؟ برائے مہربانی ذرا وضاحت کردیں تاکہ یہ کام دین کے مطابق انجام دیا جاسکے۔ ہمیں آگاہ کردیں کہ کس طرح جائز اور صحیح ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً مذکورہ طلاق نامہ نہ لڑکی کے شوہر نوید منظور نے لکھوایا ہے اور نہ ان کو اس طلاق نامہ کے متعلق کوئی علم ہے تو آپ کے چچا کا اپنی طرف سے طلاق نامہ لکھ کر لڑکی کے گھر بھیجنے سے مذکورہ لڑکی پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور وہ بدستور نوید منظور کے نکاح میں ہے۔

لمافی الشامیة (۲۴۷/۳) کتاب الطلاق: مطلب الطلاق بالکتابة: وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق ما لم یقر أنه کتابه اھ ملخصا۔

(۱۸۴) طلاق نامہ لکھوا کر بیوی کے حوالے نہ کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں فدوی محمد اکرم ولد اعظم علی نے مورخہ 3/12/2005 کو باہمی رضامندی اور گواہوں کی موجودگی میں سنت کے مطابق مسماۃ رضیہ بیگم بنت عبدالشکور کے ساتھ نکاح کیا۔ نکاح میں لڑکی کے والدین اور رشتہ دار عزیز شامل نہیں تھے کیونکہ وہ لوگ غیر برادری میں لڑکی کی شادی کرنا نہیں چاہتے تھے جبکہ لڑکی اور میں ایک دوسرے کو بے حد پسند کرتے تھے۔ لڑکی کے والدین نے لڑکی کا مکمل بائیکاٹ کردیا اور کہہ دیا کہ اب وہ ہم سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے لیکن سال بھر بعد انہوں نے اپنی لڑکی سے ملنا جلنا شروع کردیا جبکہ میں ان کے آنے جانے پر معترض تھا کیونکہ میں ان کی نیت کو جانتا تھا کہ اس میں فتور ہے اور وہ لوگ ہم سے صاف دل سے نہیں مل رہے ہیں بلکہ ہم میاں بیوی کے درمیان ناچاقی پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ لڑکی دوبارہ مجھ سے علیحدہ ہوکر اپنے ماں باپ کے گھر واپس چلی جائے۔

وہی ہوا جس کا ڈر تھا انہوں نے میری غیر موجودگی میں میری بیوی کو اس قدر ورغلایا کہ وہ اکثر مجھ سے لڑنے جھگڑنے لگی اور اپنے گھر جانے، وہاں رہنے کی ضد کرنے لگی۔ تنگ آکر میں نے اپنی بیوی کو صرف دھمکانے اور ڈرانے کیلئے ایک طلاق نامہ کا پیپر بنوایا تاکہ اس کو ڈرا کر اس کی ضد سے باز رکھ سکوں۔ اس کے بعد میاں بیوی کی صلح ہوگئی اور ہم راضی خوشی رہنے لگے، نہ ہی میں نے زبان سے طلاق کا لفظ اپنی بیوی کو کہا اور نہ ہی اس کو وہ پیپر دیا، صرف دوسرے کاغذات کے ساتھ اُس پیپر کو بھی فائل میں لگا دیا۔ میرا ۲ سال کا بچہ بھی ہے۔ میری رہائش کرایہ پر تھی کچھ بچت کی خاطر اور کچھ بیوی کی تنہائی کی وجہ سے میں نے اپنی سالی کے ساتھ جو کہ کرایہ پر رہتی تھی، رہنا شروع کردیا۔ اسی دوران میں ۱۵ دن کیلئے لاہور ایک کام کے سلسلے میں گیا۔ واپس آتا ہوں تو میرے سسرال والوں نے بچے کو زبردستی میرے حوالے کردیا اور اپنی بیٹی کو بھی زبردستی جس بے جا میں رکھ کر اس کو مار پیٹ کر رہے ہیں اور اس پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ تم اپنے شوہر سے کہو کہ تم نے مجھے طلاق دیدی ہے۔ نہ ہی میری بیوی سے مجھے ملنے دے رہے ہیں۔

طلاق کا پیپر میں نے ۷ ماہ پہلے بنوایا تھا جس پر کوئی عملدرآمد بھی نہیں ہوا تھا اور طلاق کا مطالبہ وہ اب کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی حق مہر مبلغ -/25000 کا مطالبہ بھی کر رہے ہیں۔ ادھر میرا چھوٹا بچہ ماں کے بغیر شدید بیمار ہو گیا ہے اس کی حالت خراب ہے۔ آپ سے میری التجا ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں مجھے یہ بتائیں کہ آیا طلاق واقع ہوئی کہ نہیں؟ تاکہ آپ کے فیصلے کی روشنی میں میں اپنی بیوی کو واپس لانے کیلئے کوئی مناسب کارروائی کرسکوں اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جب کوئی شخص طلاق نامہ وغیرہ میں بغیر کسی قید اور شرط کے طلاق لکھ دیتا ہے یا کسی اور سے طلاقنامہ لکھواتا ہے اور اس پر دستخط کر دیتا ہے یا اس طلاقنامہ کا اقرار کرتا ہے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے[1]۔ اب اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ طلاق نامہ عورت کو بھی دکھایا جائے یا پہنچایا جائے۔

صورت مسئولہ میں چونکہ آپ نے تین طلاق لکھواتے وقت عورت کو دکھانے یا پہنچانے کی شرط نہیں لگائی تھی [نیز آپ اس طلاقنامہ کا اقرار بھی کرتے ہیں کہ وہ آپ کا ہے] چنانچہ اسی وقت یعنی سات ماہ قبل اس عورت مسماۃ رضیہ بنت عبدالشکور پر تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں لہٰذا آپ کو اس عورت کے ساتھ بغیر حلالہ شرعیہ کے ازدواجی تعلقات قائم کرنا ہرگز جائز نہیں اور طلاق نامہ لکھنے کے بعد اس عورت کے ساتھ جو اختلاط ہوا ہے اس پر اللہ تعالیٰ سے خوب توبہ واستغفار کریں۔

لما فی الهندية(۳۷۸/۱):الفصل السادس في الطلاق بالكتابة:الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ونعني بالمرسومة أن يكون مصدرا ومعنونا مثل ما يكتب إلى الغائب وغير موسومة أن لا يكون مصدرا ومعنونا وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة ---- ثم المرسومة لا تخلو اما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة وإن علق طلاقها بمجيء الكتاب بأن كتب إذا جاءك كتابي هذا فأنت طالق فما لم يجئ إليها الكتاب لا يقع كذا في فتاوى قاضي خان ---- وإذا كتب الطلاق واستثنى بلسانه أو طلق بلسانه واستثنى بالكتابة هل يصح لا رواية لهذه المسألة وينبغي أن يصح كذا في الظهيرية۔

وفی الشامية (۲۴۶/۳):ولو قال للكاتب اكتب طلاق امرأتي كان إقرارا بالطلاق وإن لم

---

[1] کیونکہ طلاقنامہ کتابتِ مرسومہ ہے اور غیر سے لکھوائے طلاق نامہ کا اقرار یا دستخط اس سے طلاق کے وقوع کیلئے مؤثر ہے۔ مسئلہ کی مزید تفصیل کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد میں فتوی "التوضيح فی بيان أنواع الكتابة والتوقيع" ملاحظہ ہو اس میں کتابتِ طلاق اور اس میں نیت کا دخل، تحریر مرسومہ اور غیر مرسومہ کی تعیین، غیر کے لکھے طلاق نامے کے اقرار یا اس پر دستخط کا حکم اور متعلقہ ابحاث پر شافی بحث موجود ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

يكتب ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه ۔۔۔ وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اھ ملخصا۔

(۱۸۵) غیر کے طلاق نامہ لکھنے سے طلاق واقع نہ ہوگی

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو تحریری طلاق نامہ میرے گھر والوں نے میری بیوی کے گھر والوں کو بھیجا ہے اس کے بارے میں مجھے علم نہیں تھا اور اس پر میرے دستخط نہیں ہیں اور ایک گواہ محمد رمضان کے علم میں بھی نہیں تھا۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کہ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ جو دستخط موجود ہیں وہ میں نے نہیں کئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کے گھر والوں کی طرف سے جو تحریری طلاق نامہ آپ کی بیوی کے گھر والوں کی طرف بھیجا گیا ہے، اگر واقعتاً آپ کو اس طلاق نامہ کا علم نہیں اور نہ اس پر آپ نے دستخط کئے ہیں تو پھر آپ کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور بیوی بدستور آپ کے نکاح میں ہے۔

لما في الشامية (۲۴۷/۳): وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اھ ملخصا۔

(۱۸۶) ہوا میں طلاق لکھنے سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے جھگڑا کرتا ہے پھر وہ اپنی بیوی سے کہتا ہے یہ لو اپنے ہاتھ سے فضاء (ہوا) میں طلاق لکھتا ہے آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بشرطِ صحتِ واقعہ طلاق واقع نہ ہوگی نیت کرے یا نہ کرے۔

لمافي الشامية (۲۴۶/۳): وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشيء لا يمكن فهمه وقراءته ففي غير المستبينة لا يقع الطلاق وإن نوى۔

(۱۸۷) تحریراً تین طلاقوں کے بعد ساتھ رہنا حرام ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بیوی نہایت بدزبان، بدتمیز اور نافرمان ہے۔ ایک دفعہ اس نے جب میری اور میرے والدین کی بہت زیادہ بے عزتی کی تو میں نے غصے میں آ کر وکیل کے ذریعے قانونی طور سے ایک

طلاق نامہ تیار کروایا، جس میں میں نے، وکیل نے اور دو گواہوں نے دستخط بھی کئے تھے اور جس میں صاف اور واضح طور سے درج تھا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دی اور آج سے میرا اور اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ طلاق نامہ چند ناگزیر حالات کی بنا پر اپنی بیوی کو نہ دے سکا اور پھاڑ کر پھینک دیا۔ آج تک بادل نخواستہ اور مجبوراً بیوی کے ساتھ رہ بھی رہا ہوں اور حقوق زوجیت بھی ادا کر رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر بتایئے کہ کیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور کیا میں گناہ کبیرہ کا مرتکب تو نہیں ہو رہا ہوں؟ اگر اس سلسلے میں کوئی کفارہ ادا کرنا چاہوں تو وہ کیا ہو سکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی کو تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اگر چہ آپ نے طلاق نامہ بیوی کو نہ دیا ہو لہٰذا آپ فوراً اس عورت سے علیحدہ ہو جائیں کیونکہ اب یہ عورت شرعاً آپ کی بیوی نہیں رہی۔ اس طلاق نامہ کے بعد اگر آپ نے بیوی سے حق زوجیت ادا کیا ہے تو یہ زنا ہوگا اور زنا کبیرہ گناہ ہے لہٰذا آپ بھی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کریں اور فوراً اس عورت سے علیحدگی اختیار کریں۔

لما في القرآن الكريم (الإسراء): وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيْلًا۔

وفي المشكوة (ص٣٠٩): وعن زيد بن خالد رضي الله عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يأمر فيمن زنى ولم يحصن جلد مائة وتغريب عام. رواه البخاري۔

وفي الشامية(٢٤٦/٣): الكتابة على نوعين مرسومة وغيرمرسومة ونعني بالمرسومة أن يكتب مصدراً ومعنونا ـــ وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أولم ينو۔

(۱۸۸) شوہر طلاق نامے کی تحریر کا انکار کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے طلاق نامہ لکھا۔ ابھی تک اس نے کسی کو بتایا تھا اور نہ کسی کو دکھایا تھا، خود ہی اس کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ کچھ دیر بعد اس کی بیوی آئی اور ان پھٹے ہوئے کاغذ کے ٹکڑوں کو چپکا کر دیکھا تو اس میں اس کے شوہر نے طلاق نامہ لکھا ہوا تھا۔ عورت نے شور مچایا کہ مجھے میرے شوہر نے طلاق دیدی۔ اس پر شوہر نے کہا کہ یہ طلاق نامہ میں نے نہیں لکھا۔ اب طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... صورتِ مسئولہ میں طلاق نامہ لکھتے ہی عورت پر طلاق واقع ہوگئی اور بعد میں شوہر نے طلاق نامہ لکھنے کا انکار کر دیا تو عورت کو چاہیئے کہ وہ اس پر گواہ پیش کرے کہ شوہر نے طلاق نامہ لکھا ہے اگر عورت کے پاس گواہ نہ ہوں تو طلاق کے وقوع کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ تحریری طلاق میں چونکہ بہت سے احتمالات ہیں لہٰذا جب تک شوہر کا اقرار یا بیوی کے پاس گواہ نہ ہوں طلاق کے کسی حکم کا اجراء نہ ہوگا۔

وفي خلاصة الفتاوى (٩١/٢): ولو جحد الزوج الكتاب وقامت عليه البينة أنه كتب بيده فرق

بینهما فی القضاء الکتابة علی نوعین مرسومة وغیر مرسومة ونعنی بالمرسومة أن یکون مصدراً معنوناً علی مثل ما یکتب الی الغائب ــ۔ المرسومة لا یخلو اما ان أرسل الطلاق بأن کتب أما بعد فأنت طالق فکما کتب هذا وقع الطلاق ویلزمها العدة من وقت الکتابة۔

وفی الشامیة (۲۵۱/۳): والمرأة کالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا یحل لها تمکینه والفتوی علی أنه لیس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب کما أنه لیس له قتلها إذا حرمت علیه وکلما هرب ردته بالسحر۔

(۱۸۹) طلاق نامے پر جبراً غلط دستخط کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی گزشتہ دو سال قبل مسماۃ آمنہ بنت عبدالسبحان خان سے ہوئی چونکہ یہ میری دوسری شادی تھی لہٰذا میرے پہلے سسرال والوں نے مجھے نہایت ہی تنگ کیا، ساتھ ہی میری دوسری بیوی کے گھر والوں کو نہایت پریشان کیا۔ ان لوگوں نے بالآخر تنگ آ کر مجھ سے طلاق کا مطالبہ کیا مگر میں فی الوقت طلاق نہ دینے پر بضدر ہا مگر دونوں فریقین مجھے تنگ کرتے رہے (میں اور میری بیوی آمنہ دونوں طلاق کے حق میں نہیں تھے اور نا ہی میری بیوی نے طلاق کا مطالبہ کیا) بالآخر ایک روز دونوں فریقین میں سے چند افراد آئے اور ایک کاغذ دیا کہ اس پر دستخط کرو اور منہ سے بھی طلاق دیدو۔ میں نے کہا کہ مجھے سوچنے کا موقع دیا جائے مگر وہ لوگ اس بات پر بضدر ہے کہ نہیں، اگر آپ منہ سے نہیں کہتے تو کم از کم اس طلاق نامہ پر نکاح نامہ والے دستخط کروں، میں نے بہت ناراضگی کا اظہار کیا اور کاغذ لے کر بلا دستخط کئے ایسے ہی ہاتھ پھیر کر دے دیا تا کہ دستخط والی جگہ خراب ہو جائے اور وہ لوگ اسے دستخط سمجھیں۔ واضح رہے کہ نہ ہی میری نیت طلاق دینے کی تھی اور نا ہی لفظ طلاق زبان سے ادا کیا بلکہ میں نے محض رش ختم کرنے کیلئے کاغذ میں غلط دستخط کر کے کہا کہ اس سے جو اُکھاڑ سکتے ہو اُکھاڑ لو۔

اب بعض افراد کہتے ہیں کہ طلاق ہو چکی ہے جس کی وجہ سے میں نہایت پریشان ہوں اور میرے دوسری بیوی کے سسرال والے بھی تذبذب کا شکار ہیں لہٰذا مہربانی فرما کر قرآن، حدیث اور فقہ کی روشنی میں معقول جواب عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر کوئی شخص کسی تحریر پر یہ علم ہوتے ہوئے کہ اس میں اس کی بیوی کو طلاق لکھی ہے دستخط کردے تو یہ اس تحریر کا اقرار ہے اور اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے پھر چاہے نیت ہو یا نہ ہو نیز آپ کو بھی اس تحریر میں طلاق کا علم تھا لہٰذا آپ کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی ہے۔

لمافی الهندیة (۳۷۹/۱): رجل استکتب من رجل آخر إلی امرأته کتابا بطلاقها وقرأه علی الزوج فأخذه وطواه وختم وکتب في عنوانه وبعث به إلی امرأته فأتاها الکتاب وأقر الزوج أنه کتابه فإن الطلاق یقع علیها وکذلك لو قال لذلك الرجل ابعث بهذا الکتاب إلیها أو قال له اکتب

نسخة وابعث بها إليها وإن لم تقم عليه البينة ولم يقر أنه كتابه لكنه وصف الأمر على وجهه فإنه لا يلزمه الطلاق في القضاء ولا فيما بينه وبين الله تعالى وكذلك كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابه كذا في المحيط والله أعلم بالصواب۔

وفي الشامية (۲۴۶/۳): ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه أو قال للرجل ابعث به إليها أو قال له اكتب نسخة وابعث بها إليها وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اهـ ملخصا۔

(۱۹۰) دھوکہ سے طلاق نامے پر دستخط کرانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایک ان پڑھ شخص ہوں مجھ کو سوائے اردو کے اور کچھ نہیں آتا۔ میرے ساتھ میرے سالوں نے یہ حرکت کی کہ کورٹ سے ایک کاغذ بنوا کر لائے اور مجھ سے کہا کہ تم نے ابھی تک ہماری بہن کا مہر ادا نہیں کیا اس لئے تم اس کاغذ پر دستخط کرو کہ تم ایک مہینے کے اندر اندر "۲۵۰۰۰" پچیس ہزار مہر کے ادا کرو گے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے، دستخط کر دیئے اور انہوں نے کہا جب تم مہر ادا کرو گے تو تم اپنی بیوی کو لے جانا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ اتفاق سے بارشوں کی وجہ سے میرا سبزی کا کام صحیح نہیں چل سکا اور میں پیسے لے کر ڈیڑھ ماہ بعد گیا۔ جب میں گیا تو وہ کہنے لگے کہ تم تو پیسے دیر سے لے کر آئے ہو اور ان کاغذات میں لکھا ہے کہ اگر تم پیسے دیر سے لائے تو تمہاری بیوی کو تین طلاق اور تم نے دستخط بھی کئے تھے۔ میں بڑا پریشان ہوا کیونکہ میں کورٹ وغیرہ میں جانے سے کتراتا ہوں لہٰذا میں آپ حضرات کے پاس آیا ہوں۔ مجھ کو بتایئے کہ شریعت کی نظر میں میری بیوی حلال ہے یا مجھ پر حرام ہوگئی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......طلاق نامہ سے طلاق کے وقوع کیلئے شرط یہ ہے کہ شوہر اس کو پڑھ لے یا جان لے کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور پھر دستخط بھی کرے اور اس کا اقرار بھی کرے کہ یہ میں نے لکھوایا ہے اور اگر طلاق نامہ کو نہیں جانا اور اس پر دستخط کر دیئے تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ طلاق واقع ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ اس بات کا علم ہو کہ یہ طلاق نامہ ہے جس پر میں دستخط کر رہا ہوں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ آپ کے سالوں نے آپ کے علم میں لائے بغیر کاغذ پر دستخط کرائے اس لئے اس کاغذ پر صرف دستخط کر دینے سے (جبکہ آپ کو اس میں طلاق کے مشروط ہونے کا علم ہی نہیں تھا) آپ کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی اور وہ بدستور آپ کے نکاح میں ہے۔

لما في الشامية (۲۴۶/۳): ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج۔ الخ۔

(۱۹۱) شوہر کے انتقال کے بعد تیسری طلاق کی تحریر موصول ہونا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص ظفر احسن ولد فخر الدین اپنے پیچھے تین بیٹیاں اور ایک بیٹا چھوڑ جاتا ہے، جبکہ اس شخص نے اپنی بیوی زیبی ظفر کو شادی کے سات سال بعد ۱۹۸۷ء میں ایک طلاق دی اور رجوع کرلیا اس ایک طلاق کے دو ماہ بعد دوسری طلاق دی اور رجوع کرلیا تقریباً ۱۹ سال بعد ۱۳ جولائی ۲۰۰۶ء کو مرحوم کی بیوی زیبی ظفر کو انگریزی زبان میں کمپیوٹر سے ٹائپ کیا ہوا طلاق نامہ موصول ہوا، ظفر احسن پاکستان نیوی میں ملازم تھے، ان کے دفتر والوں کا کہنا ہے کہ اس طلاق نامہ پر جو دستخط موجود ہے وہ ظفر احسن کے دستخطوں سے مختلف ہیں نیز یہ کہ اس طلاق نامہ پر گواہوں کے دستخط بھی موجود نہیں، دفتری واجبات اور پینشن کی ادائیگی کا فیصلہ اس فتویٰ کی روشنی میں کیا جائے گا کہ آیا مرحوم کی بیوی اس کی مطلقہ ہے یا بیوہ؟ قرآن وسنت کی روشنی میں فتویٰ عنایت فرماکر ثواب دارین حاصل کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں چونکہ ظفر احسن صاحب کا انتقال ہوچکا ہے اور ان کی جانب سے ان کی بیوی کو موصول ہونے والے خط جس میں تیسری طلاق کا ذکر ہے اس پر کسی شرعی شہادت کا بھی ذکر نہیں ہے کہ یہ خط ان ہی کی جانب سے تھا لہٰذا اگر مرحوم کی بیوی کو حالات وقرائن کی بنا پر یا کسی دوسرے معتمد شخص کی اطلاع سے اس بات کا ظن غالب ہوجاتا ہے کہ واقعی یہ خط ان کے شوہر کی ہی جانب سے ہے تو مرحوم کی بیوی کو خط لکھے جانے کے وقت سے تیسری طلاق بھی ہوجائے گی اور وہ مرحوم کی مطلقہ معتدہ شمار ہوں گی نیز اس صورت میں اگر ان کے شوہر کی جانب سے طلاق، حالتِ مرضِ وفات میں دی گئی تھی تو مرحوم کی بیوی پر عدتِ طلاق (ماہواری کی صورت میں تین حیض ورنہ تین ماہ) اور عدتِ وفات (چار ماہ دس دن) میں سے جو لمبی عدت ہوگی وہ گذارنا لازم ہے اور وہ مرحوم کی وارث بھی شمار ہوں گی اور اگر مرحوم نے انہیں طلاق حالتِ صحت میں دی تھی تو چونکہ یہ تیسری طلاق تھی اس لئے اب ان پر صرف عدتِ طلاق ہی واجب ہوگی اور وہ مرحوم کے ورثاء میں شامل نہ ہوں گی لیکن اگر مرحوم کی بیوی کو اس خط کے بارے میں کہ "یہ ان کے شوہر کی جانب سے ہے" ظنِ غالب نہیں ہوتا تو ان پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور مرحوم کے انتقال کے بعد اب وہ ان کی بیوہ معتدہ سمجھی جائیں گی اور اس صورت میں ان پر چار ماہ دس دن عدت گذارنا لازم ہے اور وہ مرحوم کی وارث بھی شمار ہوں گی۔

لما فی البحر الرائق(۴/۱۴۵): وفي الجوهرة ولو أن امرأة أخبرها ثقة أن زوجها الغائب مات أو طلقها ثلاثا أو أتاها كتاب من زوجها على يد ثقة بالطلاق ولا تدري أنه كتابه أم لا إلا أن أكبر رأيها أنه حق فلا بأس أن تعتد وتتزوج۔

وفی الشامية (۳/۲۴۷): وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اھ ملخصاً۔

وفى الدر المختار(٥١٣/٣): (وفي) حق (امرأة الفار من) الطلاق (البائن) إن مات وهي في العدة (أبعد الأجلين من عدة الوفاة وعدة الطلاق) احتياطا بأن تتربص أربعة أشهر وعشرا من وقت الموت فيها ثلاث حيض من وقت الطلاق شمني وفيه قصور لأنها لو لم تر فيها حيضا تعتد بعدها بثلاث حيض حتى لو امتد طهرها تبقى عدتها حتى تبلغ سن الإياس فتح (و) قيد البائن لأن (لمطلقة الرجعي ما للموت) إجماعا۔

وفي الرد تحته: قوله (وقيد بالبائن الخ) حاصل المسألة أن الزوج إذا طلق زوجته طلاقا رجعيا في صحته أو مرضه ودخلت في عدة الطلاق ثم مات والعدة باقية تنتقل عدتها إلى عدة الموت إجماعا لأنها حينئذ زوجته وترث منه أما إذا كانت منقضية لم تكن زوجته فلا يجب عليها بموته شيء ولا ترثه وكذا لو طلقها بائنا في صحته ثم مات في عدتها كما مر ثم لا يخفى أن امرأة الفار هي التي طلقها بائنا في مرضه ومات في عدتها فلو كان رجعيا لم تكن كذلك۔ الخ۔

(۱۹۲) کاتب طلاق اور گواہ ہندو ہوں تو طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق دے کر طلاق نامہ لکھوادیا لیکن کاتب اور گواہ ہندو ہیں اور وہ شخص کہتا ہے کہ برادری والوں نے مجھے بھکا کر طلاق لکھوائی ہے، میرا ارادہ طلاق دینے کا نہیں تھا۔ اس صورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور نے طلاق کے الفاظ کہہ کر طلاق نامہ لکھوایا ہے یا طلاق نامہ لکھ کر اس کو پڑھوایا اور اس نے سن کر تصدیق کی ہے کہ یہ میرے حکم سے لکھا گیا ہے، اب انکار کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے بہکا کر طلاق لی گئی ہے، میرا ارادہ طلاق کا نہیں تھا تو اس صورت میں اس کے انکار کا اعتبار ہے اور نہ بہکنے کا، عورت مطلقہ ہوچکی ہے، نیز طلاق نامے کے کاتب یا گواہوں کے ہندو ہونے سے مسئلے پر کوئی فرق نہ پڑے گا۔

لمافى الهندية (٣٧٩/١) كتاب الطلاق، الفصل السادس فى الطلاق بالكتابة: رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه وطواه وختم وكتب في عنوانه وبعث به إلى امرأته فأتاها الكتاب وأقر الزوج أنه كتابه فإن الطلاق يقع عليها۔

وفى الشامية (٢٤٦/٣) كتاب الطلاق، مطلب فى الطلاق بالكتابة: ولو كتب على وجه الرسالة الخ قوله (مطلقا) المراد به في الموضعين نوى أو لم ينو۔

وفيه أيضاً(٢٣٨/٣): (أو هازلا) أي فيقع قضاء وديانة كما يذكره الشارح وبه صرح في الخلاصة

معللا بأنه مكابر باللفظ فيستحق التغليظ وكذا في البزازية۔

(۱۹۳)تحریری طلاق نامہ لکھتے وقت زبانی ان شاء اللہ کہنے کا حکم

سوال...... مفتی صاحب! ہم نے سنا ہے کہ اگر ایک آدمی تحریراً طلاق نامہ لکھتے وقت زبان سے ان شاء اللہ کہہ دے تو یہ طلاق نامہ لغو ہوجاتا ہے۔ یہ کیا ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تو تمام تحریری طلاق نامہ اس ان شاء اللہ سے لغو ہوسکتے ہیں نیز زبانی طلاق پر تعلیق میں بھی ان شاء اللہ کہنے سے اگر وہ تعلیق لغو ہوجاتی ہے تو اگر کسی سے زبانی طلاق پر تعلیق کرائی جائے اور وہ ساتھ ہی آہستہ سے ان شاء اللہ کہہ دے تو یہ تو سب ختم ہوجائے گا۔ ازراہِ کرم ان شاء اللہ سے متعلق تمام تفصیلات تحریر کردیں اور یہ جو الغاء تحریرات لازم آرہا ہے اس پر بھی غور کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں کوئی شخص اگر طلاق کے الفاظ کہنے کے ساتھ یا تحریر کرنے کے ساتھ متصلاً ان شاء اللہ کہتا ہے تو اس سے الفاظ طلاق لغو ہوجاتے ہیں، یہ حکم دیانۃً ہے یعنی اگر بیوی اس کی بات کی تصدیق کرتی ہے اور کوئی مزاحمت نہ کرے تو طلاق کے عدمِ وقوع کا حکم ہے لیکن قضاءً عدالت میں شوہر کو اپنی بات پر گواہ لانے ہوں گے ورنہ طلاق کا وقوع ہوجائے گا اسی طرح عام تعلیقات میں بھی اگر تعلیق کرانے والا عدالت چلا جاتا ہے تو طلاق کے وقوع کا حکم لگے گا۔

نیز ایسے مواقع پر جہاں شوہر "تجھے طلاق ہے" کہنے کے بعد آہستہ سے ان شاء اللہ کہنے کا مدعی ہو اور شوہر کا فسق وفجور واضح ہو وہاں بیوی کو بھی تصدیق نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ عموماً لوگ اس کو بطورِ حیلہ استعمال کرتے ہیں لہٰذا معاملہ عدالت میں جائے وہاں عدالت طلاق کے وقوع کا حکم لگائے گی کیونکہ آہستہ سے ان شاء اللہ کہنے پر اس کے پاس کوئی گواہ نہ ہوگا۔

لمافی الدرالمختار(۳/۳۷۰)باب التعليق: (ويقبل قوله إن ادعاه) وأنكرته(في ظاهر المروي) عن صاحب المذهب (وقيل لا) يقبل إلا ببينة (وعليه الاعتماد) والفتوى احتياطا لغلبة الفساد خانية وقيل إن عرف بالصلاح فالقول له۔

و فی الرد تحته:قلت الفساد وإن كان في الفريقين لكن أكثر العوام لا يعرفون أن الاستثناء مبطل لليمين وإنما يعلمه ذلك حيلة بعض من لا يخاف الله تعالى وأيضا فإن دعوى الزوج خلاف الظاهر فإنه بدعوى الاستثناء يدعي إبطال الموجب بعد الاعتراف به بخلاف ما مر من أن القول قوله في وجود الشرط كدخولها الدار مثلا۔

(۱۹۴)دو مرتبہ آزاد کرتا ہوں، طلاق دیتا ہوں لکھنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے آج سے آٹھ سال پہلے اپنی بیوی نزہت صدیقی

ولد خلیل صدیقی مرحوم کو تحریری خط میں اپنے وکیل کے ذریعے طلاق بھجوا دی تھی۔ ثالثی کونسل نے ہم دونوں کو سرٹیفکیٹ تنسیخ نکاح بھی دے دیا ہے۔ ساس نے کہا کہ تم نے ایک طلاق کیوں روکی ہوئی ہے میں نے کہا کہ عدت کے اندر اگر میں دیتا تو ہو جاتی لہٰذا اب کوئی فائدہ نہیں ایک طلاق یا دس طلاق دینے کا۔ جہیز کا سامان اٹھایا اور چلے گئے۔ میری بیٹی مریم شیخ نو سال کی ہوگئی ہے۔

کچھ عرصے قبل میری سابقہ ساس میرے گھر پر آئیں اور کہنے لگیں کہ مجھ سے غلطی ہوگئی تھی جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے مجھے معاف کر دو، میں نے کہا کہ میں نے طلاق نامے میں تحریری طور پر لکھا دیا ہے کہ میں نے معاف کیا۔ مفتی صاحب معلوم یہ کرنا ہے کہ مطلقہ سابقہ بیوی نزہت صدیقی سے رجوع کی کیا صورت کرنا پڑے گی؟ میری ایک بیٹی مریم شیخ مجھ کو کتنی عمر میں ملے گی؟ شریعت میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ آمین۔ طلاق نامہ اور ثالثی کونسل کے سرٹیفکیٹ کی کاپی منسلک کردی ہے۔

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں طلاق نامہ میں لکھی ہوئی صورت کے مطابق آپ کا اپنی بیوی کو دو مرتبہ یوں لکھنے سے کہ "میں آپ کو مسماۃ نزہت صدیقی بنت محمد خلیل صدیقی اپنے نکاح سے آزاد کرتا ہوں اور آج مورخہ 14/1/2001 کو بوقت رات آٹھ بجے طلاق دیتا ہوں"[1] سے آپ کی بیوی مطلقہ مغلظہ بن گئی ہے کیونکہ یہ طلاقنامہ تحریر مرسومہ ہے جس میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی نیز مذکورہ الفاظ دو بار لکھنے سے آپ نے اپنی اہلیہ کو چار طلاقیں دے دی ہیں لہٰذا ان میں سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور ایک طلاق لغو ہو جائے گی، دوبارہ اس کے ساتھ تعلق زوجیت قائم کرنے کیلئے شرعی حلالہ کرانا ضروری ہوگا، بغیر شرعی حلالہ کئے آپ کیلئے وہ عورت کسی صورت میں بھی حلال نہیں ہوسکتی۔

شریعت مطہرہ میں لڑکے کی پرورش کا حق سات سال تک ماں کو ہوتا ہے۔ جب لڑکے کی عمر سات سال ہو جائے تو پرورش کا حق باپ کو ملتا ہے۔ اب پرورش باپ کے ذمہ ہوگی اور لڑکی کی پرورش کا حق نو سال تک ماں کو ہوتا ہے پھر اس کے بعد باپ کے ذمہ پرورش کا حق ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بچی کی عمر واقعی نو سال ہوگئی ہے تو بچی کی پرورش کا حق آپ کو ہے۔ آپ بچی کو لے سکتے ہیں، ماں کو روکنے کا حق نہیں۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَانٍ.

وفيه أيضاً (البقرة:۲۳۰): فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ.

وفي صحيح البخاري (۸۰۱/۲): عن عائشة رضي الله عنها: أن رفاعة القرظي تزوج امرأة ثم طلقها، فتزوجت آخر، فأتت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت له أنه لا يأتيها، وأنه ليس معه

---

[1] یہ تحریر مکمل طلاقنامہ کی صورت میں سوال کے ساتھ لف تھی اس کے مقصودی الفاظ یہاں درج کر دیئے گئے ہیں، یہ الفاظ "میں آپ کو مسماۃ نزہت صدیقی۔ الخ" تحریر میں دو مرتبہ تھے۔ از مرتب

إلا مثل هدبة. فقال: "لا. حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك"

وفي الدر المختار(٣/٥٦٦):(والحاضنة) أما أو غيرها (أحق به) أي بالغلام حتى يستغني. عن النساء وقدر بسبع وبه يفتي لأنه الغالب ولو اختلفا في سنه فإن أكل وشرب ولبس واستنجى وحده دفع إليه ولو جبرا وإلا لا (والأم والجدة) لأم أو لأب (أحق بها) بالصغيرة (حتى تحيض) أي تبلغ في ظاهر الرواية ـ ـ ـ (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقدر بتسع وبه يفتي ـ ـ ـ (وعن محمد أن الحكم في الأم والجدة كذلك) وبه يفتي لكثرة الفساد۔

وفيه أيضاً(٣/٤٠٩):(وينكح) مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع۔

وفي الشامية (٣/٢٩٩): بخلاف فارسية قوله سرحتك وهو رهاء كردم لأنه صار صريحا في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري اهـ ـ ـ ثم فرق بينه وبين سرحتك فإن سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فإذا قال رها كردم أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا وما ذاك إلا لأنه غلب في عزف الناس استعماله في الطلاق وقد مر أن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت۔

وفيه أيضاً(٣/٢٤٦): وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو ثم المرسومة لا تخلو اما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة۔

(۱۹۵) طلاق نامے پر صرف دستخط کرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بیٹی نورین گل کی شادی اپنی بڑی خالہ کے گھران کے بیٹے فیصل رضا سے اسی سال ۱۸/اپریل ۲۰۰۸ء کو ہوئی۔ میرے بڑے بہنوئی (نورین کے سسر) کچھ عرصہ سے بیمار تھے۔ سب ہی عزیز ان کیلئے صحت کی دعا کر رہے تھے۔ ۱۵/مئی ۲۰۰۸ء بچی کی شادی کے پہلے ماہ کو مکمل ہونے سے چند دن قبل ہی میری بہن (نورین کی ساس) نے مجھے بلا کر کہا کہ نورین اپنے شوہر سے کوئی بات چیت نہیں کرتی۔ جس پر میری موجودگی میں نورین نے اپنی ساس کو کہا کہ آپ خود دیکھتی ہیں کہ وہ میری کسی بات کا جواب نہیں دیتے۔ میں قریب بیٹھنا چاہوں تو اتنی دور ہٹ جاتے ہیں جیسے مجھے کوئی موذی مرض ہے (خدانخواستہ)۔ اس گفتگو کے بعد میری بچی نے مجھے بتایا کہ اس ایک ماہ میں اس کے شوہر فیصل رضا نے اس کو چھوا تک نہیں ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود میری بہن نے مجھے کہا کہ اس (نورین فیصل) کو لے جاؤ۔ میں اپنی بچی کو گھر لے آئی۔ ۱۷/مئی ۲۰۰۸ء کو میرے بہنوئی (نورین کے سسر) کا انتقال ہو گیا۔

ہم سب گھر والوں کے ساتھ نورین بھی میت میں شریک ہوئی مگر یہ بچی کسی میت یا ایکسیڈنٹ اور خون وغیرہ کو دیکھ نہیں سکتی اور بے ہوش ہوجاتی ہے۔طبیعت خراب ہوجاتی ہے، پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔میت کے جانے کے بعد میری بیوہ بہن نے مجھ سے کہا کہ پہلے نورین کی تکلیف کا (غم کی حالت میں بے ہوش ہوجانے کا) علاج کروالو پھر اس کو بھیج دینا۔بہن عدت میں تھیں۔

درمیان میں کچھ لوگوں نے سمجھایا لیکن تمام کوششیں ناکام رہیں اور ۶/ جون ۲۰۰۸ء کونورین کا تمام جہیز کا سامان واپس کردیا گیا۔

ایسی صورت حال میں ایک وکیل کے مشورہ سے ہم نے طلاق کے کاغذات تیار کرکے لڑکے کو بھجوائے جس پر ۳۰/ جون ۲۰۰۸ء کولڑکے فیصل رضا نے دستخط کرکے واپس بھیجوادیئے۔اب یہ کہا جارہا ہے کہ زبان سے لفظ ادا کئے بغیر صرف دستخط کرنے سے طلاق نہیں ہوتی۔سوال یہ ہے کہ کیا زبان سے لفظ ادا کئے بغیر طلاق کے کاغذات پر دستخط کردینے سے طلاق واقع ہوگئی یا کوئی مفاہمت کی صورت باقی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......الفاظِ طلاق زبان سے ادا کئے بغیر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، چاہے وہ خود لکھ کردے یا طلاق کے کاغذات پر دستخط کرے پس صورت مسئولہ میں اگر طلاق نامہ پر وہ دستخط مذکورہ شخص فیصل رضا ہی نے اپنی مرضی سے کئے ہیں تو اس کی بیوی نورین گل پر طلاق واقع ہوگئی۔

لما فی الشامیة(۳/۲۴۷): ولو استکتب من آخر کتابا بطلاقها وقرأه علی الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إلیها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه کتابه۔

(۱۹۶) وکیل کے لکھے طلاق نامے پر لاعلمی میں دستخط کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے اپنی دوسری بیوی ثمینہ ولد محمد حبیب کو اپنی پہلی بیوی کے دباؤ میں آکر طلاق دی، میرا نام محمد نوشاد ولد حاجی محمد سرفراز ہے۔میں نے زبان سے نہیں بلکہ وکیل نے کاغذ پر لکھ کردیا تھا، وکیل نے بھی نہ تو پڑھایا کہ وہ کیا لکھ رہا ہے اور نہ ہی بتایا کہ اس نے کاغذ پر کیا لکھا ہے فقط کہا کہ اس تحریر پر دستخط کردو اور میں نے کردیا لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ میرا مسئلہ حل کردیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں، کیونکہ میں بہت پریشان ہوں۔میں اس کو طلاق دینے کے حق میں نہیں تھا اور نہ مجھے علم تھا کہ اس میں میری بیوی کو طلاق لکھی ہے، میری پہلی بیوی نے میرا جینا حرام کردیا تھا جس کی وجہ سے یہ سارا کام خراب ہوا، آپ کا بہت بہت شکریہ۔

الجواب بعون الملک الوھاب......برتقدیر صحت واقعہ جب شوہر نے تحریر نہیں لکھی اور نہ ہی لکھنے کا حکم دیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق بالکتابت میں اقرار ضروری ہے اور دستخط بھی اقرار کی ایک صورت ہے لیکن اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ دستخط کرنے والے کو تحریر میں طلاق موجود ہونے کا علم ہو۔

لما فی الشامیة (۳/۲۴۶،۲۴۷): وإن لم یقر أنه کتابه ولم تقم بینة لکنه وصف الأمر علی وجهه لا

تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اھ ملخصا۔

(۱۹۷) خلع نامہ میں اگر تین طلاق لکھی ہوں تو اس پر دستخط کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک مدرسہ میں مدرس ہوں۔ آپ سے ایک مسئلہ کی وضاحت معلوم کرنی ہے جو کہ آجکل بہت عام ہے، مسئلہ یہ ہے کہ آج کل لوگ طلاق نامہ اور خلع نامہ تیار کراتے ہیں لیکن موجودہ دور میں طلاق اور خلع کیلئے ایک ہی الفاظ لکھے ہوتے ہیں یعنی انگریزی میں جو الفاظ طلاق نامہ میں لکھے ہوتے ہیں وہی خلع نامہ میں بھی ہوتے ہیں اور اس میں بھی تین طلاق کا ذکر ہوتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو "ڈورس" دیتا ہوں یہ الفاظ ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آیا خلع اور طلاق کے درمیان فرق ہے یا نہیں کیونکہ خلع کے ذریعہ ہمارے نزدیک ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے جبکہ مذکورہ صورت میں تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ ناواقفیت کی بناء پر آ کر کسی نے خلع نامہ سمجھ کر دستخط کردیئے اور انگریزی میں جو کچھ لکھا ہو اس کو معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی اور رجوع کے سلسلہ میں کیا حکم ہوگا؟ کیا حلالے کے ساتھ ہوگا یا پھر صرف تجدید نکاح کی ضرورت ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... ہر وہ تحریر جس میں خود شوہر طلاق لکھے یا کسی کے ذریعے اپنی بیوی کو طلاق دینے کیلئے تحریر لکھوائے تو جتنی طلاقیں لکھوائے گا اتنی طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اس لئے کہ وقوع طلاق کا دارومدار شوہر پر ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں عدالت سے جو خلع نامہ لیا جاتا ہے اس میں بھی خلع کا دارومدار شوہر پر ہے، چنانچہ اگر شوہر اس بات کو جانتے ہوئے کہ اس خلع نامہ میں تین طلاقیں لکھی ہوئی ہیں اس پر دستخط کردے تو اس کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوجائیں گی اور بغیر حلالہ شرعیہ کے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوگی۔

البتہ اگر وہ خلع نامہ پر دستخط کرتا ہے لیکن اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ خلع نامہ میں تین طلاقیں لکھی ہوئی ہیں اور وہ خلع نامہ سمجھتے ہوئے اس پر دستخط کرتا ہے تو اس صورت میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی اس لئے کہ وقوع طلاق کا دارومدار شوہر کی نیت اور علم پر ہے نہ کہ عدالت کے خلع نامہ میں لکھی ہوئی تین طلاقوں پر اور اس صورت میں اپنی بیوی سے رجوع کرنے کیلئے صرف تجدید نکاح کافی ہوگا۔

لما في بدائع الصنائع (۱۲۶/۳): ومنها عدم الشك من الزوج في الطلاق وهو شرط الحكم بوقوع الطلاق حتى لو شك فيه لا يحكم بوقوعه حتى لا يجب عليه أن يعتزل امرأته لأن النكاح كان ثابتا بيقين ووقع الشك في زواله بالطلاق فلا يحكم بزواله بالشك كحياة المفقود إنها لما كانت ثابتة ووقع الشك في زوالها لا يحكم بزوالها بالشك حتى لا يورث ماله ولا يرث هو أيضا من أقاربه والأصل في نفي اتباع الشك قوله تعالى { ولا تقف ما ليس لك به علم } وقوله عليه

الصلاة والسلام لما سئل عن الرجل يخيل إليه أنه يجد الشيء في الصلاة لا ينصرف حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا اعتبر اليقين وألغى الشك ثم شك الزوج لا يخلو اما إن وقع في أصل التطليق أطلقها أم لا واما إن وقع في عدد الطلاق وقدره أنه طلقها واحدة أو اثنتين أو ثلاثا أو صفة الطلاق أنه طلقها رجعية أو بائنة فإن وقع في أصل الطلاق لا يحكم بوقوعه لما قلنا وإن وقع في القدر يحكم بالأقل لأنه متيقن به وفي الزيادة شك وإن وقع في وصفه يحكم بالرجعية لأنها أضعف الطلاقين فكانت متيقنا بها۔

وفی الشامیة (۲۴۶/۳): ولو قال للكاتب اكتب طلاق امرأتي كان إقرارا بالطلاق وإن لم يكتب ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه أو قال للرجل ابعث به إليها أو قال له اكتب نسخة وابعث بها إليها وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اھ ملخصا۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۹۴۱/۹): حكم الوكيل بالطلاق: قرر الحنفية أن الوكيل بالطلاق مقيد بالعمل برأي الموكل، فإذا تجاوزه لم ينفذ تصرفه إلا بإجازة الموكل. وللوكيل أن يطلق متى شاء مالم يقيده الموكل بزمن معين، وللموكل أن يعزل الوكيل متى شاء لكن الوكيل بالطلاق مجرد سفير ومعبر عن الموكل كالوكيل في الزواج، فلا يطالب بشيء من حقوق الطلاق، كدفع مؤخر المهر أو المتعة أو نفقة العدة، وإنما يطالب بها الزوج نفسه. الخ۔

(۱۹۸) خلع میں تین طلاقیں ہونا اور باپ کا طلاق کے خط کی اطلاع دینا

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خلع نامے پر آج کل تین طلاقیں لکھی ہوتی ہیں تو کیا اس پر دستخط تین طلاقیں واقع کردے گا کیونکہ دستخط کرنے والے کو پتہ نہیں ہوتا کہ انگریزی میں کیا لکھا ہے۔ مفتی صاحب باحوالہ جواب مرحمت فرمادیں کہ مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

۲) نیز مفتی صاحب ایک عورت کو اس کے ماں باپ اطلاع دیں کہ شوہر نے تین طلاقوں کا خط بھیجا ہے وہ عورت کچھ دن قبل جھگڑ کر بچے سمیت میکے آگئی تھی۔ اس عورت نے عدت گزاری اور اپنی زندگی گزارنے لگی اس نے طلاق نامہ خود نہ دیکھا نہ پڑھا۔ آٹھ سال بعد شوہر آتا ہے اور کہتا ہے چلو، بیوی کہتی ہے تم تو مجھے طلاق دے چکے ہو۔ وہ انکار کرتا ہے اور خط سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہے

والدین بھی مر چکے ہیں اور عورت کے دو بھائی ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ لڑکی واپس شوہر کے ساتھ ہی چلی جائے۔ اب اس عورت کیلئے کیا حکم ہے؟ اس مرد نے دھمکی بھی دی ہے کہ ورنہ میں اس بیٹے کو جسے آٹھ سال عورت نے کام کاج کر کے بڑا کیا ہے، وہ لے جائے گا اب آپ بتائیں صورت مسئولہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... خلع نامہ یا کسی بھی پیپر پر دستخط کرنے سے پہلے اسے مکمل پڑھ لینا یا کسی سے پڑھوا کر یہ علم حاصل کر لینا کہ اس پیپر میں کیا لکھا ہے پھر دستخط کرنا ہی اصل دستخط اور اس تحریر کا اقرار شمار ہوگا۔ اگر کسی شخص نے بغیر پڑھے یا خلع نامہ سمجھتے ہوئے تین طلاقوں کے کاغذ پر دستخط کر دیا تو اس سے تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی البتہ اگر خلع نامہ سمجھتے ہوئے دستخط کیے ہیں تو بطورِ خلع ایک طلاقِ بائن کا وقوع ہو جائے گا۔

دوسرے مسئلے میں عورت کو اگر اس کے والدین اطلاع دیں کہ تمہارے شوہر کی جانب سے طلاق نامہ آیا ہے تو بیوی کیلئے اسے خود دیکھنا ضروری ہے اگر اسے دیکھے بغیر والدین نے اسے پھاڑ دیا یا وہ غائب ہو گیا تو بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی صورتِ مسئولہ میں چونکہ بیوی نے خود طلاق نامہ نہیں دیکھا تھا بلکہ والدین کی بات پر اعتماد کر کے عدت وغیرہ گزار لی تھی لہٰذا اب جبکہ شوہر طلاق نامہ بھیجنے کا منکر ہے تو شوہر کی بات کو مانا جائے گا اور اس عورت کو چاہیئے کہ شوہر کے ساتھ اس کے گھر جانے پر راضی ہو جائے۔

لما في الدر المختار(۲۴۶/۳): فروع كتب الطلاق إن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوى وقيل مطلقا ولو على نحو الماء فلا مطلقا۔

وفي الشامية (۲۴۶/۳): ولو وصل إلى أبيها فمزقه ولم يدفعه إليها فإن كان متصرفا في جميع أمورها فوصل إليه في بلدها وقع وإن لم يكن كذلك فلا ما لم يصل إليها وإن أخبرها بوصوله إليه ودفعه إليها ممزقا إن أمكن فهمه وقراءته وقع وإلا فلا ، ط عن الهندية۔

(۱۹۹) دباؤ کی وجہ سے اپنے اختیار سے طلاق نامے پر دستخط کرنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اسد اللہ خان ولد سیف اللہ خان میرا نکاح مورخہ ۲۰۰۷/۵/۲۳ کو مہناز خان بنت صابر خان سے ہوا تھا، ہماری زندگی اچھی چل رہی تھی کہ اچانک ہمارے درمیان جھگڑا ہوا اور مہناز خان نے خلع کے پیپر بھیجے، میں نے بہت سمجھایا لیکن وہ نہیں مانی جو خلع کا پیپر ۵۰ روپے والے اسٹامپ پر مجھے بھیجا گیا، اس پر مہناز خان کے دستخط نہیں تھے، نہ ہی وہ اس وقت وہاں موجود تھی۔ مجھ پر دستخط کیلئے بہت زیادہ دباؤ ڈالا گیا اس میں میری بیگم کو تین طلاقوں کا ذکر تھا، اس وقت مہناز کا بھائی اور میرے بھائی موجود تھے جبکہ میں نے زبان سے طلاق کے الفاظ بھی ہرگز ادا نہیں کئے، مہناز نے وہ اسٹامپ پیپر دو ماہ اپنے پاس رکھا اور مجھ سے فون پر رابطہ رکھا جو کہ ابھی تک ہے مجھ سے اسٹامپ پیپر پر دباؤ ڈال کر دستخط لے گئے ہیں۔

آپ سے مودبانہ التماس ہے کہ شریعت محمدی کے طریقے سے بتائیں کہ یہ خلع ہو گیا ہے یا نہیں؟ تاکہ میں دوبارہ مہناز خان

سے رجوع کر کے اپنی زندگی سکون اور آرام سے بسر کر سکوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ پر جو دباؤ ڈالا گیا ہے اگر وہ قتل یا کسی عضو کے تلف کا تھا تو یہ جبر معتبر ہے اور اس صورت میں آپ کے دستخط سے طلاق واقع نہیں ہوئی لیکن اگر جبر اس نوعیت کا نہیں تھا اور آپ کو علم تھا کہ اس میں آپ کی بیوی کو تین طلاقیں تحریر ہیں تو پھر آپ کے دستخط سے تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں، اب حلالہ شرعیہ کے بغیر آپ رجوع نہیں کر سکتے۔

لما في القرآن الكريم (سورة البقرة: ۲۲۹): فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّلِمُونَ۔

وفي الدر المختار(۲۴۶/۳): فروع كتب الطلاق إن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوى وقيل مطلقا ولو على نحو الماء فلا مطلقا۔

وفي الرد تحته: مطلب في الطلاق بالكتابة قوله:(كتب الطلاق الخ) قال في الهندية الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ---- وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو ثم المرسومة لا تخلو اما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة وإن علق طلاقها بمجيء الكتاب بأن كتب إذا جاءك كتابي فأنت طالق فجاءها الكتاب فقرأته أو لم تقرأ يقع الطلاق كذا في الخلاصة ط۔

وفي الدر المختار (۴۱۰/۳) باب الرجعة: (وينكح) مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع ومنع غيره فيها لاشتباه النسب (لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذ كما سنحققه (بها) أي بالثلاث (لو حرة وثنتين لو أمة) ولو قبل الدخول وما في المشكلات باطل أو مؤول كما مر (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا) يجامع مثله وقدره شيخ الإسلام بعشر سنين۔

وفي الدر المختار (۱۲۸/۶)(كتاب الاكراه): وهو نوعان تام وهو الملجئ بتلف نفس أو عضو أو ضرب مبرح وإلا فناقص وهو غير الملجئ۔

وفي الشامية (۲۳۶/۳):وفي البحر أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا كذا في الخانية۔

(۲۰۰) ٹیلی فون پر طلاق واقع ہوتی ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں مسماۃ شہرینہ خاتون دختر عبدالرشید شریعت کے رو سے

مجھے صحیح فتویٰ دیں تاکہ میں گناہ کبیرہ سے بچ سکوں۔

میرے شوہر کے بقول اس نے مجھے ٹیلی فون پر طلاق دیدی ہے لیکن ٹیلی فون کی لائن کٹ جانے کی وجہ سے یہ بات میں خود نہیں سن سکی اور نہ ہی اس وقت اس کے پاس کوئی موجود تھا، وہ اکیلا ہی تھا۔ اس کے بعد اس نے خود اپنی تصدیق کے لئے فتویٰ نکلوایا تھا جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ طلاق ہوچکی ہے۔ فتویٰ پڑھنے کے بعد میں اپنے والدین کے گھر چلی آئی ہوں۔ اب میں اپنے والدین کے گھر پر رہتی ہوں۔ کچھ دنوں کے بعد میرے گھر والے بات کی تصدیق کرنے کیلئے اس کے گھر گئے تو خود اس وقت اپنے دو بڑے بھائی اور اپنے دوستوں اور میرے بھائی، والد اور ایک رشتے دار کی موجودگی میں اس نے اقرار کیا کہ میں نے تین طلاق دیدی ہیں۔

اب اس نے عدالت میں حق زوجیت کا مقدمہ دائر کیا ہے اور وہ شخص جج کے سامنے اس بات سے انکار کرتا ہے کہ اس نے طلاق دی ہے۔ آپ جناب سے گزارش ہے کہ شریعت کے قوانین کے مطابق فتویٰ جاری کریں تاکہ میں گناہ کبیرہ سے بچ سکوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً شوہر نے پہلے ٹیلیفون پر طلاق دی اور پھر تصدیقاً فتویٰ بھی لیا کہ طلاق ہوچکی ہے اور پھر مذکورہ افراد کی موجودگی میں یہ اقرار بھی کرلیا کہ میں نے تین طلاقیں دیدیں تو تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں اور دونوں میاں بیوی کے درمیان رشتۂ ازدواج ختم ہوچکا ہے اب ان کا ایک ساتھ رہنا ناجائز ہے لہٰذا اب شوہر کا انکار کرنا اور حق زوجیت کا مقدمہ دائر کرنا درست نہیں ہے۔

لما فی القرآن المجید (البقرة:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

وفی صحیح البخاری (۲/۷۹۱) من اجاز طلاق الثلاث: عن عائشة رضی الله عنها أن رجلا طلق امرأته ثلاثا. فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول"

وفی الهندیة (۱/۴۷۳): وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية۔

وفی الشامیة (۳/۲۳۳) کتاب الطلاق: وقد ثبت النقل عن أكثرهم صريحا بإيقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق إلا الضلال۔

(۲۰۱) ٹیلی فون پر نکاح اور طلاق کے وقوع میں فرق کی وجہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ فون پر طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟ جبکہ نکاح کے بارے میں تو ہم نے سنا ہے کہ فون پر نکاح نہیں ہوتا۔ اب آپ بتائیں کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟ دونوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......فون پر طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے البتہ فون پر نکاح کرنے سے نکاح نہیں ہوتا۔دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ صحت نکاح کی من جملہ شرائط میں سے ایک شرط اتحاد مجلس بھی ہے یعنی عاقدین کی مجلس ایک ہو اور فون پر نکاح کرنے کی صورت میں یہ شرط مفقود ہوتی ہے جس کی وجہ سے نکاح صحیح نہیں ہوتا لیکن طلاق دینے کیلئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ مرد لفظ طلاق کو اپنی زبان سے یا لکھ کر اپنی بیوی کی طرف منسوب کردے تو طلاق واقع ہوجائے گی چاہے اس کی بیوی وہاں موجود ہو یا نہ ہو۔

لمافی الهندية (۲۶۹/۱):ومنها أن يكون الإيجاب والقبول في مجلس واحد حتى لو اختلف المجلس بأن كانا حاضرين فأوجب أحدهما فقام الآخر عن المجلس قبل القبول أو اشتغل بعمل يوجب اختلاف المجلس لا ينعقد۔

وفيه أيضاً (۳۷۸/۱):ثم المرسومة لا تخلو اما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكلما كتب هذا يقع الطلاق۔

وفى الشامية كتاب النكاح (۱۴/۳): قوله (اتحاد المجلس) قال في البحر فلو اختلف المجلس لم ينعقد فلو أوجب أحدهما فقام الآخر أو اشتغل بعمل آخر بطل الإيجاب لأن شرط الارتباط اتحاد الزمان فجعل المجلس جامعا تيسيرا۔

(۲۰۲)بذریعہ ایس ایم ایس طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی کو "تجھے طلاق ہے" کا میسج تین بار سینڈ کرتا ہے تو کیا اس سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین؟ نیز اختیاری اور غیر اختیاری طور پر تین بار سینڈ ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق ہوگا یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث وفقہ حنفی کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب مذکورہ شخص نے اپنی بیوی کو "تجھے طلاق ہے" کا میسج تین دفعہ بھیج دیا تو اس سے اس کی بیوی پر تین طلاقیں پڑگئیں یہ میسج اگرچہ طلاق مرسومہ نہیں لیکن وہ شخص میسج بھیجنے کا اقرار کررہا ہے پھر چاہے اس نے یہ میسج اپنے اختیار سے کیا ہو یا غیر اختیاری طور پر، دونوں صورتوں میں طلاق پڑجاتی ہے۔

لمافی القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹):الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحُۢ بِإِحۡسَانٍ۔

وفى سنن الترمذى (۲۲۵/۱) باب ماجاء فى الجد والهزل فى الطلاق:عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النكاح والطلاق والرجعة"

وفى الشامية (۲۴۶/۳) مطلب فى الطلاق بالكتابة:قوله (طلقت بوصول الكتاب) أي إليها ولا يحتاج إلى النية في المستبين المرسوم ولا يصدق في القضاء أنه عنى تجربة الخط بحر ومفهومه أنه

يصدق ديانة في المرسوم رحمتي ۔۔۔ وفي التاترخانية كتب في قرطاس إذا أتاك كتابي هذا فأنت طالق ثم نسخه في آخر أو أمر غيره بنسخه ولم يمله عليه فأتاها الكتابان طلقت ثنتين قضاء إن إقر أنهما كتاباه أو برهنت وفي الديانة تقع واحدة بأيهما أتاها ويبطل الآخر۔

(۲۰۳) ایس ایم ایس کے ذریعے مذاق میں طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اپنی بیوی کو SMS کر رہا تھا ایک دن مذاق میں SMS کیا کہ تجھے تین طلاق تو کیا اس طرح ایس ایم ایس کرنے سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... مذاق میں تحریراً طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کا اپنی بیوی کو مذاق میں SMS کے ذریعے تین طلاقیں دینے سے، تین طلاقیں اس پر واقع ہوگئی ہیں اور مذکورہ عورت زید پر حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہوگئی ہے لہٰذا زید کا بغیر حلالہ شرعیہ کے مذکورہ عورت کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم رکھنا ناجائز اور حرام ہے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ.

وفی الهندية (۳۵۳/۱) فصل فيمن يقع الطلاق وفيمن لايقع طلاقه: وطلاق اللاعب والهازل به واقع۔

وفی الشامية (۲۴۶/۳) مطلب فی الطلاق بالكتابة: (قوله كتب الطلاق الخ) قال فی الهندية: الكتابة على نوعين: مرسومة وغير مرسومة۔ الخ۔

باب تعلیق الطلاق
(طلاق کو معلق کرنے کا بیان)

(۲۰۴) ”میری بیوی کو طلاق ہو، اگر گھر میں آٹے کے پیسے ہوں“ کہنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی کے کسی پر پیسے تھے۔ اس نے فون کیا کہ بھائی میرا قرض دے دو، میں بہت مجبور ہوں تو اس نے بولا کہ تمہارے پاس بہت پیسے ہیں، اس پر پہلے آدمی نے کہا ”میری بیوی کو طلاق ہو، اگر گھر میں آٹے کے پیسے ہوں“ پوچھنا یہ ہے کہ اس آدمی کے پاس ایک بوری آٹے کے پیسے تو نہیں تھے لیکن ایک بوری آٹے سے کم 10یا15 کلو آٹے کے پیسے تھے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرے اور پھر وہ شرط پائی جائے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی لہٰذا صورت مسئولہ میں برتقدیرِ صحتِ واقعہ آدمی کا یہ کہنا کہ ”میری بیوی کو طلاق ہو اگر گھر میں آٹے کے پیسے ہوں“ اور آدمی کے پاس تقریباً (بیان کے مطابق) ۱۰ سے ۱۵ کلو آٹا خریدنے کے پیسے موجود تھے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے اور عدت کے اندر رجوع کرسکتے ہیں اور عدت گزرنے کے بعد تجدید نکاح ضروری ہوگا نیز ایک بوری آٹے کی نیت کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

لما فی بدائع الصنائع (۷۰/۴): ثم نبين أعيان الشروط التي تعلق بها الطلاق والعتاق على التفصيل ومعنى كل واحد منهما حتى إذا وجد ذلك المعنى يوجد الشرط فيقع الطلاق والعتاق وإلا فلا۔

وفی الهندية (۴۲۰/۱): وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا۔۔۔(۴۷۰/۱): وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض كذا في الهداية۔

(۲۰۵) ”اگر فلاں کام کیا تو تم میری بیوی کے شوہر ہو“ کہنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ ”اگر میں نے فلاں کام کیا

توتم میری بیوی کے شوہر ہو" اس کے بعد وہ شخص اس کام کو کر لیتا ہے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے اس کی بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص کے یہ کہنے کہ ''اگر میں نے فلاں کام کیا توتم میری بیوی کے شوہر ہو" کے وقت طلاق کی نیت کی ہو تو اس کام کے کرنے کے بعد ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی اس صورت میں شوہر کے لئے بیوی کے ساتھ رہنا درست ہے البتہ ایسے لغویات سے بہر صورت پرہیز ضروری ہے۔

لمافي البحر الرائق(۳/۳۵) قوله (وتطلق بلست لي بامرأة أو لست لك بزوج ان نوى طلاقا) يعني وكان النكاح ظاهرا وهذا عند أبي حنيفة لأنها تصلح لإنشاء الطلاق كما تصلح لإنكاره فيتعين الأول بالنية وقالا لا تطلق وإن نوى لكذبه ودخل في كلامه ما أنت لي بامرأة وما أنا لك بزوج ولا نكاح بيني وبينك وقوله صدقت في جواب قولها لست لي بزوج كما في المحيط.

وفي الشامية (۳/۳۰۲): في الجوهرة ولو قال أنا بريء من نكاحك وقع الطلاق إذا نواه.

(۲۰۶) "اگر تو کہے تو میں تجھے طلاق دے دیتا ہوں" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیوی کو اس بات پر کہ میرے چھوٹے بچے نے صابن کھا لیا تھا اپنی بیوی سے کہا کہ اس بچے نے کیا کھایا ہے؟ مجھے بتاؤ ورنہ "من ترا الدیان" (بلوچی زبان کا لفظ) یعنی ''میں نے تمہیں چھوڑ دیا[1]''، لیکن میں نے طلاق نہیں دی اور نہ میری ایسی کوئی نیت تھی جبکہ میرے سسرال والے یہ کہہ رہے تھے کہ آپ نے طلاق دے دی، پھر بات گئی گزری ہوگئی اور ہم ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے اب اس واقعہ کے تقریباً (۱۳) سال بعد گزشتہ دنوں میری اپنی بیوی سے جھڑپ ہوگئی جس پر میں نے کہا کہ میں اس روز روز کی چلچک سے تنگ آ گیا ہوں اگر تو کہے تو میں تجھے طلاق دے دیتا ہوں، تجھے طلاق چاہیئے تو میں چھوڑ دیتا ہوں، جس پر میری زوجہ نے غصہ کرتے ہوئے کہا کہ ہاں "دے" جس پر میں نے خاموشی اختیار کر لی،

---

[1] ''میں نے تمہیں چھوڑ دیا'' یہ لفظ "سر حتك" کا ترجمہ ہے، "سر حتك" کا اردو ترجمہ ''میں تجھے چھوڑتا ہوں'' ہمارے عرف میں صرف طلاق کیلئے مستعمل ہے لہذا اس سے بغیر نیت کے طلاقِ رجعی واقع ہو جاتی ہے البتہ بلوچی زبان کے عرف میں اس کا ترجمہ صریح ہے یا نہیں، یہ واضح نہیں لہذا اس لفظ "من ترا الدیان" [یعنی ''میں نے تمہیں چھوڑ دیا''] سے قائل کی نیت نہ ہونے کی بنا پر طلاق کا حکم نہیں لگایا گیا۔

''میں نے تمہیں چھوڑ دیا'' اور بعض دیگر اہم کنائی الفاظ سے متعلق نجم الفتاوی کی اسی جلد میں فتوی نمبر (۷۹) [چھوڑنے، آزاد کرنے اور بعض دیگر کنائی الفاظ کا حکم] ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن

پھر ہمارے دونوں کے گھر والے جمع ہوئے، بات وغیرہ کی لیکن میرے سسرال والے کہہ رہے ہیں کہ تم نے طلاق دے دی ہے۔

واضح رہے کہ میرے الحمدللہ چار بچے بھی ہیں اور میرے سسرال والے کہہ رہے ہیں کہ تم اپنی زوجہ کا خرچہ دو اور آپ اب اس سے بات نہیں کرسکتے، وہ میرے گھر میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ میری بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور کیا میرے سسرال والوں کا کہنا اور مطالبات درست ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بر تقدیرِ صحتِ واقعہ آپ کا یہ کہنا کہ "اگر تو کہے تو میں تجھے طلاق دے دیتا ہوں" اس کے جواب میں بیوی کا یہ کہنا "ہاں دے" اور اس پر آپ نے خاموشی اختیار کرلی، اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی البتہ آئندہ ایسے الفاظ کہنے سے اجتناب کریں۔

لمافی المبسوط (۲۰۴/۶): قال: ولو قال لها إن شئت فأنت طالق فقالت نعم كان هذا باطلا لأن الشرط مشيئتها وقولها نعم ليس بمشيئة منها للطلاق فما لم يوجد الشرط بقولها شئت لا يقع عليها شيء وكذلك لو قالت قد قبلت لأن قبولها ليس بمشيئة للطلاق.

وفي الهندية (۴۰۴/۱): ولو قال إن شئت فأنت طالق فقالت نعم أو قبلت أو رضيت لا يقع۔

(۲۰۷) کیا طلاق کی قسم کی پختگی کیلئے گواہ ضروری ہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کلما کی قسم کھا کر بصورت تحریر یا تقریر یہ اقرار کرتا ہے کہ اگر میرا فلاں بنت فلاں کے علاوہ کسی بھی اور لڑکی سے نکاح ہوا یا میں نے خود نکاح کیا تو اس کو فوراً طلاق جبکہ زید اپنی تحریر پر دستخط بھی کردیتا ہے تو کیا زید کے اس اقرار کے (جو بصورت تحریر یا تقریر ہے) اثبات وپختگی کیلئے گواہ ضروری ہیں یا بس زید کے دستخط ہی کافی ہیں؟ اب زید کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اب اگر زید متعینہ لڑکی کے علاوہ جس لڑکی سے بھی نکاح کرے گا تو طلاق خود بخود واقع ہوجائے گی نیز قسم کی پختگی کیلئے گواہوں کی ضرورت نہیں۔

لمافي الدرالمختار (۳۵۲/۳): (وفيها) كلها (تنحل) أي تبطل (اليمين) ببطلان التعليق (إذا وجد الشرط مرة إلا في كلما فإنه ينحل بعد الثلاث) لاقتضائها عموم الأفعال كاقتضاء كل عموم الأسماء (فلا يقع إن نكحها بعد زوج آخر إلا إذا دخلت) كلما (على التزوج نحو كلما تزوجت فأنت كذا) لدخولها على سبب الملك وهو غير متناه۔

وفيه أيضاً(ص۷۰۲): (اليمين) لغة القوة وشرعا (عبارة عن عقد قوي به عزم الحالف على الفعل أو الترك)---- وركنها اللفظ المستعمل فيها۔

رسالة

التهنئة والتبریک

فی

أصول التعلیق

تعلیق طلاق کے اصول،

نیز تعلیق کی صورت میں جزاء دفعۃً واحدۃً واقع ہوتی ہے یا تنجیز کی طرح ترتیب وار؟

ثمرہ فرق کی مدلل وضاحت

(۲۰۸) تعلیق تنجیز کے حکم میں ہے یا دفعۃً واحدۃً وقوع ہوگا

سؤال

مفتی صاحب! ایک شخص بیوی کو کہتا ہے "اگر تو گھر سے نکلی تو مجھ پر حرام ہے حرام ہے حرام ہے" تو اس سے کتنی طلاقیں واقع ہوں گی تین طلاقیں بائن ہوں گی یا ایک؟ عدم الحاق بائن بالبائن کا تقاضہ ایک کا ہے، تعلیق چونکہ تنجیز کی فرع ہے لیکن عند وجود الشرط مجموعۂ جزاء کا وقوع تین بائن کا متقاضی ہے۔ تعلیق کے باب میں کون سا اصول راجح ہے؟ یعنی جزاء ترتیب وار آتی ہے یا مجموعۂ؟ ترتیب وار میں ایک اور مجموعۂ میں تین کا وقوع ہوگا؟ فقہاء نے کیا فرمایا ہے؟ تعلیقات کے کیا اصول ہیں؟ اگر جزاء مقدم ہو تو کیا حکم ہے؟ آپ فقط تعلیق کے مجموعۂ یا مثلِ تنجیز وقوع کا بیان فرمادیں۔ باقی الحاق بائن بالبائن کا مسئلہ مطلوب نہیں اس میں عدم الحاق واضح ہے۔[1]

الجواب بعون الملک الوھاب

(۱) تعلیق کے باب میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک شرط اور ایک جزاء، مثلاً ایک شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے "إن دخلت الدار فأنت طالق" (اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے) اس میں "إن دخلت الدار" شرط اور "فأنت طالق" یہ جزاء ہے اگر شرط یعنی دخولِ دار پایا گیا تو جزاء یعنی وقوع طلاق ہوجائے گا، گویا جزاء کا وقوع، شرط کے وجود پر معلق ہونے کی وجہ سے اسے تعلیق کہا جاتا ہے۔

(۲) شرط کے وجود کے وقت اگر جزاء متعدد ہوں تو وہ متعدد جزاء ترتیب وار واقع ہوتی ہیں یا دفعۃً واحدۃً؟ اس سلسلے میں تفصیل ہے اس تفصیل کو سمجھنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اولاً تعلیق میں جزاء کے دفعۃً واحدۃً یا تنجیزاً واقع ہونے کی تشریح، فرق اور ثمرہ پر کچھ وضاحتی کلام کرلیا جائے۔

تعلیق میں جزاء اگر متعدد ہوں مثلاً یوں کہے "إن دخلت الدار فأنت طالق وطالق وطالق" (اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے اور طلاق ہے اور طلاق ہے) یہاں دخولِ دار شرط ہے اور جزاء میں طلاق کے الفاظ تین بار مستعمل ہیں، گویا جزاء میں تعدد ہے۔ اب یہ متعدد جزاء دفعۃً واحدۃً واقع ہوں گی یا تنجیز کی طرح ترتیب وار واقع ہوں گی۔ (تنجیز کا مطلب ہے بغیر تعلیق کے

---

[1] بائن کے الحاق یا عدمِ الحاق سے متعلق محقق فتوی نجم الفتاوی کی اسی جلد میں "**ذکر القرائن لعدم الحاق البائن بالبائن**" کے نام سے ملاحظہ ہو۔ اس فتوی میں طلاق بائن کے مطلقاً عدمِ الحاق کی وجہ اور بہت سی مغلق ابحاث سے متعلق تفصیلی بحث موجود ہے۔ از مرتب فرحان حسن

صرف "انت طالق" وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جائیں) ان دونوں میں فرق کا ثمرہ مدخول بہا عورت میں تو واضح نہ ہوگا کیونکہ اسے تعلیق کی صورت میں دفعۃً واحدۃً وقوع ہو یا تنجیز کی طرح متفرقاً دونوں صورتوں میں تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں البتہ غیر مدخول بہا بیوی (جس سے اب تک ہمبستری نہ ہوئی ہو) اس میں اس کا ثمرہ ظاہر ہوگا کیونکہ غیر مدخول بہا بیوی ایک طلاق سے ہی بائن ہوجاتی ہے اور اس پر عدت بھی نہیں، تنجیزاً بھی اسے "أنت طالق و طالق وطالق" کہنے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے اور دو لغو ہوجاتی ہیں [البتہ یکبارگی ایک لفظ سے تین طلاقیں دینے سے غیر مدخول بہا تین سے مغلظہ ہوجاتی ہے] لہٰذا تعلیق اگر دفعۃً واحدۃً واقع ہوتی ہو تو غیر مدخول بہا بیوی کو "إن دخلت الدار فأنت طالق وطالق وطالق" کہنے کی صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی اور تنجیز کے حکم میں لی جائے تو غیر مدخول بہا کو صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور جیسے تنجیزاً اس طرح تین بار الفاظِ طلاق استعمال کرنے سے بقیہ دو لغو ہوجاتی ہیں تعلیق میں بھی لغو ہوجائیں گی، گویا دفعۃً واحدۃً وقوع کی صورت میں تمام طلاقیں یکبارگی اور تنجیز میں ترتیب وار واقع ہوں گی۔

الغرض یہ تعلیق کے دفعۃً واحدۃً یا تنجیز کے حکم میں ہونے کا مطلب تھا اب تعلیق ان میں سے کس حکم میں ہے؟ یہ تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

تعلیق دفعۃً واحدۃً واقع ہوتی ہے یا تنجیزاً، اختلاف کا بیان

(۳) اس سلسلے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمہما اللہ علیہما کا اختلاف ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر شرط مقدم ہو تو تعلیق تنجیز کے حکم میں ہے اور اگر شرط مؤخر ہو تو تعلیق دفعۃً واحدۃً واقع ہوتی ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر شرط مؤخر ہو تو وہ پچھلے پورے کلام کو متغیر کرتی ہے لہٰذا پورا کلام معلق بدفعۃ واحدۃ ہوگا اور اگر شرط مقدم ہو تو تعلیق تنجیز کے حکم میں ہوگی لہٰذا غیر مدخول بہا بیوی کو "إن دخلت الدار فأنت طالق وطالق وطالق" کہتا ہے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دخولِ دار کی صورت میں صرف ایک طلاق ہوگی البتہ اگر "إن دخلت الدار" شرط مؤخر ہو اور یوں کہے "أنت طالق و طالق وطالق إن دخلت الدار" تو دخولِ دار کی صورت میں غیر مدخول بہا بیوی تین طلاقوں سے مغلظ ہوجائے گی کیونکہ شرط مؤخر ہے تو وقوع دفعۃً واحدۃً ہوگا...... یہ اس سلسلہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تھا وہ تقدیم شرط اور تاخیر شرط کے اعتبار سے فرق فرماتے ہیں صاحبین رحمہما اللہ علیہما تعلیق کو مطلقاً دفعۃً واحدۃً کے حکم میں لیتے ہیں، چاہے شرط مقدم ہو یا مؤخر صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک جزاء کا وقوع بہر صورت دفعۃً واحدۃً ہوتا ہے لہٰذا غیر مدخول بہا بیوی کو مذکورہ کلمات کہنے کی وجہ سے دخول دار کی صورت میں تین طلاقیں دفعۃً واحدۃً واقع ہوں گی چاہے شرط مقدم کرکے کہے یا مؤخر کرکے...... اس باب میں صاحبین رحمہما اللہ علیہما کا قول راجح ہے بحر، فتح القدیر اور شامیہ وغیرہ میں اسے ہی لیا گیا ہے صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے قول سے متعلق شامیہ میں ہے "رجحه الكمال وأقره في البحر" (شامیہ ۳/۲۸۸) اور "القول الراجح" میں صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے قول کو راجح قرار دینے کے ساتھ یہ بھی ذکر ہے کہ یہی ائمہ ثلثہ اور ربیعہ، لیث بن سعد اور ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے لہٰذا تعلیق کے باب میں یہی مفتی بہ ہے کہ صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے قول کے مطابق تعلیق میں جزاء کے تعدد کے وقت جزاء کا وقوع دفعۃً واحدۃً ہوتا ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں عبارت یہ ہے:

قال الحصكفي في الدر المختار (باب طلاق غير المدخول بها)

"(و) يقع (بأنت طالق واحدة وواحدة إن دخلت الدار ثنتان لو دخلت) لتعلقهما بالشرط دفعة (و) تقع (واحدة إن قدم الشرط) لأن المعلق كالمنجز (و) يقع (في الموطوءة ثنتان) في كلها لوجود العدة"

وقال ابن عابدين رحمه الله في رد المحتار:

"(قوله ثنتان) أي إن اقتصر عليهما. وإن زاد فثلاث (قوله لتعلقهما بالشرط دفعة) لأن الشرط مغير للإيقاع. فإذا اتصل المغير توقف صدر الكلام عليه فيتعلق به كل من الطلقتين معا فيقعان عند وجود الشرط كذلك. بخلاف ما لو قدم الشرط فلا يتوقف لعدم المغير (قوله وتقع واحدة إن قدم الشرط) هذا عنده وعندهما ثنتان أيضا ورجحه الكمال وأقره في البحر. وقوله لأن المعلق كالمنجز: أي يصير عند وجود شرطه كالمنجز. ولو نجزه حقيقة لم تقع الثانية. بخلاف ما إذا أخر الشرط لوجود المغير زيلعي" (شامية ۳/۲۸۹)

یہاں تک تو ہم نے تعلیق کا اصول اور اس میں موجود اختلاف ثمرہ اختلاف اور قول راجح بیان کردیا۔ اب ہم آپ کے سوال میں ذکر کردہ تعلیق "اگر تو گھر سے نکلی تو مجھ پر حرام ہے حرام ہے حرام ہے" پر کلام کرتے ہیں۔

"اگر تو گھر سے نکلی تو مجھ پر حرام ہے حرام ہے حرام ہے" سے تعلیق کے حکم کا بیان

(۲) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے "اگر تو گھر سے نکلی تو مجھ پر حرام ہے حرام ہے حرام ہے" اس صورت میں گھر سے نکلنے کی صورت میں راجح قول کے مطابق دفعۃً واحدۃً وقوع کی وجہ سے اس عورت پر چاہے مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا تین طلاقیں بائنہ واقع ہوں گی اور وہ عورت مغلظہ حرام ہوجائے گی۔ حرام کے لفظ سے طلاق بائن بغیر نیت کے واقع ہوتی ہے اور مدخول بہا بیوی کو اگر کوئی شخص تنجیزاً "أنت حرام وحرام وحرام" کہے تو وہ ایک سے ہی بائن ہوجاتی ہے اور دو لغو ہوتی ہیں [کیونکہ بائن کا بائن سے تنجیز کی صورت میں الحاق نہیں ہوتا] لیکن تعلیق راجح (صاحبین رحمہما اللہ کے) قول کے مطابق چونکہ دفعۃً واحدۃً واقع ہوتی ہے لہٰذا بیوی پر تینوں طلاقیں دفعۃً واحدۃً یکبارگی واقع ہوں گی اور وہ عورت حرام مغلظہ ہوجائے گی البتہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ تقدیم شرط کی صورت میں تعلیق تنجیز کے حکم میں ہوتی ہے لہٰذا امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس صورت میں فقط ایک طلاق سے ہی وہ عورت بائن ہوگی بقیہ دو لغو ہوجائیں گی البتہ راجح قول صاحبین رحمہما اللہ کا ہے۔

اس صورت میں شرط اگر موخر ہوتی مثلاً یوں کہتا "تو مجھ پر حرام ہے حرام ہے حرام ہے اگر گھر سے نکلی" تو بالاتفاق تین کا وقوع

دفعۃً واحدۃً ہوتا صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تو تعلیق ہوتی ہی دفعۃً واحدۃً ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی شرط موخر ہونے کی صورت میں جزاء کا وقوع دفعۃً واحدۃً ہوتا ہے اسی لئے درمختار میں تاخیر شرط کی صورت میں اتفاقی جزئیہ ان الفاظ میں نقل ہے:

"قال ثلاث مرات حلال الله على حرام إن فعلت كذا ووجد الشرط وقع الثلاث"

(الدر المختار ۴۳۸/۳)

درمختار کے اس جزئیہ میں جزاء مقدم ہے شرط مؤخر ہے لہٰذا بالاتفاق تینوں کا وقوع دفعۃً واحدۃً ہوگا۔

مسئلہ ھذا علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے تسامح کا بیان

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ درمختار کے مذکورہ بالا جزئیہ کے تحت فرماتے ہیں:

"قوله (وقع الثلاث) لأن البائن يلحق البائن إذا كان معلقا لأنه حينئذ لا يصلح جعله خبرا عن الأول كما مر في بابه" (شاميه ۴۳۸/۳)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں تسامح ہوا ہے علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے جزیئے کو الحاقِ بائن کے باب سے لے لیا ہے جبکہ درمختار کے جزیئے کا الحاق یا عدمِ الحاق سے کوئی واسطہ نہیں اس کا تعلق تعلیق کے دفعۃً واحدۃً یا تنجیز کے حکم میں ہونے سے ہے اور اس کے چند شواہد یہ ہیں:

(۱) یہاں تینوں کا وقوع مطلقاً ہو رہا ہے کیونکہ شرط مؤخر ہے اگر شرط مقدم ہوتی تو بیوی، راجح قول کے مطابق تو حرام مغلظہ بالثلاث ہوتی لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق صرف ایک سے ہی بائن ہو جاتی، باقی دو لغو ہوتیں...... امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تعلیق کی صورت میں الحاق کیوں نہیں ہو رہا؟؟؟ لہٰذا تعلیق کو الحاق کی وجہ قرار دینا محلِ نظر ہے۔ یہاں الحاق کا مسئلہ ہی نہیں ورنہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی تقدیم کی صورت میں الحاق ہوتا جبکہ ایسا نہیں۔

(۲) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمانا کہ عام اوقات میں (یعنی تنجیزاً) تو بائن کا بائن سے الحاق نہیں ہوتا لیکن تعلیق میں ہو جاتا ہے اس لئے درمختار کے حرام والے جزیئے میں الحاق ہو رہا ہے اور تین طلاقیں واقع ہو رہی ہیں اولاً تو یہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تقدیم شرط کی صورت میں ایک طلاق واقع ہونے کی وجہ سے مخدوش ہے، بائن کا بائن سے تعلیق کی صورت میں جو الحاق ہوتا ہے وہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ درمختار میں الحاق کا مسئلہ کنایات کے باب میں ان الفاظ میں درج ہے:

"(لا) يلحق البائن (البائن) إذا أمكن جعله إخبارا عن الأول: كأنت بائن بائن، أو أبنتك بتطليقة فلا يقع لأنه إخبار فلا ضرورة في جعله إنشاء، بخلاف أبنتك بأخرى أو أنت طالق بائن، أو قال نويت البينونة الكبرى لتعذر حمله على الإخبار فيجعل إنشاء، ولذا وقع المعلق كما قال (إلا إذا كان) البائن (معلقا بشرط)" (الدر المختار ۳۰۸/۳)

فقہاء عموماً جب بائن کے بائن سے عدم الحاق کا ذکر کرتے ہیں تو اسی مقام پر تعلیق کا استثناء فرماتے ہیں کہ معلق بائن کا الحاق ہوجاتا ہے لیکن اس کی صورت خود عبارات میں مصرح ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کی طلاق کو معلق کرے اور یوں کہے "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاقِ بائن" اس بائن طلاق کو معلق کرنے کے بعد تنجیزاً ایک طلاق بائن دے دے اور وہ عورت عدت گزار رہی ہو کہ وجودِ شرط [یعنی گھر میں داخل ہونا] ہوجائے تو اب یہ معلق طلاق بھی واقع ہوجائے گی اور تنجیزاً دی گئی طلاق سے اس معلق بائن طلاق کا الحاق ہو جائے گا۔۔۔ بائن کے بائن سے عدم الحاق کی وجہ ہی اخبار بننا ہے یعنی دوسری بائن کو ہم اخبار بنا دیں گے پہلی بائن کی اور الحاق نہ ہوگا لیکن اس صورت میں الحاق اس لئے ہو رہا ہے کہ تعلیق پہلے کی گئی ہے اور جب تعلیق کی گئی تو اس سے قبل طلاق کا وقوع ہوا ہی نہ تھا، تنجیزاً طلاق تعلیق کے بعد دی گئی ہے اور وجودِ شرط کے وقت اگرچہ تنجیزاً طلاقِ بائن موجود ہے لیکن وجودِ شرط کے وقت طلاق کی نسبت تعلیق کے وقت کی طرف ہوتی ہے اور اس وقت کوئی بائن طلاق موجود نہ تھی لہٰذا یہ معلق طلاق اخبار نہیں بن سکتی لہذا یہ بعد از تعلیق منجز ادی گئی طلاقِ بائن سے ملحق ہوجائے گی۔ یہ صورت فتاویٰ ہندیہ میں نہایت واضح الفاظ میں تحریر ہے:

"ولا يلحق البائن البائن بأن قال لها أنت بائن ثم قال لها أنت بائن لا يقع إلا طلقة واحدة بائنة لأنه يمكن جعله خبرا عن الأول وهو صادق فيه فلا حاجة إلى جعله إنشاء لأنه اقتضاء ضروري حتى لو قال عنيت به البينونة الغليظة ينبغي أن يعتبر وتثبت به الحرمة الغليظة إلا إذا كان البائن معلقا بأن قال إن دخلت الدار فأنت بائن ثم قال أنت بائن ثم دخلت الدار وهي في العدة تطلق كذا في العيني" (الهندية ۱/۳۷۷)

الغرض معلق طلاق بائن کا بائن سے الحاق، تعلیق کے بعد تنجیزاً دی گئی بائن طلاق سے ہوتا ہے اور ہماری زیر بحث صورت میں ایک ہی جملے میں تین طلاقوں کو معلق کیا گیا ہے یہاں تعلیق تنجیز کے بعد نہیں کہ اخبار نہ بن سکے۔ یہاں تعلیق اگر تنجیز کے حکم میں ہوگی تو الحاق ہوگا (جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بوقتِ تقدیم شرط) اور اگر دفعةً واحدةً کے حکم میں ہو تو کل کا وقوع یکدم ہوگا، یہ کل کا وقوع بوجہ الحاق نہیں یا یہاں یہ کہنا کہ تعلیق کی وجہ سے الحاق ہو رہا ہے محل نظر ہے بلکہ یہاں تین کا وقوع تعلیق کے دفعةً واحدةً واقع ہونے کی وجہ سے ہے...... لہٰذا تعلیق میں الحاقِ بائن بالبائن الگ مسئلہ ہے وہاں تعلیق کے بعد تنجیز سے الحاق ہوتا ہے...... یہاں ایک ہی جملے میں متعدد طلاق کی تعلیق ہے...... امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تقدیم شرط کی صورت میں ایک کا وقوع اس کا اباء کرتا ہے کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تقدیم شرط کی صورت میں اسے تنجیز کے حکم میں مانتے ہیں لہٰذا الحاق نہ ہوگا بلکہ بقیہ دو کو لغو قرار دیا جائے گا اور اخبار پر محمول کرلیا جائے گا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ایک اور محمل اور اس پر استدراک

یہاں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال سے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیق کے بعد تنجیزاً دی گئی طلاق سے وجودِ شرط کے وقت معلق طلاق کا جو الحاق ہوتا ہے اس پر ایک جملے میں معلق طلاق کو قیاس کرلیا ہے اور اس قاعدے کو عام

کردیا اور تعلیق کو مطلقاً وجہِ الحاق قرار دیا ہے لیکن اس کا جواب واضح ہے اولاً تو "باب طلاق غیر المدخول بہا" کے حوالے سے علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی عبارت گزر چکی ہے وہاں علامہ نے مسئلہ ہذا میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف ذکر کیا اور خود امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تقدیم شرط کی صورت میں عدمِ الحاق کا قرار دیا ہے کیونکہ تقدیمِ شرط کی صورت میں یہ تنجیز کے حکم میں ہوگی لہٰذا علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں خود تعارض ہے ثانیاً علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تعلیق میں الحاق کی جو وجہ بتائی ہے وہ یہ ہے:

"لأن البائن يلحق البائن إذا كان معلقا لأنه حينئذ لا يصلح جعله خبرا عن الأول كما مر في بابه"

(الشامیہ ۴۳۸/۳)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے الحاق کی وجہ عدم صلاحیت اخبار کو قرار دیا ہے راقم عرض کرتا ہے کہ یہ وجہ مقیس علیہ یعنی تعلیق کے بعد تنجیز ادی گئی طلاق سے معلق طلاق کے الحاق میں تو پائی جاتی ہے لیکن مقیس ایک ہی جملے میں معلق تین طلاقوں میں نہیں پائی جاتی۔ مقیس علیہ میں اس طرح پائی جاتی ہے کہ معلق طلاق کے بعد جب تنجیزاً طلاق دی اور اس کے بعد معلق کی وجودِ شرط ہوئی تو وجودِ شرط کے وقت اس کا استناد وقتِ تعلیق پر ہوگا اور بوقتِ تعلیق کوئی طلاق پہلے سے نہ تھی، منجز اً طلاق تعلیق کے بعد دی ہے لہٰذا یہ معلق طلاق اپنے سے بعد والی منجز کی اخبار نہیں بن سکتی اخبار کیلئے پہلے سے وقوع بداھۃً ضروری ہے لہٰذا اس معلق کو انشاء پر محمول کر کے الحاق کیا جائے گا لیکن یہاں مقیس ایک ہی جملے میں تین کو معلق کرنے میں ایسا نہیں یہاں اخبار بنانا ممکن ہے بلکہ تقدیم شرط کی صورت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تعلیق کو تنجیز کے حکم میں لے کر اخبار بناتے ہیں اور صرف ایک کے وقوع کے قائل ہیں...... الغرض زیر بحث مسئلہ تعلیق کو دفعۃً واحدۃً یا تنجیز کے حکم میں لینے سے متعلق ہے، تعلیق میں الحاق یا عدم الحاق کے مسئلے کو یہاں لانا خلطِ مبحث کے سوا کچھ بھی نہیں۔[1]

علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ کا علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ پر رد

(۳) علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مقام پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ پر استدراک فرمایا ہے۔ علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یہ ہے:

"(قوله: لان البائن يلحق البائن اذا كان معلقا) ليست هذه المسئلة من باب لحوق البائن البائن بل يقع الكل دفعةً واحدةً لأنه من باب التعليق مع تقديم الجزاء و تاخير الشرط. تامل"

(التحرير المختار على رد المحتار ۲۴۴/۳)

"(علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول: لان البائن يلحق البائن اذا كان معلقا) یہ مسئلہ بائن کے بائن سے الحاق کے

[1] تعلیق میں الحاق یا مطلقاً طلاق میں الحاق اور اس کی صورتیں یہ مستقل عنوان ہے، اس پر تفصیلی کلام کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد میں فتوی "ذکر القرائن لعدم الحاق البائن بالبائن" ملاحظہ ہو۔ از مرتب

باب سے نہیں بلکہ یہاں کل کا وقوع دفعۃً واحدۃً ہو رہا ہے کیونکہ یہ تعلیق کے باب سے ہے اور یہاں جزاء مقدم اور شرط مؤخر ہے اس پر غور کرو۔"

علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمادی کہ درمختار کے جزیئے میں شرط مؤخر ہونے کی وجہ سے تین طلاقوں کا بالاتفاق وقوع ہو رہا ہے اور یہ دفعۃً واحدۃً ہے ورنہ اگر شرط مقدم ہوتی تو باوجود یہ کہ تعلیق ہے لیکن تین کا وقوع نہ ہوتا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک اور صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک تین طلاقیں واقع ہوتیں اور یہ اختلاف تعلیق میں الحاق کے اطلاق کے محل نظر ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

خلاصہ کلام

الغرض تعلیق کا اصول یہ ہے کہ راجح قول (صاحبین رحمہما اللہ علیہما) کے مطابق جزاء کے تعدد کے وقت (شرط مقدم ہو یا مؤخر) جزاء کا وقوع دفعۃً واحدۃً ہوتا ہے اور عورت پر جزاء میں ذکر تینوں طلاقیں دفعۃً واحدۃً واقع ہوں گی، چاہے تنجیز کی صورت میں ترتیب وار وہ عورت ان طلاقوں کی متحمل نہ ہو بلکہ ایک کے بعد دو لغو ہو جاتی ہوں لیکن تعلیق میں دفعۃً واحدۃً سب کا وقوع ہوگا۔

لہٰذا سوال میں ذکر کردہ الفاظ "اگر تو گھر سے نکلی تو مجھ پر حرام ہے حرام ہے حرام ہے" میں دخول دار کی صورت میں [صاحبین کے راجح قول کے مطابق] اس عورت پر تین طلاقیں بائنہ یکبارگی واقع ہو جائیں گی۔

لما في فتح القدير (۵۸/۴) کتاب الطلاق (مکتبہ دار الفکر): قوله ولو قال لها أي لغير المدخول بها إن دخلت الدار فأنت طالق واحدة وواحدة فدخلت وقع عليها واحدة عند أبي حنيفة وقالا ثنتان ولو قدم الجزاء فقال أنت طالق واحدة وواحدة إن دخلت الدار فدخلت طلقت ثنتين بالاتفاق۔

وفي القول الراجح (۳۲۵/۱) کتاب الطلاق: قال أبو حنيفة رحمه الله ولو قال لها إن دخلت الدار فأنت طالق واحدة وواحدة فدخلت وقعت عليها واحدة دليله أن الجمع المطلق يحتمل القران والترتيب فعلى اعتبار الأول يقع ثنتان وعلى اعتبار الثاني لايقع إلا واحدة كما إذا أنجز بهذه اللفظة فلا يقع الزائد على الواحدة بالشك بخلاف ما اذا أخر الشرط لأنه يغير صدر الكلام فيتوقف الأول عليه فيقعن جملة قال الصاحبان تقع ثنتان دليلهما أن حرف الواو بينهما للجمع المطلق فتعلقن جملة إذا أخر الجزاء أو قدم لأنه تعليق بحرف الجمع۔

القول الراجح: هوقول الصاحبين رحمهما الله قال العلامة ابن الهمام بعد تفصيل المسئلة وقولهما أرجح وقال العلامة ابن عابدين تحت قوله: "وتقع واحدة" إن قدم الشرط هذا عنده

وعندهما ثنتان أيضا ورجحه الكمال وأقره فى البحر وقال العلامة بدر الدين العينى وبقولهما قال الشافعى وهو اختيار القاضى أبو الطيب وهو قول مالك واحمد وربيعة والليث بن سعد وابن ابي ليلى۔

وفى الهندية (۱/۴۲۴): وإن علق الطلاق بالشرط إن كان الشرط مقدما فقال إن دخلت الدار فأنت طالق وطالق وطالق وهي غير مدخولة بانت بواحدة عند وجود الشرط في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى ولغا الباقي وعندهما يقع الثلاث وإن كانت مدخولة بانت بثلاث إجماعا إلا أن على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى يتبع بعضها بعضا في الوقوع وعندهما يقع الثلاث جملة واحدة وإن كان الشرط مؤخرا فقال أنت طالق وطالق وطالق إن دخلت الدار أو ذكره بالفاء فدخلت الدار بانت بثلاث إجماعا سواء كانت مدخولة أو غير مدخولة۔

وفى الدر المختار (۳/۳۰۸) باب الكنايات: (لا) يلحق البائن (البائن)۔

وفيه أيضاً (۳/۳۱۰): (إلا اذا كان) البائن (معلقا بشرط)۔

وفى الرد تحته: قوله (إلا إذا كان البائن معلقا الخ) يشمل ما إذا آلى من زوجته ثم أبانها قبل مضي أربعة أشهر ثم مضت قبل أن يقربها وهي في العدة فإنه يقع خلافا لزفر بحر۔

(۲۰۹) "تمہاری بیوی کو طلاق" کے جواب میں شوہر کا آمین کہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مرتبہ ہمارے ادارے سے سہ روزہ کی جماعت جارہی تھی، مجھے بھی ساتھیوں نے چلنے کو کہا میں نے کہا ان شاء اللہ چلیں گے ایک ساتھی نے کہا ''اگر نہ چلو تو تمہاری بیوی کو طلاق'' میں نے کہہ دیا ''آمین''، لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ میں کسی وجہ سے جماعت میں نہ جاسکا۔ اب سارے کہہ رہے ہیں کہ آپ کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی ہے، میں بہت شرمندہ ہوں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ میری بیوی پر طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ میرے لئے شرعاً کیا حکم ہوگا جبکہ ہم ابھی تک ایک ساتھ رہ رہے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......لفظ "آمین" عام طور پر اسم فعل بمعنی "قبول کر" اور "اے خدا ایسا ہی ہو" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اردو لغت کی مشہور ومعروف کتاب "فیروز اللغات" جلد ایک صفحہ ۱۳۱ میں لفظ "آمین" کے مختلف معانی ذکر کئے گئے ہیں جیسے "اے خدا ایسا ہی ہو"، "اے خدا قبول کر"، "قبول کرنا"، "ماننا" اور "ہاں میں ہاں ملانا" کے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب آپ کے ساتھی نے کہا کہ ''اگر نہ چلو تو تمہاری بیوی کو طلاق'' اور اس کے جواب میں آپ نے کہا "آمین" چونکہ ''اگر نہ چلو تو تمہاری بیوی کو طلاق'' میں آپ کی بیوی کی طلاق کو معلق کیا جارہا ہے اور آپ نے لفظ ''آمین'' سے اسے قبول کرلیا، جیسا کہ لفظ "آمین" قبول کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے تو یہ طلاق معلق ہوگئی نیز آپ جماعت میں نہ جاسکے تو آپ کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی، عدت کے اندر (یعنی تین ماہواریاں گزرنے سے پہلے) رجوع کرسکتے ہیں۔

لمافی التفسیر القرطبی(۱۲۸/۱): معنی "آمین" عند اکثر اھل العلم: اللھم استجب لنا وقیل معنی "آمین" کذلك فلیکن وعن ابن عباس رضی الله عنهما قال: سألت رسول الله ﷺ ما معنی "آمین" قال: "رب افعل"۔

وفی الهندیة (۶۰/۲): رجل قال لآخر والله لتفعلن کذا والله لتفعلن کذا فقال الآخر نعم إن أراد المبتدئ الحلف وأراد المجیب الحلف یکون کل واحد منهما حالفا وإن نوی المبتدئ الاستحلاف ونوی المجیب الحلف فالمجیب حالف ـ ـ ـ وإن أراد المبتدئ أن یکون مستحلفا وأراد المجیب أن لا یکون علیه یمین ویکون قوله نعم علی میعاد من غیر یمین فهو کما نوی ولا یمین علی واحد منهما کذا في الخلاصة۔

(۲۱۰) باپ کے مرنے کے بعد اس کے گھر میں داخل ہونے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر تو اپنے والد کے گھر گئی

تو تجھے طلاق ہے۔ اچانک اس عورت کا والد فوت ہوگیا اور اس کی بیوی کو جانا پڑا اب مسئلہ کھڑا ہوگیا کہ طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ایک مولوی صاحب سے پوچھا گیا کہ طلاق ہوگئی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ اس عورت کے شوہر نے کہا تھا کہ اگر تو اپنے والد کے گھر گئی تو تجھے طلاق ہے اور جب والد مرگیا تو گھر والد کی ملکیت سے نکل گیا اور والد کا گھر نہ رہا لہٰذا طلاق نہیں ہوئی اس کے بعد وہ میاں بیوی دونوں اکھٹے رہنے لگے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ مولوی صاحب نے مسئلہ صحیح بتایا ہے اور واقعی طلاق نہیں ہوئی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ احناف کے مفتی بہ قول کے مطابق جب آدمی کا انتقال ہوجائے تو وہ گھر اس کی ملکیت سے خارج ہوجاتا ہے چنانچہ وہ گھر اب اس کا نہیں رہا، جب گھر اس کا نہیں رہا تو عورت کا اپنے باپ کے گھر جانا لازم نہیں آیا جس کے ساتھ شوہر نے طلاق معلق کی تھی لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی، مولوی صاحب کا بتایا ہوا مسئلہ درست ہے۔

لما فی الهندية (۱/۴۳۴): رجل قال لامرأته إن دخلت دار فلان فأنت طالق فمات فلان فصارت الدار ميراثا فدخلت إن لم يكن على الميت دين مستغرق لا يحنث وإن كان عليه دين مستغرق قال الفقيه أبو الليث لا يحنث أيضا وعليه الفتوى۔

وفی الشامية (۳/۷۶۱): (تنبيه) في الخانية أيضا حلف لا يدخل دار زيد ثم حلف لا يدخل دار عمرو فباعها زيد من عمرو وسلمها إليه فدخلها الحالف خنث في اليمين الثانية عنده لأن عنده المستحدث بعد اليمين يدخلها فيها لو مات مالك الدار فدخل لا يحنث لانتقالها للورثة ولو كان عليه دين مستغرق قال محمد بن سلمة يحنث وقال أبو الليث لا وعليه الفتوى لأنها وإن لن يملكها الورثة وبقيت على حكم ملك الميت لم تكن مملوكة له من كل وجه اه ملخصا۔

(۲۱۱) ''اگر میں نے اپنی رقم تجھ سے وصول نہ کی تو میری بیوی کو تین طلاق''

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر ایک لاکھ روپے قرضہ تھا ان دونوں کا آپس میں جھگڑا ہوگیا۔ دائن نے مدیون سے کہا کہ ہر حال میں، میں تجھ سے اپنی رقم وصول کروں گا، اگر میں نے اپنی رقم تجھ سے وصول نہ کی تو میری بیوی کو تین طلاق۔ یہ جھگڑا ان کا پانچ سال تک چلتا رہا دائن اپنا قرضہ وصول نہ کرسکا کہ قضاء الٰہی سے دائن کی موت ہوگئی۔ کیا اس کی بیوی کو تین طلاقیں پڑگئیں یا نہیں؟ اب یہ عورت عدت گزارے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں دائن کی بیوی کو تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔ اب یہ عورت عدت گزارے گی۔

لما فی الهداية (۲/۳۶۵): ولو قال أنت طالق إن لم أطلقك لم تطلق حتى يموت لأن العدم لا

يتحقق إلا باليأس عن الحياة وهو الشرط كما في قوله إن لم آت البصرة وموتها بمنزلة موته هو الصحيح ولو قال أنت طالق إذا لم أطلقك أو إذا ما لم أطلقك لم تطلق حتى يموت عند أبي حنيفة رحمه الله وقالا تطلق حين سكت لأن كلمة إذا للوقت۔

وفی الدر المختار (۳/۵۱۰): (و) العدة (للموت أربعة أشهر) بالأهلة لو في الغرة كما مر (وعشرة) من الأيام بشرط بقاء النكاح صحيحا إلى الموت۔

(۲۱۲) طلاق کو بیٹے کی پیدائش کے ساتھ معلق کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا ہو کہ اگر تم بیٹے کو جنو تو تمہیں طلاق ہے اور اتفاق کی بات کہ اس کے یہاں بیٹا پیدا ہو جائے تو طلاق تو واقع ہوتی ہے کیا اس کی عدت بھی وضع حمل کے ساتھ مکمل ہو جائے گی یا نفاس کے بعد اس کو تین حیض عدت کے گزارنے ہوں گے؟ کیونکہ میں نے اس طرح سنا ہے۔ براہ کرم بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......طلاق کے بعد حائضہ عورت کی عدت بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو پورے تین حیض ہیں اور اگر وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے نیز عدت کی ابتداء طلاق کے بعد یا شوہر کی وفات کے بعد ہوتی ہے پس صورت مسئولہ میں جب آدمی نے طلاق کو اس بات پر معلق کیا کہ جب تم بیٹا جنو تو تمہیں طلاق ہے تو بیٹا پیدا ہونے کے بعد عورت کو طلاق واقع ہو جائے گی لہذا اب اس عورت کی عدت نفاس کے علاوہ پورے تین حیض ہوگی۔

لمافی البحر الرائق (۴/۲۴۳): قوله (ومبدأ العدة بعد الطلاق والموت) يعني ابتداء عدة الطلاق من وقته وابتداء عدة الوفاة من وقتها ـــ لأن سبب وجوبها الطلاق أو الوفاة فيعتبر ابتداؤها من وقت وجود السبب كذا في الهداية۔

وفی الدر المختار (۳/۵۲۸): وفي القنية ولدت ثم طلقها ومضى سبعة أشهر فنكحت آخر لم يصح إذا لم تحض فيها ثلاث حيض وإن لم تكن حاضت قبل الولادة لأن من لا تحيض لا تحبل۔

وفی الرد تحته: قوله (لأن من لا تحيض لا تحبل) أي فلما حبلت تبين أنها من أهل الحيض فلا تنقضي عدتها إلا بثلاث حيض۔

(۲۱۳) طلاق کو دو شرطوں کے ساتھ معلق کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ہوا۔ ایک نے دوسرے کو کہا کہ اگر میں نے آپ سے بات کی اور نکاح کیا تو میری بیوی کو طلاق۔ پھر آپس میں باتیں کی اس کے بعد پھر جھگڑا ہوا پھر اسی آدمی نے کہا

کہ اگر میں نے آپ سے بات کی اور نکاح کیا تو میری بیوی کو طلاق۔ پھر باتیں کی اور پھر تیسری مرتبہ پھر یہی صورت پیش آئی اور بات کی اس کے بعد نکاح کیا تو کیا طلاق واقع ہو جائے گی؟ اور کتنی طلاقیں واقع ہوں گی اور طلاق سے بچنے کا کوئی طریقہ ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں حالف نے طلاق کو دو شرطوں کے ساتھ معلق کیا ہے جس میں سے ایک شرط (فلاں آدمی سے بات کرنا) اگرچہ تین مرتبہ پائی گئی ہے لیکن دوسری شرط (نکاح کرنا) ایک مرتبہ پائی گئی ہے لہذا صورت مسئولہ میں ایک طلاق واقع ہوگی اور اب شوہر صرف دو طلاقوں کا مالک ہے۔

نوٹ......مزید تحقیق کیلئے دوسرے مفتیان کرام سے بھی رجوع کرلیا جائے۔

لمافي المحيط البرهاني (۱۳۱/۵): وفي القدوري: إذا قال: كلّما دخلت هذه الدّار وكلّمت فلاناً، أو فكلّمت فلاناً فامرأة من نسائي طالق، فدخل الدّار دخلات وكلّم فلاناً مرّة واحدة، لم تطلق إلا امرأة واحدة؛ لأنّ الشرط هو الدخول والكلام والدخول وإن تكرّر لم يتكرّر الكلام فإنما تكرر بعض الشرط وبتكرر بعض الشرط لا يتكرّر الجزاء. ولو قال: كلّما دخلت هذه الدّار فإن كلّمت فلاناً فأنتِ طالق، فدخل الدّار ثلاثاً وكلّم فلاناً مرة طلقت ثلاثاً؛ لأنّ قوله: فإن كلّمت فلاناً فأنتِ طالق يمين تامّة هو جزء الدخول، والجزاء يتكرّر بتكرر الشرط. والشرط وهو الدخول متكرّر، فيصير قائلاً عند كلّ دخول: أنتِ طالق إن كلّمت فلاناً، فإذا كلم فلاناً مرّة والشرط الواحد يصلح شرطاً في أيمان كثيرة طلقت ثلاثاً.

وفي الهندية (۴۱۸/۱): ونظيره لو قال لامرأته كلما أكلت تمرة وجوزة فأنت طالق فأكل ثلاث تمرات وجوزة واحدة لا يقع إلا واحدة ولو أكل جوزة أخرى طلقت أخرى ولو أكل جوزة ثالثة طلقت ثلاثا كذا في شرح تلخيص الجامع الكبير۔

(۲۱۴) رشتے داروں سے ملنے پر تین طلاقوں کو معلق کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک شادی شدہ فرد ہوں۔ میرے اور میری بیوی کے درمیان عرصہ ساڑھے تین سال سے کچھ اختلافات چل رہے تھے، جو وقت کے ساتھ طول پکڑتے گئے۔ ۲ روز قبل جب میں آفس سے گھر آیا اور حسب معمول سو گیا، رات میں بیوی کے ساتھ وہی تکرار شروع ہوگئی کہ آپ کے رشتہ دار (بہن، بھانجی، بھانجے اور والدہ) اس گھر میں نہیں آئیں گے۔ جس پر میں نے ان کو سمجھایا جیسا کہ پہلے سمجھاتا آیا ہوں، نہ سمجھنے پر میں نے غصے میں آکر یہ الفاظ کہہ دیئے: اگر میرے رشتے دار اس گھر میں نہیں آئیں گے تو تم اپنے کسی رشتہ دار سے بھی نہیں ملوگی اور نہ وہ اس گھر میں آئیں گے، اگر تم نے ایسا کیا تو تم مجھ پر (۱) حرام ہو (۲) تم مجھ پر تین طلاق سے حرام ہو، (۳) تم مجھ پر حرام ہو۔ یہ الفاظ میں نے غصے میں ڈرانے کے لئے کہے تھے لیکن

میری کوئی طلاق دینے کی نیت نہیں تھی، میں بہت غصے میں تھا، شوگر کی وجہ سے چڑچڑا پن بھی آگیا ہے۔

نوٹ: (۱) میں نے رشتہ داروں میں فرح اور کومل کا نام لیا تھا کہ وہ اس گھر میں نہیں آئیں گی اور نہ تم ان سے ملوگی۔

(۲) "اگر تم نے ایسا کیا" اس سے مراد یہ ہے کہ چاہے بیوی کے رشتہ دار خود آئیں یا بیوی کے بلانے سے آئیں دونوں صورتوں میں تم مجھ پر حرام ہو جاؤ گی۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں آپ کے مذکورہ الفاظ "اگر تم نے ایسا کیا تو تم مجھ پر حرام ہو، تم مجھ پر تین طلاق سے حرام ہو" کہنے کے بعد آپ کی بیوی اگر اپنے کسی رشتہ دار سے ملی یا وہ آپ کے گھر آئیں تو آپ کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو جائیں گی، البتہ اگر آپ نے صرف فرح اور کومل کا نام لیا تھا تو یہ ان دونوں سے ملنے اور آنے پر معلق ہوگا، اس صورت میں بقیہ رشتہ داروں سے بیوی مل سکتی ہے اور کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

نیز اگر آپ کی بیوی مذکورہ رشتہ داروں سے ابھی تک نہیں ملی اور نہ وہ آپ کے گھر ابھی تک آئے ہیں تو تین طلاق مغلظہ سے بچنے کیلئے حیلہ یہ ہے کہ آپ اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دیں پھر عدت ختم ہونے کے بعد آپ کی بیوی مذکورہ رشتہ داروں سے ملے یا وہ آپ کے گھر آجائیں، اس کے بعد تجدید نکاح کریں پھر اگر وہ دوبارہ ان سے ملی یا وہ آپ کے گھر آئیں تو پھر طلاق واقع نہ ہوگی، البتہ پھر آئندہ آپ کو صرف دو طلاقوں کا اختیار رہے گا۔

لما في البحر الرائق ، كتاب الطلاق (۳/۵۳۱): (والصريح يلحق الصريح والبائن) فلو قال لها أنت طالق ثم قال أنت طالق أو طلقها على مال وقع الثاني وكذا لو قال لها أنت بائن أو خالعها على مال ثم قال لها أنت طالق أو هذه طالق كما في البزازية يقع عندنا لحديث الخدري مسندا المختلعة يلحقها صريح الطلاق مادامت في العدة ولماذكرفي الأصول من بحث الخاص أطلقه فشمل المنجز والمعلق إذا وجد شرطه فكما يقع في العدة منجزا يقع إذا وجد شرطه فيها وأما إذا علقه في العدة فإنه يصح في جميع الصور إلا إذا كان الطلاق بائنا ثم علق البائن في العدة فإنه غير صحيح اعتبارا بتنجيزه كما في البدائع ۔

وفي الدر المختار (۳/۱۵۵): فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها۔

وفيه أيضا(۳/۲۵۲): ومن الألفاظ المستعملة الطلاق يلزمني والحرام يلزمني وعلي الطلاق وعلي الحرام فيقع بلا نية للعرف۔

وفي الرد تحته: كما أفتى المتأخرون في أنت علي حرام بأنه طلاق بائن للعرف بلا نية ۔

وفي الدر المختار أيضاً، باب الايلاء (۳/۴۳۴): (قال لامرأته أنت علي حرام) ونحو ذلك كانت

معي في الحرام (إيلاء إن نوى التحريم أو لم ينو شيئا وظهار إن نواه وهدر إن نوى الكذب) وذا ديانة وأما قضاء فإيلاء قهستاني (وتطليقة بائنة) إن نوى الطلاق وثلاث إن نواها ويفتي بأنه طلاق بائن وإن لم ينوه لغلبة العرف ولذا لا يحلف به إلا الرجال۔

وفی الرد تحته: وعلى هذا فالتعليل بغلبة العرف لوقوع الطلاق به بلا نية وأما كونه بائنا فلأنه مقتضى لفظ الحرام لأن الرجعي لا يحرم الزوجة ما دامت في العدة وإنما يصح وصفها بالحرام بالبائن وهذا حاصل ما بسطناه في الكنايات فافهم۔

(۲۱۵) معمولی باتوں پر طلاق کی قسم کھانا

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص خرید وفروخت کے درمیان معمولی سی بات پر طلاق اٹھاتا ہے اوراس کی عادت بن گئی ہے چاہے برحق ہو یا ناحق ہو،شریعت کے اندراس کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... جو شخص خرید وفروخت کے دوران خریدنے والے کو یقین دلانے کی غرض سے قسم کھاتا ہے اور جس آدمی کی عادت اس حالت میں طلاق کی قسم کھانے کی ہو کہ اگر یہ مال فلاں ملک یا فلاں قسم کا نہ ہو تو میری بیوی مجھ سے طلاق ہو جائے تو اس کی بیوی پر جھوٹ ہونے کی صورت میں طلاق پڑ جائے گی ورنہ نہیں۔طلاق کی قسم کھانے کی عادت بنانا اچھا نہیں اس سے اجتناب کرنا چاہیئے نیز سامان فروخت کرنے کے لئے تو عمومی قسم کھانا بھی قابل مذمت ہے طلاق کا معاملہ تو انتہائی حساس ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۱۱/۱۷۷): عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث جدهن جد و هزلهن جد النكاح والطلاق والرجعة۔

وفی الجوهرة النيرة (۲/۱۰۲):قوله (ويقع طلاق كل زوج إذا كان بالغا عاقلا) سواء كان حرا أو عبدا طائعا أو مكرها هازلا كان أو جادا لقوله عليه الصلاة والسلام { كل الطلاق جائز إلا طلاق الصبي والمجنون }۔

وفی البحر الرائق(۴/۲۷۷): بخلاف التعليق بالطلاق ونحوه فإنه يقيد الوثيقة فإن الحالف إذا حنث يلزمه الطلاق ونحوه۔

(۲۱۶) نماز نہ پڑھنے پر معلق طلاق میں ایامِ حیض کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر تم نے نماز نہ پڑھی تو طلاق اب عورت نمازیں پڑھتی رہی حتیٰ کہ اس کو ماہواری آگئی۔ان دنوں میں اس نے نماز نہیں پڑھی تو کیا اب اس عورت پر طلاق واقع

ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں اس شخص کا یہ کہنا "اگر تم نے نماز نہ پڑھی تو طلاق" میں فرض نمازیں مراد ہیں لہٰذا ہر وہ نماز جو عورت پر فرض ہوئی ہو اس کا پڑھنا ضروری ہوگا، ورنہ شوہر حانث ہوجائے گا۔ نیز حالت حیض (ماہواری) میں عورت پر نماز فرض ہی نہیں لہٰذا حالت حیض میں نماز نہ پڑھنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

لما فی الدر المختار(۷۴۳/۳): باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى والإتيان والركوب وغير ذلك الأصل أن الأيمان مبنية عند الشافعي على الحقيقة اللغوية وعند مالك على الاستعمال القرآني وعند أحمد على النية وعندنا على العرف ما لم ينو ما يحتمله اللفظ فلا حنث في لا يهدم إلا بالنية فتح۔

وفيه أيضا (۸۳۰/۳): قال إن تركت الصلاة فطالق فصلتها قضاء فطلقت على الأظهر ظهيرية۔

وفى الرد تحته: قوله (طلقت على الأظهر) الظاهر أن هذا في عرفهم وفي عرفنا تارك الصلاة من لا يصلي أصلا اهـ ح

وفى الشامية (۴۱۲/۲): فلو أفطر ولو لعذر استأنف إلا لعذر الحيض۔

وفيه أيضاً(۴۷۷/۳): قوله (بخلاف الحيض) فإنه لا يقطع كفارة قتلها وإفطارها لأنها لا تجد شهرين خالين عنه بخلاف كفارة اليمين وعليها أن تصل ما بعد الحيض بما قبله فلو أفطرت بعده يوما استقبلت لتركها التتابع بلا ضرورة أما النفاس فيقطع التتابع في صوم كل كفارة وتمامه في البحر۔

(۲۱۷) معلق شرط بعد از نکاح جدیدہ بھی معلق رہتی ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے اگر تو اپنی بہن سے ملی تو تجھے دو طلاق اور پھر کچھ دنوں بعد خود اسے ایک طلاق بائن دے کر جدا کر دیتا ہے یاد رہے کہ وہ عورت اپنی بہن سے اب تک نہیں ملی۔ کچھ دنوں بعد حالات بدلتے ہیں اور یہ مرد دوبارہ اس عورت سے نکاح کرتا ہے اور اپنی زوجیت میں لے لیتا ہے، اس کے ۸ مہینے بعد وہ عورت ایک دن اپنی بہن سے ملاقات کر لیتی ہے، جب شوہر کو پتہ چلتا ہے کہ بیوی بہن سے مل کر آئی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اب تو تین طلاقیں پوری ہوگئیں لیکن بیوی کہتی ہے کہ وہ تو پچھلے نکاح میں شرط تھی یہ تو نیا نکاح ہے۔

مفتی صاحب آپ بتائیں کہ کیا طلاق بائن کی عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح کی صورت میں پچھلے نکاح کی معلق شرط جواب تک وجود میں نہ آئی ہو معلق ہی رہتی ہے یا پھر نکاح کی عدت گزرتے ہی کالعدم اور ختم ہوجاتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......طلاق بائن کے عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح کی صورت میں پچھلے نکاح کی معلق شرط (جو اب تک وجود میں نہ آئی ہو) وہ معلق ہی رہتی ہے اور پہلے نکاح کی عدت گزرتے ہی وہ کالعدم اور ختم نہیں ہو جاتی البتہ اگر نکاحِ ثانی سے قبل شرط پائی جاتی اور وہ عورت اپنی بہن سے مل لیتی تو یہ شرط لغو ہو جاتی کیونکہ غیر منکوحہ عورت طلاق کا محل نہیں لیکن سوال میں موجود صورت میں شرط نکاحِ ثانی کے بعد پائی گئی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں نکاح ثانی کے بعد جب وہ معلق شرط وجود میں آگئی اور وہ عورت اپنی بہن سے مل چکی تو اس پر بہن سے ملنے کی وجہ سے دو طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور ایک طلاق بائن چونکہ پہلے سے شوہر نے دی تھی تو اس طرح ان تین طلاقوں کی وجہ سے وہ عورت مغلظہ اور شوہر پر حرام ہوگئی ہے۔

لما فی الدرالمختار(۳۴۸/۳): اعلم أن التعليق يبطل بزوال الحل لا بزوال الملك فلو علق الثلاث أو ما دونها بدخول الدار ثم نجز الثلاث ثم نكحها بعد التحليل بطل التعليق فلا يقع بدخولها شيء ولو كان نجز ما دونها لم يبطل فيقع المعلق كله وأوقع محمد بقية الأول وهي مسألة الهدم الآتية۔

وفی الرد تحته: قوله (يبطل بزوال الحل) وذلك بوقوع الثلاث وقوله لا بزوال الملك أي بوقوع ما دونها فإن الملك وإن زال به عند انقضاء العدة لكن الحل ثابت فإن له أن يعود إليها بلا زوج آخر محلل بخلاف الثلاث فإن وقوعها يزيل الحل بالكلية بحيث لا يعود إلا بمحلل ولما كان المعلق هو طلقات هذا الملك بطل التعليق بزوالها لا بزوالها ما دونها۔

(۲۱۸) یمین کا مدار عرف پر ہے نیز مطلق تعلیق میں اجازت کی نیت کرنا

سوال......مفتی صاحب! درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) ایک شخص بیوی کو کہتا ہے کہ "اگر گھر سے نکلی تو تین طلاق" جھگڑا وغیرہ چل رہا ہے مگر وہ کہتا ہے کہ میں نے نیت یہ کی تھی کہ بغیر اجازت کے نکلی تو تین طلاق کیا یہ نیت درست ہے؟

(۲) ایک شخص اپنے دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح کیلئے گیا ہوا تھا وہاں اس کا ایک دوست سے جھگڑا ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ واپسی سفر میں اگر اس کے ساتھ مصاحبت کی تو میری بیوی کو تین طلاق۔ واپسی پر جتنا راستہ پیدل چلنا تھا وہ تو یہ دونوں الگ الگ چلتے رہے لیکن گاڑی میں تو بیٹھنا تھا گاڑی بک کرا کر لے گئے تھے بالآخر یہ طلاق معلق کرنے والا الگ ایک کونے میں بیٹھ گیا چونکہ دوستوں نے زبردستی کی تھی......اور گھر آنے پر اتر گیا تو کیا یہ مصاحبت کہلائے گی اور اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......حنفیہ کے نزدیک قسم کا دار و مدار عرف پر ہے بشرطیکہ حالف نے کوئی نیت نہ کی ہو اور اگر حالف نے کوئی خاص نیت کی ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ حلف کے الفاظ اس نیت کا احتمال رکھتے ہیں یا نہیں؟ اگر احتمال رکھتے ہوں تو قسم کا مدار

حالف کی نیت کے اعتبار سے ہوگا اور اگر ان الفاظ میں اس نیت کا احتمال ہی نہ ہو تو پھر مدار عرف پر ہی ہوگا اور نیت لغو ہو جائے گی۔

(۱) صورت مسئولہ میں شخص مذکور نے جب کہا اگر گھر سے نکلی تو تین طلاق اور پھر بغیر اجازت نکلنے کی نیت کی تو اس نیت کا اعتبار نہیں کیونکہ حالف کے الفاظ "اگر گھر سے نکلی تو تین طلاق" میں اجازت کے معنی کا احتمال ہی نہیں تو نیت کرنا بھی درست نہ ہوگا لہٰذا عورت اجازت لے کر یا بلا اجازت جس طرح بھی گھر سے نکلے گی طلاق کا وقوع ہو جائے گا۔

(۲) دوسری صورت میں عرفاً ایک گاڑی میں سوار ہونے کو مصاحبت ہی شمار کیا جاتا ہے لہٰذا وہ شخص اپنی قسم میں حانث ہو گیا۔

لما فی تبیین الحقائق (۳/۸۷): اعلم ان الأیمان عندنا مبنیة علی العرف۔

وفی التاتارخانیة (۶/۲۱۳): وفی نوادر ابن سماعة عن أبی یوسف رجل قال والله لا أصاحب فلانا و هما فی سفر فان کان الحالف یسیر فی قطار والمحلوف علیه فی قطار فلیسا بمصاحبین وإن کانا فی قطار واحد فهما مصاحبان ـــ وکذلك إن کان طعام کل واحد منهما علی حدة ألاتری أن دخولهما ونزولهما وخروجهما واحد۔

وروی داؤد بن رشید عن محمد فیمن قال لغیره والله لا أرافقك فان کان معه فی محمل أو کان کراهما واحد أو قطارهما واحد فهو مرافق وان کان کراهما مختلفین فلیس بمرافق۔

وفی الدرالمختار (۳/۷۴۳): الأصل أن الأیمان مبنیة عند الشافعي علی الحقیقة اللغویة وعند مالك علی الاستعمال القرآني وعند أحمد علی النیة وعندنا علی العرف ما لم ینو ما یحتمله اللفظ فلا حنث في لا یهدم إلا بالنیة فتح (الأیمان مبنیة علی الألفاظ لا علی الأعراض فلو) اغتاظ علی غیره و (حلف أن لا یشتري له شیئا بفلس فاشتری له بدراهم) أو أکثر (شیئا لم یحنث)۔

وفی الرد تحته: فظهر أن مرادنا بانصراف الکلام إلی العرف إذا لم تکن له نیة وإن کان له نیة شيء واللفظ یحتمله انعقد الیمین باعتباره اه وتبعه في البحر وغیره ـــ فصار الحاصل أن المعتبر إنما هو اللفظ العرفي المسمی وأما غرض الحالف فإن کان مدلول اللفظ المسمی اعتبر وإن کان زائدا علی اللفظ فلا یعتبر ولهذا قال في تلخیص الجامع الکبیر وبالعرف یخص ولا یزاد حتی خص الرأس بما یکبس ولم یرد الملك في تعلیق طلاق الأجنبیة بالدخول اه۔

(۲۱۹) یمین کا مدار عرف پر ہوتا ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ "محمد انور کے گھر گئی تو تجھے تین طلاق ہیں"۔ اب اگر محمد انور اپنا گھر اپنے نابالغ بیٹے عمرو کی ملک کردے تو کیا اس کے بعد عورت کے مذکورہ گھر جانے سے تین طلاق واقع

ہوں گی یا نہیں؟ (یادر ہے کہ محمد انور اسی گھر میں رہائش پذیر ہے)۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں چونکہ زید نے اپنی بیوی کی تین طلاقوں کو محمد انور کے گھر جانے پر معلق کیا ہے لہٰذا جب بھی زید کی بیوی محمد انور کے گھر جائے گی تو اس پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اگر محمد انور اپنا گھر اپنے نابالغ بیٹے عمرو کی ملک کرتا ہے تو اس صورت میں وہ گھر عمرو کی ملکیت میں آجائے گا نیز محمد انور اس گھر سے نکل کر اپنی رہائش کو ختم کرتا ہے، اس کے بعد اگر زید کی بیوی اس گھر میں جاتی ہے تو اس پر تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی، لیکن چونکہ محمد انور صورت مذکورہ میں اسی گھر میں رہائش پذیر ہے تو عرفاً یہ گھر اس کا بھی شمار ہوگا اور قسم کا مدار بھی عرف پر ہے، لہٰذا اس گھر میں جانے سے زید کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

زید اگر یہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی محمد انور کے گھر بھی چلی جائے اور تین طلاقیں بھی واقع نہ ہوں تو اس کیلئے فقہاء کرام نے یہ حل بتایا ہے کہ زید اپنی بیوی کو ایک طلاق بائنہ دیدے جب بیوی کی عدت گزر جائے تو وہ محمد انور کے گھر چلی جائے تو اس سے قسم ختم ہو جائے گی اس کے بعد زید اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح کرے تو اس صورت میں تین طلاقوں کے واقع ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔

لما فی البخاری (۲/۷۹۱): عن عائشة رضی الله عنها أن رجلا طلق امرأته ثلاثا، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول"

وفی الهندیة (۲/۷۰): ولو حلف لا يدخل دار فلان ولم ينو شيئا فدخل دارا يسكنها بإجارة أو بإعارة ذكر الناطفي أنه يحنث في يمينه وإن دخل دارا مملوكة لفلان وفلان لا يسكنها حنث أيضا۔

وفی الدرالمختار (۳/۷۶۰): (حلف لا يدخل دار فلان يراد به نسبة السكنى إليه) عرفا ولو تبعا أو بإعارة باعتبار عموم المجاز۔

وفی الرد تحته: قوله (أو بإعارة) أي لا فرق بين كون السكنى بالملك أو الإجارة أو العارية ـــ قوله (باعتبار عموم المجاز الخ) مرتبط بقوله يراد يعني أن الأصل في دار زيد أن يراد بها نسبة الملك وقد أريد بها ما يشمل العارية ونحوها وفيه جمع بين الحقيقة والمجاز وهو لا يجوز عندنا فأجاب بأنه من عموم المجاز بأن يراد به معنى عام يكون المعنى الحقيقي فردا من أفراده وهو نسبة السكنى أي ما يسكنها زيد بملك أو عارية۔

وفی الدرالمختار أيضا (۵/۶۹۱): وفي الأشباه هبة المشغول لا تجوز إلا إذا وهب الأب لطفله۔

وفی الرد تحته: قوله (إلا إذا وهب) كأن وهبه دارا والأب ساكنها أو له فيها متاع لأنها مشغولة بمتاع القابض وهو مخالف لما في الخانية فقد جزم أولا بأنه لا تجوز ثم قال وعن أبي حنيفة في المجرد تجوز ويصير قابضا لابنه تأمل۔

(۲۲۰) تعلیق اور یمین کا جمع اور یمین میں غرض حالف کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں بکرے کا گوشت نہیں کھاؤں گا، مجھے خدا کی قسم ہے اور اگر کھایا تو میری بیوی کو تین طلاق۔ کیا اس صورت میں یمین اور تعلیق دونوں جمع ہوجائیں گی یعنی نذر اور یمین تو جمع ہوجاتے ہیں، کیا اسی طرح یمین اور تعلیق جمع ہوجائیں گے اور حنث کی صورت میں طلاق اور کفارہ دونوں ہوں گے۔ ازراہ کرم صریح حوالوں سے مبرھن جواب مرحمت فرمائیں۔

(۲) ایک شخص کہتا ہے کہ اگر تیس جون تک اپنے بیٹے کیلئے لڑکی بیاہ کر گھر نہیں لایا تو میری بیوی کو تین طلاق پھر اس نے ایک لڑکی سے بیٹے کا نکاح تو کردیا لیکن گھر میں جگہ نہ ہونے کے باعث تیس جون کے بعد تک لڑکی کو چچا کے گھر بیاہ دیا گیا، کیا وہ شخص حانث ہوگیا یا نہیں کیونکہ وہ اپنے گھر نہیں لاسکا۔ کیا یمین میں مقصد پورا ہونے سے وہ شخص بری ہوجائے گا یا الفاظ کے اعتبار سے حنث لازم آئے گا؟ ازراہ کرم اس کی تفصیل فرمادیں کہ یمین میں مقصد کا پورا ہوجانا کافی ہے یا تمام الفاظ یمین کی رعایت ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ مجھے خدا کی قسم ہے میں فلاں بکرے کا گوشت نہیں کھاؤں گا تو یہ یمین ہے، پس اگر وہ شخص اس بکرے کا گوشت کھالیتا ہے تو اس کی وجہ سے وہ حانث ہوگا اور اس پر کفارہ یمین لازم ہوگا اور اگر یمین کے ساتھ وہ اس فعل کو طلاق کے ساتھ معلق کرتا ہے اور پھر اس فعل کو سرانجام دیتا ہے تو اس کی وجہ سے یمین اور طلاق دونوں جمع ہوجائیں گی یعنی یہ شخص کفارۂ یمین بھی ادا کرے گا اور اس کی بیوی کو طلاق بھی واقع ہوجائے گی۔ صورتِ مسئولہ میں بھی اس شخص نے یمین اور تعلیقِ طلاق کو جمع کیا ہے اور پھر اس فعل کو سرانجام دیا تو اس کی وجہ سے اس شخص پر کفارۂ قسم بھی آئے گا اور اس کی بیوی کو طلاق بھی واقع ہوجائے گی۔

(۲) یمین کا مدار عام طور پر عرف پر ہوتا ہے، صورت مسئولہ میں دراصل اس شخص کا مقصد یہ تھا کہ وہ ہر حال میں اپنے بیٹے کی شادی کرائے گا یعنی اصل غرض اور مقصد اس کا بیٹے کی شادی کرانا تھا تو جب اس نے اپنے بیٹے کی شادی کرالی تو اس کی وجہ سے یہ شخص حانث نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی بیوی کو طلاق پڑے گی۔

لمافی الهندية (۲/۱۰۳) ماجديه، كتاب الايمان: قال في الجامع إذا قال الرجل لغيره إن أخبرتني أن فلانا قادم فامرأتي طالق أو قال فعبدي حر فأخبره بذلك كاذبا حنث في يمينه وعتق العبد۔

وفی الشامية (۳/۷۱۶) كتاب الايمان: واليمين بالله تعالى أو أحلف أو أقسم إلى أن قال إذا حلف بشيء منها ليفعلن كذا فحنث وجبت عليه الكفارة اھ۔

وفی غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر للحموى(۱/۷۷): قوله: الأيمان مبنية على

الألفاظ لا على الأغراض. يعني متى أمكن اعتبار اللفظ لما في الجامع البزازي والأصل اللفظ إن أمكن . وإلا فالغرض نعم الأيمان مبنية على العرف عندنا لا على الحقيقة اللغوية كما نقل عن الشافعي رحمه الله وعلى الاستعمال القرآني كما نقل عن مالك . وعلى النية مطلقا كما نقل عن أحمد رحمه الله قال في النهر : والمراد عرف الحالف ؛ لأن المراد ظاهر . أو المقصود غالبا فإن كان من أهل اللغة اعتبر فيه عرف أهلها . أو لم يكن اعتبر فيه عرف غيرهم . وفي مشترك تعتبر اللغة . على أنها العرف (انتهى) .وفي الفتح : الأيمان مبنية على العرف إذا لم تكن نية فإن كانت . واللفظ يحتمله . انعقدت اليمين باعتبارها۔

(۲۲۱) تعلیق میں اصل، مقصد کا پورا ہونا ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکے کے والد نے کہا کہ ''اگر اتوار تک میں لڑکی کو بیاہ کر گھر نہ لے گیا تو میری بیوی کو تین طلاق'' اب اگر والد صاحب اتوار سے پہلے اپنے لڑکے کی شادی معینہ لڑکی سے کرادیں لیکن رخصتی بجائے اپنے گھر کے چچا کے گھر کروا کے لے جائیں تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کا مقصد وارادہ اپنے بیٹے کی اتوار سے پہلے لڑکی سے شادی کرانا تھا اور اتوار سے پہلے ہی مقصد پورا ہو گیا ہے لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لمافی البحرالرائق(۵۲۵/۴): وقيد باليمين المطلقة لأنها لو كانت مقيدة كقوله إن لم أدخل هذه الدار اليوم فعبده حر فإن الحنث معلق بآخر الوقت حتى إذا مات الحالف قبل خروج الوقت ولم يدخل الدار لا يحنث۔

وفيه أيضاً(۵۲۱/۴): ولو قيد بباب هذه الدار لم يحنث بالخروج من غير الباب قديما كان الباب أو حادثا ولو عين بابا في اليمين تعين ولا يحنث بالخروج من غيره اهـ۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۹۴۲/۹):فقال أئمة المذاهب الأربعة: يقع الطلاق المعلق متى وجد المعلق عليه، سواء أكان فعلاً لأحد الزوجين، أم كان أمراً سماوياً، وسواء أكان التعليق قسمياً: وهوالحث على فعل شيء أو تركه أو تأكيد الخبر أم شرطياً يقصدبه حصول الجزاء عندحصول الشرط۔

(۲۲۲) ''کل تک گھر کا سامان اور کاغذات نہ لائی تو تجھے طلاق'' کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص قسم کھاتا ہے کہ ''کل تک تو اگر گھر کا سامان اور

کاغذات لے کر فلاں جگہ نہیں آئی تو تجھے تین طلاق"......تو اب مفتی صاحب کیا اس عورت کا خود آنا ضروری ہے یا کسی کے ذریعے سامان وہاں بھجوادے تو یہ کافی ہوگا؟ نیز سارا سامان لانا ضروری ہوگا یا کچھ یا آدھا لے آئے تو بھی کام چل جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر نے اگر عورت کو ایسے سامان کے لانے کا بولا ہے جس کو عام طور پر عورتیں لے کر جاسکتی ہوں تو اس صورت میں عورت اس سارے سامان کو لے کر جائے گی البتہ اگر کسی طریقے سے معلوم ہوجائے کہ شوہر کا مقصد صرف خاص سامان مثلاً سونا، چاندی وغیرہ ہے یا اسی طرح شوہر کا مقصد صرف سامان پہنچانا ہے [خود لانا نہیں] تو پھر وہی خاص سامان بھیجنا کافی ہوگا، ورنہ سارا سامان خود لانا ضروری ہے، البتہ اگر شوہر نے گھر کے سارے سامان کی نیت کی تو اس صورت میں عورت پر گھر کا سارا سامان لے جانا ضروری ہے، عرف میں اگرچہ عورت کو اس طرح [سارا سامان لانے] کا حکم نہیں دیا جاتا لیکن شوہر کی نیت چونکہ پورے سامان کی ہے اور الفاظِ یمین میں اس کا احتمال ہے لہٰذا پورا سامان لانا ضروری ہوگا ورنہ تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

لما فی الخانیة (۲/۲۳۱): رجل قال لامرأته أن لم تجیئني بمتاع كذا غداً فأنت طالق فبعث المرأة بذلك المتاع على يد إنسان فان كان الحالف نوى وصول المتاع إليه غداً لا غير لا يحنث لأنه نوى محتمل لفظه وان لم ينو شيئاً أو نوى حملها بنفسها حنث ولا يكون اليمين على الوصول إلا بالنية۔

وفی الدر المختار، كتاب الطلاق (۳/۳۸۰): إن لم تجيئي بفلان أو إن لم تردي ثوبي الساعة فأنت طالق فجاء فلان من جانب آخر بنفسه وأخذ الثوب قبل دفعها لا يحنث۔

وفی الرد تحته: قلت وفي الخانية قال لامرأته إن لم تجيئي بمتاع كذا غدا فأنت طالق فبعثت المرأة به على يد إنسان فإن كان نوى وصول المتاع إليه غدا لا يحنث لأنه نوى محتمل لفظه وإن لم ينو شيئا أو نوى حملها بنفسها حنث ولا يكون اليمين على الوصول إلا بالنية اهـ۔

وفی الدر المختار (۳/۷۵۰): (حلف لا يسكن هذه الدار أو البيت أو المحلة) يعني الحارة (فخرج وبقي متاعه وأهله) حتى لو بقي وتد (حنث) واعتبر محمد نقل ما تقوم به السكنى وهو أرفق وعليه الفتوى قاله العيني۔

وفی الرد تحته: والإفتاء بقول الإمام أولى لأنه أحوط وإن كان غيره أوفق اهـ۔

(۲۲۳) "اگر میں دفع ہوجاؤں تو میری بیوی کو طلاق ہے" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اور سسرال والوں کے درمیان ہاتھا پائی اور تلخ کلامی چل رہی تھی کہ کسی نے زید کے چچا کو فون کیا کہ زید کو سمجھائیں۔ زید کے چچا سمجھانے کی کوشش کررہے تھے کہ زید ان پر الجھ پڑا۔ چچا نے

فون زید کے والد کو دیدیا، والد نے زید کو کہا کہ یہاں سے چلا جا۔ مقصد یہ تھا کہ زید یہاں سے چلا جائے گا تو معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ زید نے انکار کر دیا زید کے والد نے غصہ میں کہا کہ دفع ہو جا۔ زید نے کہا کہ ''اگر میں دفع ہو جاؤں تو میری بیوی کو طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے'' جبکہ زید تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ یہ آواز فون پر زید کے چچا اور والد نے سنی اور وہاں موجود لوگوں سے کہا کہ اس نے معاملہ ختم کر دیا ہے۔ لڑکی کو الگ کر دو، لڑکی الگ کمرے میں چلی گئی۔ جب تصدیق کیلئے زید کے والد اور چچا جائے وقوعہ پر پہنچے تو موجود لوگوں میں ایک عالم بھی تھے جو زید اور اس کی بیوی کے چچا ہیں۔ سب نے کہا ہمیں معلوم نہیں تو زید کے والد نے دوبارہ ساتھ رہنے کا کہا اور ضروری سفر پر روانہ ہو گئے۔ اس معاملے کو تقریباً چھ ماہ گزر چکے ہیں اگر طلاق نہیں ہوئی تو اچھی بات ہے اور اگر طلاق ہو گئی تو اب اس طلاق کا کیا حکم ہے؟ جبکہ زید طلاق دینے کا انکار کر رہا ہے۔ (نوٹ: والد اور چچا طلاق کی گواہی دیتے ہیں۔)

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں زید نے طلاق کو سسرال والوں کے ہاں (تنازع کی جگہ) سے نکلنے پر موقوف کیا اور تھوڑی دیر بعد وہاں سے چلا گیا لہٰذا زید کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہیں، جبکہ والد اور چچا طلاق دینے کی گواہی دے رہے ہیں اس صورت میں زید کے انکار کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور بغیر حلالہ شرعیہ کے ایک ساتھ رہنا اور ازدواجی تعلقات برقرار رکھنا جائز نہیں نیز گزرے ہوئے چھ ماہ پر توبہ اور استغفار کریں۔

لمافی التاتارخانیة (۵۷۲/۳): واذا أشهد شاهدان علی رجل أنه طلق امرأته ثلاثا وجحد الزوج والمرأة ذلك فرق بينهما لأن الشهادة علی الطلاق تقبل من غير دعوی۔

وفی الهندية (۴۲۰/۱): الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة إن وإذا وغيرهما: وإذا أضافه إلی الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق ولا تصح إضافة الطلاق إلا أن يكون الحالف مالكا أو يضيفه إلی ملك۔

(۲۲۴) ''اگر میں نے اخروٹ اور بادام کھایا تو تجھے طلاق'' کہنے کا حکم

سوال...... مفتی صاحب! درج ذیل سؤالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) ایک شخص کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا اور اس نے قسم اٹھائی کہ ''اگر میں نے اخروٹ اور بادام کھایا تو تجھے طلاق'' پھر اس نے اخروٹ تو کھا لیا لیکن بادام تقریباً 18 گھنٹوں کے بعد کھایا تو اس سے طلاق ہو گی یا نہیں یا دونوں کا ایک ساتھ کھانا ضروری ہو گا؟

(۲) اسی طرح اگر یہ کہے کہ ''جب بھی میں نے اخروٹ اور بادام کھایا تجھے طلاق'' تو اگر اخروٹ اور بادام کھانے کے درمیان وقفہ ہو تو طلاق ہو گی یا تین اخروٹ تو اسی وقت کھا لے البتہ ایک بادام اسی وقت ایک اگلے دن اور ایک اس سے اگلے دن کھا لیا تو کیا اس سے تین طلاقیں واقع ہوں گی یا اخروٹ اور بادام کا ایک ساتھ کھانا ضروری ہو گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... (۱) صورت مسئولہ میں پہلی صورت میں جب مذکورہ شخص نے یہ قسم کھائی کہ ''اگر میں نے

اخروٹ اور بادام کھایا تو تجھے طلاق'' اور پھر اخروٹ کھالیا پھر بادام تقریباً ۱۸ گھنٹوں بعد کھایا تو اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوجائے گی اور دونوں کا ایک ساتھ کھانا ضروری نہیں بلکہ درمیان میں وقفہ کی صورت میں بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔

(۲) اسی طرح اگر اس نے کہا ''جب بھی میں نے اخروٹ اور بادام کھایا تو تجھے طلاق'' اسکے بعد اس نے تین اخروٹ کھالیے اور ایک بادام اسی وقت کھایا تو اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوجائے گی اور ایک بادام اگلے دن کھایا تو اس سے دوسری طلاق واقع ہوجائے گی اور ایک بادام اس سے اگلے دن کھالیا تو اس سے تیسری طلاق واقع ہوجائے گی اور اس کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں۔

لمافی الهندية (۴۱۶/۱):إذا قال الرجل لرجلين كلما أكلت عندكما طعاما فامرأته طالق وتغدى عند أحدهما اليوم وتغدى عند الآخر من الغد طلقت امرأته ثلاثا لأنه لما تغدى عند الأول وأكل ثلاث لقمات أو أكثر كأنه أكل عنده ثلاث مرات وإذا تغدى عند الآخر فكأنه أكل عنده أيضا ثلاث مرات فقد وجد الأكل عندهما ثلاث مرات والأكل عندهما في كل مرة شرط وقوع التطليقة۔

وفيه أيضاً(ص۴۱۸): ونظيره لو قال لامرأته كلما أكلت تمرة وجوزة فأنت طالق فأكل ثلاث تمرات وجوزة واحدة لا يقع إلا واحدة ولو أكل جوزة أخرى طلقت أخرى ولو أكل جوزة ثالثة طلقت ثلاثا كذا في شرح تلخيص الجامع الكبير۔

وفى الشامية(۳/۳۶۴): مطلب فيما لو تكرر الشرط بعطف أو بدونه قوله (بتكرر بأن عطف شرطا على آخر وأخر الجزاء نحو إذا قدم فلان وإذا قدم فلان فأنت طالق فإنه لا يقع حتى يقدما لأنه عطف شرطا محضا على شرط لا حكم له ثم ذكر الجزاء فيتعلق بهما فصارا شرطا واحدا فلا يقع إلا بوجودهما۔

(۲۲۵) مذاق کرنے یا گیٹ پر کھڑے ہونے کے ساتھ طلاق کو معلق کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر تو نے کسی سے مذاق کیا یا باہر کے گیٹ پر کھڑی ہوئی تو تجھے گھر سے نکالتا ہوں، اس عورت کو یاد نہ ہوا اور وہ کسی مرد سے مذاق کرلے یا گیٹ پر کسی کام یا کسی بھی وجہ سے کھڑی ہوجائے، شوہر کے سامنے یا اس کی غیر موجودگی میں تو اس کا کیا حکم ہے یعنی طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اس کا حل کیا ہے؟ شوہر نے بہت غصے کی حالت میں کہا تھا۔

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں شوہر اپنی بیوی سے مذکورہ الفاظ (اگر تو نے کسی سے مذاق کیا یا باہر کے گیٹ

پر کھڑی ہوئی تو تجھے گھر سے نکالتا ہوں) کہے اور عورت سے ایسا کام (کسی مرد سے مذاق کرنا یا گیٹ پر کھڑی ہونا) ہوجائے تو اگر شوہر نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی، چاہے عورت سے بھول کر یہ کام ہوجائے یا جان کر کرے، چاہے کسی کام سے گیٹ پر کھڑی ہوئی ہو یا بلاوجہ، خواہ شوہر کی موجودگی میں ہو یا غیر موجودگی میں، ہر صورت میں طلاق کی نیت ہو تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر ان الفاظ سے شوہر نے طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق نہیں ہوگی۔ پھر طلاق کی نیت کرنے کی صورت میں اگر ایک طلاق کی نیت کی ہے تو ایک طلاق بائن اور تین طلاق کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی اور اگر شوہر نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت نہ کی ہو تو یہ یمین ہوگی۔ یعنی عورت اگر ایسا کام کرے تو شوہر پر گھر سے بیوی کو نکالنا لازم ہوگا۔ گھر سے نکال کر فوراً اندر بلالے تو بھی قسم پوری ہوجائے گی۔

لما فی الشامية(۲۹۸/۳): قوله (والكنايات ثلاث الخ) حاصله أنها كلها تصلح للجواب أي إجابته لها في سؤالها الطلاق منه لكن منها قسم يحتمل الرد أيضا أي عدم إجابة سؤالها كأنه قال لها لا تطلبي الطلاق فإني لا أفعله وقسم يحتمل السب والشتم لها دون الرد وقسم لا يحتمل الرد ولا السب بل يتمحض للجواب كما يعلم من القهستاني وابن الكمال ولذا عبر بلفظ يحتمل وفي أبي السعود عن الحموي أن الاحتمال إنما يكون بين شيئين يصدق بهما اللفظ الواحد معا ومن ثم لا يقال يحتمل كذا أو كذا كما نبه عليه العصام في شرح التلخيص من بحث المسند إليه قوله(فنحو اخرجي واذهبي وقومي) أي من هذا المكان لينقطع الشر فيكون ردا أو لأنه طلقها فيكون جوابا، رحمتي۔

وفی الدرالمختار (۷۰۳/۳) كتاب الايمان: (اليمين) لغة القوة وشرعا (عبارة عن عقد قوي به عزم الحالف على الفعل أو الترك) فدخل التعليق فإنه يمين شرعا إلا في خمس مذكورة في الأشباه فلو حلف لا يحلف حنث بطلاق وعتاق وشرطها الإسلام والتكليف وإمكان البر وحكمها البر أو الكفارة۔

وفی الرد تحته(۷۰۴/۳): وإمكان البر أصلا والكفارة خلفا كما في الدر المنتقى۔

(۲۲۶) "اگر فلاں کے گھر گئی تو تجھے طلاق دے دوں گا" کہنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ "اگر تو فلاں کے گھر گئی تو میں تجھے طلاق دے دوں گا" اور پھر وہ عورت فلاں کے گھر چلی گئی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ یعنی صیغۂ مستقبل تعلیق میں آکر تنجیز بنے گا یا وعدہ پر ہی محمول رہے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں عورت کے فلاں کے گھر چلے جانے سے طلاق نہیں واقع ہوگی، کیونکہ اس صورت میں خاوند نے عورت کے فلاں کے گھر جانے پر طلاق کو اس فعل کے ساتھ معلق نہیں کیا بلکہ وعدۂ طلاق کو اس کے ساتھ معلق کیا ہے لہٰذا جیسے بغیر تعلیق کی صورت میں وعدہ طلاق [صیغۂ مستقبل] سے طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح تعلیق کی صورت میں بھی صیغۂ مستقبل سے طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ اگر بعد میں مرد مستقلاً طلاق دے دیتا ہے تو اس وقت کے ادا کئے گئے الفاظ سے طلاق واقع ہوجائے گی۔

لما فی البحر الرائق (۴۳۹/۳) باب الطلاق: ولو قال قولي أنا طالق لا تطلق حتى تقولها ـ ـ ـ وليس منه أطلقك بصيغة المضارع إلا إذا غلب استعماله في الحال كما في فتح القدير۔

وفی فتح القدير (۷/۴) باب ايقاع الطلاق: ولا يقع "بأطلقك" إلا إذا غلب في الحال۔

وفی الدر المختار (۲۴۸/۳): (ويقع بها) أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح۔ الخ۔

وفی الرد تحته: مطلب سن بوش يقع به الرجعي: ـ ـ ـ قوله (وما بمعناها من الصريح) أي مثل ما سيذكره من نحو كوني طالقا واطلقي ويا مطلقة بالتشديد وكذا المضارع إذا غلب في الحال مثل أطلقك كما في البحر۔

(۲۲۷) "تم گھر آؤ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میاں بیوی میں آپس میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا اور بیوی ناراض ہوکر اپنے میکے بھائی کے گھر چلی گئی، بعد میں شوہر نے بلانے کے لئے فون کیا اور کہا کہ تم گھر آجاؤ لیکن بیوی نے انکار کیا اور کہا کہ میں نہیں آرہی بس تم مجھے طلاق دے دو، شوہر کہتا رہا کہ تم گھر آجاؤ لیکن جب بیوی یہی کہتی رہی کہ تم مجھے طلاق دو تو شوہر نے بیوی کو گھر بلانے کے لئے یوں کہہ دیا کہ "تم گھر آؤ، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں"۔ اب مفتی صاحب! آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ آیا شوہر کے ان الفاظ کے کہنے سے طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شوہر کا بیوی کو گھر بلانے کیلئے یوں کہنا کہ "تم گھر آؤ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" جبکہ بیوی پہلے سے طلاق کا تقاضا بھی کررہی تھی، چونکہ مذکورہ جملہ شرط وجزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہٰذا تنجیزاً (فوراً) ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔ اب شوہر کے پاس دو طلاقوں کا اختیار باقی رہ گیا اور شوہر عدت کے اندر بغیر نکاح کے رجوع کرسکتا ہے۔

لما فی الدر المختار (۲۶۱/۳): (و) أنت طالق (بمكة أو في مكة أو في الدار أو الظل أو الشمس أو ثوب كذا تنجيز) يقع للحال ـ الخ۔

وفی الرد تحته: (۲۶۱/۳): قوله (يقع للحال) تفسير لقوله تنجيز وذلك لأن الطلاق الذي هو رفع القيد الشرعي معدوم في الحال وقد جعل الشارع لمن أراده أن يخلق وجوده بوجود أمر

معدوم يوجد الطلاق عند وجوده والأفعال والزمان هما الصالحان لذلك لأن كلا منهما معدوم في الحال ثم يوجد بخلاف المكان الذي هو عين ثابتة فإنه لا يتصور الإناطة به وتمامه في الفتح۔

(۲۲۸) ماں کی توہین پر طلاق کو معلق کرنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بیوی کے بہن، بہنوئی امریکا میں رہائش پذیر ہیں۔ بہن ایک روز جب دفتر سے نوکری کر کے آئی تو اس کی ساس گھر پر تھیں، وہ ان کو سلام کرتے ہوئے اپنے کمرے میں گئی اور دوسرے دن دفتر جانے کی تیاری مکمل کر کے کھانا لے کر ڈرائنگ روم میں آئی کہ ساس کے پاس بیٹھ کر باتیں بھی کرے گی اور کھانا بھی کھائے گی۔ باتوں باتوں میں دونوں میں تلخ کلامی ہوئی۔ اس بات پر اس کا شوہر ناراض ہوگیا اور اپنی بیوی کو لے کر اس کے گھر چھوڑنے چلا گیا اور یہ کہہ کر گیا کہ میں رات کو گھر واپس نہیں آؤں گا۔ دوسرے دن اپنے جیٹھ کے کہنے پر بیوی نے اپنی ساس سے جا کر ان کے گھر پر معافی بھی مانگ لی، والدہ نے بیٹے کو گھر جانے کو کہا۔ جب شوہر گھر آیا اور بیوی سے ملاقات ہوئی تو انگریزی میں اس نے یہ الفاظ ادا کئے "اگر تم کبھی میری ماں پر چیخی یا ان کی توہین کی تو تم طلاق یافتہ عورت ہوگی"۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر ایسا واقعہ دوبارہ ہوجائے تو کیا طلاق ہوجائے گی؟ اگر ہوگی تو کونسی رجعی، بائن، یا پھر مغلظہ اور اگر رجعی ہوگی تو رجوع کے بعد دوبارہ یہ شرط برقرار رہے گی یا ختم ہوجائے گی؟ براہ کرم تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں مذکورہ الفاظ تعلیق کے الفاظ ہیں لہٰذا شوہر کے ان الفاظ کے بعد، اگر بیوی کی طرف سے ایسا واقعہ دوبارہ ہوجائے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی۔ اگر شوہر نے رجوع کرلیا تو رجوع کے بعد یہ شرط برقرار نہیں رہے گی بلکہ ختم ہوجائے گی لیکن اب شوہر کے پاس مزید صرف دو طلاقوں کا اختیار ہوگا۔

لمافي الدرالمختار (۲۴۷/۳): باب الصريح (صريحه ما لم يستعمل إلا فيه) ولو بالفارسية (كطلقتك وأنت طالق ومطلقة) ـــ (ويقع بها) أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح ـــ (واحدة رجعية وإن نوى خلافها)۔

وفيه أيضا(۳۵۰/۳): (وألفاظ الشرط) أي علامات وجود الجزاء (إن) المكسورة ـــ (وإذا وإذا ما وكل و) ـــ (كلما) ـــ (ومتى متى ما) ونحو ذلك كلو كأنت طالق لو دخلت الدار تعلق بدخولها ـــ (وفيها) كلها (تنحل) أي تبطل (اليمين) ببطلان التعليق (إذا وجد الشرط مرة إلا في كلما فإنه ينحل بعد الثلاث)۔

وفي الرد تحته: قوله (أي تبطل اليمين) أي تنتهي وتتم وإذا تمت حنث فلا يتصور الحنث ثانيا إلا

يمين أخرى لأنها غير مقتضية للعموم والتكرار لغة ثم قوله (ببطلان التعليق) فيه أن اليمين هنا هي التعليق۔

(۲۲۹) "اگر یہ بات کسی کو بتائی تو تجھ کو طلاق" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہندہ کا خالد سے نکاح ہوا۔ نکاح کے بعد چھ مہینے گزر گئے ہیں۔ جب ہندہ کا خاوند بیرون ملک سفر پر چلا گیا اس کے پچیس دن بعد ہندہ اپنے بھائی کے ساتھ گھر چلی گئی، وہاں جانے کے بعد ہندہ کے بھائی نے خالد کے والد کو فون کیا اور فون پر یہ باتیں کہیں۔(۱) خالد ہندہ کے ساتھ غیر فطری طریقہ سے ہمبستری کرتا رہا۔(۲) اور خالد نے ہندہ سے کہا کہ اگر تو نے یہ بات بتادی تو تجھ کو طلاق، چونکہ ہندہ نے بتلا دیا ہے لہذا ہندہ کو طلاق ہوگئی۔

نوٹ: ہندہ نے چھ ماہ کے عرصہ میں کبھی سسر کے سامنے نہ اپنے آپ کو غمگین ظاہر کیا اور نہ کوئی شکایت کی اور والدین کو بھی اتنے عرصہ میں کبھی یہ نہیں بتایا کہ میرے ساتھ یہ سلوک ہورہا ہے۔ کیا ہندہ کی بات کا اعتبار کرتے ہوئے طلاق ہوجائے گی جبکہ اس کا خاوند دور ہے اور کچھ عرصہ کے لئے اس سے رابطہ منقطع ہے۔ اگر طلاق ہوجائے گی تو کونسی ہوگی؟ عدت ابھی سے شروع ہوگی یا خاوند سے رابطہ کے بعد؟

نوٹ: لڑکی عالمہ ہے۔ اگر بالفرض واقعہ صحیح بھی ہے تو اتنے عرصہ تک خاموش رہنے کی وجہ سے عورت کو سزا ملے گی یا نہیں؟ اور خاوند کو سزا ملے گی یا نہیں؟ اگر سزا ملے گی تو کونسی سزا ہوگی؟ مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......غیر فطری طور پر اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور حدیث پاک میں ایسے شخص کو ملعون کہا گیا ہے اگر اسلامی حکومت قائم ہو تو قاضی اور امام کی ذمہ داری ہے کہ اس فعل حرام پر سخت سزا دے لیکن چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے لہٰذا کسی دوسرے کو سزا دینے کا حق نہیں البتہ زوجین پر ضروری ہے کہ اس فعل حرام سے توبہ کریں نیز اگر خالد نے واقعۃً طلاق معلق کی تھی (یعنی ہندہ کو کہا تھا کہ اگر تو نے یہ بات کسی کو بتائی تو تجھ کو طلاق) تو جب ہندہ نے اپنے بھائی کو بتادی تو اسی وقت ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور عدت بھی اسی وقت سے شروع ہوگئی البتہ اگر شوہر نے طلاق کو معلق کرتے ہوئے دو یا تین کی تصریح کی ہو تو اتنی ہی طلاق واقع ہوجائیں گی جتنی کی تصریح کی تھی اور اگر شوہر کو اطلاع ہونے سے قبل ہی اس عورت کی عدت گزر جائے تو یہ عورت بائن ہوجائے گی اور شوہر کو بغیر نکاح کے رجوع کا حق ختم ہوجائے گا، اس صورت میں یہ لڑکی جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

لمافی سنن ابی داود (۲۹۴/۱): عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: "ملعون من أتى امرأته فی دبرها"

وفی بذل المجهود (۲۵۸/۳): أی جامعها فی دبرها وهذا الحديث يستدل به وبالأحاديث الواردة فی هذا الباب على أنه يحرم إتيان النساء فی أدبارهن الخ۔

وفی الهداية، باب الأيمان فی الطلاق (٢/٣٩٨): وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق وهذا بالاتفاق۔

وفی الشامية(٦/٥٤٩): قوله (وفرق الفقهاء) أي بين القصاص والحدود فيشترط الإمام لاستيفاء الحدود دون القصاص حموي ۔

(۲۳۰) عورت کا بھولے سے شرط پر عمل کر لینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے غصہ کی حالت میں کہا کہ اب اگر تو نے مرغی پکائی تو تجھے طلاق۔ اب عورت نے بھول کر مرغی پکالی اور مرد نے کچھ نہیں کہا، آیا پہلے والے جملہ سے اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟ برائے مہربانی جلدی جواب عنایت فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جب شوہر نے اپنی بیوی کو یوں کہا کہ "تو نے مرغی پکائی تو تجھے طلاق" اور بیوی نے بھول کر مرغی پکالی تو طلاق واقع ہوجائے گی البتہ اس کو رجوع کا حق حاصل ہوگا، عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے۔

لمافی الشامية (٣/٧٠٩): قوله (في اليمين أو الحنث) متعلق بقوله ولو مكرها أو ناسيا أي سواء كان الإكراه أو النسيان في نفس اليمين وقد مر أو في الحنث بأن فعل ما حلف عليه مكرها أو ناسيا أي سواء كان الإكراه أو النسيان في نفس اليمين وقد مر أو في الحنث بأن فعل ما حلف عليه مكرها أو ناسيا لأن الفعل شرط الحنث وهو سبب الكفارة والفعل الحقيقي لا ينعدم بالإكراه والنسيان ۔

وفيه أيضاً(٣/٧٧٢): قلت ومقتضاه أن النسيان لا تأثير له هنا ... على أنه يلزم أن يكون النسيان عذرا في عدم الحنث في غير هذه الصورة أيضا وهو خلاف المنصوص فافهم ۔

(۲۳۱) سالے کے مارنے پر طلاق کو معلق کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری (یعنی شاہ عنایت اللہ ولد شاہ انعام اللہ کی) شادی امبر بنت انوار احمد سے ۲۲ فروری ۲۰۰۳ء کو ہوئی، شادی کے بعد میری اہلیہ کا رویہ میرے ساتھ صحیح نہیں تھا، بسا اوقات اس کے بھائی وغیرہ آکر میری پٹائی بھی کر دیتے تھے، اس پر میں نے ایک دن اپنی اہلیہ سے کہا کہ ''اگر تمہارے بھائیوں میں سے کسی نے بھی اب مجھے مارا تو یہ سمجھنا کہ تم میری زندگی سے آزاد' اور ایک موقع پر میں نے کہا کہ ''علیحدگی سمجھنا''، ان باتوں سے میرا مقصد طلاق نہیں تھا بلکہ اپنی اہلیہ کو ڈرانا مقصود تھا، ایک موقع پر میں نے اپنی اہلیہ کو غالباً یہ بھی کہا تھا کہ ''طلاق سمجھنا''، ایک موقع پر میرے بڑے سالے نے مجھے ایک

جھانپڑ (طمانچہ) مارا، اب آپ بتائیے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں میرے مسئلے کا جواب کیا ہے؟

(۱) کیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(۲) ایسی صورت میں بیوی کو چھوڑا جاسکتا ہے، کیونکہ میری بیوی کا رویہ جو شوہر کے ساتھ ہونا چاہیئے وہ نہیں ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱) صورت مسئولہ میں جس وقت آپ کے سالے نے آپ کو طمانچہ مارا اس وقت آپ کی بیوی پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگئی ہے۔

(۲) کوئی بھی عورت ویسے ہی اپنے شوہر کو پریشان نہیں کرتی ممکن ہے آپ کا رویہ اس کے ساتھ درست نہیں ہو، آپ اپنا رویہ درست کریں اور بیوی کے حقوق ادا کریں، ان شاء اللہ آپ کی بیوی کا رویہ بھی درست ہوجائے گا۔ اگر پھر بھی درست نہ ہو تو اپنے بڑوں کو بٹھا کر بات کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنا رویہ درست کرلے ورنہ بامرِ مجبوری آپ اس کو طلاق دے سکتے ہیں نیز آپ کے سالوں کو بھی عقلمندی سے کام لیتے ہوئے اپنی ہمشیرہ کا گھر آباد کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے نہ کہ مار دھاڑ کرکے برباد کرنے کی۔ اب آپ کو دو طلاقوں کا حق باقی رہ گیا ہے[1]۔

لمافي الهندية (١/٤٢٠): وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق ولا تصح إضافة الطلاق إلا أن يكون الحالف مالكا أو يضيفه إلى ملك۔

وفيه أيضاً (١/٤١٥): الباب الرابع في الطلاق بالشرط ونحوه وفيه أربعة فصول الفصل الأول في ألفاظ الشرط ألفاظ الشرط إن وإذا وإذما وكل وكلما ومتى ومتى ما ففي هذه الألفاظ إذا وجد الشرط انحلت اليمين وانتهت لأنها تقتضي العموم والتكرار فبوجود الفعل مرة تم الشرط وانحلت اليمين فلا يتحقق الحنث بعده۔

---

[1] ’’اگر تمہارے بھائیوں میں سے کسی نے بھی اب مجھے مارا تو یہ سمجھنا کہ تم میری زندگی سے آزاد‘‘ ان الفاظ سے ایک طلاق کے وقوع کا حکم لگایا گیا ہے، یہ الفاظ صریح ہیں۔ باقی ’’علیحدگی سمجھنا‘‘ اور ’’طلاق سمجھنا‘‘ کے الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی، چاہے طلاق کی نیت بھی ہو۔ اس کی مزید تحقیق کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد میں موجود فتوی "الدر الغربی فی تحقیق لفظ]احسبی وافرضی[" ملاحظہ ہو، اس میں احسبی، افرضی یعنی [سمجھ لے تجھے طلاق ہے] یا [سمجھ لے کاغذ ہے، کاغذ ہے، کاغذ ہے] وغیرہ سے طلاق کے وقوع یا عدم وقوع سے متعلق مدلل کلام موجود ہے نیز نجم الفتاوی کی اسی جلد میں موجود فتوی "المذاهب والروایات فی الألفاظ الکنایات" کی بھی مراجعت کرلی جائے اس میں الفاظ کنایات سے طلاق اور اس میں نیت اور احتمال طلاق سے متعلق مذاہب کی تفصیل اور دیگر امور پر شافی بحث کی گئی ہے۔ از مرتب فرحان حسن

وفي الدر المختار(٢٤٧/٣):(صريحه ما لم يستعمل إلا فيه) --- (كطلقتك وأنت طالق ومطلقة) --- (ويقع بها) --- (واحدة رجعية وإن نوى خلافها) --- (أو لم ينو شيئا)۔

وفيه أيضاً(٢٩٩/٣): بخلاف فارسية قوله سرحتك وهو رهاء كردم لأنه صار صريحا في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري اھ --- فإن سرحتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فإذا قال رها كردم أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق۔

(۲۳۲)”کسی بھی شادی میں گئی تو تجھے تین طلاق“ کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو کہا اگر تو کسی کی شادی میں گئی تو تجھے تین طلاقیں، اب اگر اس کی بیوی دیور کی شادی میں شریک ہونا چاہتی ہے حالانکہ دیور کا مکان بھی اسی ایک چار دیواری کے اندر مشتمل ہے تو کیا یہ ان کی شادی میں شریک ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اب اس صورت میں پوچھنا یہ ہے کہ اگر یہ عورت ان کی شادی میں شریک ہوئی تو اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی یا نہیں اور اگر اب شوہر اپنی اس تعلیق سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو کیا تعلیق سے رجوع کرسکتا ہے یا نہیں اور کوئی صورت ہے کہ جس میں یہ عورت ان کے نکاح میں برقرار رہے اور یہ تعلیق بھی ختم ہوجائے۔شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر کے مذکورہ الفاظ کہ ”اگر تو کسی کی شادی میں گئی تو تجھے تین طلاق“ عام ہیں خواہ کسی کی بھی شادی ہو لہٰذا اگر اس کی بیوی دیور کی شادی میں شریک ہوئی تو اس کو تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوجائیں گی اگرچہ دیور کا مکان ایک ہی چار دیواری میں ہو۔

اس تعلیق کو ختم کرنے کی صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایک طلاق بائنہ دیدے پھر بیوی عدت گزارنے کے بعد دیور یا کسی کی شادی میں شرکت کرے اس صورت میں یہ تعلیق لغو ہوجائے گی اور اس کے بعد شوہر اس سے اس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرلے تو تعلیق ختم ہوجائے گی اور اس مرد کو دو طلاقوں کا حق ملے گا۔

لما في الدر المختار (٣٥٥/٣):فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها۔

وفي الشامية (٣٥٣/٣): قوله (كاقتضاء كل عموم الأسماء) لأن كلما تدخل على الأفعال وكل تدخل على الأسماء فيفيد كل منهما عموم ما دخلت عليه فإذا وجد فعل واحد أو اسم واحد فقد وجد المحلوف عليه فانحلت اليمين في حقه --- فالحاصل أن كلما لعموم الأفعال وعموم

الأسماء ضروري فيحنث بكل فعل حتى تنتهي طلقات هذا الملك وكل لعموم الأسماء وعموم الأفعال ضروري۔

(۲۳۳) ایس ایم ایس کرنا بات شمار ہوگا یا نہیں؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کہتا ہے "اگر تو نے فلاں سے بات کی تو تجھے طلاق" ظاہر ہے یہ شوہر اس فلاں (بیوی کے میکے کی ایک عورت) سے غصہ ہے اور یہ قسم کھائی ہے اب یہ بیوی بالمشافہ یا فون پر تو بات نہیں کرتی لیکن میسج پیکج کے ذریعے SMS پر بات کرتی ہے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوجائے گی کیونکہ عرفاً تو یہ بھی بات کرنا ہے اور شوہر ظاہر ہے اس عورت سے بات نہ کرنے سے کسی بھی قسم کا تعلق نہ رکھنا چاہتا ہے۔ تفصیل فرمادیں۔ نیز ایمان میں عرف مقدم ہوتا ہے یا لفظ کی حقیقت؟ وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... شریعت مطہرہ میں کوئی شخص طلاق کو کسی شرط پر معلق کرے تو جب بھی وہ شرط پائی جائے گی تو طلاق واقع ہوجاتی ہے لہٰذا مذکورہ شخص کا اپنی بیوی کو یہ کہنا "اگر تو نے فلاں سے بات کی تو تجھے طلاق" اب اگر عورت نے واقعی (SMS) پر بات کی ہو تو اس عورت پر ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی کیونکہ (SMS) کی صورت میں اگرچہ صراحۃً کلام کی صورت تو نہیں پائی جاتی لیکن پیغامات کی سرعت رفتاری کی بنا پر ہمارے عرف میں یہ بات کرنا ہی شمار ہوتا ہے اور (ایمان) کا مدار عرف پر ہوتا ہے لہٰذا ہمارے عرف کے مطابق مذکورہ بالا صورت میں (SMS) پر رابطہ بھی بات کرنا شمار ہوگا البتہ اگر ڈاک یا (TCS) ٹی سی ایس کے ذریعے تحریر بھیجے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

لمافی بدائع الصنائع (۱۳۰/۳): ولو قال إن دخلت الدار فأنت طالق أو إن كلمت فلانا فأنت طالق فقالت دخلت أو كلمت لا يقع الطلاق ما لم يصدقها الزوج أو يشهد على ذلك رجلان أو رجل وامرأتان بالإجماع لأن قولها دخلت أو كلمت إقرار على الغير وهو الزوج بإبطال حقه فكان شهادة على الغير فلا تقبل۔

وفی الدرالمختار (۷۴۳/۳) باب اليمين في الدخول والخروج والسكنى والإتيان والركوب وغير ذلك الأصل أن الأيمان مبنية عند الشافعي على الحقيقة اللغوية وعند مالك على الاستعمال القرآني وعند أحمد على النية وعندنا على العرف ما لم ينو ما يحتمله اللفظ فلا حنث في لا يهدم إلا بالنية، فتح ـ

وفی الشامية (۷۹۲/۳) كتاب الايمان: قوله (فلا يحنث بإشارة وكتابة) وكذا بإرسال رسول لأنه لا يسمى كلاما عرفا خلافا لمالك وأحمد رحمهما الله تعالى استدلالا بقوله تعالى { وما كان

لبشر أن يكلمه الله إلا وحيا } إلى قوله { أو يرسل رسولا } أجيب عنه بأن مبنى الأيمان على العرف، فتح قوله(عن الجامع) حيث قال إذا حلف لا يكلم فلانا أو قال والله لا أقول لفلان شيئا فكتب له كتابا لا يحنث وذكر ابن سماعة في نوادره أنه يحنث اهـ

وفي الموسوعة الفقهية (٣٠٧/٧) كتاب الايمان:مذهب الحنفية : الأصل عندهم أن الكلام ينصرف إلى العرف إذا لم يكن للحالف نية.فإن كانت له نية شيء واللفظ يحتمله انعقدت اليمين باعتباره.فمن حلف لا يدخل بيتا فدخل المسجد لا يحنث إذا لم ينوه ؛ لأن المسجد لا يعتبر في العرف بيتا . وإن كان الله في كتابه قد سماه بيتا۔

(۲۳۴)شوہر سے مارنے،نشہ کرنے اور زنا کرنے پر طلاق کی قسم لینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا نام عابد حسین ہے تقریباً ایک سال پہلے میری بیوی نے لڑ جھگڑ کر مجھ سے تین قسمیں لیں (۱) مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھانا، یعنی مارنا نہیں۔(۲) نشہ نہیں کرنا۔(۳) کسی عورت کے پاس نہیں جانا (یعنی زنا نہیں کرنا) (یہ تینوں قسمیں الگ الگ ایک ایک طلاق پر کھائی گئی ہیں)۔

میں نے اس کی ضد کے آگے قسم کھائی تھی اور ابھی تک اپنی قسم کو نبھا رہا ہوں البتہ مجھے شک ہے کیونکہ اکثر میری زوجہ غصے کی حالت میں تن کر سامنے کھڑی ہوجاتی ہے تو میں دھکا دے کر ہٹا دیتا ہوں اس لئے کہ غصے میں ہاتھ اٹھا دیا تو قسم ٹوٹ جائے گی، میرا دھکا دینا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟ اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ میں نے زنا کیا ہو تو تم قسم کھاؤ کہ میں تم پر طلاق اور شوہر ہاں کر دیتا ہے، پھر وہ جھوٹ بول دیتی ہے کہ ہاں میں نے کیا ہے اور بعد میں کہتی ہے کہ میں کبھی ایسا نہیں کرسکتی، اس کے بارے میں مذہب کیا کہتا ہے؟ اور شوہر کی عزت نہ کرنے والی، ہر بات پر لڑنے والی اور بدزبان عورت کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ نیز کیا یہ پہلی تین قسمیں تین طلاق سے منسوب ہوسکتی ہیں اور ایسے ہی بیوی سے کہنا کہ میں تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا، اس کے بارے میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں۔ ہر بات پر طلاق کی قسم دینے والی عورت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... (۱) مذکورہ صورت میں اگر راستہ لینے اور گذرنے کیلئے دھکا دیا ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ عرف میں اس کو ہاتھ اٹھانا نہیں کہا جاتا اور اگر گزرنے کیلئے دھکا نہ دیا ہو بلکہ بلا ضرورت گھر میں کھڑے بیٹھے دھکا دیا ہو تو ایک طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ عرف میں اس کو ہاتھ اٹھانا کہا جاتا ہے۔

(۲) جھوٹ بولنے والی صورت میں اگر شوہر کو عورت کے جھوٹا ہونے کا یقین ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر سچا ہونے کا یقین ہو تو ایک طلاق واقع ہوجائے گی۔

(۳) شریعت نے شوہر کو گھر میں بڑا بنا کر اس کو حکم دیا کہ وہ کبھی بھی اپنے آپ کو بیوی پر حاکم نہ سمجھے اور بیوی کو ہر ممکن شوہر کی

اطاعت کا حکم دیا ہے، یہی ایک دوسرے کے مزاج کا احترام ہے، جب تک ایک دوسرے کے مزاج کا احترام نہیں ہوگا، ایک ساتھ زندگی بسر کرنا مشکل ہوگا، بیوی کیلئے بھی مناسب نہیں کہ وہ شوہر کی اطاعت سے روگردانی کرے اور ضد کر کے لڑائی جھگڑے پر اتر آئے اور اگر کبھی کبھار بیوی سے غلطی ہوجائے تو شوہر کو درگزر کرنا چاہیئے اور اگر شوہر سے زیادتی ہوجائے تو بیوی کو برداشت کرلینا چاہیئے۔

(۴) چھوٹی چھوٹی باتوں پر طلاق کی قسم دینے اور کھانے سے پرہیز کرنا چاہیئے، کیا معلوم اگر ان سے طلاق واقع ہوگئی تو پوری زندگی حرام کاری میں گزرے گی۔

لمافی الخانية (۲/۲۲۵) كتاب الطلاق باب التعليق (ط حافظ): امرأة اتهمت بالسرقة فأمرت زوجها حتى يحلف بطلاقها أنها لم تسرق فحلف الزوج فقالت المرأة قد كنت سرقت وصرت حانثاً فيما حلفت كان للزوج أن لا يصدقها لأنها متناقضة۔

وفى الهندية (۱/۳۸۴) (الباب الثانى، الفصل السابع): في المحيط لو قال بالعربية أطلق لا يكون طلاقا إلا إذا غلب استعماله للحال فيكون طلاقا۔

وفيه أيضاً (۱/۴۴۳) (الباب الرابع فى الطلاق بالشرط): رجل قال لمديونه امرأتك طالق إن لم تقض ديني فقال المديون ناعم فقال له الرجل قل نعم فقال نعم وأراد جوابه فاليمين لازمة وإن دخل بينهما انقطاع كذا في خزانة المفتين۔

وفيه أيضاً (۱/۴۴۵): قال لامرأته إن أغضبتك فأنت طالق فضرب صبيا لها فغضبت ينظر إن ضربه في شيء ينبغي أن يضرب ويؤدب عليه لا تطلق وإن ضربه في شيء لا ينبغي أن يضرب ويؤدب عليه تطلق كذا في المحيط۔

وفى الشامية (۳/۷۴۳) كتاب الايمان فى الدخول، الأيمان مبنية على العرف: فظهر أن مرادنا بانصراف الكلام إلى العرف إذا لم تكن له نية وإن كان له نية شيء واللفظ يحتمله انعقد اليمين باعتباره اھ وتبعه في البحر وغيره۔

(۲۳۵) مذکورہ فتوے پر استدراک اور اُس کا جواب

سوال...... مفتی صاحب! ملحقہ فتوی میں تین باتوں سے متعلق استفسار کرنا تھا۔

(۱) مفتی صاحب اگر کوئی شخص نہ مارنے پر یمین اٹھا کر پھر بیوی کو دھکا دیتا ہے لیکن اس لئے کہ وہ ہٹ نہیں رہی اور لڑنے پر تلی ہے تو ظاہر ہے یہ صرف راستہ لینے کیلئے نہیں بلکہ بطور زجر کے بھی ہے تو کیا وہ اس سے حانث ہوگا؟

(۲) جھوٹ بولنے والی صورت میں جو جواب میں تفصیل ہے وہ حوالے میں نہیں حوالے میں تو فقط شوہر کی تصدیق کا ذکر ہے

کہ وہ تصدیق بھی کرسکتا ہے اور تکذیب بھی۔اب یہ حق اسے حرمت مصاہرت میں تصدیق والے حق کی طرح سقوط حق زوجیت کی وجہ سے مل رہا ہے یا عورت کے کلام میں تناقض کی وجہ سے؟ بظاہر حوالے سے تناقض وجہ معلوم ہوتی ہے لیکن مفتی صاحب یہ تناقض تو عام اوقات میں تساقط کا سبب بن جاتا ہے تو یہاں بھی شوہر سے پوچھنے کا کیا فائدہ؟ فقط عورت کے کلام میں تناقض موجب سقوط ہونا چاہیئے۔ازراہ کرم اس مسئلے پر مفصل تحقیق فرمائیں۔

(۳) تیسرا یہ کہ آخری سے پہلے حوالے میں "أغضبتك"غصہ دلانے پر تعلیق طلاق کا ذکر ہے، مفتی صاحب اس کی جو تشریح حوالے میں ذکر ہے بچہ کو مارنا تادیبا یا بغیر تادیب کے۔اس کا کیسے پتہ چلے گا کیا کوئی کلی قاعدہ نہیں بن سکتا اس سلسلے میں؟ صرف غصہ دلانا یعنی عورت کو غصہ آجائے یہ موجب طلاق ہوجائے ،اس میں حوالے میں ذکر فرق کا معلوم کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب......(۱) صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور اپنی بیوی کو ایسا دھکا دیتا ہے کہ اس دھکا دینے سے بیوی کو تکلیف نہیں ہوتی تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ نہ عرف میں اس کو مارنا کہا جاتا ہے اور نہ اس میں مارنے کا معنی پایا جاتا ہے (ایسا فعل جس سے درد محسوس ہو) اور اگر دھکا اتنا زور سے دیا کہ ضرب کی کیفیت پیدا ہوئی تو بیوی کو طلاق واقع ہوجائے گی (یعنی بیوی کو درد محسوس ہو)۔

(۲) جھوٹ بولنے والی صورت میں حوالے میں عورت کے قول کے تناقض کی وجہ سے صرف شوہر کو مشورہ دیا جارہا ہے کہ شوہر بیوی کی تصدیق نہ کرے اور تناقض ہر صورت میں تساقط کا سبب نہیں بنتا اور صورت مسئولہ میں بھی تناقض تساقط کا سبب نہیں بن رہا بلکہ شوہر کو جو تصدیق کا حق دیا جارہا ہے وہ اس وجہ سے کہ جہاں پر طلاق کو ایسے فعل یا چیز کے ساتھ معلق کیا جائے جس کا علم عورت کے علاوہ دوسرے کو بھی ہوسکتا ہو تو اس صورت میں وقوع طلاق کیلئے شوہر کی تصدیق یا بینہ ضروری ہوتا ہے اور یہ عام قاعدہ ہے کہ جہاں شوہر کا حق ساقط ہورہا ہو وہاں اس کی تصدیق ضروری ہوتی ہے مثلاً عورت دعویٰ کرے کہ سسر نے مجھے ہاتھ شہوت سے لگایا ہے تو شوہر کی تصدیق ضروری ہے۔

(۳) بچے کو کسی ایسی کوتاہی یا غلطی پر جو شرعاً بری سمجھی جاتی ہے اصلاح یا تربیت کی نیت سے مارنا بشرطیکہ وہ مارنا شریعت کی حدود میں رہ کر ہو تادیب کیلئے ہوگا اور بلاوجہ مارنا یا مارنے میں شریعت کی حدود سے تجاوز کرجانا یہ غیر تادیب کیلئے ہوگا اور اس سے طلاق واقع ہوجائے گی۔

لما فی البحرالرائق ، کتاب الطلاق، باب التعلیق (۴۵/۴) (ط: رشیدیه):ما في المحیط أنه لا بد من تصدیق الزوج فإنه قال لو قال أنت طالق إن لم تكن أمك تهوى ذلك فقالت الأم أنا لا أهوى وكذبها الزوج لا تطلق فإن صدقها طلقت لما عرف۔

وفی الخانیة(۲۳۵/۲) (ط: حافظ):رجل قال لامرأته إن أغضبتك فأنت طالق فضرب صبياً لها فغضبت قالوا إن ضربه لشيء ينبغي أن يؤدب الولد على ذلك لا تطلق لأن هذا ليس موضع الغضب فلايعتبر غضبها وإن ضربه في موضع لا ينبغي أن يؤدب الولد تطلق امرأته۔

وفى الهندية. كتاب الايمان (۱۲۸/۲): رجل حلف أن لا يضرب امرأته فقرصها أو عضها أو خنقها أو مد شعرها فأوجعها حنث في يمينه قالوا هذا إذا لم يكن في الملاعبة وإن كان في الملاعبة لا يحنث وهو الصحيح وكذا لو أصاب رأسه رأسها في الملاعبة فأدماها لا يحنث وقيل هذا إذا كانت اليمين بالعربية فإن كانت بالفارسية لا يحنث في جميع ذلك والصحيح أنه يكون حانثا إذا كان على وجه الغضب وإن نتف شعرها تكلموا فيه والصحيح أنه يكون حانثا إذا كان في الغضب وإن دفعها ولم يوجعها لا يحنث كذا في فتاوى قاضيخان۔

وفى الدرالمختار (۳۵۸/۳): (وما لا يعلم) وجوده (إلا منها صدقت في حق نفسها خاصة) استحسانا. بلا يمين. نهر بحثا۔

وفى الردتحته: قوله (وما لا يعلم إلا منها) قيد به لأنه لو كان يعلم من غيرها توقف الوقوع على تصديقه أوالبينة كالدخول والكلام اتفاقا واختلفوا فيما لو علق بولادتها فقالا يقع بشهادة القابلة وعنده لا بد من شهادة رجلين أو رجل وامرأتين، جوهرة --- وبعد أسطر: قوله (نهر بحثا) أصل البحث لأخيه صاحب البحر حيث قال وظاهره أنه لا يمين عليها ويدل عليه قولهم إن الطلاق المعلق بإخبارها وقد وجد ولا فائدة في التحليف لأنه وقع بقولها والتحليف لرجاء النكول وهي لو أخبرت ثم قالت كنت كاذبة لا يرتفع الطلاق لتناقضها اهـ۔

(۲۳۶) شوہر کا طلاق کو اپنے فعل کے ساتھ معلق کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے ایک لڑکی سے اس وعدہ اور اقرار پر نکاح کیا کہ اگر میں تیرے گھر نہ رہوں اور تیری بلا اجازت اور کسی جگہ جاؤں یا رہوں تو میرا نکاح تیرے ساتھ درست نہ رہے گا اور میری طرف سے تین طلاق، بعد نکاح ایک رات وہ لڑکی کے گھر رہ کر پھر جس جگہ کا تھا وہیں چلا گیا، وہ گھر آ کر نہیں رہا اور نہ اس کو خرچ دیا، اس صورت میں مذکورہ لڑکی دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں چونکہ شوہر نے اس شرط پر عورت سے نکاح کیا ہے کہ وہ اگر زوجہ کے ساتھ نہ رہا تو اس کی طرف سے زوجہ کو طلاق ہے، لہٰذا اس صورت میں لفظ طلاق صریح ہے اور شوہر نے شرط پوری نہیں کی ہے کیونکہ شادی کے بعد عورت کی اجازت کے بغیر وہ شخص زندگی کہیں اور جا کر گزار رہا ہے لہٰذا شوہر کے اس لفظ سے بیوی مطلقہ ہو چکی ہے اور کامل تین حیض عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

لمافى الدرالمختار (۳۵۰/۳): (وألفاظ الشرط)--- (إن) --- (وإذا وإذا ما وكل و)---

(كلما)۔۔۔ (ومتى متى ما)۔۔۔ (وفيها) كلها (تنحل) أي تبطل (اليمين) ببطلان التعليق (إذا وجد الشرط مرة إلا في كلما فإنه ينحل بعد الثلاث) لاقتضائها عموم الأفعال۔

وفى الشامية (۳/۳۵۲): فإذا قال إن تزوجت فلانة أبدا فهي كذا فتزوجها فطلقت ثم تزوجها ثانيا لا تطلق لأن التأبيد إنما ينفي التوقيت فيتأبد عدم التزوج۔

(۲۳۷) طلاق کو منگنی سے معلق کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے بھائی عدنان کا رشتہ میرے والد صاحب میری چچازاد بہن سے کروانا چاہتے تھے لیکن عدنان اس پر خوش نہیں تھا۔ روزانہ گھر میں یہی بحث ہوتی تھی اور عدنان انکار کرتا تھا۔ ایک دن عدنان بہت غصہ ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تم نے میری منگنی اُس سے کرائی تو اُسے ابھی سے طلاق۔ اس معاملے کو دو مہینے گزر گئے لیکن آخر کار عدنان مان گیا اور وہ اس منگنی پر راضی ہوا۔ چار مہینے کے بعد شادی بھی ہوگئی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ عدنان نے جو الفاظ ادا کئے تھے (اس کو ابھی سے طلاق) کیا شادی کے بعد ان الفاظ کی وجہ سے عدنان کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ تفصیل سے آگاہ کیجئے۔

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں جب آپ کے بھائی نے یہ الفاظ کہے "اگر تم نے میری منگنی اس سے کرائی تو اسے ابھی سے طلاق" اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی اور نہ منگنی کے بعد طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق کے واقع ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ عورت طلاق دینے والے کے نکاح میں ہو یا طلاق کو اس عورت کے ساتھ نکاح کی طرف منسوب کیا جائے اور منگنی ان دونوں صورتوں میں داخل نہیں ہے۔

لما في الدر المختار (۳/۳۴۴) باب التعليق: وشرطه الملك حقيقةً ۔۔۔ (كقوله لمنكوحته) أو معتدته (إن ذهبت فأنت طالق أو الإضافة إليه) ۔۔۔ (كإن) نكحت امرأة أو إن (نكحتك فأنت طالق) ۔۔۔ (فلغا قوله الأجنبية إن زرت زيدا فأنت طالق فنكحها فزارت)۔

وفى الرد تحته: ومثل ذلك ما لو قال لوالديه إن زوجتماني امرأة فهي طالق ثلاثا فزوجاه بلا أمره لا تطلق لأنه غير مضاف إلى ملك النكاح لأن تزويجهما له بلا أمره لا يصح بحر عن المحيط ثم قال لا فرق بين كونه بأمره أو بلا أمره كما في المعراج اه قلت لكن في الخانية في صورة الأمر أن الصحيح أنه يصح اليمين وتطلق اه وهو مشكل لأن الكلام في وجود شرط التعليق وهو الملك أو الإضافة إليه وتزويج الأبوين غير سبب للملك من كل وجه لأنه قد يكون بأمره وبدونه اللهم إلا أن يكون مراد الخانية ما إذا قال إن زوجتماني بأمري فحينئذ يصح اليمين وتطلق وإلا فلا وجه للتفصيل المذكور قبل صحة التعليق فالأوجه ما في المعراج۔

(۲۳۸) طلاق کو نکاح پر معلق کرنے کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری منگنی کو کچھ عرصہ گزرا ہے ایک موقع پر میں نے اپنی منگیتر کو یہ الفاظ کہہ دیئے کہ "جب اپنا نکاح ہو تجھے طلاق" اس واقعہ کے بعد ایک دن اہل خانہ کے سامنے میری منگیتر نے یہ الفاظ میرے سامنے کہے کہ "میں دل سے اپنے آپ کو آپ کے نکاح میں دیتی ہوں" جس پر میں نے اس کا یہ جواب دیا کہ میں قبول کرتا ہوں۔ گویا بلا خطبۂ نکاح کے ایجاب وقبول کرلیا مگر اس کے گھر والے موجود تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ میرے مذکورہ بالا الفاظ اپنی منگیتر کو جو کہے ہیں اس کے بعد میرا اس سے نکاح جائز ہے کہ طلاق واقع نہ ہو جبکہ ایک مرتبہ نکاح (ایجاب وقبول) کی صورت میں ہو چکا ہے۔

اب پریشانی یہ ہے کہ میرے گھر والے باقاعدہ میرا نکاح کروانا چاہتے ہیں، آیا اس نکاح کے بعد میری بیوی کو طلاق ہو گی یا نہیں؟ نیز اگر طلاق ہو جائے گی تو کوئی ایسی صورت بتادیں جس سے وہ میرے نکاح میں بھی آجائے اور طلاق بھی واقع نہ ہو اور جو پہلے ایجاب وقبول کی صورت پیش ہوئی ہے اس سے نکاح ہو جاتا ہے اور اس کے بعد طلاق ہوئی یا نہیں؟ ازراہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمادیں اور اس مشکل مرحلہ سے نکلنے کا کوئی شرعی حل تحریر فرمادیں۔ آپ حضرات کی نوازش ہوگی۔

تنقیح: سائل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا ایجاب وقبول سائل کے دو بھائیوں اور بہنوں اور دو اور آدمیوں کی موجودگی میں ہوا۔

الجواب بعون الملک الوھاب……صورتِ مسئولہ میں جب آپ نے اپنی منگیتر سے یہ الفاظ کہے "جب اپنا نکاح ہو تجھے طلاق" اس کے بعد آپ کی منگیتر نے آپ کے بھائیوں اور بہنوں اور دو اور آدمیوں کی موجودگی میں یہ کہا: میں دل سے اپنے آپ کو آپ کے نکاح میں دیتی ہوں اور آپ نے قبول کرلیا تو یہ نکاح منعقد ہو گیا البتہ اگر یہ نکاح غیر کفو (یعنی لڑکا دینداری، مال اور پیشہ وغیرہ میں لڑکی کے برابر نہ ہو) میں ہو رہا ہو تو لڑکی کے باپ یا ولی اقرب کا راضی ہونا بھی ضروری ہے ورنہ یہ نکاح کالعدم ہوگا لہٰذا اگر ولی راضی ہو یا نکاح کفو میں ہو رہا ہو تو یہ نکاح منعقد ہے اور آپ کے سابقہ الفاظ کی وجہ سے ایک طلاق بائنہ بھی واقع ہو گئی ہے اور اگر اب آپ کے گھر والے آپ کا نکاح کرانا چاہتے ہیں آپ کی اسی منگیتر سے تو یہ نکاح ہو سکتا ہے اور سابقہ نکاح طلاق کی وجہ سے ختم ہو گیا نیز اب آپ کو دو طلاقوں کا حق باقی ہے۔

لما فی الدر المختار(۳/۳۴۴)باب التعلیق:(کقوله لمنکوحته) أو معتدته (إن ذهبت فأنت طالق أو الإضافة إليه) --- (کإن) نکحت امرأة أو إن (نکحتك فأنت طالق)۔

(۲۳۹) بیوی کو تعلیق کا علم نہ ہونے کی صورت میں طلاق کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شوہر نے ایس ایم ایس پر اپنی بیوی کو لکھا کہ اگر تم چھ بجے تک گھر نہیں آئیں تو تم کو طلاق، لیکن نیٹ ورک کی وجہ سے وہ ایس ایم ایس بیوی کے پاس رات آٹھ بجے آیا تو اس صورت میں کیا حکم

ہوگا؟ آیا طلاق ہوگی یا نہیں؟ کیا تعلیق کیلئے علم ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ یعنی شوہر جس فعل پر تعلیق کر رہا ہے تو وہ کام بیوی کو معلوم ہو یا تنجیزی طلاق کی طرح معلوم ہونا ضروری نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق کو کسی شرط کے ساتھ معلق کر دے تو شرط کے پائے جانے کے وقت طلاق کا وقوع ہوجائے گا خواہ بیوی کو اس تعلیق کا علم ہو یا نہ ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں جب شوہر نے اپنی بیوی کی طلاق کو چھ بجے نہ آنے پر معلق کیا کہ اگر تم چھ بجے تک گھر نہیں آئی تو تم کو طلاق اور وہ چھ بجے تک گھر پر نہ آسکی تو اس صورت میں اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی اگر چہ اس کی بیوی کو اس تعلیق کا علم نہ ہوسکا ہو کیونکہ طلاق معلق کے اندر بیوی کو تعلیق کا علم ضروری نہیں ہے لہٰذا جب شرط کا وقوع ہوجائے گا تو مذکورہ طلاق طلاق تنجیزی کی طرح واقع ہوجائے گی [یعنی جیسا کہ تنجیزی طلاق کے وقوع کیلئے بھی بیوی کو معلوم ہونا ضروری نہیں۔

لما في الدرالمختار (۳/۳۵۵): (وتنحل) اليمين (بعد) وجود (الشرط مطلقا)۔

وفيه أيضاً(ص۳۸۲) : قلت قال ابن الشحنة والأصل أنه متى عجز عن شرط الحنث حنث في العدمي لا الوجودي۔

وفي الرد تحته: فصار الحاصل أنه إذا كان شرط الحنث عدميا فإن عجز عن شرط البر بفوات محله لا يحنث وإن مع بقاء المحل حنث سواء كان المانع حسيا أو لا وكذا لو كان المانع كونه مستحيلا عادة كمس السماء وإن كان الشرط وجوديا لا يحنث مطلقا ولو كان المانع غير حسي في المختار هذا ما تحرر لي من كلامهم والله تعالى أعلم فافهم۔

وفي الشامية (۳/۷۵۱): لأن الشرع قد يجعل الموجود معدوما بالعذر كالإكراه وغيره ولا يجعل المعدوم موجودا وإن وجد العذر اه ونحوه في الزيلعي والبحر وقد أوضحنا هذه المسألة في آخر التعليق من الطلاق۔

(۲۴۰) غائب شدہ پیسوں کے لوٹانے پر طلاق کو معلق کرنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شوہر نے اپنا روپیہ گن کر کہا کہ میرا روپیہ تو نے نکالا ہے، میرا روپیہ دے۔ عورت نے کہا میرے پاس نہیں ہے۔ شوہر نے کہا جب تک میرا روپیہ ادا نہ کرے گی تو تجھ پر طلاق ہے۔ بیوی بار بار کہہ رہی ہے کہ میرے پاس نہیں ہے آیا اس سے بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں اگر بیوی نے واقعتاً روپے نکالے ہیں اور شوہر کے بار بار مانگنے کے باوجود واپس نہیں دے رہی تو اس کو طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر عورت نے روپے نہیں نکالے ہیں اور بظاہر سوال سے یہی صورت معلوم ہوتی

ہے تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لمافی الهندية (۴۲۱/۱) كتاب الطلاق: رجل قال لامرأته إن لم تردي علي الدينار الذي أخذته من كيسي فأنت طالق فإذا الدينار في كيسه لا تطلق امرأته كذا في فتاوى قاضيخان۔

وفی الدرالمختار(۳۴۲/۳)باب التعليق: وشرط صحته كون الشرط معدوما على خطر الوجود فالمحقق كإن كان السماء فوقنا تنجيز والمستحيل كإن دخل الجمل في سم الخياط لغو۔

وفی الرد تحته: قوله(والمستحيل)محترزقوله(على خطر الوجود) ح قوله(لغو)فلا يقع أصلا لأن غرضه منه تحقيق النفي حيث علقه بأمر محال وهذا يرجع إلى قولهما إمكان البر شرط انعقاد اليمين خلافا لأبي يوسف وعلى هذا ظهر ما في الخانية لو قال لها إن لم تردي علي الدينار الذي أخذتيه من كيسي فأنت طالق فإذا الدينار في كيسه لا تطلق، بحر۔

(۲۴۱)مذکورہ فتوے پر ایک اشکال کا جواب

سوال......مفتی صاحب متصلہ فتوے سے متعلق چند باتیں دریافت کرنی ہیں: (۱) فتوے میں استحالہ کے حوالے ہیں جیب میں دینار موجود تھا لہٰذا چوری محال ہے تو یمین منعقد نہ ہوگی لیکن صورت مسئولہ میں تو تحقیقاً جیب میں پیسے نہ ہونا یقینی ہے یعنی چوری ہوئی ہے۔تو کیا سوال والی صورت میں جواب یہی ہوگا؟ بظاہر ایسا نہیں۔ازراہِ کرم تحقیق فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کا اشکال اس حد تک تو درست ہے کہ حوالوں میں موجود صورت محال کی ہے اور سوال میں ذکر صورت امکان کی ہے لیکن سوال میں ذکر کردہ امکان کی صورت کا جواب ان حوالہ جات کی بنیاد پر اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ عورت نے پیسے نکالے ہوں گے یا نہیں، اگر نہیں نکالے تو اس سے پیسوں کا مطالبہ اور نہ دینے پر طلاق کی تعلیق یہ شق محال ہے اور "إن لم ترد الدينار الذی الخ" کے حوالے اسی شق کی بنیاد پر لائے گئے ہیں لہٰذا طلاق کا وقوع نہ ہوگا البتہ دوسری شق کا بھی امکان ہے اور وہ یہ کہ عورت نے پیسے نکالے ہوں اس صورت میں پیسے نہ لوٹانے کی صورت میں طلاق کا وقوع ہوجائے گا یہ عام تعلیق کا حکم ہے لہٰذا ملحقہ فتوے میں ہم نے استحالہ کے حوالے سوال کی ایک شق کے اعتبار سے ذکر کئے تھے۔

(۲۴۲)"اگر آپ کو قرض ادا کردوں تو آپ کو طلاق" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیوی سے ۵۰ ہزار ادھار لئے اس شرط پر کہ ایک سال بعد ادا کروں گا مگر میری اہلیہ محترمہ نے تین، چار ماہ قبل [ان کو کوئی ضرورت پیش آگئی اور] مجھ سے مطالبہ کیا لیکن میرے پاس خود حالات خراب ہونے کی وجہ سے پیسے موجود نہ تھے۔جس پر میں نے غصہ کی حالت میں یہ کہہ دیا کہ اگر میں آپ کو پیسے ادا کردوں تو

آپ کو طلاق ہے، یہ میں نے تین مرتبہ کہا۔ آپ بتائیں کہ طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہیں؟ حالانکہ میں نے اب تک پیسے ادا نہیں کئے ہیں اور اگر طلاق نہیں ہوئی تو اب میں اپنی زوجہ کو کس طرح پیسے ادا کروں جس سے طلاق واقع نہ ہو؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں آپ کی زوجہ کو ابھی تک طلاق نہیں ہوئی اور پیسے آپ خود تو ادا نہیں کر سکتے ہیں البتہ اگر عورت اپنا حق آپ سے زبردستی اور جبراً لے لے یا عدالت جا کر قاضی کے ذریعے آپ سے وصول کر لے تو پھر آپ کی بیوی کو طلاق نہیں ہوگی اور اس کے علاوہ آپ کسی بھی صورت میں ادائیگی کریں گے تو آپ کی بیوی کو تین طلاقیں پڑ جائیں گی۔

لما في الهندية(۱۳۵/۲):كتاب الأيمان، الباب الثاني عشر في تقاضي الدراهم: ولو حلف المطلوب أن لا يعطيه فأعطاه على أحد هذه الوجوه حنث۔

وفيه أيضا (۱۳۷/۲):لو حلف رب الدين فقال إن لم آخذ مالي عليك غدا فامرأتي طالق وحلف المديون أيضا أن لا يعطي غدا فأخذ منه جبرا فلا يحنثان فإن لم يمكنه يجره إلى باب القاضي فإذا خاصمه بر في يمينه۔

وفيه أيضا(۴۲۹/۱): ولو خلل الشرط فقال أنت طالق إن دخلت الدار أنت طالق إن دخلت الدار أنت طالق إن دخلت الدار أو قدم الشرط ما لم تدخل لا يقع الطلاق فإذا دخلت وقعت ثلاث تطليقات بالاتفاق كذا في الخلاصة۔

وفي الدر المختار(۸۴۱/۳): (حلف ليقضين دين فلان فأمر غيره بالأداء أو أحاله فقبض بر وإن قضى عنه متبرع لا) يبر ، ظهيرية ۔

وفي الرد تحته: ولو حلف المطلوب أن لا يعطيه فأعطاه على أحد هذه الوجوه حنث وإن نوى أن لا يعطيه بنفسه لم يدين في القضاء ۔

(۲۴۳) بیوی کی طلاق کو سالے کی شادی پر معلق کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بہن کی شادی میرے ایک دوست سے ہوئی کچھ عرصہ کے بعد میرے دوست یعنی بہنوئی نے مجھ سے کہا کہ اگر تم نے شادی کی یا کسی عورت کو ہاتھ لگایا تو تمہاری بہن مجھ پر حرام ہو جائے گی، اس کے بعد فون پر انہوں نے منہ دکھائی میں زیور دیا تھا اس کا مطالبہ کیا۔ میں نے کہا وہ تمہاری بیوی ہے وہ اس کا زیور ہے، آپ کیوں مانگ رہے ہو؟ اس پر اس نے یہ کہا تھا کہ ''وہ میری بیوی ہی نہیں رہی''۔ ایک مرتبہ یہ کہا کہ ''میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی شادی پر'' تو اس کے بعد سے اب تک ہمشیرہ ہمارے پاس ہیں اس بات کو تقریباً ڈیڑھ سال ہو گیا ہے، مسئلہ حل نہیں ہوا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ سے ہمشیرہ کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

تنقیح: لڑکی کے بھائی نے ابھی تک شادی نہیں کی۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... مذکورہ صورت میں آپ کے بہنوئی نے آپ کی بہن کی طلاق کو مشروط کیا ہے آپ کی شادی کے ساتھ اور چونکہ ابھی تک آپ کی شادی نہیں ہوئی اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی البتہ شرط پائے جانے کے بعد یعنی آپ کی شادی کے بعد آپ کی ہمشیرہ پر طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور دوسری صورت میں جبکہ آپ کے بہنوئی نے یہ الفاظ کہے کہ "وہ میری بیوی ہی نہیں رہی" یہ الفاظ اگر انہوں نے طلاق کی نیت سے کہے ہوں تو ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی اور اگر ان الفاظ سے ان کی نیت طلاق کی نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی[1] اور ان کا یہ کہنا کہ "میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی شادی پر" ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لمافی الهندية(۳۷۵/۱) باب فی الطلاق بالشرط: ولو قال لامرأته لست لي بامرأة أو قال لها ما أنا بزوجك أو سئل فقيل له هل لك امرأة فقال لا فإن قال أردت به الكذب يصدق في الرضا والغضب جميعا ولا يقع الطلاق وإن قال نويت الطلاق يقع في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى۔

وفی الدر المختار(۲۹۶/۳): باب الكنايات: (كنايته) عند الفقهاء (ما لم يوضع له) أي الطلاق (واحتمله) وغيره (ف) الكنايات (لا تطلق بها) قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال)۔

(۲۴۴) "اگر گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق" جبکہ دونوں گھر میں ہی ہوں

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی پھر رجوع کرلیا پھر چند مہینوں بعد جھگڑے کے دوران شوہر نے یہ الفاظ ادا کئے کہ "اگر تو میرے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق" درانحالیکہ دونوں میاں بیوی گھر میں ہی تھے پھر اس کی بیوی کا بھائی اپنی بہن کو اپنے گھر لے گیا۔ اب وہ کہتے ہیں کہ یہ کبھی بھی شوہر کے گھر میں نہیں جاسکتی۔ مفتی صاحب! آپ بتائیں کہ مذکورہ عورت کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور کتنی طلاق واقع ہوئیں؟ اب عورت اپنے شوہر کے گھر جاسکتی ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں پہلے ایک طلاق دے کر رجوع کر لینے کے بعد جب شوہر نے بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ "اگر تو میرے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق" ان الفاظ سے بھی اس کو فوراً ایک اور طلاق رجعی واقع ہوگئی اس حالت میں بلا نکاح عدت کے اندر زوجہ سے رجوع کرسکتا ہے یا عدت گزر جانے کے بعد نکاح جدید کرکے عورت کو اپنے یہاں ٹھہرا سکتا ہے۔ بہر دو صورت اب اس کے پاس صرف ایک طلاق کا حق اور اختیار باقی رہ گیا ہے۔

---

[1] "وہ میری بیوی ہی نہیں رہی" اور اس جیسے کنائی الفاظ اور ان میں احتمال طلاق سے متعلق مذاہب کی تفصیل اور دیگر امور پر شافی بحث کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد میں موجود فتوی "المذاهب والروايات فی الألفاظ الكنايات" ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن

لما في الهندية (۱/٤٢١): ولو قال لامرأته أنت طالق إن كانت السماء فوقنا أو قال أنت طالق إذا كان هذا نهارا أو كان هذا ليلا وهما في الليل أو في النهار يقع الطلاق للحال لأن هذا تحقيق وليس تعليقا بشرط۔

وفی الشامية (۳/۲۵۲): قوله (فيقع بلا نية للعرف) أي فيكون صريحا لا كناية بدليل عدم اشتراط النية وإن كان الواقع في لفظ الحرام البائن لأن الصريح قد يقع به البائن كما مر۔

(۲۴۵) گھر سے باہر نکلنے پر طلاق کی قسم کھانا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے اور بیوی کے درمیان لڑائی ہوئی۔لڑائی میں، میں نے اُس سے کہا کہ اگر تم نے گھر سے باہر قدم رکھا تو تجھے طلاق۔جوں جوں وقت گزرتا گیا ہمارے درمیان اختلافات بڑھتے گئے۔ اسی وجہ سے میں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق بائنہ دے دی۔جس کے فوراً بعد وہ اپنے والد کے گھر چلی گئی۔دو مہینے بعد ہمارے درمیان صلح ہوئی اور تجدید نکاح ہو گیا اور میں اس کو گھر لے کر آ گیا۔جب ایک ہفتہ گزر گیا۔تو ایک دن شام میں کام سے واپس آیا تو میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ آج تو میں پڑوس میں گئی تھی اور وہ قسم یاد دلائی۔اس وجہ سے مفتی صاحب میں بہت فکر مند ہوں کہ اس صورت میں میری بیوی پر گھر سے نکلنے کی وجہ سے طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب......صورتِ مسئولہ میں آپ نے جب اپنی بیوی سے یہ کہا کہ "اگر تم نے گھر سے باہر قدم رکھا تو تمہیں طلاق" اور اس کے کچھ عرصہ بعد آپ نے اس کو طلاق بائن دیدی جس کے فوراً بعد وہ اپنے والد کے گھر چلی گئی تو چونکہ وہ عدت کے دوران گھر سے باہر نکلی ہے، اس وجہ سے وہ طلاق جو آپ نے "گھر سے باہر نکلنے" کی شرط کے ساتھ معلق کی تھی وہ واقع ہو گئی لہٰذا آپ کی بیوی کو دو طلاق واقع ہو چکی ہیں۔اس کے بعد جب آپ نے تجدید نکاح کیا تو چونکہ وہ شرط ایک مرتبہ پوری ہو چکی۔لہٰذا اس کے بعد آپ کی بیوی کو گھر سے نکلنے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی لیکن اب آپ کے پاس صرف ایک طلاق کا حق باقی رہ گیا ہے لہذا آئندہ صرف ایک طلاق دینے سے آپ کی بیوی آپ پر حرام ہو جائے گی۔

لما في البحر الرائق (۳/۵۳٦): قوله (إلا إذا كان معلقا) يعني أن البائن يلحق البائن إذا كان معلقا قبل المنجز البائن (بأن قال لها إن دخلت الدار فأنت بائن) ناويا الطلاق ثم أبانها منجزا ثم وجد الشرط وهي في العدة فإنه يقع عليها طلاق آخر عندنا۔

وفی الدر المختار (۳/۳۵۵): (وزوال الملك)من نكاح أو يمين (لا يبطل اليمين) فلو أبانها أو باعه ثم نكحها أو اشتراه فوجد الشرط طلقت وعتق لبقاء التعليق ببقاء محله (وتنحل) اليمين (بعد وجود (الشرط مطلقا) لكن إن وجد في الملك طلقت۔

وفی الرد تحته: قوله (لكن إن وجد في الملك طلقت) أطلق الملك فشمل ما إذا وجد في العدة۔

(۲۴۶) طلاق کو ماں سے لڑنے پر معلق کر کے واپس لینا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیوی سے بولا تھا کہ اگر تم نے میری ماں سے لڑائی کی تو تم کو طلاق ہے پھر تین مہینے بعد میں نے وہ زبان واپس لے لی اس کے بعد میری بیوی کی میری ماں سے لڑائی بھی ہوئی اور اس کے چھ مہینے بعد میں نے ایک طلاق دے دی آمنے سامنے۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ پہلے والی طلاق رہی یا نہیں رہی یعنی ایک طلاق ہوگی یا وہ پہلے والی بھی شمار کی جائے گی اور اس ایک طلاق کا عورت کے لئے کیا ہوگا اور میرے لئے کیا حکم ہے اور اگر دو طلاق ہوئی ہیں تو کیا کرنا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں آپ کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ "اگر تم نے میری ماں سے لڑائی کی تو تم کو طلاق ہے" اس طرح کہنے سے آپ نے اپنی بیوی کی طلاق کو ماں کے ساتھ لڑائی پر مشروط کر دیا تھا اور یہ جملہ کہنے کے بعد جب بھی آپ کی بیوی کی آپ کی ماں سے لڑائی ہوئی اسے طلاق واقع ہوگی اور طلاق کو جب کسی چیز پر مشروط کر دیا جائے پھر زبان سے واپس لینے سے شرعاً کوئی فرق نہیں پڑتا اور شرط کے پائے جانے پر طلاق واقع ہوجاتی ہے لہٰذا جب تین ماہ میں آپ کی بیوی نے ماں سے لڑائی کی خواہ قصور کسی کا بھی ہو اس پر ایک طلاق واقع ہو چکی ہے اور دوسری طلاق آپ آمنے سامنے دے چکے ہیں لہٰذا آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں۔

اب اگر آپ اپنی بیوی سے عدت کے ایام (یعنی تین ماہواری) گزرنے سے پہلے رجوع کر لیں (یعنی آپ اس کو زبان سے کہہ دیں کہ میں نے رجوع کیا یا آپ اس کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنے لگیں) تو وہ آپ کی بیوی رہے گی البتہ اب آپ کو صرف ایک طلاق کا حق باقی ہے، اگر آپ نے تیسری طلاق بھی دے دی تو وہ عورت آپ پر حرمتِ مغلظہ کیساتھ حرام ہو جائے گی۔

لمافی القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَٰنٍ... فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ۔

وفی الهندية (۴۲۸/۱): ولو قال لها إن كلمت فلانا فأنت طالق وقال لها أيضا إن كلمت إنسانا فأنت طالق فكلم فلانا طلقت تطليقتين۔

وفی الشامية (۳۵۲/۳): ففي البحر أنت طالق بدخول الدار أو بحيضك لم تطلق حتى تدخلي أو تحيض لأن الباء للوصل والإلصاق وإنما يتصل الطلاق ويلصق بالدخول إذا تعلق به۔

(۲۴۷) "مجھ پر تیرے گھر کا کھانا حرام" کہنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ محمد اکبر کی ایک جگہ شادی ہوئی شادی کے بعد وہ کچھ دن

مزے میں رہی بعد میں کچھ راز فاش ہوئے تو لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا، اس پر اکبر نے کہا تجھے طلاق ہے، پھر رجوع کر لیا لیکن اس کے بعد اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ مجھ پر تیرے گھر کا کھانا حرام ہے۔ بیوی نے یہ مسئلہ پوچھا تو محلہ کے امام صاحب نے کہا کہ طلاق واقع ہو چکی ہے اور تیرے لئے اس کے ساتھ رہنا جائز نہیں، اس پر اکبر کہنے لگا میں نے طلاق کا لفظ استعمال نہیں کیا تو کیسے طلاق ہو گئی؟ اس کے دوستوں نے اس کو مشورہ دیا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، نارتھ کراچی کے اندر ایک دارالافتاء ہے جو ''دارالافتاء دارالعلوم یاسین القرآن'' کے نام سے مشہور ہے وہ بہت بڑے عالم باعمل بزرگ ہیں ان سے پوچھ لیتے ہیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر کا بیوی کو یہ کہنا کہ ''مجھ پر تیرے گھر کا کھانا حرام ہے'' اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی البتہ ان الفاظ سے یمین منعقد ہو جائے گی چنانچہ جس وقت شوہر اس گھر کا کھانا کھائے گا تو حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ یمین لازم ہوگا۔

وفي الدر المختار (٤٢٩/٣، ٤٣٠): (ومن حرم) أي على نفسه لأنه لو قال إن أكلت هذا الطعام فهو علي حرام لا كفارة خلاصة واستشكله المصنف (شيئا) ولو حراما ـ ـ ـ (ثم فعله) بأكل أو نفقة ـ ـ ـ (كفر) ليمينه لما تقرر أن تحريم الحلال يمين ـ

(۲۴۸) نماز کے ترک سے متعلق تعلیق میں قضاءً نماز پڑھ لینے کا حکم

سوال......مفتی صاحب! فتاویٰ شامیہ جلد ۳ صفحہ ۸۳۰ پر یہ عبارت ہے:

قال الحصكفي: "قال إن تركت الصلاة فطالق فصلتها قضاء فطلقت على الأظهر، ظهيرية"

وفي الرد تحته: "قوله (طلقت على الأظهر) الظاهر أن هذا في عرفهم وفي عرفنا تارك الصلاة من لا يصلي أصلا اهـ"

مفتی صاحب اس عبارت کا کیا مطلب ہے اور عرف کا تعین کیسے کیا جائے گا؟ اور عبارتِ بالا میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے قضاء پڑھ لینے سے بھی طلاق کے عدمِ وقوع کا قول کیا ہے قضاء کی کوئی مدت نہیں، عمر میں کبھی بھی کی جا سکتی ہے پھر اس کے لئے وقت کی تعیین کیسے کی جائے گی یا یہ تعلیق موت تک معلق ہو جائے گی؟ کیونکہ قضاء کا امکان تو موت تک ہے۔

ازراہِ کرم اس عبارت میں ذکر کردہ مسئلے سے متعلق تمام امور کا شافی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اولاً مسئلے کی نوعیت کی وضاحت ضروری ہے، ایک شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے:

"إن تركت الصلوة فطالق" اگر تو نے نماز چھوڑی تو تجھے طلاق۔

اب وہ عورت نماز چھوڑ دیتی ہے مثلاً ظہر کے وقت میں یہ کلام ہوا اور اس عورت نے ظہر کی نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ عصر کا وقت

داخل ہو گیا تو کیا اس عورت پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں، اس کا اصل مدار اس بات پر ہے کہ تارکِ صلوٰۃ (نماز کو چھوڑنے والا) کون ہوگا جو شخص نماز وقت پر ادا نہ کر سکے وہ تارک صلوۃ ہے یا جو قضاء بھی نہ کرے وہ تارک صلوۃ ہے۔ یہ دو صورتیں ہیں اگر پہلی کو لیا جائے تو اس عورت کو نماز کا وقت نکلتے ہی طلاق ہو جائے گی اور اگر دوسری صورت کو لیا جائے تو اگر وہ عورت نماز ادا نہیں کرتی لیکن بعد میں قضاء بھی پڑھ لیتی ہے تو وہ تارک صلوۃ نہیں لہٰذا طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ قضاء کا چونکہ کوئی وقت معین نہیں بلکہ موت تک کی جا سکتی ہے لہٰذا اس صورت میں موت تک نماز نہ پڑھنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ گویا دوسری صورت میں تارک صلوٰۃ وہ ہے جو اصلاً نماز نہ پڑھے نہ اداءً اور نہ قضاءً لہٰذا موت تک امید ہے کہ قضاء کر کے وہ عورت تارک صلوٰۃ نہ بنے گی۔

الغرض شوہر اگر بیوی کو یہ الفاظ" ان ترکت الصلوۃ فطالق" کہتا ہے تو اس میں دو قول ہیں:

۱) نماز کی ادائیگی کا وقت نکلتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ قضاء کر بھی لے۔

۲) اداء کا وقت نکلنے کے بعد بھی طلاق نہ ہوگی اگر وہ عورت قضاء کرلے اور قضاء کا کوئی وقت نہیں لہٰذا موت تک بھی قضاء کرنے سے وہ عورت تارک صلوۃ نہ بنے گی اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

درمختار میں پہلا قول جبکہ ردالمحتار میں دوسرا قول ذکر ہے، یہ دونوں قول دیگر کتب فقہ میں بھی موجود ہیں۔ محیط برہانی، تاتارخانیہ، خلاصۃ الفتاوی، البحر الرائق، طحطاوی علی الدر وغیرہ میں دونوں قول ذکر ہیں البتہ ان تمام کتب میں امام سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے دوسرے قول (یعنی قضاءً پڑھ لینے والا بھی تارک صلوٰۃ نہیں اور طلاق واقع نہ ہوگی) پر فتوی ذکر ہے جبکہ ان ہی کتب میں امام رکن الاسلام علی السغدی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پہلے قول (یعنی اداء کا وقت نکلتے ہی طلاق کے وقوع والے قول) پر فتوی ذکر ہے۔ اس اعتبار سے تو ابتداء سے دونوں قول مساوی طور پر مفتی بہ آرہے ہیں لیکن امام رکن الاسلام علی السغدی رحمۃ اللہ علیہ کے قول یعنی اداء نہ کر سکنے والا تارک صلوۃ ہے جسے درمختار نے بھی لیا ہے اور "طلقت علی الأظهر "کہا ہے۔ اس کو محیط میں "وهو الأشبه والأظهر "، تاتارخانیہ میں "وقول رکن الاسلام أظهر "البحرالرائق میں "وبه كان يفتي القاضي الامام ركن الاسلام علی السغدی وهو الأشبه والأظهر " اور "وأفتى ركن الإسلام علي السغدي هنا بالوقوع وهو الأظهر والأبين" کے الفاظ نقل ہیں جبکہ پہلے قول سے متعلق ترجیح ان کتب میں نقل نہیں لہٰذا اصولِ فتوی کی روشنی میں یہ قول راجح اور معتمد علیہ ہے لہٰذا اگر ایک عورت وقت میں نماز اداء نہیں کرتی تو اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ علامہ طحطاوی اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں اختلاف فرمایا ہے۔ علامہ طحطاوی اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہما دونوں نے حلبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ ذکر کیا ہے کہ عرف میں تارک صلوٰۃ اسے ہی کہا جاتا ہے جو اصلاً نماز نہ پڑھے لہٰذا امام سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ والا قول راجح ہے اور ہمارا عرف یہی ہے۔ ان ہر دو حضرات نے اپنے زمانے کے عرف کو مدنظر رکھتے ہوئے رکن الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے اشبہ اور اظہر قول سے عدول کیا ہے، ان کے نزدیک تارک صلوٰۃ وہ شخص ہے جو بالکل نماز ہی نہ پڑھتا ہو لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی۔

بندہ یہاں چند گزارشات عرض کرنا چاہتا ہے:

(۱) یہ بات تو مسلم ہے کہ ہمارے عرف میں بھی تارک صلوٰۃ (نماز چھوڑنے والا) وہی کہلاتا ہے جو اصلاً نماز نہ پڑھے صرف نماز ادا نہ کر سکنے والے کو تارکِ صلوٰۃ نہیں کہتے بلکہ ایک آدھ نماز چھوٹ کر قضاء پڑھ لینے والا شخص بھی نمازی کہلاتا ہے، لیکن یہاں ایک اور چیز غرضِ حالف بھی ہے یعنی قسم کھانے والے کا مقصد اس کا بھی یمین میں مع شرائط اعتبار کیا جاتا ہے اور اگر غرض، لفظِ یمین کے مفہوم سے بالکل خارج نہ ہو تو اسے معتبر مانا جاتا ہے۔

لمافي الشامية (۷۴۳/۳):وأما غرض الحالف فإن كان مدلول اللفظ المسمى اعتبر وإن كان زائدا على اللفظ فلا يعتبر.

ظاہر ہے کہ قسم کھانے والے کی غرض بیوی کو نمازی بنانا ہے۔ اگر عرف کے تارکِ صلوٰۃ کو لیا جائے تو موت تک قضاء کر لینے والا بھی تارک نہیں لہٰذا حالف کا مقصد کبھی پورا نہ ہو سکے گا اور حالف چاہتا یہی ہے کہ بیوی نماز پڑھنا شروع کر دے جو کہ امام رکن الاسلام کے اشبہ اور اظہر قول کے مطابق ادا نہ کرتے ہی طلاق کے وقوع میں پایا جاتا ہے، امام سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق (عرف بھی جس کے ساتھ ہے) غرض حالف کا حصول نہیں ہوتا لہٰذا یمین کا مدار اگر چہ عرف پر ہو لیکن مقصودِ یمین غرض حالف ہے اور دونوں کے تعارض کے وقت عرف کے بجائے غرض حالف کو لینا بہتر ہے لہٰذا اس اعتبار سے بھی امام رکن الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا مفتی بہٖ، اشبہ اور اظہر قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

(۲) بندہ اس بات پر بھی روشنی ڈالنا چاہے گا کہ حالف نے یہ نہیں کہا کہ "اگر تو تارکِ صلوٰۃ بنی تو تجھے طلاق" اگر یہ کہتا تو ہم عرف کے مطابق تارکِ صلوٰۃ کی تعیین کرتے لیکن حالف نے تو یہ کہا ہے "ان ترکت الصلوٰۃ فطالق" (اگر تو نے نماز چھوڑی تو طلاق) اور ظاہر ہے ایک نماز کا بھی ادا نہ کر سکنا ترکِ صلوٰۃ ہے اگر چہ بندہ تارکِ صلوٰۃ نہ بنے۔ یمین ترکِ صلوۃ پر معلق ہے تارک صلوۃ بننے پر نہیں۔ اسی بنیاد پر محیط برھانی میں مسئلہ ھذا میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اقوال سے خوبصورت استدلال کیا گیا ہے۔ محیط میں ہے:

"وبه كان يفتي القاضي الإمام ركن الإسلام عليّ السغدي رحمه الله، وهو الأشبه والأظهر لأنّ ترك الصّلاة أن يتركها عن وقتها ..... قال محمّد رحمه الله: إذا قضى المتروكة، وقال أيضاً: من ترك صلاة يوم وليلة وقضاها من الغد." (محيط ۱۱۰/۵)

"امام قاضی رکن الاسلام علی السغدی رحمۃ اللہ علیہ اسی پر فتویٰ دیتے تھے (کہ طلاق واقع ہو جائے گی) اور یہی اشبہ اور اظہر ہے کیونکہ نماز کا ترک یہ ہے کہ وقت پر نہ پڑھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب ترک ہوئی نماز کی قضاء کرے اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص ایک دن اور ایک رات کی نماز ترک کر دے اور اسے اگلے روز قضاء کر لے۔"

گویا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے وقت پر ادا نہ کی گئی نمازوں کو متروکہ اور اس عمل کو ترک صلوۃ قرار دیا ہے اگر چہ قضاء کر لی ہو۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ مسئلے کی بنیاد ترک صلوۃ پر ہے اور نماز کا وقت پر ادا نہ کرنا ہی ترک صلوۃ ہے اور مسئلے کا مدار تارک صلوۃ بننے پر نہیں جو

کہ عمر میں کبھی بھی قضاء کر کے بندہ تارک صلوۃ بننے سے بچ سکتا ہے اور وہ غرض حالف کے بھی خلاف ہے۔

(۳) "من ترك الصلوة متعمدا فقد كفر" وغیرہ دیگر نصوص بھی جن میں ترک صلوۃ پر سخت وعیدیں آئی ہیں وہ نماز ادا نہ کر سکنے سے ہی لاگو ہو جاتی ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ نماز کا وقت پر ادا نہ کرنا ہی ترک صلوۃ ہے اور امام رکن الاسلام کا قول ہی راجح ہے۔

(۴) محیط، تاتارخانیہ، خلاصۃ اور بحر وغیرہ کتب میں جب رکن الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ہی اشبہ، اظہر اور ابین بتایا جارہا ہے تو ظاہر ہے کہ یہی قول راجح ہے اور غرضِ حالف نیز الفاظ یمین یعنی ترک صلوۃ سے بھی زیادہ میل اسی قول کا ہے لہٰذا یہی مفتی بہ ہے کہ وہ عورت نماز ادا نہ کرتے ہی مطلقہ ہو جائے گی چنانچہ اس ڈر سے عورت نماز بھی اداء کرے گی اور وقت کی پابندی کرے گی اور اگر کسی عذر کی بناء پر نماز نہ پڑھ سکی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور قسم ختم ہو جائے گی لہٰذا فقہاء کی تصریحات خلاصہ، تاتارخانیہ، محیط، بحر اور درمختار وغیرہ کی ترجیحات اور دیگر وجوہات یعنی غرض حالف کے مطابق اور الفاظ یمین یعنی ترک صلوۃ کے موافق یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ وقت پر نماز اداء نہ کر سکنے کی صورت میں طلاق کا وقوع ہو جائے یہی اظہر اور ابین ہے اسی پر فتویٰ ہونا چاہیئے۔

لمافي البحرالرائق (۴/۶۰۴) كتاب الايمان (رشيديه): وبه كان يفتي الشيخ الإمام سيف الدين عبد الرحيم الكرميني وبعضهم قالوا يقع الطلاق وبه كان يفتي القاضي الإمام ركن الإسلام على السغدي وهو الأشبه والأظهر رجل قال لامرأته إن لم تصبحي غدا ولم تصلي فأنت طالق فأصبحت وشرعت في الصلاة ثم طلعت الشمس أفتى شمس الأئمة الحلواني بعدم وقوع الطلاق وأفتى ركن الإسلام السغدي رحمه الله هنا بالوقوع وهو الأظهر والأبين۔

وفي حاشية الطحطاوى على الدر (۲/۳۷۹): (قوله: طلقت على الأظهر) وبه أفتى الإمام ركن الاسلام السغدى وقال بعضهم لا يقع وبه كان يفتي الشيخ الامام سيف الدين عبدالرحيم الكرابسى قال الحلبي: والموافق للعرف عدم الحنث لأن تارك الصلاة فيه من لم يصل أصلاً۔

(۲۴۹) یمین فور کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی کو دس سال ہو گئے ہیں میرا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں ہماری زندگی بہت ہی اچھی گزر رہی ہے گزشتہ ہفتے میری زوجہ اپنے والدین سے ملنے کے لئے جارہی تھی میں نے منع کر دیا وہ ضد کر رہی تھی اور جانے کیلئے تیار ہو رہی تھی تو میں نے کہہ دیا اگر تو والدین کے گھر گئی تو تجھے تین طلاق، طلاق کے ڈر سے وہ رک گئی۔اب میں سخت پریشان ہوں کہ میں نے کتنی بڑی غلطی کر لی ہے، والدین کے گھر جائے بغیر بھی چارہ نہیں۔اب آپ حضرات میری راہنمائی کریں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے کہ جس سے میری بیوی والدین کے گھر بھی جا سکے اور اس پر طلاق بھی نہ پڑے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ یمین فور کی ہے یمین فور اسے کہتے ہیں کہ کوئی کام کئے جانے کی تیاری ہو رہی ہو

اور یہ شخص قسم کھالے کہ اگر یہ کام ہوا تو میری بیوی کو طلاق وغیرہ مثلاً سوال کی صورت میں ہی بیوی میکے جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ شوہر نے تعلیق کردی "اگر تو والدین کے گھر گئی تو تجھے تین طلاق" یمین فور میں دلالتِ حال کا پایا جانا ضروری ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ فی الفور اگر وہ کام نہ ہو تو یمین سے بری ہو جاتا ہے اگرچہ کچھ دیر بعد انجام بھی دے لیا جائے۔ ہر مطلق یمین میں یمین فور کی نیت کا دعویٰ معتبر نہیں ہوتا بلکہ حالات دال ہونے چاہئیں البتہ یمینِ فور میں مطلق یمین بھی مراد ہو سکتی ہے مثلاً اس شخص کی نیت فی الفور رکنے کی نہ ہو بلکہ مطلقاً تعلیق کی ہو تو پھر جب بھی وہ عورت میکے جائے گی طلاق کا وقوع ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں حالات کے پیش نظر آپ کی یمین چونکہ یمین فور ہے جو اسی وقت کے ساتھ خاص ہوتی ہے لہٰذا اگر اس وقت آپ کی بیوی میکے جانے سے رک گئی ہو تو طلاق کا وقوع نہ ہوگا اور اگر وہ چلی گئی ہو تو پھر آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں نیز کچھ دیر رک جانے کے بعد اگر گئی ہو تب بھی طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔

لما في الخانية (۹۱/۲): رجل قال لامرأته عند خروج المرأة من المنزل إن رجعت إلى منزلي فأنت طالق فجلست ولم تخرج زماناً ثمّ خرجت ورجعت إلى منزله والرجل يقول نويت الفور قال بعضهم لا يصدق وقال بعضهم يصدق وهو الصحيح۔

وفي الدر المختار (۷٦۱/۳): (وشرط للحنث في) قوله (إن خرجت مثلا) فأنت طالق أو إن ضربت عبدك فعبدي حر (لمريد الخروج) والضرب (فعله فورا) لأن قصده المنع عن ذلك الفعل عرفا ومدار الأيمان عليه وهذه تسمى يمين الفور تفرد أبو حنيفة رحمه الله بإظهارها ولم يخالفه أحد۔

وفي الرد تحته: (قوله لمريد الخروج والضرب) أي لشخص أراد الخروج أو أراد الضرب ، وهو متعلق بقول المصنف في قوله أي قول الحالف ، وقوله فعله فورا نائب فاعل شرط وضميره للمذكور من الخروج والضرب۔

مطلب في يمين الفور (قوله فورا) سئل السغدي بماذا يقدر الفور ؟ قال بساعة . واستدل بما ذكر في الجامع الصغير : أرادت أن تخرج فقال الزوج إن خرجت فعادت وجلست وخرجت بعد ساعة لا يحنث حموي عن البرجندي ، ولا يشترط لعدم حنثه إذا خرجت بعد ساعة تغير تلك الهيئة الحاصلة مع إرادة الخروج ، يشير إليه قول الفتح تهيأت للخروج . فحلف لا تخرج فإذا جلست ساعة ثم خرجت لا يحنث لأن قصده منعها من الخروج الذي تهيأت له فكأنه قال إن خرجت الساعة ، وهذا إذا لم يكن له نية فإن نوى شيئا عمل به شرنبلالية۔

(۲۵۰)مطلق قسم کھانے کو یمین فور کہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر اب تو نے مجھے SMS کیا تو تجھے طلاق ہے اور بیوی نے ابھی تک SMS نہیں کیا، لیکن خاوند کہتا ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ میری مراد اسی وقت تھی لہٰذا وہ وقت گزر گیا ہے، اب میں میسج کرسکتا ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں خاوند کی نیت کا اعتبار ہوگا جو وہ حلفاً کہہ رہا ہے یا نہیں؟ بیوی اگر اب SMS کرے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... جب عورت کوئی کام کرنا چاہتی ہو اور اس کا شوہر اس کام کے کرنے پر اس کی طلاق کو معلق کردے پھر بعد میں اس کا شوہر یہ کہے کہ میں نے خاص اس وقت کی نیت کی تھی جس وقت میں نے منع کیا تھا تو اس صورت میں شوہر کی نیت کا اعتبار کیا جاتا ہے اور اسے یمین فور کہتے ہیں۔ بعد میں اس کی بیوی اگر وہ کام کرلے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، لہٰذا صورت مسئولہ میں خاوند کی نیت کا اعتبار ہوگا اور اس کی بیوی اب اگر اپنے خاوند کو SMS کرے گی تو اسے طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔

لما في الدر المختار(۳/۷۶۱): (وشرط للحنث في) قوله (إن خرجت مثلا) فأنت طالق أو إن ضربت عبدك فعبدي حر (لمريد الخروج) والضرب (فعله فورا) لأن قصده المنع عن ذلك الفعل عرفا ومدار الأيمان عليه وهذه تسمى يمين الفور تفرد أبو حنيفة رحمه الله بإظهارها ولم يخالفه أحد۔

وفي الرد تحته: مطلب في يمين الفور (قوله فورا) سئل السغدي بماذا يقدر الفور ؟ قال بساعة ، واستدل بما ذكر في الجامع الصغير : أرادت أن تخرج فقال الزوج إن خرجت فعادت وجلست وخرجت بعد ساعة لا يحنث۔ الخ۔

(۲۵۱)مذکورہ فتوے پر ایک استدراک کا جواب

سوال......مفتی صاحب ملحقہ فتوے میں کچھ اشکالات تھے، از راہ کرم تشریح فرمادیں:

(۱) شوہر نے SMS کرنے 'سے منع کردیا ہے اور کہا ہے کہ "اگر اب تو نے مجھے SMS کیا تو تجھے طلاق" اسے یمین فور کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اس میں تو مطلقاً منع ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اگر پندرہ منٹ بعد بھی SMS کرتی ہے تو اسے غصہ آئے گا۔

(۲) کیا ہر یمین مطلق میں یمین فور کی نیت کی جاسکتی ہے؟ اس طرح تو ہر شخص قسم کھانے کے بعد کہہ سکتا ہے کہ میری مراد اسی وقت کی تھی؟

(۳) نیز اس کی نیت سے فرق پڑے گا؟ بظاہر یہ خلافِ مقصود کی نیت کررہا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... اولاً یمین فور اور عام یمین کے درمیان فرق کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ مطلق یمین اور یمینِ فور دونوں کے الفاظ عام ہوتے ہیں لیکن یمین فور میں دلالتِ حال پائی جاتی ہے، مثلاً ایک عورت برقعہ پہن کر گھر سے کہیں نکلنا چاہتی ہے، عین اس وقت اس کا شوہر کہتا ہے کہ "اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق" اور اس میں شوہر کی نیت اسی وقت کی ہوتی ہے اسے یمینِ فور کہتے ہیں، لہٰذا اگر عورت اسی وقت گھر سے نکل جاتی ہے تو طلاق کا وقوع ہوجائے گا اور اگر اس وقت رک جاتی ہے تو طلاق کا وقوع نہ ہوگا، چاہے کچھ دیر بعد نکل بھی جائے کیونکہ یہ یمین فور تھی جو اسی وقت تعلیق کے ساتھ مقید تھی۔ بظاہر دیکھا جائے تو اس کے الفاظ عام ہیں "اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق" لیکن دلالتِ حال اور نیتِ فور کے باعث اسے یمین فور قرار دیا گیا ہے۔

دوسرا اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ یمین میں اعتبار الفاظ کا ہوتا ہے اگر الفاظ کے ظاہر کے خلاف نیت کی جائے تو اگر لفظ میں اس نیت کا احتمال ہو تو اس کی نیت معتبر ہوگی لیکن اگر وہ نیت اس لفظ کا محتمل ہی نہ ہو تو اس کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے تینوں اشکالوں کے بالترتیب جواب یہ ہیں:

(۱) سوال میں بیوی کے SMS کرنے کا ذکر ہے اور شوہر تنگ آکر یہ الفاظ استعمال کررہا ہے کہ "اگر اب تو نے مجھے SMS کیا تو تجھے طلاق ہے" لہٰذا یہاں دلالتِ حال ہے اور شوہر کی نیت بھی اسی وقت کی ہے جس پر شوہر قسم کھارہا ہے لہٰذا یہ یمین فور شمار ہوگی۔ عین اسی وقت SMS کرنے سے طلاق ہوگی لیکن اگر شوہر دفتر میں ہی ہے اور بیوی کچھ دیر رک کر SMS کرتی ہے تو طلاق کا وقوع نہ ہوگا اگرچہ شوہر کو دوبارہ غصہ آئے کیونکہ یہ یمین فور تھی جو اسی وقت کے ساتھ خاص تھی۔

(۲) ہر مطلق یمین میں یمین فور کی نیت نہیں کی جاسکتی بلکہ مطلق یمین میں یمینِ فور کی نیت کیلئے دلالتِ حال اور نیتِ فور کا ہونا ضروری ہے ورنہ یمین فور شمار نہ ہوگی مثلاً ایک عورت کا گھر سے نکلنے کا کوئی ارادہ نہ ہو بلکہ وہ گھر کے کام کاج یا دیگر کسی مصروفیات میں لگی ہو اور شوہر یہ الفاظ کہے کہ "اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق" یہاں دلالتِ حال نہیں لہٰذا یہ مطلق یمین ہوگی، بیوی جب بھی گھر سے نکلے گی طلاق واقع ہوجائے گی اس میں فور کی نیت کرنے سے بھی یہ یمینِ فور نہ بنے گی۔

(۳) اس کی نیت سے اثر نہیں پڑے گا کیونکہ دلالتِ حال نہیں اور اگر دلالتِ حال ہو تو اس کی نیت سے مطلق یمین، یمین فور بن جائے گی۔

لمافی حاشية الطحطاوی علی الدر (۳۴۲/۲): الأصل أن الأيمان مبنية عند الشافعي على الحقيقة اللغوية و عند مالك على الاستعمال القرآني وعند أحمد على النية وعندنا على العرف مالم ينو ما يحتمله اللفظ فلا حنث في لاهدم بيتا ببيت العنكبوت الا بالنية۔

و فی الدر المختار(۷۶۱/۳): (وشرطه للحنث في) قوله (إن خرجت مثلا) فأنت طالق أو إن ضربت عبدك فعبدي حر (لمريد الخروج) والضرب (فعله فورا) لأن قصده المنع عن ذلك الفعل عرفا ومدار الأيمان عليه وهذه تسمى يمين الفور تفرد أبو حنيفة رحمه الله بإظهارها

ولم يخالفه أحد.

وفي الرد تحته: مطلب في يمين الفور (قوله فورا) سئل السغدي بماذا يقدر الفور؟ قال بساعة، واستدل بما ذكر في الجامع الصغير: أرادت أن تخرج فقال الزوج إن خرجت فعادت وجلست وخرجت بعد ساعة لا يحنث.الخ.

فصل فی التعلیق بکلمة کلما

(کلمہ کلما سے تعلیقِ طلاق کا بیان)

(۲۵۲) کلما کے لفظ سے متعلق تحقیق

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تاتارخانیہ (۵۰۶/۳) پر کلما کے لفظ میں معین اور غیر معین پر کلما کے دخول کے اعتبار سے فرق کیا گیا ہے یعنی کلما معین میں تو مقتضی تکرار ہے لیکن غیر معین میں نہیں مثلاً غیر معین کی مثال: کلما اشتریت ثوبا فعلی خمسة دراهم یہاں صرف ایک بار کپڑا خریدنے سے پانچ دراہم صدقہ کرنے ہوں گے، بار بار سے نہیں، البتہ اگر معین کر دیتا تو پھر تکرار ہوتا۔

مفتی صاحب پھر تو کلما غیر معین پر دخول میں کل کی طرح ہو گیا تو کیا یہ درست ہے؟ نیز "کلما تزوجت امرأة فهی طالق" میں دوسری بار ایک ہی عورت سے نکاح کرنے پر اسے دوسری طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتادیں کہ "کلما تزوجت زینب فهی طالق" میں طلاق ثلثہ کے بعد اگر حلالہ کے بعد زینب سے نکاح ہو تو طلاق واقع ہو گی یا قسم ختم ہو جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورتِ مسئولہ میں کلما جب غیر معین (نکرہ) پر داخل ہو تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اس سلسلے میں وہی ہے جو سوال میں ذکر ہوا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کلما میں تکرار کے قائل نہیں، تاتارخانیہ میں یہ مذہب منتقی کے حوالے سے منقول ہے لیکن کلما سے متعلق احناف کا مفتی بہ اور معتمد علیہ مذہب تکرار کا ہی ہے یعنی جتنی مرتبہ شرط پائی جائے گی جزاء میں تکرار آئے گا، یہی اصحابِ متون نے ذکر کیا ہے اور تاتارخانیہ میں بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بعد میں ذکر ہے اولاً ذخیرہ کے حوالے سے معتمد علیہ مذہب کو ہی ذکر کیا گیا ہے، عبارت یہ ہے:

"وفی الذخيرة: ولو قال كلما تزوجت امرأة فهی طالق فهذا على كل امرأة كل مرة حتى يستوفى ثلاث تطليقات حتى أنه لو تزوج امرأة وطلقت وتزوجها ثانيا وثالثا تطلق أيضا"

(التاتارخانية ۵۰۶/۳)

نیز علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے البحر الرائق میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ردّ کیا ہے، بحر کی عبارت یہ ہے:

"وحاصل ما ذهب إليه أبو يوسف أن كلما إنما توجب التكرار في المعينة لا في غير المعينة بادعاء

اتحاد الحاصل بين كل وكلما إذا نسب فعلها إلى منكر متكرر لأن الحاصل كل تزوج لكل امرأة وفي مثله تنقسم الآحاد فلزم بالضرورة أنها إذا انحلت في فعل انحلت في اسمه فلا يتكرر الحنث في امرأة واحدة وهو مردود لانقسام الآحاد على الآحاد عند التساوي وهو منتف لأن دائرة عموم الأفعال أوسع لأن كثيرا من أفراده ما يتحقق بالتكرار من شخص واحد وقد فرض عمومه بكلما فلا يعتبر كل اسم بفعل واحد فقط"

لہٰذا کلما میں تکرار کا مذہب ہی عند الحنفیہ راجح ہے چاہے کلما معین پر داخل ہو یا غیر معین پر دونوں صورتوں میں کلما کا مدخول متکرر ہوگا۔

لمافي الخانية (٢/٢٢٠): وقال بعضهم في قوله هر زمان وهركاه يتكرر الحنث بتكرر الفعل لأن قوله هر تفسير قوله كل وكلما فيوجب الإحاطة والتعميم وقال بعضهم لا يتكرر الحنث إلا في قوله هربار وعليه الاعتماد وذكر محمد بن مقاتل الرازي في ترجمة قوله هربار وهرزمان وهركاه شبيه بكل مرة وبكلما فيحنث في كل مرة۔

(٢٥٣) جب بھی تو مجھے کھانا دے گی تجھے دوسری طلاق کہنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی پھر اس کے بعد رجوع کرلیا اگلے دن بیوی سے کہا اب جب بھی تو مجھے کھانا دے گی تو تجھے دوسری طلاق پھر اس کے بعد بیوی سے پانی مانگا تو بیوی نے پانی دے دیا کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی؟ اور کیا اس تعلیق سے رجوع یا بچنے کی کوئی صورت ہے؟ نیز کیا صرف ایک مرتبہ مذکورہ شرط پائے جانے سے طلاق واقع ہوگی یا بار بار پائی جانے سے بار بار طلاق واقع ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں چونکہ خاوند نے "کھانے" کی قسم کھائی ہے لہٰذا بیوی سے "پانی" مانگنے اور بیوی کے پانی دے دینے سے خاوند حانث نہیں ہوگا اور عورت کو طلاق نہیں ہوگی نیز شوہر کا یہ کہنا کہ جب بھی تو مجھے کھانا دے گی تو تجھے دوسری طلاق، اس صورت میں بیوی جب بھی کھانا دے گی طلاق واقع ہوتی رہے گی یہاں تک کہ تین طلاقیں واقع ہونے کے بعد بغیر حلالہ شرعیہ کے عورت مرد کے لئے حلال نہ ہوگی اور ذکر کردہ صورت میں "جب بھی" چونکہ لفظ "کلما" کے معنی میں ہے اور لفظِ "کلما" تکرار کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا جب کھانا دینے کی شرط پائی جائے گی تو عورت کو طلاق پڑ جائے گی یہاں تک کہ پوری تین طلاقیں واقع ہوجائیں۔

نوٹ: یاد رکھئے کہ نکاح کا مقصد دوام ہے اور طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی مبغوض ہے۔ خاص طور پر اس طرح کی تعلیقات کرنا بالکل حرام اور ناجائز ہے، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور استغفار کریں اور آئندہ کیلئے اس طرح کے الفاظ بولنے سے بالکل اجتناب کریں۔

لمافی التاتارخانیة (۵/۵۴): وإن حصل التعلیق بکلمة "کلما" فکلما تکرر ذلك الفعل. یتکرر الطلاق حتی یستوفی طلاق الملك الذی حلف علیه ثم تبطل الیمین. حتی لو تزوجت بزوج آخر وعادت الی الزوج الأوّل وفعلت ذلك الفعل لا یقع الطلاق۔

وفی الدر المختار (۳/۳۵۴): (وفیها) کلها (تنحل) أي تبطل (الیمین) ببطلان التعلیق (إذا وجد الشرط مرة إلا في کلما فإنه ینحل بعد الثلاث) لاقتضائها عموم الأفعال۔۔۔ وفي کلما وقع علیك طلاقي یقع ثلاث لتکرار الوقوع لکنه لا یزید علی الثلاث (وزوال الملك) من نکاح أو یمین (لا یبطل الیمین)۔

وفی الرد تحته: مطلب المنعقد بکلمة کلما أیمان منعقدة للحال لا یمین واحدة تنبیه المنعقد بکلمة کلما أیمان منعقدة للحال لأن کلما بمنزلة تکرار الشرط والجزاء وهذه روایة الجامع وعلیها الفتوی لأنها أحوط ، وفي روایة المبسوط المنعقد للحال یمین واحدة ویتجدد انعقادها مرة بعد أخری کلما حنث اھ محیط۔

(۲۵۴) جب بھی کے لفظ سے تعلیق میں تکرار ہوگی یا نہیں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ "جب بھی" کا لفظ کلما کا ترجمہ ہے یا "متی ما" کا؟ ایک شخص نے کہا کہ "جب بھی میں ہندہ سے نکاح کروں اسے طلاق" اب وہ شخص یہ کہتا ہے کہ جس وقت بھی ہمارا نکاح ہو تو اسے طلاق ہوگی تو بظاہر اس سے ایک طلاق پڑنی چاہیے لیکن اس لفظ میں کلما کا بھی احتمال ہے کہ جتنی بار نکاح کرے اسے طلاق واقع ہو جائے تو مفتی صاحب اس سلسلے میں کیا کیا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......"جب بھی" اور اسی طرح "جب جب بھی" کلما کا ترجمہ ہے جبکہ جس وقت بھی "متی ما" کا ترجمہ ہے، کلما میں تکرار ہوتا ہے متی ما میں نہیں لہٰذا اگر کسی شخص نے کہا جب بھی میں ہندہ سے نکاح کروں اسے طلاق تو چونکہ جب بھی "کلما" کا ترجمہ ہے نہ کہ "متی ما" کا، لہٰذا جب جب وہ شخص ہندہ سے نکاح کرے گا اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس شخص کا جب بھی بول کر جس وقت بھی مراد لینا درست نہیں ہے کیونکہ جب بھی کلما کا ترجمہ ہے اور جس وقت بھی متی ما کا اور اس میں سے ہر لفظ اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے نہ کہ دوسرے کے معنی پر لہٰذا اس کا جس وقت بھی مراد لینا درست نہیں۔

لمافی ملتقی الابحر (۲۷۲): فلو قال کلما تزوجت امرأة فھی طالق تطلق بکل تزوج ولو بعد زوج آخر۔

وفی لسان العرب (۱۳/۱۹): " متی "متی کلمة استفهام عن وقت أمر ۔۔۔ ومتی بمعنی في یقال

وضعته متى كمي أي في كمي ---- متى ظرف غير متمكن وهو سؤال عن زمان ويجازى به الأصمعي متى في لغة هذيل قد يكون بمعنى من ---- متى من حروف المعاني ولها وجوه شتى أحدها أنه سؤال عن وقت فعل فعل أو يفعل كقولك متى فعلت ومتى تفعل أي في أي وقت ---- وقال الفراء متى يقع على الوقت إذا قلت متى دخلت الدار فأنت طالق أي أي وقت دخلت الدار وكلما تقع على الفعل إذا قلت كلما دخلت الدار فمعناه كل دخلة دخلتها هذا في كتاب الجزاء قال الأزهري وهو صحيح۔

وفی القاموس الجدید(۲۱ ۷):متی:کب،جب

وفی القاموس الجدید(اردو سے عربی)(۳۲۳):جب کبھی:کلما

وفی مصباح اللغات(۷۴۷):کل ایک اسم ہے جو متعدد کے افراد کے استغراق کے لئے یا واحد کے اجزاء کے عموم کیلئے وضع کیا گیا ہے۔

مامصدریہ ظرفیہ کے داخل ہونے سے تکرار کا فائدہ دیتا ہے جیسے کلما اتاک زیدا کرمہ۔زید جب کبھی تمہارے پاس آئے اس کا اکرام کرو۔

وفی المنجد:متی:کب،کس وقت،جب۔

(۲۵۵)کلما کی قسم اٹھانا اور فضولی کا حیلہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ فلاں کام نہیں کروں گا یعنی میں فلاں شخص سے بات چیت نہیں کروں گا اگر کی تو میں جب جب بھی شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق۔کچھ دنوں بعد اس شخص نے جس سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اس سے بات کرلی۔آیا اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟

یادرہے کہ قسم کھانے والا شخص ابھی تک "کنوارہ" ہے۔یعنی نہ اس کی منگنی ہوئی ہے اور نہ ہی اس کی شادی ہوئی ہے۔اب یہ شخص شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

دوسری صورت......جس شخص نے "کلما" کی قسم کھائی ہے وہ حانث بھی ہوگیا۔اب یہ شخص شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کی شادی کیلئے کوئی شخص بغیر اس کو اطلاع کئے "فضولی" بن سکتا ہے یا نہیں؟ آیا اس صورت میں فضولی کون شخص بنے،والد،بڑا بھائی،یا تایا وغیرہ۔قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل حوالوں کے ساتھ جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص خود اپنا نکاح نہیں کرسکتا اور نہ ہی کسی کو وکیل بنا سکتا ہے البتہ اگر کوئی شخص اُس کو بتائے بغیر "بطور فضولی" (یعنی جس شخص کو نکاح کرانے کی اجازت نہ دی گئی ہو) اس کا نکاح کسی عورت سے کرادے اور

مذکورہ شخص اُس نکاح کو جائز قرار دے کر قبول بھی کر لے۔ تو اس طرح نکاح کرنا جائز ہے البتہ قبول کرنے کی دوصورتیں ہیں:

(۱) کلام کے ذریعہ قبول کرنا، مثلاً جب اُس کو فضولی کے نکاح کا علم ہو جائے تو زبان سے کہے کہ میں نے قبول کر لیا۔

(۲) کسی فعل اور عمل کے ذریعہ قبول کرنا، مثلاً فضولی کے نکاح کے بعد بیوی کو مہر بھیجنا، پہلی صورت میں نکاح جائز نہیں جبکہ دوسری صورت میں جائز ہے۔

لہٰذا آسان طریقہ یہ ہے کہ مسئلہ اُس کو سمجھایا جائے پھر فضولی کے ذریعہ نکاح کرالیا جائے۔ نکاح کے علم کے بعد بیوی کو مہر بھیج دے جبکہ زبان سے نکاح قبول کرنے کی تصریح نہ کرے تو اس طرح نکاح صحیح ہو جائے گا۔

تنبیہ: والد، بھائی اور تایا وغیرہ میں سے کوئی بھی فضولی بن سکتا ہے۔ فضولی بننے کیلئے کوئی قید نہیں ہے۔

لمافی التاتارخانیة (۳/٦١٠): وفی الحجة وحکی أن أئمة اسروشنة کتبوا الی أئمة سمرقند منهم أبو أحمد العیاضی وإلی أئمة بخارا منهم محمد بن إبراهیم المیدانی أن علماء عصرنا یختلفون فی مسئلة نکاح الفضولی، منهم من سوی بین الإجازة بالقول والفعل أنه لا یحنث فیهما ومنهم من قال یحنث فیهما ومنهم من قال یحنث بالقول دون الفعل ما اتفقوا علی شئی یجری علیه. ولا یختلف فذکر الإمام أبو أحمد العیاضی ذلك لأئمة عصره وأئمة بخارا فاجتمعوا وتکلموا فی هذه المسئلة وجری الکلام بینهم یومین من أول النهار إلی آخره بالنظر والاستدلال والإنصاف وطلب الصواب وابتغاء الثواب فوقع اتفاقهم علی أنه لا یحنث الحالف بالإجازة بالفعل ویحنث بالقول وهو أوسط الأقاویل۔

وفی الدرالمختار (۳/۳۵۲): (وفیها) کلها (تنحل) أي تبطل (الیمین) ببطلان التعلیق (إذا وجد الشرط مرة إلا في کلما فإنه ینحل بعد الثلاث) لاقتضائها عموم الأفعال کاقتضاء کل عموم الأسماء (فلا یقع إن نکحها بعد زوج آخر إلا إذا دخلت) کلما (علی التزوج نحو کلما تزوجت فأنت کذا) لدخولها علی سبب الملك وهو غیر متناه۔

(۲۵٦) کلما کی قسم کے بعد فضولی کے عملاً اجازت دینے سے نکاح پر اشکال

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فتاوی تاتارخانیہ (۳/٦١٠) پر کلما کی قسم اٹھانے کے بعد فضولی کے حیلے سے متعلق یہ تحریر ہے کہ وہ شخص فضولی کے نکاح کو عملاً قبول کرے تو اس طرح اس کے نکاح کی گنجائش میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں اور پھر بعد میں بحث کے بعد جواز کے قول پر اتفاق ہوا ہے۔ مفتی صاحب بظاہر تو عدم جواز کا قول قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ عملاً نکاح فضولی کی اجازت بھی تو حقیقتاً نکاح کرنا ہی ہے، جسے کلما کی قسم کے ذریعے سلب کر دیا گیا ہے۔

مفتی صاحب اس کی وضاحت فرمادیں کہ کیا یہ قول لئے جانے کے زیادہ مستحق نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ عدم جواز کے قول کو لیا جائے کیونکہ عملاً نکاح فضولی کی اجازت بھی حقیقتاً نکاح کرنا ہی ہے لیکن اگر اس قول کو اختیار کیا جائے تو پھر ایسا شخص جس نے کلما کے ذریعے قسم کھائی ہو اس کے لئے نکاح کی ہر صورت ختم ہو جاتی ہے لہذا ضرورت کی بناء پر جواز کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

لمافی البحر الرائق (۶۲۰/۴) کتاب الایمان. باب الیمین فی الضرب والقتل) (ط رشیدیه): (حلف لا يتزوج فزوجه فضولي وأجاز بالقول حنث وبالفعل لا) أي لا يحنث وهذا هو المختار كما في التبيين وعليه أكثر المشايخ والفتوى عليه كما في الخانية۔

وفی فتح القدير (۱۷۵/۵)[باب اليمين۔الخ]: وفي الإجازة بالفعل اختلاف المشايخ قال شمس الأئمة والأصح عندی لا يحنث لأن عقد النكاح يختص بالقول فلا يمكن جعل المجيز بالفعل عاقدا له۔

وفی الهندية (۴۱۹/۱): (الفصل الثانی فی تعليق الطلاق بكلمة كل وكلما) إذا قال كل امرأة أتزوجها فهي طالق فزوجه فضولي وأجاز بالفعل بأن ساق المهر ونحوه لا تطلق۔الخ۔

وفی الدر المختار (۸۴۶/۳): (حلف لا يتزوج فزوجه فضولي فأجاز بالقول حنث وبالفعل) ومنه الكتابة خلافا لابن سماعة (لا) يحنث به يفتى ۔

(۲۵۷) "کلما" کی تعلیق میں طلاق بائن کا حیلہ کیوں نہیں چلتا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص طلاق ثلاثہ کو دخول دار پر معلق کر دے تو اسے طلاق بائن کا حیلہ بتایا جاتا ہے تو اسی طرح کلما کی تعلیق میں بائن کا حیلہ کیوں نہیں چلتا۔ کلما میں تو بائن کے بعد بھی نکاح کیا جائے تو دخول دار سے طلاق واقع ہو جاتی ہے جب تک تین طلاقیں پوری نہ ہو جائیں، یہ کیا ہے کلما میں بھی تو ایک بائن دے کر عدت گزار کر دوبارہ گھر میں عورت داخل ہو اور یہ دخول غیر ملک میں ہوگا لہذا یہ دو طلاقیں لغو ہو جائیں پھر نکاح کر لے تو یہ حیلہ کلما مین کیوں نہیں چلتا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... واضح رہے کہ الفاظ شرط (ان، اذا، اذاما، متی، متی ما، کل، کلما) میں سے صرف کلما اپنے مدخول کے عموم اور تکرار کا تقاضا کرتا ہے باقی الفاظ اپنے مدخول کے عموم اور تکرار کا تقاضا نہیں کرتے۔

لہذا صورت مسئولہ میں جبکہ کلما کی تعلیق ہو تو بائن کا حیلہ اس لئے نہیں چلتا کہ کلما تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور جب تک ایک ملک میں موجود تمام تین طلاقیں واقع ہو کر عورت مغلظہ اور ملک نکاح سے بالکلیہ خارج نہ ہو جائے تب تک کلما کا تقاضا پورا نہیں ہوتا لہذا ایک مرتبہ شرط دخول دار پائے جانے سے تعلیق ختم نہیں ہوتی بائن کے حیلہ کے بعد بھی اگر دخول دار پایا جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی جب

تک کہ تین طلاقیں پوری نہ ہوجائیں البتہ تین طلاقیں پوری ہونے کے بعد اس ملک کی طلاقیں پوری ہوگئیں لہٰذا پھر اگر بعد از حلالہ یہ مرد اس عورت سے نکاح کرتا ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی اور باقی الفاظ ''إن'' وغیرہ چونکہ تکرار کا تقاضا نہیں کرتے لہٰذا ایک مرتبہ شرط دخول دار پائے جانے سے تعلیق ختم ہوجاتی ہے، بائن کے حیلے کے بعد اگر دوسری مرتبہ شرط دخول دار پائی جائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لمافی الهندية (١/٤١٥) كتاب الطلاق الباب الرابع (ط حقانية): ...ألفاظ الشرط إن وإذا وإذما وكل وكلما ومتى ومتى ما ففي هذه الألفاظ إذا وجد الشرط انحلت اليمين وانتهت لأنها تقتضي العموم والتكرار فبوجود الفعل مرة تم الشرط وانحلت اليمين فلا يتحقق الحنث بعده إلا في كلما لأنها توجب عموم الأفعال فإذا كان الجزاء الطلاق والشرط بكلمة كلما يتكرر الطلاق بتكرار الحنث حتى يستوفي طلاق الملك الذي حلف عليه فإن تزوجها بعد زوج آخر وتكرر الشرط لم يحنث عندنا۔ الخ۔

وفی الدر المختار (٣/٣٥٢): (وفيها) كلها (تنحل) أي تبطل (اليمين) ببطلان التعليق (إذا وجد الشرط مرة إلا في كلما فإنه ينحل بعد الثلاث) لاقتضائها عموم الأفعال كاقتضاء كل عموم الأسماء (فلا يقع إن نكحها بعد زوج آخر إلا إذا دخلت) كلما (على التزوج نحو كلما تزوجت فأنت كذا)۔

وفی الرد تحته: قوله (كاقتضاء كل عموم الأسماء) ـــ فالحاصل أن كلما لعموم الأفعال وعموم الأسماء ضروري فيحنث بكل فعل حتى تنتهي طلقات هذا الملك وكل لعموم الأسماء وعموم الأفعال ضروري ولو قال المصنف إلا في كل وكلما لكان أولى لأن اليمين في كل وإن انتهت في حق اسم بقيت في حق غيره من الأسماء۔

(٢٥٨) "ہر طلوع کے وقت تجھے ایک طلاق" کہنے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو کہے کہ "ہر طلوع ہوتے وقت تجھے ایک طلاق" اس صورت میں کیا جب بھی سورج طلوع ہوگا طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور تین طلاقوں کے بعد دوبارہ اگر وہ عورت اس کے نکاح میں آئے تو پھر بھی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں ہر سورج طلوع ہوتے وقت عورت کو ایک طلاق واقع ہوجائے گی اور تین طلاقوں کے بعد عورت مغلظہ ہوجائے گی پھر اگر یہ عورت حلالہ شرعیہ کے بعد اس پہلے شوہر کے نکاح میں آجائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لمافی الشامية (٣/٢٦٧) مطلب في إضافة الطلاق إلى الزمان: ولو قال في كل يوم طلقت ثلاثا في

كل يوم واحدة إجماعا كما لو قال عند كل يوم أو كلما مضى يوم --- وبعد أسطر: ففي الذخيرة والهندية والتاترخانية أنت طالق رأس كل شهر تطلق ثلاثا في رأس كل شهر واحدة۔

وفی الدر المختار(۲/۳۵۳): (فلا يقع إن نكحها بعد زوج آخر)۔

وفی الشامية(۲/۳۵۳): فإن تزوجت بعد الثلاث وعادت إلى الأول ثم دخلت لم تطلق۔

(۲۵۹)مذکورہ فتوے پرایک اشکال کاجواب

سوال......مفتی صاحب ملحقہ فتوے میں کل پر کلما کے احکام کیوں جاری کئے گئے ہیں۔ بظاہر ایک طلوع پر طلاق کے بعد دوبارہ طلاق نہیں ہونی چاہیئے تھی لہٰذا یہ فتویٰ کیسے دیا گیا ہے؟ کل اور کلما میں کیا فرق ہے؟ ازراہِ کرم ایسا جامع اصول تحریر فرمادیں کہ پھر کل اور کلما میں فرق کرنا آسان ہوجائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......جواب سے قبل ایک اہم فرق کالحاظ ضروری ہے وہ یہ کہ جتنے بھی حروفِ شرط ہیں ان میں سے کل اور کلما کے علاوہ کسی حرف میں تکرار کا تقاضہ نہیں۔کل عموم اسماء کیلئے آتا ہے اور کلما عموم افعال کیلئے ،مثلاً ایک شخص کی چار بیویاں ہوں اور وہ یہ الفاظ کہے "کل امرأة تدخل الدار فهي طالق" یہاں کل کالفظ امرأة اسم پر داخل ہے اور اس میں عموم ہوگا لہٰذا چاروں میں سے جو بیوی بھی گھر میں داخل ہوگی اسے طلاق واقع ہوجائے گی البتہ طلاق شدہ عورت اگر دوبارہ داخل ہوگی تو اسے دوبارہ طلاق کا وقوع نہ ہوگا کیونکہ کل عمومِ افعال کیلئے نہیں آتا لہٰذا چاروں بیویوں کو داخل ہونے کی صورت میں ایک ایک طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے "کلما دخلت" تو یہاں کلما فعل پر داخل ہے اس فعل میں عموم ہوگا لہٰذا ہر دخول پر ایک طلاق واقع ہوگی اور عورت مطلقہ ثلثہ ہوجائے گی نیز عمومِ اسماء کلما کیلئے خود ہی ضروری ہے لہٰذا جتنی مرتبہ گھر میں داخل ہوگی اتنی طلاقیں واقع ہوجائیں گی یہاں تک کہ تین طلاقیں واقع ہوکر وہ عورت مغلظہ ہوجائے۔

کل اور کلما کے اس فرق کو خاتمۃ المحققین علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

قال الحصكفي:"(وفيها) كلها (تنحل) أي تبطل (اليمين) ببطلان التعليق (إذا وجد الشرط مرة إلا في كلما فإنه ينحل بعد الثلاث) لاقتضائها عموم الأفعال كاقتضاء كل عموم الأسماء"

وفی الرد تحته:"قوله (كاقتضاء كل عموم الأسماء) لأن كلما تدخل على الأفعال وكل تدخل على الأسماء فيفيد كل منهما عموم ما دخلت عليه فإذا وجد فعل واحد أو اسم واحد فقد وجد المحلوف عليه فانحلت اليمين في حقه وفي حق غيره من الأفعال والأسماء باقية على حالها فيحنث كلما وجد المحلوف عليه غير أن المحلوف عليه طلقات هذا الملك وهي متناهية فالحاصل أن كلما لعموم الأفعال وعموم الأسماء ضروري فيحنث بكل فعل حتى تنتهي طلقات هذا الملك

وكل لعموم الأسماء وعموم الأفعال ضروري ولو قال المصنف إلا في كل وكلما لكان أولى لأن اليمين في كل وإن انتهت في حق اسم بقيت في حق غيره من الأسماء ومن فروعها لو كان له أربع نسوة فقال كل امرأة تدخل الدار فهي طالق فدخلت واحدة طلقت ولو دخلن طلقن فإن دخلت تلك المرأة مرة أخرى لا تطلق ولو قال كلما دخلت فدخلت امرأة طلقت ولو دخلت ثانيا تطلق وكذا ثالثا فإن تزوجت بعد الثلاث وعادت إلى الأول ثم دخلت لم تطلق خلافا لزفر" (ردالمحتار ۳/۳۵۲)

الغرض کل میں بھی اپنے مدخول اسم کے عموم کا تقاضا ہے لہٰذا "ہر طلوع ہوتے وقت تجھے ایک طلاق" یہ "انت طالق عند کل طلوع" کا ترجمہ ہے یہاں کل کا لفظ طلوع اسم پر داخل ہے لہٰذا طلوع میں تکرار ہوگا اور ہر طلوع کے وقت ایک طلاق واقع ہوجائے گی اور تیسرے طلوع پر تیسری طلاق کا وقوع ہوکر وہ عورت مغلظہ اور اس کی ملکیت سے خارج ہوجائے گی۔

(۲۶۰) "کلما کی طلاق" کا صرف عنوان ذکر کرنے سے تعلیق نہ ہوگی

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ مثلاً دو بھائی ہیں خالد اور شاہد۔ خالد کی ایک لڑکی سے دوستی ہوجاتی ہے، بات نکاح تک پہنچ جاتی ہے اور اب جب شاہد کو علم ہوتا ہے تو وہ خالد کو رابطہ کرنے اور نکاح وغیرہ سے منع کرتا ہے کیونکہ شاہد بڑا بھائی ہے۔ اور کہتا ہے کہ آئندہ اس سے رابطہ نہیں کرنا۔ رابطہ سے روکنے کیلئے اس سے "کلما" کے الفاظ کہلواتا ہے کہ تو کہہ اگر تو رابطہ کرے گا تو تجھے کلما کی طلاق۔ خالد بھی یہ الفاظ ادا کردیتا ہے کہ "اگر میں اس لڑکی سے رابطہ کروں تو مجھے کلما کی طلاق"۔

کچھ عرصہ بعد لڑکی کا فون آتا ہے خالد فون اٹھاتا ہے اور کہتا ہے کون؟ کس سے بات کرنی ہے؟ تو وہ لڑکی یہ بات سن کر فون بند کردیتی ہے اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ پھر چند دن بعد خالد اس کی والدہ کے نمبر پر فون کرتا ہے اور وہی لڑکی فون اٹھاتی ہے اور ہیلو! ہیلو! کرتی ہے مگر خالد آواز پہچاننے کی وجہ سے بات نہیں کرتا اور فون کو کان سے دور کردیتا ہے، اس طرح وہ دوبارہ کرتا ہے اور دونوں بار بات نہیں کرتا۔ (اب خالد اس فون کی کوشش پر توبہ کرتا ہے)۔ یہ فون کرنا اس نیت سے نہ تھا کہ خالد اس لڑکی سے بات کرے بلکہ ویسے ہی فون کیا تھا۔

(۱) اب آیا یہ فون کرنا اور بات نہ کرنا رابطہ شمار ہوگا یا نہیں؟

(۲) خالد کے بھائی شاہد کا یہ کہنا کہ تو کلما کی طلاق کے الفاظ ادا کر، اس کا کیا مطلب ہوگا؟

(۳) اب اگر اس لڑکی سے خالد کا نکاح ہوجاتا ہے اور اس کے بعد رابطہ ہوتا ہے تو اس صورت میں کلما کا کیا مطلب ہوگا؟

(۴) اسی طرح اگر اس کی کسی بہن وغیرہ سے نکاح ہوجاتا ہے تو اس صورت میں اگر رابطہ ہوجائے تو کیا مطلب ہوگا؟

(۵) اسی طرح اگر کسی اور لڑکی سے نکاح ہوجاتا ہے تو اس صورت میں بعد میں اگر رابطہ ہوجائے تو کیا مطلب ہوگا؟

(٦) اگر یہ خالد پر لاگو بھی ہوجاتا ہے تو اس سے چھٹکارے کی کیا صورت ہوگی؟ قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... مذکورہ صورت کے مطابق اگر خالد نے واقعتاً صرف یہی الفاظ "اگر میں اس لڑکی سے رابطہ کروں تو مجھے کلما کی طلاق" کہے ہیں، تو صرف ان الفاظ سے کلما کی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کلما کی طلاق کی حقیقت مخصوص الفاظ ہیں، جو حروف شرط کے ساتھ ذکر ہوں اور وہ یہاں نہیں کہے گئے مثلاً یہ کہتا کہ ''جب جب بھی میں فلاں لڑکی سے شادی کروں اسے طلاق'' یا اس جیسا کوئی لفظ استعمال کرتا تو یہ ''کلما'' کی طلاق کہلاتی ہے، فقط عنوان معنون کے وجود کو لازم نہیں ہوتا، چنانچہ صرف عنوان "کلما کی طلاق" ذکر کرنے سے کوئی حقیقت نہیں پائی گئی، لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الشامیة (۲۴۷/۳): قلت لكن قال في نور العين الظاهر أنه لا يصح اليمين لما في البزازية من كتاب ألفاظ الكفر إنه قد اشتهر في رساتيق شروان أن من قال جعلت كلما او علي كلما أنه طلاق ثلاث معلق وهذا باطل ومن هذيانات العوام اه فتأمل۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۸۹۴/۹): وعلى هذا. فلا تصح إضافة الطلاق إلى امرأة إلا أن يكون الحالف مالكاً. أو يضيفه إلى ملك. فإن قال لامرأة أجنبية: إن دخلت الدار فأنت طالق. ثم تزوجها. فدخلت الدار، لم تطلق؛ لأن الحالف ليس مالكاً. ولم يضف الطلاق إلى الملك أو سبب الملك وهو التزوج. ولا بد من واحد منها.

(۲۶۱) کلما کی قسم میں خاص عورت کی نیت کرنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے کہا ''جب جب بھی میں کسی عورت سے نکاح کروں اسے طلاق''، لیکن وہ اسمیں کسی خاص عورت کی نیت کرتا ہے کہ میری مراد صرف فلاں مخصوص عورت تھی نہ کہ ہر عورت تو کیا اس کی یہ نیت شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں؟ برائے مہربانی پوری تحقیق کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... مذکورہ صورت میں جب زید نے یہ کہا کہ "جب جب بھی میں کسی عورت سے نکاح کروں اسے طلاق" اور اس میں کسی خاص عورت کی نیت کی تو زید کی یہ نیت صحیح نہیں ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ جب بھی زید جس عورت سے نکاح کرے گا تو اُسے طلاق واقع ہوجائے گی۔

لمافی البحرالرائق (۱۵/۴) کتاب الطلاق: ومنها لو قال كل امرأة أتزوجها فهي طالق فكل امرأة تزوجها تطلق واحدة فإن تزوجها ثانيا لا تطلق لاقتضائها عموم الأسماء لا عموم الأفعال ولو نوى بعض النساء صحت نيته ديانة لا قضاء لأن نية تخصيص العام خلاف الظاهر وقال

الخصاف تصح نيته في القضاء أيضا وهذا مخلص لمن يحلفه ظالم فأخذ بقوله لا بأس به لأن الحالة دلالة ظاهرة كذا في المحيط والفتوى على ظاهر المذهب وإن أخذ بقول الخصاف إذا كان الحالف مظلوما فلا بأس به كذا في الولوالجية۔

وفی الشامية (۷۸۴/۳) کتاب الطلاق: مطلب نية تخصيص العام تصح ديانة لا قضاء خلافا للخصاف ---- قوله (لا يصدق قضاء) ظاهره أنه يصدق ديانة وهو مخالف لقوله آنفا ---- قلت وهذا كله في القضاء أما في الديانة فنية تخصيص العام صحيحة بالإجماع كما في البحر وقد مر والحاصل أن نية تخصيص العام تصح في ظاهر الرواية ديانة فقط وعند الخصاف تصح قضاء أيضا۔

(۲۶۲) کیا حلالہ کے بعد بھی کلما کی قسم باقی رہے گی؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دو ہفتے پہلے میرے دوست کی مجھ سے کسی بات پر لڑائی ہوگئی، دوران لڑائی اس نے مجھ سے کہا آج کے بعد میں نے جب کبھی بھی تم سے بات کی تو میری بیوی کو طلاق ہے اور وہ چلا گیا لیکن چونکہ وہ بہت اچھا دوست ہے اس لئے اب وہ معذرت کرنا چاہتا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جہاں تک میرا خیال ہے تو اس کے یہ الفاظ کلما کی قسم کے تحت داخل ہیں تو کیا جب بھی وہ مجھ سے بات کرے گا اس کی بیوی پر طلاق ہوگی یا بس پہلی دفعہ کیلئے یہ حکم ہوگا؟ اگر تین طلاقیں واقع ہوجائیں تو پھر حلالے کے بعد رجوع کرسکتا ہے یا نہیں یا اس وقت بھی طلاق واقع ہوجائے گی؟ براہ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں آپ کے دوست کے یہ الفاظ کہ ''میں نے جب کبھی بھی تم سے بات کی تو میری بیوی کو طلاق ہے'' لفظ کلما کے تحت داخل ہوتے ہیں لہٰذا اب جب بھی آپ کا دوست آپ سے بات کرے گا تو طلاق واقع ہوجائے گی، یہاں تک کہ تین طلاقیں پوری ہوجائیں، پھر اگر وہ حلالہ کے بعد اسی لڑکی سے نکاح کرے اور اس کے بعد آپ سے بات کرے تو اس صورت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

لما فی الدر المختار(۳۵۲/۳): (وفيها) كلها (تنحل) أي تبطل (اليمين) ببطلان التعليق (إذا وجد الشرط مرة إلا في كلما فإنه ينحل بعد الثلاث) لاقتضائها عموم الأفعال۔

وفی الشامية (۳۵۳/۳): فالحاصل أن كلما لعموم الأفعال وعموم الأسماء ضروري فيحنث بكل فعل حتى تنتهي طلقات هذا الملك۔

(۲۶۳) زاہدہ سے شادی نہ کرسکنے پر معلق طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے کہا کہ ''جب تک میں زاہدہ سے شادی نہ

کروں تو جس عورت سے شادی کروں وہ مجھ پر طلاق ہے‘‘ اب زاہدہ کا انتقال ہوگیا تو آیا یہ شخص جب دوسری عورت سے شادی کرے گا تو وہ دوسری عورت اس پر طلاق ہوگی یا نہیں یا آیا اس پر یمین کا کفارہ لازم ہوگا؟ جو بھی صورت بنے وہ واضح فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب اس شخص نے قسم کھائی کہ ’’جب تک زاہدہ سے شادی نہ کروں تو جس عورت سے بھی شادی کروں وہ مجھ پر طلاق ہے‘‘ اس صورت میں جب زاہدہ کا انتقال ہوگیا اور اس نے دوسری عورت سے شادی کی تو اس عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ زاہدہ کی موت سے اس شخص کی یمین باطل ہوگئی ہے اور یہ حانث بھی نہیں ہوگا۔

لمافی الهندية (۴۱۹/۱): ولو قال كل امرأة أتزوجها ما لم أتزوج فاطمة فهي طالق فماتت فاطمة أو غابت فتزوج غيرها طلقت في الغيبة ولا تطلق في الموت۔

(۲۶۴) کلما کی طلاق سے متعلق دو فتووں میں تعارض کا دفعیہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید اللہ کو گواہ بنا کر کے بعد دیگرے کلما کی قسم کھا کر زندگی بھر کیلئے یہ اقرار کر لیتا ہے کہ ’’اگر میرا ہندہ کے علاوہ دنیا کی کسی بھی لڑکی سے نکاح ہوا یا میں نے خود کسی لڑکی سے نکاح کیا تو اسے فوراً طلاق ہوگی‘‘ آیا اس کا حلف اٹھانا زندگی بھر کیلئے برقرار رہے گا یا اس کی کوئی متبادل صورت اختیار کر کے نکاح کرے تو نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟ از روئے شرع کیا حکم ہے؟ اس صورت مسئولہ کا جواب آپ کے جامعہ سے دو دفعہ لیا گیا ایک دفعہ جواب یہ تھا کہ ہندہ کے علاوہ نکاح کی کوئی متبادل صورت نہیں اور دوسرا جواب یہ کہ ہندہ کے علاوہ جس لڑکی سے نکاح ہوا اسے طلاق بائن واقع ہوگی اور دوبارہ طلاق واقع نہ ہوگی البتہ اگر اسی عورت کو زوج نے دو طلاقیں دے دیں تو مغلظہ ہو جائے گی تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا صحیح صورت کونسی ہے۔ وضاحت فرما کر اشکال رفع فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......دونوں جوابوں میں بظاہر تو تعارض نظر آرہا ہے لیکن حقیقتاً اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ وہ اس طرح کہ پہلے جواب میں کہ ’’ہندہ کے علاوہ سے نکاح کی کوئی صورت نہیں‘‘ یہ مستفتی کی اس بات کا جواب ہے کہ ہندہ کے علاوہ سے نکاح کرے اور نکاح برقرار رہے تو اس کا جواب دیا کہ ایسی کوئی صورت نہیں ہے بلکہ جب بھی نکاح کرے گا تو اولاً ضرور طلاق واقع ہوگی جبکہ دوسرے جواب میں تفصیل کر دی گئی ہے کہ ہندہ کے علاوہ جس سے بھی نکاح کرے گا اولاً تو طلاق واقع ہوگی ہاں اگر اسی مطلقہ سے دوبارہ نکاح کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی اور نکاح درست ہو جائے گا اب اس کو صرف دو طلاقیں دینے کا اختیار ہوگا۔

لمافی الهندية (۴۱۵/۱): ولو قال كل امرأة أتزوجها فهي طالق فتزوج نسوة طلقن ولو تزوج امرأة واحدة مرارا لم تطلق إلا مرة واحدة كذا في المحيط --- ولو قال كل امرأة تدخل في نكاحي فهي طالق فهذا بمنزلة ما لو قال كل امرأة أتزوجها وكذا لو قال كل امرأة تصير حلالا لي كذا في الخلاصة في الفصل الرابع في اليمين بالنكاح۔

(۲۶۵) ارتداد کے بعد مسلمان ہونے سے کلما کی قسم کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص کلما کی قسم کھالے "کلما تزوجت امرأة فهي طالق" اور بعد میں وہ نعوذ باللہ کافر ہوجائے اور چند دنوں کے بعد وہ پھر مسلمان ہوجائے تو آیا اب وہ قسم باقی رہے گی یا نہیں، یعنی وہ کسی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ذکر کردہ الفاظ "کلما تزوجت امرأة فهي طالق" کہہ کر آدمی جب بھی کسی عورت سے نکاح کرے گا طلاق واقع ہوجائے گی اگرچہ وہ یہ الفاظ کہہ کر چند دن کافر ہی کیوں نہ ہوگیا ہو کیونکہ کافر ہونے کی وجہ سے وہ قسم باطل ہوتی ہے جس کا تعلق عبادات سے ہو، طلاق چونکہ عبادت کی قبیل سے نہیں لہٰذا قسم باطل نہ ہوگی۔

لمافی الشامية(۳/۷۰۴): واعلم أن اشتراط الإسلام إنمايناسب اليمين بالله تعالى واليمين بالقرب نحو إن فعلت كذا فعلي صلاة وأما اليمين بغير القرب نحو إن فعلت كذا فأنت طالق فلا يشترط له الإسلام كما لا يخفى ح۔

وفي الشامية أيضا(۳/۷۵۷) مطلب حلف لا يخرج إلى مكة ونحوها: قوله (فلا حنث) لتعلق الحنث بآخر الوقت ولم يوجد في حقه۔

وفيه أيضا: قوله (لبطلان يمينه بالله تعالى) أشار به إلى أن يمينه لو كانت بالطلاق مثلا لا تبطل بالردة لأن الكفر لا ينافي التعليق بغير القرب ابتداء فكذا بقاء اھ ح۔

(۲۶۶) یمین میں عبادات اور غیر عبادات میں فرق پر اشکال کا جواب

سوال......مفتی صاحب! ملحقہ فتوے میں عبادات اور غیر عبادات میں یمین میں فرق کیا گیا ہے یہ فرق کیوں ہے جبکہ ہم نے سنا ہے کہ کفر تمام اعمال واقوال کو ھدر کردیتا ہے پھر یمین بالطلاق کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ اور فتاویٰ شامیہ کے حوالے سے جو دلیل ذکر ہے کہ کفر میں غیر قرب پر تعلیق ابتداء ممنوع نہیں تو بقاء بھی کوئی مسئلہ نہیں، یہ دلیل بھی کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس طرح تو بہت سی چیزیں کفر میں جائز ہوتی ہیں تو کیا وہ ارتداد میں بقاء باقی رہیں گی مثلاً نکاح وغیرہ۔

لہٰذا آپ یہ تعیین فرمائیں کون سا اصول درست ہے؟ ارتداد سے حبط اعمال واقوال کا یا کفر میں ابتداء جائز امور کا ارتداد میں بقاء باقی رہنے کا قول؟ ازراہِ کرم تنقیح فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......ایک یمین باللہ ہوتی ہے اور ایک یمین بغیر اللہ ہوتی ہے۔ کافر یمین باللہ کا اہل نہیں ہے جیسے عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ البتہ یمین بغیر اللہ کا اہل ہے، جیسے عتاق طلاق اگر کسی مسلمان نے یہ قسم کھائی کہ "اگر میرا یہ کام ہوجائے

تو میری بیوی کو طلاق ہے'' پھر نعوذ باللہ مرتد ہوگیا پھر مسلمان ہوگیا تو یہ یمین باقی رہے گی اور پھر اس کا وہ کام ہوجائے تو اس کی بیوی کو طلاق واقع ہوجائے گی کیونکہ یہ یمین بغیر اللہ ہے اور یمین بغیر اللہ کا تعلق حالت اسلام اور حالت کفر سے نہیں ہے اور جہاں تک حبط اعمال کے اصول کا تعلق ہے تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حبط اعمال کا تعلق اعمال کے ساتھ ہے نہ کہ اقوال کے ساتھ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حبط اعمال کا تعلق عقاب اور ثواب سے ہے یعنی ثواب اور عقاب کا ختم ہوجانا۔

جہاں تک اس اشکال کا تعلق ہے کہ نکاح بھی یمین بغیر اللہ ہے اور یمین بغیر اللہ ارتداد سے ختم نہیں ہوتی تو نکاح کیوں ختم ہوا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کیلئے اسلام شرط ہے جب شرط ہی نہیں پائی گئی (اسلام کا ہونا) تو نکاح کیسے منعقد ہوگا لہٰذا ملحقہ فتوے میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ یمین بغیر اللہ کی ہے اس صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی۔

لمافی الهندية (۲/۵۱) كتاب الايمان: والثاني الشرط والجزاء وهذا النوع ينقسم إلى قسمين يمين بالقرب ويمين بغير القرب أما اليمين بالقرب فهو أن يقول إن فعلت كذا فعلي صوم أو صلاة أو حجة أو عمرة أو بدنة أو هدي أو عتق رقبة أو صدقة أو نحو ذلك وأما اليمين بغير القرب فهي الحلف بالطلاق والعتاق هكذا في البدائع۔

وفی الشامية (۳/۷۵۷): قوله (لبطلان يمينه بالله تعالى) أشار به إلى أن يمينه لو كانت بالطلاق مثلا لا تبطل بالردة لأن الكفر لا ينافي التعليق بغير القرب ابتداء فكذا بقاء اهـ۔

فصل فی الخلاص من الطلاق المعلق

(معلق طلاق میں طلاق کے وقوع سے بچنے کیلئے حیلے کا بیان)

(۲۶۷) طلاق مغلظہ سے بچنے کے لئے ایک حیلہ کا ذکر

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''اگر تو والدین کے گھر گئی تو تجھے تین طلاق''، اب زید کی بیوی والدین کو بھی نہیں چھوڑ سکتی اور اپنے شوہر کو بھی۔ برائے مہربانی اس کیلئے کوئی شرعی حل بتادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... مذکورہ مسئلہ کا شرعی حل یہ ہے کہ زید اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دیدے (یعنی تجھے طلاق بائن ہو وغیرہ کے الفاظ سے اس عورت کو اپنے نکاح سے نکال دے) پھر یہ عورت عدتِ طلاق گزار کر اپنے والدین کے گھر چلی جائے۔ تو چونکہ یہ عورت اب زید کے نکاح میں نہیں رہی ہے اور عدت بھی گزار چکی ہے اس لئے تین طلاقیں (جو کہ والدین کے گھر جانے کے ساتھ معلق تھیں) اس پر واقع نہیں ہوں گی اور شرط (دخول دار) پائے جانے کی وجہ سے یمین ختم ہوجائے گی پھر زید اُن خاتون سے نئے سرے سے نکاح کرلے۔ اب زید کی بیوی اپنے والدین کے گھر جاسکتی ہے کیونکہ یمین ختم ہوچکی ہے البتہ زید کے پاس اب اپنی بیوی کو دو طلاقیں دینے کا اختیار رہ جائے گا۔ اس کے علاوہ اگر زید کی بیوی اپنے والدین سے فقط ملنا ہی چاہتی ہے تو اس کے لئے بجائے والدین کے گھر جانے کے کسی اور جگہ والدین سے ملاقات کرلے، واضح رہے! والدین کے گھر سے مراد وہ چار دیواری ہے جس میں وہ رہائش پذیر ہیں، اس چار دیواری کے علاوہ کہیں بھی ملاقات کی جاسکتی ہے۔

لمافی التاتارخانية (۳۳۱/۱۰) كتاب الحيل: إذا حلف بثلاث تطليقات أن لايكلم فلاناً. فالسبيل أن يطلقها واحدةً بائنةً، ويدعها، حتى انقضت عدتها، ثم يكلم فلاناً، ثم يتزوجها۔

وفی الجوهرة النيرة (۴۷۸/۲) كتاب الأيمان: ولو حلف لايدخل دار فلان فدخل داراً يسكنها فلان بملك، أو اجارة، أو عارية حنث۔

(۲۶۸) ''اگر بغیر اجازت گھر سے نکلی تو تین طلاق'' سے خلاصی کی صورت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی بیوی بغیر اس کی اجازت کے ادھر ادھر چلی

جاتی تھی تو ایک دن اس کے شوہر نے غصہ میں آ کر یہ کہہ دیا اگر تو آج سے میری اجازت کے بغیر گھر سے نکلی تو تجھ کو تین طلاقیں یہ کہنے کے بعد اب شوہر سخت پریشان ہے کہ اگر وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے بچوں کو یا وہ خود بیماری کی صورت میں ڈاکٹر کے پاس چلی گئی تو کیا ہوگا؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دینے کے ساتھ ساتھ اگر مذکورہ صورت میں وقوع طلاق سے بچنے کا کوئی جائز حیلہ ہو تو اس سے بھی ضرور مطلع فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر ان الفاظ کے کہنے کے بعد عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلے گی تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی لیکن اگر اب تک وہ بغیر اجازت کے نہ نکلی ہو تو وقوع طلاق سے خلاصی کی صورت یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ان الفاظ کے ساتھ اجازت دیدے کہ آپ جب بھی باہر جانا اور نکلنا چاہو میری طرف سے اجازت ہے تو اس طرح اجازت دینے کے بعد اگر وہ نکلے گی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

لمافی الهندية (۱/۴۳۹) كتاب الطلاق، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة إن وإذا وغيرهما: إذا قال لامرأته أنت طالق إن خرجت من هذه الدار إلا بإذني أو قال إلا برضائي أو قال إلا بعلمي أو قال لها أنت طالق إن خرجت من هذه الدار بغير إذني فهما سواء لأن كلمة إلا وغير للاستثناء فالجواب فيهما أن بالإذن مرة لا تنتهي اليمين حتى لو أذن لها بالخروج مرة وخرجت ثم خرجت بعد ذلك بغير إذنه طلقت --- والحيلة في عدم الحنث أن يقول أذنت لك بالخروج في كل مرة أو يقول أذنت لك كلما خرجت فحينئذ لا يحنث وكذا إذا قال كلما شئت الخروج فقد أذنت لك أو أذنت لك بالخروج أبدا أو أذنت لك الدهر كله فإن نهاها بعد ذلك نهيا عاما فعند محمد رحمه الله تعالى يصح نهيه كذا في السراج الوهاج۔

وفي الشامية (۳/۷۵۹): مطلب لا تخرجي إلا بإذني --- وإنما شرط تكراره لأن المستثنى خروج مقرون بالإذن فما وراءه داخل في المنع العام لأن المعنى لا تخرجي خروجا إلا خروجا ملصقا بإذني۔

(۲۶۹) بغیر اجازت پیسے نکالنے پر معلق طلاق سے بچنے کا حیلہ

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کل رات میرا اپنی بیوی سے جھگڑا ہو گیا اور دورانِ لڑائی میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''اگر آج کے بعد تو نے میرے پیسوں کو بغیر اجازت ہاتھ لگایا تو تجھ کو طلاق ہے'' کیا اس صورت میں اس کو ہر دفعہ پیسے لیتے وقت اجازت لینی ہوگی یا نہیں؟ اگر کبھی بغیر اجازت کے لے لے تو کیا حکم ہوگا اور کیا کوئی ایسی صورت اور حیلہ ہے کہ جس سے یہ بات ختم ہو سکے اور میری بیوی بغیر اجازت کے میرے پیسوں کو نکال سکے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی کو ہر دفعہ پیسے نکالنے کے لئے آپ کی اجازت لینا ضروری ہے اور اگر آپ کی بیوی نے کبھی بغیر اجازت کے پیسے نکال لئے تو ایک طلاق واقع ہوجائے گی البتہ اس تعلیقِ طلاق سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اسے ہمیشہ کے لئے اس بات کی اجازت دے دیں پھر وہ آپ کی اجازت کے بغیر بھی پیسے نکال سکتی ہے۔

لمافی النہر الفائق، کتاب الایمان(۷۳/۳): ولو أرادت الخروج فقالت إن خرجت --- إلی قوله --- ففیها إن وجدت الشرط انتهت الیمین أی تمت وإذا تمت حنث فلا یتصور الحنث ثانیا إلابیمین أخری لأنها غیر مقتضیة للعموم والتکرار إلا فی کلمة کلما فإن الیمین لا تنتهی بوجود الشرط مرة ۔الخ۔

وفی الدرالمختار(۷۵۸/۳، ۷۵۹): (لا تخرجي) بغير إذني أو (إلا بإذني) --- (شرط) للبر (لكل خروج إذن) إلا لغرق أو حرق أو فرقة ولو نوى الإذن مرة دين وتنحل يمينه بخروجها مرة بلا إذن ولو قال كلما خرجت فقد أذنت لك سقط إذنه --- (بخلاف) قوله (إلا إن أو حتى) آذن لك لأنه للغاية۔

(۲۷۰) بڑے بھائی سے بات کرنے پر معلق طلاق سے بچنے کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کے ساتھ جھگڑا کیا، پھر چھوٹے بھائی نے بغیر سوچ اور ہوش میں یہ الفاظ کہے کہ اگر میں نے بڑے بھائی سے باتیں کیں تو مجھ پر میری بیوی طلاق یا اگر بڑے بھائی نے مجھ سے باتیں کیں تو مجھ پر میری بیوی طلاق، چھوٹا بھائی کہتا ہے کہ میں نے یہ الفاظ دومرتبہ کہے ہیں اور اس کے دوست کہتے ہیں کہ نہیں آپ نے یہ الفاظ چار مرتبہ کہے ہیں۔تو مذکورہ صورت میں کتنی طلاق واقع ہوں گی؟

دوسری بات یہ ہے کہ طلاق سے بچنے کی کیا صورت ہوگی اگر وہ آپس میں باتیں کریں اور طلاق بھی واقع نہ ہو۔آپ حضرات جلد جواب دے کر بندہ کو ممنون فرمائیں۔(نوٹ: جو دوست وہاں تھے وہ ایک سے زائد ہیں۔)

الجواب بعون الملک الوھاب......طلاق کو جب کسی شرط کے ساتھ معلق کیا جائے تو شرط پائے جانے کی صورت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے لہٰذا صورت مسئلہ میں اگر اس بات پر گواہ موجود ہیں کہ چھوٹے بھائی نے مذکورہ الفاظ چار مرتبہ کہے ہیں تو ان دونوں بھائیوں میں سے جب بھی کوئی ایک دوسرے کے ساتھ بات کرے گا تو چھوٹے بھائی کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی، البتہ اس سے بچنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ چھوٹا بھائی اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دیدے (یعنی میں تجھے طلاق بائن دیتا ہوں وغیرہ کہ الفاظ سے اس عورت کو اپنے نکاح سے نکال دے)، پھر جب عدت ختم ہوجائے تو دونوں بھائی آپس میں بات کرلیں چونکہ اس عورت کے اس کے نکاح میں نہ ہونے کی وجہ سے طلاق غیر مؤثر رہے گی اور ایک دفعہ بات کرنے کے بعد یمین ختم ہوجائے گی لہٰذا جب دوبارہ نکاح

کرے گا تو اب ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما في الهندية (۱/۳٦۳): في نوادر ابن سماعة عن محمد رحمه الله تعالى إذا شك في أنه طلق واحدة أو ثلاثا فهي واحدة حتى يستيقن أو يكون أكبر ظنه على خلافه فإن قال الزوج عزمت على أنها ثلاث أو هي عندي على أنها ثلاث أضع الأمر على أشده فأخبره عدول حضروا ذلك المجلس وقالوا كانت واحدة قال إذا كانوا عدولا أصدقهم وآخذ بقولهم كذا في الذخيرة.

وفيه أيضاً (٦/۳۹۷) كتاب الحيل: إذا حلف بثلاث تطليقات أن لا يكلم فلانا فالسبيل أن يطلقها واحدة بائنة ويدعها حتى تنقضي عدتها ثم يكلم فلانا ثم يتزوجها كذا في السراجية.

وفي الدر المختار (۳/۳۵۵) باب التعليق: فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها.

(۲۷۱) کسی شخص کی سالی کے نکاح پر معلق طلاق سے خلاصی کا طریقہ

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنے سسر سے کہا کہ ''اگر میرے سالہ کی شادی ارشاد کی سالی سے کی تو میری بیوی کو طلاق'' (اس سے پہلے وہ اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکا تھا) مگر مذکورہ شادی بھی لازمی ہے، ورنہ بہت بڑا فساد ہوسکتا ہے، اس کا حل کسی نے یہ بتایا ہے کہ ارشاد اپنی بیوی کو ایک طلاقِ بائنہ دے دے اور پھر اس کی بیوی کی عدت گزر جائے تو مذکورہ شادی کروادو، کیونکہ جب ارشاد کی بیوی کی عدت پوری ہو جائے گی تو وہ اجنبیہ ہو جائے گی اور پھر سالی بھی نہ رہے گی۔ کیا اس طرح واقعتاً مذکورہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں تو برائے مہربانی آپ کوئی بہتر حل بتادیں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب..... اگر شوہر اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دیدے اور اس کی بیوی کی عدت گزر جائے تو وہ عورت اجنبیہ بن جاتی ہے اور نکاح کے جملہ احکام ختم ہو جاتے ہیں، لیکن صورتِ مسئولہ میں یہ اس وقت ممکن تھا جب تعلیق کرنے والا شخص پہلے دو طلاقیں نہ دے چکا ہوتا جبکہ مذکورہ صورت میں وہ پہلے ہی دو طلاقیں دے چکا ہے لہٰذا اس کے پاس اب طلاق دینے کی گنجائش نہیں۔

البتہ مسئلہ کا یہ حل ہوسکتا ہے کہ ارشاد اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دے اور اس کی بیوی کی عدت گزر جائے تو وہ اجنبیہ ہو جائے گی اور اس مطلقہ کی بہن ارشاد کی سالی نہ رہے گی پھر اگر اس دوران مذکورہ شادی کرادی جائے تو اس طریقے سے مذکورہ شخص کی بیوی پر تیسری طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ شرط نہیں پائی گئی اور اس کے بعد ارشاد دوبارہ شادی کرلے۔

لما في الدر المختار (۳/۳٤۹): وبفوت محل البر كإن كلمت فلانا أو دخلت هذه الدار فمات أو جعلت بستانا.

وفي الرد تحته: لأن شرط الحنث فيها أمر وجودي وهو الكلام أو الدخول فإذا مات أو جعلت

بستانا فقد مات المحل ووقع اليأس من الحنث فلا فائدة في بقاء اليمين سواء كانت مؤقتة أو مطلقة۔

وفی الدر المختار(۳/۳۵۵): فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها۔

(۲۷۲)"فلاں شخص اگر مزدوری پر رہا تو بیوی کو تین طلاق" سے خلاصی کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تین بھائیوں کا آپس میں جھگڑا ہوا۔ چھوٹے دو بھائیوں کے پاس ایک مزدور فیکٹری میں کام کرتا تھا اس کی وجہ سے بڑے بھائی نے کہا کہ ''اگر میں نے اس مزدور کا ان کے ساتھ کام کرنے کے دوران بھائیوں سے صلح کی تو میری بیوی کو تین طلاقیں ہوں گی'' اب اگر چھوٹے بھائی اس مزدور کو چھٹی دیتے ہیں تو ان کو مالی نقصان پہنچتا ہے۔ مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ صلح بھی ہو جائے اور طلاق بھی واقع نہ ہو اور چھوٹے بھائیوں کو مالی نقصان بھی نہ ہو؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر چھوٹے بھائی مزدور کو چند دنوں کیلئے نوکری سے فارغ کر دیں اور بڑے بھائی سے صلح کرلیں بعد میں بیشک مزدور کو دوبارہ رکھ بھی لیں تو طلاقیں واقع نہ ہوں گی اور صلح بھی ہو جائے گی اور چھوٹے بھائیوں کو مالی نقصان بھی نہ ہوگا۔

لما فی الشامية (۳/۳۴۹) کتاب الطلاق، مطلب فی معنی قولهم ليس للمقلد الخ: ''قوله (وبفوت محل البر الخ) نقله في البحر عن الثاني لكن بلفظ ومما يبطله فوت محل الشرط كفوت محل الجزاء كما إذا قال إن كلمت فلانا الخ والتمثيل المذكور لفوات محل الشرط فإن الشرط هو كلمت ودخلت أي مضمونهما وهو الكلام والدخول ومحلهما هو فلان والدار المشار إليها وفوت محل الجزاء كموت المرأة التي هل محل الطلاق فإن يفوت هذين المحلين يبطل التعليق لأن التعليق لا بد أن يكون على خطر الوجود وقد تحقق عدمه ولا يقال يمكن حياة زيد بعد موته وإعادة البستان دارا لأن يمينه انعقدت على حياة كانت فيه كما قالوا في ليقتلن فلانا وما أعيد بعد البناء دار أخرى غير المشار إليها كما صرحوا به أيضا في لا يدخل هذه الدار تأمل۔

(۲۷۳)مذکورہ فتوے پر ایک اعتراض کا جواب

سوال......مفتی صاحب! ملحقہ فتوے میں سائل کو جو حیلہ بتایا گیا ہے وہ کچھ محلِ نظر معلوم ہوتا ہے کیونکہ قسم کھانے والا تو اس مزدور کو مستقلا فارغ کرانا چاہتا ہے اور یہ حیلہ تو ایک ملی بھگت ہے اس میں نہ تو غرض حالف پائی جاتی ہے اور نہ حقیقتاً اخراج، بلکہ یہ تو ایک طرح سے کچھ

دن کی چھٹی ہے جو اس مزدور کو مل رہی ہے لہٰذا ازراہِ کرم جواب مرحمت فرمائیں کیا اس طرح کی چھٹی معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں یمین میں اعتبار لفظ کا ہوتا ہے اور قسم کے الفاظ یہ ہیں کہ "اگر میں نے اس مزدور کے ان کے ساتھ کام کرنے کے دوران بھائیوں سے صلح کی تو میری بیوی کو تین طلاقیں" اور جب وہ بھائی اس مزدور کو فارغ کر دیں گے تو وہ نوکری پر نہ ہوگا اور اس شخص کی اپنے بھائیوں سے صلح اس وقت ہوگی جب مزدور نوکری پر نہ ہوگا لہٰذا حنث لازم نہ آئے گا۔

یہ اسی طرح ہے کہ ایک شخص بیوی کو کہتا ہے "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاقیں" پھر وہ شخص اس یمین میں حنث سے بچنا چاہتا ہے تو اسے یہ طریقہ بتلایا جاتا ہے کہ اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دے کر اپنے نکاح سے نکال دے۔ اب چونکہ وہ عورت نکاح کا محل نہیں رہی لہٰذا اس کے بعد وہ عورت گھر میں داخل ہوگی تو اس پر معلق تین طلاقیں لغو ہو جائیں گی اس کے بعد مرد اس سے دوبارہ نکاح کر لے لہٰذا جس طرح یہاں معلق تین طلاقوں سے بچنے کیلئے طلاقِ بائن کا حیلہ بتایا جاتا ہے لہٰذا اسی طرح صورت مسئولہ میں صلح ہو جانے کیلئے یہ حیلہ اس شخص کو بتایا گیا ہے تاکہ تین طلاقیں بھی واقع نہ ہوں اور صلح بھی ہو جائے کیونکہ جب وہ صلح کرے گا تب وہ مزدور نوکری پر نہ ہوگا لہٰذا طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔

(۲۷۴) شادی شدہ مرد سے بہن کی شادی کرانے پر تعلیق طلاق سے خلاصی

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے کہا کہ "اگر میں اپنی بہن کا نکاح ایسے شخص کے ساتھ کروں جس کے نکاح میں پہلے سے ایک بیوی موجود ہو تو مجھ پر میری بیوی مطلقہ ہے" اب اگر اس کی بہن کا نکاح ایسے شخص سے ہوتا ہے جس کے نکاح میں پہلے سے ایک بیوی موجود ہے تو اس لڑکی کے بھائی پر اس کی بیوی مطلقہ ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں شخص مذکور اگر اپنی بہن کا نکاح ایسے آدمی سے کر دے جس کے نکاح میں پہلے سے ایک بیوی موجود ہو تو شخص مذکور کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ ہاں اگر شخص مذکور ایسا نکاح نہ کرائے بلکہ اور کسی نے (مثلاً والد یا دیگر بھائی وغیرہ نے) کر دیا تو پھر اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لمافی الهندية (۱/۴۲۰) الفصل الثالث فی تعليق الطلاق: وإذا أضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق ولا تصح إضافة الطلاق إلا أن تكون الحالف مالكا الخ۔

وفی الدرالمختار (۳/۳۴۴): (هو) لغة من علقه تعليقا قاموس جعله معلقا واصطلاحا (ربط حصول مضمون جملة بحصول مضمون جملة أخرى) ويسمى يمينا مجازا ـــ (شرطه الملك) حقيقة ـــ (كقوله لمنكوحته) أو معتدته (إن ذهبت فأنت طالق (أو الإضافة إليه) أي الملك الحقيقي۔

باب فی طلاق السکران والمجنون والصبی والنائم الخ

(نشئی، پاگل، بچے، بیوقوف، حائضہ اور سوتے ہوئے انسان وغیرہ کی طلاق کا بیان)

(۲۷۵) نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج سے تین مہینے قبل میرے شوہر نے شراب کے نشے میں مجھے تین بار طلاق دی اور مجھے گھر سے باہر نکالنے لگے تو میری ساس نے میرے شوہر کو گھر سے نکال کر مجھے روک لیا۔ اس کے ایک دن بعد میرے شوہر نے قرآن پاک ہاتھ میں لے کر کہا کہ میں نے فتویٰ لیا ہے کہ نشے کی حالت میں دی جانے والی طلاق طلاق نہیں ہوتی ہے۔ اب آپ حضرات قرآن وحدیث کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......شراب کے نشہ میں طلاق واقع ہوجاتی ہے لہٰذا تین ماہ قبل آپ کے شوہر کے طلاق دیتے ہی آپ پر تین طلاقیں واقع ہوگئی تھیں اب آپ کا اپنے شوہر کے ساتھ کسی قسم کا ازدواجی تعلق قائم رکھنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ عدت کا شمار طلاق کے وقت سے ہی ہوگا لہٰذا اب تک اگر تین ماہواریاں ہوچکی ہیں تو عدت مکمل ہوگئی ورنہ عدت پوری کی جائے۔ باقی آپ کے شوہر نے جس فتویٰ کا ذکر کیا ہے، وہ درست نہیں۔

لما في الهندية (۱/۳۵۳): وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط ـ ـ ـ ومن سكر من البنج يقع طلاقه ويحد لفشو هذا الفعل بين الناس وعليه الفتوى في زماننا كذا في جواهر الأخلاطي۔

وفي الشامية (۳/۲۴۰): وفي تصحيح القدوري عن الجواهر وفي هذا الزمان إذا سكر من البنج والأفيون يقع زجرا وعليه الفتوى۔

(۲۷۶) پاگل پن کی حالت میں طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ نرگس میرا نام اور میرے شوہر کا نام خواج محمد ہے۔ شادی کے بعد میرے شوہر 8 مہینے تک ٹھیک رہے۔ اُس کے بعد وہ بیمار ہوگئے۔ شادی سے آٹھ دن پہلے سر پر چوٹ لگی تھی۔ جس کی وجہ سے

شادی کے آٹھ مہینے کے بعد اُنہیں دورا پڑا۔ چار مہینے تک ان پر خاموشی طاری رہی۔ نہ کچھ کھا سکتے ہیں اور نہ ہی کچھ ٹھیک طریقے سے بات چیت کر سکتے تھے۔ چار ماہ کے بعد اُنہوں نے چارپائی چھوڑی پھر وہ اپنی ٹھیک حالت میں آ گئے۔ میرے دو بچے ہیں ایک بیٹا اور بیٹی۔ بیٹی چھ سال کی اور بیٹا چار مہینے کا ہے۔ میرے شوہر کا یہی حال تھا کبھی وہ ٹھیک ہو جاتے اور کبھی پھر دورا پڑ جاتا۔ ان کو ڈاکٹروں نے کرنٹ بھی لگائے اور ادویات بھی دیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ صحیح طریقے سے ٹھیک نہیں ہوئے۔ اس حالت میں وہ لڑائی جھگڑا کرتے تھے اور گالیاں دیتے اور مارتے بھی تھے۔ یہاں تک کہ وہ ماں باپ کو بھی گالیاں دیتے تھے۔

پھر اُنہوں نے بغیر کسی وجہ کے مجھے طلاق دی۔ پاگل پن میں انہوں نے ایک عورت کے سامنے مجھے 2010-4-1 جمعہ کے دن طلاق دی۔ میرے دیور اور ایک سوتیلا بیٹا کہتے ہیں کہ طلاق واجب ہوگئی۔ اُن کے علاوہ سب لوگ کہتے ہیں کہ طلاق اس حالت میں نہیں ہوتی اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ اس کا آپ مجھے کوئی حل بتا دیں کہ پاگل پن میں طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟ اور جب طلاق دی تو وہ آمنے سامنے نہیں تھے بلکہ فون پر دی تھی۔ بیٹی ان کے پاس ہے اور بیٹا میرے پاس۔ انہوں نے مجھے چار دفعہ طلاق دی۔ اب آپ مجھے کوئی مشورہ دیں اور بتائیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور میری بیٹی ان کے پاس ہے میں بچے ان کو نہیں دینا چاہتی۔ میں یہ سب کچھ اپنے بچوں کیلئے کر رہی ہوں۔ اب آپ مجھے کوئی حل بتایئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں برتقدیرِ صحتِ واقعہ اگر آپ کے شوہر بوقت طلاق پاگل پن کی حالت میں تھے اور ایسی حالت ان کی پہلے بھی دورے پڑنے پر ہوتی تھی اور یہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں تو اس حالت میں ان کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوئی لیکن اگر صرف بیماری کی وجہ سے غصہ میں تھے اور بوقت طلاق ان کا ہوش وحواس برقرار تھا تو اس حالت میں دی ہوئی طلاقیں واقع ہوگئی ہیں۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:٢٢٩):الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِإِحۡسَانٍ...فَإِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ.

وفی الهندية(٣٥٣/١):ولا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش هكذا في فتح القدير وكذلك المعتوه لا يقع طلاقه أيضا وهذا إذا كان في حالة العته أما في حالة الإفاقة فالصحيح أنه واقع هكذا في الجوهرة النيرة.

وفی الشامية (٢٤٣/٣): قوله (والمجنون) قال في التلويح الجنون اختلال القوة المميزة بين الأمور الحسنة والقبيحة المدركة للعواقب بأن لا تظهر آثارها وتتعطل أفعالها إما لنقصان جبل عليه دماغه في أصل الخلقة وإما لخروج مزاج الدماغ عن الاعتدال بسبب خلط أو آفة وإما لاستيلاء الشيطان عليه وإلقاء الخيالات الفاسدة إليه بحيث يفرح ويفزع من غير ما يصلح سببا اهـ

(۲۷۷) کئی بار تین طلاقیں دے کر ذہنی توازن درست نہ ہونے کا کہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں شائستہ اسمٰعیل ولد محمد اسماعیل ہوں۔ تین سال پہلے میری شادی ہوئی تھی۔ میرے شوہر کا نام صادق محمد ولد ولی محمد ہے۔ شادی کے بعد پتہ چلا کہ میرے شوہر ذہنی مریض ہیں۔ کبھی کبھی ان کو دورہ پڑتا ہے مگر وہ مستقل پاگل انسان نہیں ہیں۔ کبھی دوائی نہ کھائیں تو ان کو دورہ پڑتا ہے۔

شادی کے ایک سال بعد کسی بات پر نوک جھوک ہوئی جس پر انہوں نے مجھے کھڑے کھڑے یہ الفاظ تین بار کہے کہ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" اس وقت میرے شوہر کا ذہنی توازن بالکل درست تھا۔ اس کے بعد میرے سسر نے کہا کہ میں نے مولوی صاحب سے مسئلہ پوچھا ہے کہ میرے بیٹے کا ذہنی توازن درست نہیں ہے لہٰذا طلاق نہیں ہوئی اور تم ہمارے ساتھ رہو اور میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنے لگی۔ کچھ عرصہ زندگی سکون سے گذری اس کے بعد میرے شوہر نے مختلف اوقات میں مجھے طلاقیں دیں اور جب بھی وہ طلاقیں دیتے تو تین بار یہ الفاظ کہتے کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ ان مختلف اوقات میں ایک یا دو بار ان کا ذہنی توازن درست نہیں تھا، باقی ہر مرتبہ وہ ذہنی طور پر صحیح تھے۔ ہر بار صادق کے والد یہ کہہ دیتے کہ نہیں اس کا ذہنی توازن درست نہیں ہے اس لئے ان تمام باتوں کو بھول جاؤ اور ہنسی خوشی ساتھ رہو۔ اس کے بعد میں اپنے والدین کے گھر آ گئی۔ آپ ہمیں شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟ کیا میں اپنے شوہر کے پاس واپس جا سکتی ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بشرط صحت واقعہ جب آپ کے شوہر پر ایک دفعہ دورہ پڑا اس کے بعد جب تک اس کے اثرات رہیں بایں طور کہ ان کی باتوں میں تضاد پایا جائے یا کوئی بات خلاف عادت پاگل پن کی وجہ سے پائی جائے اس وقت تک ان کی طلاق کا اعتبار نہیں ہوگا لہٰذا اگر ایسی حالت میں طلاق دے دی تو طلاق نہیں ہوگی چاہے کتنی ہی بار کیوں نہ دی ہو۔

اگر ایسی حالت میں طلاق نہ دی بلکہ صحیح ہونے کی حالت میں طلاق دی ہو تو وہ طلاق واقع ہوگی لہٰذا اگر آپ کے شوہر حالت صحت میں ایک مجلس میں یا کئی مجالس میں تین طلاقیں دے چکے ہیں تو اب آپ کا ایک ساتھ رہنا جائز نہیں ہے اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا اس پر اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کریں۔

لمافی الدرالمختار(۲۴۴/۳):(لا يقع طلاق المولى على امرأة عبده) --- (والمجنون) --- (والصبي) --- (والمعتوه) --- (والمبرسم) --- (والمغمى عليه) --- (والمدهوش) فتح۔

وفي الرد تحته :والذي يظهر لي أن كلا من المدهوش والغضبان لا يلزم فيه أن يكون بحيث لا يعلم ما يقول بل يكتفى فيه بغلبة الهذيان واختلاط الجد بالهزل كما هو المفتى به في السكران --- فالذي ينبغي التعويل عليه في المدهوش ونحوه إناطة الحكم بغلبة الخلل في أقواله وأفعاله الخارجة عن عادته وكذا يقال فيمن اختل عقله لكبر أو لمرض أو لمصيبة فاجأته

فما دام في حال غلبة الخلل في الأقوال والأفعال لا تعتبر أقواله وإن كان يعلمها ويريدها لأن هذه المعرفة والإرادة غير معتبرة لعدم حصولها عن إدراك صحيح كما لا تعتبر من الصبي العاقل۔

(۲۷۸) پاگل اور دماغی مریض کی طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا ایک بیٹا دماغی مریض ہے اور مختلف اوقات میں اس پر دماغی دورے پڑتے ہیں، اس کیفیت میں وہ کچھ بھی کرسکتا ہے یا کہہ سکتا ہے، پاگلوں والی کیفیت ہوجاتی ہے۔ وہ کئی مرتبہ بیوی سمیت ماں اور باپ کی پٹائی کرچکا ہے، کفریہ کلمات (مثلاً نعوذ باللہ خدا چار ہیں وغیرہ) کہہ چکا ہے، ان واقعات سے پورا محلہ واقف ہے، گواہوں کے نام اور دستخط حاضر ہیں۔ ایسی کیفیت میں اگر وہ بیوی کو طلاق کہہ دے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ براہ کرم راہنمائی فرما کر ثواب دارین حاصل فرمائیں۔ جناب کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر واقعۃً آپ کے بیٹے کی دماغی حالت درست نہیں ہے اور اس نے اسی کیفیت وحالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی ہو تو اس کی طلاق شرعاً واقع نہ ہوگی۔

لمافی السنن الترمذی (۲۲۶/۱): عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كل طلاق جائز إلا طلاق المعتوه المغلوب على عقله۔

و فی الدرالمختار(۲۴۴/۳):(لا يقع طلاق المولى على امرأة عبده) ---(والمجنون) --- (والصبي) ---(والمعتوه) ---(والمبرسم) ---(والمغمى عليه) ---(والمدهوش) فتح ۔

وفی الرد تحته :والذي يظهر لي أن كلا من المدهوش والغضبان لا يلزم فيه أن يكون بحيث لا يعلم ما يقول بل يكتفى فيه بغلبة الهذيان واختلاط الجد بالهزل كما هو المفتى به في السكران ۔الخ۔

(۲۷۹) مرض الموت کیا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرض الموت کیا ہے؟ ایک شخص تین سال تک کینسر میں مبتلا بستر پر پڑا رہا تو یہ مرض الموت ہے؟ کیونکہ تین سال بعد اس کا انتقال ہوگیا؟ یا مرض الموت موت کے آخری لمحات کا نام ہے؟ مرض الموت کے احکام کب جاری ہوتے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اولاً مرض الموت کو سمجھنا ضروری ہے کہ مرض الموت کیا ہے۔ مرض الموت

کیلئے دوشرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) مریض ایسی حالت میں مبتلا ہو کہ وہ بستر سے نہ اٹھ سکے اور اگر اٹھے بھی تو اس میں دوسرے کا محتاج ہو۔

(۲) وہ اپنی ضروریات کو خود پورا نہیں کرسکتا بلکہ دوسرے کا محتاج ہو۔

لہٰذا جس مرض میں یہ دونوں شرطیں پائی جائیں گی تو وہ مرض مرض الموت شمار ہوگا پس اگر کوئی مریض ایسی کیفیت میں ہو کہ اس کیفیت سے شفایاب ہوئے بغیر مرجائے، چاہے وہ کتنے ہی عرصے اس میں مبتلا ہو تو اس کیفیت کو مرض الموت شمار کیا جائے گا اور اگر وہ اس کیفیت اور مرض سے شفا حاصل کرلیتا ہے تو اس کو مرض الموت شمار نہیں کیا جائے گا پھر اگر بعد میں وہ مریض دوبارہ اس کیفیت میں مبتلا ہوجائے (یعنی بستر سے نہ اٹھ سکتا ہو اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے میں دوسرے کا محتاج ہو) پھر اسی مرض میں اس کا انتقال ہوجائے تو اب اس وقت سے جب سے اس کی یہ کیفیت ہوئی ہے مرض الموت شمار کیا جائے گا اور اسی حالت میں مرض الموت کے احکام جاری ہوں گے اور اگر ان دونوں شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس کو مرض الموت شمار نہیں کیا جائے گا۔

لما فی الهندية (۱/۴۶۲) کتاب الطلاق: إنما يثبت حكم الفرار إذا تعلق حقهما بماله وإنما يتعلق به بمرض يخاف منه الهلاك غالبا بأن يكون صاحب فراش وهو الذي لا يقوم بحوائجه في البيت كما يعتاده الأصحاء وإن كان يقدر على القيام بتكلف والذي يقضي حوائجه في البيت وهو يشتكي لا يكون فارا لأن الإنسان قلما يخلو عنه والصحيح أن من عجز عن قضاء حوائجه خارج البيت فهو مريض وإن أمكنه القيام بها في البيت إذ ليس كل مريض يعجز عن القيام بها في البيت كالقيام للبول والغائط كذا في التبيين۔

(۲۸۰) نابالغ کی طلاق کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے بیٹے محمد ارشد کا نکاح اسماء بی بی سے ہوا جبکہ نکاح کے وقت میرا بیٹا دودھ پیتا تھا۔لڑکی کی عمر ۵ سال تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد لڑکی کے والد نے اس بنا پر انکار کردیا کہ آپ کا بیٹا بہت چھوٹا ہے اور میری لڑکی بڑی ہے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد لڑکی کا والد فوت ہوگیا۔اب جبکہ لڑکی اس بات پر بضد ہے کہ میں اس سے شادی نہیں کرتی کیونکہ یہ ابھی بچہ ہے اور میں جوان ہوچکی ہوں۔ جب نکاح ہوا تو میں لڑکے کی طرف سے وکیل بنا اور لڑکی کا باپ حبیب احمد اس کا وکیل بنا تھا۔مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ لڑکی کے والد نے انکار کیا، بعد میں فوت ہوگیا اور اب جبکہ لڑکی یہ شادی کرنے سے انکار کررہی ہے تو قرآن وسنت سے یہ واضح کریں کہ آیا یہ لڑکی دوسری جگہ نکاح کرکے شادی کرسکتی ہے اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ دوسری جگہ شادی ہوجائے کیونکہ اس وقت میرے بچے کی عمر ۹ سال ہے جبکہ لڑکی کو بالغ ہوئے تین سال ہوگئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ پہلے نکاح کو کیسے ختم کیا جائے تاکہ لڑکی دوسری جگہ نکاح کرے؟

الجواب بعون الملك الوهاب...... جب تک لڑکا نابالغ ہے اس کی بیوی کی طلاق کی کوئی صورت نہیں، نہ وہ خود طلاق دے سکتا ہے اور نہ اس کا ولی اور سرپرست اس کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے لہٰذا یہ لڑکی، لڑکے کے بلوغ کا انتظار کرے گی۔ اگر وہ بلوغت کے بعد طلاق دیدے تو پھر یہ دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

لمافي الهندية (۱/۳۵۳): ولا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش هكذا في فتح القدير۔

وفي الدر المختار (۳/۲۴۲، ۲۴۳): (لا يقع طلاق المولى على امرأة عبده) ---(والمجنون) --- (والصبي)۔

(۲۸۱) بلوغ کی اکثر اور اقل مدت کا بیان

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکی اور لڑکے کی بلوغ کی اکثر مدت تو ۱۵ سال ہے، لیکن کیا کوئی اقل مدت بھی ہے؟ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ لڑکے کو انزال، احتلام اور لڑکی کو حیض آجانا بلوغ ہے لیکن ایک شخص سے ملاقات ہوئی، اس کا خیال تھا کہ ۱۲ سال سے کم عمر میں بلوغ نہیں ہوسکتا۔ میں نے کہا حوالہ بتاؤ وہ بتا نہ سکا۔ آپ سے فیصلہ مطلوب ہے کہ کیا ۱۰ سال یا ۹ سال کا بچہ احتلام یا حیض کا دعویٰ کرے تو وہ بالغ شمار ہوگا یا نہیں؟ اور کیا شرعاً کوئی کم از کم مدت ہو تو ضرور بتائیں۔

نیز یہ بھی بتادیں کہ نابالغ، اپنا نکاح خود کرے بچہ ہو یا بچی اور پھر وطی ہوجائے تو یہ نکاح باطل ہوگا یا فاسد؟ وطی زنا ہوگی یا نہیں؟ نیز مہر لازم آئے گا یا نہیں؟ اور اس مہر کو عقر کہیں گے یا مہر؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... (۱) بلوغت کی اکثر مدت لڑکے اور لڑکی کی پندرہ سال ہے اور کم از کم مدتِ بلوغت لڑکے کی بارہ (۱۲) سال اور لڑکی کی نو (۹) سال ہے، نیز لڑکے اور لڑکی کی بلوغت کی جو اکثر مدت ذکر کی گئی ہیں اُن سے قبل اگر بلوغت کی کوئی علامت ظاہر ہوجائیں تو یہ دونوں بالغ ہی شمار ہوں گے، لڑکے میں بلوغت کی علامات احتلام، حاملہ کرنے کی صلاحیت اور انزال ہے اور لڑکی میں احتلام، حیض اور حاملہ ہونا ہے اور اگر کوئی بچہ اقل [کم از کم] مدت سے قبل بلوغ کا دعویٰ کرے تو ان کی تصدیق نہیں کی جائے گی یعنی لڑکے کی بارہ (۱۲) سال سے کم عمر میں اور لڑکی کی نو (۹) سال سے کم عمر میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

(۲) اگر نابالغ اپنا نکاح خود کرے (بچہ ہو یا بچی) اور پھر یہ دونوں آپس میں ہمبستری بھی کرلیں تو اس پر نکاحِ فاسد کے احکام جاری ہوں گے[1] اس لئے کہ نکاح موقوف میں وطی کرنا نکاح فاسد میں وطی کرنا شمار ہوتا ہے چنانچہ اس نکاح میں مہر مسمی اور مہر مثل میں

[1] نکاح فاسد کے تفصیلی احکام نیز تفریق کیلئے متارکت یا فسخ کا حکم وغیرہ سے متعلق تحقیقی فتویٰ نجم الفتاوی کی چوتھی جلد میں **"تحرير الكاتب في بيان أحكام النكاح الفاسد"** کے نام سے ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

سے جو اقل ہوگا وہ ہی لازم آئے گا اور یہ مہر مہر ہی شمار ہوگا نہ کہ عقر۔

لمافی الصحیح لمسلم (۱۳۱/۲) کتاب الامارة، باب سن البلوغ (ط المیزان): عن ابن عمر رضی الله عنهما قال :عرضني رسول الله ﷺ يوم أحد في القتال وأنا ابن أربع عشرة سنة فلم يجزني وعرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة سنة فأجازني قال نافع فقدمت على عمر بن عبد العزيز وهو يومئذ خليفة فحدثته هذا الحديث فقال إن هذا الحد بين الصغير والكبير فكتب إلى عماله أن يفرضوا لمن كان ابن خمس عشرة سنة ومن كان دون ذلك فاجعلوه في العيال۔

وفی الهندية (۶۱/۵) كتاب الحجر الفصل الثانی فی معرفة حد البلوغ: بلوغ الغلام بالاحتلام أو الإحبال أو الإنزال والجارية بالاحتلام أو الحيض أو الحبل كذا في المختار والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعليه الفتوى وعند أبي حنيفة رحمه الله تعالى ثماني عشرة سنة للغلام وسبع عشرة سنة للجارية كذا في الكافي وأدنى مدة البلوغ بالاحتلام ونحوه في حق الغلام اثنتا عشرة سنة وفي الجارية تسع سنين ولا يحكم بالبلوغ إن ادعى وهو ما دون اثنتي عشرة سنة في الغلام وتسع سنين في الجارية ۔

وفی الشامية (۱۳۱/۳) كتاب النكاح: مطلب في النكاح الفاسد قوله (في نكاح فاسد) وحكم الدخول في النكاح الموقوف كالدخول في الفاسد فيسقط الحد ويثبت النسب ويجب الأقل من المسمى ومن مهر المثل خلافا لما في الاختيار من كتاب العدة وتمامه في البحر ۔

(۲۸۲) نابالغ کا طلاق کو معلق کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر پر جارہا تھا وہ نوعمر تھا، ساتھیوں نے لڑکیوں کی باتیں شروع کردیں اور گپ شپ چلتی رہی تو اس نوعمر کو بہت زیادہ چڑ ہوئی اور اس نے قسم کھالی کہ جب بھی میں کسی لڑکی سے نکاح کروں اس کو طلاق اور وہ نہیں جانتا کہ آیا قسم کھانے کے وقت بالغ تھا یا نہیں اور اب اس نے شادی کرلی ہے تو آیا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......جس طرح بچے کی طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح اگر وہ طلاق کو معلق کرے تو یہ تعلیق بھی معتبر نہیں ہوگی لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر تعلیق کے وقت اس شخص کی عمر پندرہ سال سے کم تھی اور اس کو یقینی طور پر یاد نہیں کہ وہ اس وقت بالغ

تھا یا نابالغ تو اس کو نابالغ تصور کیا جائے گا اور نابالغ کی تعلیق معتبر نہیں ہوتی لہٰذا اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لمافی التاتارخانية (۵۱۶/۳): صبی قال إن شربت فکل امرأۃ أتزوجها فھی کذا یعنی ثلاثا فشرب صبيا وتزوج بالغا فظن الصبی أن الطلاق واقع فقیل له ذلك فقال الصبی البالغ أری حرامست برمن قال: هذا إقرار بالحرمة وتبين منه بواحدة ابتداء لا بتلك اليمين۔

وفی الهندية (۴۱۹/۱): رجل يعلم أنه كان حلف بطلاق كل امرأة تزوجها ولا يدري أنه كان بالغا وقت اليمين أو لم يكن فتزوج امرأة لم يحنث لأنه شك في صحة اليمين فلا يحنث بالشك كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الهندية أيضا(۵۱/۲): وأما شرائطها في اليمين بالله تعالى ففي الحالف أن يكون عاقلا بالغا فلا يصح يمين المجنون والصبي وإن كان عاقلا --- وأما في اليمين بغير الله ففي الحالف كل ما هو شرط جواز الطلاق والعتاق فهو شرط انعقاد اليمين بهما وما لا فلا۔

(۲۸۳) بے خیالی میں طلاق دینے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص بے خیالی میں ادھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا اور اسی میں اپنی بیوی کو طلاق بھی دیدی، اور اسے کچھ خیال نہ ہوا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کا کیا اثر پڑے گا؟ کہنے کے بعد خیال آیا تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر کوئی شخص بے خیالی میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو قضاء طلاق واقع ہوجاتی ہے البتہ اگر بیوی کوئی مزاحمت نہ کرے اور بیوی کو اس کی بات پر اطمینان ہو تو دیانۃً طلاق کا وقوع نہ ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں اس شخص نے بے خیالی میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے جتنی طلاقیں دی ہیں اگر بیوی اس بات کی تصدیق کرے کہ شوہر کی طلاق کی نیت وارادہ نہ تھا تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر بیوی نے مزاحمت کی اور عدالت میں چلی گئی تو قضاء طلاق کے وقوع کا حکم لگے گا۔

لمافی الهندية (۳۵۳/۱) فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه (ط حقانية): وطلاق اللاعب والهازل به واقع وكذلك لو أراد أن يتكلم بكلام فسبق لسانه بالطلاق فالطلاق واقع۔

وفی الدرالمختار (۲۴۱/۳) كتاب الطلاق (ط سعيد): (أو مخطئا) بأن أراد التكلم بغير الطلاق فجرى على لسانه الطلاق أو تلفظ به غير عالم بمعناه أو غافلا أو ساهيا أو بألفاظ مصحفة يقع قضاء فقط . بخلاف الهازل واللاعب فإنه يقع قضاء وديانة لأن الشارع جعل هزله به جدا فتح۔

وفی الرد تحته:(قوله بأن أراد التكلم بغير الطلاق) بأن أراد أن يقول : سبحان الله فجرى على لسانه أنت طالق تطلق لأنه صريح لا يحتاج إلى النية ـ

وفی الشامية(۲۴۲/۳): قوله (يقع قضاء) متعلق بالمخطيء وما بعده ح لكن في وقوعه في الساهي والغافل على ما صورناه لا يظهر التقييد بالقضاء إذ لا فرق في مباشرة سبب الحنث بين التعمد وغيره ـ

(۲۸۴) بیوی کو دھمکانے کیلئے طلاق لکھنے کا حکم

سوال کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے طلاق نامہ پر اپنی بیوی کو تین طلاقیں تحریر کرا کر رکھیں اور نیت طلاق کی نہیں تھی۔عرصہ ۳سال بعد کسی طرح وہ صفحہ جس پر طلاق تحریر کی گئی تھی، بیوی نے پڑھا اور لوگوں کو بتایا کہ یہ طلاق دے چکے ہیں جبکہ زید کا مؤقف ہے کہ نہ طلاق زبان سے کہی اور نہ یہ تحریر نیت طلاق سے لکھوائی ہے بلکہ بیوی کو دھمکانے کیلئے لکھوائی تھی۔ آپ جواب مرحمت فرمائیں کہ طلاق واقع ہوئی کہ نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں زید چونکہ طلاقنامے کی تحریر کا مقر ہے اور طلاقنامہ تحریر مرسومہ ہے جو کے نیت کا محتاج نہیں ہوتا، غیر کے لکھے طلاقنامہ کا فقط اقرار یا دستخط کافی ہوتے ہیں لہذا زید نے جس وقت طلاق نامہ پر اپنی بیوی کو تین طلاقیں تحریر کرا کر رکھی تھیں، اس وقت سے اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔

لمافی الشامية (۲۴۶/۳):مطلب في الطلاق بالكتابة قوله (كتب الطلاق الخ) قال في الهندية الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ونعني بالمرسومة أن يكون مصدرا ومعنونا مثل ما يكتب إلى الغائب وغير المرسومة أن لا يكون مصدرا ومعنونا وهو على وجهين مستبينة وغير مستبينة فالمستبينة ما يكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشيء لا يمكن فهمه وقراءته ففي غير المستبينة لا يقع الطلاق وإن نوى وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلا لا وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو ثم المرسومة لا تخلو أما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة۔

(۲۸۵) بیوی کو ٹالنے کیلئے طلاق لکھ کر دے دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آٹھ دس دن پہلے میری بیوی کے ساتھ لڑائی ہوگئی جس پر وہ

غصے ہوگئیں۔انہوں نے کہا آپ مجھے طلاق دیدو۔میں نے صرف ان کوٹالنے کیلئے یہ لکھ دیا میں تمہیں طلاق دیتا ہو، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔آیا میری بیوی پر طلاق واقع ہوگئی ہیں یا نہیں؟اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں وہ مغلظہ ہوگئی بدون حلالہ شرعیہ کے آپ کے نکاح میں نہیں آسکتی۔[1]

لمافی مشکوۃ المصابیح (ص ۲۸۴): وعن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلاث جدهن جد وهزلهن جد: النكاح والطلاق والرجعة". رواه الترمذي وأبو داود۔

عن عائشة رضى الله عنهاقالت: جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: إني كنت عند رفاعة فطلقني فبت طلاقي فتزوجت بعده عبد الرحمن بن الزبير وما معه إلا مثل هدبة الثوب فقال: "أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة؟" قالت: نعم قال: "لا حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك"

وفی الشامية (۲۴۶/۳): مطلب في الطلاق بالكتابة قوله (كتب الطلاق الخ) قال في الهندية الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ونعني بالمرسومة أن يكون مصدرا ومعنونا مثل ما يكتب إلى الغائب۔الخ۔

(۲۸۶) لرزے کی بیماری والے شوہر کا طلاق دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے شوہر حارث کو پورے جسم میں لرزے کی بیماری ہے لرزے کی بیماری میں ان کا دماغ کبھی کام کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا۔انہوں نے مجھے پہلے دوطلاقیں دیں پھر دس منٹ بعد پھر دی، میں نے عدت تو کرلی۔اب اپنا دل مطمئن کرنے کیلئے ہمیں اس مسئلے کا حل چاہیئے کیا ہم دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں؟جلد از جلد اس کا جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب شوہر نے آپ کو تین طلاقیں دے دیں تو آپ ہمیشہ کیلئے اپنے شوہر پر حرام ہوگئیں اب آپ کا اپنے شوہر سے ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز نہیں۔شوہر سے دوبارہ نکاح کے جائز ہونے کی فقط ایک صورت ہے کہ اس شوہر کی عدت گزارنے کے بعد آپ کسی دوسرے مرد سے نکاح کریں اور وہ دوسرا مرد کم از کم ایک مرتبہ وظیفہ زوجیت ادا کرے اور پھر اپنی خوشی سے طلاق دیدے یا اس کی موت واقع ہوجائے پھر جب آپ اس دوسرے مرد کی عدت پوری کرلیں گی تب آپ کا اس پہلے

---

[1] کیونکہ قائل نے اگرچہ یہ الفاظ ڈرانے کیلئے لکھے ہوں لیکن اس کی نیت بیوی کی تھی لہذا ان غیر مرسومہ الفاظ سے طلاق کا وقوع ہوجائے گا۔از مرتب

شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے اس سے پہلے قطعاً کسی قسم کا ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز نہیں۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔

وفي الدر المختار(۴۰۸/۳):(وينكح) مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع ---(لا) ينكح(مطلقة) من نكاح صحيح نافذكما سنحققه (بها) أي بالثلاث (لو حرة وثنتين لو أمة) ولو قبل الدخول --- (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا) يجامع مثله --- (بنكاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف۔

وفي الرد تحته: قوله (حتى يطأها غيره)--- ثم اعلم أن اشتراط الدخول ثابت بالإجماع فلا يكفي مجرد العقد۔

(۲۸۷)شدید غصہ کی حالت میں طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص محمد اکرم نے اپنی بیوی کو صریح الفاظ میں دو طلاقیں دیں اور طلاق دینے سے پہلے اور طلاق دیتے وقت کی صورتِ حال یہ تھی کہ اکرم کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا۔اول بیوی نے کرسی پھینک ماری جس سے اکرم غصے سے بے قابو ہوگیا۔اس غصے میں اول تو خوب چیخ وپکار کی پھر ہاتھا پائی تک نوبت آ گئی۔اس دوران اکرم کی حالت جنونی ہوگئی اور اسی میں اس نے اپنی بیوی کو مذکورہ طریقے سے طلاق دیدی اور اکرم کا یہ کہنا ہے کہ اس وقت میرا طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا بلکہ بے اختیار دی ہیں نیز یہ کہ غصے کے وقت اکرم کی حالت جنونی ہوجایا کرتی ہے جس کے کئی گواہ ہیں۔

اکرم کا یہ بھی کہنا ہے کہ طلاق دیتے وقت میری حالت ویسی ہی تھی جو مسائل بہشتی زیور حصہ دوم ص ۹۸ بعنوان" غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق" کے ذیل میں شق نمبر ۲ اور ۳ میں موجود ہے اور یہ کہ ان کے دماغ میں خلل رہتا ہے جس پر ان کے پاس ثبوت موجود ہے جو سوالیہ پرچہ کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔نوٹ :بوقت طلاق الفاظ یہ تھے: میں طلاق دیتا ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......غصہ کی حالت سے متعلق یہ قاعدہ ہے کہ غصہ اگر مدہوشی اور بیہوشی تک پہنچ جائے اور آدمی چت لیٹ جائے منہ سے جھاگ نکلنے لگے تو یہ غصہ نہیں اس پر جنون اور مدہوش کے احکام چلیں گے اس کی طلاق واقع نہ ہوگی لیکن جب تک بیہوشی کی کیفیت نہ ہو اور انسان صحیح سالم کھڑا ہوا غصے میں بات کررہا ہو[چاہے مع العلم والقصد ہو یا مع العلم بدون القصد ہو کوئی بھی صورت ہو] بہرصورت طلاق واقع ہوگی اس میں کوئی تفریق نہیں۔راجح یہی ہے کہ انسان اگر غصے سے بیہوش اور پاگل ہوجائے عقل ماؤف ہوجائے تو وہ شخص چونکہ غصے میں نہیں بلکہ پاگل اور بیہوش ہے لہٰذا مجنون اور مدھوش کی طرح اس کی طلاق واقع نہ ہو لیکن اگر کوئی شخص غصے

میں ہو چاہے وہ غصہ جس حد تک پہنچا ہو دماغ کام کر رہا ہو یا نہیں اس کی طلاق واقع ہوگی۔

صورتِ مسئولہ میں ہاتھا پائی کے دوران چونکہ آپ نے طلاق دی ہے لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ فقط غصہ کی حالت میں تھے [چاہے بے اختیار دی ہو] آپ کی طلاق واقع ہوگئی ہے۔[1]

لمافی الهندیة(۳۵۳/۱): فصل فيمن يقع طلاقه و فيمن لايقع :ولا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش هكذا في فتح القدير وكذلك المعتوه لا يقع طلاقه أيضا وهذا إذا كان في حالة العته أما في حالة الإفاقة فالصحيح أنه واقع هكذا في الجوهرة النيرة۔

وفی الفقه الاسلامی(ج-۳۶۵): طلاق الغضبان: يفهم مما ذكر أن طلاق الغضبان لا يقع إذا اشتد الغضب، بأن وصل إلى درجة لا يدري فيها ما يقول ويفعل ولا يقصده. أو وصل به الغضب إلى درجة يغلب عليه فيها الخلل والاضطراب في أقواله وأفعاله. وهذه حالة نادرة. فإن ظل الشخص في حالة وعي وإدراك لما يقول فيقع طلاقه. وهذا هو الغالب في كل طلاق يصدر عن الرجل؛ لأن الغضبان مكلف في حال غضبه بما يصدر منه من كفر وقتل نفس وأخذ مال بغير حق وطلاق وغيرها.

(۲۸۸) جنات کے اثرات کی حالت میں طلاق دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارا ایک دوست ہے جس کے اوپر جنات کا اثر ہے پچھلے دنوں اس نے گھر میں واویلا کھڑا کر دیا جو اکثر اس کے گھر پر دیکھنے میں آیا ہے۔ وہ کسی بات پر بگڑ گیا اور اس پر جنات آگئے۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ اس نے گھر میں سب کو مارا پیٹا خود کو بھی مارا اور اس کے منہ سے طلاق کے الفاظ نکل گئے۔ جب وہ ہوش میں آیا تو اُس کو سارا قصہ سنا دیا گیا۔ اب وہ کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ آپ لوگ میرا گھر برباد کرنا چاہتے ہو۔ مجھے کچھ نہیں معلوم، اس نے قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ مجھے نہیں معلوم۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان الفاظ کا حکم تحریر فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورتِ مسئولہ میں اگر واقعتاً اس شخص پر پہلے بھی جنات کا آنا ثابت ہو اور اس دفعہ بھی اس کی حالت ویسی ہی ہوگئی ہو کہ اس کو کسی کی تمیز نہ رہی ہو اور اپنے کہنے اور کرنے کا پتہ نہ چل رہا ہو جیسا کہ وہ اس پر قسم بھی کھا رہا ہے اور اسی

---

[1] مسئلہ کی مزید تحقیق اور شامیہ اور اکابر کی عبارات کی تنقیح سے متعلق نجم الفتاوی کی اسی جلد کا فتوی نمبر [۳۰۱] ''حالتِ غضب میں طلاق سے متعلق تحقیق''، ملاحظہ ہو۔ از مرتب

حالت میں اس کے منہ سے طلاق کے الفاظ نکلے ہوں تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لمافی الهندية (۳۵۳/۱) کتاب الطلاق فصل فیمن یقع طلاقه الخ: ولا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش هكذا في فتح القدير۔

وفی الفقه الاسلامی (۶۸۸۲/۹): طلاق المجنون والمدهوش: ولا يصح طلاق المجنون، ومثله المغمى عليه. والمدهوش: وهو الذي اعترته حال انفعال لا يدري فيها ما يقول أو يفعل. أو يصل به الانفعال إلى درجة يغلب معها الخلل في أقواله وأفعاله، بسبب فرط الخوف أو الحزن أو الغضب، لقوله صلّى الله عليه وسلم : لا طلاق في إغلاق والإغلاق: كل ما يسد باب الإدراك والقصد والوعي، لجنون أو شدة غضب أو شدة حزن ونحوها ودليل اشتراط البلوغ والعقل: حديث كل طلاق جائز إلا طلاق الصبي والمجنون وحديث رفع القلم عن ثلاثة: عن الصبي حتى يحتلم وعن النائم حتى يستيقظ ، وعن المجنون حتى يُفيق ولأن الطلاق تصرف يحتاج إلى إدراك كامل وعقل وافر. وهذا لا يتوافر في الصبي والمجنون. ولأن الطلاق تصرف ضار. فلا يملكه الصبي ولو كان مميزاً أو أجازه الولي.

(۲۸۹) نشہ آور انجکشن لگوانے کے بعد طلاق دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو کافی تکلیف تھی، ڈاکٹر صاحب نے آرام کیلئے نشہ کا انجکشن لگایا اس شخص کو نشہ آ گیا اسی حالت میں اس نے بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو کیا ایسی حالت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... بحالت ضرورت نشہ آور ادویہ استعمال کرنے کی وجہ سے اگر نشے کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی اس لئے صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لمافی الشامية (۲۴۰/۳): قوله (أو أفيون أو بنج) الأفيون ما يخرج من الخشخاش والبنج بالفتح نبت مسبت وصرح في البدائع وغيرها بعدم وقوع الطلاق بأكله معللا بأن زوال عقله لم يكن بسبب هو معصية والحق التفصيل وهو إن كان للتداوي لم يقع لعدم المعصية وإن للهو وإدخال الآفة قصدا فينبغي أن لا يتردد في الوقوع وفي تصحيح القدوري عن الجواهر وفي هذا الزمان إذا سكر من البنج والأفيون يقع زجرا وعليه الفتوى وتمامه في النهر قوله (زجرا) أشار به إلى التفصيل المذكور فإنه إذا كان للتداوي لا يزجر عنه لعدم قصد المعصية ط۔

(۲۹۰) نشے کا انجکشن نیند کیلئے لگوانے کے بعد طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص بھنگ کا نشہ کرتا ہے تو اسے حد لگے گی یا نہیں؟ اور اگر تعزیر آئے گی تو کتنے کوڑے؟ اگر تعزیر حد سے کم لگانا ضروری ہو تو پھر جلاوطن کی گنجائش ہے یا کوڑے ہی لگانے ہوں گے؟ از راہِ کرم کوڑوں کی زیادہ سے زیادہ مقدار تحریر فرمادیں۔

نیز یہ چرسی لوگ جو انجکشن لگاتے ہیں اور اس سے نشہ ملتا ہے، اس انجکشن کا کیا حکم ہے؟ اگر اس سے نشہ نہ آئے اور عام آدمی اسے لگا کر اونگھ کی سی کیفیت میں آجائے اور بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق ہوگی؟ اونگھ کی حالت میں طلاق ہوتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... واضح رہے کہ بھنگ کا بغیر ضرورتِ شدیدہ کے استعمال ناجائز اور حرام ہے نیز اگر بھنگ کے استعمال سے کسی کو نشہ ہوجائے تو اسے حد نہیں لگے گی بلکہ تعزیر آئے گی اور تعزیر قاضی (جج) کی صوابدید پر ہے اگر قاضی کوڑوں کے ذریعے تعزیر مناسب سمجھے تو کوڑے حد سے کم لگانا ضروری ہے جس کی زیادہ سے زیادہ مقدار انتالیس کوڑے ہیں اور قاضی مناسب سمجھے تو اسے قید بھی کرسکتا ہے البتہ جلاوطن نہیں کرسکتا۔

ہماری معلومات کی حد تک چرسی لوگ جو انجکشن لگاتے ہیں وہ میڈیکل پر بطورِ دواء (نیند یا بے ہوش کرنے کیلئے) ملتا ہے اس لئے فی نفسہ بطورِ دواء کے اس کا استعمال تو جائز اور مباح ہوگا البتہ بطورِ نشہ کے جیسے چرسی لوگ استعمال کرتے ہیں اس کا استعمال ناجائز اور حرام ہوگا۔

لہٰذا اگر ایک عام انسان بطورِ نشہ اس انجکشن کو لگالے اور اس پر اونگھ کی سی کیفیت طاری ہوجائے تو اس حالت میں دی ہوئی طلاق واقع ہوگی اور اگر کوئی شخص اس انجکشن کو بطورِ دواء استعمال کرے اور اس پر نشہ اور اونگھ کی سی کیفیت طاری ہوجائے تو چونکہ یہ شخص معذور ہے لہٰذا اس حالت میں اس کی دی گئی طلاق واقع نہ ہوگی نیز اگر کسی شخص کو نیند کیلئے ایسا انجکشن لگانا پڑے تو یہ بھی عذر شمار ہوگا البتہ اس صورت میں کسی گولی یا کیپسول (تسکین بخش) کا استعمال زیادہ بہتر ہے۔

لمافی فتح القدیر (۳۴۸/۵) فصل فی التعزیر: والأصل وفي نقصه عن المحدود قوله علیه الصلاة والسلام من بلغ حدا في غیر حد فهو من المعتدین ذکر البیهقی أن المحفوظ أنه مرسل۔

وفی الشامیة (۴۲/۴) باب حد الشرب: ونقل في الأشربة عن الجوهرة حرمة أکل بنج وحشیشة وأفیون، لکن دون حرمة الخمر، ولو سکر بأکلها لا یحد بل یعزر انتهی۔

وفی الهندیة (۱۶۷/۲): وهو تأدیب دون الحد ویجب في جنایة لیست موجبة للحد کذا في النهایة وینقسم إلی ما هو حق الله وحق العبد والأول یجب علی الإمام ولا یحل له ترکه إلا فیما إذا علم أنه انزجر الفاعل قبل ذلك ویتفرع علیه أنه لا یجوز إثباته بمدع شهد به فیکون مدعیا شاهدا إذا

كان معه آخر كذا في النهر الفائق قالوا لكل مسلم إقامة التعزير حال مباشرة المعصية وأما بعد المباشرة فليس ذلك لغير الحاكم قال في القنية رأى غيره على فاحشة موجبة للتعزير بغير المحتسب فللمحتسب أن يعزر المعزر إن عزره بعد الفراغ منها كذا في البحر الرائق۔

وفی الشامیة (۴/۴۲): قال في المنح وفي الجواهر ولو سكر من البنج وطلق تطلق زجرا وعليه الفتوى اهـ وقد تقدم عن قاضيخان تصحيح عدم الوقوع فليتأمل عند الفتوى اهـ وتقدم أول الطلاق عن تصحيح العلامة قاسم أنه إذا سكر من البنج والأفيون يقع زجرا وعليه الفتوى وقدمنا هناك عن النهر أنه صرح في البدائع وغيرها بعدم الوقوع لأنه لم يزل عقله بسبب هو معصية والحق التفصيل إن كان للتداوي فكذلك وإن للهو وإدخال الآفة قصدا فينبغي أن لا يتردد في الوقوع اهـ ۔۔۔ قوله (إن البنج مباح) قيل هذا عندهما وعند محمد ما أسكر كثيره فقليله حرام وعليه الفتوى كما يأتي اهـ ۔۔۔ وبه علم أن المراد الأشربة المائعة وأن البنج ونحوه من الجامدات إنما يحرم إذا أراد به السكر وهو الكثير منه دون القليل المراد به التداوي ونحوه ۔

(۲۹۱) نیند کی حالت میں طلاق کا ایس ایم ایس بھیجنے کا دعویٰ کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو موبائل فون کے ذریعے ایس ایم ایس کر کے تین مرتبہ طلاق لکھ کر بھیجی جب اُس سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ ایس ایم ایس خود بھیجا ہے تو اس کا کہنا ہے کہ ایس ایم ایس میں نے نیند کی حالت میں بھیجا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ میں نے غصے کی حالت میں بھیجا ہے۔ اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ یہ ایس ایم ایس اس نے خود بھیجا ہے کسی اور نے نہیں بھیجا۔ اب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا اُس کی بیوی کو طلاق ہو گئی ہے یا کچھ گنجائش ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اس کا یہ کہنا کہ ایس ایم ایس میں نے نیند کی حالت میں بھیجا ہے محل نظر ہے کیونکہ نیند کی حالت میں انسان کے ہوش وحواس ختم ہو جاتے ہیں اختیار نہیں رہتا اور ایسی حالت میں ایس ایم ایس بھیجنا ناممکن ہے کیونکہ ایس ایم ایس لکھنا پھر نمبر تلاش کر کے بھیجنا وغیرہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ اپنے ہوش وحواس میں تھا یعنی نیند میں نہیں تھا اور اس کا یہ کہنا کہ میں نے غصے کی حالت میں بھیجا ہے مذکورہ قول (یعنی حالتِ نیند میں بھیجا ہے) اس کے معارض ہے اور اگر کوئی شخص ہوش وحواس میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ غصہ کی حالت میں ہو یا غیر غصہ کی حالت میں ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں اس کا اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق لکھ کر ایس ایم ایس بھیجنے سے تین طلاقیں (مغلظہ) واقع ہو گئیں، شرعی حلالہ کے بغیر اس عورت کو ساتھ رکھنا حرام اور ناجائز ہے۔

لمافی البخاری (۲/۷۹۲): حدثني نافع، قال: كان ابن عمر، إذا سئل عمن طلق ثلاثا، قال: لو

طلقت مرة أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم أمرني بهذا، فإن طلقتها ثلاثا حرمت حتى تنكح زوجا غيرك۔

وفی الهندية (۳۷۸/۱): الفصل السادس في الطلاق بالكتابة الكتابة على نوعين مرسومة وغير مرسومة ونعني بالمرسومة أن يكون مصدرا ومعنونا مثل ما يكتب إلى الغائب۔ الخ۔

(۲۹۲) حالتِ حیض میں طلاق اور پھر اس کی عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص حالتِ حیض میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے، اگر چہ حالتِ حیض میں طلاق دینا صحیح نہیں ہے تو اب اس حیض کو شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ اگر اس حیض کو بھی عدت میں شمار کریں گے تو یہ تین حیض مکمل نہیں ہوں گے اور اگر اس حیض کو عدت میں شمار نہیں کریں گے تو یہ تین حیض سے زیادہ ہو جائیں گے جبکہ قرآن کریم میں ہے "فعدتهن ثلثة قروء" تو اس صورت میں لفظِ ثلاثہ پر عمل نہیں ہو سکے گا۔ براہِ کرم اس مسئلہ کی وضاحت فرما کر ہمارے دلوں کو تشفی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......حیض میں طلاق دینا طلاقِ بدعی ہے اور بالاتفاق ممنوع ہے لیکن اگر کسی نے دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ جس حیض میں طلاق دی گئی ہے اس حیض کو بالاجماع عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا اور قرآن کریم کے نص "ثلاثة قروء" کی وجہ سے اس حیض کے علاوہ تین مکمل حیض عدت گزارنی ہوگی کیونکہ جس حیض میں طلاق دی گئی ہے اس کے دو حصے ہو گئے، ایک وہ جو طلاق سے پہلے ہے اگر چہ ایک ساعت ہی پہلے کیوں نہ ہو اور دوسرا وہ جو طلاق کے بعد ہے۔ اب وہ حصہ جو طلاق سے پہلے ہے وہ تو ظاہر ہے کہ کسی سبب کے نہ پائے جانے کی وجہ سے عدت میں شمار نہیں ہوگا اور دوسرے حصے کو اگر عدت میں شمار کر لیں تو "ثلاثہ" پر عمل کرنے کیلئے اس جزءِ حیض کے علاوہ دو حیض اور پھر چوتھے حیض میں سے کچھ حصہ عدت میں شمار کرنا ہوگا۔ اس طرح پہلے حیض کا کچھ حصہ اور آخری حیض کا کچھ حصہ اور درمیان کے دو حیض مل کر تین حیض بن جائیں گے لیکن حیض میں تجزی (تقسیم) ہو جائے گی اور یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ حیض میں تجزی نہیں ہو سکتی اسی وجہ سے باندی کی عدت اصولی طور پر ڈیڑھ حیض ہونی چاہیئے لیکن چونکہ حیض میں تجزی نہیں ہو سکتی اسی لئے حدیث پاک میں اس کی عدت دو حیض بیان کی گئی ہے نیز وہ حیض جس میں طلاق دی گئی ہے اس کے باقی ماندہ کو اور اس کے بعد والے طہر کو عدت کی طرح گزارنا ضرورت کی وجہ سے لازم ہوگا، نہ اس لئے کہ یہ عدت ہے۔ باقی اصل عدت آئندہ حیض سے ہی شروع ہوگی۔ جیسا کہ رکعاتِ صلوۃ کا عدد نص سے مقرر ہے اس میں کمی، زیادتی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی تجزی ہو سکتی ہے لہٰذا اگر کوئی مسبوق امام کے ساتھ رکوع کے بعد شریک ہو تو اس کی وہ رکعت شمار نہیں ہوتی اور اس کو امام کے سلام کے بعد علیحدہ یہ رکعت پڑھنی ہوگی، مگر امام کے ساتھ جو اس نے شروع میں سجدہ وغیرہ ارکان ادا کئے ہیں اس میں نماز کے تمام احکام کی رعایت ضرورت کی وجہ سے لازم ہوگی، نہ کہ رکعت شمار کئے جانے کی وجہ سے۔

لما فی نور الانوار(۱/۵۰): التفریع الرابع علی حکم الخاص: وکذا لا تطلقوا فی الحیض لأن هذا الحیض لم یعتبر عندنا ولا الطهر الذی یلیه فینبغی أن یحتسب فیه ثلاث آخر. فتطول العدة علیها بلا تقریب۔

و فی الدرالمختار(۳/۵۱۸): (ولا اعتداد بحیض طلقت فیه) إجماعا۔

وفی الشامیة تحته: قوله (ولا اعتداد بحيض طلقت فيه) أي إذا طلقها في الحيض لا يحسب من العدة لأن ما وجد قبل الطلاق لا يحتسب به منها لعدم التجزي فلو احتسب كمل من الرابعة فوجبت كلها لعدم التجزي أيضا نهر قال في الدر المنتقى لو قال بحيض وقعت الفرقة فيه لكان أشمل۔

(۲۹۳) حالتِ حیض میں وقوعِ طلاق کا قرآن وحدیث سے ثبوت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں حیض کی حالت میں دی ہیں۔ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ واقع ہوگئی ہیں لیکن شخص مذکور اور اس کے دوست کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تو کہیں بھی یہ نہیں کہ حالتِ حیض میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ ممانعت تو آئی ہے کہ طلاق حالتِ حیض میں نہ دینی چاہیئے مگر یہ نہیں کہ دی، تو ہوجائے گی۔ برائے مہربانی اس استفتاء کا جواب جلد عنایت فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جس طرح طہر کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اسی طرح حیض کی حالت میں بھی طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ صحیح البخاری میں (۲/۷۹۰) پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا "اذا طلقت الحائض یعتد بذلك الطلاق" یعنی اگر حیض میں عورت کو طلاق دی گئی تو اس طلاق کا اعتبار کیا جائے گا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے واضح فیصلہ کیا، جمہور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مسلک ہے پھر اسی باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ ذکر فرمایا کہ انہوں نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجوع کرنے کا حکم فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو رجوع کرنے کا حکم فرمایا اور رجوع اس وقت ہوتا ہے جبکہ پہلے طلاق ہوگئی ہو، اگر طلاق واقع نہیں ہوئی تو رجوع کرنے کا کیا فائدہ!!!

باقی آپ کے دوست کا قرآن وحدیث میں آئی ممانعت سے عدمِ وقوع پر استدلال درست نہیں کیونکہ ممانعت آنا تو خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ طلاق واقع ہوجائے گی البتہ گناہ ہونے کی وجہ سے اس سے باز رہنے کا حکم ہے۔

لما فی صحیح البخاری: (۲/۷۹۰) باب اذا طلقت الحائض یعتد بذلك الطلاق: عن أنس بن سيرين، قال: سمعت ابن عمر رضي الله عنه قال: طلق ابن عمر رضي الله عنه امرأته وهي حائض. فذكر عمر رضي الله عنه للنبي

صلى الله عليه وسلم فقال: ليراجعها قلت: تحتسب؟ قال: فمه؟ وعن قتادة، عن يونس بن جبير، عن ابن عمر رضي الله عنه قال: مره فليراجعها قلت: تحتسب؟ قال: أرأيت إن عجز واستحمق. وقال أبو معمر، حدثنا عبد الوارث، حدثنا أيوب، عن سعيد بن جبير، عن ابن عمر رضي الله عنه قال: حسبت علي بتطليقة۔

و فی مشکوٰۃ المصابیح (ص۲۸۴) باب المطلقة ثلاثا: وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل طلاق جائز إلا طلاق المعتوه والمغلوب على عقله". رواه الترمذي۔

وفی التاتارخانية (۳/۲۴۶) انواع الطلاق: وفی الهداية وإذا طلق الرجل امرأته فی حالة الحيض وقع الطلاق۔

وفی الدر المختار (۳/۲۳۲): (والبدعي ثلاث متفرقة) أو اثنتان بمرة أو مرتين في طهر واحد (لا رجعة فيه أو واحدة في طهر وطئت فيه أو) واحدة في (حيض موطوءة) ۔۔۔ (وتجب رجعتها) على الأصح (فيه) أي في الحيض۔

وفی الرد تحته: قوله (وتجب رجعتها) أي الموطوءة المطلقة في الحيض۔

(۲۹۴) حالت حمل میں وقوع طلاق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں معین الدین ولد نعیم الدین آپ کے پاس ایک گھریلو مسئلہ لے کر خدمت میں حاضر ہوا ہوں، میری بیوی کہکشاں کنول بیگم بنت محمد مصطفیٰ خان کی طلاق کا مسئلہ ہے۔ میں نے اپنی بیگم کو ایک بار غصے کی حالت میں دو مرتبہ طلاق دی ہے، پھر تین چار مہینے بعد میں نے اپنی بیگم کو ایک مرتبہ طلاق دی لیکن اس مرتبہ میری بیگم حاملہ تھی۔ آپ سے گزارش ہے کہ علماء کرام کی کیا رائے ہے؟ کیونکہ نہ میں اور نہ ہی میری بیوی علیحدگی چاہتی ہے کیونکہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ حمل کی حالت میں طلاق نہیں ہوتی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......حالت حمل میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ اپنی بیوی کو دو طلاقیں پہلے دے چکے اور اب تیسری طلاق حالتِ حمل میں دینے کی وجہ سے آپ کی بیوی مغلظہ بائنہ ہوگئی، بغیر حلالہ شرعیہ کے آپ کا اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم رکھنا شریعت کی رو سے ناجائز اور حرام ہے۔ اب علیحدگی ضروری ہوگئی ہے یہ سب باتیں طلاق دینے سے پہلے سوچنے کی ہوتی ہیں، تین طلاقیں دے کر آپ ہزار مرتبہ بھی ساتھ رہنا چاہیں تو آپ بغیر حلالہ شرعیہ کے دوبارہ نکاح کر کے بھی ساتھ نہیں رہ سکتے۔

لمافی الهندية (۱/۳۴۹): وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع ويطلقها للسنة ثلاثا يفصل بين كل

تطليقتين بشهر عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى كذا في الهداية۔

(۲۹۵) مرض الموت میں طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت تنگ آ کر اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے اوراس کا شوہر مرض الموت کے اندر گرفتار ہے چنانچہ اس نے طلاق دیدی اور وہ مر گیا تو ایسی صورت میں اس کی بیوی وارث ہوگی یا نہیں، جبکہ وہ وراثت مانگ رہی ہے، قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جب کوئی آدمی مرض وفات (ایسی بیماری جس کے بعد بغیر صحت یاب ہوئے طلاق واقع ہوئی ہو) میں مبتلا ہوجائے تو اس کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہوجاتا ہے اوراس مرض موت میں اس نے کسی وارث کو اس کی رضامندی کے بغیر یا اس کے کسی ایسے فعل جو اس کو وراثت سے محروم کرے اس کے بغیر اس کو وراثت سے محروم کرنے کی کوشش کی تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ وہ اس کا وارث ہی ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں جب عورت نے شوہر سے مطلق طلاق کا مطالبہ کیا اور شوہر نے مرضِ وفات میں اس کو طلاق دی تو وارث ہوگی ہاں اگر اس کی بیوی نے تین طلاق یا طلاق بائن کا مطالبہ کیا پھر اس نے طلاق دی تو اس صورت میں اس کی بیوی وارث نہیں ہوگی۔

لمافی الهندية (۴۶۲/۱): ولو طلقها طلاقا بائنا أو ثلاثا ثم مات وهي في العدة فكذلك عندنا ترث ولو انقضت عدتها ثم مات لم ترث وهذا إذا طلقها من غير سؤالها فأما إذا طلقها بسؤالها فلا ميراث لها كذا في المحيط۔

وفيه أيضاً: وإن قالت طلقني للرجعة فطلقها ثلاثا أو واحدة بائنة ورثته كذا في غاية السروجي۔

وفی الدر المختار (۳۸۸/۳): (وكذا) ترث (طالبة رجعية) أو طلاق فقط (طلقت) بائنا(أو ثلاثا) لأن الرجعي لا يزيل النكاح حتى حل وطؤها ويتوارثان في العدة مطلقا۔

وفی الرد تحته: قوله (أو طلاق فقط) أي بأن قالت له في مرضه طلقني فطلقها ثلاثا فمات في العدة ترثه إذا صار مبتدئا فلا يبطل حقها في الإرث كقولها طلقني رجعية فأبانها۔

(۲۹۶) مذاقاً طلاق دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ کہہ رہا ہوں کہ ہم میاں بیوی آپس میں مذاق کر رہے تھے۔ مذاق میں میری بیوی نے مجھے کہا کہ مجھے طلاق دو، تو میں نے منع کر دیا، پھر بولنے لگی تو میں نے مذاق میں بولا کہ چل! ون طلاق، ٹو طلاق۔

اب آپ حضرات سے پوچھنا یہ ہے کہ میرے یہ الفاظ کہنے سے کیا طلاق ہوگئی یا نہیں؟ میرے چھوٹے تین بچے تین۔ آٹھ سال کی ایک لڑکی ہے۔ دوسری تین سال کی۔ ایک لڑکا ۴ سال کا ہے۔ بیوی نے بار بار بولا تو میں نے کہہ دیا۔

الجواب بعون الملک الوهاب......طلاق کے بارے میں شریعت مقدسہ کا اصول یہ ہے کہ طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے چاہے غصہ کی حالت میں ہو یا مذاق کی حالت میں ہو، چاہے طلاق کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، بہرصورت طلاق واقع ہوجاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں چنانچہ اب اگر آپ کی بیوی کی عدت باقی ہے تو دورانِ عدت آپ کو رجوع کا حق حاصل ہے نکاح جدید کی ضرورت نہیں لیکن اگر عدت گزر چکی ہے تو پھر آپ کیلئے نیا نکاح ضروری ہے نیز اب آپ کے پاس ایک طلاق کا حق حاصل ہے جب کبھی بھی آپ ایک طلاق دیں گے تو آپ کی بیوی آپ پر ہمیشہ کیلئے حرام ہوجائے گی۔

لما فی مشكوة المصابيح (ص۲۸۴): وعن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلاث جدهن جد وهزلهن جد: النكاح والطلاق والرجعة". رواه الترمذي وأبو داود۔

وفی الهندية (۱/۳۸۵): ولو قال ترا يك طلاق وسكت ثم قال ودو يقع الثلاث ولو قال دو بغير الواو إن نوى العطف تقع الثلاث وإن لم ينو تقع واحدة كذا في الخلاصة۔

وفی الشامية (۳/۲۵۰): مطلب في قول البحر إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانة إلى النية:۔۔۔ وأما الهازل فيقع طلاقه قضاء وديانة لأنه قصد السبب عالما بأنه سبب فرتب الشرع حكمه عليه أراده أو لم يرده۔

رسالة

الجواب الکامل

برفع

الشبہات عن طلاق الھازل

ھازل (مذاق میں طلاق دینے والے) کی طلاق کے وقوع

سے متعلق بعض اشکالات کا رفع اور شامیہ کی عبارات کی مدلل توضیح

نیز الفاظ طلاق سے طلاق کے دیانۃً وقوع کیلئے بعض شرائط کا ذکر

(۲۹۷) مذاق میں طلاق کے وقوع سے متعلق شبہات کا جواب

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ طلاق سے متعلق ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے شامی (۲۵۰/۳) پر ھازل کی طلاق دیانۃً واقع نہ ہونے کی یہ وجہ تحریر ہے:

"وأما الهازل فيقع طلاقه قضاء وديانة لأنه قصد السبب عالما بأنه سبب فرتب الشرع حكمه عليه أراده أو لم يرده"

جبکہ ھازل تو طلاق کا ارادہ نہیں کر رہا پھر دیانۃً وقوع کیوں؟ جبکہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اشباہ میں کہا کہ ھازل میں اصل دیانۃً عدمِ وقوع ہے خلاف قیاس نص کی وجہ سے وقوع ہو رہا ہے۔ مفتی صاحب ھازل (مذاق میں طلاق دینے والے) کی طلاق تو دیانۃً اور قضاءً واقع ہو رہی ہے تو کیا مخطی، سکران، مکرہ اور اس طرح کے دیگر افراد کی طلاق بھی قضاءً و دیانۃً ہو جاتی ہے ان سب کے احکام لکھ دیں نیز اگر صرف قضاءً ہوتی ہے تو دیانۃً نہ ہونے کی وجہ تحریر کر دیں اور فتوی اس باب میں قضاءً پر دیا جائے گا یا دیانت پر اس کی تفصیل فرمادیں۔ نیز ھازل سے متعلق اشباہ کی بات دل کو لگتی ہے آپ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی وضاحت کر دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

صورت مسئولہ میں اوّلاً یہ سمجھیں کہ ھازل (مذاقاً طلاق دینے والے) کی طلاق قضاءً و دیانۃً واقع ہوتی ہے۔ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اشباہ میں یہ نہیں کہا کہ اصل دیانۃً عدم وقوع ہے بلکہ دیانۃً وقوع کی فقط نقلی وجہ بیان فرمادی ہے وہ یہ ہے:

"وفي عبارة بعض الكتب أن طلاق المخطئ واقع قضاء لا ديانة. فظهر بهذا أن الصريح لا يحتاج إليها قضاء ويحتاج إليها ديانة. ولا يرد عليه قولهم إنه لو طلقها هازلا يقع قضاء وديانة. لأن الشارع، جعل هزله به جدا." (الاشباہ والنظائر لابن نجیم الحنفی ص۲۱)

"بعض کتب میں عبارت ہے کہ مخطی کی طلاق قضاءً واقع ہوتی ہے دیانۃً نہیں پس اس سے ظاہر ہوا کہ صریح طلاق قضاءً نیت کی محتاج نہیں ہوتی لیکن دیانۃً ہوتی ہے اور اس پر فقہاء کے اس قول سے اشکال نہ ہو کہ اگر ایک شخص مذاقاً بیوی کو طلاق دیتا ہے تو قضاءً اور دیانۃً دونوں صورتوں میں وقوع ہوتا ہے کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلاق میں مذاق کو سنجیدگی ہی قرار دیا ہے۔"

گویا علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلے [قضاء و دیانۃً وقوع] کی نقلی وجہ بیان کر دی اور علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے عقلی وجہ

بھی بیان فرمادی کہ یہاں قصد السبب (لفظِ طلاق کا قصد) ہے عالما بمعناہ (اس کا معنی جانتے ہوئے) لہٰذا جہاں بھی قصد السبب عالما بمعناہ ہو وہاں دیانۃً اور قضاءً طلاق کا وقوع ہوگا باقی مسبب (یعنی طلاق) کا قصد ضروری نہیں لہٰذا ھازل [مذاق کرنے والا] لفظ طلاق جو کہ سبب ہے اس کا قصد تو کرتا ہے لیکن مسبب یعنی طلاق کا ارادہ نہیں کرتا لہٰذا سبب کے قصد کی بنیاد پر دیانۃً طلاق کے وقوع کا قول ہوگا۔

دراصل دو چیزیں ہیں جن الفاظ میں وہ پائی جائیں گی وہاں دیانۃً بھی طلاق کے وقوع کا قول کیا جائے گا اور بغیر نیت کے طلاق واقع ہوگی۔

۱۔ قصد السبب عالما بمعناہ ۲۔ عدم التاویل الصحیح

قصد السبب عالما بمعناہ کا مطلب تو ذکر کردیا گیا۔ عدم التاویل الصحیح کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً "انت طالق" کہہ کر یہ مراد لیتا ہے کہ تو عمل سے آزاد ہے (طالق کا مطلب ہوتا ہے چھوڑ دینا، آزاد کر دینا وغیرہ) تو یہ مراد باطل ہے اور لفظ میں یہ تاویل صحیح نہیں لہٰذا دیانۃً بھی طلاق واقع ہوگی البتہ اگر انت طالق میں طلاق عن وثاق (بیڑیوں سے آزادی) مراد لیتا ہے تو یہ تاویل صحیح ہے اور اگر وہ کہتا ہے کہ میری مراد یہی تھی تو دیانۃً طلاق کا وقوع نہ ہوگا قضاءً بہر صورت طلاق واقع ہوگی۔

الغرض دیانۃً طلاق کے وقوع کیلئے یہ دو چیزیں بھی پائی جانی ضروری ہیں اگر ان میں سے ایک بھی مفقود ہو تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔ ھازل میں چونکہ یہ دونوں ہیں لہٰذا اس کی طلاق دیانۃً بھی واقع ہوتی ہے یہی وضاحت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں:

"مطلب فی قول البحر إن الصريح يحتاج فی وقوعه ديانة إلى النية قوله (أو لم ينو شيئا) لما مر أن الصريح لا يحتاج إلى النية ولكن لا بد فی وقوعه قضاء وديانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالما بمعناه ولم يصرفه إلى ما يحتمله كما أفاده فی الفتح وحققه فی النهر احترازا عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها أو كتب ناقلا من كتاب امرأتی طالق مع التلفظ أو حكی يمين غيره فإنه لا يقع أصلا ما لم يقصد زوجته وعما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غير عالم بمعناه فلا يقع أصلا على ما أفتى به مشايخ أوزجند صيانة عن التلبيس وغيرهم من الوقوع قضاء فقط وعما لو سبق لسانه من قول أنت حائض مثلا إلى أنت طالق فإنه يقع قضاء فقط وعما لو نوى بأنت طالق الطلاق من وثاق فإنه يقع قضاء فقط أيضا، وأما الهازل فيقع طلاقه قضاء وديانة لأنه قصد السبب عالما بأنه سبب فرتب الشرع حكمه عليه أراده أو لم يرده"

(شامية ۲۵۱/۳)

البتہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو شرائط کی یہ تعبیر کی ہے کہ دیانۃً وقوعِ طلاق کیلئے صریح الفاظ میں بھی نیت ضروری ہے اور انہوں نے "أنت طالق" میں طلاق عن وثاق مراد لینے سے جو دیانۃً طلاق واقع نہیں ہو رہی اس سے یہ اصول اخذ کرلیا کہ صریح الفاظ

بھی دیانۃً وقوع طلاق میں نیت کے محتاج ہوتے ہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر استدراک فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ نیت کا نہیں بلکہ ہر لفظ طلاق صریح ہو یا کنایہ اس سے دیانۃً وقوع طلاق تب ہوگی جب یہ چیزیں ۱۔ قصد السبب عالما بمعناہ اور ۲۔ عدم التاویل الصحیح پائی جائے اور یہ ہوں تو بغیر نیت کے بھی طلاق کا وقوع ہوگا۔

"وبهذا ظهر عدم صحة ما في البحر والأشباه من أن قولهم إن الصريح لا يحتاج إلى النية إنما هو في القضاء أما في الديانة فمحتاج إليها أخذا من قولهم لو نوى الطلاق عن وثاق أو سبق لسانه إلى لفظ الطلاق يقع قضاء فقط أي لا ديانة لأنه لم ينوه، وفيه نظر لأن عدم وقوعه ديانة في الأول لأنه صرف اللفظ إلى ما يحتمله وفي الثاني لعدم قصد اللفظ واللازم من هذا أنه يشترط في وقوعه ديانة قصد اللفظ وعدم التأويل الصحيح. أما اشتراط نية الطلاق فلا بدليل أنه لو نوى الطلاق عن العمل لا يصدق ويقع ديانة أيضا كما يأتي مع أنه لم ينو معنى الطلاق وكذا لو طلق هازلا" (شامية ۲۵۱/۳)

الغرض ان دو قیدوں کی کوئی بھی تعبیر کی جائے بہرصورت صریح الفاظِ طلاق سے بھی دیانۃً وقوعِ طلاق کیلئے ان کا پایا جانا ضروری ہے اسی بنیاد پر ھازل کی طلاق دیانۃً بھی واقع ہو رہی ہے لہٰذا علامہ ابن نجیم اور علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہما کے کلام میں کوئی تعارض ہی نہیں کہ اس کو دفع کیا جائے ایک نے نقلی وجہ اور ایک نے عقلی وجہ بالتفصیل ذکر کر دی ہے۔ باقی آپ کا یہ کہنا بھی محلِ نظر ہے کہ ھازل طلاق کا ارادہ نہیں کر رہا ہے تو پھر دیانۃً وقوع طلاق کیوں؟............ اس کا جواب یہ ہے کہ ھازل اگر چہ مسبب (یعنی طلاق) کا ارادہ نہیں کر رہا لیکن سبب یعنی الفاظِ طلاق تو استعمال کر رہا ہے اور وہ اس کا معنی جانتا ہے کہ اس سے وقوعِ طلاق ہوتا ہے لہٰذا ھازل نے مسبب کا اگر چہ قصد نہ کیا ہو لیکن سبب یعنی الفاظ کا قصد کیا ہے اور دیانۃً وقوع کیلئے اتنا کافی ہے لہٰذا دیانۃً طلاق کا وقوع ہوگا۔

تاویل صحیح سے متعلق یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ صرف اس مقام پر چلتی ہے جہاں زجراً و توبیخاً یا وقوعِ طلاق کا کوئی نص نہ ہو مثلاً سکران (نشئی) اگر طلاق کے الفاظ استعمال کر کے کوئی تاویل کرتا ہے تو زجراً اس کے فعل شنیع کی بنیاد پر اس صحیح تاویل کا بھی اعتبار نہ ہوگا نیز ھازل کی تاویل بھی بوجہ ورودِ نص مردود ہوگی۔

آپ نے سوال میں ھازل کے علاوہ، مخطی، سکران اور مکرہ وغیرہ کے بارے میں بھی دریافت کیا ہے۔ مخطی کی طلاق دیانۃً واقع نہیں ہوتی البتہ قضاءً اس کا وقوع ہوتا ہے۔ دیانۃً عدمِ وقوع کی وجہ "قصد السبب عالما بمعناہ" کا نہ پایا جانا ہے مثلاً ایک شخص بیوی سے کہنا چاہ رہا ہے تو باوضو ہے لیکن منہ سے غلطی سے نکل گیا تو مطلقہ ہے۔ تو چونکہ اس نے سبب کا قصد ہی نہیں کیا لہٰذا دیانۃً طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ سکران اور مکرہ کی طلاق دیانۃً اور قضاءً دونوں طرح واقع ہوتی ہے دیانۃً اس لئے کیونکہ سکران اگر چہ لفظ کا قصد نہ کرے لیکن زجراً اس کے فعل حرام کے ارتکاب کی بناء پر اس کی طلاق واقع کی جائے گی اور مکرہ (جس پر جبر کیا گیا ہو) سبب کا قصد کرتا ہے لہٰذا اس کی طلاق بھی دیانۃً واقع ہوگی۔

الغرض طلاق کے دیانۃً واقع ہونے کے سلسلے میں یہ اصول معلوم ہوا کہ یہ دو چیزیں پائی جائیں:

(۱) قصد السبب عالما بمعناه

(۲) عدم التاويل الصحيح

اس کے ساتھ اس شخص سے متعلق کوئی نص یا زجر وتوبیخ متعلق نہ ہو تو صریح الفاظ سے بغیر نیت کے بھی دیانۃً طلاق کا وقوع ہو جائے گا۔

مفتی دیانت پر فتویٰ دینے کا پابند ہوتا ہے البتہ آج کل چونکہ اسلامی قضاۃ کالعدم ہیں اور عامۃ الناس مفتی کے فتوے کو قاضی کے فیصلے سے زیادہ سمجھتے ہیں اور فتویٰ پر ہی عمل کرتے ہیں اس لئے طلاق جیسے مسائل میں تو مفتی دیانت اور قضاء دونوں کا حکم لکھ دے گا اگر میاں بیوی درپیش صورت میں خود ہی اتفاق کر لیتے ہیں تو دیانت کے مطابق عدم وقوع طلاق وغیرہ کا حکم ہوگا لیکن اگر میاں بیوی کا اتفاق نہیں ہوتا اور معاملہ اختلاف عدالت تک پہنچتا ہے تو قضاء کے مطابق وقوع طلاق کا حکم لگے گا۔

لمافی عمدة القاری کتاب الطلاق، طلاق فی الاغلاق (۲۰/۲۵۱) دار احیاء التراث: وأما حكم الهازل في طلاقه ونكاحه ورجعته فإنه يؤخذ به ولا يلتفت إلى قوله كنت هازلا ولا يدين أيضا فيما بينه وبين الله تعالى وذلك لما روى الترمذي من حديث أبي هريرة قال قال رسول الله ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النكاح والطلاق والرجعة۔

وفی بذل المجهود کتاب الطلاق، فی الهزل (۳/۲۷۶) معهد الخليل: عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال "ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النكاح والطلاق والرجعة"

وفی الأشباه والنظائر، القاعدة الأولى (ص ۲۱) دار الكتب العلمية: وفي عبارة بعض الكتب أن طلاق المخطئ واقع قضاء لا ديانة، فظهر بهذا أن الصريح لا يحتاج إليها قضاء ويحتاج إليها ديانة، ولا يرد عليه قولهم إنه لو طلقها هازلا يقع قضاء وديانة، لأن الشارع جعل هزله به جدا۔

وفی الهندية (۱/۳۵۳): وطلاق اللاعب والهازل به واقع۔

وفی الشامية (۳/۲۵۰): وأما الهازل فيقع طلاقه قضاء وديانة لأنه قصد السبب عالما بأنه سبب فرتب الشرع حكمه عليه أراده أو لم يرده كما مر وبهذا ظهر عدم صحة ما في البحر والأشباه من أن قولهم إن الصريح لا يحتاج إلى النية إنما هو في القضاء أما في الديانة فمحتاج إليها أخذا من قولهم لو نوى الطلاق عن وثاق أو سبق لسانه إلى لفظ الطلاق يقع قضاء فقط أي لا ديانة لأنه لم ينوه، وفيه نظر لأن عدم وقوعه ديانة في الأول لأنه صرف اللفظ إلى ما يحتمله وفي الثاني لعدم قصد اللفظ واللازم من هذا أنه يشترط في وقوعه ديانة قصد اللفظ وعدم التأويل الصحيح ۔

(۲۹۸) ڈرامے میں حقیقی بیوی کو تین طلاقیں دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی ڈرامہ میں حقیقی میاں بیوی کام کر رہے ہوں اور شوہر اپنی بیوی کو ڈرامے کے ڈائیلاگ کے طور پر تین طلاقیں دے دے تو آیا طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نکاح اور طلاق کے معاملات میں صرف الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے لہٰذا جب شوہر عورت کی طرف منسوب کر کے ان الفاظ کے معانی کو جانتے ہوئے استعمال کرے چاہے نیت طلاق ہو یا نہ ہو، مذاقاً کہے ہو یا حقیقۃً بہر صورت طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب شوہر اپنی بیوی کو ڈرامے کے ڈائیلاگ کے طور پر تین طلاقیں دیدے تو اس کی بیوی کو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور وہ عورت اس پر مغلظہ ہو جائے گی اور بغیر حلالہ شرعیہ کے میاں بیوی کا آپس میں ازدواجی تعلق رکھنا ناجائز و حرام ہوگا۔

لمافی الهندية (۱/۳۵۳) كتاب الطلاق (ط ماجديه): وطلاق اللاعب والهازل به واقع وكذلك لو أراد أن يتكلم بكلام فسبق لسانه بالطلاق فالطلاق واقع كذا في المحيط۔

وفی الشامية (۳/۲۵۰) كتاب الطلاق (ط سعيد): (قوله أو لم ينوشيا) لما مر أن الصريح لا يحتاج إلى النية ---وأما الهازل فيقع طلاقه قضاء وديانة لأنه قصد السبب عالما بأنه سبب فرتب الشرع حكمه عليه أراده أو لم يرده كما مر۔

(۲۹۹) بیوی کی دی ہوئی طلاق کو قبول کر لینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں تمہیں تین طلاق دیتی ہوں، شوہر نے کہا میں قبول کرتا ہوں۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شریعت نے طلاق دینے کا اختیار شوہر کو دیا ہے نہ کہ بیوی کو۔ صورتِ مسئولہ میں بیوی کے اپنے شوہر کو طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ نیز شوہر کا قبول کرنا اسی طلاق کو ہے جو بیوی نے اس کو دی تھی اس سے بھی مسئلہ کے حکم پر کوئی فرق نہیں پڑے گا یعنی پھر بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لمافی البحر الرائق، كتاب الطلاق (۳/۵۵۱) رشيدية: ولو قالت: أنت مني طالق لم يقع شئ۔

وفی الشامية (۳/۲۲۹): ومنها أي من محاسنه جعله بيد الرجال دون النساء لاختصاصهن بنقصان العقل وغلبة الهوى ونقصان الدين ومنها شرعه ثلاثا لأن النفس كذوبة ربما تظهر عدم الحاجة إليها ثم يحصل الندم فشرع ثلاثا ليجرب نفسه أولا وثانيا اه ملخصا۔

وفی الدرالمختار(۲۳۰/۳):(ومحله المنكوحة)وأهله زوج عاقل بالغ مستيقظ و ركنه لفظ مخصوص۔

وفيه أيضاً(ص۲۷۲): (أنا منك طالق) أو بريء (ليس بشيء ولو نوى) به الطلاق۔

(۳۰۰)''لکھو میری بیوی کو طلاق ہے'' سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے مذاقاً کسی کے کہنے پر کہ لکھو''میری بیوی کو طلاق ہے'' یہ الفاظ کاغذ پر لکھ دیئے لکھوانے والے نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ لکھنے والے کی بیوی کو طلاق لکھوانا چاہتا تھا لہٰذا کاتب کے یہ لکھتے ہی کاتب کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی یا تفصیل کی جائے گی؟ جواب مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱) اگر کسی نے کاتب سے مذاقاً کہا کہ لکھو''میری بیوی کو طلاق'' تو لکھوانے والے کے کہتے ہی لکھوانے والے کی بیوی کو ایک طلاق بہرحال واقع ہوجائے گی اور اگر لکھنے والے نے لکھوانے والے کی بیوی کی نیت سے مذکورہ بالا جملہ لکھ دیا تو لکھوانے والے کی بیوی کو دوسری طلاق بھی واقع ہوجائے گی۔

(۲) اگر لکھوانے والے نے کاتب سے کہا کہ لکھو''میری بیوی کو دو طلاق'' تو لکھوانے والے کے یہ لفظ کہتے ہی لکھوانے والے کی بیوی کو دو طلاق واقع ہوجائیں گی اور اگر لکھنے والے نے لکھوانے والے کی نیت سے مذکورہ بالا جملہ لکھ دیا تو لکھوانے والے کی بیوی پر تین طلاقِ مغلظہ واقع ہوجائیں گی۔

(۳) اگر پہلی صورت میں لکھنے والے نے اپنی بیوی کی نیت سے لکھا کہ''میری بیوی کو طلاق'' تو ایک طلاق لکھوانے والے کی بیوی کو اور ایک طلاق لکھنے والے کی بیوی کو واقع ہوجائے گی اور دوسری صورت میں اگر لکھنے والے نے اپنی بیوی کی نیت سے لکھا کہ''میری بیوی کو دو طلاق'' تو دو طلاقیں لکھوانے والے کی بیوی کو اور دو طلاقیں لکھنے والے کی بیوی کو واقع ہوجائیں گی۔

لمافی فتح القدير (۶۸/۴) كتاب الطلاق، طلاق بالكتابة (دارالفكر): فإن كان مستبينا لكن لا على رسم الرسالة والخطاب فإنه ينوي فيه كالكلام المكنى لا يقع إلا بالنية لأن الإنسان قد يكتب مثله للإيقاع وقد يكتب مثله لتجربة الخط فإن كان صحيحا يبين نيته بلسانه۔

وفی الخانية (۴۵۷/۱): ولو قال اكتب لها طلاقها ينبغي أن يقع الطلاق للحال كما لو قال احمل إليها طلاقها وكما لو قال اكتب إلى امرأتي أنها طالق۔

وفی الهندية (۳۷۹/۱)الفصل السادس طلاق بالكتابة: رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه وطواه وختم وكتب في عنوانه وبعث به إلى امرأته فأتاها الكتاب وأقر الزوج أنه كتابه فإن الطلاق يقع عليها

(۳۰۱) حالت غضب میں طلاق سے متعلق تحقیق

سوال...... مفتی صاحب! علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شامیہ (۳/ ۲۴۴) پر حالت غضب میں طلاق کی تین قسمیں بتائی ہیں۔ غضب اعلیٰ ہو، متوسط ہو یا ادنیٰ ہو۔ یہ ابن قیم الحنبلی رحمہ اللہ کے واسطے سے نقل کی ہیں اور متوسط میں مختلف اقوال نقل کر کے "وھذا الموافق عندنا لمامر فی المدھوش" فرمایا ہے۔ آپ سے درج ذیل باتیں دریافت کرنی ہیں:

(۱) یہ تقسیم کسی اور کتاب میں ذکر ہے؟

(۲) شامی کا "ھذا الموافق" سے کس قول کو ترجیح دینا مقصود ہے؟

(۳) مدھوش میں شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ذکر کیا ہے جس کا حوالہ یہاں دیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... غضبان کی طلاق میں یہ تقسیم کسی حنفی کتاب میں موجود نہیں۔ غصہ کی یہ تقسیم علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فقط ابن قیم حنبلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے لی ہے جس پر حنابلہ کے ہی ائمہ کو اشکالات ہیں جیسا کہ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود ذکر کیا ہے۔

بندہ یہ سمجھتا ہے کہ عامۃ الکتب میں جس طرح غصے کی کوئی تقسیم موجود نہیں وہی درست ہے کنایات کے باب میں فقہاء حالتِ رضا اور حالت غضب کا مطلقاً ذکر کرتے ہیں اور حالت غضب میں کنایات سے بھی وقوع طلاق کے وقت کوئی انواع واقسام غضب کی ذکر نہیں فرماتے نیز نشہ والے شخص کی طرح غصہ والے کی طلاق بھی واقع ہونی چاہیئے کیونکہ غصہ بھی قبیح اور غیر شرعی فعل ہے۔ غصہ اگر مدہوشی اور بیہوشی تک پہنچ جاے ادمی چت لیٹ جائے منہ سے جھاگ نکلنے لگے تو یہ غصہ نہیں اس پر جنون اور مدہوش کے احکام چلیں گے، اس کی طلاق واقع نہ ہوگی لیکن جب تک بیہوشی کی کیفیت نہ ہو اور انسان صحیح سالم کھڑا ہو اور غصے میں بات کر رہا ہو، چاہے مع العلم والقصد ہو یا مع العلم بدون القصد ہو کوئی بھی صورت ہو بہر صورت طلاق واقع ہوگی، اس میں کوئی تفریق سہل پسندوں کو موقع فراہم کرے گی۔ ہر شخص غصے کے مدارج بنا کر اپنے کو بری کرے گا جو کہ مفاسدِ عظیمہ سے خالی نہیں نیز کتب حنفیہ میں ایسی کوئی تقسیم بھی نہیں۔

لہٰذا بندہ کی ناقص رائے یہ ہے کہ انسان اگر غصے سے بیہوش اور پاگل ہو جائے عقل ماؤف ہو جائے تو وہ شخص چونکہ غصے میں نہیں بلکہ پاگل اور بیہوش ہے لہٰذا مجنون اور مدھوش کی طرح اس کی طلاق واقع نہ ہو لیکن اگر کوئی شخص غصے میں ہو چاہے وہ غصہ جس حد تک پہنچا ہو دماغ کام کر رہا ہو یا نہیں اس کی طلاق واقع ہوگی، اس میں کوئی استثناء یا تفریق روا نہ رکھی جائے۔ وطلاق الغضبان واقع ولا استثناء فیہ۔ بعض اکابر نے بھی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کو لیا ہے لیکن جواب بجائے آسان ہونے کے پیچیدہ اور تقریباً متعذر العمل ہو گیا ہے۔ لہٰذا بندے کے نزدیک یہ علامہ کا تفرد ہے اور اسے نہ لینا بہتر ہے۔

لمافی الدرالمختار (۲۴۳/۳): (والمدھوش) فتح وفي القاموس دهش الرجل تحير ودهش بالبناء للمفعول فهو مدهوش وأدهشه الله۔

وفی الشامیة تحته: قوله (وفي القاموس دهش) أي بالكسر كفرح ثم إن اقتصاره على ذكر التحير

غير صحيح فإنه في القاموس قال بعده أو ذهب عقله حياء أو خوفا اه وهذا هو المراد هنا ولذا جعله في البحر داخلا في المجنون۔

وفی الشامية أيضا(۲۴۴/۳): مطلب فی طلاق المدهوش:قلت وللحافظ ابن القيم الحنبلي رسالة في طلاق الغضبان قال فيها إنه على ثلاثة أقسام أحدها أن يحصل له مبادي الغضب بحيث لا يتغير عقله ويعلم ما يقول ويقصده وهذا لا إشكال فيه الثاني أن يبلغ النهاية فلا يعلم ما يقول ولا يريده فهذا لا ريب أنه لا ينفذ شيء من أقواله الثالث من توسط بين المرتبتين بحيث لم يصر كالمجنون فهذا محل النظر والأدلة تدل على عدم نفوذ أقواله اه ملخصا من شرح الغاية الحنبلية لكن أشار في الغاية إلى مخالفته في الثالث حيث قال ويقع طلاق من غضب خلافا لابن القيم اه وهذا الموافق عندنا لما مر في المدهوش لكن يرد عليه أنا لم نعتبر أقوال المعتوه مع أنه لا يلزم فيه أن يصل إلى حالة لا يعلم فيها ما يقول ولا يريده۔

وفی الدر المختار(۴۶۱/۳) كتاب الطلاق:(أو مخطئا) بأن أراد التكلم بغير الطلاق فجرى على لسانه الطلاق أو تلفظ به غير عالم بمعناه أو غافلا أو ساهيا أو بألفاظ مصحفة يقع قضاء فقط ، بخلاف الهازل واللاعب فإنه يقع قضاء وديانة لأن الشارع جعل هزله به جدا فتح۔

وفی الفقه الاسلامی(۳۶۵/۷):طلاق الغضبان: يفهم مما ذكر أن طلاق الغضبان لا يقع إذا اشتد الغضب، بأن وصل إلى درجة لا يدري فيها ما يقول ويفعل ولا يقصده. أو وصل به الغضب إلى درجة يغلب عليه فيها الخلل والاضطراب في أقواله وأفعاله. وهذه حالة نادرة. فإن ظل الشخص في حالة وعي وإدراك لما يقول فيقع طلاقه. وهذا هو الغالب في كل طلاق يصدر عن الرجل؛ لأن الغضبان مكلف في حال غضبه بما يصدر منه من كفر وقتل نفس وأخذ مال بغير حق وطلاق وغيرها.

(۳۰۲) غصہ کی حالت میں وقوع طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے غصہ میں یہ کہہ دے" جاؤ میں نے تمہیں چھوڑ دیا" تو کیا اس سے طلاق ہوجاتی ہے جبکہ شوہر کی نیت طلاق دینے کی نہ ہو بلکہ وہ کسی اور وجہ سے بول رہا ہو، جیسے: شوہر نے بیوی کو ہاتھ لگانے سے منع کرتے ہوئے کہا ہو یا کسی اور وجہ سے لیکن مقصد طلاق کے ذریعے چھوڑنا نہ ہو تو کیا اس صورت میں طلاق ہوجاتی ہے جبکہ وہ چھوڑنا نہیں چاہتے بلکہ صرف غصہ کی حالت میں کہا ہو؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں شوہر نے جب غصہ کی حالت میں بیوی سے کہا کہ "جاؤ میں نے تمہیں چھوڑ دیا" تو اس سے بیوی کو ایک طلاق رجعی پڑ گئی، اگرچہ شوہر نے طلاق کی نیت نہ کی ہو، اب اگر شوہر رجوع کرنا چاہتا ہے تو عدت ختم ہونے سے پہلے بغیر نکاح کئے رجوع کر سکتا ہے اور اس رجوع کے بعد شوہر کو دو طلاق دینے کا حق باقی رہ جائے گا۔

لمافی الطحطاوی(۲/۱۳۳) ومشائخ خوارزم من المتقدمين والمتاخرين كانوا يفتون بأن لفظ التسريح بمنزلة الصريح يقع به الرجعى بلا نية۔

وفی الشامية(۳/۲۹۹): وإن الحرام في الأصل كناية يقع بها البائن لأنه لما غلب استعماله في الطلاق لم يبق كناية ولذا لم يتوقف على النية أو دلالة الحال ولا شيء من الكناية يقع به الطلاق بلا نية أو دلالة الحال كما صرح به في البدائع ويدل على ذلك ما ذكره الرازي عقب قوله في الجواب المار إن المتعارف به إيقاع البائن لا الرجعي حيث قال ما نصه بخلاف فارسية قوله سرحتك وهو رهاء كردم لأنه صار صريحا في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري اهـ۔

فصل فی طلاق غیر المدخول بہا

(غیرِ مدخول بھا عورت کی طلاق کا بیان)

(۳۰۳) رخصتی سے قبل عورت کی طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں محمد ایوب ہوں، میں نے نکاح کیا تھا رخصتی نہیں ہوئی تھی کچھ عرصہ کے بعد میں نے اس کو تین طلاقیں عدالت میں دیں۔ اب دوبارہ اس عورت سے نکاح کا ارادہ ہے، کیا میرے لئے یہ جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ کچھ مفتیان کرام فرماتے ہیں کہ میرے لئے جائز نہیں اور کچھ کہتے ہیں جائز ہے، میں بہت پریشان ہوں۔ برائے مہربانی اس کا شرعی حل بتادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں نکاح کے بعد اگر آپ نے اس عورت کو تین طلاقیں ایک ساتھ ایک ہی لفظ سے دی ہوں مثلاً یہ کہا ہو کہ تجھے تین طلاق دیتا ہوں تو دوبارہ اسی عورت سے نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، چاہے رخصتی ہوئی ہو یا نہیں جب تک کہ یہ عورت شرعی حلالہ نہ کرائے اور اگر تین طلاقیں متفرق تین لفظوں سے دی ہوں مثلاً ''میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی'' تو اس طرح کہنے سے صرف ایک ہی طلاق سے بائنہ ہوگئی اور دوبارہ نکاح بغیر حلالہ کے صحیح ہوجائے گا۔

لمافی الهندية (۳۷۳/۱): الفصل الرابع في الطلاق قبل الدخول إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا قبل الدخول بها وقعن عليها فإن فرق الطلاق بانت بالأولى ولم تقع الثانية والثالثة وذلك مثل أن يقول أنت طالق طالق طالق وكذا إذا قال أنت طالق واحدة وواحدة وقعت واحدة كذا في الهداية۔

(۳۰۴) صحبت سے قبل عورت ایک طلاق سے ہی بائنہ ہوجاتی ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا نام طارق ہے اور میرا نکاح میری پھوپھی کی لڑکی سے ہوا تھا اور رخصتی نہیں ہوئی، نکاح دوسال رہا، اس کے بعد میری پھوپھی کی لڑکی نے مجھ سے میرے خاندان والوں کے سامنے علیحدگی مانگی اور میں نے خاندان والوں کے سامنے اس کو تین بار طلاق دی [''میں تجھے طلاق دیتا ہوں، میں تجھے طلاق دیتا ہوں، میں تجھے طلاق دیتا

ہوں' کے الفاظ سے طلاق دی] اب طلاق ہوئی یا نہیں اور اس کا حق مہر جو پانچ ہزار تھا اس کو دینا پڑے گا یا نہیں؟ شرعی نقطہ نظر سے جواب کی گذارش ہے۔نوٹ: ہمارے درمیان خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوئی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں چونکہ آپ نے خلوت صحیحہ سے پہلے تین باران الفاظ''میں تجھے طلاق دیتا ہوں، میں تجھے طلاق دیتا ہوں، میں تجھے طلاق دیتا ہوں'' سے طلاق دی ہے تو پہلی طلاق سے طلاق بائنہ واقع ہوگئی اور آپ کا نکاح ختم ہوگیا ہے اور باقی دو طلاقیں لغو اور بے فائدہ شمار ہوں گی۔آپ پر شرعاً مہر مقرر پانچ ہزار کا نصف ڈھائی ہزار دینا لازم ہے۔

لمافی التاتارخانية (۲۲۰/۴):وللمطلقة قبل الدخول نصف المفروض وإن لم يكن في النكاح مفروض فلها المتعة۔

وفی الهندية (۳۷۳/۱):الفصل الرابع في الطلاق قبل الدخول إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا قبل الدخول بها وقعن عليها فإن فرق الطلاق بانت بالأولى ولم تقع الثانية والثالثة وذلك مثل أن يقول أنت طالق طالق طالق وكذا إذا قال أنت طالق واحدة وواحدة وقعت واحدة كذا في الهداية۔

(۳۰۵) صحبت سے قبل بیک لفظ تین طلاقیں دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک ماہ قبل میں حیدرآباد گیا تو مجھ سے میرے ایک دوست نے مسئلہ پوچھا کہ اگر نکاح کے بعد بیوی کے قریب جانے سے پہلے کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے کہ تجھے میری طرف سے تین طلاق کا تحفہ، آیا اس سے تین طلاقیں ہوں گی یا ایک طلاق واقع ہوگی، شریعت میں کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......کسی بھی عورت کو نکاح کے بعد (صحبت یا خلوتِ صحیحہ سے پہلے) بیک لفظ تین طلاقیں دینے سے اس پر تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں لہٰذا اگر کسی شخص نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو کہا تجھے میری طرف سے تین طلاق کا تحفہ تو اس صورت میں اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور وہ عورت اس شخص پر حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہو جائے گی۔

لمافی الدرالمختار (۲۸۴/۳):باب طلاق غير المدخول بها (قال لزوجته غير المدخول بها أنت طالق) يا زانية (ثلاثا) فلا حد ولا لعان لوقوع الثلاث عليها وهي زوجته ثم بانت بعده ---(وقعن) لما تقرر أنه متى ذكر العدد كان الوقوع به۔

وفی الرد تحته:قوله (لما تقرر الخ) لأن الواقع عند ذكر العدد مصدر موصوف بالعدد أي تطليقا ثلاثا فتصير الصيغة الموضوعة لإنشاء الطلاق متوقفا حكمها عند ذكر العدد عليه بحر۔

(۳۰۶) مطلقہ غیر مدخول بہا پر عدت نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک نکاح کیا ہوا تھا جس کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی ہے میں نے دوسرا نکاح بھی کرلیا تھا لیکن جب ان کے گھر والوں کو معلوم ہوا تو ان لوگوں نے ڈرایا اور دھمکایا جس کی وجہ سے میں نے جلد بازی اور گھبراہٹ میں ایک سانس میں کہا کہ ''میں نے اُسے طلاق دی طلاق دی طلاق دی''۔اس وقت اس لڑکی کا بھائی اور تین اور افراد موجود تھے۔مجھے براہ مہربانی شرعی رُو سے بتائیں کہ کیا میں اُسے اپنے عقد میں رکھ سکتا ہوں؟ میں نے نکاح کے بعد اس لڑکی سے خلوت نہیں کی جس کی وجہ سے جیسی تھی ویسی ہی ہے۔اگر طلاق ہوگئی ہے تو کیا میں دوبارہ اس سے تجدید نکاح کروں یا طلاق نہیں ہوئی یا اس لڑکی کو عدت گزارنی ہوگی یا حلالہ کرنا پڑے گا؟ اور میرے پہلے نکاح پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا؟ براہ مہربانی شرعی حکم سے آگاہ کیا جائے تاکہ میں گناہ سے اپنے آپ کو بچا سکوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب آپ نے اپنی بیوی کو کہا کہ میں نے اسے طلاق دی تو آپ کی بیوی پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی، لہٰذا اب بغیر تجدید نکاح کے ان کو اپنے عقد میں برقرار رکھنا جائز نہیں نیز مذکورہ لڑکی پر عدت لازم نہیں۔

لمافی الولوالجیة (۲/۲۳): اذا طلق امرأته ولم یدخل بها، فلا عدة علیها، ولا تحل له إلا بنكاح جدید لأن الملك قد سقط ولو قال لها: أنت طالق طالق طالق بانت بالأولى لأن الأول وقع منجزاً فلا یقع الثانی إلا إذا كانت مدخولا بها۔

وفی الشامیة (۳/۲۸۶): قوله (وإن فرق بوصف) نحو أنت طالق واحدة وواحدة وواحدة أو خبر نحو أنت طالق طالق طالق أو أجمل نحو أنت طالق أنت طالق أنت طالق ح ومثله في شرح الملتقى ـــ قوله (بانت بالأولى) أي قبل الفراغ من الكلام الثاني عند أبي یوسف۔

باب في إقرار الطلاق والإخبار والإنشاء

(طلاق کا اقرار، اخبار اور انشاء طلاق کا بیان)

(۳۰۷) طلاق کی خبر دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دی ہیں اور اس بات کا اقرار میں نے ایک دو بار اپنے تمام رشتہ داروں کے سامنے بھی ان کے پوچھنے پر کیا تھا۔ جب لڑکی والوں کے سامنے بھی کیا تو وہ کہنے لگے کہ تمہاری بیوی پر تو اب تین طلاقیں ہوگئیں، دو پہلے اور ابھی بھی تم نے طلاق کے الفاظ دہرائے لہٰذا اب تمہارا اپنی بیوی سے رجوع نہیں ہوسکتا۔ مفتی صاحب اب میں بہت پریشان ہوں، آپ مجھ کو اس مسئلہ کا حل بتادیں میرے لئے رجوع کی گنجائش ہے یا نہیں؟ کیونکہ ابھی میری بیوی کی عدت باقی ہے اور وہ بھی میرے پاس دوبارہ آنا چاہتی ہے۔ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......فقہاء کرام نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ کوئی شخص اگر اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق دیتا ہے اور پھر وہ کسی کے پوچھنے پر اسے بتاتا ہے کہ ''میں نے اپنی بیوی کو اتنی طلاقیں دی ہیں'' تو اس سے مزید طلاق واقع نہیں ہوتی لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر دو طلاق واقع ہونے کے بعد اس طلاق کے بارے میں لوگوں کو خبر دینے یا اس کے اقرار کرنے سے دیگر طلاق واقع نہیں ہوئیں آپ بغیر حلالہ شرعیہ کے رجوع کرسکتے ہیں البتہ اب آپ کو صرف ایک طلاق کا حق باقی ہے۔

لمافي الهندية (۳۵۵/۱): ولو قال لامرأته أنت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها أو قال قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء كذا في البدائع۔

وفي الدرالمختار (۲۴۹/۳): ولو قيل له طلقت امرأتك فقال نعم أو بلى بالهجاء طلقت بحر (واحدة رجعية)۔

وفي الشامية: (قوله رجعية) أي عند عدم ما يجعل بائنا۔

(۳۰۸) طلاق کی خبر دینے سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ طلاق کی خبر دینے سے طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟ کتب فقہ

سے معلوم ہوتا ہے کہ جب استخبار ہو یعنی پوچھا جائے "ما قلت"؟ آپ نے کیا کہا اور اس کے جواب میں وہ بتائیں کہ میں نے طلاق دیدی ہے تو یہ اخبار ہوگا اور قضاء فقط ایک طلاق کا حکم لگے گا لیکن اگر بغیر استخبار کے اخبار کیا تو دیانۃً تو تصدیق ہوگی اور ایک واقع ہوگی لیکن قضاء تصدیق نہیں ہوگی بلکہ دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی، ایک پہلے دی تھی اور ایک اس اخبار سے واقع ہوگی۔ مفتی صاحب مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص بغیر استخبار کے اخبار کر رہا ہے اور وہ دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے کر آرہا ہوں اور اس کی نیت اخبار کی ہے یا حالات دال ہیں کہ یہ اخبار کر رہا ہے تو پھر قضاء عدم تصدیق اس کے حق میں ظلم نہ ہوگا؟ از راہ کرم مسئلے کی مفصل تنقیح فرمادیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب...... اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے استخبار کیا جائے کہ تو نے اپنی بیوی کو کیا کہا اور اس کے جواب میں وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے تو اس صورت میں اُس کے کلام کو قرینۂ استخبار کی وجہ سے اخبار سمجھا جائے گا اور اس کی بیوی کو دوسری طلاق نہیں ہوگی اور اگر کسی شخص نے بغیر استخبار کے خود ہی خبر دی تو اس صورت میں اس کے الفاظ سے دوسری طلاق واقع ہوگی اور خاوند کی اس میں قضاءً تصدیق نہیں کی جائے گی، البتہ چونکہ الفاظ میں صیغۂ اخبار ہے تو اس وجہ سے صرف دیانتاً فیما بینہ و بین اللہ خاوند کی تصدیق کی جائے گی۔

لیکن اگر کسی جگہ پر قرینۂ مقالیہ تو نہ پایا جا رہا ہو بلکہ استخبار کا قرینۂ حالیہ پایا جا رہا ہو تو وہاں بھی خاوند کی قضاءً تصدیق کی جائے گی اور خاوند کے ان الفاظ سے دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی، بلکہ قرینۂ حالیہ کو استخبار سمجھا جائے گا اور اس کے کلام کو جواب کے قائم مقام بنایا جائے گا مثلاً میاں بیوی کا آپس میں جھگڑا ہو رہا ہو اور باہر کے لوگوں کو معلوم ہو کہ اُن میاں بیوی کی آپس میں لڑائی ہو رہی ہے اور اس صورت میں خاوند گھر سے باہر آکر، باہر بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہتا ہے کہ میں نے تو اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس صورت میں اس قرینۂ حالیہ کو استخبار سمجھا جائے گا اور عورت کو دوسری طلاق نہیں پڑے گی۔

البتہ اگر کسی جگہ پر کوئی قرینۂ حالیہ و مقالیہ نہ پایا جا رہا ہو اور پھر خاوند یہ کہہ دیتا ہے کہ "میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی" تو اس صورت میں قضاء دوسری طلاق واقع ہو جائے گی مثلاً آپس میں کچھ لوگ بیٹھ کر باتیں کر رہے ہوں اور کوئی مذاکرۂ طلاق نہ ہو اور نہ کوئی مقام و کلام اس بارے میں ہو اور پھر خاوند بغیر قرینہ حالیہ و مقالیہ کے کہہ دے کہ "میں نے تو اپنی بیوی کو طلاق دیدی" تو اس صورت میں اس کی بیوی کو دوسری طلاق واقع ہو جائے گی اور خاوند کی قضاءً اس میں کوئی تصدیق نہیں کی جائے گی فقط دیانتاً فیما بینہ و بین اللہ اس کی تصدیق کی جائے گی۔

لمافي المحيط البرهاني (۳۹۳/۴) فيما يرجع الى صريح الطلاق: ولو قال لها: أنت طالق طالق أو قال: طلقتك طلقتك، أو قال: أنت طالق قد طلقتك، ثم قال عنيت الأولى دين فيما بينه وبين الله تعالى ولم يدين في القضاء --- ولو قال لها: أنت طالق فقال له رجل: ما قلت فقال طلقتها قال: أو قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء لأن قوله في المرة الثانية خرج جواباً فيكون إخباراً عن الإيقاع الأول ليتحقق جواباً بخلاف المسألة المتقدمة لأن قوله في المرة الثانية

خرج على سبيل الابتداء فكان إيقاعاً۔

وفي البدائع (٢٢٣/٢): ولو قال لها أنت طالق طالق أو قال أنت طالق أنت طالق أو قال قد طلقتك قد طلقتك أو قال أنت طالق قد طلقتك يقع ثنتان إذا كانت المرأة مدخولا بها لأنه ذكر جملتين كل واحدة منهما إيقاع تام لكونه مبتدأ وخبرا والمحل قابل للوقوع ولو قال عنيت بالثاني الإخبار عن الأول لم يصدق في القضاء لأن هذه الألفاظ في عرف اللغة والشرع تستعمل في إنشاء الطلاق فصرفها إلى الإخبار يكون عدولا عن الظاهر فلا يصدق في الحكم المدعو ويصدق فيما بينه وبين الله تعالى لأن صيغتها صيغة الإخبار ولو قال لامرأته أنت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها أو قال قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء لأن كلامه انصرف إلى الإخبار بقرينة الاستخبار۔

وفي الولوالجية (١١/٢): ولو قال رجل لامرأته وقد دخل بها: أنت طالق، أنت طالق وقال: عنيت الأول صدق فيما بينه و بين الله تعالى، وأما في القضاء فهما تطليقتان، لأنه لما عنى بالثاني الاخبار وهو ايقاع من حيث الظاهر فقد ادعى خلاف الظاهر لكنه محتمل، فيصدق فيما بينه و بين الله تعالى ولا يصدق في القضاء۔

وفي الدرالمختار (٢٤٧/٣) باب الصريح: (صريحه ما لم يستعمل إلا فيه) ولو بالفارسية (كطلقتك وأنت طالق ومطلقة) بالتشديد قيد بخطابها، لأنه لو قال: إن خرجت يقع الطلاق أو لا تخرجي إلا بإذني فإني حلفت بالطلاق فخرجت لم يقع لتركه الإضافة إليها (ويقع بها) أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح ، ويدخل نحو طلاغ وتلاغ وطلاك وتلاك أو " ط ل ق " أو " طلاق باش " بلا فرق بين عالم وجاهل ، وإن قال تعمدته تخويفا لم يصدق قضاء إلا إذا أشهد عليه قبله وبه يفتى۔

وفي الرد تحته: (قوله ما لم يستعمل إلا فيه) أي غالبا كما يفيده كلام البحر وعرفه في التحرير بما يثبت حكمه الشرعي بلا نية ، وأراد بها اللفظ أو ما يقوم مقامه من الكتابة المستبينة أو الإشارة المفهومة فلا يقع بإلقاء ثلاثة أحجار إليها أو بأمرها بحلق شعرها وإن اعتقد الإلقاء والحلق طلاقا كما قدمناه لأن ركن الطلاق اللفظ أو ما يقوم مقامه مما ذكر كما مر (قوله ولو بالفارسية) فما لا يستعمل فيها إلا في الطلاق فهو صريح يقع بلا نية، وما استعمل فيها استعمال الطلاق وغيره فحكمه حكم كنايات العربية في جميع الأحكام بحر۔

(۳۰۹) سالے کو فون پر کہنا "میں نے تین طلاقیں دیں"

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا گھریلو مسائل کی وجہ سے، اس کی بیوی میکے چلی گئی دو دن گزرنے پر بغیر اجازت میکے گئی ہوئی بیوی جب واپس نہ آئی تو شوہر کو بڑا غصہ آیا اس نے سسرال فون کیا، سالے نے فون اٹھایا اس نے فوراً کہا "میں نے تین طلاقیں دیں" یہ کہا اور لائن کاٹ دی۔ بعد میں اس سے پوچھا جا رہا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میری مراد بیوی کو طلاق دینا نہ تھی۔ وہ طلاق کا انکاری ہے۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ جاری فرمائیں، کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر نے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ یہ ہے "میں نے تین طلاقیں دیں" اس لفظ میں صراحۃً یا دلالۃً کسی بھی طور پر بیوی کی طرف نسبت موجود نہیں اس لئے ان الفاظ سے طلاق کے وقوع کا مدار شوہر کی نیت پر ہوگا البتہ دلالتِ حال کی بناء پر وقوعِ طلاق کا حکم لگے گا۔ شوہر نے چونکہ جھگڑے کے دو دن بعد فون کر کے اپنے سسرال میں یہ الفاظ کہے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کی نیت بیوی کو طلاق دینے کی ہی تھی لہٰذا شوہر اللہ کو حاضر وناظر اور آخرت کے حساب کو مدنظر رکھتے ہوئے بتائے کہ ان الفاظ کے کہتے وقت اس کی مراد بیوی تھی یا نہیں؟ اگر شوہر اس بات کا انکار کرتا ہے کہ میری مراد بیوی نہ تھی تو طلاق واقع نہ ہوگی وگرنہ طلاق کے وقوع کا حکم لگے گا۔ نیز اس مسئلے میں دیگر مفتیانِ کرام سے بھی رجوع کر لیا جائے۔

لما فی الخانیة (۲۱۵/۱): رجل قال لامرأته في الغضب ارتوزن من سه طلاق وحذف الياء لا تطلق امرأته لأنه ما أضاف الطلاق إليها۔

وفی الهندية (۳۵۸/۱): رجل قال طلقت امرأة او قال امرأة طالق ثم قال لم أعن امرأتي يصدق۔

وفيه أيضا (۳۶۰/۱): ولو أضاف الطلاق إلى جملتها أو إلى ما يعبر به عن الجملة وقع الطلاق وذلك مثل أن يقول أنت طالق أو يقول رقبتك طالق أو عنقك طالق۔

(۳۱۰) جھوٹی خبر دینے سے طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص فوج میں ملازم ہے اس کو پیسوں کی ضرورت تھی تو اس نے ادارے میں بتایا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور میں نئی شادی کرنا چاہتا ہوں مجھے مزید پیسوں کی ضرورت ہے۔ کیا اس صورت میں اس شخص کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جب آدمی نے صراحتاً یہ کہہ دیا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے تو اس کے کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اگرچہ جھوٹ ہی کیوں نہ بولا ہو۔ صورت مسئولہ میں اس کی بیوی کو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے اگر عدت باقی ہے تو اس کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، عدت گزرنے کے بعد تجدید نکاح ضروری ہے۔

لما فی خلاصة الفتاوی(۷۵/۲): وفی الأصل إذا قال طلقتك أمس وهو كاذب كان طلاقاً فی القضاء۔

وفی الدر المختار (۲۳۵/۳): (ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل)---- (ولو عبدا أو مکرها) ---- (أو هازلا) لا یقصد حقیقة کلامه۔

وفی الردتحته: ولو أقر بالطلاق كاذبا أو هازلا وقع قضاء لا دیانة اه ---(۲۳۸/۳): ثم نقل عن البزازیة والقنیة لو أراد به الخبر عن الماضي كذبا لا یقع دیانة وإن أشهد قبل ذلك لا یقع قضاء أیضا اه۔

(۳۱۱) دوطلاقوں کے بعد"میں اسے چھوڑ چکا ہوں" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں بہت مشکل کا شکار ہوں، مجھے شرعی لحاظ سے مدداور راہنمائی درکار ہے میں نے اپنی بیوی کو پانچ مہینے پہلے ایک دفعہ کہا تھا میں تمہیں طلاق دیتا ہوں اس کے بعد ہماری صلح ہوگئی تھی میں کافی بیمار بھی رہا ہوں کیونکہ بیماری ہی ایسی ڈاکٹروں نے تجویز کردی تھی، میرا ذہن بالکل کام کردینا چھوڑ دیتا ہے۔ابھی پچھلے دنوں میں نے غصے میں پھرایک دفعہ کہا ہے کہ میں تم کوطلاق دیتا ہوں، میری بیوی اپنے گھر چلی گئی اور میرے بڑوں نے ایک دودن گزرنے کے بعد مجھے بتھایا کہ اُسے آپ واپس لے آؤ،لیکن کیونکہ میرے سسرال والوں نے کوئی رابطہ نہیں کیا کہ کیاوجہ ہوئی تھی تم دونوں کی لڑائی ہوئی نہ مجھ سے پوچھالہذا میں اسے نہیں لایا۔

میرے ذہن میں یہ تھا کہ میں بیوی کو لے آؤں گا جب یہ لوگ میرے زیادہ پیچھے پڑیں گے کیونکہ آپس میں ہم لوگ رشتہ دار ہی ہیں اس لئے میں نے سب کے سامنے تا کہ اُن کے گھرتک یہ بات پہنچ جائے میرے دل میں تیسری طلاق کی بات نہیں تھی لیکن میں نے اپنے گھر والوں کو یہ کہا کہ میں تو اس کو چھوڑ چکا ہوں، تا کہ یہ بات میرے ماموں کے گھر تک پہنچ جائے اور ایسا ہی ہوا کہ اُن لوگوں نے اس بات کے فوراًبعد ہی مجھ سے رابطہ کیا، میری بیوی بھی اس کی گواہ ہے کہ میں دودفعہ کہہ چکا ہوں لیکن میرے گھر والے اب اس بات پر ڈٹے ہیں کہ تم نے ہمارے سامنے کہا تھا کہ تم چھوڑ چکے ہو، لیکن میرا اللہ جانتا ہے کہ میں نے تیسری طلاق کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا، آپ سے مہربانی کے ساتھ گزارش ہے کہ شرعی لحاظ سے میری راہنمائی فرمائیں اور میرے اور میرے گھر کیلئے دعافرمائیں اور میری دوبیٹیاں ہیں، ایک گیارہ ماہ کی بیٹی ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورتِ مسئولہ میں برتقدیرِ صحت واقعہ پہلی مرتبہ ایک طلاق صریح دینے سے طلاق رجعی واقع ہوگئی۔اسی طرح دوسری مرتبہ ایک اور طلاق دینے سے دوسری طلاق بھی واقع ہوگئی اور طلاق صریح سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، دوران عدت بغیر نکاحِ جدید کے شوہر رجوع کرسکتا ہے اور تیسری مرتبہ کسی کو جواب دینے کیلئے یہ کہنا کہ "میں اسے چھوڑ چکا ہوں" یا" طلاق دے چکا ہوں" اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ یہ طلاقِ جدید کا انشاء نہیں بلکہ طلاقِ سابق کی خبر دینا ہے اور اگر کسی نے سوال

نہ کیا ہو بلکہ شوہر خود ہی خبر دے تو قضاء طلاق واقع ہو جاتی ہے البتہ دیانۃً اگر اس کی نیت اخبار کی ہو تو فیما بینہ وبین اللہ طلاق نہیں ہوتی اور نکاح برقرار رہتا ہے۔

آپ سے چونکہ کسی نے کچھ پوچھا نہیں بلکہ آپ نے خود خبر دی ہے البتہ آپ کے الفاظ بظاہر خبر دینے کے ہیں لہٰذا قضاءً تو طلاق کا وقوع ہوگا لیکن دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ اگر آپ کی طلاق دینے کی نیت نہ تھی تو طلاق واقع نہ ہوگی جیسا کہ آپ نے ذکر بھی کیا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں شوہر کا گھر والوں کے سامنے خبر دینے کی نیت سے یہ کہنا کہ ''میں بیوی کو چھوڑ چکا ہوں''، اس سے [نیت اخبار کی وجہ سے] دیانۃً تیسری طلاق واقع نہیں ہوئی نیز شوہر کے پاس صرف ایک طلاق کا اختیار باقی ہے۔

لمافی المحیط البرھانی (۳۹۳/۴): ولو قال لها: أنت طالق فقال له رجل: ما قلت؟ فقال طلقتها قال: أو قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء لأن قوله في المرة الثانية خرج جواباً فيكون إخباراً عن الإيقاع الأول ليتحقق جواباً۔

وفی الخانیة (۲۰۸/۱): ولو قال أنت طالق فقال له رجل أو امرأة ماذا قلت فقال: قد طلقتهاأو قلت: هی طالق يقع واحدة فی القضاء وفيما بينه و بين الله تعالیٰ۔

فصل فی الشهادۃ علی الطلاق

(طلاق میں گواہی کا بیان)

(۳۱۲) شوہر طلاق نامے سے انکار کرے تو بیوی کو دو گواہ لانا ضروری ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری شادی ۲۰۰۰ء میں مسماۃ بشریٰ طاہر سے ہوئی تھی۔ شادی کے بعد سے اب تک میری بیوی میرے ساتھ رہتی تھی۔ ان آٹھ سالوں میں ہم دونوں میاں بیوی میں گھریلو جھگڑے ہوئے جو کہ عام طور کے ہوتے ہیں۔ ابھی پچھلے رمضان المبارک میں میرا میری بیوی سے معمولی جھگڑا ہوگیا اور میری اہلیہ ناراض ہوکر اپنے میکے چلی گئیں۔ جانے کے بعد انہوں نے مجھ سے فون پر کہا کہ میں تم سے طلاق چاہتی ہوں اور میں نے خلع کے کاغذات بنوالئے ہیں بس آپ کے دستخط کی ضرورت ہے۔ میں نے اپنی اہلیہ کو بہت سمجھایا کہ ایسا نہ کرو لیکن وہ بہت غصہ میں تھیں اور اسی غصہ میں ۱۵/ اکتوبر کو میری اہلیہ طلاق/خلع کے کاغذات بنوا کر لائیں اور مجھ سے زبردستی کاغذات پر دستخط کروالئے اور یہ دستخط گھر سے باہر کسی دکان پر کھڑے ہوکر کرائے گئے، اس وقت میں نے نہ تو کاغذات کو پڑھا اور نہ ہی مجھے معلوم تھا کہ اس پر خلع لکھا ہے یا طلاق جبکہ میری طرف سے کسی قسم کا کوئی طلاق کا دباؤ نہیں تھا بس میری بیوی کا اصرار تھا کہ ابھی مجھے دستخط کر کے دیدو۔ اس وقت میرے ساتھ میرا ایک کزن بھی تھا جو کہ گواہ ہے۔

میں نے دو دفعہ اپنی بیوی کے کہنے پر زبانی بھی طلاق کے الفاظ دہرائے۔ اس وقت میری بیوی بھی بہت غصہ میں تھیں اور میں نہایت ڈپریشن میں تھا مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے کیونکہ میری بیوی نے مجھے میری کوئی بڑی غلطی نہیں بتائی تھی۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنی بیوی سے دوبارہ رجوع کرلوں آپ سے التماس ہے کہ اس معاملے پر فتویٰ جاری کردیں کہ آیا یہ طلاق ہوگئی ہے یا نہیں اگر ہوگئی ہے تو کیا ہم حلالہ یا دوبارہ نکاح کر کے زندگی بسر کرسکتے ہیں؟ میرا ایک آٹھ سال کا بیٹا بھی ہے۔ اب میری بیوی کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے لیکن وہ شرعی حیثیت سے نکاح یا حلالہ کرنا چاہتی ہیں۔ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر طلاق نامہ شوہر کا تحریر کردہ ہو یا شوہر نے کسی دوسرے شخص سے تحریر کروایا ہو لیکن شوہر اس کا انکار کرتا ہو تو ایسی صورت میں زوجہ دو گواہ قائم کرے جو گواہی دیں کہ یہ طلاق نامہ شوہر کا تحریر کردہ ہے یا اس نے کسی دوسرے شخص سے تحریر کروایا ہے تو اس صورت میں گواہوں کی گواہی کے بعد طلاق واقع ہوجاتی ہے [اصلاً اگرچہ طلاق کا وقوع اسی وقت ہوجاتا ہے

جب شوہر طلاقنامہ لکھتا ہے لیکن شوہر کے انکار کی وجہ سے بیوی کے حق میں طلاق اسی وقت واقع ہوگی جب بیوی اس پر دو گواہ لائے]

اور اگر طلاق نامہ شوہر کا تحریر کردہ نہ ہو اور نہ ہی کسی دوسرے شخص سے تحریر کروایا ہو نیز زوجہ کے پاس گواہ بھی نہ ہوں اور شوہر کا یہ دعویٰ بھی ہو کہ طلاق نامہ نہ تو اس نے پڑھا ہے اور نہ ہی اسے طلاق نامہ کا کوئی علم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے تو محض دستخط کر دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں برتقدیرِ صحتِ واقعہ آپ کا یہ کہنا کہ (اس وقت میں نے نہ تو کاغذات کو پڑھا اور نہ ہی مجھے معلوم تھا کہ اس پر خلع لکھا ہے یا طلاق) اس کے مطابق محض دستخط کر دینے سے طلاق واقع نہیں ہوئی، البتہ چونکہ آپ نے دو مرتبہ زبان سے بھی طلاق کے الفاظ کہے ہیں اس لئے آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں لہٰذا آپ عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجوع کر سکتے ہیں اور عدت گزرنے کے بعد آپ کو تجدید نکاح کرنا ہوگا اور آپ کے پاس صرف ایک طلاق کا حق باقی ہے۔

لمافی الدرالمختار(۴۰۹/۳): (وينكح) مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع ---

(لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذكما سنحققه (بها) أي بالثلاث --- (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا) يجامع مثله۔

وفی الشامية (۲۴۶/۳): ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه أو قال للرجل ابعث به إليها أو قال له اكتب نسخة وابعث بها إليها وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اھ ملخصا۔

(۳۱۳) طلاق کا ایک گواہ بہرہ ہونے کی صورت میں طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے نکاح کیا دو گواہوں کے سامنے ان میں سے ایک بہرا ہے سنتا نہیں آیا نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اسی طرح ایک آدمی نے طلاق دی دو آدمیوں کے سامنے، ان میں سے ایک بہرا ہے آیا طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نکاح میں گواہوں کے لئے عاقدین کے کلام کا سننا ضروری ہے، اس لئے دو گواہوں میں سے اگر ایک بہرا ہے تو نکاح منعقد نہیں ہوا اور طلاق کے وقوع کیلئے کسی بھی شخص کا طلاق کے الفاظ سننا ضروری نہیں، شوہر کے الفاظِ طلاق بولتے ہی طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا اگر دو گواہ جن میں سے ایک بہرا ہو کے سامنے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی چنانچہ صرف ''تجھے طلاق دی'' یا اس جیسے دوسرے الفاظ جو رفع قید پر دال ہوں زبان پر لانے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

البتہ اگر یہ دونوں عدالت میں جا کر گواہی دیں گے تو بہرے کی گواہی کا اعتبار نہ ہوگا یعنی طلاق کے وقوع کے لئے گواہ ضروری نہیں البتہ اختلاف کی صورت میں طلاق کے اثبات کیلئے گواہ ہونے چاہئیں اور ان کا بہرہ ہونا ان کی گواہی کو ساقط کردے گا۔

لمافی الهندية (۲۶۸/۱): وتكلموا في الأصمين اللذين لا يسمعان والصحيح أنه لا ينعقد كذا في شرح الجامع الصغير لقاضي خان --- ولو كان بحضرة الرجلين وأحدهما أصم فسمع السميع دون الأصم فصاح السميع أو رجل آخر في أذن الأصم لا يجوز حتى يكون سماعهما معا كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفي الهندية أيضاً (۳۴۸/۱): وأما ركنه فقوله أنت طالق ونحوه كذا في الكافي۔

وفي الشامية (۲۲/۳): قوله (سامعين قولهما معا) فلا ينعقد بحضرة النائمين والأصمين وهو قول العامة۔

وفيه أيضا (۲۲۶/۳): وشرعا (رفع قيد النكاح في الحال) بالبائن (أو المآل) بالرجعي (بلفظ مخصوص) هو ما اشتمل على الطلاق۔

وفي الرد تحته: قوله (هو ما اشتمل على الطلاق) أي على مادة ط ل ق صريحا مثل أنت طالق أو كناية كمطلقة بالتخفيف۔

(۳۱۴) دو آدمیوں کے سامنے طلاق دینے کے بعد انکارِ طلاق کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے بیوی کی غیر موجودگی میں دو آدمیوں کے سامنے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دی ہیں لیکن اب وہ انکار کررہا ہے کہ میں نے کوئی طلاق نہیں دی؟ اس کے انکار کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب...... صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص نے دو بندوں کی موجودگی میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، ان دو میں سے کوئی ایک بھی اگر (بشرطیکہ عادل ہو) بیوی کو آکر طلاق کی خبر دے دیتا ہے تو بیوی کے حق میں بہر حال طلاق واقع ہوجائے گی اور بیوی کیلئے اپنے اوپر شوہر کو قدرت دینا جائز نہ رہے گا نیز اگر میاں، بیوی کا طلاق کے وقوع میں اختلاف ہوجائے تو یہ دونوں اشخاص بطورِ گواہ عدالت میں بیوی کی طرف سے اثباتِ طلاق کے گواہ بھی بن سکتے ہیں ان کی گواہی پر عدالت وقوعِ طلاق کا حکم جاری کردے گی لہٰذا صورت مسئولہ میں وہ دونوں اشخاص اگر عادل ہوں اور وہ بیوی کو طلاق کے بارے میں بتاتے ہیں تو شرعاً بیوی کے حق میں تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔

لمافي الهندية (۴۵۱/۳): ومنها الشهادة بغير الحدود والقصاص وما يطلع عليه الرجال وشرط فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين سواء كان الحق مالا أو غير مال كالنكاح والطلاق والعتاق

والوکالة والوصایة ونحو ذلك مما لیس بمال کذا في التبیین۔

وفی الشامیة (۳/۲۵۱): والمرأة کالقاضي إذا سمعته أو اخبرها عدل لا یحل لها تمکینه۔

(۳۱۵) بیوی اور گواہوں میں تعدادِ طلاق میں اختلاف کا حکم

سوال......مفتی صاحب! درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) ایک شخص نے جھگڑے کے دوران اپنی بیوی کو طلاق دی۔ جب اس شخص سے تقریباً ۱۵۰ افراد کی موجودگی میں وضو کرا کے قرآن پاک کو ہاتھ میں اٹھا کر تصدیق چاہی گئی تو اس شخص نے باہوش وحواس یہ بیان کیا کہ میں نے صرف دو مرتبہ طلاق کے الفاظ ادا کئے تھے نہ کہ تین مرتبہ۔

جب لڑکی سے تمام افراد کی موجودگی میں قرآن پاک کو ہاتھ میں لینے کیلئے کہا گیا تو لڑکی نے یہ عذر پیش کیا کہ میں حیض سے ہوں لہٰذا قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتی ہوں۔ اس لڑکی کے الفاظ باہوش وحواس یہ ہیں کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں۔ یہ بیان تقریباً دس افراد کی موجودگی میں دیا۔ اس کے بعد اس موقع پر موجود افراد کے بیانات درج ذیل ہیں، جو جھگڑے کے موقع پر موجود تھے:

(۱) فردِ اول بالغ مسلم باہوش وحواس حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میری موجودگی میں لڑکے نے صرف دو طلاقیں دی ہیں۔ یہ شخص جھگڑا شروع ہونے سے اختتام تک وہاں موجود تھا۔

(۲) خاتون، مسلم، بالغہ باہوش وحواس حلفیہ بیان دیا کہ میں جھگڑا شروع ہونے سے اختتام تک موجود تھی لڑکے نے صرف دو مرتبہ طلاق کے الفاظ ادا کئے ہیں۔

(۳) خاتون، مسلم، بالغہ باہوش وحواس حلفیہ بیان دیا کہ میں جھگڑا شروع ہونے سے اختتام تک موجود تھی یہ کہ لڑکے نے صرف دو مرتبہ طلاق کے الفاظ ادا کئے۔

(۴) خاتون، مسلم، بالغہ، باہوش وحواس حلفیہ بیان دیا کہ میں جھگڑے کے شروع ہونے سے اختتام تک وہاں موجود تھی لڑکے نے صرف دو مرتبہ طلاق کے الفاظ ادا کئے ہیں۔ محترم مفتی صاحب! یہ بیانات کئی افراد کی موجودگی میں دیئے گئے ہیں۔ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

(۱) کیا طلاق واقع ہوگئی ہیں؟

(۲) اگر نہیں تو یہ دونوں میاں بیوی کس قسم کا کفارہ ادا کریں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں چونکہ عورت تین طلاق کا دعویٰ کر رہی ہے اور اس کے پاس گواہ موجود نہیں جبکہ شوہر تین طلاق کا انکار کر رہا ہے لہٰذا قضاءً تو شوہر کی بات مع الیمین معتبر ہوگی البتہ چونکہ بیوی کو تین طلاقیں سننے کا یقین ہے لہٰذا اس کے

حق میں تین طلاقوں کا وقوع ہو چکا ہے اب اس کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں کسی بھی طرح وہ علیحدگی اختیار کرے بغیر حلالہ شرعیہ کے اب ان دونوں کا دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا۔

لمافی الهداية (۲/۴۰۵): باب الرجعة: وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض لقوله تعالى { فأمسكوهن بمعروف }۔

وفی الدرالمختار (۵/۴۶۵):(و) نصابها (لغيرها من الحقوق سواء كان) الحق (مالا أو غيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال صبي) ولو (للإرث رجلان) إلا في حوادث صبيان المكتب فإنه يقبل فيها شهادة المعلم منفردا قهستاني عن التجنيس (أو رجل وامرأتان)۔

(۳۱۶) ایک شخص کی گواہی سے طلاق کا وقوع

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک شادی شدہ عورت ہوں میرے شوہر بھی بڑے اچھے ہیں۔ہم ایک دوسرے کے ساتھ بڑی خوشگوار زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن گزشتہ ہفتے سے ہماری ہنستی مسکراتی زندگی کو شاید کسی کی نظر لگ گئی ہے۔مسئلہ آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ گزشتہ ہفتے سوموار کی رات جب میں اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔تقریباًرات ڈیڑھ بجے کا وقت ہوگا، میرے شوہر سو رہے تھے اسی سونے کی حالت میں وہ بول رہے تھے ان کے الفاظ یہ تھے کہ" زینب بی بی میں نے تمہیں طلاق دینے کے بعد بھی ظہیر کے کہنے سے اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے مجھے معاف کر دو" جب میں نے صبح کو اپنے شوہر کو ان کے سونے کی حالت میں کہے ہوئے الفاظ بتائے تو وہ بھی بہت پریشان ہوئے اور لاعلمی کا اظہار کیا اور حلف بھی اٹھایا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔

ظہیر میرے شوہر کا کزن اور اچھا دوست ہے۔جب میں نے کہا کہ اس سے بھی میرے سامنے پوچھو تو پہلے تو میرے شوہر نے مجھے سمجھایا کہ وہ میری نیند میں کہے ہوئے الفاظ تھے لیکن جب میں نے اصرار کیا اور ٹیلی فون پر ظہیر کو گھر بلوایا اور آنے پر سارے واقعے کی اس کو اطلاع دی تو پہلے تو وہ ٹالنے لگا کہ بھابھی آپ خواہ مخواہ ایک نیند میں کہے ہوئے الفاظ سے وہم میں مبتلا ہوگئی ہیں لیکن جب میں نے اس سے کہا کہ وہ حلف اٹھا کر اس بات سے لاعلمی کا اظہار کرے تو وہ حلف اٹھانے پر رضامند نہیں ہوا بلکہ کہنے لگا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ ایک سال قبل بھائی صاحب میرے پاس آئے تھے اور کہا تھا کہ میں زینب بی بی کو ایک طلاق دے چکا ہوں میرے کافی سمجھانے پر وہ آپ کے ساتھ رہنے پر رضامند ہوئے، اب اس بات کو میرے سوا کوئی اور نہیں جانتا لیکن جب آج آپ نے حلف اٹھانے کو کہا تو میں نے سچ سچ آپ کو بتا دیا۔

مفتی صاحب لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میرے شوہر اس کے انکاری ہیں اور وہ حلف اٹھا کر کہتے ہیں کہ مجھے کچھ علم نہیں۔ یاد رہے میرے شوہر صوم وصلاۃ کے پابند ہیں جھوٹ کبھی نہیں بولتے اور ظہیر کو بھی میں نے کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا، اب آپ بتائیں میں کیا کروں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ مجھے کتنی مرتبہ طلاق دی، ظہیر کہتا ہے بھائی صاحب نے ایک مرتبہ طلاق دینے کا کہا تھا۔اب آپ جلد از

جلد کوئی شرعی حل تجویز فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ایک گواہی سے قضاء طلاق واقع نہیں ہوتی اور آپ کے شوہر انکار کر رہے ہیں کہ مجھے اس کا علم نہیں نیز آپ نے خود طلاق کے الفاظ نہیں سنے ہیں، البتہ ایک عادل شخص اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ آپ کے شوہر نے ایک طلاق دی ہے تو دیانۃً آپ کے حق میں ایک طلاق واقع ہوگئی تھی البتہ اس کے بعد رجوع کی گنجائش تھی جو ساتھ رہنے کی وجہ سے خود ہی ہوگیا لہذا آپ دونوں کا ایک ساتھ رہنا درست ہے البتہ آپ سب حضرات آئندہ احتیاط سے کام لیں۔

لمافی الهندية(۳/۴۵۱):ومنها الشهادة بغير الحدود والقصاص وما يطلع عليه الرجال وشرط فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين سواء كان الحق مالا أو غير مال كالنكاح والطلاق والعتاق والوكالة والوصاية ونحو ذلك مما ليس بمال كذا في التبيين۔

وفی الشامية (۵/۴۶۵): الحق (مالا أو غيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال صبي) ولو (للإرث رجلان) إلا في حوادث صبيان المكتب فإنه يقبل فيهاشهادةالمعلم منفردا قهستاني عن التجنيس (أو رجل وامرأتان) ولا يفرق بينهما { فتذكر إحداهما الأخرى } ولا تقبل شهادة أربع بلا رجل لئلا يكثر خروجهن۔

فصل فی الإكراه علی الطلاق

(طلاق میں اکراہ کا بیان)

(۳۱۷) مکرہ (جبراً طلاق دینے والے) کی طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر ایک شخص پستول کسی شخص کی پیشانی پر رکھ کر کہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دو وہ شخص اس اکراہ کی حالت میں اپنی بیوی کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہے اس کو تین طلاق۔ ایسی حالت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ جبکہ یہ ہرگز طلاق پر راضی نہیں تھا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی اگرچہ اس کی رضا نہ تھی اس لئے کہ طلاق میں رضا شرط نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاک ارشاد ہے:

" ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ "[ترمذی] یعنی تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر مزاح میں بھی کی جائیں تو ان کا حکم ثابت ہوجاتا ہے چاہے رضا ہو یا نہ ہو، ایک نکاح، دوسری طلاق، تیسری طلاق رجعی کے بعد رجوع۔

لمافی الهندية (۳۵/۵): والأصل أن تصرفات المكره كلها قولاً منعقدة عندنا إلا أن ما يحتمل الفسخ منه كالبيع والإجارة يفسخ وما لا يحتمل الفسخ منه كالطلاق والعتاق والنكاح والتدبير والاستيلاد والنذر فهو لازم كذا في الكافي۔

وفی الدرالمختار(۲۳۵/۳) :(ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل) ۔۔۔ (ولو عبدا أو مكرها) فإن طلاقه صحيح۔

وفی الشامية: قوله (فإن طلاقه صحيح) أي طلاق المكره وشمل ما إذا أكره على التوكيل بالطلاق فوكل فطلق الوكيل فإنه يقع بحر۔

(۳۱۸) ذہنی دباؤ میں آکر زبانی تین طلاقیں دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا نام "محمد راجا یاسر" ہے اور میرا تعلق پٹھان فیملی سے

ہے، میری عمر ۲۴ برس ہے۔ بہن بھائیوں میں درمیان کے نمبر پر ہوں، میری ہمیشہ سے یہی خواہش رہی کہ میں اپنی شریک حیات اپنی پسند کی چنوں اور اس بات کا علم میرے گھر والوں کو بھی تھا لیکن میرے گھر والوں نے میری مرضی کے خلاف میرا رشتہ میری ماموں زاد سے طے کر دیا جس کی میں نے مخالفت کی تھی۔ یہ رشتہ تقریباً ۷، ۸ برس پہلے طے پایا تھا جیسے جیسے میں نے عمر کے مدارج طے کئے مجھے ایک لڑکی پسند آ گئی اور میں نے اُس سے شادی کا وعدہ بھی کر لیا۔ اس پسند کا اظہار میں نے اپنی والدہ سے بھی کیا مگر وہاں سے بالکل کورا جواب موصول ہوا۔ اُس لڑکی کے رشتے آنے لگے، جس کے پیش نظر میں نے اپنے چند دوستوں کو جمع کیا اور اس لڑکی کے گھر جا کر اُس کے والدین کی موجودگی میں نکاح کر لیا، جس کا علم میرے گھر والوں کو نہیں تھا۔ اس نکاح کے کچھ عرصے بعد میرے گھر والوں نے میری شادی (جو کہ طے تھی) کرنے کا اعلان کر دیا۔ میں اپنے گھر کے سخت ماحول اور خاندان کی عزت کی وجہ سے اپنے پہلے نکاح کے بارے میں نہیں بتا سکا اور میری ماموں زاد سے میری شادی ہو گئی (جس سے میرا ایک بیٹا ہے) میرے پہلے نکاح کے بارے میں میری دوسری بیوی کو میں نے سب بتا دیا تھا۔

ایک سال کے عرصے کے بعد میری پہلی بیوی کے گھر والوں کی طرف سے رخصتی کا تقاضا بڑھتا گیا لیکن ابھی بھی نامساعد حالات کی وجہ سے میں اپنے پہلے نکاح کے بارے میں گھر میں کچھ نہ بتا سکا تھا۔ بہر حال میں نے پہلی بیوی کی رخصتی لی اور اپنے دوستوں کے ہمراہ اُسے ایک کرائے کے مکان میں لے آیا۔ کچھ دن اُس کے ساتھ رہا اور وہ حاملہ ہو گئی۔ اسی دوران میری دوسری بیوی نے میرے گھر والوں اور اپنے والد جو کہ میرے ماموں ہیں کو سب بتا دیا، جس پہ گھر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ میرے گھر والوں نے رشتے داروں نے حتیٰ کہ میری بیوی سب نے مل کر مجھے تقریباً ۳ ہفتے تک ذہنی اذیت سے دو چار کیا اور اس بات پر اصرار کرتے رہے کہ میں پہلی بیوی کو "طلاق" دے دوں جس کیلئے میں کسی صورت رضامند نہیں تھا۔ غرض یہ کہ تمام رشتہ داروں اور گھر والوں نے مل کر ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ میں نے ان کے کہنے کے مطابق منہ سے "طلاق کے الفاظ" ادا کر دیئے مگر میں دل میں اُس وقت بھی انکاری تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے "طلاق" کے کاغذات پر بھی مجھ سے دستخط کرا کے رکھ لئے جو بعد میں گم ہو گئے تھے۔

قصہ یہیں پر ہی بس نہیں ہوا بلکہ میرے سسر نے ایک نئی ضد پکڑی کہ میں سب کچھ چھوڑ کر ایبٹ آباد جو کہ اُن کا آبائی علاقہ ہے چلوں۔ میرے انکار پر وہ میرے بیٹے اور بیوی کو ایبٹ آباد لے کر چلے گئے۔ اس طلاق کا میری پہلی بیوی نے اتنا صدمہ لیا کہ میرا ہونے والا بچہ ضائع ہو گیا۔ اب میرے گھر والے چاہتے ہیں اور میری بھی خواہش ہے کہ اگر میری پہلی بیوی کو طلاق واقع ہو گئی ہے تو میں حلالہ کروانے کو تیار ہوں، اور اس بات پر وہ اور اُس کے گھر والے بھی رضامند ہیں۔ میرے مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں کچھ سوالات ہیں، جن کے جوابات مجھے قرآن وسنت کی روشنی میں درکار ہیں، براہ کرم عنایت کر کے مجھے مزید گناہگار ہونے سے بچائیں۔

(۱) میں نے اپنی پہلی بیوی کو دباؤ میں آ کر تین طلاقیں دیں، جبکہ میرے دل میں انکار تھا کیا یہ طلاق واقع ہو گئی؟

(۲) میں اس سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہوں تو کیا کرنا پڑے گا؟

(۳) اگر دوبارہ نکاح "حلالہ" کے بعد ہو گا تو "حلالہ" کا کیا طریقہ ہے؟

(۴) اپنی دوسری بیوی کو کیسے گھر لے کر آؤں؟ اور اگر میں اُس سے اپنا بچہ لینا چاہوں تو کیا طریقہ کار ہوگا اور میں کس عمر میں اپنا بیٹا واپس لے سکتا ہوں؟ نوٹ: میرے بارے میں آپ کا مشورہ کیا ہے مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر چہ آپ کے دل میں انکار تھا اور آپ نے دباؤ میں آ کر اس کو تین طلاقیں دیدیں تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور یہ عورت آپ کے اوپر حرام بحرمت مغلظہ ہوگئی ہے اور اب حلالہ کئے بغیر آپ کا اس کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا اور حلالے کا طریقہ یہ ہے کہ عدت گزارنے کے بعد اس عورت کا نکاح دوسرے مرد سے کیا جائے، نکاح کرنے کے بعد وہ اس کے ساتھ ہمبستری بھی کرے اور ہمبستری کرنے کے بعد اس کو اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا مرجائے تو اس صورت میں عدت گزارنے کے بعد پہلا شوہر اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔

اپنی دوسری بیوی کے گھر لانے کیلئے آپ کو چاہیئے کہ آپ اس کے والدین کو اور خود اپنی بیوی کو اطمینان دلادیں کہ میں آپ کو خوش وخرم رکھوں گا اور آپ کے ساتھ کوئی ظلم اور ناانصافی نہیں ہوگی لیکن اگر وہ آنے سے انکار کردے تو جب تک بچہ اکیلے کھانے پینے اور وضو کرنے کے قابل نہ ہو ماں کے ساتھ رہے گا اور اس کی حد شریعت مطہرہ نے سات سال رکھی ہے سات سال کے بعد آپ کو بچہ واپس لینے کا حق ہے۔

اس مسئلے کے بارے میں بندہ کا مشورہ یہ ہے کہ آپ اپنی پہلی بیوی جس کو آپ نے طلاق دی ہے اس کا تصور اور خیال بھی ذہن سے نکال دیں اور اپنی دوسری بیوی جس کو آپ نے طلاق نہیں دی ہے اور جس سے آپ کا بچہ بھی موجود ہے گھر لے آئیں تاکہ واپس دونوں خاندانوں کے تعلقات استوار ہوجائیں اور آپ خود بھی انشاء اللہ مزید پریشانیوں اور الجھنوں سے محفوظ رہیں گے۔

لما فی القرآن المجید (البقرۃ:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

وفی الهندية (۳۵۳/۱): فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغا عاقلا سواء كان حرا أو عبدا طائعا أو مكرها كذا في الجوهرة النيرة.

وفی الشامية (۲۳۳/۳): وقد ثبت النقل عن أكثرهم صريحا بإيقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق إلا الضلال.

وفی الشامية (۵۶۶/۳): قوله (حتى يستغني عن النساء) بأن يأكل ويشرب ويستنجي وحده والمراد بالاستنجاء تمام الطهارة بأن يتطهر بالماء بلا معين وقيل مجرد الاستنجاء وهو التطهير من النجاسة وإن لم يقدر على تمام الطهارة زيلعي أي الطهارة الشاملة للوضوء قوله (وقدر بسبع) هو قريب من الأول بل عينه لأنه حينئذ يستنجي وحده ألا ترى إلى ما يروي عنه أنه قال مروا صبيانكم إذا بلغوا سبعا والأمر بما لا يكون إلا بعد القدرة على الطهارة زيلعي قوله (وبه يفتى) وقيل بتسع سنين قوله (لأنه الغالب) أي الاستغناء هو الغالب في هذا السن.

(۳۱۹) جبراً کلمات کفر اور الفاظ طلاق کہنے میں فرق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کو کلماتِ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے اور اس نے کفریہ الفاظ کہہ دیئے دل سے اس کا ایمان پکا تھا تو کیا فقط منہ سے کہنے کی وجہ سے کافر ہوگا یا نہیں، اس کے برخلاف جبراً طلاق دینے سے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے؟ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہاں پر بھی طلاق واقع نہیں ہونی چاہیئے لیکن اس کے باوجود احناف کا مذہب یہ ہے کہ اس کی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔دونوں میں فرق کیوں ہے؟ وضاحت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں سائل سے خلطِ مبحث ہوگیا ہے اور سائل مخالفِ قیاس کو قیاس کا تقاضا سمجھ بیٹھا ہے۔دراصل قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ زبان سے اداء کئے گئے کلمات اپنا اثر دکھائیں، چاہے وہ الفاظ بخوشی کہے گئے ہوں یا جبراً۔ اسی لئے اصل تو یہ تھا کہ کلماتِ کفر جبراً کہنے سے انسان کافر ہوجائے لیکن خلافِ قیاس نص کے ورود کی وجہ سے جبراً کلماتِ کفر کہنے سے بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو اس شخص کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا اور وہ نص یہ ہے:

"مَنْ كَفَرَ بِاللهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ" (النحل:۱۰۶)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص خدا پر ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے اس پر اللہ کا غضب ہے البتہ جس پر جبر کیا گیا ہو اور اس کا دل مطمئن ہو، اسے عذاب نہ دیا جائے گا۔

الغرض اس خلافِ قیاس نص کی وجہ سے جبراً کلماتِ کفر کہنے سے کہنے والے کو کافر قرار نہیں دیا جاتا نیز کفر واسلام کا معاملہ انتہائی نازک ہے اس سے حبطِ اعمال اور بحالتِ ارتداد موت ابدی جہنم کا سبب بن سکتی ہے اس لئے شریعت نے اس میں احتیاط سے کام لیا ہے جبکہ طلاق سے صرف جدائی واقع ہوتی ہے۔

لمافی التفسیر المظھری (۳۷۷/۵): "وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ أی ساکن به لم یتغیر عقیدته وفیه دلیل علی ان الرکن اللازم للایمان هو التصدیق بالقلب ۔۔۔فقد اجمع العلماء علی انه من اکره علی الکفر اکراها ملجیا یجوز له ان یتلفظ بما اکره علیه مطمئنا قلبه بالایمان بهذه الآیة۔

وفی الشامیة (۲۳۵/۳): قوله (لا إقراره بالطلاق) قید بالطلاق لأن الکلام فیه وإلا فإقرار المکره بغیره لا یصح أیضا کما لو أقر بعتق أو نکاح أو رجعة أو فيء أو عفو عن دم عمد أو بعبده أنه ابنه أو جاریته أنها أم ولده کما نص علیه الحاکم فی الکافی هذا وفی البحر أن المراد الإکراه علی التلفظ بالطلاق فلو أکره علی أن یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لأن الکتابة أقیمت

مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا كذا في الخانية ولو أقر بالطلاق كاذبا أو هازلا وقع قضاء لا ديانة اهـ

(۳۲۰) باپ کا خودکشی کی دھمکی دے کر طلاق نامے پر دستخط کرانا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں محمد سلیم ولد محمد حسن خان، میں نے پہلی شادی ماں باپ کی مرضی سے اپنی خالہ کی بیٹی ثمینہ بنت مجید خان سے ۳۱ مارچ ۲۰۰۱ء میں کی ہے۔ پھر میں نے دوسری شادی اپنی پسند سے ۱۹ ستمبر ۲۰۰۳ء میں نجمہ بنت برکت علی سے کی۔ دوسری شادی کو جب کچھ عرصہ ہوا اور میرے ماں باپ اور بیوی کو پتہ چلا تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور خوب لڑائی جھگڑے ہوئے۔ جس پر میرے بھائیوں نے زبردستی مجھ پر دباؤ ڈال کر طلاق نامے کے پیپر پر دستخط کروائے اور میں نے پیپر پر دستخط کر دیئے جبکہ وہ پیپر میں نے نہ اپنی دوسری بیوی کو دیا اور نہ اس وقت کوئی گواہ موجود تھا اور نہ میں نے طلاق کا لفظ منہ سے نکالا میں نے اس معاملے کو بنوری ٹاؤن کے مفتی صاحب سے بیان کیا کہ کیا یہ طلاق ہوگئی تو انہوں نے کہا کہ طلاق نہیں ہوئی کیونکہ یہ کام آپ سے زبردستی کام کروایا گیا ہے۔ میں نے زبانی فتویٰ لیا تھا۔ اس وقت یہ معاملہ ٹھنڈا ہو گیا۔

میں اس دوران اپنی پہلی بیوی سے ملتا رہا ہوں۔ اب ۷ سال کے بعد پھر یہ معاملہ بگڑ گیا اور سب کو پتہ چل گیا۔ میری پہلی بیوی کے گھر والے فتویٰ مانگ رہے ہیں۔ اب آپ مجھے اس بارے میں فتویٰ دیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ میں دونوں بیویوں کو رکھنا چاہتا ہوں اور کسی کے ساتھ حق تلفی نہیں کرنا چاہتا میرے پہلی بیوی سے تین بچے ہیں۔

نوٹ: مستفتی نے زبانی بتایا کہ اس پر جو دباؤ ڈالا گیا تھا وہ یہ تھا کہ والد صاحب نے کہا کہ اگر تم دستخط نہیں کرتے تو میں اپنے آپ کو مار ڈالوں گا، اس پر بھائیوں نے دباؤ ڈالا کہ تم طلاق نامے پر دستخط کرو۔

۲۔ نیز سائل نے زبانی یہ بھی بتایا کہ میں پڑھنا لکھنا نہیں جانتا نہ میں نے دستخط کرتے وقت طلاق نامہ پڑھا تھا فقط باپ کی محبت میں آکر چارو ناچار دستخط کر دیئے تھے۔ مجھے فقط اتنا معلوم تھا کہ اس میں میری بیوی کو تین طلاق ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں جو صورتحال سائل نے تحریر کی ہے کہ سائل کے اوپر جو دباؤ تھا وہ باپ کی طرف سے خودکشی کر لینے کا تھا اور اس کو جو طلاق نامہ دیا گیا تھا اسے اگرچہ اس نے پڑھا نہ تھا مگر اسے معلوم تھا کہ یہ طلاق نامہ ہے اور اس میں اس کی بیوی نجمہ بنت اکبر علی کو تین طلاق دینے کا ذکر ہے تو اس صورتحال میں شرعاً طلاق نامے پر دستخط کر دینے سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور اس دھمکی کا کوئی اعتبار نہیں۔

لہٰذا وہ دوسری بیوی نجمہ بنت اکبر علی اس وقت ہی آپ پر حرمت مغلظہ کے ساتھ حرام ہوگئی تھی آپ کے لئے اس سے کوئی ازدواجی تعلق رکھنا شرعاً جائز نہیں آپ جلد از جلد اسے علیحدہ کر دیں اور جو بے پرواہی گذشتہ سات سال سے آپ سے ہوئی اس پر توبہ و استغفار کریں۔

لما في الدر المختار (١٢٨/٦)كتاب الاكراه: وهو نوعان تام وهو الملجئ بتلف نفس أو عضو أو ضرب مبرح وإلا فناقص وهو غير الملجئ(وشرطه) أربعة أمور : (قدرة المكره على إيقاع ما هدد به سلطانا أو لصا) أو نحوه (و) الثاني (خوف المكره) بالفتح (إيقاعه) أي إيقاع ما هدد به (في الحال) بغلبة ظنه ليصير ملجأ(و) الثالث : (كون الشيء المكره به متلفا نفسا أو عضوا)۔الخ۔

وفي الشامية (٢٣٦/٣): فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا كذا في الخانية۔

وفي الشامية أيضا(٢٤٦/٣): ولو قال للكاتب : اكتب طلاق امرأتي كان إقرارا بالطلاق وإن لم يكتب ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه أو قال للرجل : ابعث به إليها ، أو قال له : اكتب نسخة وابعث بها إليها ، وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة ، وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يملہ بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه۔

(۳۲۱) دھمکی صرف جان سے مارنے یا عضو تلف کرنے کی معتبر ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی کو چار سال ہوئے ہیں، میرے اور میری بیوی کے درمیان لڑائی ہے۔ میں گھر سے دور کسی کے پاس صلح صفائی کیلئے گیا تھا کہ ہمارے درمیان صلح ہوجائے۔ وہاں لڑکی کا بھائی نعیم اور چند لڑکے مجھے ملے اور کہا میرے ساتھ چلو۔ میں اس کے ساتھ گیا اور یہ مجھے اپنے گھر لے گئے اور اسٹامپ پیپر میرے سامنے رکھا اور کہا اس پر دستخط کردو۔ میں نے انکار کیا کہ میرا گھر برباد ہوجائے گا۔ میرا ایک بیٹا ہے لیکن انہوں نے میرے اوپر زبردستی کی۔ میں نے ان سے کہا میں اپنے والد کو بلواتا ہوں، انہوں نے کہا شادی کے وقت وہ نہیں تھے (کیونکہ میری شادی کے وقت میرے والد کوئٹہ گئے ہوئے تھے) میں نے ان سے کہا آپ بھی شادی کے وقت نہیں تھے، انہوں نے مجھے دھمکیاں بھی دیں کہ آپ کو غائب کردیں گے لہذا مجبوراً مجھے اسٹامپ پیپر پر دستخط کرنے پڑے، کیا اس طرح طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں اگر انہوں نے آپ کو جان سے مارنے یا سخت مارنے کی دھمکی دی ہو کہ آپ اپنی بیوی کو طلاق لکھ دو، ورنہ آپ کو جان سے ماردیں گے یا سخت ماریں گے اور آپ نے مجبوراً اس پر دستخط کئے ہوں تو آپ کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی بشرطیکہ آپ نے زبانی طلاق نہ دی ہو البتہ اگر انہوں نے ویسے ہی آپ کو ڈرایا ہو (جان سے مارنے یا سخت مارنے کی دھمکی نہ دی ہو) اور آپ نے طلاق لکھ دی ہو تو آپ کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے اور آپ کو رجوع کا حق حاصل ہے لہٰذا

آپ عدت کے اندر رجوع کر سکتے ہیں۔

لمافی الهندية (۱/۴۷۰): وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض كذا في الهداية۔

وفی الشامية (۳/۲۳۶): فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا كذا في الخانية۔

(۳۲۲) جبراً زبانی اور تحریری طلاق میں فرق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جبراً طلاق دلوانے یا لکھوانے سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں اور جبر کی تعریف کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جبراً طلاق دلوانے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے البتہ جبراً طلاق لکھوانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ لکھتے وقت زبان سے کچھ نہ کہا جائے، اگر لکھتے وقت زبان سے الفاظِ طلاق ادا کئے تو پھر طلاق واقع ہوجائے گی نیز اصطلاحِ شریعت میں جبراً طلاق کی تعریف یہ ہے کہ دھمکی دینے والا جان سے مار ڈالنے یا کسی عضو کے تلف کرنے کی دھمکی دے اور وہ اس پر قادر ہو اور جس کو دھمکی دی جارہی ہے اس کو یقین ہو یا غالب گمان ہو کہ اگر میں نے طلاق نہ دی تو مجھے ماردیا جائے گا یا کوئی عضو تلف کردیا جائے گا تو ایسی طلاق کو جبراً طلاق کہتے ہیں۔

لمافی سنن ابی داؤد (۱/۲۹۸): عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النكاح والطلاق والرجعة۔

وفی الهندية (۱/۳۵۳): فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغا عاقلا سواء كان حرا أو عبدا طائعا أو مكرها كذا في الجوهرة النيرة۔

وفيه أيضا (۱/۳۷۹): رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فكتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الشامية (۳/۲۳۶): هذا وفي البحر أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا كذا في الخانية۔

(۳۲۳) رشتے داروں کا لڑکی کو خلع لینے پر مجبور کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر خلع میں لڑکی پر اس کے والدین کی طرف سے زبردستی کی گئی کہ اگر اس نے خلع نہیں لیا تو اسے قتل کی دھمکی دی جارہی ہے اور لڑکے نے اگر خلع نہیں دیا تو اسے بھی دھمکی دی جارہی ہے تو اس مجبوری میں لڑکی نے خلع لیا اور اس زبردستی میں لڑکے نے خلع دیا حالانکہ میاں بیوی دونوں خوش ہیں آیا خلع واقع ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں خلع ان چیزوں میں سے ایک ہے جن میں اکراہ موثر نہیں ہوتا لہٰذا اگر شوہر نے خلع کے الفاظ زبان سے استعمال کئے ہوں تو بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوجائے گی جس سے نکاح ٹوٹ جائے گا مگر حلالہ کی ضرورت نہیں ہوتی بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کرکے یہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گزار سکتے ہیں۔

لمافی الهندية (۴۶/۵): والخلع من جانب الزوج طلاق أو يمين فلا يؤثر فيه الإكراه لو كان هو مكرها على الخلع والمرأة غير مكرهة لزمها البدل كذا في الكافي۔

فصل فی طلاق المرأۃ

تخبر عن سماع الطلاق والاختلاف فیہ

(عورت کا طلاق کے الفاظ سننے کا دعوی کرنا،

طلاق کے عدد وغیرہ میں اختلاف اور المرأۃ کالقاضی کا حکم)

(۳۲۴) عورت کو الفاظِ طلاق سننے کا یقین ہو تو طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے شوہر سلیم نے ٦/ستمبر، ۷/رمضان منگل ۲۰۰۸ء کو مجھے طلاق دی پھر بعد میں وہ فتویٰ لے کر آئے کہ اس طرح طلاق نہیں ہوئی۔ میرے ابو نے مجھے ان کے ساتھ سسرال بھیج دیا۔ میں نے بھی یہ سوچا کہ چلو اگر یہ بات صحیح ہے تو بچوں کی خاطر چلی گئی، شاید یہ [شوہر] اب صحیح ہو جائیں۔ اب دوبارہ پھر انہوں نے مجھے ۳/ستمبر، ۱۲/رمضان جمعرات کو تین دفعہ ایک سانس میں طلاق دی، انہوں نے اس طرح کہا ''طلاق طلاق طلاق، ہاں جا میں نے دے دی'' اور کلمہ شریف پڑھا۔ انہوں نے شراب بھی پی ہوئی تھی۔ جب سلیم نے مجھے پہلے طلاق دی تھی اس وقت بھی شراب پی ہوئی تھی، میرے کمرے میں دیورانی بیٹھی ہوئی اور دیور کھڑا ہوا تھا۔

جب انہوں نے مجھے ۷/رمضان کو طلاق دی تھی میری بہن مجھے لینے آئی تو اس سے بھی کہا۔ ان کی ماں بھی کھڑی ہوئی تھی، کہنے لگے ''جا لے کے جا اسے ہاں دے دی میں نے اسے طلاق'' میں نے اس بات کیلئے اپنے ماں باپ اور سسرال والوں کے سامنے قرآن شریف اٹھایا کہ انہوں نے مجھے طلاق دی ہے۔ میرے ابو کے کہنے پر انہوں نے اور دیور نے قرآن نہیں اٹھایا، سلیم کہنے لگا یہ جھوٹ بول رہی ہے، سسرال والے بھی کہہ رہے ہیں یہ جھوٹ ہے، سلیم نے طلاق نہیں دی۔ تینوں بچے دو بیٹیاں ایک بیٹا بھی انہوں نے مجھ سے چھین لیا۔ ایک بیٹا میرے پاس ہے۔ میرے بیٹے نے بھی یہ لفظ سنا ہے پھر وہ گھر سے چلا گیا۔ اب مجھے آپ سے صحیح فتویٰ چاہیئے بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بر تقدیرِ صحتِ واقعہ اگر آپ نے اپنے کانوں سے طلاق کے الفاظ سنے ہیں تو

آپ کے حق میں تین طلاقِ مغلظہ واقع ہو چکی ہیں اور اس صورت میں آپ کا بغیر حلالہ شرعیہ کے ایک ساتھ رہنا اور ازدواجی تعلقات برقرار رکھنا جائز نہیں۔ آپ کوئی بھی صورت اختیار کر کے شوہر سے علیحدگی اختیار کریں، خلع لیں یا عدالت سے یکطرفہ ڈگری حاصل کریں وہ ڈگری ویسے تو شرعاً معتبر نہیں لیکن آپ چونکہ پہلے ہی شوہر پر حرام ہو چکی ہیں لہٰذا آپ کے لئے وہ علیحدگی کی دستاویز بن جائے گی۔

لما في القرآن الكريم (البقرة: ۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔

وفي الهندية (۳۵۴/۱): ولو قال لها أنت طالق ونوى به الطلاق عن وثاق لم يصدق قضاء ويدين فيما بينه وبين الله تعالى والمرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك أو شهد به شاهد عدل عندها۔

وفيه أيضا(۳۵۵/۱): وإذا قال لامرأته أنت طالق وطالق ولم يعلقه بالشرط إن كانت مدخولة طلقت ثلاثا۔

وفي الدر المختار (۲۳۲/۳): (والبدعي ثلاث متفرقة أو ثنتان بمرة أو مرتين) في طهر واحد۔

وفي الرد تحته: (قوله ثلاثة متفرقة) وكذا بكلمة واحدة بالأولى۔ الخ۔

وفيه أيضا: (ص۳۶۹): إذا سمعت المرأة الطلاق ولم تسمع الاستثناء لا يسعها أن تمكنه من الوطء اھ۔

(۳۲۵) بیوی کا الفاظِ طلاق سننے کے بعد شوہر سے قریب ہونا حرام ہے

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کی شادی کو تقریباً ایک سال ہو چکا ہے اور سسرال میں اس پر بہت ظلم ہوا ہے۔ شادی کے کچھ عرصے کے بعد شوہر نے اس کو یہ الفاظ کہے "میں نے تم کو طلاق دی اور میں تجھے اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا" کچھ عرصے بعد دوبارہ دو مرتبہ یہ کلمات کہے اور کچھ دن بعد کہا "میں نے تجھ کو طلاق دی" اور اب یہ شوہر طلاق سے انکاری ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں طلاق ہوئی یا نہیں؟ عورت کے پاس تو طلاق کا کوئی گواہ نہیں۔ بظاہر شوہر کے انکار کی وجہ ۲ لاکھ حق مہر ہے۔ مسئلہ جرگہ میں پیش ہونا ہے۔ فرض کریں اگر جرگہ مرد کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہے تو کیا حکم ہے؟ کیا عورت طلاق کے علم کے باوجود واپس اس مرد کے پاس جا سکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... صورت مسئولہ اگر واقعہ یہی ہو جیسا کہ سوال میں ذکر ہے اور اس میں کسی قسم کی غلط بیانی نہ کی گئی ہو تو ایسا شوہر جو کئی مرتبہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر اب مخصوص مقاصد کی وجہ سے طلاق کا انکاری ہے یہ مرد انتہائی نالائق اور قابل تعزیر

ہے، اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں، اسے اپنی عاقبت کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت کو علیحدہ کردینا چاہیئے۔

آپ کے علاقے میں اگر عدالتی نظام ہو تو اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہماری عدالتیں آج کل خلع کی یکطرفہ ڈگری جاری کرتی ہیں وہ ڈگری عام اوقات میں اگرچہ شوہر کی رضامندی کے بغیر شرعاً کالعدم اور غیر قابلِ اعتبار ہے لیکن یہاں چونکہ آپ اپنے کانوں سے کئی مرتبہ طلاق کے الفاظ سن چکی ہیں لہٰذا آپ وہ ڈگری حاصل کرلیں تو قانوناً بھی آپ کو علیحدگی کا حق مل جائے گا البتہ اس صورت میں شوہر کیلئے مہر کی رقم ادا کرنا بدستور باقی رہے گا۔

لیکن اگر آپ کے علاقے میں عدالتی نظام نہیں اور فیصلہ پنچائیت نے کرنا ہے اور وہ پنچائیت شرعی تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرے تو وہ آپ سے گواہ مانگے گی جو آپ کے پاس نہیں، لہٰذا فیصلہ مرد کی قسم کے ساتھ اس کے حق میں ہوجائے گا البتہ چونکہ آپ الفاظِ طلاق سن چکی ہیں لہٰذا آپ کیلئے شرعاً مرد کو ہمبستری وغیرہ پر قدرت دینا جائز نہیں کسی بھی طرح مرد سے علیحدہ ہونا ضروری ہے۔ اب علیحدگی کی ایک صورت تو یہ ہوسکتی ہے کہ اگر شوہر مہر کی رقم کی وجہ سے ہی یہ سب کچھ کررہا ہے تو آپ مہر کی رقم سے دستبردار ہوکر بھی اس سے علیحدگی کرسکتی ہیں اس سے آپ کا ایمان اور عزت محفوظ رہے گی البتہ شوہر کے ذمے سے یہ مہر کا حق ساقط نہ ہوگا بلکہ بدستور اس کے ذمے مہر کا اداء کرنا ضروری رہے گا کیونکہ بیوی پہلے ہی مطلقہ ہوچکی ہے لہٰذا یہ پیسے طلاق کا عوض نہیں بلکہ محض رشوت کی مد میں ہیں جس سے دستبرداری کا اعلان کرکے مجبوراً بیوی علیحدگی اختیار کرسکتی ہے لیکن شوہر کیلئے یہ حلال نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خاندان والوں کے ذریعے اس پر زور ڈالیں کہ وہ آپ کو علیحدہ کردے۔

لمافی القرآن الکریم (البقرۃ:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَٰنٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمۡ أَن تَأۡخُذُواْ مِمَّآ ءَاتَيۡتُمُوهُنَّ شَيۡـًٔا إِلَّآ أَن يَخَافَآ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ --إلی قولہ-- فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُۥ مِنۢ بَعۡدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُۥ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ أَن يَتَرَاجَعَآ إِن ظَنَّآ أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ وَتِلۡكَ حُدُودُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَعۡلَمُونَ۔

وفی الدرالمختار (۴۲۱/۳): (سمعت من زوجها أنه طلقها ولا تقدر على منعه من نفسها) إلا بقتله (لها قتله) بدواء خوف القصاص ولا تقتل نفسها۔

وفی الرد تحتہ:(قوله لها قتله بدواء) قال في المحيط وينبغي لها أن تفتدي بمالها أو تهرب منه وإن لم تقدر قتلته متى علمت أنه يقربها ولكن ينبغي أن تقتله بالدواء وليس لها أن تقتل نفسها وإن قتلته بالآلة يجب القصاص إ ھ بحر۔

(۳۲۶) والدین کا طلاق کے خط کی اطلاع دینا اور پھر شوہر کا انکار

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے آج سے نوسال پہلے اپنی بیوی کے ماں باپ

کو خط میں لکھا کہ میں نے آپ کی بیٹی کو تین طلاقیں دیں، واضح رہے کہ جب شوہر کا خط والدین کو مل گیا تو والدین نے بیٹی کو طلاق کی خبر دی کہ آپ کے شوہر نے آپ کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ خط ماں باپ کے پاس تھا وہ فوت ہو گئے ہیں، وہ خط انہوں نے بیٹی کو پڑھوایا بھی نہیں کہ وہ بتا سکے کہ کیا الفاظ تھے۔ اب نو سال بعد وہ شخص آیا اور کہہ رہا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی میرے ساتھ چلو، ورنہ میں اپنے بیٹے کو (جسے اس نے صرف ایک سال کا تھا تو گھر سے نکالا تھا) لے جاؤں گا۔

عورت نے تنہا محنت مزدوری کر کے اس بیٹے کو پالا اس بچے بغیر وہ کیسے رہے گی۔ اب وہ پریشان ہے کہ کیا کرے۔ اس کے پاس وہ خط بھی نہیں (جو خود اس نے بھی نہیں پڑھا تھا) جو دکھا کر کچھ کہہ سکے وہ پانچ دن بعد آنے کا کہہ گیا ہے۔ لڑکی کے دو بھائی ہیں وہ بھی اسے جانے کو کہہ رہے ہیں، ورنہ وہ ملنا جلنا چھوڑ دیں گے۔ اس کا کہنا ہے کہ مجھے بتائیں میں کیا کروں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ کے مطابق جب خط موجود ہے اور نہ زوجہ نے دیکھا ہے اور نہ خط کو پڑھا ہے اور زوج بھی انکار کر رہا ہے کہ میں نے نہ خط بھیجا ہے اور نہ طلاق دی ہے تو اس صورت میں اُصولی طور پر محض والدین کے خط کے ذریعہ طلاق واقع ہونے کی اطلاع دینے سے زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ خط کے ذریعے طلاق تب واقع ہوتی ہے کہ جب زوج یا تو اقرار کرے کہ یہ میرا خط ہے اور یا زوجہ گواہ پیش کرے کہ یہ خط زوج کا ہے، تب والدین کی اطلاع کا اعتبار ہوگا اور یہاں پر نہ زوج اقرار کرتا ہے اور نہ عورت کے پاس گواہ ہیں لہٰذا خط ثابت نہیں ہوا، جبکہ والدین کی اطلاع کی بنیاد خط پر تھی لہٰذا زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور زوجہ کیلئے اس شوہر کے ساتھ رہنا جائز ہے۔

لمافی المحيط البرهاني (۴/۴۸۵): ولو كتب الصحيح أو الأخرس إلى امرأته كتاباً فيه طلاقها وكان الكتاب مرسوماً ثم جحد الكتاب وقامت عليه البينة أنه كتبه فرق بينهما قضاء، وأما ديانة فإن كان لم ينو به الطلاق فهي امرأته۔

وفي الشامية (۳/۲۴۶): ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه أو قال للرجل ابعث به إليها أو قال له اكتب نسخة وابعث بها إليها وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اه ملخصا۔

(۳۲۷) طلاق کے عدد میں اختلاف کا حکم

سوال......مفتی صاحب! میرے ماموں کی بیٹی کو اس کے شوہر نے بقول اس (بیٹی) کے دو طلاقیں دی ہیں، اس دوران لڑکے کے منہ پر لڑکے کے بھائی نے ہاتھ رکھ دیا۔

(۲) لڑکے کی والدہ، لڑکے کے دو بھائی اور لڑکے کی بھابھی اِن کا کہنا ہے کہ دو طلاقیں دی ہیں۔

(۳) اسی دوران لڑکے کی والدہ کا کہنا ہے کہ میرے لڑکے کا کہنا ہے کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔

(۴) خود لڑکے محمد ریحان کا بیان ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے:

میں نفیسہ (بیوی) تم کو طلاق دیتا ہوں۔ پھر کہا طلاق۔ پھر کہا طلاق

یعنی ایک مرتبہ طلاق دیتا ہوں کے الفاظ استعمال کئے اور دو مرتبہ کہا طلاق، طلاق۔ لڑکی ۴ ماہ کے حمل سے ہے عدت کا کیا حکم ہوگا؟ نیز کتنی طلاقیں واقع ہوئی ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں محمد ریحان کی بیوی کو تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اب بغیر حلالہ شرعیہ کے ازدواجی تعلقات رکھنا جائز نہیں ہے۔ عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے چونکہ یہ لڑکی حاملہ ہے اس لئے اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔

لمافی المحیط البرھانی (۳۹۵/۴): وفي فتاوى أهل سمرقند من طلاق برا دادم. قال: نوى الإيقاع يقع وإن نوى التفويض لا يقع لأنه يحتمل التفويض، وإن لم تكن له نية يقع لأنه إيقاع ظاهراً فينصرف إليه ما لم ينو شيئاً آخر.

وفی الھدایۃ (۳۹۹/۲): وإن كانت حاملا فعدتها أن تضع حملها لإطلاق قوله تعالى { وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن }۔

وفی خلاصۃ الفتاوی (۸۲/۲): سئل نجم الدين عن امرأة قالت لزوجها مرا طلاق كن مرا طلاق كن مرا طلاق كن فقال الزوج كردم كردم كردم قال تطلق ثلاثا۔

(۳۲۸) طلاق کے ہونے یا نہ ہونے میں میاں بیوی کے اختلاف کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ عمر ایک مرتبہ سفر سے واپس آرہا تھا اور سخت تھکاوٹ میں تھا وہ گھر آیا اس نے کھانا مانگا تو بیوی سے کسی وجہ سے تاخیر ہوگئی اور اس کی زبان سے تین طلاق کے الفاظ غصہ کی حالت میں نکل گئے اسے پتہ نہیں تھا بعد میں وہ انکار کررہا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی اور بیوی کہہ رہی ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے تین طلاق کے الفاظ سنے ہیں۔ اب کس کی بات کا اعتبار ہوگا شوہر کی یا بیوی کی؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......شوہر جب اپنی بیوی کو تین طلاق دے اور بعد میں منکر ہوجائے تو قضاءً بیوی پر دو گواہ پیش کرنا لازم ہیں، اگر بیوی گواہ پیش کردے تو بیوی کی بات مانی جائے گی اور اگر بیوی دو گواہ پیش نہ کرسکی تو اس صورت میں شوہر سے حلف لیا جائے گا اور حلف کے بعد قضاءً شوہر کی بات مانی جائے گی۔

البتہ اگر واقعۃً بیوی نے اپنے کانوں سے تین طلاق کے الفاظ سنے ہیں تو اس کیلئے اپنے شوہر کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم رکھنا ناجائز اور حرام ہے اور اس پر لازم ہے کہ کسی بھی طریقے سے اپنی جان چھڑائے چاہے خوف خدا اور خوف آخرت یاد دلانے سے ہو یا خلع پر راضی کرنے کے ذریعے سے ہو۔

لما فی القرآن المجید (البقرۃ:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

وفی البحر الرائق (۳۴۶/۷) كتاب الدعوى: قوله (وإلا حلف بطلبه) أي وإن لم يكن للمدعي بينة حلف القاضي المدعى عليه بطلب المدعي لقوله عليه السلام للمدعي ألك بينة فقال لا فقال لك يمينه سأل ورتب اليمين على فقدان البينة فلا بد من السؤال ليمكنه الاستحلاف۔

وفی الشامية (۲۵۱/۳) كتاب الطلاق: والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوى على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب كما أنه ليس له قتلها إذا حرمت عليه وكلما هرب ردته بالسحر وفي البزازية عن الأوزجندي أنها ترفع الأمر للقاضي فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه اه قلت أي إذا لم تقدر على الفداء أو الهرب ولا على منعه عنها فلا ينافي ما قبله۔

(۳۲۹) میاں، بیوی کا طلاق کے وقوع میں اختلاف کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا نام رضیہ کلیم ہے اور میری شادی کو ۲۴ سال ہو گئے ہیں میرے ۳ بیٹے اور ۲ بیٹیاں ہیں۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ میری چھوٹی بیٹی جس کی عمر ۲۰ سال ہے اس کی منگنی میرے ایک رشتہ دار سے ۳ مہینے پہلے ہوئی تھی اب وہ لڑکا شادی کی ضد کر رہا تھا۔

میں نے اگلے مہینے کی کسی بھی تاریخ کو شادی کرنے کی حامی بھر لی تھی مگر نہ جانے اس نے میرے شوہر کو کیا کہا کہ وہ مجھے بغیر بتائے ہوئے مورخہ ۲۳ جنوری کو میری بیٹی کو نکاح کروانے کے لئے اس کی ایک سہیلی کے گھر لے گئے۔ اس دن میری آنکھوں میں تکلیف ہو رہی تھی اس لئے میں نے سوچا کہ اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر ہسپتال جاؤں لہذا میں اپنی بیٹی کو لینے اسکول گئی جہاں وہ پڑھاتی تھی وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہ آج اسکول نہیں آئی پھر میں اپنے چچا کے گھر گئی تو وہ وہاں بھی نہیں تھی۔ مجھے بہت پریشانی ہوگئی پھر میں اپنی بیٹی کی سہیلی کے گھر گئی تو وہاں پر میری بیٹی اور شوہر دونوں موجود تھے۔ میرے شوہر مجھے دیکھ کر بہت غصہ میں آ گئے اور مجھے بہت مارا اور کہا میں تجھے طلاق دیتا ہوں پھر وہ برابر میں نکاح پڑھوانے کے لئے دوسرے گھر میں گئے۔ جب میں وہاں گئی تو انہوں نے مجھے پھر کہا کہ جب میں نے تجھے طلاق دیدی تو تو کیوں آئی ہے جبکہ ۲۳ جنوری کو صبح گھر سے نکلنے سے پہلے انہوں نے مجھ سے کہا تھا میں نے تجھے ۲۰۱۰ء میں طلاق دی۔

میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتی ہوں کہ میرے شوہر کو شوگر ہے اوران کا بلڈ پریشر بھی بہت ہائی رہتا ہے۔اس کے علاوہ میرے شوہر کو کچھ نفسیاتی مسئلہ بھی ہے جس کا میں تقریباً دو تین سال سے علاج کروارہی ہوں، اس کے علاوہ میرے شوہر کو سنائی بھی کم دیتا ہے اور جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کی بہت سی باتیں سمجھ میں بھی نہیں آتیں کیونکہ جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کی زبان سے الفاظ ٹھیک طرح ادا نہیں ہو پاتے۔شوگر کی وجہ سے ان کے پیر میں زخم بھی ہوگیا ہے۔جس کی وجہ سے انہیں بہت تکلیف ہورہی ہے اوروہ بار بار مجھے اور بچوں کو فون کر کے بول رہے ہیں اپنی امی کو لے کر گھر آجاؤ۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ میں اس دن سے اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے ماموں کے گھر رہ رہی ہوں کیونکہ میں یہ سمجھ رہی ہوں کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے مگر میرے شوہر اس بات پر بضد ہیں کہ میں نے تمہیں طلاق نہیں دی اور اس بات پر وہ قرآن اٹھانے کو تیار ہیں۔جن دو الگ الگ گھروں میں یہ بات ہوئی تھی وہاں میرے بیٹے نے جا کر ان سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے سامنے تمہارے ابو نے تمہاری امی کو طلاق نہیں دی جس کا انہوں نے حلف نامہ بھی سائن کر کے دیا ہے جو میں اس کے ساتھ منسلک کررہی ہوں اب میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ آیا مندرجہ بالا الفاظ کی رُو سے مجھے طلاق ہوئی یا نہیں؟ اس سلسلے میں آپ میری راہنمائی فرمائیں جس کے لئے میں آپ کی بہت مشکور ہوں گی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر شوہر طلاق دینے کے بعد انکار کرے اور بیوی کہے کہ میں نے سنا ہے کہ شوہر نے طلاق دی ہے تو قضاء میں تو شوہر کی بات معتبر ہوگی البتہ بیوی کو چونکہ الفاظِ طلاق سننے کا یقین ہے چنانچہ بیوی کے حق میں طلاق کا وقوع ہو چکا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر مذکورہ الفاظ آپ نے اپنے کانوں سے سنے ہیں تو آپ پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں اور آپ پر عدت (یعنی تین ماہواری) گزارنا ضروری ہے اگر آپ کے شوہر عدت کے اندر رجوع کرنا چاہیں تو رجوع کر سکتے ہیں اور عدت کے بعد رجوع کرنے کیلئے تجدید نکاح ضروری ہوگی، عدت کے بعد بغیر تجدید نکاح کے ساتھ رہنا جائز نہیں۔اب آپ کے شوہر کو صرف ایک طلاق کا حق ہے اگر آئندہ ایک طلاق اور دی تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی، اس صورت میں آپ اپنے شوہر سے ازدواجی تعلقات بغیر حلالہ شرعیہ کے قائم نہیں کر سکیں گی۔

لمافی القدری (ص ۱۹۳): إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعيةً أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت المرأة بذلك أو لم ترض۔

وفی الشامیة (۲۵۱/۳): والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه۔

(۳۳۰) میاں بیوی کا تعدادِ طلاق میں اختلاف کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دی تھیں اب میں رجوع کرنا چاہتا ہوں، ابھی اس کی عدت چل رہی ہے لیکن میری بیوی یہ کہتی ہے کہ تم نے مجھ کو دو طلاقیں نہیں بلکہ تین طلاقیں دی تھیں لہٰذا تم مجھ سے

رجوع نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے دو طلاقیں دی تھیں لیکن وہ یہ بات نہیں مان رہی۔ میں نے اپنے محلے کہ امام صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ کے پاس گواہ ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ کی بیوی کی بات معتبر ہوگی اب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میرے پاس گواہ تو نہیں ہے اور عام طور سے ایسے معاملات کے وقت کوئی دوسرا موجود نہیں ہوتا تو میں گواہ کہاں سے لاؤں؟ اب آپ بتائیں کیا میری بیوی کی بات معتبر ہوگی یا میری جبکہ میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔ میری اس الجھن کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... میاں بیوی کے درمیان جب طلاق کے بارے میں اختلاف ہوجائے تو شوہر کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی البتہ اگر عورت گواہ پیش کردے تو پھر عورت کی بات کا اعتبار کیا جائے گا لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر آپ کی بیوی کے پاس گواہ ہیں تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ آپ کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی لیکن اگر آپ کی بیوی اپنے کانوں سے تین طلاق سننے کا دعویٰ کر رہی ہے تو پھر آپ کی بیوی کے حق میں طلاق واقع ہوگئی ہے اگرچہ آپ قسم کھانے کیلئے تیار بھی ہوں کیونکہ عورت اس معاملہ میں قاضی کی طرح ہے اور اس کے حق میں احتیاطاً تین طلاق کے وقوع کا حکم لگے گا اور اب اس کے لئے آپ کو تمکین دینا جائز نہیں۔

لمافی الشامیة (۳۵۶/۱): (قوله في وجود الشرط) أي أصلا أو تحققا كما في شرح المجمع: أي اختلفا في وجود أصل التعليق بالشرط أو في تحقق الشرط بعد التعليق وفي البزازية: ادعى الاستثناء أو الشرط فالقول له ـ ـ ـ قوله (فالقول له) أي إذا لم يعلم وجوده إلا منها ففيه القول لها في حق نفسها۔

وفی الشامیة (۲۵۱/۳): والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوى على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب الخ۔

وفيه أيضا (ص۴۲۰) (سمعت من زوجها أنه طلقها ولا تقدر على منعه من نفسها) إلا بقتله (لها قتله) بدواء خوف القصاص، ولا تقتل نفسها.

(۳۳۱) میاں بیوی کا الفاظِ طلاق میں اختلاف کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان الفاظِ طلاق کے بارے میں اختلاف ہو اور کوئی گواہ بھی موجود نہیں ہے چنانچہ عورت کہتی ہے کہ شوہر نے غصے کی حالت میں مجھ سے کہا "تجھے طلاق ہے چلی جا، دوسرے شوہر سے نکاح کرو" پھر اس کے بعد اگلے دن میں جب عورت نے اپنے شوہر سے شکایت کی کہ تم نے کیوں غلط کام کر کے طلاق دیدی تو شوہر دوبارہ کہنے لگا" جاؤ چلی جاؤ میں خوشی سے تمہیں کہتا ہوں، دوسرے شوہر سے نکاح کرو اگر تمہیں کوئی روکتا ہے تو اس کی ماں ...... (گالی دیدی)'' جبکہ شوہر کا بیان ہے کہ میں نے پہلے دن یہ الفاظ کہے تھے "نکلو باہر نکلو میں تجھے طلاق دوں گا" اور دوسرے دن

میں نے یہ کہا تھا "جاؤ نکلو جاؤ" مذکورہ صورت مسئلہ میں کس کا قول معتبر ہے اور کتنی طلاقیں واقع ہو چکی ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب ......صورت مسئولہ میں چونکہ عورت کے پاس اپنے دعویٰ پر گواہ موجود نہیں لہٰذا قضاءً تو شوہر کی بات مع الیمین معتبر ہوگی لیکن چونکہ بیوی نے الفاظِ طلاق خود شوہر کے منہ سے سنے ہیں لہٰذا اس کے حق میں طلاق کا وقوع ہو گیا ہے اولاً "تجھے طلاق ہے" سے ایک طلاق رجعی اور "چلی جا" اگرچہ کنائی ہے لیکن اس سے قبل صریح الفاظ دلالت ہیں اس میں بھی طلاق مراد ہونے پر لہٰذا "چلی جا" سے بھی بغیر نیت کے طلاقِ بائن کا وقوع ہوگا جس کے باعث پہلی رجعی بھی بائن بن جائے گی گویا عورت پر دو طلاقِ بائن واقع ہو چکی ہیں اور نکاح ٹوٹ چکا ہے اب تجدید نکاح کے بغیر ساتھ رہنا جائز نہیں اور شوہر کو صرف ایک طلاق کا حق باقی رہ گیا ہے۔

لمافی الدر المختار (۳۰۸/۳): (لا) يلحق البائن (البائن) إذا أمكن جعله إخبارا عن الأول۔

وفی الرد تحته: قوله (إذا أمكن الخ) قيد في عدم لحاق البائن البائن ومحترزه ما أفاده بقوله بخلاف أبنتك بأخرى الخ ط ---- أقول ويدفع البحث من أصله تعبيرهم بالإمكان وبأنه لا حاجة إلى جعله إنشاء متى أمكن جعله خبرا عن الأول۔

وفی الدر المختار أيضا (۳۵۶/۳): (فإن اختلفا في وجود الشرط) --- (فالقول له مع اليمين) لإنكاره الطلاق--- (إلا إذا برهنت)۔

وفی الرد تحته: قوله (إلا إذا برهنت) وكذا لو برهن غيرها۔

(۳۳۲) میاں، بیوی کا تعلیق طلاق میں اختلاف کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ "اگر تو میرے دفتر میں آئی تو تجھے طلاق"۔ کئی سال گزرنے کے بعد ایک دن شوہر نے فون کر کے بیوی کو بلایا اور کہا کہ ایک ضروری کام ہے فوراً میرے دفتر آجاؤ۔ عورت دفتر پہنچ گئی اور پھر شوہر سے کہا کہ تم نے کہا تھا کہ اگر میرے دفتر آئیں تو طلاق ہوگی۔ شوہر نے کہا کہ مجھے تو یہ بات یاد نہیں کہ میں نے ایسا کبھی کہا ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب ......صورت مسئولہ میں اگر شوہر کو اپنی بات یاد نہیں ہے اور وہ تعلیق کا انکار کرتا ہے اور عورت کو یہ بات یقینی طور پر یاد ہے تو عورت سے گواہ طلب کئے جائیں گے اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو شوہر اپنی بات پر قسم کھائے گا اور طلاق کے عدمِ وقوع کا حکم لگے گا البتہ آئندہ احتیاط سے کام لیا جائے۔

لمافی الهندية (۴۲۲/۱): وإن اختلفا في وجود الشرط فالقول له إلا إذا برهنت وما لا يعلم إلا منها فالقول لها في حقها كإن حضت الخ۔

وفی الدر المختار (۳۵۶/۳): (فإن اختلفا في وجود الشرط) أي ثبوته ليعم العدمي (فالقول له مع

اليمين) لإنكاره الطلاق،ومفاده أنه لو علق طلاقها بعدم وصول نفقتها أياما فادعى الوصول وأنكرت أن القول له وبه جزم في القنية ، لكن صحح في الخلاصة والبزازية أن القول لها ، وأقره في البحر والنهر . وهو يقتضي تخصيص المتون ؛ لكن قال المصنف : وجزم شيخنا في فتواه بما تفيده المتون والشروح لأنها الموضوعة لنقل المذهب كما لا يخفى(إلا إذا برهنت) فإن البينة تقبل على الشرط الخ۔

وفی الشامية (۳۵۶/۳)مطلب اختلف الزوجين فی وجود الشرط:(قوله في وجود الشرط) أي أصلا أو تحققا كما في شرح المجمع : أي اختلفا في وجود أصل التعليق بالشرط أو في تحقق الشرط بعد التعليق .وفي البزازية : ادعى الاستثناء أو الشرط فالقول له۔

(۳۳۳)طلاق کے عدد میں جھوٹ بولنااور تین طلاق کو ایک کہنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے شوہر نے مجھے چھوٹی سی غلطی پر ڈانٹ ڈپٹ کر کے چار مرتبہ لفظ طلاق استعمال کیا لیکن وہ کہتا ہے کہ اس نے دومرتبہ طلاق دی ہے جبکہ میں حلفیہ کہتی ہوں کہ اس نے دومرتبہ نہیں بلکہ چار مرتبہ طلاق دی ہے اور میرا حلفیہ بیان اس پرچہ کے ساتھ منسلک بھی ہے اور وہ دارالعلوم کراچی سے فتویٰ بھی لے کر آیا مگر وہ فتویٰ ہمیں نہیں دکھایا اس کو ہم سے پوشیدہ رکھا ہم نے دارالعلوم جا کر اس فتویٰ کی فوٹو کاپی حاصل کی ہے، وہ بھی اس سوالیہ پرچہ کے ساتھ منسلک ہے۔

اب وہ غیر مقلدین سے فتویٰ لے کر آنا چاہتا ہے اور کہتا ہے تم بھی غیر مقلدین سے فتویٰ لے کر آجاؤ۔ دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) کیا حنفی المسلک مسلمان کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ غیر مقلدین سے جا کر اپنی مرضی کے مطابق فتویٰ لے آئے اور ان کے فتویٰ کو درست اور اپنے حنفی المسلک کے فتویٰ کو غلط سمجھے؟

(۲) میرا شوہر جو کے درحقیقت مجھے چار طلاق دے چکا ہے لیکن چار نہیں مانتا بلکہ دو کہتا ہے، ایسا جھوٹا شخص اور چار کو دو طلاق کہنے والا شریعت کی رُو سے کس قدر گناہ گار ہوگا اور ایسے شخص کو شرعاً کیا کہا جائے گا؟

(۳) میرا شوہر دو طلاق کہتا ہے اور میں حلفیہ طور پر چار کہتی ہوں، ایسی صورت میں ہمارے اس مسئلہ کا شرعی حل کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بشرط صحت واقعہ اگر شوہر نے واقعی چار مرتبہ یہ الفاظ کہے ہوں "تو میری بیوی نہیں، میں تجھے طلاق دے رہا ہوں" تو شوہر پر اس کی بیوی حرام ہو چکی ہے۔اب بغیر حلالہ شرعیہ کے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا۔

(۱) اس معاملے میں غیر مقلدین سے فتویٰ لینا اور اس فتوے پر عمل کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

(۲) اگر شوہر نے واقعتاً چار طلاقیں دی ہیں تو اس کیلئے جھوٹ بولنا کہ میں نے دو طلاقیں دی ہیں اور اپنی بیوی کو روکنا حرام ہے۔

(۳) طلاق کے معاملے میں اگر شوہر اور بیوی کے درمیان اختلاف پیدا ہوجائے تو شرعاً بیوی دو گواہ پیش کرے گی اگر بیوی کے پاس گواہ نہ ہوں تو شوہر سے قسم لی جائے گی اگر شوہر قسم کھانے سے انکار کردے تو بیوی کے حق میں فیصلہ ہوجائے گا اور اگر شوہر قسم کھالیتا ہے تو اس کے حق میں فیصلہ ہوجائے گا البتہ اگر وہ جھوٹی قسم کھاتا ہے تو اس گناہ کا وبال اسی پر آئے گا لیکن اگر بیوی نے طلاق کے الفاظ اپنے کانوں سے اچھی طرح سنے ہیں تو پھر اس کیلئے شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں بلکہ عدالت کے ذریعے یا جس طرح بھی ممکن ہو، اپنی جان چھڑائے گی اور یہی حکم آپ کے مسئلے کا ہے۔

لمافی صحیح البخاری (۷۹۱/۲): عن عائشة رضي الله عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی ﷺ أتحل للأول قال "لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الأول"

وفیه أیضاً(۳٦۸/۱): عن أم سلمة رضي الله عنها: أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: " إنکم تختصمون إلي، ولعل بعضکم ألحن بحجته من بعض، فمن قضیت له بحق أخیه شیئا، بقوله: فإنما أقطع له قطعة من النار فلا یأخذها "

وفی فتح القدیر (۴٦۹/۳): وقد أثبتنا النقل عن أکثرهم صریحا بإیقاع الثلاث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق إلا الضلال وعن هذا قلنا لو حکم حاکم بأن الثلاث بفم واحد واحدة لم ینفذ حکمه لأنه لا یسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف۔

وفی الشامیة(۲۵۱/۳): والمرأة کالقاضي إذاسمعته أوأخبرهاعدل لایحل لهاتمکینه والفتوی علی أنه لیس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدی نفسها بمال أو تهرب کما أنه لیس له قتلها اذا حرمت علیه۔

(۳۳۴) شوہر اور وکیل کے درمیان تعداد طلاق میں اختلاف کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن میں اپنے محلے کے امام صاحب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جب میں جانے لگا تو ایک آدمی آیا اور ان سے ایک مسئلہ پوچھا کہ میں نے کسی آدمی سے کہا تم جا کر میری بیوی کو طلاق دو تو دوسرا شخص اس کی بیوی کے گھر گیا اور کہا کہ آپ کے شوہر نے مجھے کہا ہے کہ تم میری بیوی کو تین طلاقیں دیدو لہٰذا میں آپ کو تین طلاقیں دیتا ہوں۔ جب بیوی نے شوہر کو فون کر کے پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ میں نے تو صرف ایک طلاق کا کہا تھا اب میاں بیوی دونوں میں اختلاف ہوگیا ہے۔اب کیا کرنا چاہیئے؟ اس وقت تو میں وہاں سے چلا گیا یعنی اپنے امام صاحب کے پاس سے لیکن میں نے سوچا کے میں خود بھی یہ مسئلہ کسی مفتی صاحب سے معلوم کروں گا۔اب آپ بتائیں کس کا قول معتبر ہے اور مذکورہ صورت میں رجوع کا طریقہ کیا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ کے مطابق جب شوہر نے وکیل کو ایک طلاق کا حکم دیا اور وکیل نے تین طلاقیں

دے دیں تو اس صورت میں ایک طلاق رجعی ہی واقع ہوگی تین طلاقیں واقع نہ ہوں گی کیونکہ اس صورت میں شوہر کی بات کا اعتبار ہوگا۔

لمافی الخانية (۲/۲۵۲): رجل وكل غيره بالطلاق فطلقها الوكيل ثلاثا إن كان الزوج نوى بالتوكيل التوكيل بالثلاث طلقت ثلاثا وإن لم ينو الثلث لا يقع شئ فی قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ رجل قال لغيره طلق امرأتي رجعية فقال لها الوكيل طلقتك بائنة يقع واحدة رجعية ولو قال الوكيل أبنتها لايقع شئ۔

وفی الشامية (۳/۳۳۳): وفيه عن كافي الحاكم لو وكله أن يطلق امرأته فطلقها الوكيل ثلاثا إن نوى الزوج الثلاث وقعن وإلّا لم يقع شيء عنده وقالا تقع واحدة۔

(۳۳۵) مذکورہ بالا مسئلے پر استدراک کا جواب

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے آپ کے دارالافتاء کے اس فتوے پر چند تحفظات ہیں ازراہِ کرم قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکال کر جواب مرحمت فرمائیں۔

(۱) وکیل اور موکل کا اختلاف عددِ طلاق میں ہوا ہے تو یہاں اصولاً وکیل کو بلا کر گواہ مانگنے چاہیئے تھے۔

(۲) اگر وکیل تین طلاق پر توکیل کے گواہ لے آتا تو تین طلاقیں ہونی چاہیئے۔

(۳) کیا یہاں ''المرأة کالقاضی'' کا مسئلہ نہیں چلے گا عورت نے وکیل سے تو تین طلاقوں کے الفاظ سنے ہیں۔

(۴) وکیل غائب ہوجاتا ہے نہیں ملتا تو کیا المرأة کالقاضی کا یہ تقاضہ نہیں کہ بیوی تین طلاقوں پر عمل کرتے ہوئے مکمل علیحدگی اختیار کرلے۔ ازراہِ کرم مسئلے کی مفصل تشریح فرماتے ہوئے مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورتِ مسئولہ میں منسلکہ فتوے میں شوہر نے بیوی کو مطلق طلاق دینے کا وکیل بنایا اور ایک طلاق مراد لی ہے، جبکہ وکیل تین طلاقیں دے آیا تو اس صورت میں اصولاً ایک ہی طلاق واقع ہونی چاہیئے اور شوہر کی بات [کہ اس کی نیت ایک کی تھی] معتبر ہے۔ وکیل نے اسے تین سمجھ کر تین طلاقیں دے دیں تو یہ وکیل ایک سے زائد طلاق دینے میں فضولی ہے لہٰذا باقی دو طلاقیں نافذ نہ ہوں گی البتہ اگر شوہر بعد علم کے ان دو کو بھی نافذ کردے تو وہ بھی نافذ ہوجائیں گی۔

منسلکہ فتوے میں وکیل اور موکل کا اختلاف یا مخاصمت نہیں ہوئی اگر مخاصمت ہوتی تو وکیل سے ضرور گواہ مانگے جاتے یہاں جھگڑا شوہر اور بیوی کے درمیان ہے اور وکیل موقع سے غائب ہے البتہ بیوی نے چونکہ وکیل سے تین طلاقوں کے الفاظ سننے کا دعویٰ کیا ہے لہٰذا بیوی سے گواہ طلب کئے جائیں گے کہ وکیل کے تین طلاق دینے پر گواہ لاؤ اگر گواہ ہوں تو تین طلاقوں کا حکم لگا دیا جائے گا اور اگر بیوی کے پاس گواہ نہ ہوں لیکن عورت یہ سمجھتی ہے کہ شوہر نے تین طلاقوں کا وکیل بنایا ہوگا اور وکیل بھی عادل شخص ہو غلط بیان انسان نہ ہو تو ''المرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل'' کے قاعدے کے تحت احتیاطاً بیوی کیلئے یہ حکم ہوگا کہ وہ شوہر سے علیحدہ ہوجائے لیکن یہاں

بیوی اور شوہر دونوں کو ایک بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ یہ حلت وحرمت سے متعلق مسائل ہیں۔خدا کی حرام کردہ چیز کو حلال یا حلال کردہ چیز کو حرام کرنے کے لئے جھوٹ بولنا یا ذاتی عناد کو درمیان میں لانا انتہائی خطرناک امر ہے لہٰذا دونوں افراد اپنی عاقبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو کچھ واقعہ ہو اس کے مطابق عمل کریں۔

لمافی المبسوط (۱۴۳/۶): وكل ما لا يدينه القاضي فيه فكذلك المرأة إذا سمعت منه أو شهد به شاهد عدل لا يسعها أن تدين الزوج فيه لأنها لا تعرف منه إلا الظاهر كالقاضي۔

وفی الطحطاوی علی الدر (۱۱۳/۲): واعلم أن المرأة كالقاضی لایحل لها أن تمكنه اذا سمعت أو شهد عندها به عدل لكن تعتبر نيته بينه و بين الله تعالیٰ، درر،فتدفعه عن نفسها بغير القتل علی المختار للفتوی وعلی القول بالقتل فتقتله بالدواء --- والمراد بكون المرأة كالقاضی أن ذلك فی عدم التصديق لا مطلقا فان خبر الواحد يعتبر عند المرأة ولا يعتبر عند القاضی لأن شان القاضی التفريق وشان المرأة عدم التمكين احتياطا۔

(۳۳۶) شوہر کا طلاق نامہ کو ماننے سے انکار کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مرتبہ میرے شوہر نے مجھے تحریراً تین طلاقیں دیں اب وہ اس سے انکار کررہے ہیں، آیا اس سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اور اب میرے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں تحریر کے اندر تین طلاقیں الگ الگ ذکر ہیں اور تینوں الفاظ صریح ہیں لیکن یہ تحریر مرسومہ نہیں لہٰذا شوہر کے اقرار کے بغیر اس سے طلاق کا وقوع نہ ہوگا اور اگر شوہر تحریر کا منکر ہے تو عورت دو گواہ لائے اس بات پر کہ یہ تحریر شوہر نے لکھی ہے ورنہ طلاق کے وقوع کا حکم نہ لگے گا۔وہ عورت بدستور اس کے نکاح میں ہے شرعاً اسے علیحدہ رہنے کی اجازت نہیں۔

لمافی الهندية (۳۵۵/۱): وإذا قال لامرأته أنت طالق وطالق ولم يعلقه بالشرط إن كانت مدخولة طلقت ثلاثا وإن كانت غير مدخولة طلقت واحدة وكذا إذا قال أنت طالق فطالق فطالق أو ثم طالق ثم طالق أو طالق طالق كذا في السراج الوهاج۔

باب الفسخ والتفریق

(فسخ اور تفریق کا بیان)

(۳۳۷) یکطرفہ عدالتی تنسیخِ نکاح کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شریف لڑکی کا نکاح ایسے شخص کے ساتھ ہو گیا جو نکما اور ہیروئن کا عادی ہے۔لڑکی نے کافی عرصے تک نبھانے کی کوشش کی۔کئی مرتبہ نا اتفاقی ہوئی لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھ گئی۔شوہر آیا اور خوشامد درآمد کر کے آئندہ نشہ نہ کرنے کا وعدہ کر کے لڑکی کو لے گیا۔کئی بار ایسا ہوا۔آخر کار والد اور لڑکی نے تنگ آ کر عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کر دیا۔کافی عرصے کیس چلتا رہا عدالت نے لڑکی کے شوہر کو متعدد نوٹس روانہ کئے مگر لڑکا کسی حاضری پر بھی عدالت میں نہ آیا، چنانچہ عدالت نے یکطرفہ طور پر کارروائی کرتے ہوئے تنسیخِ نکاح کا فیصلہ کر دیا۔

عدت بھی گزر گئی ہے۔کافی عرصہ کے بعد اب لڑکا پھر گھر کے چکر لگا رہا ہے لڑکی کے والد سے معافی مانگ رہا ہے، آئندہ بہتر زندگی گزارنے کا وعدہ کر رہا ہے (ایسا وہ کئی بار کر چکا ہے) اور کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا عدالت کے فیصلے پر طلاقِ مغلظہ واقع ہو چکی ہے اور کیا بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے جبکہ لڑکی کے دماغ میں پھر خناس گھس گیا ہے کہ میں تو جاؤں گی۔

الجواب بعون الملک الوھاب.....شریعت مطہرہ نے طلاق کا اختیار صرف شوہر کو دیا ہے البتہ اگر میاں بیوی کا ساتھ نبھانا مشکل ہو تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ باہمی رضامندی سے خلع کرے۔عدالتی تنسیخ سے مراد چونکہ عموماً یک طرفہ خلع کی ڈگری ہوتی ہے جو کہ شرعاً کالعدم ہے کیونکہ وہ یک طرفہ فیصلہ ہوتا ہے جو کہ شرعاً شوہر کی رضامندی نہ ہونے کی وجہ سے غیر معتبر ہے، چنانچہ صورت مسئولہ میں یہ لڑکی بدستور اس کی بیوی ہے اور عدالتی تنسیخ سے اس کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا لہٰذا اس لڑکی کو شوہر کے حوالہ کر دینا چاہیئے جبکہ مذکورہ لڑکی خود بھی اس کے ساتھ رہنے کو تیار ہے اور شوہر کو چاہیئے کہ نشہ چھوڑ دے اور بیوی کے حقوق ادا کرے۔

لمافی سنن ابن ماجہ (ص۱۵۱): عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : أتى النبي صلى الله عليه وسلم رجل ، فقال : يا رسول الله ! سيدي زوجني أمته، وهو يريد أن يفرق بيني وبينها، قال: فصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر ، فقال : يا أيها الناس ، ما بال أحدكم يزوج عبده أمته ، ثم يريد أن يفرق بينهما ؟! إنما الطلاق لمن أخذ بالساق.

وفی تکملة فتح الملهم (۱/۱۳۴): ولو لم تشترط ذلك فی العقد فلها أن تختلع من زوجها برضاه وإن لم یكن ذلك فلها أن تطلب من القاضی فسخ النكاح إذا كان زوجها عنینا أو مجنونا أو متعنتا أو مفقودا۔

وفی الشامیة (۳/۴۴۱): وأما ركنه فهو كما فی البدائع إذا كان بعوض الایجاب والقبول لأنه عقد علی الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا یستحق العوض بدون القبول۔

وفی الفقه الإسلامی وأدلته (۹/۷۰۶۰): لم یجز الحنفیة والشافعیة والحنابلة التفریق للشقاق أو للضرر مهما كان شدیداً لأن دفع الضرر عن الزوجة یمكن بغیر الطلاق عن طریق رفع الأمر إلی القاضی والحكم علی الرجل بالتأدیب حتی یرجع عن الإضرار بها۔

(۳۳۸) یکطرفہ خلع کی ڈگری کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بیوی پندرہ سال تک میرے ساتھ رہی۔ دو بچے بھی ہوئے۔ اب کچھ ماہ سے اس کے کسی لڑکے سے تعلقات قائم ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے وہ مجھ سے بذریعہ عدالت خلع لینا چاہتی ہے حالانکہ میں نہ طلاق دینے پر راضی ہوں اور نہ میں زبانی طلاق دے رہا ہوں نہ تحریراً، پھر بھی وکیل کہتے ہیں کہ عدالت عورت کے حق میں فیصلہ کردے گی اور تمہارے خلع وطلاق نہ دینے کے باوجود عورت کیلئے خلع کی ڈگری جاری کردے گی۔ پوچھنا یہ ہے کہ جب میں نہ طلاق دے رہا ہوں اور نہ خلع دے رہا ہوں اور نان نفقہ بھی پورا دے رہا ہوں اور کوئی جنسی مسئلہ بھی نہیں ہے ان سب چیزوں کے باوجود اگر عدالت عورت کے لئے خلع کی ڈگری جاری کردیتی ہے تو کیا یہ خلع شرعاً معتبر ہوگا یا نہیں؟ اگر معتبر نہیں ہے تو اس مسئلہ کا شرعی حل کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......شریعت مطہرہ نے طلاق کا اختیار صرف شوہر کو دیا ہے البتہ اگر میاں بیوی کا ایک ساتھ نبھاؤ مشکل ہو تو عورت کو شرعاً یہ اجازت حاصل ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ باہمی رضامندی سے خلع کرے لیکن عورت کا اپنے شوہر کی رضامندی کے بغیر صرف عدالت سے خلع کی ڈگری حاصل کرلینا یہ درست نہیں اور اس خلع کی ڈگری کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ یک طرفہ فیصلہ ہوتا ہے جو کہ غیر معتبر ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں عدالت اگر یک طرفہ طور پر فیصلہ کرتی ہے تو شرعاً یہ فیصلہ غیر معتبر ہوگا اور اس سے آپ کے نکاح پر شرعاً کوئی اثر نہیں پڑے گا نیز یہ کہ اگر بیوی ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو آپ کو چاہیئے کہ خوش اسلوبی سے یا تو طلاق دیدیں یا رضامندی سے خلع کرلیں۔

لما فی القرآن الكریم (البقرة:۲۲۹): فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ

بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

وفى الهندية (۴۸۸/۱): إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعلا ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال كذا في الهداية۔

وفى الشامية (۴۴۱/۳): وأما ركنه فهو كما في البدائع إذا كان بعوض الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

(۳۳۹) طلاق بالجبر اور عدالتی تنسیخ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ باپ نے اپنی بیٹی کا نکاح کسی کے لڑکے سے کیا پھر باپ مرگیا اور لڑکی کے بھائیوں نے تنسیخ کے ذریعے لڑکی کا نکاح ختم کرادیا جبکہ ان دونوں یعنی لڑکی اور لڑکے کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی اور لڑکا بھی موجود ہے، صحیح سالم ہے۔کیا تنسیخ کے ذریعے شرعاً نکاح ختم ہوجاتا ہے اور بیوی پر طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اگر لڑکے کو عدالت میں جج نے زبردستی طلاق دینے پر مجبور کیا ہو اور اس نے طلاق دے دی ہو، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی؟

نوٹ: باپ نے اپنی بچی کا نکاح بچپن میں کرایا تھا اور بھائی نے بعد البلوغ تنسیخ کرائی ہے اور اب لڑکا بھی بالغ ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر قواعد شرعیہ کے موافق شوہر نے بیوی کو زبانی طلاق دی ہو، اگرچہ اس کو طلاق پر مجبور کیوں نہ کیا گیا ہو، اس صورت میں بیوی مطلقہ ہوجاتی ہے اور اگر شوہر نے طلاق نہ دی ہو اور نہ شوہر میں ایسا شرعی نقص ہو، جو موجب تنسیخ ہو تو عدالت کے ذریعہ تنسیخ نکاح سے شرعاً نکاح ختم نہیں ہوتا۔

لما فى الدر المختار (۳۳۵/۳): (ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل) ولو تقديرا بدائع ليدخل السكران (ولو عبدا أو مكرها) فإن طلاقه صحيح لا إقراره بالطلاق۔

وفى الهندية (۵۲۳/۱): في التأجيل تعتبر السنة القمرية في ظاهر الرواية كذا في التبيين وهو الصحيح كذا في الهداية۔

وفيه أيضاً (۵۲۴/۱): إن اختارت الفرقة أمر القاضي أن يطلقها طلقة بائنة فإن أبى فرق بينهما هكذا ذكر محمد رحمه الله تعالى في الأصل كذا في التبيين والفرقة تطليقة بائنة كذا في الكافي۔

وفى الهندية (۵۲۶/۱): وإذا كان بالزوج جنون أو برص أو جذام فلا خيار لها كذا في الكافي قال محمد رحمه الله تعالى إن كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة ثم يخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ وإن كان مطبقا فهو كالجب وبه نأخذ كذا في الحاوي القدسي۔

(۳۴۰) زوجین کی رضامندی سے پنچائیت کا علیحدگی کا فیصلہ

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شادی منعقد ہوئی لیکن کچھ عرصہ تقریباً دو ماہ بعد میاں بیوی میں چپقلش ہوئی اور کسی طرح ان میں صلح نہ ہو پائی، کچھ معتبر افراد نے ان میں صلح کرانے کی کوشش کی لیکن ان کی کوششیں بارآور ثابت نہ ہوئیں۔ اُن معتبر افراد نے حالات کی نزاکت دیکھتے ہوئے یہ طے کیا کہ ان دونوں (میاں اور بیوی) میں جدائی کروادی جائے، لہٰذا دونوں فریق جدائی پر ممکنہ حد تک راضی ہوگئے، لیکن لڑکا یہ لکھ کر دینے کو راضی نہیں کہ میں اپنی منکوحہ کو "طلاق" دیتا ہوں۔ جبکہ لڑکی والوں کا یہ کہنا ہے کہ لڑکا طلاق دے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ "پنچائیت میں کئے فیصلہ پر" اگر لڑکا اور لڑکی یہ کہیں کہ "ہمیں پنچائیت کا فیصلہ منظور ہے" تو کیا اس طرح سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؟ نیز پنچائیت اگر یہ فیصلہ کرے کہ "ان دونوں میں جدائی کرادینا بہتر ہے" اب لڑکا یا لڑکی یہ کہیں یا اس بات پر دستخط کردیں کہ "مجھے پنچائیت کا فیصلہ منظور ہے" تو کیا یہ طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں زوجین نے پنچائیت کو حَکَم نہیں بنایا بلکہ پنچائیت نے اپنے طور پر مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی ہے اور مسئلہ حل نہ ہوتے دیکھ کر جدائی کو بہتر قرار دیا ہے اس پر شوہر کے ''منظور ہے'' کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی لہٰذا لڑکے سے علیحدگی کیلئے طلاق یا خلع لینا ضروری ہے اس کے علاوہ علیحدگی کی کوئی صورت نہیں۔

لمافی الخانية (۵۲۶/۱): لوقال لغيره أمر امرأتي بيدك فی تطليقة أوبتطليقة فطلقها المأمور فی المجلس يقع واحدة رجعية۔

وفی الشامية (۳۳۳/۳): لو قال له أمر امرأتي بيدك فإنه يقتصر على المجلس ولا يملك الرجوع على الأصح۔

وفی(۴۴۰/۳): فقوله لها خالعتك بلا ذكر مال لا يسمى خلعا شرعا بل هو طلاق بائن غير متوقف على قبولها ---

وفيه أيضا (۴۴۳/۳): قال: خالعتك فقبلت يقع البائن۔

وفی الفقه الاسلامی وأدلته (۶۹۴۵/۹): وان كان التفويض بلفظة الاختيار أو الأمر باليد، كان الطلاق بائناً۔

وفيه أيضا (۷۰۶۲/۹): نوع الفرقة للشقاق: الطلاق الذي يوقعه القاضي للشقاق طلاق بائن؛ لأن الضرر لا يزول إلا به؛ لأنه إذا كان الطلاق رجعياً تمكن الزوج من مراجعة المرأة في العدة، والعودة إلى الضرر --- إذا ادعى أحد الزوجين إضرار الآخر به، جاز له طلب التفريق من

القاضي، وإذا ثبت الإضرار، وعجز القاضي عن الإصلاح فرق بينهما، وذلك بطلقة بائنة۔

(۳۴۱) لڑکے کے قادیانی ہو جانے سے نکاح کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مسلمان لڑکے کی ایک مسلمان لڑکی سے شادی ہوئی تھی پھر یہ لڑکا قادیانی لوگوں سے جا کر مل گیا اور اب اس نے دوسری شادی قادیانی لڑکی سے کر لی، جب کبھی گھر آتا ہے تو گھر والوں سے کہتا ہے کہ میں قادیانی ہو گیا ہوں، العیاذ باللہ۔ آپ لوگ میرے ہاتھ کا کھانا نہیں کھا سکتے اور آپ لوگ میرا جنازہ تک نہیں پڑھ سکتے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ مذکورہ صورت میں اس لڑکے کا پہلا نکاح جو مسلمان لڑکی سے ہوا تھا وہ فسخ ہو گیا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......قادیانی فرقے کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ یہ فرقہ کافر ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مسلمان لڑکی سے شادی کرنے کے بعد قادیانی فرقے میں شمولیت کرنے کی وجہ سے یہ شخص مرتد ہو گیا ہے لہٰذا اس کا پہلا نکاح جو مسلمان لڑکی سے ہوا تھا وہ ختم ہو گیا ہے۔

لما في القرآن الكريم (الاحزاب:۴۰): مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا۔

وفي الهندية (۲/۲۶۳) كتاب المرتدين: سمعت بعضهم يقول إذا لم يعرف الرجل أن محمدا صلى الله عليه وسلم آخر الأنبياء عليهم وعلى نبينا السلام فليس بمسلم كذا في اليتيمة۔

وفي الدر المختار (۴/۲۴۱) باب المرتدين: ثم قال (و) كذا الكافر بسب (الزندقة) لا توبة له۔

وفي الشامية (۴/۲۴۱): أن المنافق غير معترف بنبوة نبينا ﷺ ...... قلت لكن الزنديق باعتبار أنه قد يكون مسلما وقد يكون كافرا من الأصل لا يشترط فيه الاعتراف بالنبوة وسيأتي عن الفتح تفسيره بمن لا يتدين بدين۔

وفي الدر المختار (۳/۱۹۳): (وارتداد أحدهما) أي الزوجين (فسخ) فلا ينقص عددا (عاجل)۔

(۳۴۲) نان نفقہ پر قادر نہ ہونے والے شخص سے علیحدگی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ناداری اور بیماری کی وجہ سے بیوی کے مصارف پر قدرت نہیں رکھتا اور طلاق بھی نہیں دیتا، بیوی بہت پریشان ہے۔ اس صورت میں شرعاً بیوی کیلئے نجات کا کیا ذریعہ ہے؟ فقہ حنفی میں اس کا کیا حل ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر شوہر بے روزگار ہو اور بیوی کے نان نفقہ کا انتظام نہ کرسکتا ہو تو اس بنیاد پر بیوی کو حق تفریق حاصل نہیں۔ بیوی کو چاہیئے کہ خود بھی گھر کے اندر ہی رہتے ہوئے سلائی کڑھائی نوعیت کے کام انجام دے کر کچھ پیسے کرے اور شوہر بھی حتی المقدور کچھ نہ کچھ کرتا رہے، إن شاء اللہ اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں گے اور عارضی تنگی کو برداشت کرنا دائمی خوشحالی اور مسرتوں کی زندگی کا سبب بنے گا۔

عورت کو حق تفریق نہ دینا اس کی بہت سی مصلحتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عقدِ نکاح کے بندھن کو توڑنے کا حق صرف شوہر کو دیا ہے۔ عورت ناقص العقل ہوتی ہے، وہ معمولی سی بات پر بھی ضبط سے باہر نکل کر اس عقد کو ختم کردے گی جس کے مفاسد واضح ہیں۔ ہر دن گھر اجڑیں گے لہٰذا یہ حق شریعت نے صرف شوہر کو دیا ہے البتہ مسئلے کا ایک اور پہلو ہے اور وہ ہے بعض مردوں کی طرف سے موجود زیادتی۔ بعض مرد حقیقتاً زیادتی کرتے ہیں اور حق سے تجاوز کے مرتکب ہوتے ہیں ان سے چھٹکارے کیلئے یہ حل ہے کہ بیوی عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور عدالت تحقیق کرے اگر بعد از تحقیق ثابت ہوجائے کہ شوہر نفقہ وغیرہ نہیں دیتا اور نہ اس کے لئے کوئی کوشش کرتا ہے تو عدالت شوہر کو طلاق پر مجبور کرے۔ شوہر عدالت کے کہنے پر زبانی طلاق دے گا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور وہ عورت ایسے شوہر کے پنجے سے آزاد ہوجائے گی۔

لمافی الهندية (۱/۵۵۰): ولا يفرق بعجزه عن النفقة وتؤمر بالاستدانة عليه كذا في الكنز ظهور العجز عن النفقة إنما يكون إذا كان الزوج حاضرا۔

وفی الطحطاوی علی الدر (۱/۵۵۰): (قوله: لا يفرق بينهما بعجزه عن النفقة) أی موضوع المسئلة أنه حاضر ---- ووجه عدم التفريق أن فيه إبطال حقه وفی عدمه تأخير حقها والثانی أخف ضررا من الأول فكان أولی علی أن غاية النفقة أن تكون دينا فی الذمه وقد أعسرالزوج بها فكانت مأمورة بالإنظار بالنص، حموی، ومن ذكر النفقه يعلم حكم المهر بالأولی۔

وفی الدر المختار (۳/۵۹۰): (ولا يفرق بينهما بعجزه عنها) بأنواعها الثلاثة (ولا بعدم إيفائه) لو غائبا (حقها ولو موسرا) وجوزه الشافعي بإعسار الزوج وبتضررها بغيبته ولو قضى به حنفي لم ينفذ نعم و أمر شافعيا فقضى به نفذ إذ لم يرتش الآمر والمأمور۔

وفی الرد تحته : قوله (نعم لو أمر شافعيا) أي بشرط أن يكون مأذونا له بالاستنابة ، خانية قال في غرر الأذكار ثم اعلم أن مشايخنا استحسنوا أن ينصب القاضي الحنفي نائبا ممن مذهبه التفريق بينهما إذا كان الزوج حاضرا وأبى عن الطلاق لأن دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر بالاستدانة إذ الظاهر أنها لا تجد من يقرضها وغنى الزوج مآلا أمر متوهم فالتفريق ضروري إذا طلبته وإن كان غائبا لا يفرق لأن عجزه غير معلوم حال غيبته وإن قضى بالتفريق لا

ينفذ قضاؤه لأنه ليس في مجتهد فيه لأن العجز لم يثبت اهـ۔ والحاصل أن التفريق بالعجز عن النفقة جائز عند الشافعي حال حضرة الزوج وكذا حال غيبته مطلقا أو ما لم تشهد بينة بإعساره الآن۔

(۳۴۳) نکاح کے کچھ دن بعد شوہر کی بیماری کی وجہ سے علیحدگی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نکاح کے بعد کچھ عرصہ تک شوہر کے پاس رہی۔اس کے بعد خاوند بیمار ہوگیا اور بدن میں ناسور پڑ گیا۔اب دوتین سال سے وہ زخم اچھا ہوتا ہے اور پھر بہنے لگتا ہے۔خاوند نامرد نہیں ہے لیکن کمزوری کی وجہ سے جماع نہیں کرسکتا اگر کرتا ہے تو تکلیف ہوتی ہے اور عورت کو کسی قسم کی تکلیف نہیں۔کھانا کپڑا اچھی طرح دیتا ہے مگر وہ نکاح فسخ کرانا چاہتی ہے،مہر کا عوض بھی عورت کے قبضہ میں ہے اور دینے سے انکار کرتی ہے۔عورت کی خوشی سے نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں عورت اپنی خوشی سے نکاح کو فسخ نہیں کراسکتی نکاح ختم کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو شوہر طلاق دیدے یا عورت شوہر کی رضامندی سے خلع لے لے۔

لمافي الهندية (۵۲۳/۱): ولو وجدت المرأة زوجها مريضا لا يقدر على الجماع لا يؤجل ما لم يصح وإن طال المرض۔

وفي الدرالمختار(۴۹۶/۳) باب العنين وغيره: (ولو وجدته عنينا) هو من لا يصل إلى النساء لمرض أو كبر۔۔۔ (أجل سنة)۔

وفي الرد تحته: قوله (لمرض) أي مرض العنة وهو ما يحدث في خصوص الآلة مع صحة الجسد فلا ينافي ما يأتي من أن المريض لا يؤجل حتى يصح لأن المراد به المرض المضعف للأعضاء حتى حصل به فتور في الآلة تأمل۔

(۳۴۴) زانی شوہر سے نکاح ختم کرانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی پر بے انتہاء ظلم کرتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا بھائی کسی جرم کی وجہ سے جیل میں ہے اور اس بھائی کی بیٹیاں اس ظالم شخص کے پاس رہتی ہیں اور وہ اپنی بھتیجیوں کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے تو اس کی بیوی اسے اس کام سے روکتی ہے تو وہ اس کو مارتا ہے اور بے انتہاء مارتا ہے حتیٰ کہ لوہے کے پائپ وغیرہ سے بھی پٹائی کرتا ہے اور اس کے اس برے فعل کو دیکھنے والوں میں صرف اس کی بیوی ہی نہیں بلکہ بیوی کے والد اور خاندان کے دوسرے افراد

بھی ہیں حتیٰ کہ اس کی چھوٹی بھتیجی نے اپنے والد کو جیل میں بھی یہ بتایا ہے کہ چچا ہم پر اس طرح ظلم کرتا ہے کہ اپنی بیوی سے زیادہ اس کی بڑی بہن کو اپنے ساتھ رکھتا ہے اور یہ ظالم لاکھ سمجھانے کے باوجود اس قبیح حرکت سے باز نہیں آتا۔

نیز اس نے اپنی ایک بھانجی کے ساتھ بھی یہ قبیح حرکت کی ہے اور بیوی کی چھوٹی بہن کے ساتھ بھی کوشش کی ہے لیکن وہ بھاگ گئی تھی، جب بھی اس کی بیوی اس کو روکنا چاہتی ہے یہ اس کو بہت مارتا ہے جس کی وجہ سے بیوی کا والد اس کو اپنے گھر لے گیا اور اب بیوی اس کے پاس کسی صورت جانے کو تیار نہیں اور کہتی ہے کہ اگر مجھے وہاں بھیجا تو میں خودکشی کرلوں گی اور اب تو اس کے ظالم شوہر نے بھی دھمکی دی ہے کہ اگر تو آئی تو تجھے ماردوں گا لیکن یہ بدبخت اس کو طلاق دینے پر بھی کسی صورت تیار نہیں ہو رہا جبکہ عورت نے کورٹ سے خلع لے لیا ہے اور اب دوسری جگہ اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ کیا عورت اس صورتحال کے پیش نظر دوسری شادی کرسکتی ہے؟ کیا کورٹ سے جو خلع لیا ہے وہ صحیح ہے؟ اگر نہیں تو اب جدائی کی کیا صورت ہوسکتی ہے جبکہ شوہر کسی صورت طلاق دینے پر تیار نہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں خاوند کی جو حالت بیان کی گئی ہے اگر واقعی وہ اس طرح بدکردار ہے اور ظالم ہے اپنی بیوی کو مارتا ہے، حقوقِ زوجیت ادا نہیں کرتا تو ایسے حالات میں سب سے پہلے شوہر سے صلح کی کوشش کی جائے اور اس کو ظلم سے روکا جائے، اگر صلح کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو اس کو خلع یا طلاق پر راضی کرنے کی کوشش کریں اور اس سے خلع یا طلاق لے لیں، اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تو آپ اپنا [تعنت کا] مقدمہ عدالت میں دائر کریں اور اپنا نکاح اس سے ثابت کریں اور اس پر بھی گواہ قائم کریں کہ شوہر اس طرح ظلم کرتا ہے اور بدکردار ہے تو عدالت شوہر کو طلب کر کے کہے، بیوی کے حقوق ادا کرو اور ظلم سے باز رہو یا طلاق دے دو، اگر شوہر طلاق دینے پر راضی نہ ہوا تو عدالت زوجین کے درمیان تفریق کردے گی اور نکاح کو ختم کردے گی، پھر عدت گزرنے کے بعد اگر یہ عورت دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔

لمافي الشامية (۳/۴۴۱) الخلع: قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط۔

وفيه أيضا(۳/۴۴۵):قوله (إن نشز) في المصباح نشزت المرأة من زوجها نشوزا من باب قعد و ضرب عصته ونشز الرجل من امرأته نشوزا بالوجهين تركها وجفاها وأصله الارتفاع اهـ ملخصا۔

وفی الحیلۃ الناجزۃ (ص ۷۳) حکم زوجہ متعنت :اور صورتِ تفریق یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ سے پوری تحقیق کرے اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوا کہ باوجود وسعت خرچ کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے،اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی شرعاً یا جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے۔

(۳۴۵) مذکورہ فتویٰ پر ایک اشکال

سوال......مفتی صاحب متصلہ فتویٰ سے متعلق ایک بات دریافت کرنی تھی وہ یہ کہ اس مسئلے میں جس طرح صلح کا مشورہ دیا گیا ہے کیا یہ درست ہے؟ کیا ایسے بدبخت انسان سے صلح قرین قیاس ہے کیا اسے سولی پر نہیں لٹکانا چاہیئے؟ نیز اس سے خلع یا طلاق لینے کی بات کرنا سمجھ آتا ہے؟ براہ کرم ایسے شخص سے متعلق شرعی حکم تفصیل سے مرحمت فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں صلح کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کو وعظ ونصیحت کے ذریعے سمجھایا جائے تاکہ وہ ان بُرے کاموں سے توبہ کرے اور آئندہ کیلئے اپنی بیوی کے ساتھ اچھی زندگی گزارنے اور حقوق زوجیت ادا کرنے کا عہد کرلے اور عملی طور پر بھی دکھائے کہ اس نے بُرے کاموں سے توبہ کرلی ہے اور عورت کو بھی اس کے ساتھ رہنے پر راضی کیا جائے نیز اگر شرعی گواہوں سے اس کا زنا عدالت میں ثابت ہوجاتا ہے تو وہ لائقِ رجم ہے لیکن فی الحال اگر شوہر سچی توبہ کرلیتا ہے تو وہ اس گناہ کے وبال سے پاک ہوجائے گا جیسا کہ "مشکوۃ ص ۲۰۶ باب الاستغفار والتوبۃ" میں حدیث ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں'' اور عورت بھی ساتھ رہنے پر راضی ہوجائے تو پھر سولی پر لٹکانے کی کیا ضرورت ہے۔

البتہ صلح کا مطلب یہ نہیں کہ شوہر کہے کہ ٹھیک ہے میں حقوق ادا کروں گا اور آئندہ ایسی بری حرکات نہیں کروں گا اور عورت کو اس کے حوالے کردیا جائے بلکہ وہ عملی طور پر بھی دکھائے گا کہ واقعی اس نے توبہ کرلی ہے اور عورت بھی ساتھ رہنے پر راضی ہو اور یہ تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے مسلمان کو گناہ کرتے ہوئے دیکھے تو اس کو اس سے روکنے کی کوشش کرے اور اس کو سمجھائے تاکہ وہ اس عمل سے تائب ہوجائے، لہٰذا طلاق اور خلع کا معاملہ تو بالکل آخری امر ہے اگر کسی بھی طریقے سے صلح ممکن نہ ہو پھر خلع یا طلاق کا معاملہ کیا جائے گا جو متصلہ فتویٰ میں بالتفصیل مذکور ہے۔

لما في القرآن الكريم (النساء: ۳۵): وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا۔

وفي المشكوة (۲۰۶) باب الاستغفار والتوبة: وعن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " التائب من الذنب كمن لا ذنب له ".

وفي التاتارخانية (۵/۵): في الهداية: وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله تعالى، فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها، وفي الزاد: واذا فعل ذلك وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال، وفي شرح الطحاوي: ثم الاختلاف إذا وقع بين الزوجين فالسنة فيه أن يجتمع أهل الرجل وأهل المراة ليصلحا بينهما، فإن لم يجتمعا على الصلح فليس إلى الحكمين

التفريق بينهما، فإن طلقها جاز، وإن خلعها أيضاً جاز۔

وفی الشامية (٣/٤٤١): قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط وهذا هو الحكم المذكور في الآية ـــ وبعد صفحة:قوله (وفي جانبها معاوضة)عطف على قوله يمين في جانبه أي لأن المرأة لا تملك الطلاق بل هو ملكه۔

فصل فی زوجۃ المفقود والغائب

(مفقود اور غائب عورت کا بیان)

(۳۴۶) مفقود کی بیوی سے نکاح کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے گاؤں میں ایک ایسی لڑکی رہتی تھی جس کا شوہر گم ہوئے تقریباً بیس سال ہو چکے ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے۔ اب اس لڑکی کے ساتھ ایک لڑکے نے شادی کی ہے آیا ان دونوں کی یہ شادی صحیح ہے یا نہیں اور اب اس کا کیا کیا جائے گا؟ قرآن وحدیث کے روشنی میں جواب دیجئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... زوجۂ مفقود کے لئے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دارالاسلام میں تو یہ صورت ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرے اور بذریعہ شہادتِ شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ہونا ثابت کرے۔ بعد ازاں قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرے اور جب مایوس ہو جائے تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے پھر اگر ان چار سال میں بھی مفقود کا کچھ پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جائے گا نیز ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔

جن علاقوں میں قاضی شرعی نہیں ہے جیسے اسلامی ریاستوں کے علاوہ ہندوستان کے تمام شہروں کا حال ہے تو وہاں وہ حکام جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات کا تصفیہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور فیصلہ شریعت کے موافق کریں تو ان کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور اگر مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت سے فیصلہ شریعت کے مطابق نہ ہوتا ہو تو پھر دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچائیت تحقیق کرے اور تحقیقِ کامل کے بعد شرعی فیصلہ صادر کردے تو یہ فیصلہ بھی قضائے قاضی کے حکم میں ہو جائے گا۔ ملخص از حیلہ ناجزہ (ص ۱۵۸)

مذکورہ بالا عبارات سے صورتِ مسئولہ کا حکم واضح ہو جاتا ہے کہ مذکورہ لڑکی کو چاہیئے تھا عدالت میں شوہر کی گمشدگی کا مقدمہ دائر کرکے یہ ثابت کرتی کہ وہ میرا شوہر ہے اور بیس سال سے لاپتہ ہے۔ حکم صادر ہونے سے لیکر چار سال گزر جانے کے بعد پھر عدت وفات گزار کر دوسری شادی کرتی۔ جب مذکورہ شرعی طریقہ پر عمل نہ ہوا تو اس کا یہ نکاح شرعاً درست نہیں ہوا اور ان دونوں کے درمیان

جدائی کرانا ضروری ہے۔

(۳۴۷) لاپتہ مرد کی بیوی کیلئے دوسری شادی نیز مسئلہ مفقود میں پنچائیت کی شرائط کا بیان

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج سے تقریباً سات سال پہلے ایک آدمی جہاد افغانستان میں شرکت کیلئے گیا تھا جس کا اب تک پتہ نہیں چلا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیل میں ہے، بعض کہتے ہیں شہید ہوگیا ہے۔ اس کی بیوی دوسری شادی کرنا چاہتی ہے کیا ایسی صورت میں وہ دوسری شادی کرسکتی ہے؟ یا شوہر کا انتظار کرے جبکہ آجکل حالات بھی بہت خراب ہیں گناہ سے بچنا بہت مشکل ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......عورت کیلئے بہتر تو یہ ہے کہ اپنے شوہر کا انتظار کرے لیکن اگر فساد کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرے اور بذریعہ شہادتِ شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا (اگر نکاح کے عینی گواہ موجود نہ ہوں تو اس معاملہ میں شہادت بالتسامع بھی کافی ہے یعنی شہرت عام کی بنا پر بھی شہادت دی جاسکتی ہے) اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود ولاپتہ ہونا ثابت کرے اس کے بعد قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرے جب پتہ ملنے سے مایوس ہوجائے تو عورت کو چار سال مزید انتظار کا حکم کرے پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا کچھ پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جائے گا نیز ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدتِ وفات گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔ جب چار سال جو قاضی نے مقرر کئے تھے ختم ہوچکیں تو دوبارہ درخواست دے کر قاضی سے حکم بالموت حاصل کرلیا جائے تو بہتر ہے۔ اور اگر عورت کیلئے چار سال انتظار کرنا مشکل ہو اور عورت کے معصیت میں مبتلا ہوجانے کا قوی اندیشہ ہو تو پھر ایک سال انتظار کے بعد قاضی اُن کے درمیان تفریق کردے اور عورت عدتِ طلاق [تین حیض] گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں تو وہاں وہ حکام جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات کا تصفیہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور فیصلہ شریعت کے موافق کریں تو ان کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، اگر مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت سے فیصلہ شریعت کے مطابق نہ ہوتا ہو تو پھر دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچائیت حسبِ بیانِ مذکور واقعہ کی تحقیق کرے اور تحقیق کامل کے بعد شرعی فیصلہ صادر کرے تو یہ فیصلہ بھی قضاء قاضی کے حکم میں ہوجائے گا لیکن پنچائیت کا ان شرائط کے موافق ہونا ضروری ہے:

پنچائیت کی شرائط کا بیان

(۱) فتاویٰ مالکیہ میں جماعت المسلمین العدول کے الفاظ ہیں اور عدل سے مراد وہ شخص ہے جو فاسق نہ ہو یعنی تمام کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو اور صغائر پر بھی مصر نہ ہو اور اگر کبھی کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہو تو فوراً توبہ کرلیتا ہو لہٰذا وہ شخص جو سود یا رشوت وغیرہ لیتا ہے

یا داڑھی منڈاتا ہو یا جھوٹ بولتا ہو یا نماز روزہ کا پابند نہ ہو وہ اس جماعت کا رکن نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ مسئلہ مالکیہ سے لیا گیا ہے اس واسطے اس کی سب شرطیں مذہب مالکیہ سے لینا لازم ہے اور ان کے نزدیک قاضی وغیرہ کیلئے عادل ہونا شرط ہے اس لئے غیر عادل کا حکم نافذ نہ ہوگا اور حنفیہ کے نزدیک قاضی کا عادل ہونا شرط کے درجہ میں نہیں لیکن غیر عادل سے فیصلہ کرانا حرام ہے اس لئے ان کے نزدیک بھی غیر عادل کو اس پنچائیت کا رکن بنانا جائز نہیں غرض پنچائیت کا دیندار ہونا ضروری ہے اور اگر بدقسمتی سے کسی جگہ کے بااثر لوگ دیندار نہ ہوں تو یہ تدبیر کرلی جاوے کہ وہ بااثر اشخاص چند دینداروں کو اختیار دیدیں تا کہ شرعاً فیصلہ کی نسبت دیندار جماعت کی طرف ہو اور بااثر اشخاص کی شرکت گو ضروری نہیں مگر ان کے اثر سے کام میں سہولت ہوتی ہے اس طرح کام بھی بن جاوے گا اور بااثر اشخاص کو ثواب بھی ملے گا۔

(۲) اگر فیصلہ پنچایت کے سپرد کیا جائے تو چونکہ عوام کی پنچایت کا کچھ اعتبار نہیں نہ معلوم کہاں کہاں قواعد شرعیہ کے خلاف کر بیٹھیں اس لئے اولاً تو یہ چاہیئے کہ پنچایت کے ارکان اہل علم ہوں اگر یہ میسر نہ ہوں تو کم از کم ایک عالم معاملہ شناس کو پنچائیت میں اس طرح شریک کرلیں کہ اول سے آخر تک جو کچھ بھی کریں ان سے پوچھ کر کریں اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر بجز اس کے پنچائیت کا فیصلہ نافذ ومعتبر ہونے کی کوئی صورت نہیں کہ معاملہ کی مکمل روئیداد دکھلا کر ہر ہر جزئی کے حکم کو معاملہ فہم علمائے محققین سے دریافت کر کے ان کے فتوی کے موافق فیصلہ کیا جائے اگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ عوام نے محض اپنی رائے سے حکم کردیا تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا اگرچہ اتفاقاً حکم صحیح بھی ہو جیسا کہ فقہاء مالکیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

(۳) یہ شرعی پنچائیت جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اگر کسی معاملہ میں متفق ہو کر تفریق کردے تو اس کا حکم قاضی کے حکم کے قائم مقام ہوگا اور تفریق وغیرہ صحیح ہوجائے گی اور اگر خدانخواستہ واقعہ کے متعلق پنچائیت کے ارکان میں اختلاف رہا تو تفریق وغیرہ نہ ہوسکے گی اور اگر بعض نے فیصلہ کردیا تو کالعدم متصور ہوگا۔ (ماخوذ از حیلہ ناجزہ ص ۴۱)[1]

لما في هامش ملتقى الأبحر(۱/۳۸۶): مذهب مالك والقديم من الشافعي تقديره بأربع سنين لكن في حق عرسه لاغير فتنكح بعدها فلو أفتى به في موضع الضرورة ينبغي أن لا بأس به على ما أظن

---

[1] زوجہ عنین، زوجہ مجنون، زوجہ مفقود، زوجہ حاضر متعنت، زوجہ غائب غیر مفقود [ان سب سے متعلق مستقل فصول اگلے صفحات میں آ رہی ہیں] وغیرہ میں قضاء قاضی شرط ہے۔ فقہ حنفی میں پنچائیت وغیرہ کا تصور نہیں، البتہ جہاں مسلمان قاضی [جج وغیرہ] نہ ہو یا مسلمان قاضی تو ہو لیکن شرعی قواعد کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو یا کوئی اور رکاوٹ موجود ہو [جبکہ قاضی سے اس مسئلہ میں فیصلہ کرانا بھی شرط ہو] تو مجبوراً جماعتِ مسلمین یا پنچائیت کا یہ تصور مذہبِ مالکیہ سے لیا گیا ہے لہذا ان کی تمام شرائط کا مذہبِ مالکیہ کے مطابق لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ [ملخص از حیلہ ناجزہ ۲۹] تفریق کی مختلف صورتوں میں [مفقود، عنین وغیرہ] مذہبِ مالکیہ کے مطابق ہی پنچائیت کے ذریعے مسئلہ حل کرانے کا فتوی دیا جاتا ہے، لہذا اگلی فصول "فصل فی زوجة المتعنت" وغیرہ میں جتنے بھی مسائل اس نوعیت کے آئے ہیں کہ قاضی کی قضاء ان میں شرط قرار دی گئی ہو تو وہاں قاضی نہ ہونے کی صورت میں پنچائیت کا فیصلہ مع شرائط نافذ ہوسکتا ہے، یہ امر ملحوظ رہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

كذا في القهستاني۔

وفي الحيلة الناجزة (۷۲): اگر تفریق اس قاعدے[1] کے مطابق کی جائے تو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ تفریق طلاقِ رجعی ہوگی اور اس صورت میں زوجہ مفقود کو بجائے عدت وفات کے عدتِ طلاق یعنی تین حیض گزارنے ہوں گے اور اگر مفقود اس صورت میں واپس آگیا تو اس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر عدت کے اندر اندر آکر رجوع کرلے تو رجعت صحیح ہو جائے گی۔۔الخ۔

(۳۴۸) آٹھ سال لاپتہ شوہر کے مرجانے کی افواہ پر دوسرا نکاح اور اس کے احکام

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی کسی جگہ پر گیا۔ آٹھ سال تک کچھ پتہ نہیں چلا، بعد میں یہ افواہ پھیل گئی کہ وہ مرگیا ہے لہٰذا اس کی بیوی نے عدت گزار کر دوسری شادی کرلی اور اس دوسرے شوہر سے اولاد بھی ہوئی۔ ایک دن اچانک وہ پہلا والا شوہر آگیا اب کیا کیا جائے؟ دوسرا شوہر اس کو طلاق دیگا؟ مہر کا کیا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں شوہر سابق کی واپسی پر شوہر ثانی کا نکاح فسخ ہوجائے گا، اور عورت مذکورہ شوہر سابق ہی کے نکاح میں رہے گی کیونکہ وہ پہلے سے اس [پہلے شوہر] کی منکوحہ ہے، البتہ عدت گزارنے سے پہلے شوہر سابق کیلئے اس سے صحبت کرنا جائز نہیں کیونکہ شوہر ثانی اس سے ہمبستری کرچکا ہے جس سے استبراء ضروری ہے اور شوہر ثانی کا نکاح چونکہ عورت سے لاعلمی میں ہوا ہے اس لئے اس دوران میں پیدا شدہ اولاد شوہر ثانی کی ہوگی اور اس پر عورت کو مہر دینا لازم ہوگا اور عورت کو شوہر ثانی کی طرف سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں، بغیر اس کے طلاق دینے کے وہ شوہر سابق کے نکاح میں رہے گی، کیونکہ وہ پہلے سے اس کی منکوحہ ہے البتہ اس پہلے شوہر کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس عورت کو طلاق دیدے کیونکہ اب کافی عرصہ وہ عورت دوسرے شوہر کے ساتھ رہ چکی ہے، اولاد بھی ہے لہٰذا حسن معاشرت نہ ہوسکے گی۔

لما في الهندية (۲/۳۰۰): فان عاد زوجها بعد مضى المدة فهو أحق بها۔

وفي الهندية أيضا (۵/۳۱۲): وإذا غاب الرجل عن امرأته فاتاها مسلم عدل وأخبرها أن زوجها طلقها ثلاثا أو مات عنها فلها أن تعتد وتتزوج بزوج آخر الخ۔

وفي الشامية (۴/۲۹۷): قال: ثم بعد رقمه رأيت المرحوم أبا السعود نقله عن الشيخ شاهين ونقل

---

[1] اس قاعدے سے مراد وہ صورت ہے کہ مجبوراً چار سال سے قبل ہی قاضی علیحدگی کا حکم کردے، اس صورت میں یہ تفریق طلاقِ رجعی کے حکم میں ہوگی اور یہ حکم، حکم بالطلاق ہوگا نہ کے حکم بالوفاۃ لہٰذا اس صورت میں عدتِ طلاق ہوگی نہ کہ عدتِ وفات، جبکہ چار سال کی مدت گزارنے پر جو حکم قاضی نافذ کرتا ہے وہ حکم بالوفاۃ ہوتا ہے لہٰذا اس میں عدتِ وفات لازم ہوتی ہے۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

أن زوجته له والأولاد للثاني اھ تأمل۔

(۳۴۹) پیسے کمانے کیلئے باہر ملک جانے والے شوہر سے علیحدگی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی پیسہ کمانے کیلئے باہر ممالک میں جاتا ہے اور پانچ یا چھ سال گزارتا ہے اور بیوی کے حقوق پامال کرتا ہے تو آیا اس کی بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ عدالت میں جا کر اس سے نکاح فسخ کرالے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر شوہر اس طرح غائب ہو کہ اس کا پتہ معلوم ہو اور اس سے رابطہ بھی کیا جاسکتا ہے ایسی صورت میں زوجہ اپنا نکاح فسخ نہیں کراسکتی اور نہ ہی قاضی کو فسخ نکاح کا اختیار ہے البتہ اگر نفقہ کا اور کوئی سہارا نہیں اور عورت بغیر نفقہ اور شوہر کے صبر بھی نہیں کرسکتی تو ایسی مجبوری کی حالت میں مالکی مذہب پر عمل کیا جاسکتا ہے وہ یہ کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی یا جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے، جس کے پاس بھی معاملہ پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ سے مکمل تحقیق کرے اگر عورت کا دعویٰ درست ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جائے کہ عورت کے حقوق اداء کرو یا طلاق دو ورنہ ہم تفریق کرادیں گے اس کے بعد بھی اگر وہ کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا جو بھی اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے۔ (ملخص از حیلہ ناجزہ ص ۷۳)

لما فی الدر المختار (۳/۵۹۰): (ولا يفرق بينهما بعجزه عنها) بأنواعها الثلاثة (ولا بعدم إيفائه) لو غائبا (حقها ولو موسرا)۔

وفی الشامية (۳/۵۹۰): مطلب في فسخ النكاح بالعجز عن النفقة وبالغيبة قوله (ولا يفرق بينهما بعجزه عنها) أي غائبا كان أو حاضرا قوله (بأنواعها) وهي مأكول وملبوس ومسكن ح قوله (حقها) أي من النفقة وهو منصوب مفعول المصدر وهو إيفاء۔

(۳۵۰) شوہر کی موت کی خبر پر عورت کیلئے دوسرے نکاح کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کو خبر ملی کہ تمہارا شوہر افغانستان میں شہید ہوچکا ہے اور شوہر کے کئی دوستوں نے وہاں سے آکر اس کی گواہی دی۔ آیا اس صورت میں بھی عدالت سے نکاح فسخ کرانا ضروری ہے یا یہ عورت عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں گواہوں کے ذریعے عدالت میں جا کر نکاح فسخ کرانا ضروری نہیں بلکہ اگر عورت کو ایک عادل شخص بھی آکر یہ بتاتا ہے کہ اس کا شوہر مر گیا ہے تو یہ عورت اس کی بات کا اعتبار کرتے ہوئے عدت گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

لمافی البیهقی (۴۴۵/۷): عن المغیرة بن شعبة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها البیان"

وفی الهندیة (۳۱۲/۵): إذا غاب الرجل عن امرأته فأتاها مسلم عدل فأخبرها أن زوجها طلقها ثلاثا أو مات عنها فلها أن تعتد وتتزوج بزوج آخر۔ الخ۔

(۳۵۱) سمندری سفر میں شوہر کے غائب ہو جانے کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر ۱۸ سال ہے، اس کا شوہر پانی کے جہاز میں نوکری کرتا ہے، ان کا تیل کا جہاز نیوزی لینڈ جاتے ہوئے کھو گیا اور چھ مہینے سے اس جہاز سمیت تمام افراد کی کوئی خبر نہیں تو اس صورت حال میں لڑکی کے لئے کیا حکم ہے؟ آیا وہ کسی دوسرے مرد سے شادی کر سکتی ہے یا اس کے لئے اپنے شوہر کا انتظار کرنا ضروری ہے؟ اور آخر کب تک انتظار کرنا ضروری ہے اور کیوں ضروری ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ایسی عورت جس کا خاوند گم ہو گیا ہو اور اس کی کچھ خبر نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے تو ایسی عورت کو چاہیئے کہ وہ خاوند کی واضح خبر آنے تک انتظار کرے البتہ اگر کسی فتنے (مثلاً زنا وغیرہ) میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ نے مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ جس کے مطابق ایسی عورت عدالت کی طرف رجوع کرے گی اور گواہوں کے ذریعے ثابت کرے گی کہ اس کا نکاح مذکورہ فلاں شخص سے ہوا تھا اور اب وہ لاپتہ ہو چکا ہے۔ اس کے بعد عدالت پولیس واخبار کے ذریعے تلاش کرے گی جب پتہ چلنے سے بالکل مایوسی ہو جائے تو اس عورت کو مزید چار سال انتظار کرنے کا حکم دے گی اگر ان چار سالوں میں بھی خاوند کا کچھ علم نہ ہو تو ان چار سال کے گزرنے پر عدالت خاوند کی موت کا حکم جاری کر دے گی۔

اگر وہ عورت کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا چاہے تو وفات کی عدت (چار ماہ دس دن) گزار کر نکاح کر سکتی ہے۔ لاپتہ شخص کی بیوی کے لئے انتظار کرنے کا یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ اس لاپتہ شخص کی بیوی ہے اور طلاق یا موت کے یقینی علم کے بغیر ان کے نکاح کا یہ بندھن نہیں ٹوٹ سکتا نیز شریعت فروج کے معاملے میں انتہائی احتیاط کی قائل ہے لہٰذا اصل تو یہ ہے کہ یہ عورت عمر بھر انتظار کرے لیکن فتنہ کے اندیشے کی وجہ سے یہ مدت مقرر کی گئی ہے۔

لمافی المدونة الکبری (۳۰/۲): قلت: أرأیت امرأة المفقود أتعتد الأربع سنین في قول مالك بغیر أمر السلطان؟ قال: قال مالك: لا، قال مالك: وإن أقامت عشرین سنة ثم رفعت أمرها إلی السلطان نظر فیها وکتب إلی موضعه الذي خرج إلیه فإذا یئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنین۔

وفی الشامیة (۲۹۵/۴): مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود قوله (خلافا لمالك)

فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين وهو مذهب الشافعي القديم وأما الميراث فمذهبهما كمذهبنا في التقدير بتسعين سنة أو الرجوع إلى رأي الحاكم ـ ـ ـ بخلاف ما إذا لم يغلب عليه الهلاك كالمسافر لتجارة أو لسياحة فإنه يفوض للحاكم في رواية عنه وفي أخرى يقدر بتسعين من مولده كما في شرح ابن الشحنة لكنه اعترض على الناظم بأنه لا حاجة للحنفي إلى ذلك أي لأن ذلك خلاف مذهبنا فحذفه أولى وقال في الدر المنتقى : ليس بأولى . لقول القهستاني : لو أفتى به في موضع الضرورة لا بأس به على ما أظن اهـ

(۳۵۲) مفقود اپنے مال کے حق میں زندہ ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری والدہ کی چھوٹی بہن (جس کی عمر ۲۰ سال تھی) گھر سے کہیں غائب ہوگئی ہیں اب ان کو ۳۰ سال کا عرصہ بیت گیا ہے۔ وہ ابھی تک نہیں مل سکی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ وراثت میں ان کا جو حصہ ہے اس کا کیا کیا جائے؟ جبکہ ان کے والد نے ان کے گم ہوجانے کے بعد ان کے نام کی کوئی وصیت نہیں کی اور تمام حصے دوسری اولادوں میں تقسیم کردیئے۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......مفقود (لاپتہ شخص) اپنے مال کے حق میں زندہ سمجھا جائے گا، جبکہ دوسروں کے اموال کے حق میں اس کو میت شمار کیا جائے گا۔ مفقود کی موت چونکہ یقینی نہیں اس لئے یہ احتمال ہے کہ وہ واپس آجائے، اس صورت میں وہ اپنے حصے کا حقدار ہوگا لہٰذا جن اقارب کا وہ وارث ہوسکتا ہے ان کا ترکہ تقسیم کرتے ہوئے اس کا حصہ نوے برس عمر ہونے تک موقوف رکھا جائے گا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر مفقودہ (لاپتہ خاتون) کے والد نے اپنی تندرستی کی زندگی میں مال دیگر ورثاء میں تقسیم کردیا ہو اور کچھ نہ بچا ہو تو ترکہ نہ ہونے کی وجہ سے میراث تقسیم نہ کی جائے گی اور اگر کچھ مال بچ گیا ہو یا والد نے مرض موت میں تقسیم کیا ہو تو اس کی تکفین وتجہیز، قرضہ کی ادائیگی اور غیر وارث کیلئے بقیہ مال کے ایک تہائی میں سے وصیت (اگر کی ہو) پوری کرنے کے بعد جو باقی بچ جائے وہ میت کا ترکہ ہے۔ اس کو تقسیم کرنے میں مفقودہ (مذکورہ لاپتہ خاتون) کو زندہ اور میت ہونے کے اعتبار سے دو علیحدہ علیحدہ مسئلے بنائے جائیں۔ اور مفقود (لاپتہ عورت) کے علاوہ ہر وارث کو دونوں میں سے اقل حصہ دے کر باقی محفوظ رکھا جائے۔ اگر مفقود کا زندہ ہونا ظاہر ہوگیا تو وہ اپنا حصہ لے لے گی۔

اگر مفقود کی موت والد کی موت سے پہلے ثابت ہوجائے یا اس کی عمر نوے برس ہونے کی وجہ سے اس کی موت کا حکم لگادیا جائے تو ان دونوں صورتوں میں جو حصے محفوظ رکھے گئے تھے دوسرے ورثاء پر دوبارہ تقسیم کردیئے جائیں گے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ بوقت لاپتہ خاتون کے میت ہونے کی صورت میں ہر وارث کا جو حصہ بنتا ہے اس کو پورا کردیا جائے گا۔

لما في الشامية (۲۹۶/۴) كتاب المفقود: قوله (وميت في حق غيره) معطوف على قوله وهو في حق

نفسه حي كما مر ۔۔۔ قوله (ولا يستحق الخ) أي لا يحكم باستحقاقه للوصية بعد موت الموصي ولا بعدمه بل يوقف إلى ظهور الحال فإن ظهر إلى آخر ما سيذكره المصنف ۔۔۔ قوله (على المذهب)وقيل يقدر بتسعين سنة بتقديم التاء من حين ولادته واختاره في الكنز وهو الأرفق هداية وعليه الفتوى ذخيرة۔

وفی الدر المختار (۲۹۸/۴) كتاب المفقود: (وبعده يحكم بموته في حق ماله يوم علم ذلك) أي موت أقرانه (فتعتد) منه (عرسه للموت ويقسم ماله بين من يرثه الآن و) يحكم بموته (في) حق (مال غيره من حين فقده فيرد الموقوف له إلى من يرث مورثه عند موته) لما تقرر أن الاستصحاب وهو ظاهر الحال حجة دافعة لا مثبتة۔

وفی الرد تحته: قوله (بين من يرثه الآن) أي حين حكم بموته لا من مات قبل ذلك الوقت من ورثته زيلعي ۔۔۔ قوله (من حين فقده) أي مال لم تعلم حياته في وقت كما مر قوله (عند موته) أي موت المورث قوله (حجة دافعة) فتدفع ثبوت حق لغيره في ماله قوله (لا مثبتة) فلا يثبت له حق في مال غيره۔

وفی الشامية (۶۵۹/۶) كتاب الوصايا: قوله (وتبطل هبة المريض ووصيته الخ) لأن الوصية إيجاب عند الموت وهي وارثة عند ذلك ولا وصية للوارث والهبة۔

(۳۵۳) مال مفقود سے متعلق شرعی حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ملحقہ فتوے میں جس طرح نوے سال تک انتظار کا کہا گیا ہے کیا یہ مفقود کے تمام اہل وعیال کیلئے پریشان کن نہیں؟ ہر مرنے والے کی وراثت کی تقسیم ایک مسئلہ بن جائے گی نیز خود مفقود کے مال کی حفاظت ایک مسئلہ ہوگی کیا امرأۃ المفقود کی طرح مال المفقود میں بھی چار سال کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا؟ اس سلسلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مفقود سے متعلق تمام مسائل میں عام مذہب نوے سال تک انتظار کا ہے البتہ مفقود کی بیوی سے متعلق فقط امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار سال کی مدت کا قول ہے اور متاخرین حنفیہ نے بھی خوفِ فتنہ کی بناء پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے لیکن یہ تمام بحث امرأۃ المفقود (مفقود کی بیوی) سے متعلق ہے۔ مفقود کے مال وغیرہ میں امام مالک اور حنفیہ **کثر اللہ سوادھم** دونوں کے ہاں نوے سال کا ہی قول موجود ہے اور یہاں کسی فتنے کا اندیشہ بھی نہیں۔ گویا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امرأۃ المفقود سے متعلق چار سال کا قول کرتے ہیں لیکن مالِ مفقود میں نہیں، جبکہ حنفیہ کا اصل مذہب دونوں جگہ نوے سال کا

ہے لیکن بناء بر خوف فتنہ امرأۃ المفقود میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے، مالِ مفقود میں نہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب چار سال کا ہے اور نہ خوف فتنہ لہٰذا اس میں نوے سال کے قول پر ہی فتویٰ ہے۔

لمافی اعلاء السنن (۱۳/۷۰): وأما الميراث: فمذهبهما كمذهبنا فی التقدير بتسعين سنة أو الرجوع الى رأى الحاكم، وعند أحمد إن كان يغلب على حاله الهلاك فهذا بعدأربع سنين يقسم ماله، وتعتد زوجته بخلاف ما إذا لم يغلب عليه الهلاك فإنه يفوض للحاكم فی رواية عنه. وفی أخرى يقدر بتسعين من مولده كمافی شرح ابن الشحنه اهـ

وفی الشامية (۴/۲۹۵): مطلب في الإفتاء بمذهب مالك في زوجة المفقود قوله (خلافا لمالك) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين وهو مذهب الشافعي القديم وأما الميراث فمذهبهما كمذهبنا في التقدير بتسعين سنة أو الرجوع إلى رأي الحاكم۔ الخ۔

فصل فی زوجة المتعنت

(نان نفقہ نہ دینے اور ہمبستری نہ کرنے والے شوہر کی بیوی کا بیان)

(۳۵۴) خرچہ نہ دینے والے شوہر سے نکاح فسخ کرانا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری شادی کو ۱۸ سال ہو چکے ہیں، ایک بیٹا عمر ۱۲ سال اور بیٹی ۹ سال کی ہے۔ میری شادی گھر والوں نے اپنی پسند اور مرضی سے اس آدمی سے کی جو چند سال پہلے انڈیا سے آ کر یہاں آباد ہوا۔ اپنا کاروبار کیا، گھر بنایا، اپنے بہن بھائی کو انڈیا سے بلا کر یہاں آباد کیا پھر اپنی شادی کی جو خاص گھر والوں کی مرضی اور پسند سے ہوئی، شادی کے موقع پر ہونے والی معمولی سے بات سسرال والوں کے دلوں میں نفرت پیدا کر گئی۔ اتنے سالوں میں کئی بار میرے شوہر عاصم نے بہانوں بہانوں سے گھر بٹھایا۔ اب کی مرتبہ مجھے اپنے والدین کے گھر بیٹھے ہوئے ۹ سال ہو چکے ہیں۔ بیٹا اپنے والد کے پاس ہے اور بیٹی میرے پاس میرا خرچہ بالکل نہیں دے رہے البتہ بیٹی کو کبھی دیا کبھی نہیں، میرے والد فوت ہو چکے ہیں۔ بھائی کوئی نہیں صرف بوڑھی والدہ ہیں ان کا خرچہ ان کا بھائی اٹھا رہا ہے، پریشانی میری اور میری بچی کیلئے ہے۔

(۱) کیا میرا اپنے شوہر سے نکاح باقی ہے؟ اور ایسے شوہر سے نکاح باقی رکھنا چاہیئے جو عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا ہو اور نہ ہی زندگی کے معاملات میں ساتھ دیتا ہو؟

(۲) کیا اس نکاح کو ختم کر کے دوسری شادی کر سکتی ہوں جبکہ خاندان میں ایسا کرنا بہت برا سمجھا جاتا ہو؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شوہر سے طویل مدت دور رہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی لہٰذا آپ بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں ہیں۔ اگر شوہر خرچ وغیرہ نہیں دیتا اور دیگر گھریلو معاملات میں بھی ساتھ نہیں دیتا ہے تو آپ اپنے کسی عزیز یا اپنے کسی خیر خواہ شخص کو اپنے شوہر کے پاس بھیج دیں تا کہ وہ اسے خرچ وغیرہ دینے پر رضامند کر لیں اور وہ دوبارہ آپ کو گھر لے آئے اور اگر پھر بھی شوہر آپ کو خرچہ وغیرہ دینے پر تیار نہیں ہوتا تو اگر شوہر خلع پر راضی ہے تو آپ اس سے خلع یا طلاق لے لیں اور اگر وہ اس پر بھی راضی نہیں ہے تو پھر آپ اپنا مقدمہ عدالت میں دائر کریں اور اپنا نکاح اس کے ساتھ ثابت کریں نیز اس پر بھی گواہ قائم کر دیں کہ باوجود قدرت کے میرا شوہر مجھے خرچ نہیں دیتا تو عدالت شوہر کو طلب کر کے کہے کہ بیوی کے حقوق ادا کرو یا طلاق دیدو اور شوہر طلاق دینے پر تیار نہیں تو عدالت زوجین کے درمیان تفریق کر دے گی اور عدت [کامل تین حیض] گزرنے کے بعد آپ بلا روک ٹوک دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں

اوراس کی اجازت شریعت نے دی ہے لہٰذا خاندان میں اگر اچھا نہیں سمجھا جاتا تو خاندان کو دینی معاملے میں کسی خاطر میں نہ لایا جائے۔

لمافی الشامیة(۲۲۶/۳) کتاب الطلاق:لکن لما کان أمرا معنویا لا یتحقق إلا بلفظه المستعمل فیه قیل إن رکنه اللفظ فلیس اللفظ حقیقته بل دال علیه فلذا قال المصنف تبعا للفتح إنه رفع قید النکاح بلفظ مخصوص۔

وفیه أیضاً(۴۴۱/۳) باب الخلع:قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بین الزوجین اختلاف أن یجتمع أهلهما لیصلحوا بینهما فإن لم یصطلحا جاز الطلاق والخلع اھ ط

وفی الحیلۃ الناجزہ(ص ۷۳):حکم زوجة متعنت فی النفقة: زوجہ متعنت کو اول لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرلے لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو موالک کے ہاں زوجہ کو تفریق کا حق مل سکتا ہے اوراسی پرعمل کیا جائے گا۔اورسخت مجبوری میں اس پرعمل کیا جائے گا مثلاً عورت کے خرچ کا انتظام کہیں سے نہ ہوسکے (جائز طریقے سے) یا بسہولت یا بدقت خرچ کا انتظام تو ہوسکتا ہے لیکن شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلاء معصیت کا قوی اندیشہ ہے،صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ مسلمان حاکم کے سامنے پیش کریں اورجس کے پاس پیش ہو وہ معاملہ کی شرعی شہادت کے ذریعے پوری تحقیق کرے۔اگر ثابت ہوجائے کہ باوجود وسعت کے خرچہ نہیں دیتا تو خاوند سے کہا جائے کہ بیوی کے حقوق ادا کرو یا طلاق دیدو ورنہ ہم تفریق کردیں گے،اگر خاوند کسی صورت پرعمل نہیں کرتا تو قاضی انکے درمیان تفریق کردے۔

(۳۵۵)نان نفقہ نہ ملنے کی صورت میں عدالت سے طلاق لینے کا حکم

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آج سے تقریباً گیارہ سال پہلے میری بیٹی کی شادی ایک غیر ملکی لڑکے سے ہوئی تھی جس کا پورا خاندان شادی کے دوران یہاں موجود نہیں تھا۔اب موجودہ صورتحال یہ ہے کہ میرا داماد پانچ سال پہلے بیوی کواور ہم کو کام کا بتا کر گھر سے نکلے اورآج تک نہیں آئے،بعد میں پتا چلا کہ وہ اپنے ملک چلے گئے اوروہاں شادی بھی کرلی۔ایک بار پہلے بھی وہ اس طرح بتائے بغیر غائب ہوگئے تھے پھر ڈھائی سال بعد آئے اورقرآن پاک پر سب کے سامنے ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی کہ آئندہ کبھی بھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔دوسری بات یہ کہ وہ اپنی موجودگی میں بھی گھر کا خرچ وغیرہ دینے میں بہت تنگ کرتے تھے۔ بیوی کے منع کرنے کے باوجود غیر محرم مردوں کو کئی کئی دن اپنے گھر ٹھہراتے تھے جس پر اکثر لڑائی جھگڑا بھی رہتا تھا اورجب فیکٹری جاتے تو ایک ہفتے بعد آتے،ایک دن کی چھٹی ہوتی وہ بھی دن رات اپنے دوستوں کے ساتھ گزارتے تھے۔

(۱)......اب سوال یہ ہے کہ میں اپنی بیٹی کی کہیں اورشادی کرواسکتی ہوں؟

(۲)......اگر نہیں تو کب تک انتظار کرنا پڑے گا؟

(۳)......نکاح جائز ہو تو عدت اور مہر کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر کے طلاق دیئے بغیر اس کی منکوحہ کا کسی دوسری جگہ شادی کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ اگر شوہر بیوی کو چھوڑ کر چلا گیا ہو اور اس کا پتہ معلوم ہے لیکن نہ وہ خود آتا ہے اور نہ بیوی کو اپنے پاس بلاتا ہے اور نہ ہی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور نہ نان نفقہ جو اس کے ذمہ واجب ہے، وہ ادا کرتا ہے یا عورت کو شوہر سے علیحدہ رہنے میں معصیت میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہو تو عورت عدالت میں شوہر کے متعنت ہونے کا دعویٰ دائر کرے کہ باوجود وسعت کے یہ خرچہ نہیں دیتا عدالت شوہر کو تنبیہ کرے گی اگر شوہر پھر بھی نہ مانا تو اسے طلاق یا خلع پر مجبور کرے گی اور اگر شوہر طلاق یا خلع پر راضی نہ ہو تو عدالت خود میاں بیوی، میں تفریق کردے گی۔

لمافی الحیلة الناجزة (ص۱۲۱): المفقود من علم موضعه وشكت زوجته عدم النفقة يرسل إليه الحاكم إما أن تحضر أو ترسل النفقة أو تطلقها و إلا طلقها الحاكم بل لو كان حاضراً وعدمت النفقة ثم بعد الطلاق تعتد عدة الطلاق بثلاثة أقراء للحرّة اهـ

(۳۵۶) بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے والے شوہر کو خلع پر مجبور کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری صاحبزادی مسماۃ "رخسانہ فیروز" کا نکاح محمد صادق سے ہوا تھا اس نکاح کو عرصہ دو سال سے زیادہ گزر گیا اس دوران ایک بچے کی ولادت بھی ہوئی۔ میری صاحبزادی کے سسرال والوں کا رویہ شروع دن سے ہی خراب رہا جس میں ہمارے خاندان پر بلا وجہ تنقید کرنا، میری بیٹی کو دھمکانا ڈرانا وغیرہ بھی شامل ہے، حتیٰ کہ میرا داماد محمد صادق بقول میری صاحبزادی کے شراب نوشی کا عادی ہے اور وقتاً فوقتاً اپنی بیوی (رخسانہ فیروز) پر ظلم کرتا رہتا ہے، ساتھ ساتھ ایک دن میری بیٹی کو اسلحہ (پستول) دکھا کر کہتا ہے کہ تیرے دونوں بھائیوں کو بیچ سڑک پر گولیاں ماردوں گا۔ اس کے علاوہ ایک دن اچانک (جبکہ میری بیٹی ان جھگڑوں اور ناچاقیوں کی وجہ سے میرے گھر آچکی تھی) محمد صادق اور اس کے چند دوستوں نے میرے گھر میں داخل ہو کر میری بیوی اور بیٹی کو تھپڑ مارنا شروع کردیئے، اس موقعہ پر گھر میں خواتین کے علاوہ کوئی مرد موجود نہ تھا۔

کچھ عرصہ بعد علاقے کے باوثوق افراد اور علاقائی انجمن کے افراد نے جھگڑا ختم کروایا اور آپس میں کچھ معاہدات کی پابندی پر صلح کروادی مگر اس کے باوجود بھی میرا داماد معاہدہ کی پاسداری نہیں کرتا تھا۔ آخر کار دوبارہ میری بیٹی والدین کے گھر آنا چاہتی تھی مگر مجبوری یہ تھی کہ سسرال والے نومولود بچے کو لے کر جانے نہیں دیتے تھے کہ رمضان المبارک کے آخری روزے میں اس کا شوہر میری بیٹی کو میرے گھر چھوڑ کر چلا گیا اور بچہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ بار ہا مطالبہ کے باوجود شوہر نے ماں کو بچہ سپرد نہیں کیا اور اب کچھ عرصہ پہلے تو زیادتی کی انتہاء کردی کہ میرے دو بیٹوں پر الزام لگا کر جھوٹی ایف آئی آر کٹوادی اور ایک بیٹے کو جیل تک ہوگئی، بعد ازاں ضمانت پر رہائی ہوئی جبکہ عدالتی کارروائی تاحال جاری ہے ان تمام زیادتیوں اور ظلم سے تنگ آکر میری بیٹی نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ شوہر طلاق دیدے اور

دوسری طرف شوہر طلاق دینے سے انکار کر رہا ہے، اسی طرح لڑکی عدالتی خلع کے ذریعے نکاح ختم کروانا چاہتی ہے جس میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ عدالت شوہر سے لڑکی کیلئے خلع کا مطالبہ کرے گی پھر بھی شوہر خلع کیلئے راضی نہیں ہوگا۔

اس ساری صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ حضرات سے شریعت کی روشنی میں یہ سوال مطلوب ہے کہ لڑکی اپنا نکاح ختم کرنے کیلئے اور شوہر سے علیحدگی اختیار کرنے کیلئے کیا اقدام کرسکتی ہے؟ ازراہِ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......شریعت نے میاں بیوی دونوں کے حقوق متعین کئے ہیں میاں بیوی کو چاہیئے کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرتے ہوئے نکاح اور حق زوجیت کو برقرار رکھیں لیکن میاں بیوی میں اگر مخالفت اور نفرت بڑھ جائے اور وہ ایک دوسرے کے حقوق کو ادا نہیں کر سکتے اور نکاح کو بھی صحیح طریقے سے برقرار نہیں رکھ سکتے ہوں تو پھر شریعت نے شوہر کو طلاق دینے کا حق دیا ہے اور عورت کو خلع لینے کا حق دیا ہے کہ وہ کسی بھی طرح براہِ راست یا عدالت کے ذریعے شوہر سے خلع کرلے۔ صورت مسئولہ میں اگر واقعی شوہر کی طرف سے ظلم ہو رہا ہو تو مذکورہ عورت "رخسانہ فیروز" کی طرف سے عدالت میں درخواست دائر کی جائے اور عدالت کے پاس چونکہ طاقت بھی ہوتی ہے اس لئے عدالت شوہر کو اس پر مجبور کرے کہ وہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرے اور اس پر ظلم نہ کرے یا پھر وہ بیوی کو طلاق دینے یا ان کے ساتھ خلع کرنے کیلئے تیار ہوجائے اور اگر شوہر ان تینوں باتوں میں سے کسی ایک کیلئے بھی تیار نہ ہو تو عدالت ان سے زبردستی زبانی طلاق یا خلع لے گی البتہ یک طرفہ ڈگری کا اعتبار نہیں ہے۔

لمافی بدائع الصنائع (۳۱۵/۴): وأما ركنه فهو الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

وفی الدر المختار (۴۹۴/): (إذا وجدت) المرأة (زوجها مجبوبا) ---(فرق) الحاكم --- (بينهما في الحال) --- (فلو جب بعد وصوله إليها) مرة (أو صار عنينا بعده) أي الوصول (لا) يفرق لحصول حقها بالوطء مرة۔

وفی الرد تحته: قوله (لحصول حقها بالوطء مرة) وما زاد عليها فهو مستحق ديانة لا قضاء بحر عن جامع قاضيخان ويأثم إذا ترك الديانة متعنتا مع القدرة على الوطء ط۔

فصل فی زوجة العنین

(نامرد شوہر سے علیحدگی کا بیان)

(۳۵۷) عنین (نامرد) شوہر سے علیحدگی کی شرائط اور احکام

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک بندہ جو کہ نامرد ہے تقریباً ایک سال اس کی شادی کو ہونے والا ہے، اس نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ تو کی ہے لیکن ہمبستری پر قادر نہ ہوسکا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا اُس کا اپنی بیوی کو طلاق دینا ضروری ہے؟ اور طلاق دینے کی صورت میں شوہر پر آدھا مہر لازم آئے گا یا پورا؟ اور اگر بیوی طلاق لیتی ہے تو کیا اس پر خلع کے احکام لاگو ہوں گے؟ از راہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جو شخص اپنی بیوی سے جماع پر قادر نہ ہوسکا اس سے اگر بیوی طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر طلاق دینا ضروری ہے اور اگر مرد طلاق دینے سے انکار کرے اور خلع پر راضی ہو تو عورت خلع کے ذریعے بھی علیحدگی اختیار کرسکتی ہے اور مرد پر بوجہ خلوت صحیحہ کے پورا مہر لازم ہوگا۔ خلع کے بغیر بھی زوجۂ عنین کو اپنے خاوند سے تفریق کا شرعاً حق حاصل ہے۔ جس میں چند شرائط ہیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ نکاح سے قبل عورت کو اس شخص کے عنین ہونے کا علم نہ ہو اگر باوجود علم کے نکاح کیا تو پھر تفریق کا حق نہیں۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کیا ہو ورنہ فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے اس وقت سے عورت نے اسکے ساتھ رہنے پر رضامندی کا اظہار نہ کیا ہو۔

(۴) سال گزرنے کے بعد عورت قاضی کو اختیار دے گا، اس وقت عورت شوہر کو قبول کرنے کے بجائے تفریق کا مطالبہ کرے۔

(۵) یہ تفریق قاضی کی عدالت میں ہو بدون قاضی تفریق معتبر نہیں، زوجۂ عنین کیلئے اپنے خاوند سے تفریق کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کرے۔ قاضی واقعہ کی تحقیق کرے کہ واقعی خاوند جماع پر قادر نہیں تو پھر اس صورت میں

قاضی خاوند کو ایک سال کی مدت بغرض علاج دے گا۔ اگر شوہر کسی طرح علاج کر کے جماع پر قادر ہو گیا تو عورت کو نکاح فسخ کرنے کا حق نہ ہوگا۔[1]

یہ تمام امور جو مذکور ہوئے قاضی کے محتاج ہیں بغیر حکم قاضی کے از خود عورت کو تفریق کا حق نہیں۔ جن مقامات میں قاضی شرعی موجود نہیں تو وہاں شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے[2] دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچائیت حسبِ بیانِ مذکور واقعہ کی تحقیق کرے اور تحقیق کامل کے بعد شرعی فیصلہ صادر کرے تو یہ فیصلہ بھی قضاء قاضی کے حکم میں ہو جائے گا۔

لمافی فتح القدیر (۳۰۰/۴): قوله وتلك الفرقة تطليقة بائنة وهو قول مالك والثوري وغيرهما وقال الشافعي وأحمد رحمهما الله فسخ لأنها من جهتها ۔۔۔ قلنا بل من جهته فإنه وجب عليه التسريح بالإحسان حين عجز عن الإمساك بالمعروف فإذا امتنع كان ظالما فناب القاضي عنه فيه فيضاف فعله إليه ۔۔۔ ولها كمال المهر للخلوة الصحيحة لأن خلوة العنين صحيحة۔

وفي الهندية (۵۲۲/۱): إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي وادعت أنه عنين وطلبت الفرقة فإن القاضي يسأله هل وصل إليها أو لم يصل فإن أقر أنه لم يصل أجله سنة سواء كانت المرأة بكرا أم ثيبا۔

(۳۵۸) عنین کا حکم

سوال ..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عنین کو ایک سال علاج کی مہلت دی جاتی ہے۔ اب اگر وہ علاج کرا کے درست ہو جائے تو یہ پہچان کیسے ہوگی کہ وہ جماع کے قابل ہے؟ میڈیکل رپورٹ بیوی مانتی نہیں اور اگر خلوت ہو اور پھر بیوی سے پوچھا جائے تو کہتی ہے کہ یہ نامرد کا نامرد ہے تو کیسے پتہ چلے نیز عنین ہونے سے کیا مراد ہے "ھدبۃ الثوب" والی حدیث میں عبدالرحمن بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دو بچوں کا بھی ذکر ہے لیکن پھر بھی ان کی دوسری اہلیہ انہیں نامرد کہتی ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ کیا بیوی کی خواہش اس کے جذبات کو تسکین نہ دے سکنا نامردی ہے یا دخول نہ کر سکنا نامردی ہے یا پھر کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب ..... اگر مہلت کے بعد عنین جماع کا دعویٰ کرے اور عورت انکار کر دے تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ عورت ثیبہ ہے یا باکرہ۔ اگر عورت پہلے سے باکرہ ہے تو ایک یا دو عورتیں اس کو دیکھیں گی۔ اگر انہوں نے کہا کہ یہ ثیبہ ہے تو

---

[1] عنین کے یہ احکام اور شرائط فقہ حنفی میں موجود ہیں لہٰذا انہیں فقہ مالکی سے لینے کی ضرورت نہیں۔ [ملخص از حیلہ ناجزہ ۵۰] از مرتب

[2] پنچائیت کی شرائط اور مسئلہ کی دیگر جزئیات سے متعلق تفصیلی کلام کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد میں فتوی نمبر [۳۴۷] "لاپتہ مرد کی بیوی کیلئے دوسری شادی نیز مسئلہ مفقود میں پنچائیت کی شرائط کا بیان" ملاحظہ ہو۔ از مرتب

شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر عورتوں نے کہا کہ یہ باکرہ ہے تو عورت کو اختیار دیا جائے گا اور اگر عورت پہلے سے ثیبہ ہے تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا مہلت سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں۔

عنین سے مراد وہ شخص ہے جو جماع کرنے پر قادر نہ ہو یعنی فرج میں دخول نہ کرسکتا ہو۔ اگر صرف حشفہ بھی داخل کردے تو عنین شمار نہیں ہوگا۔ دخول نہ کرسکنا نامردی ہے۔ اگر کوئی شخص دخول کرسکتا ہو لیکن عورت کی خواہش کو پورا نہیں کرسکتا تو وہ پھر بھی مرد شمار ہوگا، عنین شمار نہیں ہوگا۔

باقی حدیث عسیلہ میں حضرت عبدالرحمن بن الزبیرؓ کی اہلیہ کا انکار یا تو اس لئے تھا کہ وہ پہلے صحیح تھے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے کہ ان کے دو بیٹے دوسری بیوی سے تھے لیکن بعد میں کمزور ہوگئے تھے۔ اسی دوران مذکورہ بیوی سے شادی کی تھی لہٰذا عورت نے اشکال کیا اور ایسا ہوسکتا ہے کہ پہلے آدمی درست ہو لیکن بعد میں بیماری وغیرہ کی وجہ سے کمزور ہوجائے۔

یا اس وجہ سے نامرد کہہ رہی تھیں کہ وہ کسی طرح حضرت عبدالرحمن بن الزبیرؓ سے جدائی اختیار کرکے رفاعہ رضی اللہ عنہ سے شادی کرنا چاہتی تھیں، اس لئے غلط بیانی کی جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے کہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"كذبت والله يا رسول الله إني لأنفضها نفض الأديم ولكنها ناشز تريد رفاعة"

لہٰذا اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے قول کو قبول نہیں فرمایا اور چونکہ پہلے سے ثیبہ تھی اس لئے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے قول کو قبول فرمایا۔ پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی اہلیہ کا قول رد کیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر دوبارہ اس مسئلے کو لے کر آئے گی تو تجھے رجم کردوں گا۔

لما فی عمدة القاری، باب شهادة المختبی (۱۳/۱۹۷) مکتبه داراحیاء التراث: وفيه فجاء ابن الزبير ومعه ابنان له من غيرها فقالت والله ما لي إليه من ذنب إلا أن ما معه ليس بأغنى عني من هذه وأخذت هدبة من ثوبها فقال كذبت يا رسول الله إني لأنفضها نفض الأديم ولكنها ناشز تريد رفاعة فقال رسول الله فإن كان ذلك لم تحلي له أو لم تصلحي له حتى يذوق من عسيلتك۔

وفيه أيضاً: ثم أتت فقالت يا رسول الله إن زوجي الذي كان تزوجني بعد زوجي كان مسني فقال رسول الله كذبت بقولك الأول فلن أصدقك في الآخر فلبثت فلما قبض رسول الله أتت أبا بكر رضي الله تعالى عنه فقالت أرجع إلى زوجي الأول فإن الآخر قد مسني فقال لها أبو بكر قد عهدت رسول الله حين قال لك فلا ترجعي إليه فلما قبض أبو بكر رضي الله تعالى عنه جاءت عمر رضي الله تعالى عنه فقال إن أتيتني بعد مرتك هذه لأرجمنك۔

وفی فتح القدیر، باب العنین وغیره (۴/۲۹۷) مکتبه دارالفکر: والعنين من لا يقدر على إتيان

النساء مع قیام الآلة من عن إذا حبس في العنة۔الخ۔

وفی الهندية(۱/۵۲۲): هو الذي لا يصل إلى النساء مع قيام الآلة۔الخ۔

وفيه أيضا(ص۵۲۴):جاءت المرأة إلى القاضي بعد مضي الأجل وادعت أنه لم يصل إليها وادعى الزوج الوصول فإن كانت ثيبا في الأصل كان القول قوله مع اليمين فإن حلف بطل حقها وإن نكل خيرها القاضي۔الخ۔

وفی الدرالمختار، باب العنين وغيره (۳/۴۹۴):(هو) لغة من لا يقدر على الجماع فعيل بمعنى مفعول جمعه عنن .وشرعا (من لا يقدر على جماع فرج زوجته) يعني لمانع منه ككبر سن ، أو سحر ، إذ الرتقاء لا خيار لها للمانع منها خانية۔

وفی الرد تحته: قوله (على الجماع) أي جماع زوجته أو غيرها فهو أعم من المعنى الشرعي الآتي۔الخ۔

(۳۵۹) نامرد شوہر سے علیحدگی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بچی کی شادی ایک سال پہلے ہوئی تھی۔اس کا شوہر اس قابل نہیں کہ کچھ کر سکے،اُن کے بیچ ابھی تک میاں بیوی والا کوئی رشتہ نہیں ہے۔آپ قرآن وسنت کی روشنی میں مجھے یہ بتائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے اُن کو ایسے ہی چھوڑ دوں یا طلاق دلواؤں؟ آپ مجھے قرآن،حدیث کی روشنی میں صحیح مشورہ دیں، مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں آپ کی بیٹی اگر ایک سال تک اپنے نامرد شوہر کے ساتھ رضامندی سے رہتی رہی تو اب اگر وہ علیحدگی چاہے تو اس کی صرف یہی صورت ہے کہ شوہر سے اس کی رضا کے ساتھ خلع یا طلاق لے لی جائے۔نامردی کی وجہ سے عدالت کے ذریعہ تفریق کرانے کا حق ختم ہو گیا اور اگر آپ کی بیٹی نامرد شوہر کے ساتھ [جب سے اسے نامرد ہونے کا علم ہوا ہو] رضامندی سے نہیں رہی تو اوّلاً شوہر ہی سے طلاق یا خلع کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے ورنہ عدالت سے بھی رجوع کا حق حاصل ہے پھر عدالت نامردی ثابت ہونے پر شوہر کو ایک سال علاج کیلئے مہلت دے۔اگر ایک سال میں وہ کسی قابل ہو جائے تو ٹھیک، ورنہ عدالت دونوں میں تفریق کرا دے گی۔

لمافی الهندية (۱/۵۲۴) كتاب الطلاق، باب العنين: إن علمت المرأة وقت النكاح أنه عنين لا يصل إلى النساء لا يكون لها حق الخصومة وإن لم تعلم وقت النكاح وعلمت بعد ذلك كان لها حق الخصومة ولا يبطل حقها بترك الخصومة وإن طال الزمان ما لم ترض بذلك كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الدر المختار (۳/۴۴۱): باب الخلع(هو) --- (إزالة ملك النكاح) --- (المتوقفة على قبولها)

---(بلفظ الخلع) ---(أوما في معناه) ---(ولا بأس به عند الحاجة) للشقاق بعدم الوفاق۔
وفی الرد تحته: وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اھ ط

(۳۶۰)شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے عورت کا خلع لینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیٹی مسمات فاطمہ بی بی کا نکاح تقریباً پونے دوسال پہلے کیا تھا، پورے پونے دوسال میں لڑکے نے حق زوجیت ادانہیں کیا کیونکہ لڑکا شادی سے پہلے میڈیکل اَن فٹ تھا اس لئے لڑکی فاطمہ بی بی قطعی مطمئن نہیں ہے،لڑکی خلع لینا چاہتی ہے۔مذکورہ صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر نے اگرایک دفعہ بھی مدت نکاح کے دوران حق زوجیت ادانہیں کیا تو لڑکی شوہر کی رضامندی سے خلع لے سکتی ہےلیکن اگرشوہر خلع دینے سے انکارکرےتولڑکی عدالت میں شوہر کےحق زوجیت ادانہ کرنے کا دعویٰ دائر کرے (بشرطیکہ عورت نے اس مدت میں زبانی طور پرشوہر کے ساتھ رہنے کی رضامندی باوجوداس کے نامرد ہونے کو جانتے ہوئے ظاہر نہ کی ہو) اس کے بعدجج شرعی طریقے سے شوہرکوایک سال علاج ومعالجہ کیلئے مہلت دے ایک سال تک بھی شوہرحق زوجیت ادا کرنے کے قابل نہ ہوتو پھرجج ان کا نکاح فسخ کرادے۔فسخِ نکاح کے بعد آپ کی بیٹی عدت پوری کرے اور پھر جہاں چاہے نکاح کرلے۔

لمافی تکملة فتح الملهم (۱/۱۳۴): ولكنها لم تسدد باب الفرقة من جهة المرأة بالكلية وإنما أباحت لها ذلك فی ظروف خاصة فيمكن لها مثلا أن تعقد النكاح بشرط تفويض الطلاق إليها ولو لم تشترط ذلك فی العقد فلها أن تختلع من زوجها مرضاه وإن لم يكن ذلك فلها أن تطلب من القاضی فسخ النكاح إذا كان زوجها عنيناً أو مجنوناً أو متعنتاً أو مفقوداً۔
وفی الدرالمختار(۳/۴۹۹): (فلو وجدته عنينا) أو مجبوبا (ولم تخاصم زمانا لم يبطل حقها) وكذا لو خاصمته ثم تركت مدة فلها المطالبة ولو ضاجعته تلك الأيام خانية (كما لو رفعته إلى قاض فأجله سنة ومضت) السنة (ولم تخاصم زمانا) زيلعي۔
وفی الرد تحته: قوله (لم يبطل حقها) أي ما لم تقل رضيت بالمقام معه كذا قيده في التاترخانية عن المحيط هنا وفي قوله الآتي كما لو رفعته الخ قوله (ثم تركت مدة) أي قبل المرافعة والتأجيل لئلا يتكرر بما بعده۔

(۳۶۱) شادی کے سات سال میں جماع نہ کر سکنے والے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اعظم کی شادی کو سات سال کا عرصہ ہو چکا ہے، اعظم حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتا۔ اعظم کا علاج معالجہ بھی کروایا گیا ہے۔ اب اس صورت میں عورت خلع لے سکتی ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی شخص شادی کے بعد حق زوجیت ادا نہ کر سکتا ہو اور بیوی بھی طلاق کا مطالبہ کرے تو اس صورت میں عورت کو چاہیئے کہ اپنا مدعی قاضی (مسلمان جج) کے سامنے پیش کرے پھر اس کے بعد قاضی اس کے شوہر کو ایک سال کی مدت علاج معالجہ کیلئے دے گا اور اگر شوہر مدت متعینہ کے بعد بھی حق زوجیت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں قاضی (مسلمان جج) دونوں کے درمیان تفریق کرادے اور اس صورت میں بیوی پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کی اہلیہ کو چاہیئے کہ اپنا مدعی قاضی (مسلمان جج) کے سامنے پیش کرے پھر اس کے بعد قاضی (مسلمان جج) اس کے شوہر کو ایک سال کی مدت علاج معالجہ کیلئے دے پھر اس کے باوجود اگر شوہر حق زوجیت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو قاضی (مسلمان جج) دونوں کے درمیان تفریق کردے اور اس سے زید کی اہلیہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی البتہ اس تفریق کے نفاذ کیلئے پانچ شرطیں ہیں جب تک وہ نہ پائی جائیں تفریق کا حکم نافذ نہ ہوگا۔

(۱) نکاح سے قبل عورت کو مرد کے عنین ہونے کا علم نہ ہو۔

(۲) نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی جماع نہ ہوا ہو اگر ایک مرتبہ بھی جماع ہو گیا تو پھر تفریق کا اختیار نہیں ملے گا۔

(۳) تیسری شرط یہ کہ جب سے بیوی کو شوہر کے عنین ہونے کا علم ہوا ہو، اس وقت سے اب تک بیوی نے شوہر کے ساتھ رہنے پر رضامندی کا اظہار نہ کیا ہو۔

(۴) سال گزرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے گا اس وقت عورت شوہر کو قبول کرنے کے بجائے تفریق اختیار کرے۔

(۵) یہ تمام امور جو مذکور ہوئے قاضی کے محتاج ہیں بغیر حکم قاضی کے از خود عورت کو تفریق کا حق نہیں۔ جن مقامات میں قاضی شرعی موجود نہیں تو وہاں شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے[1] دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت حسبِ بیانِ مذکور واقعہ کی تحقیق کرے اور تحقیق کامل کے بعد شرعی فیصلہ صادر کرے تو یہ فیصلہ بھی قضاء قاضی کے حکم میں ہو جائے گا۔

اگر یہ پانچ شرائط پائی جائیں تو مذکورہ بالا طریقے کے مطابق عورت مرد سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے ورنہ نہیں۔

لما فی الهندية (۵۲۲/۱، ۵۲۴): إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي وادعت أنه عنين وطلبت الفرقة

---

[1] پنچایت کی شرائط اور مسئلہ کی دیگر جزئیات سے متعلق تفصیلی کلام کیلئے نجم الفتاویٰ کی اسی جلد میں فتویٰ نمبر [۳۴۷] ''لاپتہ مرد کی بیوی کیلئے دوسری شادی نیز مسئلہ مفقود میں پنچایت کی شرائط کا بیان'' ملاحظہ ہو۔ از مرتب

فإن القاضي يسأله هل وصل اليها اولم يصل فإن أقرانه لم يصل أجله سنة سواء كانت المرأة بكراً أم ثيبا۔۔۔ والفرقة تطليقة بائنة كذا فى الكافى۔

(۳۶۲) نامرد شوہر کا طلاق دینے سے انکار کردینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی نے اپنی مرضی سے ایک لڑکے کے ساتھ شادی کرلی، بعد میں پتہ چلا کہ لڑکا حق زوجیت ادا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ کافی عرصہ ہوگیا اب تک کچھ پتہ نہیں چلا۔ اب بیوی کسی دوسری جگہ شادی کرنا چاہتی ہے لیکن شوہر طلاق دینے کیلئے تیار نہیں۔ کہتا ہے کہ نہ میں دوسری شادی کرسکتا ہوں اور نہ کوئی تیار ہوگا تو پھر میری خدمت کون کرے گا، ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں یہ عورت عدالت سے رجوع کرے گی اور دعویٰ کرے گی کہ میرا شوہر نامرد ہے اور جدائی کا مطالبہ کرے گی اور حاکم اس شخص کو ایک سال علاج کرنے کے لئے مہلت دے گا، اگر وہ ٹھیک ہوگیا تو نکاح برقرار رہے گا، اگر وہ جماع پر قادر نہ ہوا تو عدالت عورت کے مطالبہ پر اس شخص کو طلاق دینے کا حکم دے گی، اگر وہ انکار کرے گا تو حاکم خود ان کے درمیان جدائی کردے گا اور یہ جدائی طلاق بائن شمار ہوگی۔ یہ تفریق پانچ شرائط کے ساتھ قابل قبول ہوگی:

۱۔ نکاح کے وقت عورت کو شوہر کے نامرد ہونے کے بارے میں معلوم نہ ہو۔

۲۔ معلوم ہونے کے بعد ایک مرتبہ بھی رضامندی کی صراحت نہ کی ہو۔

۳۔ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی جماع نہ ہوا ہو۔

۴۔ سال گزرنے کے بعد عورت کو قاضی اختیار دے گا، اس وقت عورت شوہر کو قبول نہ کرے اور اسی مجلس میں تفریق کا مطالبہ کرے۔

۵۔ یہ تفریق قاضی کی عدالت میں ہو بدون قاضی تفریق معتبر نہ ہوگی۔

لمافی الهندية (۱/۵۲۴): فإن اختارت زوجها أو قامت عن مجلسها أو أقامها أعوان القاضي أو قام القاضي قبل أن تختار شيئا بطل خيارها كذا في المحيط ۔۔۔ ولو وصل إليها مرة ثم عجز لا خيار لها كذا في التبيين إن علمت المرأة وقت النكاح أنه عنين لا يصل إلى النساء لا يكون لها حق الخصومة وإن لم تعلم وقت النكاح وعلمت بعد ذلك كان لها حق الخصومة ولا يبطل حقها بترك الخصومة وإن طال الزمان ما لم ترض بذلك كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الشامية (۳/۴۹۸): قوله (وإلا بانت بالتفريق) لأنها فرقة قبل الدخول حقيقة فكانت بائنة ولها كمال المهر وعليها العدة لوجود الخلوة الصحيحة بحر قوله (من القاضي إن أبى طلاقها)

أي إن أبي الزوج لأنه وجب عليه التسريح بالإحسان حين عجز عن الإمساك بالمعروف فإذا امتنع كان ظالما فناب عنه وأضيف فعله إليه ـــ قوله (بطلبها) أي طلبا ثانيا فالأول للتأجيل والثاني للتفريق۔

وفيه أيضاً(۳/۴۹۹): قوله (لم يبطل حقها) أي ما لم تقل رضيت بالمقام معه۔

وفيه أيضاً(۳/۵۰۰): فإذا رفعته إليه وثبت عدم وصوله إليها خيرها القاضي فإن اختارت نفسها في المجلس أمره القاضي أن يطلقها ۔

(۳۶۳)عدالت کا نامرد کو مہلت دیئے بغیر تفریق کر دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی نے ایک لڑکے کے ساتھ نکاح کیا، رخصتی تقریباً دو مہینے بعد ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد پتہ چلا کہ شوہر جماع پر قادر نہیں ہے۔لڑکی کے والدین نے طلاق کا مطالبہ کیا،لڑکے نے انکار کیا کہ میں علاج کروں گا۔لڑکی والوں نے عدالت سے رجوع کر کے طلاق دلوادی، پھراس لڑکی نے دوسری جگہ شادی کرلی۔طلاق کے تقریباً پانچ مہینے بعد پہلا شوہر علاج کر کے صحیح ہوگیا۔اب پہلا شوہر کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے اس لئے وہ میری ہی بیوی ہے جبکہ دوسرا شوہر کہتا ہے کہ میری بدنامی ہوگی اور میں نے جو خرچہ کیا ہے اس کا کیا ہوگا؟ نیز لڑکی کے والدین بھی پہلے شوہر کے ساتھ لڑکی کی دوبارہ شادی کرنے پر راضی نہیں ہیں جبکہ اس معاملہ سے پہلے نکاح پر راضی تھے اس لئے نکاح ہوگیا تھا؟ اب کیا کیا جائے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جو شخص بیوی سے جماع کرنے پر قادر نہ ہو اور بیوی قاضی یا حاکم کے پاس طلاق کا مطالبہ کرتی ہو تو قاضی یا حاکم شوہر کے اقرار یا تحقیقِ حال سے شوہر کے نامرد ہونے کے ثبوت کے بعد، شوہر کو ایک سال کی مہلت دے گا تا کہ اپنا علاج کر سکے، اگر ایک سال کے اندر وہ جماع پر قادر ہوا تو وہ عورت اس کی بیوی رہے گی، اگر ایک سال کے بعد وہ جماع پر قادر نہ ہوگا تو عورت کے مطالبہ پر قاضی شوہر کو کہے گا کہ بیوی کو طلاق دے دو، اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی شوہر کا قائم مقام بن کر اس کی بیوی کو اس سے جدا کر دے گا اور یہ تفریق ایک طلاق بائنہ شمار کی جائے گی، عدت گزارنے کے بعد یہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے، اس عورت کو کامل مہر بھی ملے گا بشرطیکہ خلوت پائی گئی ہو۔

صورت مسئولہ میں شرعاً عدالت کے فیصلے کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ عدالت نے شوہر کو مہلت دیئے بغیر تفریق کا فیصلہ کرلیا ہے جو کہ اصول شرع کے خلاف فیصلہ ہے عدالت کا یہ فیصلہ شرعاً نافذ نہیں ہوگا، لہٰذا عورت پہلے شوہر کے نکاح میں ہے اور اس کی بیوی ہے دوسرا نکاح فاسد ہے۔

لما في الهندية(۱/۵۲۲۔ ۵۲۴): إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي وادعت أنه عنين وطلبت الفرقة فإن القاضي يسأله هل وصل إليها أو لم يصل فإن أقر أنه لم يصل أجله سنة سواء كانت المرأة

بكرا أم ثيبا --- روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه تعتبر سنة شمسية وهي لا تزيد على القمرية بأيام وذهب شمس الأئمة السرخسي في شرح الكافي إلى رواية الحسن أخذا بالاحتياط وكذلك صاحب التحفة وهذا هو المختار عندي كذا في غاية البيان --- جاءت المرأة إلى القاضي بعد مضي الأجل وادعت أنه لم يصل إليها --- إن اختارت الفرقة أمر القاضي أن يطلقها طلقة بائنة فإن أبي فرق بينهما هكذا ذكر محمد رحمه الله تعالى في الأصل كذا في التبيين والفرقة تطليقة بائنة كذا في الكافي ولها المهر كاملا وعليها العدة بالإجماع إن كان الزوج قد خلا بها-الخ-

وفى الدر المختار(٤٩٦/٣، ٤٩٨):(ولو وجدته عنينا) هو من لايصل إلى النساء لمرض أو كبر أو سحر-الخ-

فصل فی الارتداد

(ارتداد کی وجہ سے فسخ کا بیان)

(۳۶۴) عورت کا ہندو مذہب قبول کر لینے نیز دوبارہ اسلام لانے کے بعد نکاح کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کی شادی کو آٹھ سال گزر چکے ہیں، میاں بیوی خوشی سے زندگی گزار رہے تھے کہ اچانک ایک دن یہ عورت کسی ہندو پر عاشق ہوگئی، اسی کی محبت میں گھر سے بھاگ کر ہندو کے ساتھ چلی گئی۔ دو ماہ گزرنے کے بعد اس کو واپس لایا گیا۔ اب علاقے کے لوگ کہہ رہے ہیں یہ پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں رہی اسکا نکاح ختم ہو چکا ہے۔ اب پہلا خاوند بہت پریشان ہے۔ آپ حضرات صحیح راہنمائی فرمائیں کہ پہلے نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟ میاں بیوی کا ایک ساتھ رہنا اور ہمبستری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر نکاح ٹوٹ گیا ہے تو کیا وہ عورت کسی دوسرے مسلمان مرد سے شادی کر سکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں عورت کا یہ فعل انتہائی قبیح ہے، جس سے یہ عورت بہت گناہ گار ہوئی ہے۔ اسے چاہیئے کہ وہ فوراً صدق دل سے توبہ کرے، تاہم نکاح کے ختم ہونے اور نہ ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اس عورت نے ہندو کے ساتھ بھاگ کر ہندو مذہب بھی اختیار کر لیا ہو تو اس صورت میں نکاح ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا شوہر کا اب اس کے ساتھ رہنا اور ہمبستری وغیرہ کرنا جائز نہیں، اب دوبارہ ایک ساتھ رہنے کیلئے عورت کا تجدید ایمان کرنا اور دونوں کا تجدید نکاح کرنا ضروری ہے اور اگر ہندو مذہب اختیار نہیں کیا تو اس صورت میں نکاح نہیں ٹوٹا لہٰذا میاں بیوی کا ایک ساتھ رہنا اور ہمبستری وغیرہ کرنا جائز ہے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔

نوٹ: اگر عورت نے ہندو مذہب قبول کر لیا تھا تو دوبارہ پہلے شوہر سے نکاح کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ عورت کسی اور مرد سے نکاح کرنا بھی چاہے تو اس کا نکاح کسی اور مرد سے نہیں کیا جائیگا بلکہ دوبارہ پہلے شوہر ہی کے نکاح میں آئیگی الا یہ کہ پہلا شوہر نکاح نہ کرنا چاہتا ہو تو پھر کسی بھی مرد سے اس عورت کا نکاح جائز ہے۔

لمافی الدرالمختار (۱۹۴/۳): (لو ارتدت) لمجيء الفرقة منها قبل تأكده ولو ماتت في العدة ورثها زوجها المسلم استحسانا وصرحوا بتعزيرها خمسة وسبعين وتجبر على الإسلام وعلى تجديد النكاح زجرا لها بمهر يسير كدينار وعليه الفتوى ولوالجية۔

وفی الرد تحته: قوله (وتجبر) أي بالحبس إلى أن تسلم أو تموت قوله (وعلى تجديد النكاح) فلكل

قاض أن يجدده بمهر يسير ولو بدينار رضيت أم لا وتمنع من التزوج بغيره بعد إسلامها ولا يخفى أن محله ما إذا طلب الزوج ذلك أما لو سكت أو تركه صريحا فإنها لا تجبر وتزوج من غيره لأنه ترك حقه بحر ونهر قوله (زجرا لها) عبارة البحر حسما لباب المعصية والحيلة للخلاص منه اھ ولا يلزم من هذا أن يكون الجبر على تجديد النكاح مقصورا على ما إذا ارتدت لأجل الخلاص منه بل قالوا ذلك سدا لهذا الباب من أصله سواء تعمدت الحيلة أم لا كي لا تجعل ذلك حيلة۔

(۳۶۵) کیاارتداد طلاق شمار ہوگا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاق رجعی دیں۔عورت عدت میں تھی کہ خاوند مرتد ہوگیا، کیا یہ ارتداد طلاق کے حکم میں ہے اور عورت مغلظہ ہوگئی ہے؟ نیز خاوند کے اسلام لانے کے بعد ان دونوں کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کے دوبارہ اسلام لانے کے بعد اس کا نکاح اس مطلقہ بیوی سے درست ہے کیونکہ میاں بیوی کے مرتد ہونے سے دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے فرقت واقع ہوجاتی ہے اور ارتداد طلاق کے حکم میں نہیں ہے لہٰذا دو طلاق دینے کے بعد جب شوہر [العیاذ باللہ] مرتد ہوجائے تو مرتد ہونے سے اس کا حق رجوع ختم ہوگیا اور طرفین کے درمیان بینونت واقع ہوگئی، البتہ اب دوبارہ نکاح کے بعد مذکورہ شخص کے پاس اپنی اس مطلقہ بیوی کو طلاق دینے کا صرف ایک بار اور اختیار ہے اور آئندہ ایک طلاق کے بعد یہ بیوی اس شخص پر مغلظہ ہوجائے گی۔

لمافی الهندية (۱/۴۷۳): ولو ارتدت المطلقة ثلاثا ولحقت بدار الحرب ثم استرقها أو طلق زوجته الأمة ثنتين ثم ملكها ففي هاتين لا يحل له الوطء إلا بعد زوج آخر كذا في النهر الفائق۔

وفی الدر المختار(۳/۱۹۳): (وارتداد أحدهما)أي الزوجين(فسخ)فلا ينقص عددا (عاجل) بلا قضاء۔

وفی الرد تحته (۳/۱۹۳): قوله (فسخ) أي عند الإمام بخلاف الإباء عن الإسلام وسوى محمد بينهما بأن كلا منهما طلاق وأبو يوسف بأن كلا منهما فسخ وفرق الإمام بأن الردة منافية للنكاح لمنافاتها العصمة والطلاق يستدعي قيام النكاح فتعذر جعلها طلاقا وتمامه في النهر۔

(۳۶۶) مرتد کا بیوی کو ”میں تمہیں آزاد کرتا ہوں“ کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص مرتد ہوگیا اور اس کے بعد اس نے اپنی بیوی سے

کہا کہ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس کی بیوی صرف اس کے خارج از اسلام ہونے سے ہی اس سے جدا ہوگئی یا اس کیلئے کوئی مستقلاً کلمہ کہنا شرط ہے؟

(۲) خارج از اسلام ہونے کے بعد اس کے ان الفاظ یعنی "میں تمہیں آزاد کرتا ہوں" سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۳) ایسی عورت کی عدت کیا ہوگی؟ فقہ حنفی کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... (۱) واضح رہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک اگر العیاذ باللہ مرتد ہو جائے تو ان دونوں کا نکاح محض ارتداد ہی سے ختم ہو جائے گا، نکاح کو ختم کرنے کیلئے کوئی مستقل کلمہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

(۲) شوہر مرتد ہو جانے کے بعد اگر اپنی بیوی کو عدت کے دوران طلاق دیدے تو وہ واقع ہو جائے گی بشرطیکہ وہ دارالاسلام میں ہی ہو۔

(۳) جس عورت کا خاوند مرتد ہو جائے اگر وہ آئسہ اور صغیرہ نہ ہو تو اسکی عدت تین حیض ہوگی۔

لما فی الشامیة(۱۹۴/۳): قوله (فسخ) أي عند الإمام بخلاف الإباء عن الإسلام وسوى محمد بينهما بأو كلا منهما طلاق وأبو يوسف بأن كلا منهما فسخ وفرق الإمام بأن الردة منافية للنكاح لمنافاتها العصمة والطلاق يستدعي قيام النكاح فتعذر جعلها طلاقا وتمامه في النهر قال في الفتح ويقع طلاق زوج المرتدة عليه ما دامت في العدة لأن الحرمة بالردة غير متأبدة فإنها ترتفع بالإسلام فيقع طلاقه عليها في العدة مستتبعا فائدته من حرمتها عليه بعد الثلاث حرمة مغياة بوطء زوج آخر بخلاف حرمة المحرمية فإنها متأبدة لا غاية لها فلا يفيد لحوق الطلاق فائدة اھ قلت وهذا إذا لم تلحق بدار الحرب۔

فصل فی جنون الزوج

(شوہر کے پاگل ہونے کا بیان)

(۳۶۷) شوہر کے پاگل ہو جانے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کا شوہر شادی کے وقت صحیح تھا، لیکن ان کی آپس میں بن نہ سکی تو عورت ایک مہینے کے بعد اپنے میکے چلی آئی۔ شوہر نے نشہ وغیرہ شروع کیا جس کی وجہ سے اس کی ذہنی حالت درست نہیں، اب وہ پاگل ہو چکا ہے۔ کبھی ہنستا ہے اور کبھی روتا ہے، عورت کو گھر بیٹھے تین سال ہو گئے ہیں اور ان تین سالوں میں شوہر نے کچھ بھی نفقہ نہیں دیا۔ عورت نے کورٹ میں خلع لینے کے لئے اپیل کی تو کورٹ والوں نے کہا کہ شوہر کو لاؤ یا اس کے والدین کو لاؤ، شوہر آنے کی پوزیشن میں نہیں ہے اور اس کے والدین میں سے کوئی زندہ نہیں ہے۔ برائے مہربانی بتائیں کہ عورت اس شوہر سے کس طرح نجات حاصل کرے؟ تا کہ اپنی زندگی سکون سے گزار سکے اور والدین پر بوجھ نہ بنے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جنون کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جنون مطبق (۲) جنون غیر مطبق۔

اس کی راجح تفصیل یہی معلوم ہوتی ہے کہ جنون مطبق وہ ہے جس سے ناقابلِ برداشت ایذاء پہنچتی ہو، اس صورت میں عورت کو خیارِ فسخ حاصل ہوگا۔ جنونِ غیر مطبق: معمولی درجے کے جنون کو کہتے ہیں، اس صورت میں عورت کو خیارِ فسخ حاصل نہ ہوگا۔

اگر مذکورہ عورت کا شوہر واقعی پاگل ہے اور اس کا جنون مطبق ہے تو وہ عورت عدالت میں درخواست دے اور خاوند کا خطرناک وایذاء رساں پاگل ہونا ثابت کرے۔ جج واقعہ کی تحقیق کرے گا، اگر بعد از تحقیق عورت کی بات صحیح ثابت ہو جائے تو جج پاگل کو علاج معالجہ کے لئے ایک سال کی مہلت دیدے اور سال گذرنے کے بعد عورت پھر درخواست دے جبکہ شوہر کا مرض پاگل پن ابھی تک ختم نہ ہوا ہو تو جج عورت کو اسی شوہر کے ساتھ رہنے یا جدا ہونے کا اختیار دے گا، اگر عورت اسی مجلسِ اختیار میں علیحدگی طلب کرے تو جج ان دونوں کے درمیان علیحدگی کر دے گا، البتہ علاج معالجہ کے لئے ایک سال کی مہلت اور سال گزرنے کے بعد تفریق کا حکم پاگل کو سنانا کافی نہیں بلکہ اگر اس شوہر کا کوئی قریبی رشتہ دار ہو تو وہ جوابدہی کرے گا اور اسی کو مہلت اور مدتِ مہلت ختم ہونے کے بعد تفریق کا حکم سنایا جائے گا اور اگر قریبی رشتہ دار موجود نہ ہو تو جج کسی شخص کو پاگل کی طرف سے جوابدہی کے لئے مختار بنا دے۔

چند شرائط کے ساتھ مذکورہ بالا طریقہ اختیار کر کے علیحدگی اختیار کی جا سکتی ہے اور وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) عورت کو جنون موجب للفسخ کا علم ہوجانے کے بعد اس نے اپنے اختیار ورضامندی سے شوہر کو جماع یا دواعی جماع یعنی تقبیل ولمس وغیرہ کا موقع نہ دیا ہو کیونکہ اگر اس نے ایسا کرلیا تو یہ عملی رضا ہوگی جس کی وجہ سے اختیار ساقط ہوجاتا ہے جیسا کہ زبان سے رضا کی تصریح کر دینا اختیار کو ساقط کر دیتا ہے۔

(۲) عورت کی درخواست پر جب قاضی یا اس کے قائم مقام، عورت کو اختیار دے تو وہ اسی مجلس میں فرقت اختیار کرلے۔

(۳) جنون موجب للفسخ کا علم ہوجانے کے بعد اپنے اختیار سے عورت نے جماع یا دواعی جماع کا موقع نہ دیا ہو اور نہ ہی رضامندی کی تصریح کی ہو۔

(۴) زوجۂ عنین کی طرح زوجۂ مجنون بھی اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے میں خودمختار نہیں بلکہ قضائے قاضی شرط ہے اور جس جگہ قاضی موجود نہ ہو وہاں شرعی پنچائیت[1] قائم مقام قاضی ہوگی۔ (ملخص از حیلۂ ناجزہ ص ۵۴)

لمافی المدونة الکبری (۱/۱۴۲) فی عیوب النساء والرجال: قلت أرأیت إن تزوج رجل امرأة فأصابها معیبة من أی العیوب یردها فی قول مالك؟ قال: قال مالك یردها من الجنون، والجذام والبرص والعیب الذی فی الفرج۔

وفی الهندیة (۱/۵۲۶)، کتاب الطلاق، الباب الثانی عشر فی العنین: قال محمد رحمه الله تعالی إن کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول إذا لم یبرأ وإن کان مطبقا فهو کالجب وبه نأخذ کذا فی الحاوي القدسي۔

(۳۶۸) پاگل شوہر سے علیحدگی کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جو کہ شادی شدہ ہے، گزشتہ تین چار سال سے پاگل ہے۔ علاج کرانے کے باوجود کوئی افاقہ نہیں ہوا ہے جس کی وجہ سے حقوق زوجیت بھی ادا نہیں کر رہا ہے، اس شخص کی بیوی کے بارے میں کیا حکم ہے، جدائی کی کیا صورت ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس میں بنی نوع انسان کی زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں مکمل ضوابط اور تعلیمات ہیں، ان شعبوں میں سے ایک شعبہ عقد نکاح ہے، اس میں بھی شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک کیلئے ضوابط موجود ہیں تاکہ یہ دونوں دین اسلام کے مطابق اپنی ازدواجی زندگی بسر کرسکیں اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ ہو، جہاں زیادتی پائی

---

[1] پنچائیت کی شرائط جاننے کیلئے نجم الفتاوی کی اسی جلد میں فتوی نمبر [۳۴۷] ''لاپتہ مرد کی بیوی کیلئے دوسری شادی نیز مسئلہ مفقود میں پنچائیت کی شرائط کا بیان'' ملاحظہ ہو۔ از مرتب فرحان حسن عفی عنہ

جائے وہاں اس کا ازالہ کیا گیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر عقد نکاح کے بعد شوہر پاگل ہو جائے تو عورت کیلئے اختیار فسخ نکاح ہوگا یا نہیں؟ اس میں احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ عورت کو اختیارِ فسخ نکاح نہیں ہوگا لیکن متاخرین حنفیہ (یعنی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ) نے ضرورت شدیدہ کی وجہ سے مالکیہ کے مذہب پر فتویٰ نقل کیا ہے کیونکہ ضرورت شدیدہ میں دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنے کی اجازت دی گئی ہے، جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ عقود رسم المفتی (ص ۴۳) میں بحث کے بعد تحریر ہے:

"وبه علم أن المضطر له العمل بذلك لنفسه كما قلنا وأن المفتي له الإفتاء به للمضطر فمامر أنه ليس له العمل بالضعيف والإفتاء به محمول على غير موضع الضرورة كما علمته من مجموع ما قررناه" (شرح العقود ۴۳)

لہٰذا مذہب مالکیہ میں اس کے متعلق یہ تصریح ہے کہ اگر نکاح کے بعد جنون ہو جائے تب بھی عورت کو علیحدگی کا اختیار ہے ان شرائط کے ساتھ کہ جنون موجب للفسخ کا علم ہو جانے کے بعد زوجہ نے اپنے اختیار و رضامندی سے شوہر کو جماع یا دواعی جماع یعنی تقبیل ولمس وغیرہ کا موقع نہ دیا ہو کیونکہ اگر اس نے ایسا کر لیا تو یہ عملی رضا ہوگی جس کی وجہ سے اختیار ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ زبان سے رضا کی تصریح کر دینا اختیار کو ساقط کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب مہلت کا سال گزر جانے کے بعد دوبارہ درخواست پر قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اسی مجلس میں فرقت اختیار کرلے اگر مجلس برخاست ہوگئی تو اختیار نہ رہے گا، اسی طرح زوجۂ عنین کی طرح زوجۂ مجنون بھی اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے میں خود مختار نہیں بلکہ قضاء قاضی شرط ہے، اور جس جگہ قاضی موجود نہ ہو وہاں شرعی پنچایت قائم مقام قاضی ہوگی۔

[بحوالہ حیلہ ناجزہ ۵۴، ۵۵، ۵۶]

لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ شرائط کے ساتھ مجنون شخص کی بیوی کو نکاح کے فسخ کا اختیار ہوگا جس کی صورت یہ ہے کہ زوجۂ مجنون عدالت میں درخواست دے اور خاوند کا خطرناک مجنون ہونا ثابت کرے۔ عدالت واقعہ کی تحقیق کر کے اگر دعوی صحیح ثابت ہو تو مجنون کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دیدے اور بعد اختتام سال اگر زوجہ پھر درخواست دے اور شوہر کا مرضِ جنون موجود ہو تو عورت کو اختیار دیدیا جائے اس پر اگر عورت اسی مجلسِ تخییر میں فرقت طلب کرے تو عدالت تفریق کردے۔

لمافي الشامية (۱۱/۳): مطلب : مال أصحابنا إلى بعض أقوال مالك رحمه الله ضرورة فالأولى الجمع بين المذهبين لأنه كالتلميذ لأبي حنيفة ولذا مال أصحابنا إلى بعض أقواله ضرورة كما في ديباجة المصفى قهستاني. وفي حاشية الفتال : وذكر الفقيه أبو الليث في تأسيس النظائر أنه إذا لم يوجد في مذهب الإمام قول في مسألة يرجع إلى مذهب مالك لأنه أقرب المذاهب إليه. اهـ.

(۳۶۹) پاگل کی طرف سے اس کے باپ کی طلاق کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ مجنون یا پاگل کی طرف سے ولی طلاق دے سکتا ہے یا نہیں جبکہ وہ پاگل، بیوی کی خبر گیری بھی نہیں کرسکتا اور نہ وطی پر قادر ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں پاگل یا مجنون کی طرف سے ان کا ولی طلاق نہیں دے سکتا، البتہ اگر عورت طلاق چاہے تو قاضی کی عدالت میں دعویٰ کرے گی پھر قاضی دونوں کے درمیان شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے تفریق کرے گا۔

لمافی الهندية (۵۲۶/۱): قال محمد رحمه الله تعالى إن كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة ثم يخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ وإن كان مطبقا فهو كالجب وبه نأخذ كذا في الحاوي القدسي۔

وفی الشامية (۴۹۵/۳): قال في النهر ولو كان يجن ويفيق هل ينتظر إفاقته لم أر المسألة والذي ينبغي أن يقال إن كان هو الزوج لا ينتظر وفي الزوجة تنتظر لجواز رضاها به إذا هي أفاقت كما لو كانت غير بالغة اھ

(۳۷۰) شوہر کے پاگل ہونے پر خیارِ فسخ کب ملتا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک دس سالہ لڑکی کا نکاح ایک سترہ سالہ نوجوان سے ولی نے کردیا۔ نکاح کے دو سال بعد نوجوان بیمار ہو کر پاگل ہوگیا۔ نوجوان کے وارثوں نے ہر چند یونانی، ڈاکٹری معالجہ اپنی حیثیت سے کیا لیکن کچھ افاقہ نہیں ہوا اب وہ دو اڑھائی سال سے پاگل خانہ میں ہے۔ لڑکی کا کوئی وارث اور خبر گیر نہیں ہے۔ لڑکی اپنا نکاح خود کسی سے کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں حکمِ شرع حسب ذیل ہے:

پہلے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ جنون کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) جنون مطبق (۲) جنون غیر مطبق۔

اس کی راجح تفصیل یہی معلوم ہوتی ہے کہ جنون مطبق وہ ہے جس سے ناقابلِ برداشت ایذاء پہنچتی ہو، اس صورت میں عورت کو خیارِ فسخ حاصل ہوگا۔ جنونِ غیر مطبق معمولی درجے کے جنون کو کہتے ہیں، اس صورت میں عورت کو خیارِ فسخ حاصل نہ ہوگا۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت کو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ فسخِ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔

(۱) عورت کو جنون موجب للفسخ کا علم ہوجانے کے بعد اس نے اپنے اختیار ورضامندی سے شوہر کو جماع یا دواعی جماع یعنی تقبیل ولمس وغیرہ کا موقع نہ دیا ہو کیونکہ اگر اس نے ایسا کرلیا تو یہ عملی رضا ہوگی جس کی وجہ سے اختیار ساقط ہوجاتا ہے جیسا کہ زبان سے

رضا کی تصریح کر دینا اختیار کو ساقط کر دیتا ہے۔

(۲) عورت کی درخواست پر جب قاضی یا اس کے قائم مقام، عورت کو اختیار دے تو وہ اسی مجلس میں فرقت اختیار کر لے۔

(۳) جنون موجب للفسخ کا علم ہو جانے کے بعد اپنے اختیار سے عورت نے جماع یا دواعی جماع کا موقع نہ دیا ہو اور نہ ہی رضامندی کی تصریح کی ہو۔

(۴) زوجۂ عنین کی طرح زوجۂ مجنون بھی اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے میں خود مختار نہیں بلکہ قضائے قاضی شرط ہے اور جس جگہ قاضی موجود نہ ہو وہاں شرعی پنچائیت قائم مقام قاضی ہوگی۔ (ملخص از حیلۂ ناجزہ ص ۵۴)

لمافی الهندية (۵۲۶/۱): وإذا كان بالزوج جنون أو برص أو جذام فلاخيار لها كذا فى الكافى، قال محمد رحمه الله، ان كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة، ثم يخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ، وان كان مطبقا فهو كالجب وبه نأخذ، كذا فى الحاوى القدسى۔

وفيه أيضاً(۲۸۶/۱): وإنما يبطل خيارها إذا رضيت بالنكاح صريحا أو يوجد منها فعل يستدل به على الرضا كالتمكين من الجماع ـــ أو ما أشبه ذلك۔

وفى الشامية (۵۰۰/۳): فإذا رفعته إليه وثبت عدم وصوله إليها خيرها القاضى، فان اختارت نفسها فى المجلس أمره القاضى أن يطلقها۔

فصل فی الاحتباس

(عمر قید کے سزا یافتہ شوہر سے علیحدگی کا بیان)

(۳۷۱) عمر قید کی سزا پانے والے سے خلاصی کا حکم

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی شادی کو ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ اسے کسی مسئلے میں عمر قید کی سزا ہوگئی۔ زید کی بیوی کافی پریشان ہے کیونکہ وہ کہتی ہے کہ پوری زندگی شوہر کے بغیر گزارنا بہت مشکل ہے لہذا اس نے زید سے طلاق کا مطالبہ کیا لیکن زید طلاق دینے کیلئے تیار نہیں ہے۔ زید نے بیوی کے نان نفقہ کا انتظام نہیں کیا ہے اور ازدواجی تعلق قائم نہ ہوسکنے کی وجہ سے بھی بیوی مسلسل طلاق کا مطالبہ کررہی ہے، چونکہ اب زید کے قید ہونے کو تقریباً پانچ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور وہ پھر بھی طلاق دینے کیلئے راضی نہیں ہے چنانچہ آپ حضرات سے پوچھنا یہ ہے کہ زید کی بیوی عدالت کے ذریعے اپنے نکاح کو فسخ کراسکتی ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب..... صورت مسئولہ میں عورت اگر شوہر کے بغیر عفت وعصمت کی زندگی گزار سکتی ہے تو اسے چاہیئے کہ صبر کرے اور اگر شوہر نے نان نفقہ کا انتظام نہ کیا ہو نیز شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلاء معصیت کا قوی اندیشہ ہو اور شوہر باوجود مطالبے کے طلاق نہیں دے رہا ہو تو عورت کو چاہیئے کہ اپنا مقدمہ [تعنت] عدالت میں پیش کرے، شرعی گواہوں کی شہادت سے جب عورت کی بات عدالت میں ثابت ہوجائے تو مسلمان جج شوہر سے طلاق دینے کا مطالبہ کرے۔ شوہر مطالبہ پر اگر طلاق دے دے تو ٹھیک ورنہ جج طلاق واقع کردے، اس میں کسی مہلت کی ضرورت نہیں۔

لمافی صحیح البخاری (۲/۷۹۴): عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن امرأة ثابت بن قيس أتت النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله، ثابت بن قيس، ما أعتب عليه في خلق ولا دين، ولكني أكره الكفر في الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتردين عليه حديقته؟ قالت: نعم، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقبل الحديقة وطلقها تطليقة۔

وفی الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ (ص ۷۳): "زوجہ متعنت کو اول تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ کرلے لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی حالت میں مذہب مالکیہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہے کیونکہ ان

کے نزدیک زوجہ متعنت کو تفریق کا حق مل سکتا ہے۔اور سخت مجبوری کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہوسکے یعنی نہ تو کوئی شخص عورت کے خرچ کا بندوبست کرتا ہو اور نہ خود عورت حفظ وآبرو کے ساتھ کسب معاش پر قدرت رکھتی ہو اور دوسری صورت مجبوری کی یہ ہے کہ اگرچہ بسہولت یابدقت خرچ کا انتظام ہوسکتا ہو لیکن شوہر سے علیحدہ رہنے میں ابتلاء معصیت کا اندیشہ ہو اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے سامنے پیش ہو وہ معاملے کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعے سے پوری تحقیق کرے اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جائے کہ اپنی عورت کے حقوق اداء کرو یا طلاق دو ورنہ ہم تفریق کردیں گے، اس کے بعد بھی وہ ظالم اگر کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے، اس میں کسی مدت کے انتظار کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں۔

(۳۷۲) کافروں کے ہاتھوں گرفتار شوہر کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ جب امریکہ نے طالبان پر حملہ کیا اور مجاہدین کو گرفتار کیا تو میرے شوہر بھی گرفتار ہوگئے۔ابھی تک وہ امریکیوں کی قید میں ہیں، بظاہر رہائی مشکل ہے، میں نوجوان لڑکی ہوں تقریباً پچیس سال میری عمر ہے، اب میں شرعاً دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......آپ کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ اوّلاً قاضی کے پاس مقدمہ پیش کرکے گواہوں سے اس غائب کے ساتھ اپنا نکاح ہونا ثابت کریں پھر یہ ثابت کریں کہ اس نے میرے لئے نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں کیا اور نہ میں نے نفقہ معاف کیا غرض نفقہ کا وجوب اس کے ذمہ ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ شوہر کے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے جوانی میں زنا میں مبتلا ہونے کا قوی خطرہ ہونا بھی عرض کریں اور ان سب باتوں پر حلف بھی اٹھائیں اور اس کے بعد قاضی، زوجِ غائب سے تحقیقِ واقعہ کی ہر ممکن کوشش کرے اور اگر غائب شخص سے امریکیوں کی قید میں ہونے کی وجہ سے [پوری جدوجہد اور امکانی کوشش کے باوجود بھی] تحقیق کرنے کا کوئی انتظام ممکن نہ ہو تو ایسی مجبوری کے وقت اس کی بھی گنجائش ہے کہ بغیر آدمی بھیجے ہوئے حاکم یا قائم مقام حاکم واقعہ کی تحقیق کرنے کے بعد تفریق کا حکم کردے اس کے بعد عدتِ طلاق گزار کر آپ دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہیں۔

لما في الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة (ص۱۲۱): ومثل المفقود من علم موضعه وشكت زوجته عدم النفقة يرسل إليه الحاكم إما أن تحضر أو ترسل النفقة أو تطلقها وإلا وطلقها الحاكم بل لو كان حاضرا وعدمت النفقة ثم بعد طلاق تعتد عدة الطلاق بثلاثة أقراء للحرة وقرئين للأمة فيمن تحيض وإلا فثلاثة أشهر للحرة والزوجة الأمة لاستوائهما في الأشهر۔

(ص۱۲۴): طريق تطليق الزوجة المفقود أو الغائب الذى تعذر الإرسال إليه أو أرسل إليه فتعاند إن كان لعدم النفقه فإن الزوجة تثبت بشاهدين أن فلانا زوجها وغاب عنها ولم يترك لها نفقة۔ الخ۔

(۳۷۳) قید سے رہائی کی امید ہو تو بیوی کیلئے حکم

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنے ایک دوست کو کسی وجہ سے قتل کیا۔ پولیس نے اس کو پکڑ لیا۔ ایک مرتبہ عدالت نے سزائے موت سنادی، اس کے بعد جب دوسری حکومت آئی تو انہوں نے اس سزا کو عمر قید میں تبدیل کر دیا، دوبارہ اپیل کے بعد بیس سال میں سزا تبدیل ہوگئی۔ یہی کشمکش سال میں کئی مرتبہ تبدیل ہوتی رہتی ہے جبکہ اس کی بیوی دوسری شادی کرنا چاہتی ہے اس کے لئے شرعاً کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں اگر عورت کے پاس نان، نفقہ کا انتظام ہو اور کوشش کرنے سے شوہر کی سزا میں کمی کی امید ہو تو عورت کو چاہیئے کہ وہ صبر اور استقامت سے کام لے اور شوہر کی سزا کم کرنے یا ختم کرنے میں اس کا ساتھ دے، ہاں اگر عورت کے پاس نان، نفقہ کا انتظام نہ ہو اور شوہر یا دوسرے لواحقین بھی انتظام کر کے نہ دیں یا شوہر سے دور رہنے میں بیوی کے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو پھر عورت کو چاہیئے کہ وہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے کیونکہ طلاق کا حق شوہر کو ہوتا ہے اور بغیر طلاق کے عورت کیلئے دوسری شادی کرنا جائز نہیں لہٰذا اگر شوہر طلاق دیدے تو پھر عورت کو عدت گزار کر دوسری شادی کرنا جائز ہے اور اگر شوہر طلاق نہ دے تو پھر عورت قاضی مسلم کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرے اور قاضی اس کے شوہر کو حکم دے کہ وہ عورت کے نان، نفقہ کا انتظام کرے ورنہ طلاق دیدے، اگر شوہر انتظام کردے تو صحیح اور اگر انتظام نہ کرے اور طلاق سے بھی انکار کرے تو پھر قاضی ان کے نکاح کو فسخ کر کے ان میں تفریق کردے، اس کے بعد عورت کیلئے طلاق کی عدت گزار کر دوسری شادی کرنا جائز ہے۔

لمافی الحیلة الناجزة(ص۱۳۲): الممتنع عن الإنفاق ففى مجموع الأمير ما نصّه ان منعها نفقة الحال فلها القيام فإن لم يثبت عسره أنفق أو طلق وإلا طلق عليه۔ الخ۔

باب الخلع

(خلع اور یکطرفہ ڈگری وغیرہ کا بیان)

(۳۷۴) خلع کیلئے طرفین کی رضامندی شرط ہے

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں ایک جج ہوں ایک صاحب آئے اور ایسی عورت سے نکاح کیلئے بولا جس نے عدالت سے حال ہی میں خلع لیا ہے اور ابھی تک فائل بھی نہیں آئی ہے۔ فائل آئے گی ۲۵ جولائی تک۔ مقدمہ عدالت میں دو ماہ پہلے داخل ہوا تھا۔ جن صاحب نے نکاح کرنا ہے انہوں نے دو ماہ پہلے اسی عورت سے زنا کاری بھی کی ہے اب وہ اصرار کر رہے ہیں کہ نکاح کر دو۔ اگر وہ نکاح کر لیتے ہیں تو آیا نکاح ہوگا یا نہیں ہوگا؟ وہ صاحب اسی خاتون سے نکاح کرنا چاہتے ہیں جس سے زنا کیا ہے۔ اس کا طریقہ کار کیا ہوگا ان صاحب کو کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟ اس کیلئے مجھے فتویٰ کی ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس کا جواب دے دیں گے۔

دوسرا مسئلہ: اگر کنواری لڑکی زنا کرے اور پھر جج اس زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کر دے تو آیا نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... خلع میں جانبین کی رضامندی ضروری ہے جب میاں بیوی کی رضامندی سے خلع لیا جائے تو پھر ضروری ہے کہ عورت عدت گزارے جو کہ تین ماہواریاں ہیں۔ عدت گزارنے کے بعد یہ عورت دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے چاہے اس مرد سے کرے جس سے اس نے دورانِ عدت زنا بھی کیا ہو یا کسی اور سے کرے نکاح منعقد ہو جائے گا اور اگر جانبین سے رضامندی نہیں ہے تو اس صورت میں خلع صحیح نہیں ہوگا اور بیوی بدستور اپنے شوہر کی منکوحہ رہے گی، کسی اور کے لئے اس سے شادی کرنا قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر شوہر کی رضامندی سے خلع ہوا ہے تو پھر ضروری ہے کہ یہ عورت عدت گزارے اور عدت اس دن سے جس دن اس نے خلع لیا ہے تین ماہواریاں ہیں۔ جب عدت گزر جائے تو یہ عورت مذکورہ شخص سے نکاح کر سکتی ہے اگرچہ اس عورت نے اس سے بدکاری بھی کی ہے اور اگر شوہر کی رضامندی کے بغیر محض عدالتی کارروائی سے اس عورت نے یکطرفہ خلع لیا ہے تو پھر یہ عورت اپنے شوہر کے نکاح سے ہی نہیں نکلی اور بدستور اسی کی منکوحہ ہے اس عورت سے کسی بھی وقت کسی کا نکاح جائز نہیں جب تک اس کا شوہر اس کو طلاق نہیں دیتا یا رضامندی سے خلع نہیں ہوتا لہٰذا آپ پر بھی نکاح پڑھانے سے قبل اس بات کی تحقیق ضروری ہے اگر خلع شرعی

تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شوہر کی رضامندی سے نہیں ہوا تو پھر یہ نکاح پڑھانا آپ کیلئے قطعاً جائز نہیں۔

شادی شدہ عورت سے زنا کی شرعی سزا سنگسار ہے اس عورت کو رجم کر دیا جائے گا اور اگر مرد بھی شادی شدہ ہو تو مرد کو بھی سنگسار کر دیا جائے گا نیز غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں زنا کی سزا سو کوڑے ہیں، یہ انتہائی قبیح فعل ہے۔ باقی رہی بات کنواری لڑکی کی تو اگر کوئی کنواری لڑکی سے زنا کرے اور پھر اسی مرد سے اس کا نکاح کرایا جائے تو ان دونوں کا آپس میں نکاح جائز ہے اور اسی طرح ایسے جوڑے کا نکاح پڑھانا بھی بلا کراہت جائز ہے البتہ ایسے جوڑے کو چاہیئے کہ زنا جیسے قبیح فعل سے توبہ کریں اور اپنے سابقہ گناہ پر اللہ تعالیٰ سے خوب معافی مانگیں اور آئندہ کے لئے ایسے قبیح فعل سے بچنے کا پختہ عزم کریں اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ نعمتوں پر اللہ کا شکر کریں اور حرام کردہ چیزوں سے ہمیشہ بچیں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

لمافي الهندية (۱/۲۸۰) كتاب النكاح فصل في المحرمات: إذا تزوج امرأة قد زنى هو بها وظهر بها حبل فالنكاح جائز عند الكل۔

وفيه من باب الخلع (۱/۴۸۸): وشرطه شرط الطلاق وحكمه وقوع الطلاق البائن كذا في التبيين۔

وفيه أيضاً (۱/۲۸۰): لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة كذا في السراج الوهاج۔

وفي الدر المختار (۳/۴۹) كتاب النكاح: (و) صح نكاح (حبلى من زنى) ۔۔۔ فروع لو نكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقا۔

وفي الشامية (۳/۴۴۱): وأما ركنه فهو كما في البدائع إذا كان بعوض الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

(۳۷۵) اختلاف کے وقت خلع مشروع ہے

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میاں بیوی کے درمیان جب ناچاقی ہو جائے تو ان کے درمیان علیحدگی کی کونسی صورت اختیار کی جائے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ مباح یعنی جائز چیزوں میں سب سے مبغوض ترین چیز طلاق ہے۔ اس طلاق کے علاوہ اور کیا صورت ہے؟ اگر ہے تو ضرور تحریر فرمائیں اور اس کا طریقہ بھی بیان فرمادیں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب..... جب میاں بیوی میں ناچاقی بڑھ جائے اور آپس میں ازدواجی تعلقات رکھنا مشکل ہو جائے تو شریعت مطہرہ کی روشنی میں ہمیں یہ راہنمائی ملتی ہے کہ دونوں (میاں بیوی) کے اہل خانہ کے بزرگ احباب مل بیٹھ کر دونوں کے درمیان صلح کرانے کی حتی الامکان کوشش کریں۔ اگر صلح ممکن نہ ہو تو شوہر بیوی کو ایک طلاق دے دے یا پھر بیوی شوہر کی رضامندی سے مہر وغیرہ کے عوض "خلع" لے سکتی ہے۔

لمافي القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹): الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ

لَكُمْ اَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ --إلى قوله-- فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

وفی الهندية (۴۸۸/۱) الباب الثامن فی الخلع: إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعلا ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال كذا في الهداية۔

وفی الشامية (۴۴۱/۳): قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط۔

(۳۷۶) خلع کے بعد عدت گزارنا ضروری ہے

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بہن سدرہ بلال بنت بلال احمد خان کا نکاح ۱۱/نومبر ۲۰۱۱ء بروز جمعۃ المبارک احمر مزمل ولد تصدق حسین سے تمام قواعد وضوابط کے ساتھ تکمیل کو پہنچا۔شادی کے تقریباً دو ماہ بعد ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے اور لڑکے (احمر مزمل) کی کچھ ذاتی کمزوریوں کی وجہ سے خلع کی نوبت آ گئی۔جس کی فوٹو اسٹیٹ اس مسئلے کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔

(۱) مجھے (لڑکی کا بھائی ذیشان بلال ولد بلال احمد کو) پوچھنا یہ ہے کہ آیا اس طرح خلع شرعی اعتبار سے درست ہے؟ دونوں طرف تمام گواہان موجود تھے اور لڑکا اور لڑکی کی مرضی بھی شامل تھی۔کیا کسی قانونی کارروائی کی بھی ضرورت ہوگی؟

(۲) خلع کے بعد کیا میری بہن پر عدت آئے گی؟ جبکہ خلع کو ہوئے تین ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ناقص معلومات کی وجہ سے ہم نے اُسے عدت میں نہیں بٹھایا۔اس کی وضاحت فرمادیں۔صرف خلوتِ صحیحہ ہوئی ہے، اس وجہ سے عدت میں نہیں بٹھایا۔ اب چونکہ وقت زیادہ ہو گیا ہے مگر پھر بھی اس مسئلے کی شرعی وضاحت چاہتا ہوں کہ اب ہم کیا کریں؟

برائے مہربانی اس مسئلے میں ہماری راہنمائی فرمائیں تاکہ مزید پریشانیوں اور گناہوں سے بچ سکیں۔آپ کی نظر سے اس قسم کے مسائل بہت گزرے ہوں گے لہذا برائے مہربانی اس میں بھی راہنمائی فرمائیں کہ آیا قانونی طور پر یہ خلع نامہ قبول ہے؟ اگر نہیں تو پھر ہمیں کیا کرنا ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوهاب……صورت مسئولہ میں شوہر کی رضامندی سے خلع درست ہوگیا ہے چونکہ شادی کے بعد آپ کی بہن شوہر کے پاس کچھ عرصہ رہ چکی تھیں لہذا خلع ہوجانے کی وجہ سے آپ کی بہن پر عدت (یعنی تین ماہواری گزارنا) لازم ہوگی۔یہ

بات یادرہے کہ ایک ہے عدت میں بیٹھنا اور ایک ہے عدت گزارنا۔عدت تولامحالہ[تین ماہواریاں گزرنے کیساتھ ہی] گزرجائے گی لیکن عدت گزارتے وقت عدت میں بیٹھنا بھی ضروری ہے یعنی وہ خاص احکام جوعورت پر عدت میں لاگو ہوتے ہیں ان کو انجام دینا ضروری ہے صورت مسئولہ میں آپ کی بہن کی تین ماہواریاں گزار چکی ہیں تو ان کی عدت گزرچکی ہے لیکن اگر تین ماہواریاں پوری نہیں ہوئیں تو تین ماہواریاں پوری ہونے تک ان کی عدت رہے گی۔البتہ دونوں صورتوں میں جتنے دن عدت کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے وہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس پرخوب توبہ واستغفار کریں۔تین ماہواری پوری کرنے کے بعد اگر وہ دوسری جگہ نکاح کرنا چاہیں تو کرسکتی ہیں۔

لمافی القرآن المجید (البقرة:۲۲۹):فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّلِمُونَ.

وفی صحیح البخاری (۷۹۴/۲):عن ابن عباس رضي الله عنهما أن امرأة ثابت بن قيس أتت النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله، ثابت بن قيس، ما أعتب عليه في خلق ولا دين، ولكني أكره الكفر في الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتردين عليه حديقته؟ قالت: نعم، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقبل الحديقة وطلقها تطليقة.

وفی الهندية (۴۸۸/۱) الباب الثامن فی الخلع: إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعلا ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال كذا في الهداية۔

وفی الشامية (۵۰۴/۳):وهذا خاص بالنكاح الصحيح أما الفاسد فلا تجب فيه العدة إلا بالوطء كما مر في باب المهر ـــ ومما جرى مجراه ما لو استدخلت منيه في فرجها كما بحثه في البحر وسيأتي في الفروع آخر الباب قوله.(أي صحيحة) فيه نظر فإن الذي تقدم في باب المهر أن المذهب وجوب العدة للخلوة صحيحة أو فاسدة۔

(۳۷۷)خلع کی عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے خلع کو پندرہ مہینے ہو چکے ہیں۔اب میں اپنی والدہ کے گھر میں ہوں، ان پندرہ مہینوں میں سے میں بارہ مہینے اپنے شوہر کے ساتھ رہ چکی ہوں، اب میں تین مہینوں سے اپنے شوہر سے بالکل علیحدہ ہوں کیا اب میں دوسرا نکاح کرسکتی ہوں؟ برائے مہربانی مجھے اس بات کا جواب دیں میرے شوہر خود مجھے اپنے منہ سے بھی کہہ چکے ہیں کہ تو میرے ساتھ کیوں رہ رہی ہے تیرا خلع ہو چکا ہے جبکہ وہ خود ہی مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے کر گئے تھے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......خلع کے ذریعے طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے اور عورت عدت گزارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً خاوند اور بیوی کی باہمی رضامندی سے خلع ہوا تھا تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگئی تھی اور عام طور پر چونکہ پندرہ مہینے میں عدت بھی گزر جاتی ہے اس لئے آپ کیلئے دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے البتہ خلع کے بعد آپ کا شوہر کے پاس رہنا شرعاً درست نہیں تھا۔اس پر آپ خوب توبہ واستغفار کریں اور آئندہ ایسے معاملات میں احتیاط سے کام لیں۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ:۲۲۹):فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

وفی الترمذی(۱/۲۲۵):عن الربیع بنت معوذبن عفراء أنھا اختلعت علی عھدالنبی ﷺ فأمرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم أو أمرت أن تعتد بحیضۃ.

وفی الدر المختار(۳/۴۴۴) باب الخلع:(و) حکمه أن (الواقع به) ولو بلا مال (وبالطلاق) الصریح (علی مال طلاق بائن)۔

(۳۷۸) خلع کے بعد اسی مرد سے دوبارہ شادی کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ بیوی کن صورتوں میں خلع کا مطالبہ کرسکتی ہے؟ نیز خلع کے بعد اگر یہی شوہر دوبارہ شادی کرنا چاہتا ہو تو اس کی کوئی صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر شوہر بیوی پر ظلم وزیادتی کرتا ہو اور بیوی کے حقوق ادا نہ کرتا ہو یا ان کے درمیان شدید اختلاف ہوجائے اور بیوی کو معلوم ہو کہ اب نبھاؤ ممکن نہیں ہے تو اس صورت میں بیوی خلع کا مطالبہ کرسکتی ہے جب خلع ہوگا تو اس سے طلاق بائن واقع ہوجائے گی اگر بعد میں دوبارہ ساتھ رہنا چاہتے ہوں تو تجدید نکاح کرانا [نئے مہر اور دیگر تمام شرائطِ نکاح کیساتھ] ضروری ہوگا البتہ اس کے بعد مرد کے پاس صرف دو طلاقوں کا حق باقی رہ جائے گا۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ:۲۲۹):فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

وفی الشامیۃ(۳/۴۴۱):قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط

(۳/۴۴۶):قوله (وقع) أي إن قبلت بحر قوله (بائن في الخلع) لأنه من الكنايات الدالة على قطع الوصلة فكان الواقع بائنا بخلاف لفظ اعتدى وأخويه كما مر في بابه بخلاف الطلاق فإنه

صريح لا يقتضي البينونة أيضا۔

(۳۷۹) خلع کے بعد بغیر نکاح کے رجوع ممکن نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے خلع کیا تھا اب دونوں نے محلہ کے امام صاحب کے کہنے پر رجوع کر لیا تو کیا اس شخص کا رجوع درست ہے یا نہیں؟ اور محلہ کے امام صاحب کا بتایا مسئلہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......خلع سے چونکہ طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے اور طلاقِ بائن کے بعد صرف رجوع کرنا کافی نہیں بلکہ نکاحِ جدید ضروری ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں خلع کے بعد صرف رجوع کرنا کافی نہیں بلکہ مذکورہ شخص کو چاہیئے کہ وہ اس عورت سے نکاحِ جدید کرے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:۲۲۹): فَإِنۡ خِفۡتُمۡ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيمَا افۡتَدَتۡ بِهِۦ تِلۡكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعۡتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ۔

وفي الدر المختار(۴۴۴/۳) باب الخلع: (و) حكمه أن (الواقع به) ولو بلا مال (وبالطلاق الصريح (على مال طلاق بائن)۔

وفيه أيضاً(۴۰۹/۳): (وينكح) مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع۔

وفي الرد تحته: قوله (وينكح مبانته بما دون الثلاث) لما ذكره ما يتدارك به الطلاق الرجعي ذكر ما يتدارك به غيره فتح۔

(۳۸۰) کورٹ کے ذریعہ خلع کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ خلع کیا ہے؟ یہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی؟ طلحہ نے اپنی بیوی شگفتہ کو شادی کے بعد تنگ کرنا شروع کر دیا۔ بیوی نے خلع کے لئے کورٹ سے رجوع کیا دو سال کیس چلا۔ اس کے بعد خلع کا آڈر ہو گیا اور دونوں میاں بیوی علیحدہ ہو گئے لیکن بعد میں دونوں میاں بیوی میں پھر صلح ہو گئی اور بغیر نکاح یا حلالہ کے میاں بیوی پھر بن گئے، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......جب میاں، بیوی میں ناچاقی حد سے بڑھ جائے اور ان کا ازدواجی تعلقات برقرار رکھنا کسی طور پر ممکن نہ ہو تو شریعت اسلامیہ نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ جانبین (میاں، بیوی) کی رضامندی سے بیوی اپنے شوہر کو اپنا حق مہر معاف کر کے یا اور کچھ رقم دے کر شوہر سے جدائی حاصل کرنے تو اسے خلع لینا کہتے ہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں کورٹ کے یک طرفہ فیصلہ (یعنی صرف عورت کی رضامندی) سے خلع کا آڈر جاری ہوا ہو تو یہ خلع لینا درست نہ ہوگا۔ اور ان دونوں میاں بیوی کا بغیر نکاح جدید کے ایک ساتھ رہنا درست ہے لیکن اگر خلع کا مذکورہ معاملہ جانبین کی رضامندی سے طے پایا ہے تو چونکہ خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور طلاق بائن کے بعد صرف رجوع کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہوتا ہے لہٰذا مذکورہ صورت میں صرف دوبارہ نکاح کرنا ہوگا، حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی [کیونکہ حلالہ طلاقِ ثلاثہ کے بعد ضروری ہوتا ہے جبکہ یہاں صرف ایک طلاقِ بائن واقع ہوئی ہے۔]

لمافی الدر المختار (۴۳۹/۳): باب الخلع (هو) --- (إزالة ملك النكاح) --- (المتوقفة على قبولها) --- (بلفظ الخلع) --- (أو في معناه)۔

وفي الشامية (۴۴۴/۳): قوله (فيعتبر فيه ما يعتبر فيها) ويقع به تطليقة بائنة إلا إن نوى ثلاثا فتكون ثلاثا وإن نوى ثنتين كانت واحد بائنة كما في الحاكم۔

(۳۸۱) خلع دینے کا وعدہ کرنا خلع نہیں

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص اگر جرگہ کے سامنے وعدہ کرے کہ میں فلاں تاریخ تک بیوی سے اتنی رقم لے کر اس کو آزاد کردوں گا، لیکن اب وہ شخص وعدہ پورا نہیں کر رہا۔ کیا اس کے وعدہ کو خلع تصور کر کے عورت آزاد ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں جرگہ کے سامنے اس طرح وعدہ کرنا کہ "میں فلاں تاریخ تک بیوی سے اتنی رقم لے کر اس کو آزاد کردوں گا" اس سے خلع واقع نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے بیوی آزاد ہوتی ہے۔

لمافی البحر الرائق (۱۴۷/۳): لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيتك إن المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح۔

وفي الدر المختار (۳۱۹/۳): بخلاف قوله طلقي نفسك فقالت أنا طالق أو أنا أطلق نفسي لم يقع لأنه وعد جوهرة۔

(۳۸۲) لفظ خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری شادی مسمی عبدالخطیب صدیقی ولد غلام محمد سے عرصہ ۱۹ سال قبل ہوئی، اس دوران زندگی میں کئی اتار چڑھاؤ آئے اور میرے شوہر نے دوسری عورتوں سے تعلقات استوار کر لئے۔ جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے اسے دبے لفظوں میں منع کیا جس پر انہوں نے مجھے مارنا پیٹنا شروع کر دیا اور یوں حالات خراب ہوتے چلے گئے۔

اس دوران میں چار بیٹیوں اور دو بیٹوں کی ماں بن گئی مگر حالات کسی بھی صورت درست نہ ہوئے۔ خاندان کے بڑوں کو ہماری ناچاقی کا علم ہوا مگر کسی نے بھی میرے شوہر کے غلط رویئے اور ڈر کے مارے اس سے بات کرنا گوارہ نہ کیا اور اس طرح اس کا حوصلہ بڑھ گیا اور وہ برائی کی تمام ترحدوں کو پھلانگ گیا۔ اسے نہ میری پرواہ رہی اور نہ ہی بچوں کی تعلیم وتربیت اور گھرداری کا خیال۔ حتیٰ کہ میں اور میرے بچے کئی کئی دن تک فاقوں سے رہے، کبھی کسی نے ترس کھا کر ان کو کھانا وغیرہ کھلا دیا تو ٹھیک ورنہ زندگی بے سود گزرتی رہی۔

آخر کار میرے شوہر نے ایک گھناونی چال چلتے ہوئے ایک جعلی اسٹامپ پیپر بنوا کر جو کہ میری طرف سے تھا اور اس میں یہ لکھوایا کہ میں ثوبیہ بیگم اپنے شوہر عبدالخطیب صدیقی سے خلع لینا چاہتی ہوں لہٰذا [2006-11-08] کو عبدالخطیب نے مجھے طلاق دے دی۔ اس بات کا علم میرے پورے خاندان ودیگر دوست احباب کو بھی ہو چکا ہے کہ عبدالخطیب صدیقی مجھے طلاق دے چکا ہے۔ تقریباً پانچ سال کا عرصہ اس طلاق کو ہونے کو ہے مگر ابھی تک اس شخص نے اپنے بچوں کی خاطر مجھے اپنے گھر میں قید کر رکھا ہے۔ جب بھی میں اپنی آزادانہ زندگی گزارنے کا سوچتی ہوں بچوں سے کہتا ہے کہ اپنی ماں کو قابو میں رکھو اور اسے باہر نہ جانے دو۔ ابھی چند روز قبل اس نے مجھے خوب مارا اور مجھے رات کو گھر سے نکال دیا۔ میں ایک روز کے لئے اپنے عزیزوں کے ہاں چلی گئی تو فوراً بچے آ گئے اور پھر جھوٹ فریب بول کر مجھے ساتھ لے گئے۔

عزت مآب حضرت صاحب! عرصہ پانچ سال سے بے کیف زندگی گزار رہی ہوں۔ کوئی روپیہ پیسہ بھی نہیں دیتا۔ کئی دفعہ خودکشی کی کوشش کر چکی ہوں مگر زندگی ہے کہ ساتھ دیئے جا رہی ہے۔ آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ مجھے بتایا جائے کہ میں کسی ایسے شخص کے گھر میں رہ سکتی ہوں جو مجھے طلاق دے چکا ہے؟ وہ خود تو راتوں کو دوسری عورتوں کے ساتھ شب بسری کرتا ہے مگر میں اس کے بچوں کی نوکرانی بنی ہوئی ہوں۔ میری کوئی زندگی نہیں، میرا کوئی معاوضہ نہیں چنانچہ میرا آپ دینی وسیلہ اور آسرا ہیں لہٰذا راہنمائی فرمائیں تاکہ میں اپنی خودمختار زندگی گزار سکوں۔ جناب والا! عبدالخطیب مجھے حق مہر کی رقم ادا کر چکا ہے۔

تنقیح: میں تمہیں طلاق دے چکا ہوں یہاں سے چلی جاؤ۔ نیز خلع میں کوئی عوض مقرر نہیں کیا تھا۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... بشرطِ صحتِ واقعہ آپ (یعنی ثوبیہ بیگم) پر طلاق بائن واقع ہو چکی ہے کیونکہ آپ کے شوہر نے آپ کو یکطرفہ بلاعوض خلع دیا اور اس سے طلاق کی نیت کی کیونکہ وہ بارہا آپ کو کہہ چکا ہے کہ میں تمہیں طلاق دے چکا ہوں لہٰذا اب آپ دونوں کا ساتھ رہنا اور تعلقات قائم رکھنا ناجائز اور حرام ہے، آپ کسی بھی طرح شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین یا بھائیوں کے گھر آ جائیں اور پھر دوبارہ ہرگز اس کے گھر نہ جائیں۔

لمافی الهندية (۴۸۸/۱) باب فی الخلع: إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعلا ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال كذا في الهداية۔

وفی الشامية (۲۵۱/۳): والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوى على أنه

ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب۔

(۳۸۳) خلع سے عورت کب مغلظہ ہوجاتی ہے نیز خلع اور طلاق بالمال میں فرق

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ خلع کے ذریعہ سے کتنی طلاقیں واقع ہوتی ہیں؟ کیا کوئی صورت ایسی ہے کہ خلع کے ذریعہ عورت مغلظہ ہوجائے اور حلالہ شرعیہ کی ضرورت پڑے اور خلع اور طلاق بالمال میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ براہ کرم مذکورہ سوالات کے جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... خلع کے ذریعہ ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے اور خلع کے ذریعے دوصورتوں میں عورت مغلظہ ہوجاتی ہے:

(۱) مرد لفظ خلع میں تین طلاقوں کی نیت کرے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عورت سے تین بار نکاح کیا جائے اور ہر عقد نکاح کے بعد خلع کیا جائے تو اس سے عورت مغلظہ ہوجاتی ہے اور حلالہ شرعیہ کے بغیر اس سے نکاح جائز نہیں ہوتا۔

خلع اور طلاق بالمال میں احکام کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں البتہ دونوں کچھ وجوہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں:

(۱) ایک فرق یہ ہے کہ اگر خلع میں عوض غیر مال ہو مثلاً شراب وغیرہ کو بدلِ خلع بنالیا جائے تو خلع صحیح نہیں رہتا لیکن اس صورت میں طلاق بائنہ واقع ہوجاتی ہے کیونکہ خلع کنایات میں سے ہے جبکہ طلاق بالمال میں اگر یہی صورت ہو تو طلاق رجعی واقع ہوتی ہے کیونکہ طلاق بالمال طلاق صریح کی قبیل سے ہے۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ خلع کے ذریعہ تمام وہ حقوق جو نکاح کی وجہ سے واجب ہوں ساقط ہوجاتے ہیں، جیسے مہر وغیرہ البتہ عدت کا نفقہ ادا کرنا ضروری ہوتا ہے جبکہ طلاق بالمال سے یہ حقوق ساقط نہیں ہوتے۔

لمافی الهندية (۴۸۸/۱): وحكمه وقوع الطلاق البائن كذا في التبيين وتصح نية الثلاث فيه ولو تزوجها مرارا وخلعها في كل عقد عندنا لا يحل له نكاحها بعد الثلاث قبل الزوج الثاني۔

وفی الدرالمختار(۴۴۴/۳): (بلفظ الخلع) خرج الطلاق على مال فإنه غير مسقط فتح ـ ـ ـ (و) حكمه أن (الواقع به) ولو بلا مال (وبالطلاق) الصريح (على مال طلاق بائن)۔

وفی الرد تحته: قوله (إن الواقع به) أي بالخلع ولو بلفظ البيع والمبارأة بحر۔

(۳۸۴) کیا خلع میں مال کا ہونا ضروری ہے؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ خلع کا طریقہ کیا ہے؟ کیا خلع میں یہ بات ضروری ہے کہ

شوہر عورت کو کوئی چیز دے یا اس کے بغیر بھی خلع ہوسکتا ہے اور خلع کو شریعت میں طلاق شمار کیا جاتا ہے یا کچھ اور اس صورت میں نفقہ کس پر واجب ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوهاب......خلع ایک ایسا معاملہ ہے جو زوجین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے اور خلع مال کے ذریعے بھی ہوسکتا ہے اور بغیر مال کے بھی خصوصاً اگر شوہر کی طرف سے ہوتو اس خلع کے بدلے مال لینا مکروہ ہے اور اگر عورت کی طرف سے ہوتو جائز ہے اور خلع کو شریعت میں طلاقِ بائن شمار کیا جاتا ہے اور عدت گزر جانے تک عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہے البتہ اگر نفقہ ساقط کرنے کی صراحت کردی گئی ہوتو نفقہ ساقط ہوجائے گا۔

لمافي الهندية (۱/۴۹۱): ولو قال اخلعي نفسك فقالت خلعت نفسي منك وأجاز الزوج جاز بغير مال وقال الإمام الثاني إذا قال لها اخلعي نفسك فقالت خلعت نفسي لا يكون إلا بمال إلا أن ينوى بغير مال ولو قال لغيره اخلع امرأتي ليس له أن يخلعها بلا مال كذا في الوجيز للكردري۔

وفي الدر المختار(۳/۴۵۲): (والمبارأة) أي الإبراء من الجانبين (كل حق)ثابت وقتهما (لكل منهما على الآخر مما يتعلق بذلك النكاح) حتى لو أبانها ثم نكحها ثانيا بمهر آخر فاختلعت منه على مهرها برىء عن الثاني لا الأول --- (إلا نفقة العدة) وسكناها فلا يسقطان (إلا إذا نص عليها) فتسقط النفقة لا السكنى لأنها حق الشرع إلا إذا أبرأته عن مؤنة السكنى فيصح فتح ۔

(۳۸۵) خلع کے عوض مال لینے کی شرعی حیثیت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا بدل خلع کی کوئی حد ہے یا نہیں؟ اگر حق مہر سے زائد مال پر خلع کیا جائے تو خاوند کے لئے اس زائد مال کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......اگر نشوز (زیادتی) شوہر کی طرف سے ہوتو بدلِ خلع کے طور پر شوہر کے لئے کسی قسم کا مال لینا مکروہ ہے لیکن اگر نشوز بیوی کی طرف سے ہوتو بدلِ خلع کی حد یہ ہے کہ مہر سے زائد نہ ہو۔ اگر شوہر نے مہر سے زائد مال لیا تو یہ خلافِ اولیٰ ہے۔

لمافي الدرالمختار(۳/۴۴۵): (وكره) تحريما (أخذ شيء) ويلحق به الإبراء عما لها عليه (إن نشز وإن نشزت لا) ولو منه نشوز أيضا ولو بأكثر مما أعطاها على الأوجه فتح وصحح الشمني كراهة الزيادة وتعبير الملتقى لا بأس به يفيد أنها تنزيهية وبه يحصل التوفيق۔

وفي الرد تحته: قوله (إن نشز) في المصباح نشزت المرأة من زوجها نشوزا من باب قعد وضرب

عصته ونشز الرجل من امرأته نشوزا بالوجهين تركها وجفاها وأصله الارتفاع اهـ ملخصا قوله (ولو منه نشوز أيضا) لأن قوله تعالى { فلا جناح عليهما فيما افتدت به } يدل على الإباحة إذا كان النشوز من الجانبين بعبارة النص وإذا كان من جانبها فقط بدلالته بالأولى قوله (وبه يحصل التوفيق) أي بين ما رجحه في الفتح من نفي كراهة أخذ الأكثر وهو رواية الجامع الصغير وبين ما رجحه الشمني من إثباتها وهو رواية الأصل فيحمل الأول على نفي التحريمية والثاني على إثبات التنزيهية وهذا التوفيق مصرح به في الفتح فإنه ذكر أن المسألة مختلفة بين الصحابة ذكر النصوص من الجانبين ثم حقق ثم قال وعلى هذا يظهر كون رواية الجامع أوجه نعم يكون أخذ الزيادة خلاف الأولى والمنع محمول على الأولى اهـ

(۳۸۶) شوہر غلطی پر ہو تو بدلِ خلع لینا جائز نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں سخی حسن نے اپنے ایک خالہ زاد بھائی جو کہ میرا سالہ بھی ہے کا نکاح اپنے چچا کی بیٹی سے کروایا تھا۔ اس نکاح میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ذریعہ بنایا۔ شادی طے ہوگئی اور لڑکی رخصت ہو کر سسرال چلی گئی۔ شادی کے بعد لڑکی تھوڑے دنوں کے بعد اپنے سسرال والوں کی رضامندی اور شوہر کی رضامندی سے ایک ہفتے کیلئے اپنے میکے چلی گئی۔ بعد میں وہ واپس بھی آگئی اور گھر کا نظام چلتا رہا۔ پھر اس کے بعد دوبارہ تقریباً ۴۵ دنوں کے بعد لڑکی بقرعید کے دنوں میں رضامندی کے ساتھ اپنے میکے چلی گئی۔

دو تین دن رہنے کے بعد اس نے یہ بات اپنے گھر والوں کو بتائی کہ لڑکے نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ شادی کے پہلے دن اس نے مجھے جان سے مار دینے کی کوشش کی۔ میرے گلے میں پھندا ڈالا اور مجھے دھمکیاں دیں اور مجھے یہ کہا کہ اگر تو نے یہ باتیں کسی کو بتائیں تو بہت برا ہوگا۔ یہ ساری باتیں جب لڑکی نے اپنے والدین کو بتائیں تو لڑکی کے والدین نے کہا کہ چلو ہم لڑکے کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں تو اس کے بعد میری چچی نے مجھ (سخی حسن) سے لڑکے کے بارے میں بات کی تو میں نے کہا کہ چلو میں بھی لڑکے سے ان باتوں کی تحقیق کرلوں۔ میں نے لڑکے سے اس موضوع پر بات کی۔ لڑکے نے کہا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے تو آج تک اس سے غصے میں بھی بات نہیں کی۔ آپ مجھے جو چاہیں قسم دے دیں میں ہر طرح کی قسم کھانے کیلئے تیار ہوں۔

لڑکے سے تحقیق کے بعد جب میں نے ساری وضاحت چچی کے سامنے رکھی کہ ان تمام باتوں کی لڑکا نفی کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ ہمارے درمیان ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ہے تو اس پر لڑکی والوں کا کہنا ہے کہ لڑکا تو نفسیاتی ہے اور وہ تو گولیوں کا استعمال بھی بہت کرتا ہے جبکہ لڑکا ان تمام باتوں کی نفی کرتا ہے۔ غرض یہ کہ لڑکی والے لڑکے کی کسی بات کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں حالانکہ بات یہ ہے کہ لڑکے کا اپنا ذاتی کاروبار ہے۔ مین بازار کے اندر اس کی دکان ہے، ہفتہ میں ایک دو مرتبہ خریداری کیلئے شہر بھی جاتا ہے۔ دوکانداروں

سے مال خریدتا ہے، اگر یہ نفسیاتی ہوتا تو اس کی طبیعت تو کسی وقت بھی خراب ہوسکتی ہے اور ایسے آدمی کے پاس تو کسی کی عزت واحترام کا دائرہ ہی نہیں ہوتا جبکہ لڑکے کے اندر ایسی کوئی بات نہیں جس سے ثابت ہو کہ یہ مریض وغیرہ ہے اور لڑکا حافظ قرآن بھی ہے لیکن لڑکی لڑکے کے اوپر یہ الزامات لگا رہی ہے اور لڑکے کے ساتھ رہنے کیلئے تیار ہی نہیں، لڑکی والے طلاق کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ لڑکے اور لڑکی کی طرف سے تین تین آدمی پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی کہ کسی طریقے سے فیصلہ ہوجائے اور بندھن قائم رہے لیکن کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔

اس کے بعد لڑکی والوں نے دوسرے تین آدمیوں کو ثالث بنایا کہ ہماری لڑکی کو کسی بھی طریقے سے اس لڑکے سے طلاق دلوائی جائے۔ اس کے بعد ثالث کمیٹی نے لڑکے والوں کے پاس کہلوایا کہ آپ نے جو سامان لڑکی کو دیا تھا اس کی لسٹ بنا کر دیں تاکہ دونوں طرف سے جو لین دین ہوا تھا اس کو واپس کر کے بندھن کو ختم کر دیا جائے۔ اس کے باوجود ایک مسئلہ پر آکر تنازعہ ہونے کا خدشہ ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں اکثر شادی کے موقعہ پر مہر کی رقم کے علاوہ سونا دیا جاتا ہے ہر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق سونا دیتا ہے جو کہ لڑکی کی ملکیت میں دے دیا جاتا ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ دونوں طرف سے سامان دینے کی بات ہے طلاق کا مطالبہ لڑکی کی طرف سے ہے تو کیا لڑکا اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ سونا بھی لڑکی سے واپس لے لے۔ تقریباً شادی کے وقت جو سونا طے ہوا تھا وہ ڈھائی تولہ تھا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر ہماری راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... بوقتِ ضرورت مہر یا مال کے بدلے علیحدگی اختیار کرنا جائز ہے جبکہ دونوں میاں بیوی کے درمیان نباہ نہ ہوسکے البتہ اگر نشوز (نافرمانی) شوہر کی طرف سے ہے تو شوہر کیلئے مہر کی رقم یا دوسرا کوئی بھی مال بیوی سے طلاق کے بدلے لینا جائز نہیں، لیکن اگر نشوز (نافرمانی) بیوی کی طرف سے ہے تو پھر بقدر مہر رقم لے سکتا ہے اس سے زیادہ نہ لیا جائے تو بہتر ہے البتہ اگر زیادہ لے لیا تو لینا اس کے لئے جائز ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں شوہر مہر کی رقم لے سکتا ہے اور سونا مہر کے علاوہ زائد ہے لہٰذا اس کا نہ لینا بہتر ہے البتہ اگر لے لیا تو یہ خلاف اولیٰ ہوگا۔

لما فی الدر المختار(۳/۴۴۵): (وكره) تحريما (أخذ شيء) ويلحق به الإبراء عما لها عليه (إن نشز وإن نشزت لا) ولو منه نشوز أيضا ولو بأكثر مما أعطاها على الأوجه فتح وصحح الشمني كراهة الزيادة وتعبير الملتقى لا بأس به يفيد أنها تنزيهية وبه يحصل التوفيق۔

وفی الرد تحته: قوله (إن نشز) في المصباح نشزت المرأة من زوجها نشوزا من باب قعد وضرب عصته ونشز الرجل من امرأته نشوزا بالوجهين الخ۔

(۳۸۷) خلع میں مہر سے زیادہ رقم وصول کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کی بیوی نافرمان ہو اور والدین کے گھر مدتوں

بلاوجہ بیٹی رہتی ہو، خاوند کے بار بار مطالبہ پر اس کے پاس نہ آتی ہو تو اگر خاوند ایسی نافرمان عورت سے خلع کر کے کچھ رقم وصول کر لے تو کیا خاوند کے لئے اس رقم کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ مدلل جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کسی کی بیوی نافرمان ہو اور نباہ کی کوئی صورت نہ ہو یا عورت اپنے شوہر سے علیحدگی چاہتی ہو اور نشوز عورت کی طرف سے ہو تو ایسی صورت میں شوہر خلع کر کے جو رقم وصول کرلے اس رقم کا استعمال اس کیلئے حلال ہے البتہ جتنا مہر دیا ہو اس سے زیادہ لینا خلافِ اولیٰ ہے۔

لمافی الدرالمختار(۴۴۱/۳) باب الخلع:قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط --- (وكره) تحريما (أخذ شيء) --- (إن نشز وإن نشزت لا) ولو منه نشوز أيضا ولو بأكثر مما أعطاها على الأوجه فتح وصحح الشمني كراهة الزيادة۔

وفي الرد تحته:قوله (إن نشز) في المصباح نشزت المرأة من زوجها نشوزا من باب قعد وضرب عصته ونشز الرجل من امرأته نشوزا بالوجهين تركها وجفاها وأصله الارتفاع اهـ ملخصا قوله (ولو منه نشوز أيضا) لأن قوله تعالى { فلا جناح عليهما فيما افتدت به } يدل على الإباحة إذا كان النشوز من الجانبين بعبارة النص وإذا كان من جانبها فقط بدلالته بالأولى قوله (وبه يحصل التوفيق) أي بين ما رجحه في الفتح من نفي كراهة أخذ الأكثر وهو رواية الجامع الصغير وبين ما رجحه الشمني من إثباتها وهو رواية الأصل فيحمل الأول على نفي التحريمية والثاني على إثبات التنزيهية وهذا التوفيق مصرح به في الفتح فإنه ذكر أن المسألة مختلفة بين الصحابة ذكر النصوص من الجانبين ثم حقق ثم قال وعلى هذا يظهر كون رواية الجامع أوجه نعم يكون أخذ الزيادة خلاف الأولى والمنع محمول على الأولى اهـ

(۳۸۸) طلاق بالمال میں مال ادا نہ کر سکنے کی صورت میں طلاق کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ فیروز شرابی کبابی آدمی ہے اس کی بیوی روزانہ منع کرتی ہے اس سے باز آجاؤ۔ وہ باز آنے کیلئے تیار نہیں۔ اب اس کی بیوی تنگ آ کر طلاق کا مطالبہ کر رہی ہے لیکن وہ پیسے زیادہ مانگتا ہے، اس کی بیوی پریشان ہے۔ اس نے اپنی سہیلیوں سے یہ مسئلہ بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ تو ہاں کر دے بعد میں مسئلہ پوچھ لیں گے چنانچہ اس نے کہہ دیا ٹھیک ہے۔ اب شوہر فیروز کیلئے پیسے لینا شرعاً درست ہے یا نہیں اور اس کی بیوی اگر مکمل پیسے نہ دے تو آیا اس کو طلاق واقع

ہوگی یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر فیروز نامی شخص نے اپنی بیوی کو یہ کہا ہو کہ "تم اتنے پیسے دیدو تو تمہیں طلاق ہے" اور عورت نے مجلس کے اندر قبول کرلیا تو اس کو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی خواہ عورت نے مکمل پیسے دیئے ہوں یا نہ دیئے ہوں۔ باقی مذکورہ صورت میں مرد کے لئے عورت سے پیسے لینا جائز نہیں کیونکہ زیادتی مرد کی جانب سے ہے البتہ اگر مرد نے عورت سے پیسے لے لئے تو وہ مالک بن جائے گا لیکن گنہگار ہوگا۔

لمافی الخانیة (۲/۲۶۰) کمالو قال لامرأته أنت طالق علی أن تعطینی ألف درهم فقالت قبلت تطلق فی الحال وإن لم تعط ألفا۔

وفی الهندیة (۱/۴۸۸) کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع ومافی الخ الفصل الاول الخ: إن کان النشوز من قبل الزوج فلا یحل له أخذ شيء من العوض علی الخلع وهذا حکم الدیانة فإن أخذ جاز ذلك في الحکم ولزم حتی لا تملك استرداده کذا في البدائع۔

وفیه أیضاً(۱/۴۹۶): ولو قال لها أنت طالق علی ألف فقبلت طلقت وعلیها الألف۔

(۳۸۹) خلع میں ادا کردہ مہر واپس لینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بیوی میری نافرمانی کرتی ہے اور کہنا نہیں مانتی اور اپنی مرضی سے میری غیر موجودگی میں بغیر اجازت اپنے کزن کے ساتھ کبھی ماموں اور کبھی خالو کے گھر چلی جاتی ہے۔ میرے منع کرنے کے باوجود میری بات نہیں مانتی۔ اس لئے میں خود بیوی کو لے جا کر اس کے میکے چھوڑ آیا ہوں اور کہا ہے کہ جب تک میری فرمانبرداری اختیار نہیں کروگی تو میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ اس بات پر میری بیوی خلع مانگ رہی ہے۔

(۱) اگر میں خلع دیدوں تو میں جو مہر ادا کر چکا ہوں واپس لینے کا حق رکھتا ہوں یا نہیں؟

(۲) شادی میں مجھے اس کے گھر والوں نے جو جو سامان دیا تھا جس کو جہیز کہتے ہیں واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟

برائے مہربانی میرے دونوں سوالوں کا جواب دے دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کی اہلیہ کا اپنے نامحرم کزن کے ساتھ خالو ماموں وغیرہ کے گھر آنا جانا رکھنا جبکہ آپ نے منع بھی کیا ہے شرعاً جائز نہیں ہے، ایسی عورت شریعت مقدسہ میں نافرمان شمار ہوتی ہے، اس حالت میں اگر وہ خلع کا مطالبہ کررہی ہے اور آپ اپنے حالات کے مناسب سمجھیں تو اسے خلع دے دیں اور مقرر کیا ہوا یا ادا کیا ہوا مہر واپس لینے کا آپ کو شرعی طور پر حق ہے آپ مہر کی رقم کے عوض خلع کر کے وہ رقم واپس لے سکتے ہیں نیز ماں باپ کی طرف سے ملا ہوا جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے وہ آپ کی ملکیت نہیں لہذا جہیز آپ کو واپس کرنا پڑے گا۔

لمافی صحیح البخاری (۲/۷۹۵): عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: جاءت امرأة ثابت بن قيس بن شماس إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله، ما أنقم على ثابت في دين ولا خلق، إلا أني أخاف الكفر، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فتردين عليه حديقته؟ فقالت: نعم، فردت عليه، وأمره ففارقها۔

وفی الهندیة (۱/۳۲۷): الفصل السادس عشر في جهاز البنت لو جهز ابنته وسلمه إليها ليس له في الاستحسان استرداد منها وعليه الفتوى۔

وفی الدرالمختار (۳/۱۵۵): (جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذلك في صحته) بل تختص به (وبه يفتى)۔

(۳۹۰) خلع کی صورت میں عورت کیلئے جہیز واپس لینے کا حکم

سوال...... مفتی صاحب! درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) ایک عورت اپنے شوہر سے خلع لینے کی صورت میں مہر کے علاوہ کیا اپنا جہیز لے سکتی ہے جو اپنے گھر سے نکاح کے وقت لائی تھی۔ اس مسئلہ کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) ایک عورت اپنے شوہر سے طلاق طلب کرنے کی صورت میں اپنا مہر اور جہیز طلب کرسکتی ہے یا نہیں؟ شریعت کا اس مسئلہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... خلع یا طلاق اگر کسی بھی عوض کے بدلے ہو تو عورت اپنے شوہر سے وہ عوض طلب نہیں کرسکتی۔ اسی طرح خلع یا طلاق جہیز کے بدلے میں ہوا ہے تو عورت اپنا جہیز نہیں لے سکتی ورنہ صرف طلاق کی صورت میں مہر اور جہیز دونوں اور خلع (بعوض مہر) کی صورت میں صرف جہیز لے سکتی ہے۔

لمافی الهندیة (۱/۴۸۸): ويسقط الخلع والمبارأة كل حق لكل واحد على الآخر مما يتعلق بالنكاح كذا في كنز الدقائق والطلاق على مال فيه روايتان والصحيح أنه لا يوجب البراءة كذا في الخلاصة إذا كان الخلع بلفظ الخلع هل تقع البراءة عن دين آخر غير المهر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى لا تقع البراءة في ظاهر الرواية وهو الصحيح كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفی الشامیة (۳/۴۵۲): مطلب حاصل مسائل الخلع والمباراة على أربعة وعشرين وجها ثم اعلم أن حاصل وجوه المسألة أن البدل إما أن يكون مسكوتا عنه أو منفيا أو مثبتا على الزوج أو عليها بمهرها كله أو بعضه أو مال آخر وكل من الستة على وجهين إما أن يكون المهر

مقبوضا أو لا وكل من الاثني عشر۔ الخ۔

(۳۹۱) خلع دینے کا اختیار صرف مرد کو ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا اور میری بیوی کا جھگڑا ہوا تھا۔ میری بیوی نے کورٹ سے خلع لے لیا نہ ہی کورٹ نے مجھے کوئی لیٹر بھیجا اور نہ کوئی اطلاع دی جب کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی، پھر میری بیوی نے کورٹ سے خلع کی صورت میں طلاق لے کر اسی دن ایک دوسرے آدمی سے نکاح کر لیا۔ اب پوچھنا آپ سے یہ ہے کیا یہ طلاق اور نکاح درست ہے؟ مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......جب ایک مرتبہ نکاح منعقد ہو جائے تو اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک شوہر طلاق نہ دے یا بیوی باہمی رضامندی سے خلع نہ لے لے۔ طلاق یا خلع دینے کا حق صرف شوہر کو ہے کورٹ کے طلاق یا خلع دینے سے طلاق یا خلع واقع نہیں ہوتا لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً آپ کی بیوی نے کورٹ سے خلع لیا ہے اور آپ بیوی کے حقوق بھی پورے ادا کر رہے ہیں تو کورٹ کی یکطرفہ خلع کی ڈگری کا اعتبار نہیں ہوگا اور بیوی آپ کے نکاح ہی میں رہے گی، لہٰذا اس عورت کا دوسرا نکاح درست نہیں ہوا، دوسری جگہ نکاح کرنے کیلئے پہلے شوہر کی رضامندی سے طلاق یا خلع لینا اور پھر عدت گزارنا ضروری ہے اس کے بغیر دوسری جگہ کیا گیا نکاح صحیح نہ ہوگا۔

لمافی الهندية (۳۴۸/۱): أما تفسيره شرعا فهو رفع قيد النكاح حالا أو مآلا بلفظ مخصوص كذا في البحر الرائق وأما ركنه فقوله أنت طالق ونحوه كذا في الكافي۔

وفى الدر المختار (۲۲۶/۳): كتاب الطلاق (وهو) لغة رفع القيد ۔۔۔ وشرعا (رفع قيد النكاح في الحال) بالبائن (أو المآل) بالرجعي (بلفظ مخصوص) هو ما اشتمل على الطلاق۔

وفى الرد تحته: قوله (هو ما اشتمل على الطلاق) أي على مادة ط ل ق صريحا مثل أنت طالق أو كناية ۔۔۔ وغيرهما كقول القاضي فرقت بينهما عند إباء الزوج الإسلام والعنة واللعان وسائر الكنايات المفيدة للرجعة والبينونة ولفظ الخلع فتح۔

وفى الفقه الاسلامى وأدلته (۶۸۷۷/۹): جعل الطلاق بيد الزوج لا بيد الزوجة ۔

(۳۹۲) عورت کا خلع نامہ دینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص سے میری بحث ہوئی اس کا کہنا تھا کہ میں نے سنا ہے کہ خلع کا مسئلہ کچھ یوں ہے کہ عورت خلع نامہ مرد کو دے دے یا خلع کا کہہ دے (یعنی حالات خراب ہوں لڑائی جھگڑا ہو اور عورت

اپنے میکے جاتے ہوئے خلع نامہ مرد کو حوالے کردے) تین ماہ بعد خود ہی عورت پر ایک طلاق، دوسرے تین ماہ بعد دوسری طلاق، تیسرے تین ماہ بعد تیسری طلاق واقع ہوجائے گی۔ مفتی صاحب میں نے اسے کہا خلع کا یہ مطلب نہیں ہوتا، مرد کی رضامندی کے بغیر یہ وقتاً فوقتاً خود ہی طلاق کو وقوع آپ نے غلط سنا ہے وہ نہ مانا۔ آپ مسئلہ حل فرمائیں کہ صحیح صورتحال اور خلع کا مطلب کیا ہوتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اولاً یہ بات یاد رہے کہ طلاق کا حق شریعت نے مرد کو دیا ہے لہٰذا عورت طلاق واقع نہیں کرسکتی نیز خلع کی مذکورہ تشریح (کہ عورت خلع کا کہہ کر یا خلع نامہ دے کر میکے چلی جائے اور پھر تین ماہ بعد ایک اور دوسرے تین ماہ بعد دوسری اور تیسرے تین ماہ گزرنے پر تیسری طلاق کا واقع ہونا) قطعاً غلط ہے۔

شرع متین میں خلع کا مطلب یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کی طبیعتیں مختلف ہوں یا کسی اور وجہ سے نباہ ممکن نہ رہا ہو اور شوہر طلاق دینے پر بھی راضی نہ ہو تو شریعت مرد اور عورت کو خلع کی اجازت دیتی ہے یعنی لفظِ خلع یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ استعمال کر کے زوجین اپنے حقوق سے دستبردار ہوجائیں مثلاً شوہر ملک نکاح اور بیوی اپنے مہر کو ساقط کردے، یہ خلع شرعاً طلاقِ بائن کے حکم میں ہوتا ہے، اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو خلع کے عوض مرد کا مال لینا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر زیادتی عورت کی جانب سے ہو تو مرد کیلئے مال لینا درست ہے۔

لمافی الشامية (۳/۴۳۹): باب الخلع (هو) --- (إزالة ملك النكاح) --- (المتوقفة على قبولها) --- (بلفظ الخلع) --- (أو في معناه) --- (ولا بأس به عند الحاجة) للشقاق بعدم الوفاق (بما يصلح للمهر) --- (و) حكمه أن (الواقع به) ولو بلا مال (وبالطلاق) الصريح (على مال طلاق بائن) --- (وكره) تحريما (أخذ شيء) --- (إن نشز وإن نشزت لا)۔

(۳۹۳) عدالت کا یکطرفہ خلع کا فیصلہ خلاف شریعت ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی کی زوجہ نے بذریعہ کورٹ خلع طلب کیا۔ عدالت عالیہ نے شوہر کو تین مرتبہ نوٹس بھجوایا اور شوہر جان بوجھ کر عدالت میں حاضر نہیں ہوا اور تین مرتبہ نوٹس بھیجنے کے بعد عدالتِ عالیہ نے عورت کا نکاح فسخ کردیا اور عورت نے دوسری شادی کرلی جبکہ شوہر نے خلع طلب ہونے پر طلاق بھی نہیں دی تو کیا اس صورت میں جب شوہر عدالت میں حاضر نہ ہو اور طلاق نہ دے اور طلاق دینے کی نیت بھی نہ ہو تو کیا عدالت کا یہ فیصلہ یکطرفہ شرعاً جائز ہے؟ اور اس عورت کو مذکورہ خلع کے ذریعے طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوئی تو کتنی واقع ہوں گی؟ اور اگر شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی اور اس نے دوسرا نکاح کرلیا تو اس کے اس نکاح کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تمام فقہاء ومجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ "خلع" شوہر اور بیوی کا ایک باہمی معاملہ ہے جو فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے لہٰذا کوئی فریق دوسرے فریق کو اس پر مجبور نہیں کرسکتا نہ شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیوی کو خلع پر مجبور کرے

اور نہ ہی بیوی کو یہ حق ہے کہ وہ شوہر سے بزورِ قانون خلع حاصل کرے۔ غیر منقسم ہندوستان اور تقسیم کے بعد پاکستان کی عدالتیں بھی مسلمانوں کے مقدمات میں اسی اصول کے مطابق فیصلے کرتی تھیں لیکن قیامِ پاکستان کے چند سالوں بعد یہ قانون بنادیا گیا کہ اگر عدالت شوہر کی رضامندی کے بغیر بھی عورت کے مطالبہ پر خلع کا فیصلہ کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔ اب عدالتیں یہی فیصلہ دیتی ہیں حالانکہ یہ فیصلہ شریعت سے متصادم اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے، ائمہ اربعہ رحمہ اللہ علیہم میں سے کوئی اس کے جواز کا قائل نہیں۔

پس صورت مسئولہ میں بیوی کے کہنے پر عدالت کا خلع کا فیصلہ کردینا جائز نہیں اور اس طرح یکطرفہ فیصلہ دینے سے طلاق نہیں ہوتی اس لئے اس فیصلے کے بعد عورت کیلئے کہیں اور شادی کرنا جائز نہیں۔

لمافی الهندية (۳/۳۱۲): إذا اتفق أصحابنا في شيء أبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى لا ينبغي للقاضي أن يخالفهم برأيه ــ ــ وفي شرح الطحاوي ثم إذا قضى بالاجتهاد فإن خالف النص لا يجوز قضاؤه۔

وفی الشامية (۱/۴۹): فإنه لا يجوز إحداث قول خارج عن المذاهب الأربعة .

وفيه أيضاً (۳/۴۴۱): قوله (وشرطه كالطلاق) وهو أهلية الزوج وكون المرأة محلا للطلاق منجزا أو معلقا على الملك وأما ركنه فهو كما في البدائع إذا كان بعوض الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

(۳۹۴) یکطرفہ خلع کے بعد دوسرے شوہر سے اولاد کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت اپنے شوہر سے خوش نہ تھی مطالبہ طلاق پر شوہر نے انکار کیا عورت نے بذریعہ عدالت طلاق لے لی۔ دوسری جگہ نکاح کرنے کے بعد دو تین اولاد بھی ہوئیں۔ پہلا شوہر کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے۔ اب اس اولاد کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں عورت اگر اپنے شوہر سے خوش نہ ہو تو طلاق یا خلع کا مطالبہ کرسکتی ہے لیکن شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت کا طلاق دینا معتبر نہیں ہے لہٰذا شوہر کی طلاق پر رضامندی کے بغیر عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا صحیح نہیں ہے اگر دوسرے شوہر کو یہ علم تھا کہ اس عورت کا خلع غیر شرعی ہے لیکن پھر اس نے نکاح کیا ہو تو یہ نکاح باطل ہے اس سے پیدا شدہ اولاد ولد الزنا شمار ہوگی لیکن اگر دوسرے شوہر کو خلع کے غیر شرعی ہونے کا علم نہ ہو اور انجانے میں یہ نکاح کرلیتا ہے تو یہ نکاح فاسد ہوگا اس سے پیدا شدہ اولاد ثابت النسب تو ہوگی لیکن ان دونوں پر فی الفور متارکت کے ذریعے علیحدگی اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

لمافی الهندية (۱/۴۸۸): إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعلا ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال كذا في الهداية۔

وفي الشامية (١٣٢/٣): أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا ۔۔۔ وعلى هذا فيقيد قول البحر هنا ونكاح المعتدة بما إذا لم يعلم بأنها معتدة۔

(۳۹۵) زنا کے الزام کے بعد عورت کا یکطرفہ ڈگری حاصل کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے بیوی پر زنا کا الزام لگا کر والدین کے گھر بھیج دیا، عورت نے فیملی کورٹ سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرلی، کیا اس کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ مدلل جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں مذکورہ شخص نے بیوی پر زنا کا الزام لگا کر والدین کے گھر بھیج دیا اور اس نے طلاق نہیں دی تھی تو فیملی کورٹ کا شوہر کی رضامندی کے بغیر اس کی بیوی کو تنسیخ نکاح کی ڈگری دینے سے بیوی اس کی زوجیت سے نہیں نکلی اس لئے پہلے نکاح کی موجودگی میں عورت کیلئے دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں البتہ اگر زوجین میں لعان کے شرائط پائے جاتے ہوں اور اس کی بیوی لعان کا مطالبہ بھی کرے تو اگر زوجین میں سے دونوں نے قاضی کی عدالت میں لعان کیا اور اس کے بعد قاضی نے ان کو تفریق کا حکم دے کر شوہر سے طلاق دلوائی تو پھر اس کی بیوی اس کی زوجیت سے نکلے گی اور عدت گزرنے کے بعد اس کو دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں۔

لما في الهندية (٦١٣/٣): ولو وكل الرجل امرأته أن تخلع نفسها منه فخلعت نفسها منه بمال أو عوض لا يجوز إلا أن يرضى الزوج به۔

وفيه أيضاً، (٥١٥/١): إذا قال لها يا زانية أو أنت زنيت أو رأيتك تزنين فإنه يجب اللعان۔

وفي الدر المختار، كتاب الطلاق باب الخلع (٤٤١/٣): (ولا بأس به عند الحاجة) للشقاق بعدم الوفاق (بما يصلح للمهر) بغير عكس كلي لصحة الخلع بدون العشرة۔

وفي الرد تحته: قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم

وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط

(۳۹۶) چودھری کا میاں بیوی میں خلع کروانا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی پر ظلم وتشدد کرتا ہے بیوی نے چودھری

کے پاس آکر فریاد کی کہ ہمارے درمیان انفصال اور قطع تعلق کرادیں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ اس قسم کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی ہوا ہے یا نہیں؟ اگر ہوا ہے تو ضرور راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں اگر واقعی شوہر اپنی بیوی پر ظلم وتشدد کرتا ہے اور صلح کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہو تو چودھری صاحب ان کے درمیان خلع کرواسکتے ہیں بشرطیکہ شوہر بھی راضی ہو اور اس طرح کا فیصلہ خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان کیا تھا۔

لمافي صحيح البخاري (۷۹۴/۲): عن ابن عباس رضي الله عنه أن امرأة ثابت بن قيس أتت النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله، ثابت بن قيس، ما أعتب عليه في خلق ولا دين، ولكني أكره الكفر في الإسلام، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتردين عليه حديقته؟ قالت: نعم، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقبل الحديقة وطلقها تطليقة.

وفي الشامية (۴۴۱/۳): قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ

(۳۹۷) کافر جج کے علیحدگی کے فیصلے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک خاتون عرصہ سات سال قبل بیرون ملک سے پاکستان آئیں اور یہاں انہوں نے ایک شخص سے نکاح کیا اور دو تین ماہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہے، وہ خاتون واپس امریکہ چلی گئیں یہ کہہ کر کہ وہ شوہر کو وہیں بلالیں گی، لیکن وہ خاتون باوجود کوشش کے اپنے شوہر کو وہاں نہیں بلاسکیں کیونکہ وہ وہاں ملازمت نہیں کرتیں حکومت کو ٹیکس نہیں دیتیں لہٰذا وہاں کی حکومت نے ہر دفعہ ان کی درخواست مسترد کردی۔ مذکورہ خاتون نے دوڈھائی سال قبل فون پر اپنے شوہر سے رابطہ کی کوشش کی تو شوہر نے ہمیشہ ناراضگی کا اظہار کیا کہ اب تک بلایا کیوں نہیں؟ خاتون نے کہا کہ میں نہیں بلاسکتی البتہ میں خود پاکستان آسکتی ہوں، لیکن شوہر اس پر بھی راضی نہیں ان کی ضد ہے کہ انہیں وہیں بلایا جائے۔

موجودہ صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے خاتون نے کہا کہ یا تو میں پاکستان آجاؤں اور آپ میری کفالت کریں یا آپ مجھے طلاق دے دیں تاکہ میں دوسری جگہ نکاح کرسکوں لیکن وہ صاحب دونوں باتوں کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مذکورہ خاتون نے عدالت سے طلاق کے لئے رجوع کیا تو وہاں کی عدالت نے خاتون کے حق میں فیصلہ دے دیا کہ وہ آزاد ہیں اور دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہیں، تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بتائیں کہ مذکورہ خاتون دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ اس تمام عرصہ میں شوہر نے نان نفقہ نہیں دیا۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں عورت نے علیحدگی کیلئے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ غلط ہے، اس طرح خلع یا

طلاق لینے سے خلع یا طلاق کا وقوع نہیں ہوتا بلکہ ان میں شوہر کی رضامندی ضروری ہوتی ہے نیز کافر جج کا فیصلہ نافذ نہیں ہوتا۔ یہ عورت اگر علیحدگی چاہتی ہے تو اس کی پہلی صورت تو یہی ہے کہ شوہر کو طلاق یا مال کے عوض خلع دینے پر راضی کرے۔

اگر یہ نہیں کرسکتی تو دوسری صورت یہ ہے کہ وہ عورت پاکستان آئے اور یہاں عدالت میں کیس دائر کرے اور شوہر کا متعنت ہونا (یعنی نان نفقہ فراہم نہ کرنا) ثابت کرے اس کے بعد عدالت شوہر کو حقوق کی ادائیگی کا کہے گی اگر وہ تیار ہوجاتا ہے تو ٹھیک ورنہ عدالت آپ کے درمیان تفریق کرادے گی۔ یہ تفریق طلاقِ بائن شمار ہوگی عدت گزارنے کے بعد آپ کسی دوسرے شخص سے شادی کرسکتی ہیں۔

(۳۹۸) خلع نامے پر زبردستی دستخط کرانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری شادی کے کچھ عرصہ کے بعد گھریلو ناچاقی کی وجہ سے میرے سسرال والوں نے مجھ سے ایک فیصلہ کیا، جس میں میرے سسرال والوں نے ایک پیپر پر مجھ سے اور میری بیوی سے دستخط کروائے اور اس پیپر میں میری بیوی نے مجھ سے خلع لینا چاہا، یہ بات یاد رہے کہ یہ دستخط زبردستی لئے گئے اور اس فیصلہ سے میں راضی تھا اور نہ میری بیوی۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس صورت میں خلع یا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ نیز میں اپنی بیوی کے ساتھ رہ سکتا ہوں یا نہیں؟ جبکہ اس دوران میری بیوی حاملہ تھی۔ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں اور اس فیصلہ کی فوٹو کاپی ساتھ منسلک ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر خلع شوہر وبیوی دونوں کی باہمی رضامندی کی حالت میں ہو تو یہ خلع جائز ہے اور اگر رضامندی کے بغیر ہو تو جائز نہیں اور اگر شوہر وبیوی کی رضامندی نہیں اور زوجین کے علاوہ مثلاً ولی یا حکمین یا قاضی وغیرہ نے خلع کرادیا تو یہ خلع باطل ہے اور سابقہ نکاح برقرار ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر واقعی میاں بیوی کی رضامندی نہیں تھی اور زبردستی دستخط کرائے گئے تو یہ خلع باطل ہے اور پہلے والا نکاح برقرار ہے۔

لمافي بداية المجتهد (٦٨/٢): وأما ما يرجع إلى الحال التي يجوز فيها الخلع من التي لا يجوز فإن الجمهور على أن الخلع جائز مع التراضي إذا لم يكن سبب رضاهما بما تعطيه إضراره بها.

(۳۹۹) نوٹس کے بعد بھی شوہر کے عدالت نہ آنے پر یکطرفہ ڈگری کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک خاتون مسمی ممتاز بیگم نے جس کا شوہر اس کے ساتھ ظلم وزیادتی یعنی مارپٹائی کرتا تھا، اس مارپٹائی سے تنگ آکر عدالت میں دعویٰ تنسیخ نکاح دائر کردیا۔ عدالت نے تین مرتبہ شوہر کو عدالت میں حاضری کا نوٹس دیا مگر شوہر کے حاضر نہ ہونے کی بنا پر عدالت نے یکطرفہ فیصلہ تنسیخ نکاح عورت کے حق میں کردیا۔ آپ حضرات سے دریافت کرنا ہے کہ کیا اس عدالتی فیصلہ سے میاں بیوی میں تفریق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟ نیز عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی

ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... بوقتِ ضرورت اوّل تو عورت کو چاہیئے کہ شوہر کو خلع پر راضی کرے لیکن اگر شوہر کسی صورت بھی خلع پر راضی نہ ہو جبکہ عورت کو سخت مجبوری ہو، یعنی کوئی شخص اس کے مصارف کا کفیل نہ بنتا ہو، نہ یہ خود اپنی عزت وآبرو محفوظ کر کے کوئی صورت کسبِ معاش کی اختیار کرسکتی ہو یا اگر خرچہ کا تو انتظام ہوسکتا ہو مگر زنا میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو ان صورتوں میں عورت مسلمان حاکم کے پاس تعنت کا دعویٰ پیش کرے اور حاکم شہادت شرعی سے تحقیق وتفتیش کرے گا اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوا کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو خاوند سے کہا جائے گا کہ حقوق ادا کرو یا پھر طلاق دو ورنہ ہم تفریق کر دیں گے۔ اگر وہ ظالم شوہر کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی اس کی بیوی پر فی الفور طلاق واقع کر دے گا۔ (کذا فی حیلہ ناجزہ صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ دارالاشاعت)۔

صورت مسئولہ میں ''یکطرفہ فیصلہ تنسیخ'' یکطرفہ خلع ہے جو شرعاً معتبر نہیں لہذا اس سے تفریق واقع نہیں ہوئی اگر آپ مجبور ہیں اور تفریق چاہتی ہیں تو شوہر سے طلاق لیں یا اسے خلع پر راضی کریں ورنہ عدالت میں تعنت کا مقدمہ دائر کریں اور تفریق کرائیں مذکورہ یکطرفہ تنسیخ نامہ درست نہیں۔

لمافی الشامیة (۵۹۰/۳): ثم اعلم أن مشايخنا استحسنوا أن ينصب القاضي الحنفي نائبا ممن مذهبه التفريق بينهما إذا كان الزوج حاضرا وأبى عن الطلاق لأن دفع الحاجة الدائمة لا يتيسر بالاستدانة إذ الظاهر أنها لا تجد من يقرضها وغنى الزوج مآلا أمر متوهم فالتفريق ضروري إذا طلبته وإن كان غائبا لا يفرق لأن عجزه غير معلوم حال غيبته وإن قضى بالتفريق لا ينفذ قضاؤه لأنه ليس في مجتهد فيه لأن العجز لم يثبت اه ونقل في البحر اختلاف المشايخ وأن الصحيح كما في الذخيرة عدم النفاذ لظهور مجازفة الشهود كما في العمادية و الفتح وذكر في قضاء الأشباه في المسائل التي لا ينفذ فيها قضاء القاضي أن منها التفريق للعجز عن الإنفاق غائبا على الصحيح لا حاضرا اه والحاصل أن التفريق بالعجز عن النفقة جائز عند الشافعي حال حضرة الزوج وكذا حال غيبته مطلقا۔

(۴۰۰) شوہر کے عدالت نہ آنے پر جاری کردہ خلع کی ڈگری کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سائرہ بیوی کا نکاح ۲۰۰۴ء میں سہیل نامی شخص سے ہوا پھر جھگڑے کے باعث بیوی نے شوہر سے خلع کا مطالبہ کیا لیکن شوہر نے انکار کیا بیوی نے عدالت میں کیس دائر کیا عدالت نے شوہر کو خلع کیلئے طلب کیا لیکن شوہر نے حاضر ہونے سے انکار کیا۔ عدالت نے تین چار مرتبہ نوٹس دیا لیکن شوہر حاضر نہیں ہوا پھر عدالت نے کہا اگر اب آپ فلاں تاریخ تک حاضر نہیں ہوئے تو یک طرفہ فیصلہ سنایا جائے گا، جب وہ فلاں تاریخ تک حاضر نہیں ہوا تو عدالت نے خلع

کرا دیا۔ اس کے بعد بیوی نے عدالت کا فیصلہ شوہر کو دکھا دیا کہ میری اور آپ کی جدائی ہوگئی، اب اس بیوی نے ڈیڑھ مہینہ کے بعد کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر لیا (یعنی عدت ابھی تک مکمل نہیں ہوئی تھی)۔

نوٹ:۔ اس پورے کیس میں تقریباً چار ماہ کا عرصہ لگا۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ عدالت نے جو فیصلہ سنایا تھا وہ درست تھا یا نہیں؟ اگر بالفرض وہ صحیح تھا تو اس عورت کا دوسرے شوہر کے ساتھ عدت کے اندر نکاح کرنا درست تھا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... خلع میاں بیوی کی رضامندی سے واقع ہوتا ہے رضامندی کے بغیر یک طرفہ طور پر خلع واقع نہیں ہوسکتا لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت نے عدالت میں خلع کا جو کیس دائر کیا تھا اور عدالت نے شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع جاری کیا تھا وہ خلع واقع نہیں ہوا بلکہ مذکورہ عورت کا نکاح سابقہ شوہر سے بدستور برقرار ہے نیز چونکہ مذکورہ عورت کا سابقہ نکاح بدستور برقرار ہے اس لئے کسی اور کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی جب تک پہلا شوہر طلاق نہ دے یا رضامندی سے خلع واقع نہ ہوجائے۔

دوسرے مرد نے اگر یہ جانتے ہوئے کہ یہ عورت عدت میں ہے اور عدت میں نکاح منع ہے، نکاح کیا ہو تو یہ دوسرا نکاح باطل ورنہ فاسد ہے۔ باطل ہونے کی صورت میں کسی عدت یا تفریق کی ضرورت نہیں اور فاسد ہونے کی صورت میں متارکت [میں نے تجھے چھوڑ دیا وغیرہ الفاظ سے] یا فسخ [از طرفین یا قاضی] ضروری ہے اور ہمبستری ہوجانے کی صورت میں عدت بھی لازم ہوگی۔[1]

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ:۲۲۹): اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

وفی الشامیة (۴۴۱/۳) باب الخلع: وأما رکنه فهو کما في البدائع إذا کان بعوض الإیجاب والقبول لأنه عقد علی الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا یستحق العوض بدون القبول۔

وفیه أیضاً(۴۴۹/۳): قال الزیلعي ولا بد من قبولها لأنه عقد معاوضة أو تعلیق بشرط فلا تنعقد المعاوضة بدون القبول ولا ینزل المعلق بدون الشرط إذ لا ولایة لأحدهما في إلزام صاحبه بدون رضاه والطلاق بائن لأنها ما التزمت المال إلا لتسلم لها نفسها وذلك بالبینونة اھ

---

[1] نکاح فاسد اور باطل کی مختلف تعریفیں اور نکاح فاسد اور باطل کی مدلل تشریح سے متعلق تحقیقی فتوی نجم الفتاوی کی چوتھی جلد میں بنام "الحد الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل" ملاحظہ ہو اور نکاح فاسد کے تفصیلی احکام جاننے کیلئے نجم الفتاوی کی چوتھی جلد میں فتوی "تحریر الکاتب فی بیان أحکام النکاح الفاسد" ملاحظہ ہو۔ از مرتب

(۴۰۱) بیوی کا خلع مانگ کر رجوع کر لینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی بیوی نے زید سے کہا کہ کل میں آپ کو پیسے دے کر طلاق لے لوں گی، پھر اس نے کل آنے سے پہلے رجوع کر لیا لیکن شوہر نے کل آنے پر خلع کے الفاظ استعمال کر لئے اور کہا کہ میں نے تجھے خلع دیا تو آیا اس کا خلع معتبر ہوگا یا بیوی کی رضامندی پر موقوف ہے؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھیں کہ خلع کا عقد عورت کے حق میں معاوضہ (یعنی مال کے دینے والا عقد) ہے اور یہ اصول ہے کہ معاوضہ والے عقد میں ایجاب کے بعد رجوع کیا جاسکتا ہے لیکن دوسری طرف یہ شوہر کے حق میں معاوضہ نہیں بلکہ اسے صرف الفاظِ خلع اداء کرنے ہوتے ہیں کوئی مال نہیں دینا ہوتا لہٰذا بیوی اگر خلع کا ایجاب کر کے رجوع کر لے تو رجوع ہو جائے گا لیکن پھر شوہر اگر خلع کے الفاظ استعمال کرے تو فقہاء فرماتے ہیں کہ شوہر کے الفاظ کو دیکھا جائے گا اگر شوہر نے ایسے الفاظ استعمال کئے ہوں ''میں آپ کے ساتھ مال کے عوض خلع کرتا ہوں'' یا ''مجھ سے خلع کرلو'' وغیرہ تو پھر یہ خلع واقع نہ ہوگا اور کسی قسم کی طلاق نہ ہوگی لیکن اگر شوہر نے مطلقاً یہ الفاظ بولے ہوں ''میں نے تجھے خلع دیا'' تو اس صورت میں اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو ایک طلاقِ بائن (بغیر کسی مال کے) واقع ہو جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو کچھ واقع نہ ہوگا۔صورت مسئولہ میں چونکہ بیوی تو ایجاب سے رجوع کر چکی ہے وہ تو صحیح ہے اور پھر شوہر نے خلع کے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ ''میں نے تجھے خلع دیا'' لہٰذا یہ الفاظ اگر نیتِ طلاق سے کہے ہیں تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر ان الفاظ کی ادائیگی کے وقت طلاق کی نیت نہیں تھی تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لمافی الدرالمختار(۳/۴۴۰):(هو) --- (إزالة ملك النكاح) --- (المتوقفة على قبولها) خرج ما لو قال خلعتك ناويا الطلاق فإنه يقع بائنا غير مسقط للحقوق لعدم توقفه عليه بخلاف خالعتك بلفظ المفاعلة أو اختلعي بالأمر ولم يسم شيئا فقبلت فإنه خلع مسقط حتى لو كانت قبضت البدل ردته خانية۔

وفی الرد تحته:قوله (خرج ما لو قال خلعتك الخ) أي ولم يذكر المال لأنه متى كان على مال لزم قبولها كما ذكرناه آنفا وقيد بقوله ناويا بناء على ظاهر الرواية لأنه كناية فلا بد له من النية أو دلالة الحال --- قوله (غير مسقط للحقوق) أي المتعلقة بالزوجية وسيأتي بيانها قوله (بخلاف خالعتك الخ) كان الأولى أن يقول بخلاف ما إذا ذكر المال أو قال خالعتك الخ و أفاد أن التعريف خاص بالخلع المسقط للحقوق فقوله لها خالعتك بلا ذكر مال لا يسمى خلعا شرعا بل هو طلاق بائن غير متوقف على قبولها بخلاف ما إذا ذكر معه المال أو كان بلفظ المفاعلة أو الأمر فإنه لا بد من قبولها كما مر معاوضة من جانبها كما يأتي --- تنبيه في التاترخانية وغيرها مطلق

لفظ الخلع محمول علی الطلاق بعوض حتی لو قال لغیرہ اخلع امرأتي فخلعها بلا عوض لا یصح۔

(۴۰۲) خلع کے وکیل کا بلاعوض خلع کرلینے کا حکم

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی شخص نے ایک آدمی کو وکیل بنایا کہ تم میری بیوی کے ساتھ میری طرف سے خلع کرلو تو اس کے لئے مال کے بغیر خلع کرنا جائز ہے یا ناجائز، کیونکہ وکیل نے بغیر مال کے خلع کرلیا ہے تو آیا اس کا خلع واقع ہوگا یا نہیں؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں جواب عنایت کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب……شوہر کا وکیل یا کسی بھی شخص کو یہ کہنا کہ میری طرف سے میری بیوی سے خلع کرلو اس بات پر دال ہے کہ شوہر بغیر پیسوں کے بیوی کو چھوڑنے پر راضی نہیں لہٰذا وکیل کا بغیر مال کے خلع کرنا درست نہ ہوگا۔

لمافی الشامیة (۴۴۰/۳): تنبیه في التاترخانیة وغیرها مطلق لفظ الخلع محمول علی الطلاق بعوض حتی لو قال لغیرہ اخلع امرأتي فخلعها بلا عوض لا یصح۔

(۴۰۳) کن وجوہات سے عورت خلع لے سکتی ہے

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ عورت کیلئے اپنے شوہر سے خلع لینے کا شرعی طریقہ کیا ہے اور وہ کیا وجوہات ہیں جن کی بناء پر عورت خلع لے سکتی ہے؟ کیا آج کل سول عدالتیں عورت کو جو خلع کی ڈگری جاری کررہی ہیں اس کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ اگر کوئی عورت سول عدالت میں خلع کی ڈگری کیلئے رجوع کرے اور عدالت میں شوہر کسی بھی پیشی پر حاضر نہ ہو اور نہ ہی شوہر کو کوئی نوٹس ملا ہو (جبکہ شوہر کی سکونت کا علم عورت کو ہو) اور پھر عدالت وکیل کی جانب سے شوہر پر لگائے گئے الزامات کی بناء پر خلع کی ڈگری جاری کردے تو کیا وہ درست ہوگی؟ اگر عورت حاملہ ہو اور اس دوران مذکورہ حالات میں خلع کی ڈگری جاری ہو تو کیا یہ درست ہے؟ اگر مذکورہ خلع کی ڈگری جاری ہوجائے اور پھر شوہر اور بیوی ساتھ رہنا چاہیں (کیونکہ شوہر کو کسی معاملے کا علم ہی نہ تھا) تو کیا وہ رہ سکتے ہیں؟ کیا انہیں حلالہ کرنا ہوگا یا صرف تجدید نکاح کافی ہے؟ براہ کرم تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔ شکریہ

الجواب بعون الملک الوھاب……اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو کسی وجہ سے اتنا ناپسند کرتی ہو کہ اس کے ساتھ کسی قیمت پر نبھاؤ ممکن نہ رہا ہو تو اس کا بہترین حل تو یہ ہے کہ وہ شوہر کو سمجھا کر طلاق دینے پر آمادہ کرے اور ایسی صورت میں شوہر کو بھی یہی چاہیئے کہ جب وہ نکاح کے رشتے کو خوشگواری کے ساتھ نہیں نبھا پا رہا ہے تو وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر علیحدہ کردے، لیکن اگر شوہر طلاق دینے پر راضی نہ ہو تو عورت کو اختیار ہے کہ اپنا حق مہر واپس کرکے یا کچھ مال بطور فدیہ دے کر شوہر کو رضامند کرکے طلاق لے لے اور اسی کا نام "خلع" ہے لیکن یہ بات یاد رہے کہ خلع کیلئے میاں بیوی دونوں کی رضامندی ضروری ہے، اگر ایک بھی رضامند نہ ہو تو پھر خلع واقع نہیں ہوگا۔ اگر مرد کہے کہ تم اپنا حق مہر چھوڑ دو یا کچھ مال کے عوض خلع کرلو اور عورت اس پر آمادہ نہ ہو تو خلع واقع نہیں ہوگا، اسی طرح اگر عورت خاوند کو بتائے

بغیر یا اس کی رضامندی کے بغیر عدالت سے خلع کی ڈگری حاصل کرلے اور عدالت اس کے حق میں فیصلہ بھی کردے تب بھی خلع واقع نہ ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آجکل کی سول عدالتیں جو خلع کی ڈگری عورت کیلئے جاری کرتی ہیں وہ عدالت کا یکطرفہ فیصلہ ہوتا ہے اس میں خاوند کی رضامندی اور اس کے علم میں لائے بغیر عدالت فیصلہ کرتی ہے تو اس سے خلع واقع نہ ہوگا جب اس صورت میں خلع واقع نہ ہوگا تو وہ عورت بدستور شوہر کے نکاح میں رہے گی اور اس کا دوسری جگہ نکاح کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔

لمافی صحیح البخاری(۲/۷۹۴):عن ابن عباس رضی الله عنهما أن امرأة ثابت بن قيس أتت النبی ﷺ فقالت يا رسول الله ثابت بن قيس ما أعتب عليه۔الخ۔

وفی الشامية (۳/۴۴۱): قوله (وشرطه كالطلاق) وهو أهلية الزوج وكون المرأة محلا للطلاق منجزا أو معلقا على الملك وأما ركنه فهو كما في البدائع إذا كان بعوض الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

وفی الفقه الاسلامی وادلته (۹/۷۰۱۲):هل يحتاج الخلع إلى قاضٍ؟ لا يفتقر الخلع إلى حاكم. كما أبان الحنابلة ، وهو رأي باقي الفقهاء، لقول عمر وعثمان رضي الله عنهما. ولأنه معاوضة. فلم يفتقر إلى القاضي كالبيع والنكاح، ولأنه قطع عقد بالتراضي، فأشبه الإقالة۔

وفيه أيضا(ص۷۰۱۵):وهذا وقد اعتبر الحنفية ركن الخلع هو الإيجاب والقبول؛ لأنه عقد على الطلاق بعوض، فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

(۴۰۴) بلا ضرورت خلع مانگنے والی عورت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا سالہ ہے اس کی بیوی اس سے خلع لینا چاہتی ہے۔خلع میں صرف دستخط کافی ہے یا منہ سے طلاق دینا بھی ضروری ہے؟ برائے مہربانی شریعت کی روشنی میں اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......شریعت مطہرہ میں شرعی ضرورت کے وقت "خلع" جائز ومشروع ہے۔البتہ بغیر شرعی عذر کے "خلع" لینے والی عورت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے "أيما امرأة سألت زوجها طلاقاً في غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة" (سنن ابی داوٗد،۱/ ۳۰۳) کہ جس عورت نے بھی بغیر عذر شرعی کے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ایک اور حدیث مبارکہ میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے "المختلعات هنّ المنافقات" (الجامع للامام الترمذی ۱/ ۲۲۵) کہ بغیر عذرِ شرعی کے خلع لینے والی عورتیں منافق ہیں۔نیز "خلع" بذاتِ خود ایک قسم کی طلاق ہے، اس میں میاں بیوی کی رضامندی ضروری ہے، "خلع نامہ" پر رضامندی کے ساتھ فقط دستخط کردینا کافی ہے، مُنہ سے طلاق دینا

ضروری نہیں۔

لمافی الدر المختار (۳/۴۴۱) باب الخلع: وأما ركنه كما فی البدائع إذا كان بعوض الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔

وفی الشامیة (۳/۲۴۶) ولو قال للكاتب: اكتب طلاق امرأتی كان اقراراً بالطلاق وإن لم يكتب. ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه۔

(۴۰۵) حقوقِ زوجیت ادا نہ کرنے والی بیوی کو خلع دینا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے، میری بیوی سے تقریباً چار سال سے تعلقات نہیں ہیں۔ ایک چھت اور ایک گھر میں رہتے ہوئے، میں نے بارہا کوشش بھی کی لیکن جواب نہ میں ملا۔ میرے لئے اس سلسلے میں قرآن وسنت محمدی اور شریعت کا کیا حکم ہے؟ آیا نکاح باطل ہوگیا ہے؟ مجھے علیحدگی اختیار کرلینی چاہیئے۔ جو بھی حکم ہو برائے مہربانی میری راہنمائی فرمائیں۔ میں تمام عمر آپ کی درازعمری اور بلند اقبالی کیلئے دعا گو ہوں گا۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... عورت کا اپنے شوہر سے قطع تعلق کرنا اور حق زوجیت کی ادائیگی پر قدرت نہ دینا اور بات چیت نہ کرنا بہت سخت گناہ ہے جیسا کہ درج ذیل روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

بخاری شریف میں حدیث شریف مذکور ہے کہ جو عورت شوہر کے بلانے کے باوجود شوہر سے علیحدہ رات گزارے تو جب تک شوہر کے پاس نہیں آئے گی فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جہنم دکھائی گئی تو اس میں اکثر عورتیں تھیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے استفسار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیونکہ اکثر عورتیں شوہروں کی نافرمان ہوتی ہیں اور سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث مذکور ہے کہ عورت اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرسکتی جب تک شوہر کا حق ادا نہ کرے، دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر غیر اللہ کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کو چاہیئے کہ آپ دونوں خاندانوں کے بڑوں کو بٹھا کر صلح کی کوشش کریں اگر صلح کی کوئی صورت نہ بنے اور بیوی آپ کے حق کو ادا کرنے کیلئے بالکل تیار نہ ہو تو آپ کو چاہیئے کہ آپ خوشی سے طلاق یا خلع کے ذریعے جدائی اختیار کرلیں۔

لمافی البخاری (۲/۷۸۲): عن ابن عباس، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: أريت النار فإذا أكثر أهلها النساء، يكفرن قيل: أيكفرن بالله؟ قال: " يكفرن العشير، ويكفرن الإحسان، لو أحسنت إلى إحداهن الدهر، ثم رأت منك شيئا، قالت: ما رأيت منك خيرا قط"

وفيه أيضاً :عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، لعنتها الملائكة حتى ترجع۔

وفی الهندية(١/٢٧٠): وأما أحكامه فحل استمتاع كل منهما بالآخر على الوجه المأذون فيه شرعا كذا في فتح القدير ۔۔۔ ووجوب المهر والنفقة والكسوة عليه ۔۔۔ ووجوب إطاعته عليها إذا دعاها إلى الفراش وولاية تأديبها إذا لم تطعه بأن نشزت واستحباب معاشرتها بالمعروف هكذا في البحر الرائق۔

وفی الشامية (٣/٥٧٦): قوله (لو مانعته من الوطء الخ) قيده في السراج بمنزل الزوج وبقدرته على وطئها كرها وقال بعضهم لا نفقة لها لأنها ناشزة اه

(۴۰۶) شوہر کی بری عادات کی وجہ سے خلع لینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری (مسماۃ رخسانہ بنت عبدالغفار کی) شادی تقریباً چھ سال قبل "جعفر ولد محمد حنیف" سے ہوئی اور میرا مذکورہ شوہر سے ایک ساڑھے چار سالہ بیٹا بھی ہے جبکہ شروع کے پانچ سال کے دوران میں شوہر کے ساتھ متفرق طور پر پندرہ سولہ ماہ تقریباً رہی ہوں گی اکثر عرصہ کبھی کم کبھی زیادہ اپنے میکے میں گزرا۔ چونکہ میرے شوہر اپنے والد کی کفالت میں رہائش پذیر تھے اس لئے میں بھی سسر کی کفالت میں تھی، صرف کھانے پینے کی حد تک۔ باقی مجھے جیب خرچ کے طور پر نہ تو شوہر نے کچھ دیا ہے نہ ہی سسر نے جبکہ اس دوران شوہر اور اس کے گھر والوں کی طرف سے مجھے شدید ذہنی اذیتوں سے دوچار کیا گیا اور میری تذلیل کی گئی ہے اور مجھ پر شک کیا گیا کہ میں کھانے پینے اور شوہر کے کمرے میں کچھ سفلی عملیات کرتی ہوں، جبکہ میں ایک مذہبی خاندان کی صوم وصلاۃ، تلاوت وغیرہ سے تعلق رکھنے والی لڑکی ہوں۔ مذکورہ خوف سے وہ مجھے شوہر والے کمرے سے بے دخل کر کے دوسرے مشترکہ کمرے میں دن کے اوقات گزارنے پر مجبور کرتے تھے جس میں ٹی وی چلتا رہتا اور مجھے اس طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے۔ بالآخر میں والدین کے گھر چلی آئی۔ پھر الگ کرایہ کا مکان لینے پر شوہر کے پاس دوبارہ آ گئی جو تقریباً ایک سال کا عرصہ تھا۔ جس میں شوہر کی جن عادات سے میں شدید اذیت میں مبتلا ہوئی، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) شوہر کی شراب پینے کی عادت، کافی اصلاح کی کوشش کے باوجود بھی شوہر یہ عادت ترک کرنے پر راضی نہیں ہوئے بلکہ ان کا کہنا ہے کہ میں اپنی والدہ (مرحومہ) کی حیات سے اس کا عادی ہوں، ترک نہیں کر سکتا۔

(۲) اجنبی لڑکیوں سے میل ملاپ، اختلاط و مراسم ہیں۔

(۳) جیب خرچ دینے کی شوہر نے کبھی مشقت گوارا نہیں کی۔

(۴) مجھے جہیز میں ملنے والا سامان اور سونے کے زیورات تک میری اجازت کے بغیر بیچ دیئے اور اس کی کوئی رقم مجھے

نہیں دی۔

(۵) ایک سال جو کرائے کے مکان میں شوہر کے ساتھ گزارا اس کے اخراجات میرے شوہر نے لوگوں سے قرضے لے کر پورے کئے اور کئی ہزاروں کے قرضے میرے قریبی رشتہ داروں سے لئے، جس کی ادائیگی مجبوراً مجھے کرنا پڑ رہی ہے۔

(۶) آخری ایک سال جو شوہر کے ساتھ گزارا اس میں صرف کھانے پینے کی حد تک شوہر سے تعلق رہا، اس کے علاوہ شوہر نے کسی قسم کا جنسی تعلق وغیرہ قائم نہیں کیا۔

درج بالا تفصیل کے بعد دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس مذکورہ صورت میں شریعت کی رُو سے میرا شوہر سے خلع/طلاق کا مطالبہ درست ہے؟ اور ایسا کرنے پر کیا میں گنہگار ہوں گی؟ کیونکہ مذکورہ شوہر کے ساتھ ازدواجی رشتہ استوار رکھنے سے میں اپنا دینی، دنیاوی، معاشی، جسمانی اور جنسی نقصان یقینی سمجھتی ہوں، جبکہ میرا جذبہ یہ ہے کہ میں مناسب محنت کر کے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کروں اور دینی، ذہنی، جسمانی اور معاشی سکون حاصل کروں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......عقدِ نکاح ایک بہت بڑی نعمت ہے اور شریعت مطہرہ نے اس میں مداومت اور ہمیشگی کو پسند کیا ہے اور حتی الامکان اس رشتہ میں جدائی اور توڑ ڈالنے سے منع کیا ہے تاکہ زوجین بے راہ روی، عصمت دری اور معاشرتی فتن و فساد سے ماوراء رہ کر عفت و سکون، الفت و مودّت سے اپنی زندگی گزار سکیں اسی وجہ سے شریعت نے زوجین پر ایک دوسرے کے حقوق کو بھی لازم قرار دیا ہے اور اس میں کوتاہی کرنے والے کے لئے سخت مؤاخذہ کا اعلان ہے۔

کمافی الحدیث من قول النبی علیہ السلام والرجل راع فی اھلہ ومسئول عن رعیتہ والمراۃ راعیۃ فی بیت زوجھا ومسئولۃ عن رعیتھا (الترغیب والترھیب، ۳/۳۱)

”نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی اپنے اہل و عیال کی نگہداشت کا ذمہ دار ہے اور اس سے اپنی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی اسی طرح عورت بھی شوہر کے گھربار کی محافظہ ہے اور اس سے بھی اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

لہٰذا اب آپ کو چاہیئے کہ آپ انہیں پیار و محبت اور شائستگی سے سمجھائیں کہ وہ اپنی بری خصلتوں اور عادات سے باز آجائیں اور پھر آپ آپس میں محبت و اتفاق سے رہنے کا عزم کر لیں یہی قرآن و سنت کی تعلیمات کے زیادہ موافق اور بہتر ہے۔

کمافی قولہ تعالیٰ: وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء:۱۲۸)

”آپس میں مصالحت اور اتفاق کر لینا ہی بہتر ہے۔“

لیکن اگر پھر بھی کچھ اختلافات باقی رہیں تو فریقین کے بڑے (اہل حل وعقد) آپس میں بیٹھ کر آپ دونوں میں صلح و صفائی کروادیں انشاء اللہ یہی آپ اور آپ کی اولاد کے لئے بہتری کا ذریعہ بنے گا البتہ اگر پھر بھی ان بن اور چپقلش اس حد تک بڑھ جائے کہ معاملہ لڑائی جھگڑے اور فتنہ فساد تک پہنچ جائے اور اتفاق و ملاپ کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور ڈر ہو کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود کو پامال کریں گے تو آپ کے شوہر کو چاہیئے کہ آپ کو ایک طلاق دے کر جدا کر دے یا پھر خلع کرنے پر راضی ہو جائے۔

لمافی الدر المختار(۴۳۹/۳): باب الخلع(هو) ۔۔۔ (إزالة ملك النكاح) ۔۔۔(المتوقفة على قبولها) ۔۔۔ (ولا بأس به عند الحاجة) للشقاق بعدم الوفاق (بما يصلح للمهر)۔

وفی الرد تحته: قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اھ ط ۔۔۔ قوله (بما يصلح للمهر) هذا التركيب يوهم اشتراط البدل في الخلع لأن الظاهر تعلقه بإزالة مع أنك علمت أنه لو قال خالعتك أنه لو قال خالعتك فقبلت تم الخلع بلا ذكر بدل۔

(۴۰۷) بدکردار شوہر سے خلع لینے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری شادی کو ۷ سال ہوگئے ہیں۔ میرے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ میرے شوہر افضال مجھے آئے دن گھر سے نکال دیتے ہیں۔ امی سے اُدھار پیسے منگاتے ہیں۔ میں جو سلائی وغیرہ کبھی کبھار کرتی ہوں وہ پیسے بھی لے لیتے ہیں۔ سود کی رقم وہ کھاتے ہیں۔ لوگوں کو قسطوں پر چیزیں دلاتے ہیں اور سود خود کھاتے ہیں۔ کماتے وہ نہیں ہیں، ڈبو کھیلتے رہتے ہیں، ڈرافٹ کھیلتے رہتے ہیں، شرطیں لگاتے ہیں۔ چھ سال پہلے میرے جیٹھ جٹھانی اور میرے شوہر نے مجھے مار کر گھر سے نکال دیا تھا اور یہ کہتے ہیں کہ تیرے ماں باپ تھوکا ہوا چاٹتے ہیں، ہم نکال دیتے ہیں اور تیرے ماں باپ تجھے پھر یہاں لے آتے ہیں اور گندی گندی گالیاں دیتے ہیں اور گندے الفاظ بول کر کہتے ہیں کہ اس لئے تیرے ماں باپ ہمارے پاس چھوڑ کر جاتے ہیں۔

میرے شوہر دوسری عورتوں پر خرچ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تو کروں گا یہ مرد کا شیوہ ہے۔ ابھی چھ مہینے پہلے بھی میرے شوہر نے مجھے گھر سے نکال دیا اور کہا کہ میں تجھے اب فیصلہ دوں گا۔ اب تجھے نہیں رکھوں گا، میرے لئے کل تک دس عورتیں تھیں آج میں بیس عورتوں سے کروں گا۔ جوا وہ کھیلتے ہیں۔ میں بھی اب یہ کہتی ہوں کہ فیصلہ ہوجائے۔ برائے مہربانی آپ مجھے بہتر سے بہتر فیصلہ یعنی جواب دیں۔

مفتی صاحب میں نے دو سال پہلے بھی استخارہ کیا تھا تو استخارہ میں یہ آیا تھا کہ میرے چچا میرے ابو، امی، بڑا بھائی، ساس، شوہر اور میں گھر میں بیٹھے تھے اور میرے بھائی ابو اور چچا نے کہا کہ افضال اب تو اس کو فیصلہ دے۔ اب ہم اس کی شادی اس آدمی سے کرائیں گے اور وہاں ایک آدمی دروازے پر ہاتھ رکھے کھڑا ہوا تھا اور تین چار سفید کلر کے کاغذ پر فیصلہ مانگ رہے تھے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... پرسکون ازدواجی زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ میاں بیوی کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالی سے ڈرتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے کے حقوق اچھے طریقے سے ادا کرتے ہوئے زندگی کو گزاریں۔ شوہر کیلئے شرعاً یہ جائز نہیں کہ

وہ بیوی کے ساتھ بلا وجہ مار پیٹ، گالم گلوچ اور برے لب ولہجہ سے پیش آئے اور اس پر طرح طرح کے الزامات لگائے۔

صورت مسئولہ میں آپ نے اپنے شوہر اور ان کے آپ کے ساتھ طرزِ عمل کے بارے میں جو تفصیل لکھی، اگر وہ واقع میں بھی درست ہے تو اولاً آپ کوشش کریں کہ دونوں طرف کے خاندانوں کے بااثر اور بااختیار بزرگ حضرات کے ذریعے اپنے شوہر کو سیدھے راستے پر لائیں اگر خدانخواستہ وہ پھر بھی اپنی بری عادتوں اور برے سلوک سے باز نہیں آتے تو شرعاً آپ کیلئے جائز ہے کہ آپ اپنے شوہر سے طلاق یا مہر کی معافی کے عوض خلع لے لیں اور پھر عدت گزارنے کے بعد کہیں اور شادی کر لیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام مشکلات و پریشانیوں کو دور فرمائے۔

لمافی الهندية (۴۸۸/۱): إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعلا ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال كذا في الهداية إن كان النشوز من قبل الزوج فلا يحل له أخذ شيء من العوض على الخلع وهذا حكم الديانة فإن أخذ جاز۔

(۴۰۸) بدکردار بیوی کو خلع دینا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے شادی کی لیکن شادی کے کچھ عرصے بعد معلوم ہوا کہ بیوی کے دیگر مردوں کے ساتھ بھی تعلقات ہیں چنانچہ اس نے بیوی کو اس کے میکے بھیج دیا اور ارادہ کر لیا کہ اب میں اس کو نہیں رکھوں گا، چھوڑ دوں گا لیکن طلاق نہیں دیتا کہ اس صورت میں مہر دینا پڑے گا۔ قصور کیونکہ اس کا نہیں، بیوی کا ہے لہٰذا وہی خلع لے یا پھر اپنے گھر بیٹھی رہے۔ کیا اس کا یہ عمل شرعاً درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... شریعت مطہرہ نے مہر کو طلاق یا خلع کے ساتھ معلق نہیں کیا بلکہ نکاح کے ساتھ معلق کیا ہے لہٰذا نکاح کے بعد ہی شوہر کے ذمہ مہر واجب ہو جاتا ہے اور چونکہ محض غیر مردوں سے تعلقات کی بناء پر نکاح ختم نہیں ہوتا لہٰذا شوہر کو چاہیئے کہ جلد بازی سے کام نہ لے بلکہ تحقیق کرے (بسا اوقات لوگ بے وجہ بدنام بھی کر دیتے ہیں) اگر حقیقتاً یہ بات ہے تو بیوی کو خود سمجھائے یا خاندان کے بڑوں کے ذریعے تنبیہ کروائے اگر بیوی سدھر جائے تو بہت بہتر ہے لیکن اگر مسئلہ اس طرح حل نہ ہو تو بیوی کو ایسے بے کار چھوڑنا ناجائز ہے اور سخت گناہ ہے بلکہ اس کو حالت طہر میں ایک طلاق دے کر چھوڑ دے یا باہمی رضامندی سے مہر کے عوض خلع دیدے کیونکہ شریعت نے عورت کے متعلق دو ہی حکم بتائے ہیں:

"فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ"

''پھر خواہ رکھ لے قاعدے کے موافق خواہ چھوڑ دے خوش عنوانی کے ساتھ۔'' (سورۃ البقرۃ:۲۲۹)

البتہ اگر آپ طلاق دیں گے تو اس صورت میں آپ پر مہر لازم ہوگا اور اگر آپ کی بیوی خلع لے تو اس صورت میں مہر ساقط ہو

جائے گا۔

لمافی الشامیة (۴۳۹/۳): باب الخلع (هو) --- (إزالة ملك النكاح) خرج به الخلع في النكاح الفاسد --- (المتوقفة على قبولها) --- (بلفظ الخلع) --- (أوما في معناه) --- (ولا بأس به عند الحاجة) للشقاق بعدم الوفاق (بما يصلح للمهر) بغير عكس كلي --- (و) شرطه كالطلاق۔

(۴۰۹) ناشزہ عورت سے خلع کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکے کا نکاح ہوا۔ بوقت نکاح مہر کی رقم پانچ ہزار روپے مقرر ہوئی جو کہ ادا کردی گئی تھی اس کے علاوہ لڑکے کے گھر والوں نے ڈیڑھ تولہ سونا اور تقریباً آدھا تولہ لونگ، بالیاں، انگوٹھی کی شکل میں لڑکی کو بطور ہبہ دیئے۔ شادی کے دو ماہ اور کچھ دن بعد لڑکی اچانک اپنے میکے چلی گئی اور واپس سسرال آنے سے انکار کر رہی ہے اور اس بات پر مُصر ہے کہ مجھے اس لڑکے سے آزاد کرادو اور ہمارے درمیان یہ رشتہ ختم کرادو۔ لڑکی کے رشتہ دار اور بعض محلہ کے معزز افراد نے باہمی نباہ کی کوشش کی مگر لڑکی صرف جدائی کا مطالبہ کر رہی ہے۔ واضح رہے کہ شادی کے وقت محلہ والوں اور رشتہ داروں نے لڑکی کو جہیز اور دیگر ضروریات کا سامان بطورِ معاونت فراہم کیا تھا۔ سارے معاونین نے لڑکے والوں سے بات چیت کے بعد یہی نتیجہ نکالا کہ لڑکے کی طرف سے ادائیگی حقوق میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں پائی جارہی ہے لہٰذا لڑکی کے اصرار پر لڑکی کو اپنے شوہر سے خلع دلوادیں، اس طور پر کہ لڑکے نے جو سونا لڑکی کو دیا تھا وہ اور مختلف سامان اس کی مد میں -/20,000 بیس ہزار روپے لڑکے کو واپس کئے جائیں اور لڑکا سارا جہیز کا سامان لڑکی کو واپس کرے۔

اب سوال یہ ہے کہ شرعاً مذکورہ بالا طریقہ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو اس پر عملدرآمد کرانے والوں پر خدانخواستہ عند اللہ کوئی مؤاخذہ تو نہ ہوگا؟ اور اگر درست نہیں تو قرآن وسنت کی روشنی میں درست طریقہ اندراج فرما کر ہماری راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... شوہر کی طرف سے کسی قسم کی بیوی کی حق تلفی نہ پائی جائے، اس کے باوجود بیوی اپنے شوہر کے ساتھ آباد ہونا نہیں چاہتی ہو تو ایسی عورت شرعاً ناشزہ (نافرمان) سمجھی جاتی ہے، ایسی صورت میں اگر عورت خلع کے ذریعہ علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو شوہر خلع کے عوض میں کُل مہر تک قیمت لے سکتا ہے۔ البتہ کل مہر سے بھی زائد پر خلع کرنا چاہے تو بھی جائز ہے لیکن ایسا کرنا خلاف اولیٰ ہے، پس صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کو پانچ ہزار روپے تک کے عوض میں خلع کرنا بلا کراہت درست ہے، البتہ مذکورہ صورت میں شوہر کی طرف سے دیئے گئے سونا اور دیگر سامان (جن کی قیمت مبلغ بیس ہزار روپے ہے) کے عوض میں بھی خلع کیا جاسکتا ہے، تاہم یہ خلاف اولیٰ ہے نیز لڑکی اپنے جہیز کا سامان وصول کرسکتی ہے۔

لمافی مشکوۃ المصابیح (۲۸۳/۲): عن ابن عباس: أن امرأة ثابت بن قيس أتت النبي صلى الله

عليه وسلم فقالت : يا رسول الله ثابت بن قيس ما أعتب عليه في خلق ولا دين ولكني أكره الكفر في الإسلام فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " أتردين عليه حديقته ؟ " قالت : نعم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " اقبل الحديقة وطلقها تطليقة " . رواه البخاري۔

وفی الدر المختار (۴۴۱/۳، ۴۴۴، ۴۴۵) : (ولا بأس به عند الحاجة) للشقاق۔ الخ۔

وفی الرد تحته: (قوله وبه يحصل التوفيق)۔ الخ۔

وفی الموسوعة الفقهية (۲۸۴/۴): والنشوز في الاصطلاح : عرفه الحنفية بأنه : خروج الزوجة من بيت زوجها بغير حق۔

(۴۱۰) شوہر کی طبیعت پسند نہ آنے کی وجہ سے خلع کا مطالبہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ صبیحہ کی شادی راشد سے صبیحہ کی رضامندی کے ساتھ طے پائی۔ راشد بیرون ملک امریکہ میں رہتا ہے، جب راشد پاکستان آیا تو دونوں خاندانوں کی رضامندی سے راشد کا نکاح صبیحہ سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ ہو گیا لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔ نکاح کے بعد راشد کا صبیحہ سے بذریعہ ٹیلی فون رابطہ رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد صبیحہ کو راشد کی طبیعت پسند نہ آئی اور صبیحہ کے والدین بھی اس سے نالاں ہو گئے۔ اب صبیحہ اور صبیحہ کے رشتہ دار راشد سے طلاق کا مطالبہ کرتے ہیں اور راشد باوجود بہت سارے لوگوں کے سمجھانے کے بھی صبیحہ کو جان بوجھ کر طلاق نہیں دیتا اور واپس امریکہ چلا گیا۔

اس بات کو ۵۔۶ مہینے گزر گئے ابھی تک باوجود کوشش کے راشد طلاق دینے پر آمادہ نہیں اور نہ اس تک رسائی کی کوئی صورت ہے اور راشد کہتا ہے کہ اگر آپ کو اتنی جلدی ہے تو عدالت سے طلاق لے لو۔ اب آپ حضرات شریعت کی رُو سے مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ صبیحہ بذریعہ عدالت خلع یا طلاق لے سکتی ہے یا نہیں؟ نیز اگر عدالت ایک، دو دفعہ زید کو نوٹس بھیجے پھر بھی راشد یا اس کی طرف سے کوئی حاضر نہ ہو تو کیا عدالت کو طلاق دینے کا اختیار شریعت کی رُو سے حاصل ہوگا یا نہیں؟ مسئلہ کا جواب جلد مطلوب ہے کیونکہ صبیحہ کے والدین سخت پریشان ہیں۔ اللہ رب العزت آپ حضرات کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور تادیر آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

الجواب بعون الملک الوهاب......اگر کوئی شرعی ضرورت ہو تو خلع لینا جائز ہے البتہ بغیر کسی شرعی ضرورت کے خلع کا مطالبہ کرنے والی عورتوں پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"أيما امرأة سألت زوجها طلاقا في غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة" (سنن ابی داود، ۱/ ۳۰۳)

جس عورت نے بھی بغیر عذر کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کیا اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

ایک اور حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"المختلعات هن المنافقات" (ترمذی، ۱/ ۲۲۵) بغیر عذرِ شرعی کے خلع لینے والی عورتیں منافق ہیں۔
صورت مسئولہ میں صبیحہ کو راشد کی طبیعت کا پسند نہ آنا اگر اخلاقی اور دینی فساد کی وجہ سے ہے تو صبیحہ خلع کا مطالبہ کرسکتی ہے البتہ اگر عام معمولات میں راشد کا طریقہ کار صبیحہ کی طبیعت کے موافق نہیں تو یہ کوئی وجہ نہیں اس صورت میں صبیحہ خلع کا مطالبہ نہیں کرسکتی نیز خلع کی جو بھی صورت ہو بہر حال شوہر کی رضامندی ضروری ہے شوہر کی رضامندی کے بغیر یکطرفہ خلع کا نفاذ کسی صورت میں نہیں ہوتا۔ خاندان کے بڑوں کو چاہیئے اولاً تو دونوں میاں بیوی میں مصالحت ومفاہمت کی کوشش کریں اگر ایسا نہ ہو سکے تو باہمی رضامندی سے خلع دلوادیں۔

لمافي الدر المختار (۳/۲۲۷): (الأصح حظره) أي منعه (إلا لحاجة) كريبة وكبر۔

(۴۱۱) شوہر اور بیوی میں سخت لڑائی کی وجہ سے خلع یا صلح

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میاں بیوی کے درمیان شب زفاف سے جھگڑا چلا آرہا ہے جوڑ کی کوئی صورت نہیں بن پاتی۔ بیوی لڑاکن ہے ہر وقت لڑتے رہتی ہے، شوہر بیچارہ شریف ہے۔ آیا خلع کے بجائے مصالحت کرائی جائے تو یہ مصالحت کرانا کیسا ہے؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں بہتر تو یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے خاندان والے جمع ہو کر ان کے درمیان حتی الامکان صلح کرانے کی کوشش کریں اور اگر کوئی چارہ کار نہ ہو تو شوہر خود ایک طلاق دے دے یا بیوی سے خلع کا معاملہ کرلے۔

لمافي الشامية (۳/۴۴۱): قوله (للشقاق) أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف والتخاصم وفي القهستاني عن شرح الطحاوي السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اهـ ط وهذا هو الحكم المذكور في الآية۔

(۴۱۲) شوہر کے تبلیغ پر بکثرت جانے کی وجہ سے خلع لینا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری عمر ۲۵ سال ہے اور ایک اسکول میں بچیوں کو تعلیم دیتی ہوں میری شادی ایک ایسے آدمی سے ہوئی ہے جس کے ذہن میں تبلیغ کا بھوت سوار ہے، کبھی چلہ کبھی سہ روزہ کبھی دس روزہ کبھی پتہ نہیں کیا کیا کرتا رہتا ہے میرے پاس تو بہت کم وقت گزارتا ہے، جب بھی دیکھو تبلیغ تبلیغ کررہا ہے۔ میں اس سے تنگ آچکی ہوں۔ بار بار سمجھانے کے باوجود باز نہیں آرہا۔ اب میں اس سے خلع لینا چاہتی ہوں تو شرعاً میں اس وجہ سے خلع کا مطالبہ کرسکتی ہوں یا نہیں؟ خلع کی وجہ سے میں گناہگار تو نہیں ہوں گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں آپ کا خاوند اگر تبلیغ میں منسلک ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے حقوق بھی ادا

کررہا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت آپ کو حاصل ہے۔آپ کو چاہیئے کہ آپ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کریں اور اپنے خاوند کی ان اعمال میں معاونت کریں تا کہ آپ بھی ان کے ساتھ اجر وثواب میں برابر کی شریک ہوں۔

البتہ اگر آپ کا خاوند تبلیغ میں لگ کر آپ کے حقوق مکمل طور پر ادا نہیں کررہا اور آپ کی حق تلفی ہورہی ہے تو آپ کو چاہیئے کہ پیار محبت سے ان کو سمجھائیں اس کے باوجود اگر وہ آپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اور اس روش کو نہیں چھوڑتا تو آپ کو شرعاً خلع لینے کا حق حاصل ہے تاہم اس میں خاوند کی رضامندی ضروری ہے۔

لمافی الشامیة(۳/۴۴۱):السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع اھ ط۔

وفيه أيضا (۳/۴۴۵): قوله (ولو منه نشوز أيضا) لأن قوله تعالى { فلا جناح عليهما فيما افتدت به } يدل على الإباحة إذا كان النشوز من الجانبين بعبارة النص وإذا كان من جانبها فقط بدلالته بالأولى۔

(۴۱۳)کورٹ میرج کے بعد لڑکی کے گھر والوں کا خلع کا مطالبہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں تنویر احمد وارثی نے ثناء نام کی لڑکی سے کورٹ میں نکاح کیا یعنی کورٹ میرج کی۔ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔دونوں کی رضامندی سے نکاح ہوا۔کورٹ میرج کے بعد لڑکی میرے پاس آٹھ دن رہی تو میں نے اس دوران اس کے گھر والوں سے فون پر رابطہ کروایا۔لڑکی کے گھر والوں نے لڑکی کے ماموں کو بھیج کر لڑکی کو بلالیا۔لڑکے کے گھر والے لڑکی کے گھر والوں سے رابطے میں رہے۔مختصر یہ کہ لڑکے کے گھر والوں نے کہا ان بچوں نے غلطی کردی ہے۔ہم ان کو خوشی سے اپنے پاس رکھیں گے۔لڑکی کے گھر والوں نے ڈیڑھ دو مہینے بعد مقدمہ کردیا۔

ڈیڑھ دو مہینے کا وقفہ اس لئے ہوا کیونکہ لڑکے کے ابو کی طبیعت بہت خراب تھی اس وجہ سے ڈیڑھ دو مہینے کا وقفہ ہوا۔خیر جب لڑکی اپنے گھر تھی تو اس لڑکی نے چھپ کر لڑکے کو فون کیا۔مجھ پر ظلم کررہے ہیں اور مجھے بھیجنے کے لئے تیار نہیں۔لڑکے کے پاس عدالت سے پیشی کے لئے لیٹر آیا لڑکا عدالت میں دو دفعہ پیش ہوا مگر لڑکی نہیں آئی،تیسری پیشی میں لڑکی کو لے کر آئے تو لڑکی نے بیان دیا کہ میں نے اپنی مرضی سے نکاح کیا اور اب میں عدالت سے اپنی مرضی سے خلع لے رہی ہوں۔عدالت میں لڑکے نے کہا میں لڑکی کو نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ میں نے ایک غلطی کی ہے،میں گناہ نہیں کرسکتا،میں کسی صورت ثناء کو آزاد نہیں کرسکتا۔

جج کا فیصلہ......ثناء نے خلع کا کیس درج کیا ہے وہ آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی لہذا میں ثناء کے حق میں فیصلہ دیتا ہوں۔

"میں نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جس کی وجہ سے میں ثناء کو آزاد کروں میں اس گناہ میں کسی طور شامل نہیں ہوں گا نہ تو میں کوئی الفاظ ادا کروں گا اور نہ ہی لکھ کردوں گا۔" یہ بات کہہ کر میں عدالت سے باہر آگیا اور کراچی آگیا نہ تو میں نے کہا اور نہ لکھ کر دیا نہ دستخط

کئے۔ثناء نے مجھے تین ماہ پہلے فون پر کہا کہ گھر والے مجھ پر بہت زور دے رہے ہیں مگر میں نہیں چاہتی عدالت میں بیان کچھ اور تھا کہ میں نے اپنی مرضی سے نکاح کیا تھا اور اب میں خلع لے رہی ہوں۔عدالت نے لڑکی کے بیان پر خلع کی ڈگری جاری کردی اور لڑکی والوں کا یہ کہنا ہے کہ لڑکی کو طلاق ہوگئی ہے۔ میں یہ بات جاننا چاہتا ہوں کہ میں نے لڑکی کو نہ تو لکھ کر دیا اور نہ الفاظ ادا کئے ہیں نہ ہی فیصلہ دیا ہے، کیا یہ حق عدالت کو حاصل ہے کہ فیصلہ سنا سکے اور لڑکی کو دوسری جگہ شادی کی اجازت دے؟ لڑکے نے ابھی تک فیصلہ نہیں دیا۔

کیا قرآن حدیث کی روشنی میں لڑکی دوسری جگہ نکاح کا حق رکھتی ہے؟ کیا عدالت اگر فیصلہ دے تو لڑکی کو فیصلہ ہو جاتا ہے؟ کیا لڑکی کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے؟ لڑکی لڑکا دونوں رشتہ دار بھی ہیں۔لڑکا اچھا برسر روزگار ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... اگر دونوں خاندان کی دینداری، مال اور پیشے میں نمایاں فرق نہ ہو تو مذکورہ کورٹ کا نکاح درست ہے، اور مذکورہ صورت کے مطابق عدالت کا خلع کے بارے میں مذکورہ یک طرفہ فیصلہ شرعاً معتبر نہیں اور تنویر احمد وارثی اور ثناء کا نکاح برقرار ہے نیز لڑکی والوں کا یہ کہنا کہ لڑکی کو طلاق ہوگئی ہے صحیح نہیں۔ جب تک تنویر احمد وارثی، ثناء کو طلاق نہ دے اور ثناء کی عدت نہ گزر جائے، اس وقت تک ثناء کو دوسرے نکاح کی اجازت نہیں۔اگر اس صورت میں نکاح کر بھی دیا جائے تب بھی وہ معتبر نہ ہوگا، بلکہ وہ نکاح کالعدم ہوگا اور ازدواجی تعلق حرام ہوگا۔اگر دونوں خاندان کی دینداری، مال اور پیشے میں نمایاں فرق ہو تو کورٹ کا نکاح سرے سے معتبر ہی نہیں، بلکہ کالعدم ہے اس صورت میں لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرایا جا سکتا ہے۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة:۲۲۹): فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

وفی فتح القدیر (۲۳۳/۴): وكل ما ورد عن السلف أن فعل الحكمين جاز عليهما فهو محمول على رضاهما إذ لم ينصوا على أنه جائز بغير رضا الزوجين وهذا لأنه غير جائز لهما أن يطلقا امرأة الغير بغير إذنه ـ ـ ـ وقول من قال إنهما يفرقان ويخلعان من غير توكيل غير مقبول عندنا۔

وفی الهندية (۲۹۱/۱):ومنها الديانة تعتبر الكفاءة في الديانة وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى وهو الصحيح كذا في الهداية فلا يكون الفاسق كفئا للصالحة كذا في المجمع ـ ـ ـ (۲۹۲/۱): والمروي عن أبي يوسف رحمه الله تعالى أن الحرف متى تقاربت لا يعتبر التفاوت وتثبت الكفاءة۔

(۴۱۴) طلاق کی مختلف صورتیں اور ان سے متعلق مسائل کا حکم

سوال...... مفتی صاحب! درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) کیا ایک نشست میں دو دفعہ طلاق کہنے کے بعد اگر پھر کسی موقع پر ایک دفعہ بھی شوہر نے طلاق کہہ دی تو کیا طلاق موثر

ہوجائے گی؟

(۲) کیا دو دفعہ طلاق کے الفاظ کہنے کے بعد شوہر رجوع کرسکتا ہے؟ رجوع کرنے کے بعد پہلے کہی گئیں دو طلاقیں غیر مؤثر ہوجائیں گی؟

(۳) خلع لینے کی صورت میں عورت کن چیزوں کی حقدار ہوگی؟

(۴) سسرالی رشتہ داروں کے دیئے تحائف، سسرال/شوہر کی طرف سے دیئے گئے زیور، کپڑے وغیرہ کا مالک کون ہوگا؟ کیا سسرال والے دیئے گئے کپڑے، زیور واپس کرنے کا مطالبہ کرسکتے ہیں؟

(۵) خلع لینے کی صورت میں مہر کا کیا بنے گا؟

(۶) خلع لینے کے بعد کیا عورت گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کہیں نوکری کررہی ہے تو کیا ملازمت پر جاسکتی ہے یا نہیں؟ خلع لینے کے بعد عدت پوری کرے گی؟ کتنا عرصہ گھر پر گزارے گی؟ اگر شوہر نے طلاق دیدی تو عورت کتنا عرصہ گھر پر گزارے گی؟ اس دوران ملازمت پر جاسکتی ہے یا نہیں؟

مدت کب سے گنی جائے گی جب زبانی کہہ دیا اس دن سے یا جب کاغذات ناظم وغیرہ سے مل جائیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱) صورت مسئولہ میں اگر شوہر نے ایک نشست میں دو طلاقیں دیں اور عدت گزرنے سے قبل رجوع کرلیا تو اس کے بعد کسی اور موقع پر ایک اور طلاق دیدی تو یہ طلاق مؤثر ہوگی اور اس کی وجہ سے عورت مغلظہ ہوجائے گی۔

(۲) دو طلاقِ رجعی کے بعد شوہر کو عدت میں رجوع کا اختیار ہوتا ہے اور رجوع کے بعد اس صورت میں شوہر صرف ایک طلاق کا مالک ہوگا۔

(۳، ۴) خلع جس مال پر ہوا ہے اس کے علاوہ جو مال عورت کے پاس ہو، سب عورت کی ملکیت ہے نیز جو چیزیں سسرال یا شوہر کی طرف سے مہر کے علاوہ ملی ہوں وہ چیزیں عرف میں عورت کی ملکیت ہوتی ہیں لہٰذا اب سسرال والوں یا شوہر کو ان چیزوں کے واپس لینے کا اختیار نہیں ہے۔

(۵) اگر خلع مہر پر ہو تو اس کا مستحق شوہر ہوگا اور اگر مہر کے علاوہ دوسری اشیاء پر ہوا ہے تو دیکھا جائے گا کہ عورت نے مہر پر قبضہ کیا ہے یا نہیں، اگر قبضہ کیا ہے تو عورت اس کی حقدار ہوگی اور اگر نہیں کیا تو مہر کے لئے شوہر سے رجوع نہیں کرسکتی۔

(۶) جہاں تک عدت کا تعلق ہے تو دیکھا جائے گا کہ عورت اگر حیض والی ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور اگر حیض والی نہ ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور عدت کی ابتداء طلاق یا خلع کے وقت سے ہی شروع ہوجائے گی۔ عدت کے دوران عورت کا بغیر ضرورت شدیدہ کے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، صورت مسئولہ میں چونکہ عورت کا نفقہ عدت کے دوران شوہر کے ذمہ ہے اس لئے اس کا گھر سے نکل کر نوکری کرنا جائز نہیں۔

لما فی الهندية (۴۸۹/۱): ولا تقع البراءة عن نفقة العدة في الخلع والمبارأة والطلاق بمال إلا بالشرط

في قولهم ـ ـ ـ وإذا خالعها على مال مسمى معروف سوى الصداق فإن كانت المرأة مدخولا بها والمهر مقبوضا فإنها تسلم إلى الزوج بدل الخلع ولا يتبع أحدهما صاحبه بعد الطلاق بشيء وإن كان المهر غير مقبوض فالمرأة تسلم إلى الزوج بدل الخلع ولا ترجع على الزوج بشيء من المهر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى۔

وفيه أيضا(۱/۳۲۷):لو جهز ابنته وسلمه إليها ليس له في الاستحسان استرداد منها وعليه الفتوى۔

وفيه أيضا(۱/۵۳۱):ابتداء الطلاق وفي الوفاة عقيب الوفاة فإن لم تعلم بالطلاق أو الوفاة حتى مضت مدة العدة فقد انقضت عدتها كذا في الهداية۔

وفى الدر المختار(۳/۲۴۶):(واعتبار عدده بالنساء) وعند الشافعي بالرجال (فطلاق حرة ثلاث وطلاق أمة ثنتان) مطلقا۔

(۴۱۵)عورت کا بند مٹھی کے عوض خلع لینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نے اپنی مٹھی بھر کر کہا شوہر سے تم مجھ سے اس مٹھی کے عوض میں خلع کرلو اس نے خلع کرلیا۔ بعد میں اس نے مٹھی کھولی تو کچھ بھی نہیں تھا۔ آیا ایسی صورت میں خلع صحیح ہوگا یا نہیں اور عورت کا اس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟ یہ دھوکہ اور گناہ کا کام شمار ہوگا؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جبکہ بیوی نے اپنی مٹھی بند کر کے شوہر سے کہا تم اس مٹھی کے عوض خلع کرلو اور شوہر نے خلع کرلیا، بعد میں جب مٹھی کھولی تو مٹھی بالکل خالی تھی تو خلع ہو جائے گا، شوہر کیلئے عورت پر کوئی چیز لازم نہیں نیز اس صورت میں عورت نے شوہر کو کوئی دھوکہ نہیں دیا ہے۔

لما فی الهندية (۱/۴۹۴) الفصل الثاني فيما جاز ان يكون بدلا عن الخلع وما لا يجوز:إن سمى في الخلع ما احتمل أن يكون مالا وأن لا يكون مالا بأن اختلعت على ما في بيتها أو على ما في يدها من شيء ينظر إن كان في يدها أو في بيتها في تلك الساعة شيء فذلك للزوج وإن لم يكن في بيتها ولا في يدها شيء فلا شيء للزوج۔

وفى الشامية(۳/۴۴۶) كتاب الطلاق، باب الخلع:قوله (ولا شيء في يدها) ما لو كان فيها شيء ولو قليلا فهو له بحر قوله (لعدم التسمية) علة لما فهم من التشبيه وهو وقوع البائن مجانا أي لعدم تسمية شيء تصير به غارة له بحر لأن ما في يدها قد يكون متقوما وقد يكون غيره فكان راضيا بذلك فتح۔

(۴۱۶) طلاق بالمال میں عوض لینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بہن کی شادی جس لڑکے کے ساتھ ہوئی اس لڑکے کی بھتیجی کے ساتھ میرا نکاح ہوا، اس وقت وہ لڑکی چھوٹی تھی، رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد بھائیوں نے میری شادی کسی اور جگہ کرادی۔ شادی کے جملہ اخراجات بھائیوں نے برداشت کئے۔ اب پہلے والی منکوحہ بھی بالغہ ہوچکی ہے۔ ہم نے اس لڑکی کی رخصتی کا مطالبہ کیا تو انہوں نے دینے سے انکار کردیا، بالآخر یہ طے پایا کہ چالیس ہزار لے کر لڑکی کو طلاق دیدو۔ میں اس پر راضی ہوگیا۔ آیا میرے لئے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو رقم میں میرے اور بھائی بھی شریک ہوں گے یا میں ہی اس کا حقدار ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اولاً یہ سمجھئے کہ کسی بھی شخص کا اپنی بیوی کو پیسوں کے عوض طلاق دینا شرعی اصطلاح میں طلاق بالمال (مال کے عوض طلاق دینا) کہلاتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ نشوز (نافرمانی) اگر بیوی کی طرف سے ہے تو شوہر کیلئے بقدرِ مہر مال لے کر طلاق دیدینا بلا کراہت جائز ہے اور مہر سے زیادہ رقم کے عوض طلاق دینا خلافِ اولی ہے بہتر یہی ہے کہ مہر سے زیادہ رقم بیوی سے وصول نہ کرے البتہ اگر کوئی کرلیتا ہے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا لہٰذا صورت مسئولہ میں چالیس ہزار کی رقم اگر مقرر کردہ مہر سے کم ہے تو اس رقم کا لینا آپ کیلئے بالکل جائز ہے اور اگر مقررہ کردہ مہر سے یہ رقم زیادہ ہے تو پھر اس زائد رقم کا لینا آپ کیلئے مکروہ تنزیہی ہے نہ لینا بہتر ہے البتہ اگر لے لیا تو بہر صورت اس پوری چالیس ہزار کی رقم کے آپ اکیلے مالک ہیں کیونکہ یہ آپ کی مملوکہ (ملک بضع) کا عوض ہے آپ کے بھائی اس رقم میں شریک نہ ہوں گے۔

لما فی بدائع الصنائع (۳۲۸/۴): فصل وأما الطلاق على مال فهو في أحكامه كالخلع لأن كل واحد طلاق بعوض فيعتبر في أحدهما ما يعتبر في الآخر إلا أنهما يختلفان من وجه وهو أن العوض إذا أبطل في الخلع بأن وقع الخلع على ما ليس بمال متقوم يبقى الطلاق بائنا وفي الطلاق على مال إذا أبطل العوض بأن سميا ما ليس بمال متقوم فالطلاق يكون رجعيا۔

وفی الدر المختار(۴۴۵/۳): (وكره) تحريما (أخذ شيء) ويلحق به الإبراء عما لها عليه (إن نشز وإن نشزت لا) ولو منه نشوز أيضا ولو بأكثر مما أعطاها على الأوجه فتح وصحح الشمني كراهة الزيادة وتعبير الملتقى لا بأس به يفيد أنها تنزيهية وبه يحصل التوفيق۔

(۴۱۷) خلع اور طلاق بالمال میں فرق

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو مال کے عوض طلاق دی۔ عورت نے اس کو قبول کرلیا تو کونسی طلاق واقع ہوگی اور آیا مال لازم ہوگا عورت پر یا نہیں؟ نیز خلع اور طلاق بالمال میں کیا فرق ہے؟ وضاحت

فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......مذکورہ صورت میں (کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو مال کے عوض طلاق دی اور عورت نے قبول بھی کرلیا) اس شخص کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگئی اور مذکورہ عورت پر متعین کردہ مال شوہر کو دینا لازم ہوگا۔

خلع اور طلاق بالمال میں فرق یہ ہے کہ خلع میں اگر بدل خلع باطل ہو [مثلاً شراب یا خنزیر بدلِ خلع رکھ دیا] جائے تب بھی طلاق بائن واقع ہوگی جبکہ طلاق بالمال میں جب بدل طلاق باطل ہو تو طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

لما فی الشامية (۳/۴۴۴): قوله (إن الواقع به) أي بالخلع ولو بلفظ البيع والمبارأة بجر قوله (ولو بلا مال) هذا إذا كان بلفظ الخلع أو بلفظ بيع النفس بخلاف بيع الطلاق أو الطلقة بلا ذكر بدل فإنه يقع به الرجعي كما علمته آنفا قوله (ولو بالطلاق الخ) في بعض النسخ وبالطلاق بإسقاط لو وهو الأولى لما علمت من أن الطلاق على مال خارج عن الخلع المسقط للحقوق لكن لما كان المراد بيان وقوع البائن به صح إطلاق الخلع عليه۔

وفيه أيضاً(۳/۴۴۴) كتاب الطلاق، باب الخلع: قوله (وثمرته) أي ثمرة تقييد الطلاق على مال دون الخلع تظهر فيما لو بطل البدل كما سيجيء أنه لو طلقها بخمر أو خنزير أو ميتة وقع بائن في الخلع رجعي في الطلاق مجانا فيهما لبطلان البدل وإذا بطل بقي الخلع والواقع به بائن ولفظ الطلاق والواقع به رجعي لأنه صريح ۔۔۔ وأما كون الخلع يسقط الحقوق والطلاق على مال لا يسقطها فليس ثمرة التقييد بالمال كما لا يخفى فافهم۔

(۴۱۸) خلع اور مباراۃ میں فرق کا بیان

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی سے خلع کررہا ہے تو آیا ایسی صورت میں خلع مہر کو ساقط کرنے والا ہوگا یا نہیں؟ نیز ہم نے ایک اور لفظ مباراۃ کا بھی سنا ہے۔ خلع اور مباراۃ میں کیا فرق ہے؟ کیا مباراۃ بھی مہر کو ساقط کردیتا ہے؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......خلع سے مہر ساقط ہونے نہ ہونے میں تفصیل ہے۔ خلع کی چند صورتیں ہیں:

(۱) خلع میں کوئی مال متعین نہیں کیا ہوگا۔

(۲) یا پورے مہر۔

(۳) یا بعض مہر پر خلع کیا ہوگا۔

(۴) یا مہر کے علاوہ دوسرے مال پر خلع کیا ہوگا۔

اوران تمام صورتوں میں بیوی نے مہر پر قبضہ کرلیا ہوگا یا نہیں، اور خلع قبل الدخول ہوگا یا بعد الدخول۔

(۱) اگر کوئی مال متعین نہیں کیا تو بہر صورت میاں بیوی میں سے ہر ایک نکاح کے تمام حقوق سے بری ہوجائے گا یعنی اگر بیوی نے کل یا بعض مہر پر قبضہ کرلیا ہے تو شوہر رجوع نہیں کرسکتا اور اگر بیوی نے کل یا بعض مہر پر قبضہ نہیں کیا تو بیوی شوہر سے مطالبہ نہیں کرسکتی۔

(۲) اگر کل مہر پر خلع کیا ہے تو اگر مہر پر بیوی نے قبضہ کرلیا ہے تو شوہر پورا مہر واپس لے لے گا اور اگر بیوی نے قبضہ نہیں کیا تو پورا مہر ساقط ہوجائے گا۔

(۳) اور اگر بعض مہر پر خلع کیا ہے تو اگر بیوی نے مہر پر قبضہ کرلیا ہے اور خلع بعد الدخول ہے تو جتنے مہر پر خلع کیا ہے شوہر اس کا رجوع کریگا اور اگر خلع قبل الدخول ہے تو جتنا مقرر کیا ہے اس کے نصف کا رجوع کریگا (مثلاً مہر دس ہزار ہے اور خلع مہر کے دسویں حصے پر ہوا ہے تو بعد الدخول کی صورت میں ایک ہزار کا رجوع کریگا اور قبل الدخول کی صورت میں پانچ سو کا رجوع کریگا) اور اگر بیوی نے مہر پر قبضہ نہیں کیا تو پورا مہر ساقط ہوجائے گا۔

(۴) اور اگر مہر کے علاوہ دوسرے مال پر خلع کیا ہے تو جو مال مقرر کیا وہ شوہر کو ملے گا اور ہر ایک دوسرے کے تمام حقوقِ نکاح سے بری ہوجائے گا۔

مباراۃ بھی خلع ہی کی ایک صورت ہے اور مباراۃ سے بھی مہر وغیرہ کے ساقط ہونے کی یہی تفصیل ہے۔

لمافی القدوری(ص۱۷۲) والمباراة كالخلع والخلع والمباراة يسقطان كل حق لكل واحد من الزوجين على الآخر مما يتعلق بالنكاح۔

وفی الدرالمختار (۴۵۲/۳) باب الخلع: (ويسقط الخلع) في نكاح صحيح ولو بلفظ بيع وشراء كما اعتمده العمادي وغيره (والمبارأة) أي الإبراء من الجانبين (كل حق)ثابت وقتهما (لكل منهما على الآخر مما يتعلق بذلك النكاح)۔

وفی الرد تحته: ذكر في النهر أول الباب أخذا من عبارة الفتح أن المبارأة من ألفاظ الخلع ۔۔۔ قال في الكافي للحاكم والمبارأة بمنزلة الخلع في جميع ذلك ۔۔۔ مطلب حاصل مسائل الخلع والمباراة على أربعة وعشرين وجها ثم اعلم أن حاصل وجوه المسألة أن البدل إما أن يكون مسكوتا عنه أو منفيا أو مثبتا على الزوج أو عليها بمهرها كله أو بعضه أو مال آخر وكل من الستة على وجهين إما أن يكون المهر مقبوضا أو لا وكل من الاثني عشر إما أن يكون قبل الدخول بها أو بعده فإن كان البدل مسكوتا عنه ففيه روايتان أصحهما براءة كل منهما عن المهر لا غير فلا ترد ما قبضت ولا يطالب هو بما بقي وسيأتي تمام الكلام عليه عند قول

المصنف وبرىء عن المؤجل لو عليه الخ وإن كان منفيا كقوله اخلعي نفسك مني بغير شيء ففعلت وقبل الزوج صح بغير شيء لأنه صريح في عدم المال ووقوع البائن فلا يبرأ كل منهما عن حق صاحبه وإن كان معينا على الزوج فسيأتي آخر الباب وإن كان بكل المهر فإن كان مقبوضا رجع بجميعه وإلا سقط عنه كله مطلقا أي قبل الدخول أو بعده وإن خالعها على أن يجعله لولدها أو لأجنبي جاز الخلع والمهر للزوج وإن ببعضه كالعشر مثلا والمهر عشرون فإن قبضته رجع بدرهمين لو بعد الدخول وسلم لها الباقي وبدرهم فقط إن كان قبله لأنه عشر النصف وإن لم يكن مقبوضا سقط الكل مطلقا المسمى بحكم الشرط والباقي بحكم لفظ الخلع وإن بمال آخر غير المهر فله المسمى وبرىء كل منهما مطلقا في الأحوال كلها ا هـ ملخصا من البحر و النهر وغرر الأذكار لكن المراد بالأخير ما إذا كان منه معلوما موجودا في الحال وإلا فهو على ستة أوجه قدمناها عن الذخيرة.

باب اللعان

(لعان کا بیان)

(۴۱۹) لعان کی تعریف اور حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لعان اور ایلاء کی تعریف، شرعی حکم اور مشروعیت کی حکمت معلوم کرنے کیلئے آپ کو زحمت دے رہا ہوں از راہ کرم تفصیل فرمادیں نیز ان دونوں کے کفارے کی تفصیلات بھی بتادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......لعان کا لغوی معنی ہے اللہ کی رحمت سے دور کرنا اور لعان کا نام لعان اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس عمل کے دوران شوہر پانچویں مرتبہ میں یہ الفاظ کہتا ہے کہ اگر میں اس بات میں جو میں نے اپنی بیوی کی طرف منسوب کی ہے کہ ''اُس نے زنا کیا ہے'' جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

شریعت میں لعان نام ہے ایسی چند گواہیوں کا جن کو قسموں کے ساتھ مؤکد (پکا) کیا گیا ہو اور ساتھ ساتھ لعان کا لفظ بھی استعمال ہوا ہو جو شوہر کے حق میں تو تہمت کی اور عورت کے حق میں حدِ زنا کے قائم مقام ہے۔

لعان کا حکم:......لعان کے جاری ہونے کے بعد قاضی میاں بیوی میں جدائی کر دے گا اور یہ جدائی مفتی بہ قول کے مطابق (جو کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے) طلاق بائن شمار ہوگی۔

مشروع ہونے کی حکمت:......ابتدائے اسلام میں اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر تہمت لگاتا تھا اور اس کو ثابت کرنے کیلئے اس کے پاس گواہ نہ ہوتے تو اس کیلئے بھی وہی حکم تھا جو کسی اجنبی عورت پر تہمت لگانے کی صورت میں ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے لعان کا حکم نازل فرمایا جس میں دونوں میاں بیوی کیلئے آسانی کے اسباب پیدا کر دیئے نیز لعان میں کسی قسم کا کوئی کفارہ لازم نہیں آتا البتہ اگر یہ دونوں دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نکاح نہیں کر سکتے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو گئے ہیں لیکن مفتی بہ قول کے مطابق (جو کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے) یہ طلاق بائن ہے اور ان دونوں کے درمیان حرمت قائم رہے گی یہاں تک کہ شوہر اپنے آپ کو جھٹلا دے اس بات میں جو اس نے عورت کی طرف منسوب کی ہے تو پھر آپس میں نکاح کرنا جائز ہوگا لیکن مرد پر حد قذف جاری ہوگی۔

لما في القرآن الكريم (النور:٦،٧،٨): وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ

فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ (٦) وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (٧) وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ (٨) وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔

وفی الهندية (۵۱۴/۱): الباب الحادي عشر في اللعان: اللعان عندنا شهادات مؤكدات بالأيمان من الجانبين مقرونة باللعن والغضب قائمة مقام حد القذف في حقه ومقام حد الزنا في حقها كذا في الكافي ---- حكمه حرمة الوطء والاستمتاع لما فرغ من اللعان ولكن لا تقع الفرقة بنفس اللعان حتى لو طلقها في هذه الحالة طلاقا بائنا يقع وكذا لو أكذب الرجل نفسه حل الوطء من غير تجديد النكاح كذا في النهاية قال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى الفرقة الواقعة في اللعان فرقة بتطليقة بائنة فيزول ملك النكاح وتثبت حرمة الاجتماع والتزويج ما دام على حالة اللعان كذا في البدائع۔

(۴۲۰) لعان کب ہوتا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا بیوی پر تہمت لگانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ اگر گواہی سے ثابت نہ کر سکا تو اس شخص کا کیا حکم ہے جبکہ یہاں قاضی بھی نہیں ہے نیز ایسے امور کی روک تھام کیلئے عوام کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......اگر کوئی اپنی بیوی پر صریح زنا کی تہمت لگائے یا بچے کے نسب کی نفی کردے اور اس کے پاس اس کو ثابت کرنے کیلئے گواہ بھی نہ ہوں تو لعان واجب ہوجاتا ہے بشرطیکہ دونوں کے درمیان نکاح صحیح ہوا ہو، دونوں عاقل، بالغ اور مسلمان ہوں اور دونوں میں سے کوئی گونگا نہ ہو نیز پہلے کبھی تہمت لگانے کی وجہ سے اُن پر حد جاری نہ ہوئی ہو، پس شرائط مذکورہ کے پائے جانے کے وقت لعان واجب ہوجائے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کی عدالت میں دونوں پانچ پانچ قسمیں کھائیں گے اس طرح کہ پہلے مرد چار مرتبہ اپنی سچائی پر قسم کھا کر پانچویں مرتبہ کہے گا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو، پھر عورت چار مرتبہ قسم کھا کر مرد کو جھوٹا کہے گی اور پانچویں مرتبہ کہے گی کہ اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو، پھر لعان کے بعد قاضی دونوں کے درمیان تفریق کردے گا جو طلاق بائنہ کے حکم میں ہوگی، مذکورہ بالا ساری کارروائی کا عدالت میں ہونا ضروری ہے اور اگر کہیں شرعی عدالتیں نہ ہوں تو لعان نہیں ہوسکتا البتہ لوگوں کو چاہیئے کہ پنچایت وغیرہ کے ذریعے ایسے لوگوں کو تنبیہ کریں جس کیلئے یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ ان سے مقاطعہ کرلیں تاکہ تہمت لگانے سے لوگ باز رہیں۔

لما فی القرآن الكريم (النور: ٦، ٧، ٨): وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ (٦) وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (٧) وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ (٨) وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ.

وفی صحيح البخاری (٧٩٩/٢): عن عبد الله رضي الله عنه: أن رجلا من الأنصار قذف امرأته، فأحلفهما النبي صلى الله عليه وسلم، ثم فرق بينهما۔

وفی بدائع الصنائع (٢٥/٥): فينبغي للقاضي أن يقيمهما بين يديه متماثلين فيأمر الزوج أولا أن يقول أربع مرات أشهد بالله إني لمن الصادقين فيما رميتها به من الزنا ويقول في الخامسة لعنة الله عليه إن كان من الكاذبين فيما رميتها به من الزنا ثم يأمر المرأة أن تقول أربع مرات أشهد بالله إنه لمن الكاذبين فيما رماني به من الزنا وتقول في الخامسة غضب الله عليها إن كان من الصادقين فيما رماني به من الزنا هكذا ذكر في ظاهر الرواية۔

وفی الهندية (٥١٦/١): إذا التعنا فرق الحاكم بينهما ولا تقع الفرقة حتى يقضي بالفرقة على الزوج فيفارقها بالطلاق فإن امتنع فرق القاضي بينهما وقبل أن يفرق الحاكم لا تقع الفرقة۔

وفی الدر المختار (٦٥/٤): فرع من عليه التعزير لو قال لرجل أقم علي التعزير ففعله ثم رفع للحاكم فإنه يحتسب به قنية وأقره المصنف ومثله في دعوى الخانية لكن في الفتح ما يجب حقا للعبد لا يقيمه إلا الإمام لتوقفه على الدعوى إلا أن يحكما فيه فليحفظ۔

وفيه أيضا (٥/٤): (في دار الإسلام) لأنه لا حد بالزنا في دار الحرب۔

(۴۲۱) لعان کے بعد دوبارہ نکاح کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ لعان کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہوجانے کے بعد بغیر حلالہ کے میاں بیوی کے درمیان ازدواجی رشتہ قائم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......لعان کرنے کے بعد اگر میاں، بیوی میں سے کوئی اپنے آپ کو جھٹلائے اور اس کو حد لگے یا کسی دوسرے پر تہمت لگانے کی وجہ سے اس کو حد قذف لگے یا کوئی ایک گونگا ہوجائے، یا اس عورت سے زنا ہوجائے یا وہ مجنونہ ہوجائے یا ان میں سے کوئی ایک العیاذ باللہ مرتد ہوجائے پھر مسلمان ہوجائے تو ان مذکورہ باتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے کے بعد لعان کرنے والے میاں بیوی دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں ورنہ نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر متلاعنین میں ان (موانع لعان) میں سے کوئی ایک مانع پایا جائے تو وہ بغیر حلالہ کے صرف نکاح کر کے ازدواجی تعلق دوبارہ قائم کر سکتے ہیں۔

لما فی الهندية (٥٢٠/١، ٥٢١): متى وجد منهما أو من أحدهما بعد اللعان ما يمنع من اللعان قبل

ذلك لم يبقيا متلاعنين فيحل له أن يتزوجها وذلك مثل أن يكذب نفسه فيحد أو تكذب نفسها أو قذف أحدهما إنسانا فأقيم عليه الحد أو خرس أحدهما أو جنت المرأة أو وطئت وطئا حراما أو ارتد أحدهما ثم أسلم فإنه متى وجد أحد ما ذكرنا حل له أن يتزوجها عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى كذا في الينابيع۔

وفي الدر المختار(۳/۴۹۰) كتاب الطلاق باب اللعان: (وله) بعد ما كذب نفسه (أن ينكحها) حد أو لا (وكذا إذ قذف غيرها فحد أو) صدقته أو (زنت) وإن لم تحد لزوال العفة والحاصل أن له تزوجها إذا خرجا أو أحدهما عن أهلية اللعان ۔

وفي الرد تحته: قوله (لزوال العفة) علة لحل النكاح فيما إذا صدقته أو زنت أما إذا أكذب نفسه ولم يحد أو حد بعد القذف فلظهور أن اللعان لم يقع موقعه كما قدمناه تأمل قوله (عن أهلية اللعان) لأنهما لم يبقيا متلاعنين لا حقيقة لأن حقيقة التلاعن حين وقوعه ولا حكما لزوال الأهلية التي كان التلاعن باقيا بها حكما بعد وقوعه فلا ينافي الحديث كما تقدم۔

(۴۲۲) غیر مسلم ممالک میں لعان کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غیر اسلامی ملک میں لعان کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ لعان کیلئے قاضی ضروری ہے یا پنچائیت جماعت مسلمین بھی تفریق کرا سکتی ہے؟ لعان کے بعد اگر زوجین میں سے کوئی رجوع کرے تو حد کا اختیار جماعت مسلمین کو ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب.....شریعت میں لعان کا طریقہ کار یہ ہے کہ شوہر قاضی کے سامنے چار دفعہ قسم اٹھائے گا اور ہر دفعہ یہ الفاظ کہے گا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کی قسم میں سچوں میں سے ہوں اس زنا کے الزام میں جو میں نے اس پر (یعنی اپنی بیوی پر) لگایا ہے" اور پانچویں مرتبہ کہے گا کہ "مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں اس زنا کے الزام میں جو میں نے اس پر لگایا ہے" اور ہر دفعہ اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرے گا۔

اس کے بعد عورت چار مرتبہ قسم اٹھائے گی اور ہر دفعہ یہ الفاظ کہے گی کہ "میں گواہی دیتی ہوں کہ یہ (یعنی میرا شوہر) جھوٹوں میں سے ہے اس زنا کے الزام میں جو اس نے مجھ پر لگایا" اور پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہے گی کہ "مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر یہ (یعنی میرا شوہر) سچوں میں سے ہو اس زنا کے الزام میں جو اس نے مجھ پر لگایا ہے" لعان میں قاضی کی طرح پنچائیت جماعت المسلمین بھی تفریق کرا سکتی ہے لیکن حد جاری نہیں کر سکتی، حد جاری کرنے کیلئے دار الاسلام اور قاضی کا ہونا ضروری ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں غیر اسلامی ممالک میں لعان کا طریقہ کار یہی ہوگا جو ذکر کر دیا گیا البتہ قاضی کی بجائے پنچائیت جماعت

المسلمین بھی تفریق کراسکتی ہے لیکن پنچائیت جماعت المسلمین کو حد جاری کرنے کا اختیار نہیں۔

لمافی الهندية (۱۴۳/۲) كتاب الحدود (الباب الاول فى تفسير الخ(الحقانية): وركنه إقامة الإمام أو نائبه في الإقامة۔ الخ۔

وفى الدر المختار (۵/۴) كتاب الحدود(سعيد): (فى دار الاسلام) لانه لا حد بالزنا فى دار الحرب۔

وفى الرد تحته: قوله (في دار الإسلام) مفعول زاد وهذا القيد يومىء إليه قولهم وأين هو وكذا قولهم في الباب الآتي لا حد بالزنا في دار الحرب والبغي وعليه فكان الأولى أن يقول في دار العدل ليخرج دار البغي أيضا وهذا إذا لم يزن داخل العسكر الذي فيه السلطان أو نائبه المأذون له بإقامة الحد وإلا فإنه يحد كما سيأتي هناك۔

وفى بحوث فى قضايا فقهيه معاصرة (۲۴۵/۲)(مكتبة دارالعلوم كراتشى): ... أما فسخ نكاح المرأة من قبل قاضى غير مسلم، فإنه غير معتبر شرعاً ...... وأما السوال الثانى وهو: هل يجوز للمراكز الاسلامية فى بلاد غير مسلمة أن تقوم مقام القاضى الشرعى فى فسخ نكاح المسلمات من أزواجهن لأسباب شرعية ---۔ يجب فى مذاهب الحنفية والشافعية والحنابلة أن يقع الفسخ من قاضى شرعى ولم أجد فى مذاهبهم مايفوض هذه السلطة إلى غير القاضى فليس فى هذه المذاهب ما يحل مشكلة النساء المقيمات فى بلاد غير مسلمة لا يوجد فيها قاضى شرعى وإن المذهب الوحيد من بين المذاهب الأربعة ---۔ هو مذهب المالكية ---۔ يقول العلامة الدسوقى رحمه الله تعالىٰ "اعلم أن الجماعة المسلمين العدول يقومون مقام الحاكم فى ذلك وفى كل أمر يتعذر الوصول فيه إلى الحاكم أو لكونه غير عدل"وهذا يدل على أن جماعة المسلمين تقوم مقام القاضى ليس فى بلاد غير مسلمة فقط حيث لا يوجد القاضى الشرعى، بل يجوز لها ذلك أيضاً فى بلاد مسلمة يوجد فيها قاضى مسلم ولكنه ليس بعدل۔

وفى الموسوعة الفقهيه (۲۹٦/۳۳) قضاء ۲۱۔۲۲ (الفاروقية):ولاية تقليد القضاء :۲۳ لا خلاف بين الفقهاء في أن الذي يملك ولاية تقليد القضاء هو الإمام أو نائبه لأن ولاية القضاء من المصالح العامة فلا يجوز إلا من جهته كعقد الذمة ---۔ وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلدمنه،أو تعذر الوصول إليه فقد اختلف الفقهاء في ذلك، فذهب الحنفية إلى أنه يجب على أهل البلد أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا ، أو يكون هو الذي يقضي بينهم۔

(۴۲۳) بیوی کو اے زانیہ پکارنے سے لعان کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ عبدالمؤمن اپنی بیوی کو "اے زانیۃ" کہہ کر پکارتا ہے اے زانیہ ادھر آ۔ آیا اس جملہ سے عبدالمؤمن پر حد جاری ہوگی یا نہیں یا قاضی اس کو قسمیں دلوائیگا؟ جبکہ اس کی بیوی عفیفہ اور پاکدامن ہو۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں شوہر کا بیوی کو "اے زانیہ" پکارنے سے لعان واجب ہوگا اور میاں بیوی سے لعان کی قسمیں لی جائیں گی۔ اگر قسمیں اٹھالیتے ہیں تو کسی قسم کی حد نہیں لگے گی اور اگر لعان کے بعد شوہر اپنی بات سے رجوع کرتا ہے تو شوہر کو حد لگائی جائے گی۔

لمافی الهندية(۵۱۵/۱) الباب الحادی عشر فی اللعان: إذا قال لها يا زانية أو أنت زنيت أو رأيتك تزنين فإنه يجب اللعان كذا في السراج الوهاج۔

وفی الدرالمختار(۴۸۴/۳) باب اللعان:(فمن قذف) بصريح الزنا في دار الإسلام (زوجته) الحية بنكاح صحيح ولو في عدة الرجعي العفيفة عن فعل الزنا وتهمته۔۔۔ (أو) من (نفي نسب الولد) منه أو من غيره (وطالبته) ۔۔۔ (به) ۔۔۔ (لاعن)۔

وفی الرد تحته : قوله (بصريح الزنا) كيازانية أو يا زاني لأنه ترخيم قد زنيت قبل أن أتزوجك جسدك أو نفسك زان۔

(۴۲۴) بیوی کے زنا کا یقین ہو تو کیا حکم ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بشری نامی عورت سے نکاح کیا، رخصتی بھی ہوگئی البتہ بقول زید ہمبستری سے پہلے ہی نوکری کی اطلاع اچانک آگئی اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ آج اگر نہیں پہنچ سکا تو نوکری ختم اس لئے وہ اسی دن چلا گیا، کچھ عرصہ بعد جب آیا تو بیوی حاملہ تھی۔ زید کو شک تو کیا بلکہ یقین ہے کہ یہ میری اولاد میں سے نہیں ہے، اب زید اس وجہ سے طلاق دینا چاہتا ہے تو صرف اس بنا پر طلاق دینا کیسا ہے؟ نیز اس حمل کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر بچہ وقتِ نکاح سے چھ ماہ سے بھی کم مدت میں پیدا ہوا ہو تو اس کا نسب شوہر سے ثابت نہیں ہوتا اور اگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ مدت میں بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب شوہر سے ہی ثابت ہوتا ہے، کیونکہ وہ عورت اس کی فراش ہے لیکن اگر شوہر اس بچہ کی نفی کرے تو میاں بیوی کے درمیان لعان ہوگا جس کے بعد بچہ کا نسب شوہر سے منقطع کر کے اس کی ماں سے ثابت کر دیا جاتا ہے اور لعان کے بعد میاں بیوی میں تفریق کرادی جاتی ہے جو کہ طلاقِ بائن کے حکم میں ہوتی ہے۔

لما في الدر المختار(٣/٥٥٠): أن الفراش على أربع مراتب وقد اكتفوا بقيام الفراش بلا دخول كتزوج المغربي بمشرقية بينهما سنة فولدت لستة أشهر مذ تزوجها لتصوره كرامة أو استخداما۔

وفي الفقه الاسلامي وادلته (١٠/٧٢٥٦):اتفق الفقهاء على أن الولد الذي تأتي به المرأة المتزوجة زواجاً صحيحاً ينسب إلى زوجها،للحديث المتقدم:الولد للفراش،والمراد بالفراش: المرأة التي يستفرشها الرجل ويستمتع بها. وذلك بالشروط الآتية :الشرط الأول- أن يكون الزوج ممن يتصور منه الحمل عادة، بأن يكون بالغاً في رأي المالكية والشافعية، ومثله في رأي الحنفية والحنابلة المراهق: وهو عند الحنفية من بلغ اثنتي عشرة سنة۔۔۔الشرط الثاني- أن يلد الولد بعد ستة أشهر من وقت الزواج في رأي الحنفية۔۔۔الشرط الثالث- إمكان تلاقي الزوجين بعد العقد: وهذا شرط متفق عليه، وإنما الخلاف في المراد به أهو الإمكان والتصور العقلي، أو الإمكان الفعلي والعادي؟قال الحنفية: الحق أن التصور والإمكان العقلي شرط، فمتى أمكن التقاء الزوجين عقلاً ثبت نسب الولد من الزوج إن ولدته الزوجة لستة أشهر من تاريخ العقد- الخ۔

رسالة

فک العانی

بقتل الزانی

بیوی سے زنا کرتے ہوئے دیکھا اور زانی کو موقع پر قتل کردیا،

مسئلہ ھذا سے متعلق فقہی عبارات، شرعی نصوص، ھندوانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور اس کی تنقیح

بحث لعان، شان نزول،

سیاق وسباق کا لحاظ رکھتے ہوئے تفصیلی فتوی

(۴۲۵) زانی کو موقع پر قتل کر دینے اور مسئلہ لعان میں تعارض اور اس کا دفیعہ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کسی کو اپنی بیوی سے زنا کرتے ہوئے دیکھے، تو اس سے متعلق قتل کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں ان باتوں کا الگ الگ جواب مرحمت فرمادیں۔

(۱) مسئلہ ہذا میں ظاہر الروایۃ کیا ہے؟ قتل کا قول ھندوانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے یا ان سے قبل بھی کسی کا ہے؟

(۲) بیوی سے زنا کے وقت ہی قتل کا قول کیا گیا ہے یا عام کسی عورت سے زنا کے وقت بھی کسی نے قتل کا قول کیا ہے؟ بظاہر تو بیوی ہو یا غیر بینہ یا کوڑے ہونے چاہئیں اور بیوی میں لعان ہو۔

(۳) مفتی صاحب اگر قتل کا قول ھندوانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ہے تو اسے کس کس حنفی فقیہ نے اپنی کتاب میں مطلقا لیا ہے، اسے ذکر کردیں۔ تمام کتب معروفہ کا نام مع حوالہ جات لکھدیں۔

(۴) کسی نے ھندوانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر رد کیا ہو کہ یہ تو مشروعیتِ لعان اور حدیث سعد رضی اللہ عنہ کے صریح مخالف ہے تو اس کا ذکر کردیں اور کسی نے مفتی بہ کہا ہو تو اسے بھی ذکر کردیں۔

(۵) حدیث سعد رضی اللہ عنہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قتل والی بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے، اس حدیث کا کیا جواب ہوگا؟؟ کیا اس حدیث کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مدح میں لینا جائز ہے؟ اس حدیث پر فتح الباری، عمدۃ القاری اور دیگر شراح حدیث نے جو کلام کیا ہے اسے نقل کردیں۔

(٦) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے قضاء قصاص اور دیانۃً جواز کا قول کیا ہے کیا یہ درست ہے؟ دیانۃً تو اللہ تعالی کی مرضی لعان کی ہے، پھر قتل تو گناہ ہونا چاہیئے؟ دیانۃ تو کہتے ہی فیما بینہ وبین اللہ کو ہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کو لیا جاسکتا ہے؟؟؟

(۷) مفتی صاحب پھر حدود کے احکام کیوں ہیں اگر خود ہی قتل جائز ہے؟

ان ساتوں باتوں کا الگ الگ بحوالہ جواب تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

اولاً چند تمہیدی باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

پہلی یہ کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حد زنا اور قذف کی آیات نازل ہونے کے

بعد حکم یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کسی مرد اور عورت کو زنا کرتے دیکھے، چاہے وہ عورت اسکی بیوی ہو یا اجنبیہ دیکھنے والے پر چار گواہوں کا پیش کرنا ضروری تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاۗءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (الآية: ۴سورة النور)

نیز احکام القرآن للجصاص رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

"قال أبو بكر: كان حد قاذف الأجنبيات والزوجات الجلد، والدليل عليه قوله صلى الله عليه وسلم لهلال بن أمية حين قذف امرأته بشريك ابن سحماء: ائتني بأربعة يشهدون وإلا فحد في ظهرك}، وقال الأنصار: أيجلد هلال بن أمية وتبطل شهادته في المسلمين فثبت بذلك أن حد قاذف الزوجات كان كحد قاذف الأجنبيات وأنه نسخ عن الأزواج الجلد باللعان"

(احكام القرآن للجصاص ۲۸۵/۳)

حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا واقعہ نیز حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا [اس وقت جب انہوں نے فرمایا کہ کیا زانی کو قتل کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا کہ نہیں] یہ سب اس پر صریح دال ہیں کہ حد زنا اور قذف کی آیات کے نزول کے وقت زانی کو قتل کرنا جائز نہ تھا، عورت چاہے بیوی ہو یا اجنبیہ، چار گواہ لانا ضروری تھا ورنہ حد قذف لگتی تھی۔

یہ حکم غیر بیوی کی حد تک تو موافق تھا، البتہ بیوی کے سلسلے میں اس میں کچھ حرج تھا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بیوی سے متعلق اشکالات کا بھی اظہار کیا کہ چار گواہ کہاں سے لائے گا؟ اور بالآخر بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس کا صدور ہوا کہ ان کے پاس گواہ تو نہ تھے، لیکن وہ ضبط نہ کر سکے اور اظہار کر بیٹھے، مثلاً ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ قصہ آیا تو حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور بضرور میرے بارے میں حکم نازل فرمائیں گے، میں حد قذف سے بچ جاؤں گا اور پھر یہی ہوا کہ بیوی کے سلسلے میں لعان کا حکم نازل ہو گیا لہذا شوہر اگر بیوی پر تہمت لگائے [اور اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو] لعان کی قسموں کو گواہ کے قائمقام بنا دیا گیا۔

"عن ابن عباس رضي الله عنهما أن هلال بن أمية قذف امرأته عند رسول الله صلى الله عليه وسلم بشريك بن سحماء فقال النبي صلى الله عليه وسلم: البينة أو حد في ظهرك قال يا رسول الله إذا رأى أحدنا رجلا على امرأته يلتمس البينة فجعل النبي صلى الله عليه وسلم يقول: البينة وإلا فحد في ظهرك فقال هلال والذي بعثك بالحق نبيا إني لصادق ولينزلن الله في أمري ما يبرء ظهري من الحد فنزلت (والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء إلا

أنفسهم) فقرأ حتى بلغ (من الصادقين) فانصرف النبي صلى الله عليه وسلم فأرسل إليهما فجاءا فقام هلال بن أمية فشهد والنبي صلى الله عليه وسلم يقول: الله يعلم أن أحدكما كاذب فهل منكما من تائب ثم قامت فشهدت فلما كان عند الخامسة أن غضب الله عليها إن كان من الصادقين وقالوا لها إنها موجبة قال ابن عباس رضي الله عنهما فتلكأت ونكصت حتى ظننا أنها سترجع فقالت لا أفضح قومي سائر اليوم فمضت فقال النبي -صلى الله عليه وسلم- أبصروها فإن جاءت به أكحل العينين سابغ الاليتين خدلج الساقين فهو لشريك بن سحماء فجاءت به كذلك فقال النبي صلى الله عليه وسلم لولا ما مضى من كتاب الله لكان لي ولها شأن" (ابو داود ۱/۳۲۵)

"عن علقمة عن عبد الله رضی اللہ عنہ قال إنا ليلة الجمعة في المسجد إذ جاء رجل من الأنصار فقال لو أن رجلا وجد مع امرأته رجلا فتكلم جلدتموه أو قتل قتلتموه وإن سكت سكت على غيظ والله لأسألن عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما كان من الغد أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأله فقال لو أن رجلا وجد مع امرأته رجلا فتكلم جلدتموه أو قتل قتلتموه أو سكت سكت على غيظ فقال اللهم افتح وجعل يدعو فنزلت آية اللعان : والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء إلا أنفسهم هذه الآيات فابتلي به ذلك الرجل من بين الناس فجاء هو وامرأته إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فتلاعنا" (مسلم ۱/۴۹۰)

"وفيه فقال أناس لسعد بن عبادة يا أبا ثابت قد نزلت الحدود أرأيت لو وجدت مع امرأتك رجلا كيف كنت صانعا قال كنت ضاربه بالسيف حتى يسكنا فانا أذهب وأجمع أربعة فإلى ذلك قد قضى الخائب حاجته فانطلق وأقول رأيت فلانا فيجلدوني ولا يقبلون لي شهادة أبدا"

(فتح الباری ۱۲/۱۳۶)

مذکورہ بالاحوالجات اور کتب تفسیر وحدیث وغیرہ میں بکھرے واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اولاً بیوی اور غیر بیوی دونوں میں چار گواہ یا حد قذف کا حکم تھا، پھر بعد میں بیوی سے متعلق یہ حکم لعان سے بدل گیا، دونوں پانچ پانچ قسمیں کھائیں گے اور تفریق ہو جائیگی۔

دوسری بات یہ ملحوظ رہے کہ اس باب میں جمہور فقہاء کا مذہب یہی معلوم ہوتا ہے کہ زانی کو قتل کرنا بہر صورت ناجائز ہے۔ گواہ پیش کرے، ورنہ غیر بیوی میں حد قذف اور بیوی میں لعان ثابت ہوگا نیز لعان کے حکم کے نزول سے قبل بھی قتل کی گنجائش نہ تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قتل سے منع فرمایا تھا لہٰذا قتل کی گنجائش نہیں اور اگر قتل کر دیا تو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

"وقد اختلف العلماء فيمن وجد مع امرأته رجلا فتحقق الأمر فقتله هل يقتل به فمنع

الجمهور الإقدام وقالوا يقتص منه....."(فتح الباری ۳۷۰/۱)

" ومنهم من منع ذلك مطلقا فقال المهلب الحديث دال على وجوب القود فيمن قتل رجلا وجده مع امرأته لأن الله عز وجل وإن كان أغير من عبادة فإنه أوجب الشهود فی الحدود فلا يجوز لأحد أن يتعدى حدود الله ولا يسقط دما بدعوی "(عمدة القاری ۲۱/۲۴)

قتل کی اجازت دینے میں بہت سے مفاسد بھی ہیں کہ ہر آدمی دوسرے کو قتل کر کے یہی کہے گا کہ میں نے اسے زنا کرتے دیکھا ہے اور غیرت کی تاب نہ لا کر قتل کر دیا، جبکہ ایک انسان کا ناحق قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ اس پردے میں لوگ ذاتی چپقلشیں نکالتے لہٰذا بیوی کے حق میں لعان کے حکم کا نزول ہی اس پر دال ہے کہ قتل تو بہر صورت جائز نہیں، البتہ بیوی کی صورت میں حدِ قذف کے بجائے لعان کا حکم جاری ہوگا، تاکہ شوہر کے لئے بھی خاموشی میں حرج نہ ہو اور بیوی یا زانی کا قتل کر کے حد سے تجاوز بھی نہ ہو، اعتدال برقرار رہے، یہی جمہور کا مذہب معلوم ہوتا ہے۔

تیسری اہم بات یہ ذہن نشین رہے کہ قتلِ زانی سے متعلق قتل کے جواز کا قول حنفیہ سے ظاہر الروایۃ میں منقول نہیں بلکہ اس سلسلہ میں کچھ تفصیل ہے جسے ذکر کرنا ضروری ہے۔ یہ قول ھندوانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ھندوانی رحمۃ اللہ علیہ بھی مطلقاً قتل کے قائل نہیں بلکہ ان کے نزدیک بھی اگر چیخنے یا مارنے سے وہ باز آجائے تو قتل کی گنجائش نہیں ورنہ قتل کر سکتا ہے نیز عورت بھی اگر زنا پر راضی ہو تو اُسے بھی ان کے نزدیک قتل کر سکتا ہے۔ ھندوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" قال فی التبيين وسئل الهندوانی عن رجل وجد رجلا مع امرأة أيحل له قتله قال إن كان يعلم أنه ينزجر بالصياح والضرب بما دون السلاح لا وإن كان يعلم أنه لا ينزجر إلا بالقتل حل له القتل وإن طاوعته المرأة حل له قتلها أيضا وفی المنية رأی رجلا مع امرأته وهو يزنی بها أو مع محرمه وهما مطاوعتان قتل الرجل والمرأة جميعا" (البحر الرائق ۶۹/۵)

ھندوانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد فقہاء احناف کی اکثریت نے اسی قول کو لیا ہے یعنی اگر وہ مرد چیخنے یا مارنے سے باز آجائے تو صحیح ورنہ قتل کیا جا سکتا ہے۔ ھندوانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مزید وضاحت سے قبل عمدۃ القاری کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

"قال (سعد بن عبادة) لو رأيت رجلا مع امرأتی لضربته بالسيف غير مصفح فبلغ ذلك النبی فقال أتعجبون من غيرة سعد لأنا أغير منه والله أغير منی.

مطابقته للترجمة من حيث إن الذی يفهم من كلام سعد بن عبادة رضی الله تعالى عنه أن هذا الأمر لو وقع له لقتل الرجل ولهذا لما بلغ النبی لم ينهه عن ذلك حتى قال الداودی (قوله صلى الله تعالى عليه وسلم أتعجبون من غيرة سعد) يدل على أنه حمد ذلك وأجازه له فيما بينه وبين الله والغيرة من أحمد الأشياء ومن لم تكن فيه فليس على خلق محمود وبالغ أصحابنا فی

هذا حيث قالوا رجل وجد مع امرأته أو جاريته رجلا يريد أن يغلبها ويزنى بها له أن يقتله فإن رآه مع امرأته أو مع محرم له (قوله غير مصفح) بضم الميم وفتح الصاد المهملة وفتح الفاء و كسرها أى ضربته بحد السيف للإهلاك لا بصفحه وهو عرضه للإرهاب (قوله من غيرة سعد) بفتح الغين المعجمة المنع أى منع من التعلق بأجنبى بنظر وغيره وغيرة الله تعالى منعه عن المعاصى" (عمدة القارى ۲۱/۲۴)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قتل کا حکم دیانت کا ہے یعنی اگر چیخنے اور مارنے سے مسئلہ حل نہ ہو تو دیانۃً زانی کو قتل کیا جا سکتا ہے، [وأجازه له فيما بينه وبين الله] نیز دیانۃً قتل میں یہ قید بھی ہے کہ وہ شخص محصن ہو، جیسا کہ خانیہ میں ہے:

"رجلا يزنى بامرأته أو بامرأة رجل آخر و هو محصن فصاح به فلم يهرب و لم يمتنع عن الزنا حل لهذا الرجل قتله فإن قتله لا قصاص عليه" (الخانية على هامش الهندية ۴۴۱/۳)

نیز دیگر کتب میں بھی محصن کی قید ملحوظ ہے۔ محصن شخص چونکہ مباح الدم ہوتا ہے، لہذا اسے زنا کرتا دیکھے تو قتل کر سکتا ہے، غیر محصن کو نہیں۔

خلاصہ کلام

خلاصہ یہ نکلا کہ قضاء بہر صورت چار گواہ ضروری ہیں، ورنہ لعان ہوگا، اگر قتل کر دیا تو قصاصاً قاتل کو قتل کیا جائے گا، البتہ دیانت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر زانی محصن ہے اور اس کے روکنے کے باوجود نہیں رکتا تو قتل کر دے، لیکن اگر زانی محصن نہیں تو دیانۃً بھی قتل جائز نہیں بلکہ چار گواہ کا انتظام کرنا ہوگا۔ آیات قرآنیہ، احادیث مبارکہ، شروح حدیث اور فقہی نصوص کی روشنی میں مسئلہ ھذا کا یہی جواب منقح ہوتا ہے۔ نیز ھندوانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی زجر کے باوجود باز نہ آنے کی صورت میں دیانۃً "محصن" کے قتل کا جواز بیان فرمایا تھا۔

لما فی فتح الباری(۱۴۶/۱۲): (قوله باب من رأى مع امرأته رجلا فقتله): كذا أطلق ولم يبين الحكم وقد اختلف فيه فقال الجمهور عليه القود وقال أحمد وإسحاق إن أقام بينة أنه وجده مع امرأته هدر دمه وقال الشافعي يسعه فيما بينه وبين الله قتل الرجل إن كان ثيبا وعلم أنه نال منها ما يوجب الغسل ولكن لا يسقط عنه القود في ظاهر الحكم وقد أخرج عبد الرزاق بسند صحيح إلى هانئ بن حزام أن رجلا وجد مع امرأته رجلا فقتلهما فكتب عمر كتابا في العلانية أن يقيدوه به وكتابا في السر أن يعطوه الدية وقال ابن المنذر جاءت الأخبار عن عمر رضي الله عنه في ذلك مختلفة وعامة أسانيدها منقطعة وقد ثبت عن علي رضي الله عنه أنه سئل عن رجل قتل رجلا وجده مع امرأته فقال إن لم يأت بأربعة شهداء وإلا فليعط برمته قال الشافعي وبهذا نأخذ ولا نعلم

لعلي رضي الله عنه مخالفا في ذلك۔

وفی تکملة فتح الملهم(۱/۲۵۳):ويظهر منه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أيد سعدا فی مبدأ الأمر .ثم قال لا أفتی بذلك لأنی لو أفتيت بذلك تتبع الناس فی القتل واعتذروا بأنهم رأوا المقتول على فاحشة ۔۔۔ فقوله الأول حكم الديانة وقوله الثانی حكم القضاء۔

وفی الخانية على هامش الهندية(۳/۴۴۱):رجلا يزني بامرأته أو بامرأة رجل آخر و هو محصن فصاح به فلم يهرب ولم يمتنع عن الزناحل لهذا الرجل قتله فإن قتله لا قصاص عليه وكذلك رجل رأى رجلا يسرق ماله فصاح به فلم يهرب أو رأى رجلا ينقب حائطه أو حائط غيره و هو معروف بالسرقة فصاح به و لم يهرب حل له قتله و لا قصاص عليه وكذلك الرجل يقتل قاطع الطريق حل قتله و لا قصاص عليه۔

وفی الدر المختار(۴/۶۲): (ويكون) التعزير (بالقتل كمن) وجد رجلامع امرأة لا تحل له ولو أكرهها فلها قتله ودمه هدر وكذا الغلام، وهبانية (إن كان يعلم أنه لا ينزجر بصياح وضرب بما دون السلاح وإلا) بأن علم أنه ينزجر بما ذكر (لا) يكون بالقتل (وإن كانت المرأة مطاوعة قتلهما) كذا عزاه الزيلعي للهندواني ثم قال (و) في منية المفتي (لو كان مع امرأته وهو يزني بها أو مع محرمه وهما مطاوعان قتلهما جميعا) اھ.وأقره في الدرر وقال في البحر۔۔۔ وفي المجتبى الأصل أن كل شخص رأى مسلما يزني يحل له أن يقتله وإنما يمتنع خوفا من أن لا يصدق أنه زنى (وعلى هذا) القياس (المكابر بالظلم وقطاع الطريق وصاحب المكس وجميع الظلمة بأدنى شيء له قيمة) وجميع الكبائر والأعونة والسعاة يباح قتل الكل ويثاب قاتلهم انتهى وأفتى الناصحي بوجوب قتل كل مؤذوفي شرح الوهبانية ويكون بالنفي عن البلد وبالهجوم على بيت المفسدين وبالإخراج من الدار وبهدمها۔

وفی الشامية تحته(۴/۶۳): قلت وقد ظهر لي في التوفيق وجه آخر وهو أن الشرط المذكور إنما هو فيما إذا وجد رجلا مع امرأة لا تحل له قبل أن يزني بها فهذا لا يحل قتله إذا علم أنه ينزجر بغير القتل سواء كانت أجنبية عن الواجد أو زوجة له أو محرما منه أما إذا وجده يزني بها فله قتله مطلقا ولقد قيد في المنية بقوله وهو يزني وأطلق قوله قتلهما جميعا وعليه فقول الخانية الذي قدمناه آنفا فصاح به غير قيد ويدل عليه أيضا عبارة المجتبى الآتية ثم رأيت في جنايات الحاوي الزاهدي ما يؤيده أيضا حيث قال رجل رأى رجلا مع امرأة يزني بها أو يقبلها أو يضمها إلى نفسه

وهي مطاوعة فقتله أو قتلهما لا ضمان عليه ولا يحرم من ميراثها إن أثبته بالبينة أو بالإقرار ولو رأى رجلا مع امرأة في مفازة خالية أو رآه مع محارمه هكذا ولم ير منه الزنا ودواعيه قال بعض المشايخ حل قتلهما وقال بعضهم لا يحل حتى يرى منه العمل أي الزنا ودواعيه ومثله في خزانة الفتاوى اهـ . قوله (وفي المجتبى الخ) عزاه بعضهم أيضا إلى جامع الفتاوى وحدود البزازية وحاصله أنه لا يحل ديانة و لا قضاء فلا يصدقه القاضي إلا ببينة والظاهر أنه يأتي هنا التفصيل المذكور في السرقة وهو ما في البزازية وغيرها إن لم يكن لصاحب الدار بينة فإن لم يكن المقتول معروفا بالشر والسرقة قتل صاحب الدار قصاصا وإن كان متهما به فكذلك قياسا وفي الاستحسان تجب الدية في ماله لورثة المقتول لأن دلالة الحال أورثت شبهة في القصاص لا في المال .

باب الإیلاء

(ایلاء کا بیان)

(۴۲۶) ایلاء کی تعریف اور حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایلاء کیا ہے اس کا شرعی حکم اور مشروعیت کب ہوئی ہے؟ از راہ کرم تفصیل فرمادیں نیز اس کے کفارے کی تفصیلات بھی بتادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......ایلاء کا لغوی معنیٰ ''قسم کھانا'' ہے اور شریعت میں اس کی تعریف یہ ہے کہ شوہر اللہ تعالیٰ کا نام یا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کا ذکر کرکے قسم کھائے کہ وہ اپنی بیوی سے چار مہینے یا اس سے زیادہ عرصے تک جماع نہیں کرے گا یا یہ کہے کہ اگر میں نے اس عرصے میں اپنی بیوی سے جماع کیا تو مجھ پر حج یا روزہ یا صدقہ لازم ہے یا میری بیوی کو طلاق ہے۔

ایلاء کا حکم:......اگر اس نے چار مہینے میں اپنی بیوی سے رجوع نہیں کیا، نہ بالفعل [یعنی جماع کرکے] اور نہ بالقول [یعنی صرف زبان سے کہدے کہ میں نے رجوع کیا] اس صورت میں اگر مرد عورت سے جماع نہ کرسکتا ہو خود بیمار ہونے کی وجہ سے یا بیوی کے بیمار ہونے کی وجہ سے یا دونوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ وہ اس عرصے میں پہنچ نہ سکتا ہو تو بیوی کو ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔

اور اگر شوہر نے اس عرصہ میں رجوع کرلیا بالفعل یا بالقول تو وہ حانث (قسم کو پورا نہ کرنے والا) ہوجائے گا اب اگر اس نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کا ذکر کرکے قسم کھائی تھی تو اس کے ذمے قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو ایک دن میں دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلادے یا دس مسکینوں کو کپڑے دیدے یا ایک غلام آزاد کردے لیکن آج کل غلام نہیں ہیں اس لئے پہلے دو میں سے کسی ایک پر عمل کرے اور اگر ان دونوں پر قدرت نہ ہو تو پے در پے تین روزے رکھے اور اگر اپنی بیوی سے جماع کرنے کی صورت میں کسی کام کی نذر مانی ہو تو وہ لازم ہوگا جیسے حج کرنا یا روزے رکھنا یا صدقہ کرنا وغیرہ۔

ایلاء کرنے کا حکم:......جمہور کے نزدیک یہ عمل بیوی کو تکلیف دینے کی وجہ سے حرام ہے اور اس لئے بھی کہ یہ واجب عمل کے چھوڑنے کی قسم کھانا ہے (جو کہ حرام ہے) اور احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔

حکمت:......ایلاء زمانہ جاہلیت میں ظہار کی طرح طلاق شمار ہوتا تھا لیکن عرب کے لوگ ایلاء اپنی بیوی کو ضرر پہنچانے کی نیت سے کرتے تھے وہ اس طرح سے کہ ان میں سے کوئی مرد اپنی بیوی سے ایک سال یا اس سے زیادہ عرصے تک جماع نہ کرنے کی قسم کھالیتا

تھا اور جب اس مدت کے ختم ہونے کا وقت آتا تو پھر وہ اپنی قسم کو دھراتا اور اس طرح ساری زندگی گزر جاتی نہ تو وہ اپنی بیوی کو بیوی رکھنے کیلئے تیار ہوتا تھا اور نہ اس کو طلاق دیتا تاکہ کوئی دوسرا اس سے نکاح کرے تو شریعت نے ایلاء کے ذریعے سے طلاق ہونے کو تو برقرار رکھا لیکن اس میں وقت مقرر کر دیا کہ اگر کوئی چار مہینے یا اس سے زیادہ عرصہ تک اپنی بیوی سے جماع نہ کرنے کی قسم کھالے پھر اگر اس عرصے میں رجوع نہ کرے تو اس کی بیوی کو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اس طرح شریعت نے اس غلط رسم و رواج کو ختم کر دیا جس میں عورت پر ظلم کیا جاتا تھا۔

لما فی القرآن الکریم (البقرۃ: ۲۲۶): لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۲۲۶) وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۲۲۷)

وفی التفسیر المنیر (۳۱۲/۲) سورة البقرة، مکتبه دارالفکر: لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ... قال ابن عباس رضی الله عنهما: كان إيلاء أهل الجاهلية السّنة والسّنتين وأكثر من ذلك. فوقّت الله أربعة أشهر، فمن كان إيلاؤه أقل من أربعة أشهر فليس بإيلاء. وقال سعيد بن المسيب: كان الإيلاء ضرار أهل الجاهلية، كان الرجل لا يريد المرأة ولا يحبّ أن يتزوجها غيره، فيحلف أن لا يقربها أبدا، وكان يتركها كذلك، لا أيّما ولا ذات بعل، فجعل الله تعالى الأجل الذي يعلم به ما عند الرجل في المرأة أربعة أشهر، وأنزل الله تعالى: لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسائِهِمْ الآية۔

وفی الهندية (۴۷۶/۱): الباب السابع في الإيلاء: الإيلاء منع النفس عن قربان المنكوحة منعا مؤكدا باليمين بالله أو غيره من طلاق أو عتاق أو صوم أو حج أو نحو ذلك مطلقا أو مؤقتا بأربعة أشهر في الحرائر وشهرين في الإماء من غير أن يتخللها وقت يمكنه قربانها فيه من غير حنث كذا في فتاوى قاضي خان فإن قربها في المدة حنث وتجب الكفارة في الحلف بالله سواء كان الحلف بذاته أو بصفة من صفاته يحلف بها عرفا وفي غيره الجزاء ويسقط الإيلاء بعد القربان. وإن لم يقربها في المدة بانت بواحدة كذا في البرجندي شرح النقاية۔

(۴۲۷) بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم سے ایلاء کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے یہ قسم کھائی کہ "خدا کی قسم میں اپنی بیوی کے قریب نہیں آؤں گا" کیا اس طرح قسم کھانے سے ایلاء ثابت ہوگا اور کتنا عرصہ اپنی بیوی کے قریب نہیں گیا تو ایلاء ثابت ہوگا؟ مدت ایلاء کے بعد عورت کا نکاح باقی رہتا ہے یا خود بخود ختم ہوتا ہے؟ مذکورہ تمام امور کا جواب قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں عنایت فرما کر

ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اس شخص کے اس طرح قسم کھانے سے ایلاء ثابت ہوجائے گا اور ایلاء کی مدت چونکہ چار مہینے ہے اس لئے اگر یہ شخص چار مہینے تک بیوی کے قریب نہ گیا تو اس کی بیوی پر خود بخود ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی اوران کا نکاح ختم ہوجائے گا۔

لمافی جامع الترمذی، (ص۲۲۲):وقال بعض أهل العلم من أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم وغیرهم إذا مضت أربعة أشهر فهی تطلیقة بائنة. وهو قول سفیان الثوری وأهل الکوفة.

وفی الشامیة (۴۲۵/۳):قوله (لا أقربك) أي بلا بیان مدة أشار إلی أنه کالمؤقت بمدة الإیلاء لأن الإطلاق کالتأبید۔

(۴۲۸)ایلاء کیلئے چار ماہ قریب نہ جانا ضروری ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی سے ایک مرتبہ سفر کے دوران کہا کہ میں تیرے ساتھ جماع نہیں کروں گا، اگر تو چاہے۔آیا زید اس جملہ سے قسم کھانے والا شمار ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی قسم اس کی بیوی کی چاہت پر موقوف ہوگی یا اس کا کلام لغو ہوگا؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......شرعاً مُولی (ایلاء کرنے والا) وہ ہوتا ہے جو کم از کم چار ماہ اپنی بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھائے یا مطلقاً قسم کھا کر چار ماہ تک بیوی کے قریب نہ جائے یا جانے پر اپنے اوپر کوئی مشقت کی چیز (مثلاً حج یا روزہ یا طلاق وغیرہ) لازم کرے اس صورت میں وہ مولی (ایلاء کرنے والا) ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ امور نہ پائے جانے کی وجہ سے وہ شرعاً ایلاء کی قسم کھانے والا شمار نہیں ہوگا اور اس کا کلام لغو ہوجائے گا، نیز ایلاء میں اصل قریب نہ جانا ہے البتہ اگر چلا گیا تو کفارہ دینا ہوگا۔

لما فی الهندیة(۴۷۶/۱):الباب السابع في الإیلاء:الإیلاء منع النفس عن قربان المنکوحة منعا مؤکدا بالیمین بالله أو غیره من طلاق أو عتاق أو صوم أو حج أو نحو ذلك مطلقا أو مؤقتا بأربعة أشهر في الحرائر وشهر في الإماء من غیر أن یتخللها وقت یمکنه قربانها فیه من غیر حنث کذا في فتاوی قاضي خان۔

وفی الدرالمختار(۴۲۲/۳) باب الایلاء:شرعا (الحلف علی ترك قربانها) مدته ولو ذمیا (والمولی هو الذي لا یمکنه قربان امرأته إلا بشيء) مشق (یلزمه)إلا لمانع کفر ورکنه الحلف۔

وفی الشامیة(۴۲۲/۳): باب الایلاء:قوله (وشرعا الحلف الخ) ---وفي الشرع هو الیمین علی ترك قربان الزوجة أربعة أشهر فصاعدا بالله تعالی أو بتعلیق ما یستشقه علی القربان۔

(۴۲۹) قسم اٹھا کر عرصہ دراز تک بیوی کے قریب نہ جانا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے یہ کہے کہ "خدا کی قسم تو نے میری والدہ کو راضی نہ کیا تو میں تیرے قریب نہیں آؤں گا" مذکورہ حالت میں کئی مہینے گزر جائیں مرد عورت کے قریب نہ جائے اور عورت اس کی والدہ کو راضی نہ کرے تو نکاح میں کچھ فرق پڑے گا یا نہیں؟ شرعاً اس قسم کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے حکم بیان کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں اگر مذکورہ شخص چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصہ اپنی بیوی کے قریب نہ جائے (یعنی ازدواجی تعلقات قائم نہ کرے) تو اس صورت میں اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور پھر ازدواجی تعلقات قائم کرنے کے لئے تجدید نکاح ضروری ہوگا، البتہ اگر چار ماہ پورے نہ ہوئے ہوں تب نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑا لیکن اس صورت میں بھی اگر اس کی بیوی والدہ کو راضی نہ کرے تو طلاق سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ چار ماہ سے پہلے پہلے مذکورہ شخص اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات قائم کرلے اور پھر اپنی قسم کا کفارہ دے۔ اگر ازدواجی تعلقات قائم نہ کئے اور قسم کو چار ماہ گزر گئے تو طلاقِ بائنہ واقع ہوجائے گی۔

لمافی الشامية (۴۲۵/۳) :قوله (لا أقربك) أي بلا بيان مدة أشار إلى أنه كالمؤقت بمدة الإيلاء لأن الإطلاق كالتأبيد ومثله لو جعل له غاية لا يرجى وجودها في مدة الإيلاء ۔۔۔ وكذا إن كان يرجى وجودها في مدته لكن لا يتصور بقاء النكاح معه كحتى تموتي أو أموت ۔۔۔ وإن تصور بقاؤه كحتى أشتريك لا يكون موليا ۔۔۔ حتى لو قال لنفسي وأقبضك كان موليا فيصير تقديره لا أقربك ما دمت في نكاحي ولو قال حتى أعتق عبدي أو أطلق زوجتي فهو إيلاء عندهما خلافا لأبي يوسف۔

(۴۳۰) ذمی کے ایلاء کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک ذمی کافر (جو دارالاسلام میں معاہدے کے تحت رہ رہا ہو) اپنی بیوی سے ایلاء کرتا ہے اس طرح کہ "اگر میں نے تیرے ساتھ جماع کیا تو میری دوسری بیوی کو طلاق" ۔آیا ذمی کافر مولی ایلاء قسم کھانے والا شمار ہوگا یا نہیں اور قسم توڑنے پر آیا اس کا کچھ تدارک اس پر لازم ہوگا یا نہیں؟ براہ کرم مفصل جواب عنایت کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... اگر کوئی ذمی کافر اپنی بیوی سے ایلاء کرتے ہوئے اس طرح کہے کہ "اگر میں نے تیرے ساتھ جماع کیا تو میری دوسری بیوی کو طلاق" تو وہ شخص مولی (ایلاء کرنے والا) شمار ہوگا اور اگر اس شخص نے مدت کے اندر اندر رجوع کرلیا تو وہ حانث ہوجائے گا اور اس کی دوسری بیوی کو طلاق ہوجائے گی اور اگر مدت کے اندر رجوع نہ کیا اور چار مہینے گزر گئے تو اس بیوی کو طلاق

واقع ہوجائے گی۔

لمافی الهندية(۴۷۶/۱): ولو آلى الذمي باسم من أسماء الله أو بصفة من صفات ذاته فهو مول عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعندهما ليس بمول وأما إذا حلف بطلاق أو عتاق فهو مول إجماعا وإن حلف بحج أو عمرة أو صوم أو صدقة فليس بمول إجماعا ـــ ثم إذا صح إيلاء الذمي فهو في أحكامه كالمسلم إلا أنه إذا وطئ واليمين بالله لم تلزمه كفارة كذا في السراج الوهاج۔

وفي الدر المختار(۴۲۳/۳)باب الايلاء: (فصح إيلاء الذمي) بغير ما هو قربة وفائدته وقوع الطلاق۔

وفي الرد تحته: قوله (فصح إيلاء الذمي) أي عنده لا عندهما لكن كل من القولين ليس على إطلاقه لأن إيلاءه بما هو قربة محضة كالحج لا يصح اتفاقا وبما لا يلزم كونه قربة كالعتق يصح اتفاقا وبما فيه كفارة كوالله لا أقربك يصح عنده لا عندهما كما في البحر وغيره قوله (بغير ما هو قربة) أي محضة احترز به عن نحو الحج والصوم كما علمت قوله (وفائدته الخ) أي أن تصحيح إيلاء الذمي وإن لم تلزمه الكفارة بالحنث له فائدة وهي وقوع الطلاق بترك قربانها في المدة۔

(۴۳۱) ذمی کے ایلاء سے متعلق سادات حنفیہ کا مذہب اور بعض تفصیلات کا بیان

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ذمی اگر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر ایلاء کرتا ہے تو اس میں امام صاحب اور صاحبین رحمهم الله کا اختلاف ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ انعقاد ایلاء کے قائل ہیں۔ مفتی صاحب اس میں مفتیٰ بہ کون سا قول ہے؟ نیز امام صاحب کے ہاں ایلاء کیوں منعقد ہو رہا ہے، جبکہ یمین باللہ تو قربت محض ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......ذمی کے ایلاء کے متعلق احناف کے نزدیک تین صورتیں ہیں۔ دو صورتیں اتفاقی، جبکہ ایک صورت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمهم الله کا اختلاف ہے۔

(۱) ذمی اگر طلاق اور عتاق کے ساتھ ایلاء کرتا ہے تو اس صورت میں بالاتفاق احناف کثر اللہ سوادھم کے نزدیک اس کا ایلاء منعقد ہوجائیگا، کیونکہ ذمی طلاق اور عتاق دونوں کا اہل ہے۔

(۲) اگر ذمی عبادات مثلاً حج، روزہ اور صدقہ کے ساتھ قسم کھا کر ایلاء کرتا ہے تو اس صورت میں بالاتفاق اس کا ایلاء منعقد نہیں ہوگا، کیونکہ ذمی عبادات کا اہل نہیں ہے۔

(۳) تیسری صورت وہ ہے جس کے متعلق استفتاء کیا گیا ہے (یعنی ذمی اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر ایلاء کرتا ہے) تو اس صورت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمہما اللہ علیہما کا اختلاف ہے حضرات صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک اس صورت میں ذمی کا ایلاء منعقد نہیں ہوگا جبکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں ذمی کا ایلاء منعقد ہوجائیگا اور ایلاء کی مدت پوری ہونے کی صورت میں بیوی ایک طلاق

بائن کے ساتھ جدا ہوجائیگی۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ایک تو وہ نصوص ہیں کہ جن میں کفار کے أیمان [قسموں] کا اللہ تعالی نے اعتبار کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا یہ قول ہے:

" وَإِن نَّكَثُوٓاْ أَيۡمَٰنَهُم مِّنۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُواْ فِي دِينِكُمۡ فَقَٰتِلُوٓاْ أَئِمَّةَ ٱلۡكُفۡرِ إِنَّهُمۡ لَآ أَيۡمَٰنَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنتَهُونَ(۱۲) أَلَا تُقَٰتِلُونَ قَوۡمٗا نَّكَثُوٓاْ أَيۡمَٰنَهُمۡ وَهَمُّواْ بِإِخۡرَاجِ ٱلرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمۡ أَوَّلَ مَرَّةٍۚ أَتَخۡشَوۡنَهُمۡۚ فَٱللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخۡشَوۡهُ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ(۱۳)" (التوبة:۱۲-۱۳)

دوسری دلیل قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالی نے ایلاء کا ذکر کیا ہے اس کو مطلق رکھا ہے۔

"لِّلَّذِينَ يُؤۡلُونَ مِن نِّسَآئِهِمۡ تَرَبُّصُ أَرۡبَعَةِ أَشۡهُرٖۖ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٞ رَّحِيمٞ "

اس میں مسلمان یا کافر کی کوئی قید نہیں ہے، لہذا مسلمان کے ایلاء کی طرح ذمی کا ایلاء بھی معتبر ہوگا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ ایلاء باللہ کا معنی ہے اللہ تعالی کے نام کی تعظیم اور حرمت کی وجہ سے بیوی سے قربت کو ترک کرنا اور ذمی اللہ تعالی کی تعظیم اور اللہ تعالی کے نام کی حرمت کا معتقد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خصومات میں مسلمان کی طرح ذمی سے بھی حلف لیا جاتا ہے اور ذمی اگر اللہ تعالی کا نام لے کر ذبح کرتا ہے تو اس کو حلال قرار دیا جاتا ہے۔

تاہم ان دو اقوال میں سے مفتی بہ قول کے متعلق تلاش بسیار اور تتبع کے باوجود کوئی تصریح نہیں ملی البتہ فتوی کے اصول کے مطابق مقلد غیر مجتہد، امام صاحب اور صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے اختلاف کی صورت میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی دینے کا پابند ہوتا ہے، الا یہ کہ صاحبین رحمھم اللہ کے قول کے راجح ہونے پر فقہاء کرام کی کوئی تصریح مل جائے لہذا ہمارا رجحان بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف ہے۔

جہاں تک آپ کے اعتراض کا تعلق ہے تو وہ درست نہیں کیونکہ قسم کھانے میں کوئی تقرب نہیں ہے البتہ حنث کی صورت میں لازم ہونے والے کفارہ میں اگر چہ تقرب کا معنی پایا جاتا ہے، لیکن امام صاحب اس کے قائل نہیں ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایلاء کے دو حکم ہیں:

(۱) حنث کی صورت میں کفارہ۔

(۲) برّ کی صورت میں طلاق۔

ذمی کفارہ کا اہل نہیں ہے، لہذا حنث کی صورت میں اس پر کفارہ نہیں آئے گا اور طلاق کا اہل ہے تو برّ (یعنی چار مہینے کے اندر قربت نہ کرنے) کی صورت میں بیوی اس سے ایک طلاق بائن کے ساتھ جدا ہوجائیگی۔

لمافی الھندیۃ(۱/۴۷۶): الباب السابع فی الایلاء: ولو آلی الذمي باسم من أسماء الله أو بصفة من صفات ذاته فهو مول عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وعندهما ليس بمول وأما إذا حلف بطلاق أو

عتاق فهو مولٍ إجماعا وإن حلف بحج أو عمرة أو صوم أو صدقة فليس بمولٍ إجماعا وكذا إذا قال إن قربتك فأنت علي كظهر أمي لم يكن موليا ثم إذا صح إيلاء الذمي فهو في أحكامه كالمسلم إلا أنه إذا وطئ واليمين بالله لم تلزمه كفارة كذا في السراج الوهاج۔

وفی الدر المختار (۴۲۳/۳) باب الایلاء: (وأهلية الزوج للطلاق) وعندهما للكفارة (فصح إيلاء الذمي) بغير ما هو قربة، وفائدته وقوع الطلاق۔

وفی الردالمحتار: قوله (فصح إيلاء الذمي) أي عنده لا عندهما لكن كل من القولين ليس على اطلاقه لأن إيلاءه بما هو قربة محضة۔ الخ۔

(۴۳۲) ایلاء سے رجوع بالقول وغیرہ کیلئے عورت کی رضامندی کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی اب عدت ایلاء سے پہلے رجوع کرنا چاہتا ہے مگر اس کی بیوی اس سے انکار کر رہی ہے اس صورت میں خاوند عملی طور پر رجوع کرنے سے بھی قاصر ہے؟ تو پھر مرد کیا کرے؟ کیا شرعاً اس میں عورت کی رضا ضروری ہے؟ کیا مرد کیلئے رجوع بالقول کافی ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس چار یا اس سے زیادہ ماہ قریب نہ جانے کی قسم کھالے پھر ان اعذار میں سے جو فقہائے کرام رحمہم اللہ نے بیان کئے ہیں (مثلاً بیوی سخت بیمار ہوجائے یا اس کا پتہ معلوم نہ چلے یا وہ اپنے اوپر قدرت نہ دے وغیرہ) کسی عذر کی وجہ سے بیوی کے قریب جانے سے عاجز ہوجائے اور یہ عجز مدت ایلاء کے اوّل سے آخر تک ہو تو اس کیلئے مدت ایلاء کے اندر اندر رجوع بالقول جائز ہے ورنہ عملاً رجوع متعین ہوگا۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر بیوی کا انکار مدتِ ایلاء کے اول سے آخر تک ہو تو اس شخص کیلئے رجوع بالقول کافی ہے اور شوہر کے رجوع کیلئے بیوی کی رضامندی شرط نہیں ہے البتہ اگر بیوی کا انکار اول سے آخر تک نہ ہو تو رجوع بالقول کافی نہیں ہے بلکہ عملی طور پر رجوع ضروری ہے۔

لمافی الهندية، باب ايلاء (۴۸۵/۱): ولو عجز عن جماعها لرتقها أو قرنها أو صغرها أو بالجب أو العنة أو كان أسيرا في دار الحرب أو لكونها ممتنعة أو كانت في مكان لا يعرفها وهي ناشزة --- ففيؤه باللسان بأن يقول فئت إليها أو رجعت --- بشرط دوام العجز إلى تمام المدة۔

وفی الشامية (۴۳۲/۳): قوله (ونشوزها) قال في البحر ودخل تحت العجز أن تكون ممتنعة منه أو كانت في مكان لا يعرفه وهي ناشزة --- قوله (ففيؤه الخ) أي المبطل للإيلاء في حق الطلاق أما في حق بقاء اليمين باعتبار الحنث فلا حتى لو وطئها بعد الفيء باللسان في مدة

الإيلاء لزمه كفارة لتحقق الحنث ۔۔۔ قوله (بلسانه) قيد به لأن المريض لو فاء بقلبه لا بلسانه لا يعتبر۔

(۴۳۳) "اگر قریب آؤں تو میرا نام ہاشم نہیں" کہنے سے ایلاء کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ۲۴ نومبر کی رات میرے شوہر نے کہا کہ میری بات غور سے سنو یہ ٹھیک نہیں ہے،'' آج کے بعد میں تمہارے قریب بھی آؤں تو میرا نام ہاشم نہیں''۔ ۲۵ نومبر کی رات دوران لڑائی اس نے پھر کہا کہ گزشتہ رات میں تم سے وہ تعلق ختم کر چکا ہوں اور اب بھی تم میرے نکاح میں ہو لیکن وہ تعلق میں اب نہیں رکھ سکتا، میں نے پھر کہا کہ تو یہ Diverse ہوئی؟ تو اس نے کہا کہ نہیں صرف ہم دونوں کا وہ ریلیشن میری طرف سے ختم ہوا ہے۔ تمہاری طرف سے نہیں۔ میں نے پھر کہا کہ میں مولانا صاحب سے پوچھوں گی۔ کہنے لگا پوچھ لینا میں نے بھی اسلام پڑھا ہے صرف تمہیں ہی اسلام کی باتیں نہیں آتیں۔

میں نے پھر کہا تو اس نے غصہ میں کہا کہ'' تم کہہ رہی کہ Diverse ہوگئی Diverse ہوگئی Diverse ہوگئی تو بس پھر ہوگئی تو کل یہاں مت آنا۔'' میں نے کہا: جہاں تک میرا خیال ہے یہ ایک ہوئی ہے ہم رجعت کر سکتے ہیں، میں مولانا صاحب سے ضرور پوچھوں گی۔

مذکورہ استفتا کی روشنی میں دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) مذکورہ جملہ تم کہہ رہی ہو کہ Diverse ہوگئی.........کل یہاں مت آنا سے شرعاً کتنی طلاقیں واقع ہوئیں، اس مسئلہ کی کتب فقہ میں کوئی واضح جزئی ہو تو راہنمائی فرمائیں۔

(۲) بس پھر ہوگئی جملہ الفاظ کنایہ بن سکتا ہے یا نہیں؟ اگر شوہر نے اس جملہ'' بس پھر ہوگئی'' سے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

(۳)'' آج کے بعد تمہارے قریب بھی آؤں تو میرا نام ہاشم نہیں'' مذکورہ جملہ ایلاء ہے یا نہیں؟

برائے کرم فقہی حوالہ جات ضرور ذکر فرما کر ممنون فرمائیں، بندہ نے اس سے قبل مذکورہ استفتاء کی نسبت سے ایک دو معروف دارالافتاء کی طرف رجوع کیا لیکن فقہی حوالہ جات کے بارے میں راہنمائی نہیں مل سکی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کے الفاظ آج کے بعد میں تمہارے قریب بھی آؤں تو میرا نام ہاشم نہیں، اس سے ایلاء واقع نہیں ہوتا کیونکہ ایلاء کہتے ہیں کہ چار ماہ یا اس سے زائد مدت بیوی کے قریب نہ آنے کی قسم کھانا یا ایسے جملہ کے ساتھ معلق کرنا جس میں اس شخص پر کوئی مشقت لازم ہو، البتہ اس کے بعد شوہر کے الفاظ اگر تم کہہ رہی ہو کہ ڈائی ورس ہوگئ، ڈائی ورس ہوگئ، ڈائی ورس ہوگئی۔ اس کے بعد شوہر کا یہ کہنا کہ بس ہوگئی یہ اقرار بالطلاق ہے اس لفظ سے بیوی پر فی الحال تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب بغیر حلالہ کے دونوں کا آپس میں ساتھ رہنا جائز نہیں۔ (نوٹ: اس مسئلے میں دیگر مفتیان کرام سے بھی دریافت کرلیا

جائے۔)

لما فی الهندية(۱/۳۸۳): ولو قالت مرا طلاق ده ومرا طلاق ده ومرا طلاق ده فقال دادم تقع ثلاث۔

وفی الشامیة (۳/۴۲۲): وفي الشرع هو اليمين على ترك قربان الزوجة أربعة أشهر فصاعدا بالله تعالى أو بتعليق ما يستشقه على القربان قال وهو أولى من قول الكنز الحلف على ترك قربانها أربعة أشهر لأن مجرد الحلف يتحقق في نحو إن وطئتك فلله علي أن أصلي ركعتين أو أغزو فإنه لا يكون بذلك موليا لأنه ليس مما يشق في نفسه۔

وفيه أيضا (۳/۴۲۵): قوله (لو قال والله الخ) قيد بالقسم لأنه لو قال لا أقربك ولم يقل والله لا يكون موليا ذكره الإسبيجابي بحر أي لأنه لا بد من لزوم ما يشق۔

(۴۳۴) تین ماہ تک جماع نہ کرنے کی قسم کھانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ خدا کی قسم میں اپنی بیوی سے تین مہینہ تک جماع نہیں کروں گا تاکہ اس کو پتہ چل جائے اس کی عقل ٹھکانے پر آجائے اب اس جملہ سے آیا وہ ایلاء کرنے والا شمار ہوگا یا نہیں؟ وضاحت سے مدلل جواب دے کر تسلی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ایلاء متحقق نہ ہوگا کیونکہ ایلاء کا مطلب یہ ہے کہ بندہ چار ماہ تک بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم اٹھائے یا مطلق قسم اٹھا کر چار ماہ تک بیوی کے قریب نہ جائے، اس سے ایلاء متحقق ہوجاتا ہے۔اگر چار ماہ سے کم کی قسم اٹھاتا ہے تو یہ ایلاء شمار نہ ہوگا، لہٰذا مذکورہ قسم اٹھانے کے بعد ایلاء تو نہ ہوگا البتہ اگر تین ماہ کے اندر بیوی کے قریب چلا گیا تو اپنی قسم میں حانث ہوجائے گا جس کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

لمافی الهندية (۱/۴۷۶): الباب السابع في الإيلاء الإيلاء منع النفس عن قربان المنكوحة منعا مؤكدا باليمين بالله أو غيره من طلاق أو عتاق أو صوم أو حج أو نحو ذلك مطلقا أو مؤقتا بأربعة أشهر في الحرائر۔

(۴۳۵) ”میں تیرے قریب سال میں ایک دن کے علاوہ نہ آؤں گا“ کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے غصہ کرتے ہوئے کہ میں تیرے قریب سال میں ایک دن کے علاوہ نہیں آؤں گا اب چھ ماہ گزر گئے اس جملہ کو کہے ہوئے ابھی تک وہ اس کے قریب نہیں گیا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوجائے گی یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب......صورتِ مسئولہ میں ایلاء متحقق نہ ہوگا نہ ہی اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں آدمی نے ایک دن غیر متعین ذکر کیا ہے اور اس سے سال میں کوئی بھی دن مراد ہوسکتا ہے۔ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ جس دن اپنی بیوی کے قریب جائے گا اس نے سال سے اسی دن کا استثناء کیا ہو البتہ اگر مذکورہ جملہ کہنے کے بعد بیوی کے قریب چلا گیا اور اسکے بعد چار ماہ یا زائد عرصہ باقی ہے تو ایلاء متحقق ہو جائے گا اور بیوی حرام ہو جائے گی، اگر کم مدت باقی ہے تو حرام نہ ہوگی۔

لمافی الدرالمختار(۴۳۰/۳) باب الايلاء:(أو قال والله لا أقربك سنة إلا يوما) لم يكن موليا للحال بل إن قربها وبقي من السنة أربعة أشهر فأكثر صار موليا وإلا لا۔

وفى الرد تحته :قوله (لم يكن موليا للحال) لأنه استثنى يوما منكرا فيصدق على كل يوم من أيام السنة حقيقة فيمكنه قربانها قبل مضي أربعة أشهر من غير شيء يلزمه۔

باب الظهار

(ظہار کا بیان)

(۴۳۶) ظہار کی تعریف اور بعض احکام

سوال...... مفتی صاحب! درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں بہن یا محرمات ابدیہ میں سے کسی سے تشبیہ دیدے یعنی اے میری ماں یا تو میری ماں ہے تو اس صورت میں اگر وہ نیت کرے عزت وغیرہ کی یعنی جس طرح میری والدہ بہن یا محرمات ابدیہ کی میں عزت کرتا ہوں یا وہ باعزت ہیں اسی طرح میری بیوی ہے تو اس صورت میں شرعی اعتبار سے کوئی کفارہ وغیرہ تو نہیں؟ یا کوئی اور حکم شریعت کا ہو تو بتائیں۔ اسی طرح اگر وہ کوئی نیت نہیں کرتا ویسے ہی کہہ دیتا ہے کہ اے میری ماں وغیرہ تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ یا پھر اس کے علاوہ وہ طلاق کی نیت کر لیتا ہے تو شرعی اعتبار سے کفارہ یا پھر طلاق وغیرہ کا حکم لگے گا تو بتادیں۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ عورتیں جن سے نکاح کیا جاسکتا ہے ان عورتوں میں سے کسی کو ماں بہن یا محرمات ابدیہ میں سے کسی سے تشبیہ دی جائے جیسے اے میری ماں وغیرہ تو شرعی اعتبار سے کیا حکم ہے؟ کفارہ وغیرہ واجب ہوگا یا نہیں؟

(۳) تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ عورتیں جن سے ساری زندگی نکاح نہیں ہوسکتا یعنی وہ نکاح کے اعتبار سے حرام ہیں، اگر ان عورتوں میں سے کسی عورت کو ماں بہن یا محرمات ابدیہ میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو شرعی اعتبار سے کیا حکم ہوگا؟ کفارہ وغیرہ لازم ہوگا؟ براہ کرم مدلل جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔ (نوٹ: آیت ظہار کا ترجمہ اور تشریح اگر فتویٰ میں لکھ کر دے دیں تو مہربانی ہوگی)۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِيْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (۲) وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ" (سورة المجادلة: ۲،۳،۴)

"تم میں سے جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کر بیٹھے (مثلاً یوں کہہ دیتے ہیں کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے مجھ پر) وہ ان کی

مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور (چونکہ) جھوٹ بات کہتے ہیں (اس لئے گناہ ضرور ہوگا) اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بخش دینے والے ہیں ٥ اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ذمے ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بی بی) باہم اختلاط کریں۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے ٥ پھر جس کو (غلام، لونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمے لگاتار دو مہینے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ حکم اس لئے (بیان کیا گیا ہے) کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور یہ اللہ کی حدیں (باندھی ہوئی) ہیں اور کافروں کے لئے سخت دردناک عذاب ہوگا ٥"

(بیان القرآن، ص: ۶۴۹)

ظہار کی تعریف اور حکم شرعی:

اصطلاحِ شرع میں ظہار کی تعریف یہ ہے کہ اپنی بیوی کو اپنی محرمات ابدیہ، ماں، بہن بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا، جس کو دیکھنا اس کے لئے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی اس کی ایک مثال ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کی ایک رسم تھی، جس کی وجہ سے دائمی حرمت شمار کی جاتی تھی۔

شریعت اسلامیہ نے اس رسم کی اصلاح دو طرح فرمائی۔ اوّل تو خود اس رسمِ ظہار کو ناجائز و گناہ قرار دیا، کہ جس کو بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا ہے اس کا طریقہ طلاق ہے، اس کو اختیار کرے۔ ظہار کو اس کام کیلئے استعمال نہ کرے کیونکہ یہ ایک لغو اور جھوٹا کلام ہے کہ بیوی کو ماں کہہ دیا۔ قرآن کریم نے فرمایا:

"مَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ"

یعنی ان کے اس بیہودہ کلام کی وجہ سے بیوی ماں نہیں بن جاتی، ماں تو وہی ہے جس کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ پھر فرمایا:

"وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا"

یعنی ان کا یہ قول جھوٹ بھی ہے کہ خلاف واقع بیوی کو ماں کہہ رہا ہے اور منکر یعنی گناہ بھی ہے۔

دوسری اصلاح یہ فرمائی کہ اگر کوئی ناواقف جاہل یا احکام دین سے غافل آدمی ایسا کر بیٹھے تو اس لفظ سے حرمت ابدی شریعت اسلام میں نہیں ہوتی، لیکن اس کی کھلی چھٹی بھی نہیں دی جاتی کہ ایسا لفظ کہنے کے بعد پھر بیوی سے پہلے کی طرح اختلاط وانتفاع کرتا رہے، بلکہ اس پر ایک جرمانہ کفارہ کا لگایا گیا، کہ اگر پھر یہ اپنی بیوی سے رجوع کرنا چاہتا ہے اور سابق کی طرح بیوی سے انتفاع چاہتا ہے تو کفارہ ادا کر کے اپنے اس گناہ کی تلافی کرے بغیر کفارہ ادا کئے بیوی حلال نہ ہوگی جیسا کہ باری تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے:

"وَالَّذِينَ يُظٰهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ... الآية"

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفارہ کا وجوب بیوی کے ساتھ اختلاف حلال ہونے کی غرض سے ہے کہ اس کے بغیر حلال نہیں، خود ظہار اس کفارہ کی علت نہیں، بلکہ ظہار کرنا ایک گناہ ہے جس کا کفارہ توبہ واستغفار ہے جس کی طرف آیت کے آخر میں "وَإِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ" سے اشارہ کر دیا گیا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ظہار کر بیٹھے اور اب بیوی سے اختلاط نہیں رکھنا چاہتا تو کوئی کفارہ لازم نہیں البتہ بیوی کی حق تلفی ناجائز ہے، اگر وہ مطالبہ کرے تو کفارہ ادا کر کے اختلاط کرنا یا پھر طلاق دے کر آزاد کرنا ہوگا۔

لہٰذا اگر کوئی اپنی بیوی کو ماں بہن یا محرمات ابدیہ میں سے کسی سے تشبیہ دے یعنی اپنی بیوی کو کہے تو میری ماں کی طرح ہے تو اس صورت میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر ان الفاظ سے شوہر کا ارادہ ظہار کا تھا تو ظہار ہوگا اگر ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ تھا تو طلاق بائنہ واقع ہوگی، اگر ان الفاظ سے نیت صرف عزت وتکریم کی تھی تو عزت وتکریم ہی مراد ہوگی اور اگر اس نے ان الفاظ سے کسی بھی قسم کی نیت نہیں کی تو اس کا یہ کلام لغو ہو جائے گا لیکن اگر زوجین کے درمیان بحث جھگڑا یا طلاق دینے کی بات چل رہی ہو تو پھر تعظیم والی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ ظہار ہی ہوگا، نیز ظہار صرف اپنی بیوی سے ہی ہو سکتا ہے لہٰذا اگر کوئی اپنی محرمات سے ظہار کرے یا اجنبیات سے تو ظہار نہیں ہوگا۔

لما في الدر المختار(۳/۴۷۰): (وإن نوى بأنت علي مثل أمي) أو كأمي وكذا لو حذف علي خانية (برا أو ظهارا أو طلاقا صحت نيته) ووقع ما نواه لأنه كناية (وإلا) ينو شيئا أو حذف الكاف (لغا) وتعين الأدنى أي البر يعني الكرامة ويكره قوله أنت أمي ويا ابنتي ويا أختي ونحوه۔

وفي الرد تحته: قوله (لأنه كناية) أي من كنايات الظهار والطلاق قال في البحر وإذا نوى به الطلاق كان بائنا كلفظ الحرام ۔۔۔ قال الخير الرملي وكذا لو نوى الحرمة المجردة ينبغي أن يكون ظهارا وينبغي أن لا يصدق قضاء في إرادة البر إذا كان في حال المشاجرة وذكر الطلاق اهـ ۔۔۔ قلت ينبغي أن لا يصدق لأن دلالة الحال قرينة ظاهرة تقدم على النية في باب الكنايات فلا يصدق في نية الأدنى لأن فيه تخفيفا عليه تأمل۔

وفي الدر المختار أيضاً(۳/۴۶۶): باب الظهار: باب الظهار هو لغة مصدر ظاهر من امرأته إذا قال لها أنت علي كظهر أمي وشرعا (تشبيه المسلم) ۔۔۔ (زوجته) ولو كتابية أو صغيرة أو مجنونة۔

وفي الرد تحته: (قوله زوجته) شمل الأمة وخرجت مملوكته والأجنبية۔ الخ۔

(۴۳۷) ظہار کو شرط کے ساتھ معلق کرنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ "اگر تو نے فلاں شخص سے بات کی تو تم میرے لئے ماں اور بہن ہو" کیا اس طرح الفاظ کہنے سے طلاق واقع ہوگی، اگر بیوی نے اس شخص سے بات کر لی جس

سے بات کرنے سے منع کیا تھا اور واقع ہوگی تو کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ظہار اسے کہتے ہیں کہ خاوند اپنی بیوی کو اپنی محرمات میں سے کسی کے ساتھ اس کے کسی ایسے عضو میں تشبیہ دے کہ جس کا دیکھنا اس کے لئے بھی حرام ہو اور اس میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں نیت ہو یا نہ ہو، ہر حال میں ظہار واقع ہوجاتا ہے اور اگر کل کے ساتھ تشبیہ دے جیسا کہ بیوی کو کہے کہ "اگر تو نے فلاں سے بات کی تو تم میری ماں یا بہن ہو" تو اس صورت میں نیت کا اعتبار ہوگا اگر خاوند کی نیت یہ تھی کہ جیسے میری ماں یا بہن قابل عزت ہیں ایسے ہی تم بھی قابل عزت ہو تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا، اور اگر ظہار یا طلاق کی نیت کی تو جو بھی نیت کرے گا وہی واقع ہوجائے گا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر بیوی نے فلاں سے بات کرلی تو چونکہ شوہر نے ماں یا بہن کے کسی عضو کے ساتھ تشبیہ نہیں دی بلکہ کل کے ساتھ تشبیہ دی ہے لہٰذا شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا، اگر شرط لگاتے وقت شوہر نے قابل عزت ہونے کی نیت کی تھی تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا اور اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار واقع ہوگا اور طلاق کی نیت کرنے سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

لما فی القرآن الکریم (المجادلة:۲،۳): وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِیْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ۔

وفی الدر المختار (۴۷۰/۳): (وإن نوى بأنت علي مثل أمي) أو كأمي وكذا لو حذف علي خانية (برا أو ظهارا أو طلاقا صحت نيته) ووقع ما نواه لأنه كناية (وإلا) ينو شيئا أو حذف الكاف (لغا) وتعين الأدنى أي البر يعني الكرامة ويكره قوله أنت أمي ويا ابنتي ويا أختي ونحوه۔

وفی الرد تحته: قوله (وإن نوى الخ) بيان لكنايات الظهار وأشار إلى أن صريحه لا بد فيه من ذكر العضو۔

(۴۳۸) "تیرا چہرہ میری بہن کے چہرے کی طرح ہے" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ محمد ریاض کا نکاح انیلہ شہزادی سے چار ماہ قبل ہوا یہ اس لڑکی سے بے حد محبت کرتا ہے جب سے شادی ہوئی ہے تمام کام چھوڑ کر بس گھر میں بروقت موجود رہتا ہے، ایک دن بیوی سے ہنسی مذاق کررہا تھا کہ اسی دوران اپنی بیوی کو بوسہ دیا اور کہا تیرا چہرہ میری بہن کے چہرے کی طرح ہے۔ انیلہ رونے لگ گئی کہ اس سے تو نکاح ختم ہوجاتا ہے، جب تک کسی معتبر مفتی سے فتوی نہ لے لیں میں آپ کے ساتھ رہنے کیلئے تیار نہیں۔ اب ریاض بہت پریشان ہے کھانا پینا چھوڑ دیا ہے کہ میری زندگی تباہ ہوگئی۔ اب آپ حضرات مہربانی فرما کر فتوی دیں کہ ان الفاظ سے نکاح ختم ہوا یا نہیں۔ اب ان کا ایک ساتھ رہنا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شوہر کا اپنی بیوی کو یہ کہنا کہ "تیرا چہرہ میری بہن کے چہرے کی طرح ہے" ان الفاظ سے نہ ظہار

ثابت ہوتا ہے نہ نکاح ختم ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں محمد ریاض اور انیلہ کا نکاح ختم نہیں ہوا، ان کا ایک ساتھ رہنا درست ہے، البتہ آئندہ کیلئے ایسے الفاظ کہنے سے اجتناب کیا جائے۔

لمافی الشامية (۳/۴٦٦): وعلم أنه لا بد في المشبه به من كون الجزء يحرم النظر إليه وإلا فلا يصح وإن كان يعبر به عن الكل كرأسك أمي أو وجهها بخلاف الزوجة المشبهة فإنه يكفي ذكر الجزء الذي يعبر به عن الكل منها وإن لم يحرم النظر إليه كرأس فتنبه۔

وفيه أيضا(۳/۴٦۸): ولا يوجب الظهار نقصان عدد الطلاق ولا بينونة وإن طالت المدة۔

وفيه أيضاً(۳/۴٦۵): قدم الخلع لأنه أكمل في باب التحريم إذ هو تحريم يقطع النكاح وهذا مع بقائه۔

(۴۳۹) بیوی کو "تم میری ماں ہو" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک بہت مالدار لڑکی کا نکاح کسی تنگدست حافظ صاحب سے ہوا۔لڑکی نے جب بھی لڑکے کو مالی امداد کی جتنی ضرورت پڑی پوری کی، بالخصوص حافظ صاحب کے گھر والے بسا اوقات فقر وفاقہ میں ہوتے تھے،لڑکی نے خوب ان کی دیکھ بھال کی اور ہر ہفتے کی ضروریات پوری کرتی اور پیسے اور سامان لا دیتی تھی۔ایک دن حافظ صاحب نے اپنی نیک بیوی سے کہا کہ "میں نے تمہارے اتنے احسانات اٹھائے ہیں کہ ان احسانات سے دبا ہوا ہوں میری استعداد نہیں ہے کہ میں تمہارے احسانات کا بدلہ دوں۔تم میری ماں ہو تمہارے احسان کا پہاڑ میرے اوپر ہے میرا سینہ پھٹ رہا ہے"۔لڑکی گھبرا گئی،لڑکی نے مجھ سے کہا کہ یہ الفاظ کہنے کی وجہ سے نکاح کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ مفتی صاحب سے پوچھ کر بتائیں۔مفتی صاحب حافظ صاحب کے مذکورہ الفاظ کہنے کی وجہ سے ان کے نکاح کا کیا ہوگا؟

الجواب بعون الملك الوهاب......صورت مسئولہ میں حافظ صاحب کا اپنی بیوی کو یہ کہنا "تم میری ماں ہو" اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ ایسے الفاظ کا اپنی بیوی کے متعلق استعمال کرنا مکروہ ہے۔

لمافی سنن ابي داؤد (۱/۳۰۱) باب فی الرجل يقول لامرأته يا أختي: عن أبي تميمة الهجيمي أن رجلا قال لامرأته يا أخية. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أختك هي . فكره ذلك ونهى عنه.

وفی الهندية (۱/۵۰۷): لو قال لها أنت أمي لا يكون مظاهرا وينبغي أن يكون مكروها ومثله أن يقول يا ابنتي ويا أختي ونحوه۔

وفی الدر المختار (۳/۴۷۰): ويكره قوله أنت أمي ويا ابنتي ويا أختي ونحوه۔

وفی الرد تحته: قوله (ويكره الخ) جزم بالكراهة تبعا للبحر و النهر والذي في الفتح وفي أنت أمي لا يكون مظاهرا وينبغي أن يكون مكروها فقد صرحوا بأن قوله لزوجته يا أخية

مكروه وفيه حديث رواه أبو داود أن رسول الله سمع رجلا يقول لامرأته يا أخية فكره ذلك ونهى عنه ومعنى النهي قربه من لفظ التشبيه ولو لا هذا الحديث لأمكن أن يقول هو ظهار لأن التشبيه في أنت أمي أقوى منه مع ذكر الأداة ولفظ يا أخية استعارة بلا شك وهي مبنية على التشبيه لكن الحديث أفاد كونه ليس ظهارا حيث لم يبين فيه حكما سوى الكراهة والنهي فعلم أنه لا بد في كونه ظهارا من التصريح بأداة التشبيه شرعا ومثله أن يقول لها يا بنتي أو يا أختي ونحوه۔

(۴۴۰) "تم میری ماں بہن جیسی ہو" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے، وہ یہ ہے کہ میں گزشتہ چار روز پہلے رات گیارہ بجے گھر آیا اور میں نے اپنی بیوی کو چائے بنانے کیلئے کہا تو اس نے چائے بنانے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے مجھے بہت غصہ آیا اور پھر میں نے اس کو دو مرتبہ طلاق دی پھر وہ مجھ سے معافی مانگنے لگی اور میرے قریب آئی تو پھر میں نے اس کو کہا کہ تو میرے پاس مت آ، تم میری ماں بہن جیسی ہو، ابھی بھی وہ میرے گھر میں موجود ہے میرے ساتھ ہے میری ایک بچی بھی ہے جس وقت یہ عمل پیش آیا میرے اور بیوی کے سوا دوسرا کوئی نہیں تھا۔ آپ مجھے بتائیں کہ میں اس کے ساتھ رہ سکتا ہوں کہ نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......سوال میں دو جزء مذکور ہیں پہلا جزء یہ ہے کہ دو مرتبہ طلاق دینا، اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، اگر آپ نے عدت کے اندر رجوع کیا تو نکاح برقرار رہے گا۔ دوسرا جزء یہ ہے کہ تم میری ماں بہن جیسی ہو، اس میں نیت کا اعتبار ہوگا اگر اکرام واعزاز کی نیت ہو تو کچھ لازم نہیں ہوگا، اگر ظہار کی نیت ہو تو بیوی آپ پر اس وقت تک حرام ہے جب تک کفارہ ادا نہ کریں، اگر طلاق کی نیت ہو تو ایک اور طلاق واقع ہو کر پوری تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اب حلالہ کے بغیر اس سے دوسرا نکاح آپ کیلئے حلال نہیں اگر کوئی بھی نیت نہ ہو تو مذکورہ الفاظ لغو ہوں گے۔

لما في الهندية (۳۵۴/۱): الباب الثاني في إيقاع الطلاق: وفيه سبعة فصول الفصل الأول في الطلاق الصريح وهو كأنت طالق ومطلقة وطلقتك وتقع واحدة رجعية وإن نوى الأكثر أو الإبانة أو لم ينو شيئا كذا في الكنز۔

وفيه أيضا (۵۰۷/۱): ولو قال لها أنت مثل أمي أو كأمي ينوي فإن نوى الطلاق وقع بائنا وإن نوى الكرامة أو الظهار فكما نوى هكذا في فتح القدير وإن لم تكن له نية فعلى قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى لا يلزمه شيء حملا للفظ على معنى الكرامة كذا في الجامع الصغير والصحيح قوله هكذا في غاية البيان۔

(۴۴۱) "میں نے تجھ کو ماں کے برابر حرام سمجھا" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو یہ کہا کہ میں نے تجھ کو ماں کے برابر حرام سمجھا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا ظہار؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اس شخص کی نیت کا اعتبار ہوگا اگر اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر ظہار کی نیت کی ہو تو ظہار ہوگا اور اگر کوئی نیت نہیں کی ہو تب بھی یہ ظہار شمار ہوگا۔

لمافی الشامیة(۳/۴۷۰): (وبأنت علي حرام كأمي صح مانواه من ظهار أوطلاق) وتمنع إرادة الكرامة لزيادة لفظ التحريم ، وإن لم ينو ثبت الأدنى وهو الظهار في الاصح۔

(۴۴۲) ظہار اور ایلاء میں سے کیا اخف ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہندیہ (۱/۵۰۷) پر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "انت علی حرام کامی" تو اس کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر کوئی نیت نہ ہو تو کم از کم ظہار تو مراد ہوگا کیونکہ ظہار اخف ہے۔ مفتی صاحب اشکال یہ ہے کہ اخف تو ایلاء ہے ظہار نہیں پھر ایسا کیوں کہا کہ ظہار اخف ہے۔ شامیہ (۳/۴۷۰) پر بھی ایسا ہی ہے۔

نیز اسے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بتایا گیا ہے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول یہی بتایا گیا ہے کہ وہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ مفتی صاحب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اختلاف اس مسئلے میں ہے یا بغیر حرام کے فقط "انت علی کامی" کہنے میں ہے؟ یہ بھی تفصیل فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ظہار کے ادنیٰ ہونے کی وجہ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ ایلاء موقت ہوتا ہے یعنی "اگر چار ماہ تک رجوع نہ کیا تو میاں بیوی میں طلاق واقع ہوجاتی ہے" اور ظہار موقت نہیں ہوتا۔ اگر اس میں مدت لمبی بھی ہوجائے اور شوہر سے کفارہ ادا کرنے میں کسی وجہ سے تاخیر ہوجائے تب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ جب چاہے کفارہ ظہار ادا کر کے بیوی سے رجوع کرسکتا ہے، نیز اس کلام میں حرف تشبیہ ہونے کی وجہ سے بھی ظہار ہونا راجح ہے۔

حضرات ائمہ احناف رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف دونوں الفاظ ہی میں ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

بغیر کسی نیت کے "انت علی حرام کامی" کہنے کی صورت میں حضرات طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ظہار اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں، ایک ایلاء اور دوسرا ظہار کا، البتہ اس بارے میں مفتی بہ قول ظہار ہی کا ہے۔

بغیر کسی نیت کے "أنت علی كأمي" کہنے کی صورت میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کچھ بھی واقع نہیں ہوگا۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حالت غضب میں ایک قول ایلاء اور دوسرا ظہار کا ہے۔ جبکہ مفتی بہ قول کے مطابق یہ کلام لغو ہوجائے گا اور کچھ بھی واقع نہ ہوگا، کیونکہ یہ کلام تشبیہ کے معاملے میں مبہم ہے اس سے کسی ایک چیز پر حکم

نہیں لگایا جاسکتا۔

لما في المحيط البرهاني. كتاب الطلاق، الفصل الثالث والعشرون، مسائل الظهار(۱۸۹/۵): ولو قال لها: أنتِ عليّ حرام كأمّي، فإن نوى الطلاق كان طلاقاً، وإن نوى الظهار أو نوى التحريم لا غير أو لم تكن نيّة فهو ظهار لأنّ معنى البرّ انتفى بقران التحريم بحرف التشبيه، فبقي احتمال الظهار والطلاق، فأيُّ ذلك ينوي صحت نيّته، وعند عدم النيّة يحمل على الظهار، لأنه أدنى۔ الخ۔

وفي الدر المختار كتاب الطلاق، باب الظهار(۴۷۰/۳): (وبأنت علي حرام كأمي صح ما نواه من ظهارا أو طلاق)وتمنع إرادة الكرامة لزيادة لفظ التحريم وإن لم ينو ثبت الأدنى وهو الظهار في الأصح۔

وفي الرد تحته: قوله (ثبت الأدنى) لعدم إزالته ملك النكاح وإن طال ط۔

وفي الدر المختار. كتاب الطلاق، باب الظهار (۴۷۰/۳): (وإن نوى بأنت علي مثل أمي) ، أو كأمي . وكذا لو حذف علي خانية (برا أو ظهارا أو طلاقا صحت نيته) ووقع ما نواه لأنه كناية (وإلا) ينو شيئا ، أو حذف الكاف (لغا) وتعين الأدنى أي البر يعني الكرامة۔

وفي الرد تحته: قوله (لغا) لأنه مجمل في حق التشبيه فما لم يتبين مراد مخصوص لا يحكم بشيء۔

(۴۴۳) دوسری بیوی کو پہلی بیوی کے ظہار سے تشبیہ دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں اس نے ایک بیوی کے ساتھ ظہار کیا اور دوسری بیوی سے بھی اس نے کہا کہ تو میرے اوپر پہلی بیوی کی طرح ہے تو آیا اس جملہ سے حرمت واقع ہوگی یا نہیں؟ دوسری بیوی سے اس کے لئے استمتاع کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ صورت میں اگر اس شخص کی نیت ظہار کی تھی تو دوسری بیوی کو مذکورہ جملہ کہنے سے ظہار ثابت ہوجائے گا اور اس شخص کے لئے اس بیوی سے استمتاع جائز نہ ہوگا جب تک کہ کفارہ ظہار ادا نہ کرے۔

لما في الهندية (۵۰۹/۱): ظاهر الرجل من امرأته ثم قال رجل لامرأته أنت علي مثل امرأة فلان فهو مظاهر منها كذا في المحيط ولو ظاهر من امرأته ثم أشرك أخرى معها أو قال أنت علي مثل هذه ينوي الظهار صح وكذا بعد موتها وبعد التكفير كذا في العتابية۔

وفي الشامية(۴۶۶/۳): قوله (وشرعا تشبيه المسلم الخ) شمل التشبيه الصريح والضمني كما لو

كانت امرأة رجل ظاهر منها زوجها فقال أنت علي مثل فلانة ينوي ذلك وكذا لو ظاهر من امرأته فقال للأخرى أشركتك في ظهارها أو أنت علي مثل هذه ناويا فإنه يكون مظاهرا ولو بعد موتها وبعد التكفير لتضمنه أنت علي كظهر أمي۔

(۴۴۴) "او میری ماں کیوں نہیں سمجھتی" کہنے سے ظہار کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی کو"اخبار" کی کوئی بات سمجھا رہا ہے (کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہورہا تھا) لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تو اس نے بیوی سے کہا"او میری ماں تو کیوں نہیں سمجھتی" آیا شوہر کے ایسا کہنے سے ظہار ہوا یا نہیں؟ اگر ہوا ہے تو کیا کرنا چاہیئے؟ شرعی حکم اس شوہر وبیوی سے متعلق کیا ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ثوابِ دارین حاصل کیجئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کے ان الفاظ (او میری ماں تو کیوں نہیں سمجھتی) سے شرعاً ظہار نہیں ہوا چونکہ ظہار کی بنیاد مخصوص تشبیہ پر ہوتی ہے جو کہ یہاں مفقود ہے البتہ ایسے الفاظ بیوی کو قصداً کہنا مکروہ ہے۔

لمافی البحرالرائق (۱۶۵/۴): وقيد بالتشبيه لأنه لو خلا عنه بأن قال أنت أمي لا يكون مظاهرا لكنه مكروه لقربه من التشبيه۔

(۴۴۵) عورت کا الفاظِ ظہار استعمال کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کو بیوی نے کہا اگر تو نے میرے ساتھ ہمبستری کی تو گویا تو نے اپنی ماں اور بہن کے ساتھ ہمبستری کی۔ اب وہ شخص پریشان ہے کہ میری بیوی کو طلاق ہوگئی اب آپ حضرات بتائیں کہ بیوی کے یہ الفاظ کہنے سے نکاح پر کچھ فرق تو نہیں پڑتا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ کے مطابق ظہار کے جو الفاظ ہیں یہ عورت نے کہے ہیں اور عورت کے ظہار کرنے سے ظہار واقع نہیں ہوتا بلکہ مرد کے کہنے سے ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں ظہار واقع نہیں ہوا اور نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑا، البتہ بیوی کے لئے اپنے شوہر کو ایسے نامناسب الفاظ کہنا صحیح نہیں۔

لمافی الشامية (۴۶۷/۳): قوله (وظهارها منه لغو) أي إذا قالت أنت علي كظهر أمي أو أنا عليك كظهر أمك فهو لغو لأن التحريم ليس إليها ط قوله (فلا حرمة الخ) بيان لكونه لغوا أي فلا حرمة عليها إذا مكنته من نفسها ولا كفارة ظهار ولا يمين ط قوله (به يفتى) مقابلة ما في شرح الوهبانية للشرنبلالي عن الحسن بن زياد من صحة ظهارها وعليها كفارة الظهار وروى عن

أبي يوسف ا هـ ط قوله (إيجاب كفارة يمين) فتجب بالحنث وقيل كفارة ظهار فإن كان تعليقا تجب متى تزوجت به وإن كانت في نكاحه تجب للحال ما لم يطلقها لأنه لا يحل لها العزم على منعه من الجماع بحر عن ابن وهبان ۔

(۴۴۶) عورت کا الفاظِ ظہار استعمال کرنے اور ایک حدیث میں تعارض کا دفیعہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت کے الفاظ ظہار استعمال کرنے سے ظہار ہوگا یا نہیں؟ میں نے سنا ہے کہ ایک روایت کے مطابق ظہار ہوجائے گا، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو "الطلاق لمن أخذ بالساق" کا کیا جواب ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......طلاق دینے اور ظہار کرنے کا حق شوہر کو حاصل ہے نہ کہ بیوی کو لہٰذا راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق عورت کے الفاظ ظہار استعمال کرنے سے ظہار نہیں ہوگا اور نہ اس پر کسی قسم کا کفارہ آئے گا اور یہ بات صحیح ہے کہ "ایک روایت کے مطابق ظہار ہوجائے گا" اور عورت پر کفارہ ظہار بھی آئے گا۔ یہ روایت حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، جو کہ غیر مفتی بہ اور مرجوح ہے۔ حدیث میں جو آیا ہے کہ "الطلاق لمن أخذ بالساق" کہ طلاق دینے کا حق شوہر کو حاصل ہے نہ کہ بیوی کو، تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ جس طرح طلاق دینے کا حق شوہر کو ہے اسی طرح ظہار دینے کا حق بھی شوہر کو ہوگا۔ جس سے راجح اور مفتی بہ قول کی تائید ہوتی ہے۔

البتہ الفاظ ظہار استعمال کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ کفارہ ظہار ادا کرنے سے پہلے شوہر کا بیوی کے پاس جانا ممنوع ہوجاتا ہے۔ کفارہ ادا کرنے کے بعد بیوی اس کیلئے حلال ہوجاتی ہے لہٰذا اس مرجوح قول کے مطابق بھی یہاں چونکہ تفریق کاملہ نہیں لہٰذا کوئی اشکال نہ ہوگا۔ تفریق کاملہ مثلاً طلاق، خلع، ایلاء، لعان وغیرہ شوہر کے بغیر نہیں ہوسکتے۔

لمافی القرآن الکریم (المجادلة :۴-۳): وَالَّذِينَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۳) فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ

وفی سنن ابن ماجه (۱۵۱): عن ابن عباس رضی الله عنهما قال : أتى النبي صلى الله عليه وسلم رجل، فقال : يا رسول الله ، سيدي زوجني أمته --- فقال : يا أيها الناس ما بال أحدكم يزوج عبده أمته ، ثم يريد أن يفرق بينهما ؟! إنما الطلاق لمن أخذ بالساق.

وتحته فی إنجاح الحاجة: إنما الطلاق لمن أخذ بالساق كناية عن الجماع أى إنما يملك الطلاق من

یملك الجماع فلیس للسید جبر علی عبده إذا أنكح أمته۔

وفی الشامیة (۳/۴٦۷) كتاب الطلاق، باب الظهار: قوله (وظهارها منه لغو) أي إذا قالت أنت علي كظهر أمي أو أنا علیك كظهر أمك فهو لغو لأن التحریم لیس إلیها ط۔الخ۔

(۴۴۷) شوہر کو "تم میرے بھائی ہو" کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نے اپنے سوہر سے کہا کہ آپ میرے بھائی ہیں۔کیا اس سے مسئلہ ظہار ثابت ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......ظہار کیلئے شرط یہ ہے کہ مظاہر (ظہار کے الفاظ کہنے والا) مرد ہو لہٰذا صورت مسئلہ میں عورت کا مذکورہ الفاظ کہنے سے ظہار ثابت نہ ہوگا۔

لمافی الشامیة (۳/۴٦۷): قوله (وظهارها منه لغو) أي إذا قالت أنت علي كظهر أمي أو أنا علیك كظهر أمك فهو لغو لأن التحریم لیس إلیها ط --- قوله (به یفتی) مقابلة ما في شرح الوهبانیة للشرنبلالي عن الحسن بن زیاد من صحة ظهارها وعلیها كفارة الظهار وروی عن أبي یوسف اھ ط قوله (إیجاب كفارة یمین) فتجب بالحنث وقیل كفارة ظهار۔

(۴۴۸) کفارہ ظہار کی تفصیلات

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ظہار کسے کہا جاتا ہے اور اس کا کفارہ کیا ہے؟ نیز اگر کفارہ ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں فقہاء احناف کے نزدیک شوہر اپنی بیوی کو کسی محرم کے بدن کے ایسے جزء سے تشبیہ دے جس کا دیکھنا اس پر حرام ہو اس تشبیہ کو ظہار کہتے ہیں اور اس کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا یا یہ نہ ہو سکے تو پے در پے دو مہینے روزے رکھنا اور یہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مساکین کو دن رات کا کھانا کھلانا یا ہر مسکین کو پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت دے دینا ہے۔اگر ان میں سے کسی پر بھی قدرت نہ ہو تو امید ہے عند اللہ ماخوذ نہ ہوگا مگر اللہ تعالیٰ سے خوب توبہ واستغفار کرے نیز اگر دوسرے شخص نے اس کی طرف سے بطورِ فدیہ مسکینوں کو کھانا کھلا دیا تو اس سے بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔

لمافی القرآن الكریم (المجادلة:۳): وَالَّذِينَ يُظٰهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا...الآیة۔

وفی سنن ابي داؤد (۱/۳۰۲): عن خویلة بنت مالك بن ثعلبة قالت ظاهر مني زوجي أوس بن

الصامت فجئت رسول الله صلى الله عليه وسلم أشكو إليه ورسول الله صلى الله عليه وسلم يجادلني فيه ويقول اتقى الله فإنه ابن عمك فما برحت حتى نزل القرآن (قد سمع الله قول التي تجادلك في زوجها)۔ الخ۔

وفي الدر المختار(۴۷۲/۳): وشرعا (تحرير رقبة) قبل الوطء ـــ (ولو صغيرا) رضيعا (أو كافرا) أو مباح الدم ـــ (صام شهرين ولو ثمانية وخمسين) بالهلال وإلا فستين يوما ـــ (متتابعين قبل المسيس ليس فيهما رمضان وأيام نهي عن صومها) وكذا كل صوم شرط فيه التتابع ـــ (فإن عجز عن الصوم) لمرض لا يرجى برؤه أو كبر (أطعم) أي ملك (ستين مسكينا) ولو حكما ـــ (كالفطرة) قدرا ومصرفا (أو قيمة ذلك) من غير المنصوص۔

(۴۴۹) کفارہ ظہار میں ترتیب واجب ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے ایک مرتبہ بہت بڑی غلطی کرلی کہ اپنی زوجہ کو بولا ''آپ کی پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے''۔ایک عالم سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا ظہار ہوگیا ہے اب کفارہ ادا کرنا ہوگا وہ یہ کہ غلام آزاد کرو ورنہ ساٹھ روزے مسلسل رکھو، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔اب میں کفارہ ادا کرنے کیلئے تیار ہوں لیکن ایک مسئلہ پوچھنا ہے کہ آیا کفارہ ظہار میں ترتیب واجب ہے؟ اگر کوئی روزے کی استطاعت کے باوجود ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے تو اس کا کفارہ ادا ہوجائے گا اور بیوی حلال ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱) ظہار کے واقع ہونے کیلئے ضروری ہے کہ بیوی کے پورے بدن یا اس کے ایسے عضو کو جس سے پورا جسم مراد لیا جاسکتا ہو تشبیہ دینا اپنی ذی رحم محرم کے ایسے عضو سے جس کی طرف دیکھنا ہمیشہ کیلئے حرام ہو۔

پیٹھ ایسا عضو ہے جس سے پورے جسم کی تعبیر نہیں ہوسکتی لہٰذا آپ کا اپنی بیوی کو یہ کہنا کہ ''آپ کی پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے'' تو اس سے ظہار نہیں ہوا لہذا آپ پر کفارہ واجب نہیں ہے۔

(۲) اگر کوئی اپنی بیوی سے ظہار کرلے تو اس کو بیوی کے پاس جانے سے قبل کفارہ ادا کرنا ضروری ہے اور کفارہ ادا کرنے میں ترتیب واجب ہے۔اگر کوئی شخص روزہ کی استطاعت رکھتے ہوئے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے تو اس شخص کا کفارہ ادا نہ ہوگا۔

لقوله تعالیٰ (المجادلة:۴) فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا۔

وفي الهداية (۳۸۷/۲): قال وكفارة الظهار عتق رقبة فإن لم يجد فصيام شهرين متتابعين فإن لم يستطع فإطعام ستين مسكينا للنص الوارد فيه فإنه يفيد الكفارة على هذا الترتيب۔

وفي الدر المختار (۴۶۸/۳): (ونحوه) كالرقبة مما يعبر به عن الكل (أو نصفك) ونحوه من الجزء

الشائع.

وفي الرد تحته: قوله (كظهر أمي الخ) ـ ـ ـ ولو قال فخذك كفخذ أمي لا يكون مظاهرا وكذا رأسك كرأس أمي اهـ أي لفقد الشرط في الثانية من جهة المشبه وفي الثالثة من جهة المشبه به.

باب العدة والحداد

(عدت اور سوگ کا بیان)

(۴۵۰) سوگ کی تعریف اور اقسام

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سوگ کی کتنی اقسام ہیں؟ اور سوگ کی تعریف کیا ہے؟ نیز کن کن عورتوں پر سوگ منانا ضروری ہے؟ ازراہ کرم تفصیل سے تحریر فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......سوگ [حداد] کی تعریف یہ ہے کہ ایسی حالت میں رہنا کہ جس سے رنج وغم کا اظہار ہو یعنی ہر ایسی چیز سے بچنا جو زیب وزینت کیلئے استعمال ہوتی ہو۔ مختلف عورتوں کو [عدت وغیرہ میں] مختلف مواقع پر سوگ منانا ہوتا ہے۔

سوگ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) واجب: یہ شوہر کی موت کے ساتھ خاص ہے اور ہر ایسی عورت پر واجب ہے جو عاقلہ بالغہ مسلمان ہو اور اس کا کسی مسلمان سے نکاح صحیح ہوا ہو اور اس کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو وہ عورت چار ماہ دس دن عدت میں سوگ منائے گی۔ اس کے علاوہ وہ عورت جسے اس کے شوہر نے طلاقِ بائن یا طلاقِ ثلاث دے دی ہو یا نامردی وغیرہ کی وجہ سے قاضی نے تفریق کرادی ہو ان پر بھی عدت میں سوگ منانا واجب ہے۔

(۲) جائز: یہ شوہر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ شوہر کے علاوہ کسی اور قریبی عزیز کے انتقال پر تین دن تک سوگ منانا جائز ہے جیسے باپ، بیٹا، بھائی وغیرہ۔

[1] في الصحيح للبخاری (۸۰۳/۲) باب تحدا لمتوفى عنها زوجها اربعة اشهر وعشرا: ... عن زينب بنت أبي سلمة أنها أخبرته هذه الأحاديث الثلاثة قالت زينب دخلت على أم حبيبة زوج النبي صلى الله عليه وسلم حين توفي أبوها أبو سفيان بن حرب فدعت أم حبيبة بطيب فيه صفرة خلوق أو غيره فدهنت منه جارية ثم مست بعارضيها ثم قالت والله ما لي بالطيب من حاجة غير أني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاث ليال إلا على زوج أربعة أشهر وعشرا۔

وفی الهندية (۵۳۳/۱) كتاب الطلاق الباب الرابع عشر فی الحداد: على المبتوتة والمتوفی عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد في عدتها كذا في الكافي والحداد الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل والحناء والخضاب ولبس المطيب والمعصفر والثوب الأحمر وما صبغ بزعفران إلا إن كان غسيلا لا ينفض ولبس القصب والخز والحرير ولبس الحلي والتزين والامتشاط كذا في التتارخانية قال شمس الأئمة المراد من الثياب المذكورة ما كان جديدا منها تقع به الزينة أما إذا كان خلقا لا تقع به الزينة فلا بأس به كذا في المحيط إن امتشطت بالطرف الذي أسنانه منفرجة لا بأس به وإنما يكره الامتشاط بالطرف الآخر لأن ذلك يكون للزينة كذا في فتاوى قاضي خان وإنما يلزمها الاجتناب في حالة الاختيار أما في حالة الاضطرار فلا بأس بها۔۔۔ ولا يجب الحداد على الصغيرة والمجنونة الكبيرة والكتابية والمعتدة من نكاح فاسد والمطلقة طلاقا رجعيا وهذا عندنا كذا في البدائع۔

وفی الشامية (۵۳۰/۳): (تحد) أووجوبا كما في البحر۔۔۔(إذا كانت معتدة بت) من البت و هو القطع أي المبتوت طلاقها وهي المطلقة ثلاثا أو واحدة بائنة والفرقة بخيار الجب والعنة ونحوهما۔

(۴۵۱) مطلقہ عدت کہاں گزارے گی؟ نیز دیگر احکام کا بیان

سوال..... مفتی صاحب! درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) طلاق کے بعد عورت عدت کے دن کہاں گزارے گی؟

(۲) بچیوں کا خرچہ کس کے ذمہ ہے اور کب سے کب تک ہے؟

(۳) عورت کے وہاں رہتے ہوئے اگر اس کا شوہر اسے تنگ کرنے کی کوشش کرے تو بقیہ عدت کی مدت ماں باپ کے گھر گزار سکتی ہے؟

(۴) شوہر شراب کا عادی بھی ہے کام کاج فی الحال اور اس سے پہلے بھی نہیں کرتا تھا۔

(۵) سسر اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں، عورت اور اس کے بچوں کو؟ جبکہ بیٹا بھی ساتھ ہے۔

(۶) طلاق سے پہلے دیور اور نندیں اسے تنگ کرتے تھے لیکن طلاق کے بعد ان کا رویہ بدل گیا، مثبت بھی ہو گیا؟

(۷) جہیز کے سامان کا کیا ہوگا؟

(۸) بچے کہاں رہیں گے، اگر ماں کے ساتھ ہوں تو باپ کے ملنے کی ترتیب کیا ہوگی، باپ کے ساتھ رہتے ہوں تو ماں سے ملنے کی کیا صورت ہوگی؟

(۹) تین بیٹیاں اور تینوں کی عمر ۶ سال سے کم ہیں، ماں کے ساتھ رہیں تو خرچہ کون کرے گا؟

(۱۰) عورت کے سسر اس کے چچا ہیں، وٹہ سٹہ کی شادی تھی؟

نوٹ: شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں۔ جس گھر میں رہتے تھے وہ سسر کا ہے تین منزلہ عمارت میں ایک منزل انہیں رہنے کو دی ہوئی تھی جس میں دو کمرے ہیں، طلاق کو ۱۰، ۱۲ دن ہو گئے ہیں، عورت ابھی سسرال میں ہی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱) طلاق کے بعد عورت عدّت کے ایام شوہر کے گھر گزارے لیکن شوہر اگر فاسق ہے اور تنگ کرتا ہے تو عورت عدت اپنے والدین کے گھر جا کر گزارے اور وہیں سکونت اختیار کرے۔

(۲) بچیوں کا خرچہ مستقل باپ پر ہے۔

(۳) صرف عدت کے ایام عورت شوہر کے گھر گزار سکتی ہے جبکہ عورت کی عزت و آبرو کا تحفظ یقینی ہو۔ اس دوران دونوں (میاں بیوی) ہر قسم کے تعلقات سے اجتناب کریں۔

(۴) جہیز والدین کی طرف سے بیٹی کے لئے ایک تحفہ وہدیہ ہوتا ہے اب وہ لڑکی کی ملک ہے وہ اسے جس طرح بھی استعمال کرنا چاہے کر سکتی ہے۔ طلاق کے بعد لڑکی جہیز ساتھ لے جا سکتی ہے۔

(۵) ۹ سال کی عمر تک بچیاں ماں کے پاس رہیں گی۔ اس دوران اگر باپ ان سے ملنا چاہے تو صرف بچیوں سے ملاقات اجازت ہوگی۔ بیوی سے ملاقات کی اجازت نہ ہوگی۔ بیوی اب اس کے لئے اجنبیہ کے حکم میں ہے۔ ۹ سال کے بعد بچیاں باپ پاس رہیں گی۔ ماں کے پاس رہتے ہوئے خرچہ باپ پر لازم ہوگا۔

(۶) ملحوظ رہے کہ عورت جب مطلقہ بائنہ ہوگئی تو اب وہ شوہر کے لئے اجنبیہ کے حکم میں ہے۔ عدت کے دوران شوہر کا بیوی سے تعلق رکھنا یا آمنا سامنا کرنا حرام و ناجائز ہوگا۔

لمافی الهندية (۵۳۵/۱) الباب الرابع عشر فی الحداد: إذا طلقها ثلاثا أو واحدة بائنة وليس له إلا بيت واحد فينبغي له أن يجعل بينه وبينها حجابا حتى لا تقع الخلوة بينه وبين الأجنبية۔

وفی الدر المختار (۵۵۵/۳) باب الحضانة: (تثبت للأم)۔۔۔ وفي القنية الأم أحق بالولد۔

وفی (۵۶۶/۱): (والأم والجدة) لأم أو لأب (أحق بها) بالصغيرة (حتى تحيض) أي تبلغ في ظاهر الرواية ۔۔۔ (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقدر بتسع وبه يفتى۔

وفی الرد تحته: قوله (وبه يفتى) قال في البحر بعد نقل تصحيحه والحاصل أن الفتوى على خلاف ظاهر الرواية۔

(۴۵۲) خلع میں بھی عدت گزارنا ضروری ہے

سوال......مفتی صاحب! درج ذیل سؤالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) میں نے خود پڑھا ہے کہ "طلاق یا خلع" کے بعد عدت ہے، لیکن میرے ابو نے پوچھا کسی صاحب سے تو انہوں نے کہا کہ طلاق میں عدت ہے لیکن خلع میں نہیں۔ مجھے بتائیے کہ خلع میں عدت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنے مہینے کی اور اگر عدت نہ کرے تو کوئی گناہ تو نہیں؟

(۲) اگر کوئی عورت روزہ میں ایام یعنی مخصوص دن سے ہوجائے تو کیا روزہ توڑ دے، مثلاً روزہ رکھا اور ظہر کے بعد ایام سے ہوگئی تو روزہ رکھا جائے گا یا توڑ دے؟ برائے مہربانی یہ بات تفصیل سے بتادیں۔

(۳) اگر عورت مخصوص ایام سے ہو اور وہ اپنے شوہر سے مل لے تو کیا کفارہ ہوگا؟ نکاح پر اثر پڑے گا اور اگر ایام کے تیسرے روز یا پانچویں روز حیض نہیں آیا تو شوہر سے مل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱) طلاق وخلع دونوں صورتوں میں عورت پر عدت لازم ہے۔ عدت نہ گزارنے کی صورت میں عورت گنہگار ہوگی۔ نیز دونوں صورتوں میں عدت بھی تین حیض ہے۔ ہاں اگر عورت کو حمل ہو تو عدت وضع حمل ہوگی۔

(۲) روزہ کی حالت میں حیض آجائے تو روزہ توڑ دینا چاہیئے اور بعد میں اس کی قضا کرنی ہوگی۔

(۳) ماہواری کے ایام میں حق زوجیت ادا کرنا حرام وناجائز ہے تاوقتیکہ عورت مکمل طور پر پاک نہ ہوجائے۔ نیز اگر ماہواری کے ایام میں خلاف عادت کسی دن خون بند ہوجائے تو اس وقت تک شوہر کا ملنا جائز نہیں جب تک کہ عادت کے ایام گزر نہ جائیں۔ نیز ماہواری کے ایام میں ازدواجی تعلقات قائم کرنے سے اگرچہ نکاح ختم نہیں ہوتا لیکن یہ انتہائی قبیح اور ملعون فعل ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ فعل گناہ میں کفر کے قریب ہے۔ اگر کسی نے ایسا اقدام کرلیا تو اس پر توبہ اور استغفار لازم ہے اور آئندہ ہرگز ہرگز ایسا اقدام نہ کرے۔

لمافی التفسیر المنیر (۲/۳۳۵): وهذا الفراق على عوض مالي من المرأة يسمى الخلع ، وتجب بعده العدة كالطلاق ، ولا تصح الرجعة بعده إلا بأمر الزوجة۔

وفی الهندية(۱/۲۰۷): وإذا حاضت المرأة ونفست أفطرت كذا في الهداية۔

وفيه أيضا(۱/۳۸) ومنها أن يحرم عليهما الصوم فتقضيانه هكذا في الكفاية۔

وفيه أيضا(۱/۳۹): ومنها حرمة الجماع ۔۔۔ فإن جامعها وهو عالم بالتحريم فليس عليه إلا التوبة والاستغفار ويستحب أن يتصدق بدينار أو نصف دينار كذا في محيط السرخسي۔

وفی الشامية (۱/۲۹۴):قوله (لم يحل) أي الوطء وإن اغتسلت لأن العود في العادة غالب بحر

قوله (وتغتسل وتصلي) أي في آخر الوقت المستحب وتأخيره إليه واجب هنا أما في صورة الانقطاع لتمام العادة فإنه مستحب كما في النهاية والفتح وغيرهما۔

(۴۵۳) نامرد سے علیحدگی کے بعد عدت کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نے ایک لڑکے سے شادی کر لی بعد میں معلوم ہوا کہ لڑکا نامرد ہے۔ علاج کے باوجود ناامید ہوکر اپنی بیوی کو طلاق دیدی تو کیا ایسی صورت میں بھی عورت پر عدت ضروری ہوگی؟ نیز عدت گزارنے میں کیا حکمت ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں اگر کوئی نامرد شخص خلوت صحیحہ کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اس پر بھی عدت واجب ہے نیز عدت گزارنے میں کیا حکمت ہے؟ سو اس سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ شریعت کے احکامات میں حکمتیں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ حکمت ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے بہرصورت اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ شریعت نے ہمیں عمل کرنے کا مکلف بنایا ہے حکمتوں کا مکلف نہیں بنایا البتہ بعض حضرات نے عدت گزارنے کی حکمت بیان کی ہے یعنی اس سے رحم کی صفائی مقصود ہوتی ہے تاکہ دو آدمیوں کا پانی (مادہ منویہ) ایک رحم میں جمع نہ ہوجائے جو نسب کے مشتبہ ہونے کا سبب بنے گا نیز اس سے یہ بات بھی متیقن ہوجاتی ہے کہ اب عورت حاملہ نہیں ہے۔

لمافی الهندية (۵۲۴/۱): والفرقة تطليقة بائنة كذا في الكافي ولها المهر كاملا وعليها العدة بالإجماع إن كان الزوج قد خلا بها۔

وفی الشامية (۵۰۵/۳): قوله (فالأولى الخ) بيان لحكمة كونها ثلاثا مع أن مشروعية العدة لتعرف براءة الرحم ـ ـ ـ فبين أن حكمة الثانية لحرمة النكاح أي لإظهار حرمته ـ ـ ـ وزيد من الحرة ثالثة لفضيلتها۔

(۴۵۴) عدت میں طلاق کا علم ہونا شرط نہیں

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ آپ کے دارالافتاء سے میرے متعلق طلاق واقع ہونے کا فتویٰ ۶ ذی الحجہ کو جاری ہوا تھا اور آپ کے پاس سوال موصول ہونے کی تاریخ ۶ / ذی الحجہ لکھی ہوئی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ۶ / ذی الحجہ کے دو دن بعد یعنی آٹھ ذی الحجہ کو میری ماہواری شروع ہوئی پھر ختم ہوگئی، اس طرح ایک اور ماہواری گزری اور اب تیسری ماہواری گزر رہی ہے جس کے پانچ دن گزر چکے ہیں اور ۳ دن باقی ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ۸ ذی الحجہ کو جو ماہواری آئی وہ عدت میں شمار ہوگی یا نہیں کیونکہ ہمیں طلاق ہونے کا علم طلاق کے آٹھ دن بعد ۵ ذی الحجہ کو ہوا تھا اس سے پہلے علم نہیں تھا یا پھر طلاق کا علم ہونے کے بعد سے

عدت شمار ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوهاب......طلاق کے واقع ہونے کے بعد عدت کا وقت شروع ہوجاتا ہے چاہے عورت کو طلاق کا علم ہو یا نہ ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں ۸ ذی الحجہ سے آنے والی ماہواری عدت میں شمار ہوگی اس لحاظ سے موجودہ ماہواری (تیسری ماہواری) کے گزرنے کے بعد آپ کی عدت مکمل ہوجائے گی۔

لمافي الدر المختار (۵۲۰/۳): (ومبدأ العدة بعد الطلاق و) بعد (الموت) على الفور (وتنقضي العدة وإن جهلت) المرأة (بهما) أي بالطلاق والموت لأنها أجل فلا يشترط العلم بمضيه سواء اعترف بالطلاق أو أنكر ـــ فالعدة من وقت الطلاق لا من وقت القضاء) بزازية۔

(۴۵۵) عدت میں نکاحِ فاسد کے بعد دونوں عدتوں کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری ایک آدمی سے شادی ہوئی تھی لیکن طبائع میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے بذریعہ طلاق ہم نے علیحدگی اختیار کرلی، لیکن اس طلاق کی عدت ابھی تک باقی تھی کہ میں نے دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کرلیا کیا میرا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اب آئندہ نکاح کرنے کے لئے میری عدت کہاں سے شروع ہوگی اور کب ختم ہوگی جبکہ پہلے نکاح کے دو حیض بعد میں نے نکاح کیا تھا؟

الجواب بعون الملک الوهاب......عدت میں نکاح کرنا جائز نہیں ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں جو نکاح عدت کے اندر ہوا ہے وہ درست نہیں ہوا بلکہ علیحدگی ضروری ہے، اب آئندہ نکاح کرنے کیلئے ضروری ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد کیا جائے۔ اگر دوسرے شوہر نے ہمبستری نہیں کی اور چونکہ پہلی عدت میں دو ماہواری آچکے تھے، ایک باقی تھا تو ایک حیض (ماہواری) آنے کے بعد عدت ختم ہوجائے گی پھر دوبارہ نکاح کرنا درست ہے، اگر دوسرے شوہر نے ہمبستری کرلی پھر میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کرادی گئی تو پھر دوسری عدت واجب ہوگی یعنی تین ماہواری اب اگر اسی دوسرے شوہر سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو ایک ماہواری آنے کے بعد نکاح کرسکتی ہے اس لئے کہ پہلے شوہر کی عدت ختم ہوگئی ہے اور اگر کسی تیسرے آدمی سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو تین ماہواری آنے کے بعد نکاح درست ہوگا۔

لمافي الهندية (۲۸۰/۱): القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة كذا في السراج الوهاج سواء كانت العدة عن طلاق أو وفاة أو دخول في نكاح فاسد أو شبهة نكاح كذا في البدائع ولو تزوج بمنكوحة الغير وهو لا يعلم أنها منكوحة الغير فوطئها تجب العدة وإن كان يعلم أنها منكوحة الغير لا تجب حتى لا يحرم على الزوج وطؤها كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفيه أيضاً. كتاب الطلاق الباب الثالث عشر فی العدة (۵۳۲/۱): العدتان تنقضيان بمدة واحدة عندنا كانتا من جنس واحد أو من جنسين صورة الأولى المطلقة إذا حاضت حيضة ثم تزوجت بزوج آخر ووطئها الثاني وفرق بينهما وحاضت حيضتين بعد التفريق كان لهذا الزوج الثاني أن يتزوجها لانقضاء عدة الأول وليس لغيره أن يتزوجها حتى تحيض ثلاث حيض من وقت التفريق لقيام عدة الثاني في حق الغير وإن كان طلاق الأول رجعيا كان للأول أن يراجعها قبل أن تحيض حيضتين بعد تفريق الثاني وإن حاضت ثلاث حيض من وقت تفريق الثاني تنقضي العدتان جميعا۔

وفی الشامية (۵۱۹/۳): وفي الدرر اعلم أن المرأة إذا وجب عليها عدتان فإما أن يكونا من رجلين أو من واحد ففي الثاني لا شك أن العدتين تداخلتا وفي الأول إن كانتا من جنسين كالمتوفي عنها زوجها إذا وطئت بشبهة أو من جنس واحد كالمطلقة إذا تزوجت في عدتها فوطئها الثاني وفرق بينهما تداخلتا عندنا ويكون ما تراه من الحيض محتسبا منهما جميعا وإذا انقضت العدة الأولى ولم تكمل الثانية فعليها إتمام الثانية اهـ۔

(۴۵۶) مرتد کی بیوی کیلئے وراثت اور عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ فیروز نامی شخص اسلام سے کسی وجہ سے العیاذ باللہ مرتد ہو گیا پھر وہ امریکہ چلا گیا پاکستان میں اس کا مطالبہ ہو رہا ہے، اس کی جائیداد ساری پاکستان کے اندر ہے۔ اب اس کی بیوی عدت گزارے گی یا نہیں؟ اور اس کے مال کی وارث بنے گی یا نہیں؟ براہ کرم شریعت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں فیروز نامی شخص کے العیاذ باللہ مرتد ہوجانے کے بعد اور پھر اس کے دار الحرب (امریکہ) میں چلے جانے سے زوجین کا نکاح فسخ ہوجائے گا اور اس صورت میں فیروز کی بیوی اس کے مال میں دیگر ورثاء کے ساتھ شامل ہوگی اور اس پر عدت بھی لازم ہوگی۔

لمافی الهندية (۴۶۲/۱): وإذا ارتد الرجل والعياذ بالله تعالى فقتل أو لحق بدار الحرب أو مات في دار الإسلام على الردة ورثته امرأته۔

وفی الدر المختار، باب المرتد (۲۴۷/۴): (ويزول ملك المرتد عن ماله زوالا موقوفا فإن أسلم عاد ملكه وإن مات أو قتل على ردته) أو حكم بلحاقه (ورث كسب إسلامه وارثه المسلم) ولو زوجته بشرط العدة۔

وفی الشامية، مطلب من لايقتل اذا ارتد (۲۴۷/۴): قوله (ورث کسب إسلامه وارثه المسلم) أشار إلى أن المعتبر وجود الوارث عند الموت أو القتل أو الحكم باللحاق وهو رواية محمد عن الإمام وهو الأصح ـ ـ ـ لكن قوله أو الحكم باللحاق خلاف الأصح فإن الأصح وهو ظاهر الرواية اعتبار وجود الوارث عند اللحاق وروى عند الحكم به كما في شرح السير الكبير قوله (ولو زوجته) لأنه بالردة كأنه مرض مرض الموت لاختياره سبب المرض بإصراره على الكفر مختارا حتى قتل نهر قوله (بشرط العدة) قال في النهر هذا يقتضي أن غير المدخول بها لا ترث لصيرورتها بالردة أجنبية وليست الردة موتا حقيقيا بدليل أن المدخولة إنما تعتد بعد موته بالحيض لا بالأشهر فلا تنتهض سببا للإرث والإرث وإن استند إلى الردة لكن يتقرر عند الموت ـ

(۴۵۷) قادیانی لڑکے سے علیحدگی کے بعد عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نے ایک قادیانی لڑکے کے ساتھ نکاح کیا بعد اس پتہ چلا کہ یہ نکاح نہیں ہوسکتا لہٰذا خلع کر کے عورت نے خلاصی حاصل کرلی تو کیا اس صورت میں بھی عورت پر عدت گزارنا ضروری ہے؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ یہ نکاح نہیں بلکہ زنا ہے تو اگر یہاں عدت ضروری ہو تو کوئی عورت زنا کرلے تو اس پر بھی عدت گزارنا ضروری ہے؟ اگر ہے تو گناہ کا چرچا ہوگا اور کوئی نکاح کیلئے تیار نہیں ہوگا۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں قادیانی چونکہ ختم نبوت کے منکر ہونے کی وجہ سے کافر ہیں اور کسی مسلمان لڑکی کا نکاح کافر سے منعقد ہی نہیں ہوتا لہٰذا شوہر کے قادیانی ہونے کا علم ہوتے ہی فوراً علیحدگی اختیار کرلینا کافی ہے۔لڑکی پر نہ عدت واجب ہوگی اور نہ ہی خلع کی ضرورت ہے۔نیز زنا سے بھی عدت واجب نہیں ہوتی۔

لمافی الدرالمختار(۵۵۵/۳): قلت وفي مجمع الفتاوي نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لأنه نكاح باطل ـ

وفی الرد تحته : قوله (لأنه نكاح باطل) أي فالوطء فيه زنا لا يثبت به النسب بخلاف الفاسد فإنه وطء بشبهة فيثبت به النسب ولذا تكون بالفاسد فراشا لا بالباطل رحمتي ـ

(۴۵۸) دو بچوں کی حاملہ عورت کی عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ عمرو کی بیوی کو عمرو کی طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے طیش آیا

اس نے عمرو سے کہا ''جاؤ گھر سے باہر کما کر لاؤ آٹا ختم ہو گیا بجلی کا بل آ چکا ہے۔'' عمرو غصہ کی حالت میں تھا اس نے کہا: ''جا دفع ہو جا میں نے تجھے طلاق دیدی ہے''۔ اس کی بیوی حاملہ تھی اور ایک بچہ پیدا ہو گیا ہے اور ابھی اس کے پیٹ میں دوسرا بچہ باقی ہے تو آیا اس کی عدت کب ختم ہوگی؟ پہلے سے یا دوسرے سے اور اگر اس کا شوہر عمرو پہلے بچہ کی ولادت کے بعد رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......شریعت مطہرہ میں حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ اگر کوئی عورت دو بچے جنتی ہے اور دونوں بچوں کی ولادت کے درمیان چھ ماہ سے کم عرصہ ہو تو اس صورت میں اس کی عدت دوسرے بچے کی ولادت تک ہوگی لہٰذا اس سے پہلے [اور پہلے بچے کی ولادت کے بعد] خاوند رجوع کر سکتا ہے اور اگر دونوں بچوں کی ولادت کے درمیان چھ ماہ سے زیادہ عرصہ ہو تو اس صورت میں پہلے بچے کی ولادت کے بعد رجوع صحیح نہیں ہوگا کیونکہ عدت ختم ہوگئی ہے بلکہ تجدید نکاح ضروری ہوگا البتہ اگر عمر نے ''جا دفع ہو جا'' طلاق کی نیت سے کہا تھا تو اس صورت میں وہ بائنہ ہو جائے گی اور بہر صورت تجدید نکاح ضروری ہوگا۔

لمافی الهندیة (١/٥٢٩): إذا كانت المعتدة حاملا فولدت ولدين انقضت العدة بآخرهما كذا في المحيط۔

وفی الدرالمختار (١/٣٠١): (والنفاس لأم توأمين من الأول)هما ولدان بينهما دون نصف حول وكذا الثلاثة ولو بين الأول والثالث أكثر منه في الأصح (و) انقضاء (العدة من الأخير وفاقا) لتعلقه بالفراغ ۔

وفی الرد تحته: قوله (لتعلقه بالفراغ) أي لتعلق انقضاء العدة بفراغ الرحم وهو لا يفرغ إلا بخروج كل ما فيه ط۔

وفی الدرالمختار (٣/٢٩٦):

باب الكنايات (كنايته) عند الفقهاء (ما لم يوضع له) أي الطلاق (واحتمله) وغيره (ف) الكنايات (لا تطلق بها)قضاء (إلا بنية أو دلالة الحال) وهي حالة مذاكرة الطلاق أو الغضب ---- (فنحو اخرجي واذهبي وقومي)۔

وفيه أيضاً (٣/٤٠٩): (وينكح) مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع ومنع غيره فيها لاشتباه النسب۔

(٤٥٩) دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بیٹی کو ١٢/نومبر بروز بدھ بوقت مغرب میرے دا

نے تین طلاقیں دیں اور میری بیٹی کا مہر بھی ادا نہیں کیا اور نہ کوئی عدت کا خرچہ دیا۔ میری بیٹی اسکول ٹیچر ہے، جس میں لڑکے لڑکیاں دونوں زیر تعلیم ہیں، میری بیٹی صبح اسکول باپردہ جاتی ہے اور باپردہ دوپہر ایک بجے واپس آتی ہے جناب میں بہت غریب مزدور آدمی ہوں، کرائے کے مکان میں رہتا ہوں۔ میری ۵ بیٹیاں، ایک بیٹا ہے جو کہ بہت چھوٹا ہے۔ میری روزی بھی ہوائی ہے اس مجبوری کے تحت میری بیٹی اسکول ٹیچری کر کے میری کچھ مالی مدد کر رہی ہے لیکن جب وہ اسکول سے دوپہر ایک بجے گھر آجاتی ہے تو پھر وہ عدت کر رہی ہے۔ جناب اس مسئلے کا حل بتائیں کہ عدت پورے دن کی کرنی لازمی ہے یا ایک بجے کے بعد سے بھی کر سکتی ہے؟

کہنے والے کہتے ہیں کہ اگر لڑکی کی دوسری شادی کرنی ہے تو پورے دن کی عدت لازمی ہے۔ اگر اس صورت میں ہم پورے دن کی عدت کروائیں تو کیا جو لڑکی طلاق کے بعد گھر سے باہر آتی جاتی رہی وہ پچھلے دن آگے جا کر شمار کرنے ہوں گے یا مجبوری میں ہم آدھے دن کی عدت کرواتے رہیں جس طرح لڑکی اب کر رہی ہے تو کوئی گناہ تو ہمارے اوپر نہیں ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......جس عورت کو طلاق دی گئی ہو، اس پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ عدت گزارے اور دورانِ عدت اس کیلئے خواہ دن ہو یا رات نکلنا جائز نہیں ہے البتہ شوہر پر لازم ہے کہ وہ دورانِ عدت اس کو خرچہ اور رہنے کیلئے جگہ دے اور اگر مہر ادا نہیں کیا ہے تو وہ بھی ادا کرے۔ مسئلہ بالا میں آپ کی بیٹی کیلئے باہر نکلنا جائز نہیں ہے اور ابھی تک جو باہر جاتی رہی اس پر توبہ اور استغفار کرے البتہ پچھلے دنوں جن میں وہ باہر آتی جاتی رہی وہ دن عدت ہی میں شمار ہوں گے۔ نئے سرے سے دوبارہ عدت گزارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس دن سے طلاق ہوئی اسی دن سے عدت پوری کرے گی۔ باقی رہی لوگوں کی یہ بات کہ دوسری شادی کیلئے پورے دن کی عدت ضروری ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ عدت میں صرف تین ماہواری کا آنا ضروری ہے، اس کے بعد عورت شادی کر سکتی ہے چاہے عدت میں نہ بیٹھی ہو [اگرچہ ایسا کرنا اس کیلئے حرام ہے]۔

لما في الهندية (۱/۵۳۴): إن كانت معتدة من نكاح صحيح وهي حرة مطلقة بالغة عاقلة مسلمة والحالة حالة الاختيار فإنها لا تخرج ليلا ولا نهارا سواء كان الطلاق ثلاثا أو بائنا أو رجعيا كذا في البدائع۔

وفى الفقه الاسلامى وادلته (۷۱۹۱/۹): إن كان الزواج صحيحاً: فمبدأ العدة بعد الطلاق أو الفسخ أو الموت، فابتداء العدة في الطلاق ونحوه عقيب الطلاق، وفي الوفاة عقيب الوفاة بالاتفاق بين الفقهاء، وتنقضي العدة وإن جهلت المرأة بالطلاق أو الوفاة؛ لأنها أجل، فلا يشترط العلم بمضي الأجل، سواء اعترف الرجل بالطلاق أو أنكر۔

وفيه أيضا(۷۱۹۸/۹): ثالثاً حرمة الخروج من البيت :للفقهاء آراء متقاربة في مسألة خروج المعتدة من البيت، الحنفية: فرقوا بين المطلقة والمتوفى عنها، فقالوا: يحرم على المطلقة البالغة العاقلة الحرة المسلمة المعتدة من زواج صحيح الخروج ليلاً ونهاراً، سواء أكان الطلاق بائناً أم ثلاثاً أم

رجعیاً۔

(۴۶۰) پڑوس میں عدت گزارنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا (جس کو اس نے طلاق دیدی ہے) کہ تو پڑوس میں جا کر عدت گزار لے۔ اب وہ نہیں جا رہی، آیا اس پر عدت گزارنا شوہر کے گھر پر لازم ہے یا شوہر کی بات مانتے ہوئے اپنے پڑوسی کے گھر عدت گزار لے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں اگر شوہر کسی طرح بھی اس کو اپنے گھر عدت گزارنے نہیں دیتا اور جبراً نکالنا چاہتا ہے تو اس صورت میں عورت کسی اور جگہ عدت گزار سکتی ہے اور اگر شوہر صرف ڈرانا دھمکانا چاہتا ہے اور اس کو زبردستی نہیں نکالنا چاہتا تو مذکورہ عورت کیلئے باہر نکلنا جائز نہیں۔

لما في القرآن الكريم (الطلاق:۱):لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللهِ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ۔

وفی صحيح البخاری (۲/۸۰۲) باب الطلاق، باب قصة فاطمه بنت قيس، وقوله لاتخرجوهن الخ): قال عروة بن الزبير لعائشة رضي الله عنها: ألم تري إلى فلانة بنت الحكم، طلقها زوجها البتة فخرجت؟ فقالت: بئس ما صنعت قال: ألم تسمعي في قول فاطمة؟ قالت: أما إنه ليس لها خير في ذكر هذا الحديث۔

وفی الهندية (۱/۵۳۵)العدة، فصل فی الحداد:على المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت كذا في الكافي

وفی الشامية (۳/۵۳۶) كتاب الطلاق، العدة، فصل فی الحداد: قوله (ولا يخرجان) بالبناء للفاعل والمناسب تخرجان بالتاء الفوقية لأنه مثنى المؤنث الغائب أفاده ط قوله (إلا أن تخرج) الأولى الإتيان بضمير التثنية فيه وفيما بعده ط وشمل إخراج الزوج ظلما أو صاحب المنزل لعدم قدرتها على الكراء۔

(۴۶۱) عدت میں کرایہ کے مکان میں ایک سے دوسری منزل پر انتقال کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہوا ہے اور وہ ایک تین منزلہ بلڈنگ میں عدت گزار رہی ہے۔ یہ عورت دوسری منزل پر رہتی ہے اور کرایہ پر رہتی ہے۔ مالک مکان دوسری منزل پر کچھ کام کروانا چاہتا

ہے، اس لئے اس سے کہہ رہا ہے کہ وہ دوسری منزل سے تیسری منزل پر منتقل ہو جائے، کیا عورت اوپر والی منزل پر منتقل ہو سکتی ہے؟ کیونکہ مکان تو ایک ہی ہے۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... اگر وہ کرایہ کا مکان مکمل طور پر یا اس کی دوسری اور تیسری دونوں منزلیں ان میاں بیوی نے کرایہ پر لی ہوئی ہوں تو پھر عورت کیلئے تیسری منزل پر عدت گزارنا بلاشبہ جائز ہے لیکن اگر صرف دوسری منزل کرایہ پر لی ہو تو پھر بغیر ضرورت کے تیسری منزل پر منتقل ہونا جائز نہیں لہٰذا دوسری منزل پر مالک مکان جو کام کرانا چاہ رہا ہے اگر اسے انتہاء عدت تک مؤخر کرنا ممکن ہو تو مؤخر کر لینا بہتر ہے ورنہ انتقال کی گنجائش ہے۔

لمافي الهندية (۱/۵۳۵): للمعتدة أن تخرج من بيتها إلى صحن الدار وتبيت في أي منزل شاءت إلا أن يكون في الدار منازل لغيره فلا تخرج من بيتها إلى تلك المنازل۔

وفي الشامية (۳/۵۳۵): قوله (فيها منازل لغيره) أي غير الزوج بخلاف ما إذا كانت له فإن لها أن تخرج إليها وتبيت في أي منزل شاءت لأنها تضاف إليها بالسكنى زيلعي۔

(۴۶۲) شوہر کے گھر کے بجائے سسرال میں عدت گزارنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا اور خاوند اپنی بیوی کے ساتھ نیو کراچی میں رہتا تھا اور خاوند کے والدین اور بہن بھائی اورنگی ٹاؤن میں رہتے تھے خاوند کے مرنے کے بعد اس کے والدین نے اپنے بیٹے یعنی عورت کے خاوند کو نیو کراچی سے اورنگی ٹاؤن لے جا کر وہاں دفنا دیا۔ اب عورت کی عدت کا مسئلہ ہے کہ عورت یعنی بیوہ عدت کہاں گزارے گی؟ اپنے خاوند کے گھر میں یا سسرال کے گھر میں اور دوسری بات یہ ہے کہ آیا یہ عورت سسرال میں سوئم تک رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ اس کو خاوند کے دفنانے کے بعد فوراً خاوند کے گھر واپس لوٹنا ضروری ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوهاب......شوہر کے انتقال کے بعد بیوہ کو شوہر کے گھر میں ہی عدت گزارنا ضروری ہے اور بغیر کسی عذر شرعی کے دوران عدت گھر سے نکلنا جائز نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت شوہر کے گھر میں ہی عدت گزارے گی جس طرح بیوہ عدت کے دوران شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں اور نہیں رہ سکتی اسی طرح سوئم تک سسرال میں بھی نہیں رہ سکتی۔

لمافي القرآن الكريم (البقرة:۲۳۴): وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيْ أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

وفي مشكوة المصابيح (ص۲۸۹) باب العدة: عن زينب بنت كعب: أن الفريعة بنت مالك بن سنان وهي أخت أبي سعيد الخدري رضي الله عنه --- فإن زوجها خرج في طلب أعبد له أبقوا فقتلوه

قالت : فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أرجع إلى أهلي فإن زوجي لم يتركني في منزل يملكه ولا نفقة ـ ـ ـ فقال : " امكثي في بيتك حتى يبلغ الكتاب أجله " . قالت : فاعتددت فيه أربعة أشهر وعشرا۔

وفی الشامية (۵۳۶/۳): قال في الهداية وأما المتوفي عنها زوجها فلأنه لا نفقة لها فتحتاج إلى الخروج نهارا لطلب المعاش وقد يمتد إلى أن يهجم الليل ـ ـ ـ قال في الفتح والحاصل أن مدار حل خروجها بسبب قيام شغل المعيشة فيتقدر بقدره فمتى انقضت حاجتها لا يحل لها بعد ذلك صرف الزمان خارج بيتها اھ۔

(۴۶۳) تنہائی کی وجہ سے خوفزدہ ہونے والی بیوی کی عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اس کی بیوی عدت گزار رہی ہے، لیکن گھر میں اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں، اب وہ رات کو تنہائی کی وجہ سے ڈرتی ہے لیکن چوروں اور پڑوسیوں کا اسے ڈر نہیں تو آیا ایسی صورت میں وہ دوسرے گھر یا اپنے گھر جا کر عدت گزار سکتی ہے یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت شوہر کے گھر سے دوسرے گھر جا کر عدت گزار سکتی ہے بشرطیکہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو، اگر خوف کی شدت کم ہو تو پھر نہیں جا سکتی۔

لما فی الترمذی (۲۲۹/۱) باب ماجاء أين تعتد المتوفی عنها زوجها: عن عمته زينب بنت كعب بن عجرة ـ ـ ـ نادانی رسول الله صلى الله عليه وسلم أو أمر بي فنوديت له فقال كيف قلت. قالت فرددت عليه القصة التي ذكرت له من شأن زوجی قال امكثی فی بيتك حتى يبلغ الكتاب أجله قالت فاعتددت فيه أربعة أشهر وعشرا۔

وفی البحر الرائق(۲۶۰/۴) فصل فی الاحداد: فمنها ما في الظهيرية لو لم يكن معها أحد في البيت وهي تخاف بالليل بالقلب من أمر الميت والموت إن كان الخوف شديدا كان لها التحول وإن لم يكن شديدا فليس لها التحول۔

(۴۶۴) شوہر کی موت کی صورت میں بیوی کے نفقہ اور عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت حاملہ ہو اور اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور اس عورت کو سسرال والے نہ رکھنا چاہتے ہوں اور وہ میکے میں باقی کے دن گزارے تو اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری کس پر ہوگی اور اولاد

ہونے پراس کی پرورش کی ذمہ داری کس پر ہوگی اور اس کا خرچہ کون برداشت کرے گا اور یہ اولاد کب تک یعنی کتنے عرصہ عمر تک کہاں رہے گی اور سمجھدار ہونے کے بعد کہاں رہے گی اور شوہر کے مال واسباب میں کتنا حق ہے اور ماں باپ کا کتنا حق ہے؟ اور مزید کچھ احکام ہوں تو وہ بھی بتادیجئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......عورت کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے البتہ اگر سسرال والے وہاں عدت نہ گزارنے دے رہے ہوں یا گھر منہدم ہوگیا ہو یا گر جانے کا اندیشہ ہو یا اس کے مال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا گھر کا کرایہ ادا کرنے سے عاجز ہو تو عدت کے ایام اپنے میکے میں مکمل کرے البتہ سسرال والوں پر عورت کا نان ونفقہ لازم نہیں۔ ہاں اگر شوہر نے ترکہ چھوڑا ہو تو اس میں سے اس کو حصہ ملے گا، جس سے اپنے نان ونفقہ کا بندوبست کرے گی۔ بچہ کی پرورش کا سب سے زیادہ حق ماں کو ہے پھر نانی وغیرہ کو ہوتا ہے اور بچہ کی پرورش والد کے ترکہ سے جو اس کا حصہ ہے اس سے کی جائے گی اور اگر والد نے ترکہ نہ چھوڑا ہو تو اس کے دادا پر پرورش کا نفقہ ہوگا اور اگر دادا بھی نہ ہوں تو پھر سگے بھائی پر آئے گا بشرطیکہ وہ بالغ بھی ہو۔

لڑکا سات (۷) سال تک اور لڑکی نو (۹) سال تک ماں کے زیرِ پرورش رہے گی۔ پھر اگر دادا وغیرہ مطالبہ کریں تو ان کو لینے کا حق ہے اور شوہر کی میراث بیوی اور والدین میں اس طرح تقسیم کی جائے گی کہ بیوی کو آٹھواں حصہ اور والدین میں سے ہر ایک کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا پھر اگر حمل مذکر ہوا تو بقیہ ساری میراث اس کو ملے گی اور اگر مونث ہوا تو کُل میراث کا نصف لڑکی کو ملے گا اور باقی والد کو دیدیا جائے گا۔

لمافي التفسير المظهرى (٣٣٠/١): رواه الدارقطني أنه عليه السلام أمر المتوفى عنها زوجها أن تعتد حيث شاءت --- قال أبو حنيفة فان كان نصيبها فى دار الميت لا يكفيها وأخرجها الورثة من نصيبهم انتقلت لأن هذا انتقال بعذر والعبادات تؤثر فيها الأعذار فصار كما إذا خافت سقوط المنزل أو كانت فيها بأجر ولا تجد ما يؤديه۔

وفى الشامية(٦١٣/٣): وهذا إذا لم يكن الأب زمنا عاجزا عن الكسب وإلا قضى بالنفقة على الجد اتفاقا لأن نفقة الأب حينئذ واجبة على الجد فكذا نفقة الصغار۔

وفى الشامية (٥٦٧/٣): قوله (مشتهاة اتفاقا) بل في محرمات المنح بنت تسع فصاعدا مشتهاة اتفاقا سائحاني قوله (كذلك) أي في كونها أحق بها حتى تشتهي قوله (وبه يفتى) قال في البحر بعد نقل تصحيحه والحاصل أن الفتوى على خلاف ظاهر الرواية۔

(۴۶۵) دورانِ عدت شوہر کے انتقال کر جانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ بائن دی، اس کے بعد اس

کا شوہر مرگیا تو آیا اس کی عدت طلاق سے موت کی عدت میں منتقل ہوجائے گی یا نہیں اور یہ وارث ہوگی یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت کریں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر شوہر نے بیماری کی حالت میں بیوی کی رضامندی کے بغیر طلاق بائن دیدی اور پھر بیوی کی عدت کے اندر اس کا انتقال ہوگیا تو اس صورت میں اس کی بیوی وارث بھی ہوگی اور اس کی عدت بھی منتقل ہوجائے گی اور عدت کے منتقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ عورت طلاق کے بجائے موت کی عدت چار ماہ دس دن گزارے گی۔

اگر شوہر نے صحت کی حالت میں طلاق دیدی یا بیماری کی حالت میں بیوی کی رضامندی سے طلاق دیدی اور پھر عدت کے اندر اس کا انتقال ہوگیا، یا بیماری کی حالت میں طلاق دیدی لیکن بیوی کی عدت گزرنے کے بعد اس کا انتقال ہوگیا تو ان تمام صورتوں میں نہ بیوی وارث ہوگی اور نہ اس کی عدت منتقل ہوگی۔

لمافی الهندیة (۱/۵۳۰) باب العدة:إذا طلق امرأته ثم مات فإن كان الطلاق رجعيا انتقلت عدتها إلى الوفاة سواء طلقها في حالة المرض أو الصحة وانهدمت عدة الطلاق وإن كان بائنا أو ثلاثا فإن لم ترث بأن طلقها في حالة الصحة لا تنتقل عدتها وإن ورثت بأن طلقها في حالة المرض ثم مات قبل أن تنقضي العدة فورثت اعتدت بأربعة أشهر وعشرة أيام فيها ثلاث حيض حتى إنها لو لم توف المدة الأربعة الأشهر والعشر ثلاث حيض تكمل بعد ذلك وهذا قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى كذا في البدائع۔

وفی الدرالمختار(۳/۵۱۳) باب العدة: (وفي) حق (امرأة الفار من) الطلاق (البائن) إن مات وهي في العدة (أبعد الأجلين من عدة الوفاة وعدة الطلاق) احتياطا بأن تتربص أربعة أشهر وعشرا من وقت الموت فيها ثلاث حيض من وقت الطلاق ، شمني وفيه قصور لأنها لو لم تر فيها حيضا تعتد بعدها بثلاث حيض حتى لو امتد طهرها تبقى عدتها حتى تبلغ سن الإياس ، فتح (و) قيد البائن لأن (لمطلقة الرجعي ما للموت) إجماعا۔

(۴۶۶)شوہر کے انتقال کے بعد طلاق کی تحریر ملنے سے عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے شوہر کا دو مہینے پہلے انتقال ہوا، میں اپنی عدت مکمل کررہی تھی لیکن ابھی چند دنوں پہلے جب ہم لوگ ان کے سامان کو دیکھ رہے تھے تو اس میں سے ایک پرچہ نکلا جس پر لکھا تھا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں اور اس پر جو تاریخ تھی وہ ان کی موت سے ایک مہینے پہلے کی تھی اب ہمارے خاندان والے کہتے ہیں کہ تمہاری عدت مکمل ہوگئی ہے لیکن مجھے دلی طور پر سکون نہیں۔آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ مجھ پر کونسی عدت واجب ہے "عدت وفات" یا "عدت

طلاق" اور میری عدت مکمل ہوگئی ہے یا نہیں؟ براہ کرم جلد از جلد جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ اگر پرچہ میں لکھا ہوا تھا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں اور یہ جملہ صرف ایک مرتبہ لکھا ہے تو آپ پر عدت وفات واجب ہے اور اگر تین مرتبہ لکھا ہے تو دیکھا جائے گا کہ آپ کے شوہر اُن دنوں جب یہ پرچہ لکھا تھا مرض الموت میں مبتلا تھے یا نہیں۔ اگر نہیں تھے تو آپ پر عدت طلاق ہے اور اگر مرض الموت میں تھے تو آپ پر عدت طلاق اور عدت وفات میں سے جو زیادہ طویل ہو وہی عدت واجب ہوگی۔

لما في القرآن الكريم (البقرة:٢٢٨): وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ۔

وفي مقام آخر: (البقرة:٢٣٤): وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔

وفي الهندية (١/٥٣٠): إذا طلق امرأته ثم مات فإن كان الطلاق رجعيا انتقلت عدتها إلى الوفاة سواء طلقها في حالة المرض أو الصحة وانهدمت عدة الطلاق وإن كان بائنا أو ثلاثا فإن لم ترث بأن طلقها في حالة الصحة لا تنتقل عدتها۔الخ۔

وفي الدر المختار(٣/٥١٣) باب العدة: وفي) حق (امرأة الفار من) الطلاق (البائن) إن مات وهي في العدة (أبعد الأجلين من عدة الوفاة وعدة الطلاق)۔الخ۔

وفي الرد تحته: والمراد بامرأة الفار من أبانها في مرضه بغير رضاها بحيث صار فارا ومات في عدتها فعدتها أبعد الأجلين عندهما ـــ لو أبانها في مرضه برضاها بحيث لم يصر فارا تعتد عدة الطلاق ـــ وخرج أيضا ما لو طلقها بائنا في صحته ثم مات لا تنتقل عدتها ولا ترث اتفاقا۔

(٤٦٧) عدت میں داماد سے بات کرنے کا حکم

سوال......مفتی صاحب! درج ذیل سؤالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(١) جب شوہر کا انتقال ہوتا ہے تو عورت عدت کرتی ہے، یہ بتائیں کہ وہ اپنے داماد سے بات کرسکتی ہے یا نہیں؟

(٢) جب بیوی کا انتقال ہوجاتا ہے تو شوہر کا اِس سے رشتہ ختم ہوجاتا ہے یا نہیں؟

(٣) عورت پر عدت ہر عمر میں ہوتی ہے یا بوڑھی ہوجائے تو ختم ہوجاتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(١) عورت اپنے داماد سے بات کرسکتی ہے خواہ عدت میں ہو یا غیر عدت میں، بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔

(٢) بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کا اس سے رشتہ ختم ہوجاتا ہے۔

(۳) عدتِ وفات عورت پر ہر عمر میں واجب ہے، خواہ بچی ہو یا جوان ہو یا بوڑھی۔

لمافی القرآن الکریم (البقرة:۲۳۴): وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔

وفی الشامیة (۳۸/۳): فرع ماتت امرأته له التزوج بأختها بعد يوم من موتها كما في الخلاصة عن الأصل وكذا في المبسوط لصدر الإسلام والمحيط والسرخسي والبحر والتاترخانية وغيرها من الكتب المعتمدة وأما ما عزي إلى النتف من وجوب العدة فلا يعتمد عليه وتمامه في كتابنا تنقيح الفتاوى الحامدية۔

وفيه أيضا (۳۶۹/۶) كتاب الحظر والاباحة، فصل فی النظر واللمس: قوله (والصهرة الشابة) قال في القنية ماتت عن زوج وأم فلهما أن يسكنا في دار واحدة إذا لم يخافا الفتنة وإن كانت الصهرة شابة فللجيران أن يمنعوها منه إذا خافوا عليهما الفتنة اهـ۔

(۴۶۸) دورانِ عدت بھانجے سے پردے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ خالہ اور بھانجے کا پردہ دورانِ عدت ہے یا نہیں؟ یا عدت کے بغیر پردہ جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......عدت اور غیر عدت دونوں میں پردے کے احکام یکساں ہیں، عام اوقات میں جن اشخاص سے پردہ ہے ان سے عدت میں بھی پردہ اور جن سے عام اوقات میں پردہ نہیں ان سے عدت میں بھی پردہ نہیں لہٰذا خالہ کیلئے بہن کے لڑکے (بھانجے) اولاد کی طرح محرم ہیں ان کے لئے آپس میں پردہ کا حکم نہیں، چاہے خالہ عدت میں ہو یا نہ ہو۔

لمافی القرآن الکریم (النور:۳۱): وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ۔الآية۔

وفی الهندية (۳۲۸/۵): ولا بأس للرجل أن ينظر من أمه وابنته البالغة وأخته وكل ذي رحم محرم منه كالجدات والأولاد وأولاد الأولاد والعمات والخالات۔الخ۔

(۴۶۹) عدت میں مہندی اور خضاب استعمال کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کا شوہر مر گیا، وہ اس کے سوگ میں دن گزار

رہی تھی لیکن وہ خضاب اور مہندی لگاتی تھی، آیا اس کا سوگ درست ہے یا نہیں اور ان چیزوں کے استعمال کرنے کی وجہ سے وہ گناہ گار ہوگی یا نہیں؟ براہ کرم جلدی جواب دے کر مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......شریعت مطہرہ نے سوگ کے ایام میں عورت پر تمام زینت والی اشیاء استعمال کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت کا خضاب اور مہندی استعمال کرنا جائز نہیں اور وہ گنہگار بھی ہوگی، اسے اپنے اس فعل پر سچی توبہ اور خوب استغفار کرنا چاہیئے نیز مزید استعمال کرنے سے اجتناب کرے۔

لمافی الهندية (۵۳۳/۱) كتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی الحداد: والحداد الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل والحناء والخضاب ۔۔۔ وإنما يلزمها الاجتناب في حالة الاختيار أما في حالة الاضطرار فلا بأس بها إن اشتكت رأسها أو عينها فصبت عليها الدهن أو اكتحلت لأجل المعالجة فلا بأس به ولكن لا تقصد به الزينة كذا في المحيط۔

وفی الشامية (۵۳۱/۳) فصل فی الحداد: المعتدة تجتنب عن كل زينة نحو الخضاب ولبس المطيب اه

(۴۷۰) مطلقہ کیلئے شیمپو استعمال کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ مطلقہ عورت کے لئے خوشبو منع ہے جب کہ وہ آملہ ریٹھا کا مخصوص شیمپو استعمال کرتی ہو اور اس کے بغیر بال صاف نہیں ہوتے ہوں، بلکہ آپس میں چپک جاتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ نیز نہانے کے لئے بغیر خوشبو کا کونسا صابن استعمال کرے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مذکورہ صورت میں "ریٹھا آملہ کا شیمپو" اگر اس میں خوشبو نہیں ہے اور اس کو استعمال کرنے کی وجہ صرف اور صرف صفائی ہے تو استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔ اگر اس میں خوشبو موجود ہے تو اس کو استعمال نہ کرے اور اس سے اجتناب کرے۔ بہتر یہ ہے کہ ایسا صابن استعمال کرے جس میں خوشبو نہ ہو ایسے کئی صابن دستیاب ہیں جو آسانی کے ساتھ بازار میں مل جاتے ہیں۔ بالوں کا صاف نہ ہونا یا شیمپو استعمال کئے بغیر چپک جانا، یہ کوئی عذر نہیں ہے۔

لمافی الهندية (۵۳۳/۱): والحداد الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل والحناء والخضاب ولبس المطيب والمعصفر والثوب الأحمر وما صبغ بزعفران إلا إن كان غسيلا لا ينفض ولبس القصب والخز والحرير ولبس الحلي والتزين والامتشاط كذا في التتارخانية۔

(۴۷۱) معتدہ کا ضرورتاً تیل یا سرمہ لگانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت شوہر کے انتقال کی عدت گزار رہی ہے لیکن اس

کے سر میں جوئیں پڑ گئی ہیں، آیا ضرورت کے وقت تیل اور سرمہ کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر مذکورہ عورت کے سر میں جوؤں کی کثرت کی وجہ سے تکلیف ہو تو بطورِ دوا تیل لگا سکتی ہے بشرطیکہ اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے کوئی اور کیمیکل وغیرہ موجود نہ ہو، اسی طرح آنکھوں میں بیماری کے بسبب تکلیف ہو تو اسے دور کرنے کیلئے آج کل ڈراپ وغیرہ میسر ہیں ان کے ذریعے علاج کی کوشش کرے، اگر سرمہ کا استعمال ہی ضروری ہو تو اسے استعمال کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

لما فی جامع الترمذی (۲۲۷/۱) باب ماجاء فی عدۃ المتوفی عنها زوجها: قالت زينب وسمعت أمي أم سلمة تقول جاءت امرأة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله إن ابنتي توفي عنها زوجها وقد اشتكت عينيها أفنكحلها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا مرتين أو ثلاث مرات كل ذلك يقول: لا . ثم قال: إنما هي أربعة أشهر وعشرا۔

وفی مرقاۃ المفاتیح (۴۵۵/۶) باب العدۃ: ولا تكتحل بالوجهين قال ابن الهمام إلا من عذر لأن فيه ضرورة هذا مذهب جمهور الأئمة۔

وفی الدرالمختار (۵۳۱/۳) فصل فی الحداد: (والدهن) ولو بلا طيب كزيت خالص (والكحل والحناء ولبس المعصفر والمزعفر) ومصبوغ بمغرة أو ورس (إلا بعذر)راجع للجميع إذ الضرورات تبيح المحظورات۔

وفی الرد تحته : قوله (راجع للجميع) فإن كان وجع بالعين فتكتحل أو حكة فتلبس الحرير أو تشتكي رأسها فتدهن وتمشط بالأسنان الغليظة المتباعدة من غير إرادة الزينة لأن هذا تداو لا زينة جوهرة۔

(۴۷۲) معتدہ کیلئے رنگین کپڑوں کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عورت عدت میں رنگا کپڑا نہیں پہن سکتی یا کوئی رنگین کپڑا نہیں پہن سکتی یا جو بطور زینت کے سلایا ہو وہ نہیں پہن سکتی؟ کیونکہ یہاں دو باتیں ہیں:

(۱) ہر عورت کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ وہ صرف عدت کیلئے سفید کپڑے بنوائے اور عام معمول میں تو آپ جانتے ہیں ہمارے معاشرے میں عورت سفید کپڑا نہیں پہنتی؟

(۲) دوسری بات یہ کہ گھر پر پہننے کے جو رنگین کپڑے ہیں وہ زینت کیلئے تو نہیں ہوتے بلکہ عام ہوتے ہیں۔ زینت کے تو وہ

ہوتے ہیں جو شادی بیاہ تقاریب کیلئے بنائے جائیں۔لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ عدت میں رنگین کپڑے پہننے کے احکام ذکر کردیں۔

الجواب بعون الملك الوهاب......عدت میں عورت کیلئے زینت کرنا ناجائز ہے اور کپڑوں میں جو نئے، خوشبودار اور زینت کیلئے ہوں اُن کا پہننا ناجائز ہے لیکن اگر پرانے ہوجائیں، دھونے کی وجہ سے رنگ مدھم پڑجائے (تیز رنگ نہ ہوں) اور خوشبو نہ رہے تو ان کا پہننا درست ہے لہٰذا گھر کے کام کاج والے کپڑے جو مذکورہ صفات کے حامل ہوں اور زینت بھی نہ پائی جائے تو اُن کا پہننا درست ہے۔

لمافی صحيح المسلم: وجوب الاحداد فی عدة الوفاة (٤٨٦/١): عن أم عطية أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تحد امرأة على ميت فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر وعشرا ولا تلبس ثوبا مصبوغا إلا ثوب عصب ولا تكتحل ولا تمس طيبا إلا إذا طهرت نبذة من قسط أو أظفار۔

وفی الهندية (٥٣٣/١): والحداد الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل والحناء والخضاب ولبس المطيب والمعصفر والثوب الأحمر وما صبغ بزعفران إلا إن كان غسيلا لا ينفض ولبس القصب والخز والحرير ولبس الحلي والتزين والامتشاط كذا في التتارخانية قال شمس الأئمة المراد من الثياب المذكورة ما كان جديدا منها تقع به الزينة أما إذا كان خلقا لا تقع به الزينة فلا بأس به۔

(٤٧٣) طلاق حسن میں عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی کو ایک طلاق نومبر میں ہوئی یعنی ٢٠١٣/١١/١٦ کو ہوئی۔ دوسری طلاق دسمبر یعنی ٢٠١٣/١٢/١٣ کو ہوئی اور تیسری طلاق ٢٠١٤/١/٢٣ کو ہوئی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اس کی عدت کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوگی۔ نیز تینوں مہینوں میں مخصوص ایام طلاق ہونے کے بعد آئے ہیں اور لڑکی کو ان طلاقوں کا بالکل علم نہیں تھا اس کے علم میں یہ بات ٢٣ جنوری کو آئی۔ اب آپ ہی بتائیں کہ اس کی عدت کب اور کیسے ختم ہوگی۔

تنقیح: شوہر پہلی طلاق کو جس تاریخ کی طرف منسوب کررہا ہے، عورت اس تاریخ سے پہلے ہی کسی جھگڑے کے باعث اپنے میکے چلی آئی تھی اور اس کے بعد سے میاں بیوی آپس میں ساتھ نہیں رہے پھر ٢٣ جنوری سے دو دن قبل لڑکی کی لڑکے سے فون پر بات کروائی گئی تاکہ معافی تلافی ہوجائے اور صلح ہوجائے لیکن شوہر راضی نہ ہوا اور کہا کہ میں ایک فیصلہ کرچکا ہوں تمہیں پتہ چل جائے گا پھر دو دن بعد ایک پرچہ آگیا جس میں یہ تفصیل تھی کہ میں تمہیں پہلی طلاق ١٦ نومبر کو زبانی طور پر دے چکا ہوں پھر دوسری طلاق ١٣ دسمبر کو دے چکا ہوں زبانی طور پر اور اب ٢٣ جنوری کو تیسری دیتا ہوں اور ان تینوں کو تحریری طور پر اب ثبت کیا ہے۔

الجواب بعون الملك الوهاب......سوال میں ذکر کردہ اور تنقیحاً معلوم کی گئی تمام باتیں اگر واقع کے مطابق ہیں اور پہلی طلاق کے بعد سے میاں بیوی آپس میں ساتھ بھی نہیں رہے اور اس دوران کسی طرح کا رجوع نہ قولاً پایا گیا ہو نہ فعلاً [جیسا کہ تنقیح کے بعد یہی صورت

حال معلوم ہوئی ہے] تو مذکورہ عورت کی عدت ۱۶ نومبر ہی سے شروع ہے اور ۱۶ نومبر کے بعد سے جب تین مرتبہ مخصوص ایام گزر جائیں تو اس عورت کی عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ اس عورت کو پہلی اور دوسری طلاق کے وقت اس کا علم بھی نہ ہوا ہو لہٰذا مذکورہ صورت میں ۲۳ جنوری کے بعد مزید تین ماہواری گزارنے ضروری نہیں بلکہ ۱۶ نومبر کے بعد سے جب تین مرتبہ مخصوص ایام پورے ہو جائیں عدت پوری ہو جائے گی۔

لما في الدر المختار : بخلاف ما (لو أقر بطلاقها منذ زمان) ماض فإن الفتوى أنها من وقت الإقرار مطلقا نفيا لتهمة المواضعة۔

وفي الرد تحته: (قوله : فإن الفتوى أنها من وقت الإقرار مطلقا) أي سواء صدقته أم كذبته أم قالت لا أدري كما يدل عليه السياق قال في البحر : وظاهر كلام محمد في المبسوط وعبارة الكنز اعتباره من وقت الطلاق إلا أن المتأخرين اختاروا وجوبها من وقت الإقرار حتى لا يحل له التزوج بأختها وأربع سواها زجرا له حيث كتم طلاقها وهو المختار كما في الصغرى ا هـ ووفق السعدي بحمل كلام محمد على ما إذا كانا متفرقين من الوقت الذي أسند الطلاق إليه ، أما إذا كانا مجتمعين فالكذب في كلامهما ظاهر فلا يصدقان في الإسناد قال في البحر : وهذا هو التوفيق إن شاء الله تعالى .وفي الفتح أن فتوى المتأخرين مخالفة للأئمة الأربعة وجمهور الصحابة والتابعين ، وحيث كانت مخالفتهم للتهمة فينبغي أن يتحرى به محالها والناس الذين هم مظانها ، ولهذا فصل السعدي بما مر ا هـ ملخصا ، و أقره في البحر والنهر۔

(۴۷۴) فضولی کے نکاح میں عدت کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فتاویٰ عالمگیریہ جلد اوّل باب العدة میں ہے کہ "لا تجب العدة بالوط فی نکاح الفضولی" یعنی فضولی اگر نکاح کرائے اور پھر وطی ہو جائے تو عدت واجب نہیں ہوتی جبکہ دوسرے نصوص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح فضولی کے بعد اگر وطی ہو جائے تو وہ نکاح کی اجازت ہے گویا نکاح ہو گیا اور جب نکاح ہو گیا تو عدت بھی واجب ہونی چاہیئے۔ برائے مہربانی اس تعارض کا تحقیقی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... مفتی بہ قول کے موافق چاہے نکاح فاسد ہو یا نکاح فضولی، ہر صورت میں وطی کے بعد طلاق یا تفریق کی وجہ سے عدت واجب ہو گی۔

باقی رہی یہ بات کہ "فتاوی عالمگیری" جلد اوّل، باب العدة میں "لا تجب العدة بالوطء فی نکاح الفضولی" کی جو عبارت ذکر کی گئی ہے وہ عبارت "محیط السرخسی" سے نقل کی گئی ہے اور محیط کی اس عبارت کے بارے میں علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے "البحر الرائق"

اور علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے ”ردالمحتار“ میں فرمایا ہے کہ "فکان مافی المحیط سھواً" یعنی اس عبارت میں بھول ہوگئی ہے۔

لما في البحر الرائق (٢٢٨/٤) كتاب العدة(ط رشيدية كوئٹه): وشرط وجوبها أن يكون الحمل من نكاح صحيحا كان أو فاسدا ولا تجب على الحامل من الزنا لأن الزنا لا يوجب العدة إلا أنه إذا تزوج امرأة وهي حامل من الزنا جاز النكاح ــــ وأما الموطوءة بشبهة فعدتها بالاقراء كما سيأتي إلا إذا كانت حاملا فعدتها بوضع الحمل كما في تزوج الحامل التي من الزنا ثم طلقها فولدت ـــ الخ۔

وفيه أيضاً(ص٢٣٦): وقيد بالنكاح الفاسد لأن المنكوحة نكاحا موقوفا كنكاح الفضولي لا تجب فيه العدة قبل الإجازة لأن النسب لا يثبت فيه۔الخ۔

وفي الشامية (٥١٦/٣):قوله (اختيار) ومثله في المحيط معللا بأن النسب لا يثبت فيه لأنه موقوف فلم ينعقد في حق حكمه فلا يؤثر شبهة الملك اه قوله (لكن الصواب الخ) فقد نقل الزيلعي في النكاح الفاسد ما نصه وذكر في كتاب الدعوى من الأصل إذا تزوجت المرأة بغير إذن مولاها ودخل بها الزوج وولدت لستة أشهر مذ تزوجها فادعاه المولى والزوج فهو ابن الزوج فقد اعتبره من وقت النكاح لا من وقت الدخول ولم يحك خلافا قال الحلواني هذه المسألة دليل على أن الفراش ينعقد بنفس العقد في النكاح الفاسد خلافا لما يقوله البعض إنه لا ينعقد إلا بالدخول اه فهذا صريح في ثبوت النسب فيه ويتبعه وجوب العدة فكان ما في المحيط والاختيار سهوا۔

(٤٧٥) والد کے انتقال پر سوگ منانا اور کپڑے کالے کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت اپنے باپ کے مرنے پر اپنے کپڑوں کو کالا رنگ کرواتی ہے اور دو تین یا چار مہینہ تک سوگ مناتی ہے، شرعاً اسکا کیا حکم ہے اور اس عورت کا سوگ میں اپنے کپڑوں کو کالا رنگ کروانا ضروری ہے یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......شریعت مطہرہ نے عورت کو اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے اقرباء کی فوتگی پر تین دن سے زیادہ سوگ (ترک زینت) منانے کی اجازت نہیں دی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت کو اپنے والد کی فوتگی پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں نیز فوتگی کے بعد کپڑے کو کالا رنگ دے کر سوگ منانا درست نہیں البتہ تین دن کے اندر اندر اگر ایسا کالا کپڑا پہنا جائے جو فوتگی سے پہلے رنگا گیا ہو تو اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔

لما في البخاري(١٧١/١) كتاب الجنائز, باب احداد المرأة على غير الخ:ـــ فقالت سمعت رسول الله

ﷺ يقول لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلث إلاعلى زوج أربعة أشهر وعشرا۔ الخ۔

وفی الدر المختار (۵۳۳/۳) کتاب الطلاق، باب العدة، فصل فی الحداد: وفي التاتر خانية ولا تعذر في لبس السواد وهي آثمة إلا الزوجة في حق زوجها فتعذر إلى ثلاثة أيام قال في البحر وظاهره منعها من السواد تأسفا على موت زوجها فوق الثلاثة۔

وفی الرد تحته: قوله (وظاهره منعها من السواد الخ) أي فيقيد به إطلاق ما مر من أنه لا بأس بأسود وأجاب ط بحمل ما هنا على صبغه لأجل التأسف ولبسه وما مر على ما كان مصبوغا أسود قبل موت الزوج لتتوافق عباراتهم لكن ينافيه إباحته في الثلاث تأمل۔

(۴۷۶) دورانِ عدت حج کرنے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ معتدہ اگر حج پر چلی جائے تو کیا حکم ہے؟ ہمارے امام صاحب نے فرمایا کہ حج ہوجائے گا لیکن گناہگار ہوگی۔ لوگوں کو اس مسئلہ پر تشویش ہوئی کیونکہ دوسرے علماء منع کررہے تھے، جس پر امام صاحب نے زبدۃ المناسک (مصنفہ مولانا رشید احمد گنگوہی) اور مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہما کا حوالہ دیا۔ کیا امام صاحب کا یہ کہنا شرع شریف کی روشنی میں درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... شریعت مطہرہ میں معتدہ کیلئے گھر سے نکلنا جائز نہیں یہاں تک کہ عدت کے دوران حج کیلئے بھی نہیں جاسکتی اور اگر وہ حج کیلئے جانا چاہے تو اسے منع کیا جائے گا لیکن اگر اس کے باوجود معتدہ حج کیلئے چلی گئی تو حج ہوجائے گا یعنی اس کے ذمہ سے حج کی فرضیت ساقط ہوجائے گی مگر گناہ گار ہوگی۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے مسجد کے امام صاحب اور دیگر علمائے کرام کا منشاء ایک ہی ہے کہ معتدہ کو دوران عدت حج پر جانے سے گناہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ مرتکبِ گناہ کو گناہ کے کام سے منع کیا جائے گا البتہ امام صاحب کے الفاظ میں چونکہ معتدہ کیلئے کسی قدر حوصلہ افزائی ہے جیسا کہ ان کے پہلے جملہ سے معلوم ہورہا ہے اور دیگر علمائے کرام کسی طرح بھی حوصلہ افزائی کے قائل نہیں اور یہی مزاج شریعت بھی ہے اس لئے ظاہراً اختلافی صورت بن گئی ہے لہٰذا امام صاحب کو بھی چاہیئے کہ وہ منع کرنے میں سختی سے کام لیں نیز یہ کہ حضرت مولانا یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معتدہ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ عدت پوری ہونے سے پہلے حج کا سفر نہ کرے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ۴/ ۳۳)

لما فی الدر المختار (۴۶۵/۲): ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة (و) مع (عدم عدة عليها مطلقا) أية عدة كانت ابن ملك (والعبرة لوجوبها) أي العدة المانعة من سفرها (وقت خروج

أهل بلدها)۔

وفى الرد تحته: قوله (مع الكراهة) أي التحريمية للنهي في حديث الصحيحين لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها محرم زاد مسلم في رواية أو زوج ط قوله (ومع عدم عدة الخ) أي فلا يجب عليها الحج إذا وجدت۔

وفى الفقه الإسلامى وأدلته، كتاب الحج (۲۰۸۶/۳): وإذا كانت المرأة معتدة عن طلاق أو وفاة وجب عليها البقاء فى بيت العدة، فلو فعلت صح حجها مع الإثم۔

(۴۷۷) حج اور عدت جمع ہو جانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کے شوہر کا پاکستان میں انتقال ہوگیا، وہ عورت بچے کے ساتھ حج پر تھی۔ اس نے عدت گزارنے کے بجائے حج کے ارکان ادا کر لئے اس عورت کیلئے کیا حکم ہے؟

(۱) کیا حنابلہ کے ہاں حج اور عدت کے جمع کے وقت حج کو مقدم کرنے کا مذہب ہے؟ ان کی کتب سے حوالہ تحریر فرمادیں۔

(۲) حنفیہ کا مذہب باحوالہ اس سلسلے میں تحریر فرمادیں۔

(۳) عورت ضرورتاً فرائض حج کیلئے نکل کر واپس آسکتی ہے؟ اس طرح عدت بھی چلتی رہے گی اور حج بھی کیونکہ حج کے فرائض دن، دن میں ہیں اور معتدۃ الوفاۃ دن میں ضرورتاً نکل سکتی ہے تو حنابلہ کے مذہب پر فتوے کی ضرورت نہیں رہتی۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر ایک عورت سفر حج پر تھی اور اسی اثناء میں اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو حنابلہ کے ہاں اگر حج کا وقت زیادہ ہو اور اس کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو عورت پر اسی جگہ عدت گزارنا لازم وضروری ہوگا کیونکہ حج و عدت دونوں واجب عبادتیں ایک ساتھ جمع ہوگئیں اور دونوں کو ایک ساتھ ادا کرنا بھی ممکن ہے لہٰذا مذکورہ عورت حج کے ارکان بھی ادا کرے گی اور ساتھ ساتھ عدت بھی گزارے گی اور دونوں میں سے کسی ایک کا ساقط کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر حج کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو مذکورہ عورت حج کو عدت پر مقدم کرے گی اور عدت کے بجائے حج ادا کرے گی۔ فقہ حنبلی کی معتبر ومشہور کتاب "المغنی" میں ہے:

"فصل: ولو كانت عليها حجة الإسلام، فمات زوجها، لزمتها العدة فى منزلها وإن فاتها الحج؛ لأن العدة فى المنزل تفوت، ولا بدل لها، والحج يمكن الإتيان به فى غير هذا العام وإن مات زوجها بعد إحرامها بحج الفرض، أو بحج أذن لها زوجها فيه، نظرت؛ فإن كان وقت الحج متسعا، لا تخاف فوته، ولا فوت الرفقة، لزمها الاعتداد فى منزلها؛ لأنه أمكن الجمع بين الحقين، فلم يجز إسقاط أحدهما، وإن خشيت فوات الحج، لزمها المضى فيه. وبهذا قال الشافعى. وقال أبو حنيفة: يلزمها المقام وإن فاتها الحج؛ لأنها معتدة، فلم يجز لها أن تنشئ سفرا، كما لو

أحرمت بعد وجوب العدة عليها .ولنا ،أنهما عبادتان استويا في الوجوب، وضيق الوقت، فوجب تقديم الأسبق منهما ، كما لو كانت العدة أسبق ؛ ولأن الحج آكد ؛ لأنه أحد أركان الإسلام ، والمشقة بتفويته تعظم ، فوجب تقديمه كما لو مات زوجها بعد أن بعد سفرها إليه .وإن أحرمت بالحج بعد موت زوجها ، وخشيت فواته ، احتمل أن يجوز لها المضي إليه ؛ لما في بقائها في الإحرام من المشقة ، واحتمل أن يلزمها الاعتداد في منزلها ؛ لأن العدة أسبق ؛ ولأنها فرطت وغلطت على نفسها ، فإذا قضت العدة ، وأمكنها السفر إلى الحج ، لزمها ذلك ، فإن أدركته ، وإلا تحللت بعمل عمرة ، وحكمها في القضاء حكم من فاته الحج ، وإن لم يمكنها السفر ، فحكمها حكم المحصر ، كالتي يمنعها زوجها من السفر ـ الخ ـ" (المغنی ۱۸۵/۹ ـ ۱۸۶)

حنفیہ رحمہ اللہ علیہم کا مذہب یہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کیلئے باہر نکلنا ناجائز ہے الا یہ کہ شدید عذر ہو [مثلاً گھر کے گرنے کا خطرہ ہو یا نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو یا سسرال والے معتدہ کو گھر سے باہر نکال دیں یا کرایہ کے مکان کا کرایہ نہ ہو] ان صورتوں میں عورت اپنے گھر سے صرف دن کو باہر نکل سکتی ہے اور رات ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائے۔

لما في البدائع (۴۵۰/۴): وأما المتوفى عنها زوجها فلا تخرج ليلا ولا بأس بأن تخرج نهارا في حوائجها لأنها تحتاج إلى الخروج بالنهار ... (۴۵۱/۴):وأما في حالة الضرورة فإن اضطرت إلى الخروج من بيتها بأن خافت سقوط منزلها أو خافت على متاعها أو كان المنزل بأجرة ولا تجد ما تؤديه في أجرته في عدة الوفاة فلا بأس عند ذلك أن تنتقل... وكذا المعتدة من طلاق رجعي ليس لها أن تخرج إلى سفر سواء كان سفر حج فريضة أو غير ذلك ... وإنما استوى فيه سفر الحج وغيره وإن كان حج الإسلام فرضا لأن المقام في منزلها واجب لا يمكن تداركه بعد انقضاء العدة وسفر الحج واجب يمكن تداركه بعد انقضاء العدة لأن جميع العمر وقته فكان تقديم واجب لا يمكن تداركه بعد الفوت جمعا بين الواجبين فكان أولى ـ

احناف کثر اللہ سوادھم کے نزدیک مذکورہ بالا اعذار کی بنیاد پر فقط دن کو معتدۃ الوفات گھر سے باہر نکل سکتی ہے رات کو نکلنے کی گنجائش نہیں۔ اگر دورانِ حج کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے تو اس میں حنفیہ کے مذہب کے مطابق تو اسے عدت گزارنا ہوگی اور رات کے اوقات میں رہائش گاہ سے نکلنا جائز نہ ہوگا اب اگر یہ عورت صرف عدت گزارے اور حج نہ کرے تو آئندہ سال اسے دوبارہ حج کیلئے آنا پڑے گا، فی زمانا حج کے اخراجات وغیرہ کا بار برداشت کرنا ایک بیوہ عورت کیلئے تقریباً ناممکن ہیں نیز اتنا طویل قیام (چار ماہ دس دن کا) توحرمین میں یہ عورت کر بھی نہیں سکتی بلکہ اسے مخصوص ویزے کے دنوں کے بعد واپس لوٹنا لازمی ہے اس لئے اگر یہ عورت دن، دن کے اوقات میں ممکنہ طور پر ارکانِ حج ادا کرلے اور رات رہائش گاہ پر آجائے تو یہ بہتر ہے اور اسے دن کے اوقات

میں باہر نکلنے کیلئے عذر شمار کیا جاسکتا ہے۔

حنفیہ کے مذہب میں مسئلہ ھذا میں گنجائش کم ہے حنابلہ کا مذہب زیادہ وسیع ہے نیز ہر دن رہائش گاہ تک واپسی ایک ناممکن نہیں تو مشکل ترین کام ضرور ہوگا اور مشقت لازم آئے گی لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حنابلہ کے مذہب کے مطابق حج اور عدت کے جمع کی صورت میں عدت کو مؤخر کرلے جتنے دن حج کا دورانیہ ہے اس میں اپنے قافلے کے ساتھ ہی تمام افعال کرے اور پھر واپسی کی فلائٹ سے قبل کے دن رہائش گاہ میں گزارے اور بقیہ عدت گھر آکر پوری کرے البتہ مدینہ منورہ جانے کی ضرورت نہیں مکہ شریف میں تمام فرائض وواجبات ادا ہوجاتے ہیں یہیں حنابلہ کے مذہب کے مطابق حج کو مقدم کرلے گی۔

الغرض دورانِ حج متوفی عنہا زوجہا عورت کیلئے دونوں قول پر عمل کی گنجائش ہے اگر بسہولت رات کو قیام گاہ لوٹنا ممکن ہو تو حنفیہ کے مذہب کے مطابق دن دن میں افعالِ حج کر کے لوٹ آئے اور اگر مشکل ہو تو حنابلہ کے مذہب کے مطابق عدت کو مؤخر کردے اور قافلے کے ساتھ حج کے چند دن افعالِ حج انجام دے اور واپس آکر عدت کو مکمل کرلے۔ مسئلہ ہذا میں یہ ہماری رائے ہے دیگر مفتیانِ کرام سے بھی رجوع کرلیا جائے۔

لما في البحر الرائق (٢٦٠/٤): وليس منها سفرها للحج أو للعمرة فلاتخرج المعتدة لسفر حج أو عمرة كذا في المعراج۔

وفى المفصل فى احكام المراة (٢١١/٩) باب العدة، مذهب الحنابلة (مؤسسة الرسالة): إذا سافرت الزوجة للحج بإذن زوجها أو كانت حجتها حجة الإسلام فأحرمت بالحج ثم مات زوجها أو طلقها فخشيت فوات الحج إن قعدت مضت فى سفر لأن العدة التى وجبت عليها والحج الذى نوته عبادتان استوتا فى الوجوب وضيق الوقت فوجب تقديم الأسبق منهما ـ ـ ـ لأن الحج آكد لأنه أحد أركان الإسلام والمشقة بتفويته تعظم فوجب تقديمه وإن لم تخش فوات الحج وهى فى بلدها أو قريبة منه ويمكنها العود اليه أقامت تنقضى العدة فى منزلها لأنه أمكن الجمع بين الواجبين۔

وفى الدرالمختار (٥٣٦/٣): (وتعتدان) أي معتدة طلاق وموت (في بيت وجبت فيه) ولا يخرجان منه (إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل أو تخاف) انهدامه أو (تلف مالها أو لا تجد كراء البيت) ونحو ذلك من الضرورات۔

(٤٧٨) معتدہ کا عذر کی بناء پر گھر سے نکلنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ دورانِ عدت عورت کن صورتوں میں باہر نکل سکتی ہے

شوہر کے گھر میں عدت کے دوران اگر کسی کی طرف سے فتنہ کا خطرہ ہو تو عورت کیا کرے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں معتدہ عورت پر اسی گھر میں عدت گزارنا لازم ہے جس میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی، بغیر ضرورت شدیدہ کے وہ نہ باہر جاسکتی ہے اور نہ مکان بدل سکتی ہے البتہ ضرورت شدیدہ کے وقت اس کے لئے باہر نکلنا یا مکان تبدیل کرنا جائز ہے اور ضرورت شدیدہ کی مختلف صورتیں ہیں:

(۱) معتدہ کا گھر گرنے کا خطرہ ہو۔

(۲) معتدہ کو اپنے مال وجان پر چوری وغیرہ کا خوف شدید ہو۔

(۳) اگر عدت شوہر کی وفات کی وجہ سے ہے اور عورت گھر کا کرایہ دینے پر قادر نہ ہو۔

(۴) شوہر کے وفات کی عدت گزارنے والی عورت کو میت کے خیال آنے سے اس گھر میں زیادہ وحشت ہو۔

(۵) معتدہ کو شوہر کے گھر میں دورانِ عدت کسی کی طرف سے فتنے (ابتلاء معصیت) کا خطرہ ہو اور فتنہ سے بچنے کیلئے اسی گھر میں الگ رہنے کا انتظام نہ ہوسکتا ہو۔

(۶) معتدہ بالوفات کے پاس نان ونفقہ کیلئے خرچہ نہ ہو تو وہ دن کو کمائی کیلئے باہر نکل سکتی ہے۔

(۷) معتدہ اگر بیمار ہے اور ڈاکٹر کو معتدہ کے گھر پر بلانا مشکل ہو تو علاج کیلئے معتدہ نکل سکتی ہے البتہ یہ سب گنجائش اس وقت ہیں جب ضرورت شدیدہ ہو، اگر ضرورت اتنی سخت نہیں جس سے بڑا نقصان ہوسکتا ہو تو معتدہ کیلئے گھر سے نکلنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

لمافی الهندية (۱/۵۳۵): إن اضطرت إلى الخروج من بيتها بأن خافت سقوط منزلها أو خافت على مالها أو كان المنزل بأجرة ولا تجد ما تؤديه في أجرته في عدة الوفاة فلا بأس عند ذلك أن تنتقل ـــ لو كانت بالسواد قد دخل عليها الخوف من سلطان أو غيره كانت في سعة من التحول إلى المصر كذا في المبسوط المعتدة إذا كانت في منزل ليس معها أحد وهي لا تخاف من اللصوص ولا من الجيران ولكنها تفزع من أمر المبيت إن لم يكن الخوف شديدا ليس لها أن تنتقل من ذلك الموضع وإن كان الخوف شديدا كان لها أن تنتقل كذا في فتاوى قاضي خان۔

(۴۷۹) عدت میں پینشن کی رقم لینے کیلئے نکلنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک بیوہ عورت جو کہ ابھی عدت میں بیٹھی ہو اس کی پینشن کا مسئلہ ہے، پینشن نکلوانے کیلئے ''لیگل ہائر شپ سرٹیفکیٹ'' کی ضرورت ہے۔ اب اس کے حصول کیلئے سرکاری افسران کا کہنا ہے کہ عورت کا خود پیش ہونا ضروری ہے۔ ہم نے ان سے کہا کہ یہ عورت ابھی عدت میں بیٹھی ہے، نہیں آسکتی تو انہوں نے کہا کہ عدت کے بعد پیش ہو جائے لیکن اسکول اسٹاف والوں کا کہنا ہے کہ یہ مسئلہ ابھی حل ہوسکتا ہے بعد میں یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہو جائے گا۔

واضح رہے کہ عورت کا کہنا ہے کہ عدت کے بعد فوراً گاؤں چلی جاؤں گی۔اب سوال یہ ہے کہ مندرجہ بالا مجبوری میں عورت گھر سے نکل کر وہاں پیش ہوسکتی ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں پنشن کا حصول عدت کے بعد بھی ممکن ہے لہٰذا اس عورت کو عدت کے اختتام تک انتظار کرنا ہوگا اس کے بعد پنشن کے حصول کیلئے نکلے، اگرچہ اس وقت کچھ پیچیدگیاں ہوں لیکن عدت کے دوران پنشن کی رقم کے حصول کیلئے نکلنے کی گنجائش نہیں۔

لمافي الدرالمختار(۵۳۶/۳):(وتعتدان) أي معتدة طلاق وموت (في بيت وجبت فيه) ولا يخرجان منه (إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل أو تخاف) انهدامه أو (تلف مالها أو لا تجد كراء البيت) ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع إليه۔

(۴۸۰)معتدہ کا کام کیلئے باہر نکلنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میں عبداللہ کمپلیکس میں رہتی ہوں۔ایک ہفتہ قبل میرے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے۔میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں عدت میں بیٹھنا چاہتی ہوں مگر میرے بچوں کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہے، اس لئے میں اپنے بچوں کے لئے کام کر کے خرچ چلانا چاہتی ہوں۔اب اسلام میں جو حکم ہے بیوہ کے لئے وہ مجھے فتویٰ میں بتادیا جائے، میں کس طرح سے عدت پوری کروں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اسلام میں بیوہ عورت کے شوہر کے انتقال کے وقت جس گھر میں رہ رہی تھی اسی گھر میں شوہر کے انتقال کے بعد چار مہینے دس دن ٹھہرنا واجب ہے اور بغیر کسی عذر شرعی کے گھر سے نکلنا جائز نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر واقعتاً آپ اور آپ کے بچوں کی پرورش کرنے والا کوئی نہیں تو بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنے گھر ہی میں کوئی ایسا کام کریں مثلاً سلائی کڑھائی یا بچوں کو ٹیوشن پڑھانا وغیرہ جس سے آپ اپنا اور اپنے بچوں کا خرچہ اٹھاسکیں اگر یہ نہیں کرسکتیں تو پھر آپ اپنے اور اپنے بچوں کی کفالت کیلئے بقدر ضرورت دن کو گھر سے مکمل شرعی پابندیوں کے ساتھ نکل سکتی ہیں لیکن رات اپنے گھر میں ہی گزارنا ضروری ہے جب تک چار مہینے دس دن پورے نہ ہوجائیں کہیں اور رات گزارنا درست نہیں۔

لمافي القرآن الكريم (البقرة:۲۳۴):وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيْ أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

وفي الدرالمختار(۵۳۶/۳) باب العدة: (ومعتدة موت تخرج في الجديدين وتبيت) أكثر الليل (في منزلها) لأن نفقتها عليها فتحتاج للخروج حتى لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة فلا

يحل لها الخروج فتح وجوز في القنية خروجها لإصلاح ما بد لها منه كزراعة ولا وكيل لها۔

وفى الرد تحته: قال في الفتح والحاصل أن مدار حل خروجها بسبب قيام شغل المعيشة فيتقدر بقدره فمتى انقضت حاجتها لا يحل لها بعد ذلك صرف الزمان خارج بيتها اھ

(۴۸۱) حاملہ کا بغرضِ علاج گھر سے نکلنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے بہنوئی کا انتقال ہوگیا ہے میری بہن عدت میں بیٹھی ہے اور اس کے حمل کا دوسرا مہینہ چل رہا ہے۔ آپ سے یہ معلوم کرنا یہ ہے کہ اس کی عدت کب ختم ہوگی؟ آپ کو معلوم ہے کہ حمل کے دوران ڈاکٹری چیک اپ الٹرا ساؤنڈ وغیرہ کیلئے ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا ہے لیکن کیا اسے علاج معالجے کیلئے ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیئے؟ یا پھر جب تک اس کے گھر میں اولاد نہیں ہوجاتی وہ اپنے گھر ہی میں عدت گزارے گی۔ اگر وہ علاج کیلئے باہر نکلتی ہے تو آیا اس کی عدت ٹوٹ جائے گی؟ مجھے اس مسئلے پر تفصیلی جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

نوٹ: میری بہن ہیپاٹائیٹس کی مریضہ ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......شریعت مطہرہ میں حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ عدت وفات کے دوران اگرچہ عورت کے لئے شرعاً شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں مگر اس میں ضروریات مستثنیٰ ہیں، انہی ضروریات میں بیماری بھی داخل ہے۔ اس لئے اگر علاج معالجہ کا گھر میں بندوبست نہیں ہوسکتا تو بقدرِ ضرورت اس کے لئے گھر سے نکلنا جائز ہے، تاہم علاج معالجہ کے فوراً بعد گھر واپس آجائے۔

لمافي بدائع الصنائع (۳/۳۲۵): وأما في حالة الضرورة فإن اضطرت إلى الخروج من بيتها بأن خافت سقوط منزلها أو خافت على متاعها أو كان المنزل بأجرة ولا تجد ما تؤديه في أجرته في عدة الوفاة فلا بأس عند ذلك أن تنتقل ولأن كانت تقدر على الأجرة لا تنتقل۔

وفى الدرالمختار (۳/۵۳۷): (ومعتدة موت تخرج في الجديدين وتبيت) أكثر الليل (في منزلها) لأن نفقتها عليها فتحتاج للخروج حتى لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة فلا يحل لها الخروج ، فتح ـ ـ۔ (إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل أو تخاف) انهدامه أو (تلف مالها أو لا تجد كراء البيت) ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع إليه۔

(۴۸۲) عدت میں امتحان دینے کیلئے جانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا شوہر فوت ہوگیا اور میں عدت میں ہوں میں نے شوہر

کی حیات میں ایم اے میں داخلہ لیا تھا، اب امتحان کا وقت آ گیا ہے اور میں عدت میں ہوں تو کیا دورانِ عدت امتحان کیلئے جانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......عدت طلاق کی ہو یا وفات کی دونوں کے دوران عورت کا بلا ضرورت شرعی گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اگر ضرورت اتنی شدیدہ ہو کہ اُس کے لئے جائے بغیر مسئلہ حل نہ ہوتا ہو جیسے موت واقع ہونے کا خطرہ ہو یا گھر کے گرنے کا خوف ہو یا نان نفقہ کو حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلے تو فقہاء کرام نے مجبوری کی خاطر عورت کو دن میں گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے، لیکن رات کو گھر واپس آنا بہر حال ضروری ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں ایم، اے کا امتحان دینے کے لئے نکلنا کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے جس کے بغیر چارہ کار نہ ہو بلکہ عدت کے بعد اگلے سال بھی یہ امتحان دیا جا سکتا ہے اس لئے زمانہ عدت میں امتحان دینے کیلئے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔

لمافی الدرالمختار(۵۳۶/۳):(وتعتدان) أي معتدة طلاق وموت (في بيت وجبت فيه) ولا يخرجان منه (إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل أو تخاف) انهدامه أو (تلف مالها أو لا تجد كراء البيت) ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لأقرب موضع إليه۔

وفی الفقه الاسلامی (۷۱۹۹/۹):وأما المتوفى عنها: فلا تخرج ليلاً، ولا بأس أن تخرج نهاراً في حوائجها؛ لأنها تحتاج إلى الخروج بالنهار لاكتساب ما تنفقه؛ لأنه لا نفقة لها من الزوج المتوفى، بل نفقتها عليها، فتحتاج إلى الخروج لتحصيل النفقة، ولا تخرج بالليل، لعدم الحاجة إلى الخروج بالليل، بخلاف المطلّقة، فإن نفقتها على الزوج، فلا تحتاج إلى الخروج۔

(۴۸۳) عدت میں مارکس شیٹ لینے جانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا مسئلہ پہلے بھی آپ کے پاس آ چکا ہے جس کا جواب بھی مجھے مل چکا ہے، میری طلاق ہو چکی ہے۔ شریعت کے مطابق میں عدت میں بیٹھ چکی ہوں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ مجھے اپنی تعلیم دوبارہ جاری کرنی ہے اور میری مارکس شیٹ یونیورسٹی میں ہے جو مجھے ضروری چاہیئے جس کے لئے میرا وہاں جانا ضروری ہے کیونکہ جنوری میں ایڈمیشن ہو رہے ہیں اور گھر میں کوئی فرد مارکس شیٹ نہیں لا سکتا کیونکہ وہاں مجھے دستخط کرنے ہیں۔ برائے مہربانی اس سلسلے میں میری راہنمائی فرمائیں کیا شریعت مجھے اجازت دیتی ہے کہ میں اس کیلئے گھر سے باہر نکلوں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......طلاق شدہ عورت پر عدت گزارنا فرض ہے یہ حکم الٰہی ہے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس کے متعلق بہت سی پابندیاں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں، چاہے دن ہو یا رات، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ ان ایامِ عدت میں باہر نہیں نکل سکتیں۔ صبر واستقامت کے ساتھ آپ اس عمل پر خوب ڈٹی رہیں ان شاء اللہ دنیا وآخرت میں کامیابی ملے

گی۔

لمافى الهندية (۵۳۵/۱):على المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت كذا في الكافي ـــ للمعتدة أن تخرج من بيتها إلى صحن الدار وتبيت في أي منزل شاءت إلا أن يكون في الدار منازل لغيره فلا تخرج من بيتها إلى تلك المنازل۔

وفى الدرالمختار(۵۳۵/۳): (ولا تخرج معتدة رجعي وبائن) بأي فرقة كانت على ما في الظهيرية ولو مختلعة على نفقة عدتها في الأصح اختيار أو على السكنى فيلزمها أن تكتري بيت الزوج معراج (لو حرة) أو أمة مبوأة ولو من فاسد (مكلفة من بيتها أصلا) لا ليلا ولا نهارا ولا إلى صحن دار فيها منازل لغيره ولو بإذنه لأنه حق الله تعالى۔

(۴۸۴) حالتِ عدت میں حلف اٹھانے کیلئے نکلنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک لڑکی کو طلاق ہوگئی ہے۔اس کا کیس ایم کیو ایم کے سیکٹر آفس میں طے ہوا ہے۔لڑکے نے کہا کہ اس نے حق مہر دیدیا ہے جبکہ حقیقت میں نہیں دیا ہے۔اب دونوں کو حلف لینے کے لئے یونٹ میں بلوایا گیا ہے۔لڑکی عدتِ طلاق میں ہے،کیا اس صورت میں وہ حلف اٹھانے جاسکتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......مطلقہ عورت کو حالت عدت میں باہر نکلنا جائز نہیں ہے مگر اشد ضرورت کی بناء پر (جیسا کہ گھر کے منہدم ہونے کا خوف ہو یا چوری کا خوف ہو وغیرہ وغیرہ) نکلنا جائز ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ لڑکی کو حلف اٹھانے کیلئے سیکٹر آفس جانا جائز نہیں ہے کیونکہ گھر میں بھی حلف لیا جاسکتا ہے یا عدت گزرنے تک اس معاملے کو موقوف رکھیں پھر بعد میں حلف اٹھالے۔

لمافى الهندية (۵۳۴/۱):إن كانت معتدة من نكاح صحيح وهي حرة مطلقة بالغة عاقلة مسلمة والحالة حالة الاختيار فإنها لا تخرج ليلا ولا نهارا سواء كان الطلاق ثلاثا أو بائنا أو رجعيا كذا في البدائع۔

وفى الدرالمختار(۵۳۵/۳):(ولا تخرج معتدة رجعي وبائن) بأي فرقة كانت على ما في الظهيرية ـــ (لو حرة) ـــ (مكلفة من بيتها أصلا) لا ليلا ولا نهارا۔

(۴۸۵) عدت کے ایام میں پاسپورٹ بنوانے کیلئے جانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک خاتون جن کی عمر ۶۵ سال ہے، وہ عدت کے ایام گزار رہی ہیں اور ان کی عدت ۲۰ جون کو ختم ہوجائے گی جس کے فوراً بعد وہ عمرے پر جانا چاہتی ہیں، لیکن پاسپورٹ نہیں ہے۔کیا وہ

دورانِ عدت اپنے بیٹے کے ہمراہ پاسپورٹ بنوانے کیلئے جاسکتی ہیں؟ واضح رہے کہ تاخیر کی صورت میں رمضان المبارک کی وجہ سے ویزے اور ٹکٹ کے حصول میں دشواری کا سامنا ہوگا۔ ازروئے شریعت جواب عطاء فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں ایامِ عدت کے اندر گھر سے باہر جانا پاسپورٹ کے حصول کیلئے درست نہیں۔

لمافي الشامية (۵۳۶/۳) باب العدة: قال في الفتح والحاصل أن مدار حل خروجها بسبب قيام شغل المعيشة فيتقدر بقدره فمتى انقضت حاجتها لا يحل لها بعد ذلك صرف الزمان خارج بيتها اه وبهذا اندفع قول البحر إن الظاهر من كلامهم جواز خروج المعتدة عن وفاة نهارا ولو كان عندها نفقة وإلا لقالوا لا تخرج المعتدة عن طلاق أو موت إلا لضرورة فإن المطلقة تخرج للضرورة ليلا أو نهارا اه

(۴۸۶) عدت میں دوسری منزل پر جانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری دو بہنیں عدت گزار رہی ہیں ایک کے شوہر فوت ہو گئے ہیں اور ایک کو شوہر نے طلاق دے دی ہے، ہمارا گھر چار منزلہ ہے پہلی منزل پر میں رہتا ہوں دوسری پر میرا چھوٹا بھائی رہتا ہے اور اوپر کی دو منزلیں کرایہ پر چل رہی ہیں، یہ دونوں بہنیں میرے گھر میں پہلی منزل پر عدت کے ایام پوری کررہی ہیں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ عدت کے دوران یہ دونوں دوسری اور تیسری منزل پر جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اگر کسی غرض سے چلی جائیں تو عدت پر کچھ فرق پڑے گا یا گناہ گار ہوں گی؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جلد جواب دیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شریعت میں معتدہ عورت کو گھر سے باہر جانے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کی دونوں بہنیں دورانِ عدت اوپر منزل میں اپنے بھائی کے گھر پر جاسکتی ہیں (بشرطیکہ جانے کا راستہ گھر کے اندر ہی ہو) کہ عرفاً اس طرح کا گھر ایک ہی گھر شمار ہوتا ہے البتہ کرایہ داروں کی منزلوں پر جانا درست نہیں کہ عرفاً یہ الگ گھر سمجھا جاتا ہے۔

لمافي الهندية (۵۳۴/۱): إن كانت معتدة من نكاح صحيح وهي حرة مطلقة بالغة عاقلة مسلمة والحالة حالة الاختيار فإنها لا تخرج ليلا ولا نهارا سواء كان الطلاق ثلاثا أو بائنا أو رجعيا كذا في البدائع المتوفى عنها زوجها تخرج نهارا وبعض الليل ولا تبيت في غير منزلها كذا في الهداية۔

(۴۸۷) نکاح فاسد کی عدت میں باہر نکلنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کا نکاح ہوا نکاح فاسد، اس کے بعد اس کی بیوی

طلاق کی وجہ سے اس سے جدا ہوگئی، اب وہ عدت میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے یا نہیں اور اس کے شوہر کو باہر جانے سے روکنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نکاح فاسد سے عدت گزارنے والی عورت کو جب تک شوہر منع نہ کرے تب تک وہ نکل سکتی ہے اور اگر شوہر اس کو نکلنے سے منع کرے تو اس کے بعد یہ عورت باہر نہیں نکل سکتی لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت کو اگر شوہر نے منع نہیں کیا ہے تو نکل سکتی ہے اور شوہر بھی اس کو باہر جانے سے روک سکتا ہے۔

لمافی الهندية (۵۳۴/۱):المعتدة بالنكاح الفاسد لها أن تخرج إلا إن منعها الزوج هكذا في البدائع۔

وفی الطحطاوی علی الدر (۲۳۰/۲) (کتاب الطلاق، العدة، فصل فی الحداد): (قوله علی مافی الظهيرية) نقل فی البحر عن البدائع جواز خروج المعتدة عن نكاح فاسد ثم قال وفی الظهيرية وسائر وجوه الفرقة التی توجب العدة من النكاح الصحيح والفاسد سواء يعنی فی حرمة الخروج من بيتها فی العدة وحكی فتوی شمس الاسلام الأوزجندی أنها لا تعتد فی منزل الزوج لأنه لا ملك له عليها اه وفی المجتبی لا تمنع المعتدة من نكاح فاسد من الخروج اه۔

وفی الدرالمختار(۵۳۹/۳) (طلاق العدة فصل فی الحداد):لا تمنع معتدة نكاح فاسد من الخروج، مجتبی ۔ قلت مر عن البزازية خلافه لكن في البدائع لها منعها لتحصين مائه ككتابية ومجنونة وأم ولد أعتقها ،فلتحفظ ۔

وفی الرد تحته: قوله (لكن في البدائع الخ) كأنه أراد بهذا الاستدراك رفع التنافي بين النصين بحمل جواز الخروج على عدم منع الزوج وعدم الخروج على المنع فتأمل اهـ۔

(۴۸۸) عدت میں نہ بیٹھنے کے گناہ کی تلافی کیسے ہو؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت تھی جس کا شوہر فوت ہو چکا تھا اور اس کی عدت چل رہی تھی اور عدت کے دوران وہ عورت تعزیت کیلئے ایک شہر سے دوسرے شہر چلی گئی۔ وہاں پر کچھ وقت گزارنے کے بعد واپس آ گئی اور اُسے اس بات کا علم نہیں تھا کہ عدت کے دوران باہر نہیں جانا۔ اب کیا وہ عورت استغفار کرے گی یا کفارہ ادا کرے گی یا دوبارہ ازسرنو عدت گزارے گی؟ راہنمائی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......عورت کیلئے عدت کے دوران گھر سے باہر جانا جائز نہیں اگر کوئی عورت نکل گئی تو وہ گنہگار ہوگی، اس عورت پر نہ کفارہ لازم ہے اور نہ ازسرنو عدت گزارنا لازم ہے بلکہ وہ عورت توبہ واستغفار کرے۔

لمافی القرآن الکریم (الطلاق:۱):لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَّتِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔

وفی الدرالمختار(۵۲۰/۳): (ومبدأ العدة بعد الطلاق و) بعد (الموت) على الفور (وتنقضي العدة وإن جهلت) المرأة (بهما) أي بالطلاق والموت لأنها أجل فلا يشترط العلم بمضيه۔

(۴۸۹)عدت میں مہینوں کا اعتبار ہوگا یا دنوں کا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک عورت کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں کیا اس عورت پر عدت ہے یا نہیں؟ نیز یہ بتائیں کہ وہ عورت جس کا شوہر مرگیا ہے یا وہ عورت جس کو شوہر نے طلاق دی ہے اگر ان کی عدت مہینوں کے ساتھ متعین ہو جائے تو عدت میں مہینوں کا اعتبار ہوگا یا تعداد ایام کا اعتبار ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی آدمی کسی عورت سے نکاح کرے پھر دخول یا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دیدے تو اس عورت پر عدت واجب ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مطلقہ کے ساتھ اگر دخول یا خلوتِ صحیحہ ہوئی ہے تو اس پر عدت واجب ہے اور وہ عورتیں جن کی عدت مہینوں کے اعتبار سے متعین ہے اگر ان کی عدت کی ابتداء کسی مہینے کے شروع سے ہو تو پھر عدت میں اعتبار مہینوں کا ہوگا اگرچہ درمیان میں کوئی مہینہ تیس دن سے کم بھی آجائے ورنہ اعتبار ایام کا ہوگا۔یعنی اگر غیر حیض والی عورت (جسے بعد میں حیض آنا بند ہوگیا ہو) ہے تو نوے دن اور اگر شوہر کے وفات کی عدت گزارنے والی عورت ہے تو ایک سو تیس دن عدت گزارے گی۔

لمافی الهندية (۵۲۶/۱) كتاب الطلاق الباب الثالث عشر فی العدة:رجل تزوج امرأة نكاحا جائزا فطلقها بعد الدخول أو بعد الخلوة الصحيحة كان عليها العدة كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفيه أيضاً(ص۵۳۷): إذا وجبت العدة بالشهور في الطلاق والوفاة فإن اتفق ذلك في غرة الشهر اعتبرت الشهور بالأهلة وإن نقص العدد عن ثلاثين يوما وإن اتفق ذلك في خلاله فعند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وإحدى الروايتين عن أبي يوسف رحمه الله تعالى يعتبر في ذلك عدد الأيام تسعون يوما في الطلاق وفي الوفاة يعتبر مائة وثلاثون يوما كذا في المحيط۔

وفی الشامية (۵۰۹/۳) باب العدة مطلب فی الافتاء بالضعيف:قوله (وإلا فبالأيام) في المحيط إذا اتفق عدة الطلاق والموت في غرة الشهر اعتبرت الشهور بالأهلة وإن نقصت عن العدد وإن اتفق في وسط الشهر فعندالإمام يعتبر بالأيام فتعتد في الطلاق بتسعين يوما وفي الوفاة بمائة وثلاثين۔

(۴۹۰) تیس سال میں ایک بار خون دیکھنے والی عورت کی عدت کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور اس کی عمر تیس سال ہے تیس سال تک اس نے خون نہیں دیکھا، اس کو ماہواری نہیں آتی پھر ایک دن خون دیکھا پھر بند ہو گیا آیا وہ عدت مہینوں کے اعتبار سے گزارے گی یا ماہواری کے اعتبار سے، کیونکہ تیس سال بعد اس نے ایک دن ماہواری یعنی خون کو دیکھا ہے۔ براہ کرم شریعت کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں مذکورہ عورت اپنی عدت مہینوں کے اعتبار سے گزارے گی اور تین مہینوں میں عدت مکمل ہوگی۔

لما فی القرآن الکریم (الطلاق:۴): وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَّاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ۔

وفی الهندية (۵۲۷/۱) باب فی العدة: وكذا لو رأت دما يوما ثم لم تر فعدتها بالشهور هو الصحيح ولو رأت ثلاثة دما ثم انقطع فعدتها بالحيض وإن طال إلى أن تيأس كذا في العتابية۔

وفی الشامية (۵۱۵/۳) باب العدة: امرأة ما رأت الدم وهي بنت ثلاثين سنة مثلا رأت يوما دما لا غير ثم طلقها زوجها قال ليست هي بآيسة وقال أبو جعفر تعتد بالشهور لأنها من اللاتي لم يحضن وبه نأخذ اه

(۴۹۱) ایک حیض کے بعد خون بند ہو جانے سے عدت کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری ایک لڑکی کے ساتھ شادی ہوئی تھی، اس کے کردار سے پریشان ہو کر میں نے اس کو طلاق دیدی اور اسکے چار مہینے کے بعد میں نے اس کی بہن سے شادی کر لی اور چونکہ اب تک اس کو حیض آتا تھا اس لئے میں نے اس کے مطابق اندازہ لگا کر عدت کے گزرنے کا فیصلہ کیا، بعد میں معلوم ہوا کہ اس لڑکی (میری پہلی بیوی) کو ایک ماہ تو حیض آیا لیکن بعد میں اس کو حیض نہیں آیا اور ابھی تک اسی طرح ہے۔

مفتی صاحب پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس حالت میں میرا اپنی مطلقہ بیوی کی بہن سے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہم کیا کریں اور گزشتہ فعل پر ہمیں کوئی گناہ ہے یا نہیں جبکہ ہمیں علم نہیں تھا؟ قرآن وسنت کی روشنی میں اطمینان بخش جواب دیجئے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں جب تک عورت مایوسی کی حد (یعنی پچپن سال کی عمر) کو نہ پہنچی ہو تو اگرچہ اس کو حیض آنا بند ہو جائے پھر بھی عدت حیض ہی سے شمار ہوگی اور جب تک تین حیض کامل نہ گزر جائیں اس وقت تک آپ کو بیوی کی بہن

(سالی) سے نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ وہ نکاح فاسد ہے۔ ہاں اگر وہ لڑکی حدایاست کو پہنچ چکی ہو (یعنی پچاس سال کی عمر کو پہنچ چکی ہو) تو پھراس کی عدت تین ماہ ہوگی اس کے بعد آپ کیلئے سابقہ بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے نیز اپنے اس فعل پر توبہ واستغفار کی جائے۔

لمافی الشامیة (۳۸/۳) کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: قوله (وعدة) معطوف علی نکاحا ۔۔۔ قوله (ولو من طلاق بائن) شمل العدة من الرجعي أو من اعتاق أم ولد خلافا لهما أو من تفريق بعد نکاح فاسد۔

وفيه أيضاً(۵۱۰/۳) مطلب فی عدة الموت : وأصرح منه ما في المجتبی قال أصحابنا إذا تأخر حيض المطلقة لعارض أو غيره بقيت في العدة حتی تحيض أو تبلغ حدالإياس اه

وفيه أيضاً(۵۱۵/۳) :قوله(وقيل الفتوی علی خمسين) قال القهستاني وبه يفتي اليوم كما في المفاتيح۔

(۴۹۲) ۹ دن کے بچے والی عورت کی عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کا نو (۹) دن کا بچہ ہے اوراس کی طلاق کو دو دن ہوگئے تو وہ اپنی مدت پوری کرسکتی ہے یانہیں؟ تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کسی عورت کو بچے کی پیدائش کے ابتدائی دنوں (حالتِ نفاس) میں طلاق ہوجائے تو اس عورت کی عدت تین ماہواری ہوگی اور بچے کی پیدائش کی وجہ سے جو ناپاکی (حالتِ نفاس) کے ایام ہیں جب وہ ختم ہوکر وہ پاک ہوجائے پھر یہ تین ماہواری شمار کی جائیں گی۔

لمافی الهندية (۵۲۷/۱): إذا طلق امرأته في حالة الحيض كان عليها الاعتداد بثلاث حيض كوامل ولا تحتسب هذه الحيضة من العدة كذا في الظهيرية۔

وفی الشامية(۵۱۸/۳): قوله (ولا اعتداد بحيض طلقت فيه) أي إذا طلقها في الحيض لا يحسب من العدة لأن ما وجد قبل الطلاق لا يحتسب به منها لعدم التجزي فلو احتسب كمل من الرابعة فوجبت كلها لعدم التجزي أيضا نهر۔

وفی الشامية(۲۹۹/۱): مطلب فی حكم وطء المستحاضة: وصورة العدة إذا قال لامرأته إذا ولدت فأنت طالق فولدت ثم قالت مضت عدتي فإنها تحتاج إلی ثلاث حيض ما خلا النفاس۔

(۴۹۳) طلاق کے بعد ماہواری رک جانے سے عدت اور نکاح ثانی کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے خاوند نے تین سال قبل میرے بیٹے کی ولادت کے

دس دن بعد حالت نفاس میں مجھے طلاق دی تھی۔ نفاس کا خون ختم ہونے کے بعد سے آج تک مجھے کوئی ماہواری نہیں آئی۔ میری سہیلی نے مجھے بتایا کہ جب تک تمہیں تین ماہواریاں نہ آئیں اس وقت تک تم نکاح نہیں کرسکتی۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا میری سہیلی کی بات ٹھیک ہے؟ حالانکہ میں دوسرا نکاح کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں کیونکہ زمانہ بہت خراب ہے اور میں جوانی کی عمر بغیر نکاح کے کیسے گزار سکتی ہوں۔ شریعت کی روشنی میں مجھے کوئی حل بتائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کی سہیلی کی بات ٹھیک ہے اور احناف کا مذہب بھی یہی ہے کہ عورت طلاق کے بعد تین ماہواری گزارے گی اور اگر ماہواری رک جائے تو پھر اس وقت تک نکاح نہیں کرسکتی جب تک وہ زمانہ نہ آجائے جس میں عورت ماہواری سے مایوس ہوجاتی ہے پھر اس کے بعد تین مہینے عدت کے گزار کر دوسرا نکاح کرلے، لیکن اگر اس انتظار سے آپ کو فتنہ میں واقع ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو پھر ایک سال عدت گزار کر دوسرا نکاح کرلیں لیکن اس میں ان امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جس کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاوی (۲/۴۹۰) میں بیان فرمایا ہے:

اوّل......عورت علاج کرائے اگر علاج سے بھی فائدہ نہ ہو تب اس قول پر عمل کرے کیونکہ ضرورت اسی وقت متحقق ہوگی۔

دوم......اس قول پر عمل کرنے کیلئے قضاء قاضی کی حاجت ہوگی اور قاضی اس فتویٰ کے موافق عورت کو عدت گزارنے کے بعد نکاح ثانی کرنے کی اجازت دیدے اسی طرح عمل کیا جائے۔

سوم......اگر اس قول کے مطابق عورت نے عدت شروع کی اور ایک سال ختم ہونے سے پہلے ماہواری جاری ہوگئی تو پھر عدت دوبارہ ماہواری سے گزارے گی۔ (امداد الفتاوی، ۲/۴۹۰)

لمافی الدر المختار (۵۰۸/۳): (أو بلغت بالسن) وخرج بقوله (ولم تحض) الشابة الممتدة بالطهر بأن حاضت ثم امتد طهرها فتعتد بالحيض إلى أن تبلغ سن الأياس جوهرة وغيرها۔

وفي الرد تحته : قوله (ثم امتد طهرها) أي سنة أو أكثر بحر (قوله من انقضائها بتسعة أشهر) ستة منها مدة الإياس وثلاثة منها للعدة ورأيت بخط شيخ مشايخنا السائحاني أن المعتمد عند المالكية أنه لا بد لوفاء العدة من سنة كاملة تسعة أشهر لمدة الإياس وثلاثة أشهر لانقضاء العدة۔

(۴۹۴) اسقاطِ حمل سے عدت ختم ہونے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا یہ عورت حاملہ تھی۔ اسی دوران وہ سخت بیمار ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ اسقاط حمل کے علاوہ علاج مشکل ہے۔ تو اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح اسقاط حمل سے عدت ختم ہوجاتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... اسقاط حمل کے وقت اگر بچہ کے کچھ نہ کچھ اعضاء بن گئے ہوں (جو کہ عموما چار ماہ کے بعد بن جاتے ہیں) تب تو اسقاط سے عدت ختم ہو جاتی ہے اور اگر اس سے پہلے اسقاط ہو جائے تو عدت پوری نہیں ہوتی، اس صورت میں عورت کو اپنے حال کے مطابق عدت وفات یا عدت طلاق گزارنی ہوگی۔

لمافی الهندية (۵۲۸/۱): وعدة الحامل أن تضع حملها كذا في الكافي سواء كانت حاملا وقت وجوب العدة أو حبلت بعد الوجوب كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفيه أيضا(۵۲۹/۱): وذكر في الأصل أنها لو ولدت والميت على سريره انقضت به العدة وشرط انقضاء هذه العدة أن يكون ما وضعت قد استبان خلقه فإن لم يستبن خلقه رأسا بأن أسقطت علقة أو مضغة لم تنقض العدة كذا في البدائع۔

وفی الشامية (۳۰۲/۱): قوله (فليس بشيء) قال الرملي في حاشية المنح بعد كلام وحاصله أنه إن لم يظهر من خلقه شيء فلا حكم له من هذه الأحكام۔

وفيه أيضا(۵۱۱/۳): قوله(وضع حملها)أي بلا تقدير بمدة سواء ولدت بعد الطلاق أو الموت بيوم أو أقل جوهرة والمراد به الحمل الذي استبان بعض خلقه أو كله فإن لم يستبن بعضه لم تنقض العدة لأن الحمل اسم لنطفة متغيرة فإذا كان مضغة أو علقة لم تتغير فلا يعرف كونها متغيرة بيقين إلا باستبانة بعض الخلق بحر عن المحيط وفيه عنه أيضا أنه لا يستبين إلا في مائة وعشرين يوما۔

(۴۹۵)ناقص الخلقت بچہ پیدا ہونے سے انتہاءِ عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کی بیوی حاملہ تھی اس نے بیوی کو طلاق دیدی، چند دنوں کے بعد اس کا بچہ پیدا ہوا لیکن اس کی تخلیق واضح نہیں تھی، آیا اس سے اس کی عدت گزر گئی یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں مکمل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بچے کے کل یا بعض اعضاء مثلاً ہاتھ یا ٹانگ وغیرہ ظاہر ہو گئے ہوں تو اس عورت کی عدت تام ہے اور وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور اگر اس کا کوئی عضو ظاہر نہیں ہوا ہو یعنی صرف خون یا گوشت کا لوتھڑا ہو تو اس صورت میں عدت پوری نہ ہوگی پہلے عدت پوری کرنا لازم ہوگا اس کے بعد اگر چاہے تو نکاحِ ثانی کر سکتی ہے۔

لمافی صحيح البخاری(۸۰۲/۲):عن المسور بن مخرمة: أن سبيعة الأسلمية نفست بعد وفاة زوجها بليال، فجاءت النبي صلى الله عليه وسلم، فاستأذنته أن تنكح، فأذن لها فنكحت۔

وفی الهندية (۵۲۹/۱) باب العدة: وشرط انقضاء هذه العدة أن يكون ما وضعت قد استبان خلقه فإن لم يستبن خلقه رأسا بأن أسقطت علقة أو مضغة لم تنقض العدة كذا في البدائع۔

وفی الشامية (۵۱۱/۳) باب العدة: قوله (وضع حملها) أي بلا تقدير بمدة سواء ولدت بعد الطلاق أو الموت بيوم أو أقل جوهرة والمراد به الحمل الذي استبان بعض خلقه أو كله فإن لم يستبن بعضه لم تنقض العدة لأن الحمل اسم لنطفة متغيرة فإذا كان مضغة أو علقة لم تتغير فلا يعرف كونها متغيرة بيقين إلا باستبانة بعض الخلق بحر عن المحيط۔

وفيه أيضا (۵۱۲/۳) باب العدة: قوله (لعدم الحمل عند الموت) أي لعدم تحقق وجوده عنده فلم تكن من أولات الأحمال۔

(۴۹۶) شوہر کے انتقال والی شام ولادت سے عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا تو اس کی بیوی حاملہ تھی، شوہر کے انتقال والے دن شام کو اس نے بچہ جنا تو کیا اس کی عدت ختم ہوگئی؟ یا کوئی اور حکم ہے؟ مفصلاً بیان فرمادیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......ایسی حاملہ عورت جس کا خاوند فوت ہوجائے اس کی عدت وضعِ حمل یعنی بچے کا پیدا ہوجانا ہے، اگرچہ وہ بچہ خاوند کی وفات سے کچھ دیر بعد پیدا ہوا لہٰذا مذکورہ اصول کے مطابق اس عورت کی عدت مکمل ہوچکی ہے۔

لمافی الشامية (۵۱۱/۳): قوله (وضع حملها) أي بلا تقدير بمدة سواء ولدت بعد الطلاق أو الموت بيوم أو أقل جوهرة والمراد به الحمل الذي استبان بعض خلقه أو كله فإن لم يستبن بعضه لم تنقض العدة۔

(۴۹۷) کبر سنی کی وجہ سے عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دی اور وہ عورت اب دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے لیکن علاقے کے لوگ اس کو نکاح سے منع کرتے ہیں کہ ابھی نکاح نہ کرو جب عدت گزر جائے گی تب نکاح کرنا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ عورت کتنی مدت عدت گزارے گی جبکہ اس عورت کو کبر سنی کی وجہ سے حیض نہیں آتا۔

الجواب بعون الملک الوھاب......عدت کی حالت میں نکاح کرنا درست نہیں عدت گزرنے کے بعد نکاح کرنا درست ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں جب عورت کو کبر سنی کی وجہ سے حیض نہیں آتا تو اس کو عدت مہینہ کے اعتبار سے شمار کرنا ہوگی جو کہ تین ماہ بنتی ہے۔

لما في القرآن الكريم (الطلاق:۴): وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَّاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ۔

وفي الهندية(۱/۵۲۶): والعدة لمن لم تحض لصغر أو كبر أو بلغت بالسن ولم تحض ثلاثة أشهر۔

(۴۹۸) سالوں سے علیحدہ رہنے والی بیوی کو طلاق کے بعد عدت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بیٹی کوثر کی شادی ہوئے پونے چار سال ہو گئے ہیں، وہ ڈھائی مہینے اپنے شوہر کے گھر رہی، اس کے بعد سے لڑکی اپنے باپ کے گھر پر ہے۔ اس عرصہ میں نہ ہی کوئی بات ہوئی اور نہ ہی کسی قسم کا رابطہ، اس کے بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں؟ کوثر کا شوہر اسے آج مؤرخہ ۲۰/اپریل ۲۰۱۱ء کو طلاق دے گا، اب کیا وہ عدت گزارے گی جبکہ ایک عرصے سے اس کا شوہر سے کوئی تعلق نہیں؟ اگر عدت کرنی پڑے تو کیا لڑکی گھر سے باہر کام کرنے جاسکتی ہے؟ کیونکہ والدین اس کی کفالت نہیں کر سکتے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......شوہر کے طلاق دینے کے بعد بیوی پر عدت گزارنا شرعاً واجب اور ضروری ہے۔ دورانِ عدت وہ کام کرنے کے لئے گھر سے باہر نہیں جاسکتی اور عدت کے دوران اس کے نان نفقہ اور رہائش کی ذمہ داری اس کے شوہر پر عائد ہوتی ہے، لیکن اگر شوہر کسی وجہ سے خرچہ وغیرہ نہ دے تو عورت کو از روئے شریعت یہ حق حاصل ہے کہ وہ بذریعہ عدالت اپنا خرچہ شوہر سے وصول کرے، لیکن اگر بذریعہ عدالت اپنا حق وصول کرنے میں مشکلات کا سامنا ہو اور والدین یا اس عورت کے ذی رحم محرم رشتہ داروں میں سے بھی کوئی اس کا خرچہ برداشت کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو یا اس کے لئے آمادہ نہ ہو تو پہلے پہل عورت کو گھر ہی میں کوئی کام مثلاً کڑھائی سلائی وغیرہ کر کے اپنے خرچہ کا انتظام کرنا چاہیئے لیکن اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو اس انتہائی مجبوری کی صورت میں اس عورت کے لئے دورانِ عدت کام کرنے کے لئے باپردہ گھر سے باہر نکلنے کی گنجائش ہے، البتہ یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ مذکورہ بالا صورت کے علاوہ اگر عورت گھر سے باہر نکلے گی تو سخت گناہ گار ہوگی۔

لما في القرآن الكريم (الطلاق:۱): لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔

وفي الهندية(۱/۵۵۷): الفصل الثالث في نفقة المعتدة المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيا أو بائنا أو ثلاثا حاملا كانت المرأة أو لم تكن كذا في فتاوى قاضي خان. الأصل أن الفرقة متى كانت من جهة الزوج فلها النفقة وإن كانت من جهة المرأة إن كانت بحق لها النفقة وإن كانت بمعصية لا نفقة لها وإن كانت بمعنى من جهة غيرها فلها النفقة۔

وفی الدر المختار (۵۳۵/۳): (ولا تخرج معتدة رجعي وبائن) بأي فرقة كانت على ما في الظهيرية ولو مختلعة على نفقة عدتها في الأصح اختيار ـــ (لو حرة) أو أمة مبوأة ولو من فاسد (مكلفة من بيتها أصلا) لا ليلا ولا نهارا ولا إلى صحن دار فيها منازل لغيره ولو بإذنه لأنه حق الله تعالى۔

وفی الرد تحته: مطلب الحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع قال في الفتح والحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع فإن علم في واقعة عجز هذه المختلعة عن المعيشة إن لم تخرج أفتاها بالحل وإن علم قدرتها أفتاها بالحرمة اھ وأقره في النهر والشرنبلالية۔

(۴۹۹) معتدہ کا مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک عورت نے عدت کے اندر ارتداد اختیار کیا اور امریکہ چلی گئی، لیکن ابھی عدت ختم نہیں ہوئی کہ وہ مسلمان ہو کر واپس پاکستان آ گئی۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا ارتداد کی وجہ سے اس کی عدت میں کوئی فرق پڑا یا نہیں؟ یعنی عدت باطل ہوئی یا نہیں؟ اور مسلمان ہونے کے بعد وہ معتدہ شمار ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب مذکورہ عورت نے عدت کے اندر (نعوذ باللہ) ارتداد اختیار کیا اور پھر امریکہ بھی چلی گئی تو اس کی عدت باطل ہوگئی، پھر اگر چہ وہ مسلمان ہو کر پاکستان چلی آئی تب بھی اس کی مذکورہ عدت لوٹ کر نہیں آئے گی اور وہ معتدہ شمار نہیں ہوگی۔

لما فی الشامية (۲۵۳/۴) باب المرتد: قوله (وليس للمرتدة التزوج بغير زوجها) في كافي الحاكم وإن لحقت بدار الحرب كان لزوجها أن يتزوج أختها قبل أن تنقضي عدتها فإن سبيت أو عادت مسلمة لم يضر ذلك نكاح الأخت وكانت فيئا إن سبيت وتجبر على الإسلام وإن عادت مسلمة كان لها أن تتزوج من ساعتها اھ وظاهره أن لها التزوج بمن شاءت۔

باب ثبوت النسب

(ثبوتِ نسب کا بیان)

(۵۰۰) ثبوتِ نسب کے مراتب

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بچہ کا نسب والدین سے ثابت ہوتا ہے، لیکن ہم نے سنا ہے کہ نسب کے ثبوت کیلئے کچھ مراتب ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ وہ کتنے مراتب ہیں؟ اور کیا کیا ہیں؟ تا کہ ہمارے علم میں اس بات کا بھی اضافہ ہوجائے کہ اس صورت میں بچہ ثابت النسب ہوگا اور اس صورت میں نہیں۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عطا فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب.....ثبوت نسب کے چار مراتب ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ فراش (جس عورت سے ہمبستری حلال ہو وہ فراش ہے) کی چار قسمیں ہیں:

(۱) فراش قوی جیسا کہ منکوحہ اس کا بچہ بغیر دعویٰ کے ثابت النسب ہوگا البتہ اگر شوہر انکار کرے تو لعان کے بعد اس کی بات معتبر ہوگی اور بچہ ثابت النسب نہیں ہوگا۔

(۲) فراش اَقوی جیسا کہ معتدہ بائنہ اس کا بچہ ثابت النسب ہوگا چاہے شوہر اس کا انکار کرے یا اقرار کرے۔

(۳) فراش متوسط جیسا کہ ام ولد اس کا بچہ بھی بغیر دعویٰ کے ثابت النسب ہوگا لیکن اگر مولی اس کا انکار کرے تو پھر بغیر لعان کے نسب منتفی ہوجائے گا۔

(۴) فراش ضعیف جیسا کہ باندی اس کا بچہ اس وقت تک ثابت النسب نہیں ہوگا جب تک مولی دعویٰ نہ کرے۔

لما فی الشامیة ، باب ثبوت النسب (۵۵۰/۳): مطلب الفراش علی أربع مراتب قوله (علی أربع مراتب) ضعیف وهو فراش الأمة لا یثبت النسب فیه إلا بالدعوة ومتوسط وهو فراش أم الولد فإنه یثبت فیه بلا دعوة لكنه ینتفي بالنفي وقوي وهو فراش المنكوحة ومعتدة الرجعي فإنه فیه لا ینتفي إلا باللعان وأقوی كفراش معتدة البائن فإن الولد لا ینتفي فیه أصلا لأن نفیه متوقف علی اللعان وشرط اللعان الزوجیة ۔

(۵۰۱) نسب میں اعتبار باپ کا ہوتا ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکا (جو کہ سید نہیں تھا) نے ایک سیدہ لڑکی سے نکاح کیا، اس سے جو اولاد ہوگی کیا وہ بھی اس سیادت میں داخل ہوگی؟ اگر نہیں تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی جو اولاد ہے جس کو سید کہا جاتا ہے کیا وہ اس سے مستثنیٰ ہیں؟ اور وجہ خصوصیت کیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں جو اولاد ہوگی وہ اس سیادت میں داخل نہیں ہوگی کیونکہ نسب باپ سے چلتا ہے البتہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو جو سید کہا جاتا ہے وہ آپ کا شرف ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے "إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ" فرما کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ نسب جاری فرما دیا۔ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت اور شرف ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایک حدیث میں فرمایا جس کا مفہوم ہے" آدم کی تمام اولاد کا نسب ان کے باپ سے چلتا ہے سوائے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد، میں ان کا والد اور عصبہ ہوں"۔

لمافي الشامية (٦/٦٨٥): قوله (وبه أفتى شيخنا الرملي) حيث قال في فتاواة في باب ثبوت النسب ما حاصله لا شبهة في أن له شرفا ما وكذا لأولاده وأولادهم إلى آخر الدهر أما أصل النسب فمخصوص بالآباء وسئل أيضا عن أولاد زينب بنت فاطمة الزهراء زوجة عبد الله بن جعفر الطيار فأجاب أنهم أشراف بلا شبهة إذ الشريف كل من كان من أهل البيت علويا أو جعفريا أو عباسيا لكن لهم شرف الآل الذين تحرم الصدقة عليهم لا شرف النسبة إليه فإن العلماء ذكروا أن خصائصه أنه ينسب إليه أولاد بناته فالخصوصية للطبقة العليا فأولاد فاطمة الأربعة الحسن والحسين وأم كلثوم وزينب ينسبون إليه وأولاد الحسين ينسبون إليهما فينسبون إليه وأولاد زينب وأم كلثوم ينسبون إلى أبيهم لا إلى أمهم فلا ينسبون إلى فاطمة ولا إلى أبيهم لأنهم أولاد بنت بنته لا أولاد بنته فيجري فيهم الأمر على قاعدة الشرع الشريف في أن الولد يتبع أباه في النسب لا أمه وإنما خرج أولاد فاطمة وحدها للخصوصية التي ورد بها الحديث وهي مقصورة على ذرية الحسن والحسين لكن مطلق الشرف الذي للآل يشملهم وأما الشرف الأخص وهو شرف النسبة إليه فلااهـ ملخصا ـ ـ ـ أقول وإنما يكون لهم شرف الآل المحرم للصدقة إذا كان أبوهم من الآل كما مر والمراد بالحديث ما أخرجه أبو نعيم وغيره كل ولد آدم فإن عصبتهم لأبيهم ما خلا ولد فاطمة فإني أنا أبوهم وعصبتهم۔

(٥٠٢) ثبوتِ نسب میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے یا عیسوی؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زینب کا بچہ پیدا ہوا، لیکن اس کا شوہر کہتا ہے کہ ابھی چھ ماہ نہیں ہوئے ہیں، اس سے پہلے بچہ آ گیا، یہ بچہ میرا نہیں ہے البتہ زینب کا کہنا یہ ہے کہ چھ ماہ ہو گئے ہیں اور بچہ آپ کا ہے۔ اسلامی مہینہ کے اعتبار سے چھ ماہ ہو گئے ہیں، انگریزی اعتبار سے چھ ماہ مکمل نہیں ہوئے۔ آیا کس سے نسب ثابت ہوگا باپ سے یا ماں سے اور کون سے مہینوں کا اعتبار ہوگا اسلامی یا انگریزی؟ مکمل وضاحت فرما کر تسلی دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......نکاح کے بعد اگر چھ ماہ پورے ہونے سے پہلے بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب نہیں ہوتا جبکہ چھ مہینے کے بعد پیدا ہو تو وہ ثابت النسب ہوتا ہے اور چھ مہینے کا شمار اس طرح ہوگا کہ اگر چاند کی پہلی تاریخ کو نکاح ہوا ہے تو قمری اعتبار سے مہینوں کا شمار ہوگا اور اگر قمری مہینے کے بیچ میں نکاح ہوا ہے تو اس مہینے کے بقیہ دن پورے کرنے کے بعد قمری مہینوں سے حساب کیا جائے گا اور آخری مہینے کے اتنے دن شمار کئے جائیں جتنے پہلے مہینے سے کم ہوئے ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہوگا۔

لما فی تبیین الحقائق(٣/٢٤٤) باب ثبوت النسب: قال رحمه الله (ومن قال إن نكحتها فهي طالق فولدت لستة أشهر مذ نكحها لزمه نسبه ومهرها) أما النسب فلأنها فراشه , وهو متصور لأنها إذا ولدته لستة أشهر من وقت التزوج فقد ولدته لأقل منها من وقت الطلاق فكان العلوق قبله في حال النكاح۔

وفی الخانية(١/١٧٢) فصل فی مسائل النسب: وإن ولدت ولداً تاماً إن ولدت لستة أشهر من وقت النكاح يثبت النسب منه ويجوز نكاحها وإن ولدت لأقل من ذلك لا يجوز نكاحها في التام تعتبر الشهور بالأهلة وفي الناقص يعتبر بالأيام ولو كان النكاح في عشر من الشهر يعدلها عشرون يوماً من هذا الشهر وخمسة أشهر بالأهلة وعشرة أيام من الشهر السادس وكذلك في عدة الآيسة۔

وفی الهندية (١/٥٤٠) الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب: اكثر مدة الحمل سنتان وأقل مدة الحمل ستة أشهر كذا فی الكافی۔

(٥٠٣) ثبوتِ نسب کیلئے فقط عقد نکاح کافی ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض جگہ یہ رواج ہے کہ رخصتی سے قبل نکاح کیا جاتا ہے اور رخصتی بسا اوقات مہینہ دو مہینہ بعد ہوتی ہے۔ ایسی جگہ زید نے شادی کر لی۔ رخصتی سے قبل وہ کہیں کام کے سلسلے میں چلا گیا۔ ایک سال بعد

وہ آیا، رخصتی کر لی البتہ پانچ مہینے بعد ایک لڑکا ہوا۔ اب زید انکار کرتا ہے جبکہ اس علاقہ میں ایک مولوی صاحب ہیں وہ کہتے ہیں کہ نفس عقد کا ہونا یہ وطی کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا ایک سال پہلے آپ نے نکاح کیا ہے اس لئے یہ آپ ہی کا بیٹا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں لڑکے کا نسب زید ہی سے ثابت ہوگا اور مولوی صاحب کا کہنا بجا ہے کہ نفس عقد وطی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اگر شوہر انکار کرتا ہے تو میاں بیوی میں لعان ہوگا۔ لعان کے بعد لڑکے کا نسب زید سے منتفی ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

لمافی الدرالمختار(۵۵۰/۳): وسيجيء في الاستيلاد أن الفراش على أربع مراتب وقد اكتفوا بقيام الفراش بلا دخول كتزوج المغربي بمشرقية بينهما سنة فولدت لستة أشهر مذ تزوجها لتصوره كرامة أو استخداما ـ ـ ـ الخ۔

وفي الشامية (۵۵۰/۳): مطلب الفراش على أربع مراتب قوله (على أربع مراتب) ضعيف وهو فراش الأمة لا يثبت النسب فيه إلا بالدعوة ومتوسط وهو فراش أم الولد فإنه يثبت فيه بلا دعوة لكنه ينتفي بالنفي وقوي وهو فراش المنكوحة ومعتدة الرجعي فإنه فيه لا ينتفي إلا باللعان وأقوى كفراش معتدة البائن فإن الولد لا ينتفي فيه أصلا لأن نفيه متوقف على اللعان وشرط اللعان الزوجية ح۔قوله (بلا دخول) المراد نفيه ظاهرا وإلا فلا بد من تصوره وإمكانه ولذا لم يثبتوا النسب من زوجة الطفل ولا ممن ولدت لأقل من ستة أشهر على ما مر تفصيله۔

(۵۰۴) باہر ملک میں رہنے والے شوہر کے گھر بچے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کا ایک لڑکا ہوا اس لڑکے کی شکل شباہت بالکل اسی آدمی کی طرح ہے۔ آدمی کہتا ہے کہ یہ میرا لڑکا نہیں ہے کیونکہ میں تو ڈیڑھ سال سے باہر تھا۔ عورت کہتی ہے کہ یہ آپ کا ہی لڑکا ہے تو کیا ایسی صورت میں صرف شکل شباہت کو دیکھ کر ثبوت نسب کا حکم لگا سکتے ہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......شادی شدہ عورت کے بچے کا نسب جبکہ بچہ شادی کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا نہ ہوا ہو، اس عورت کے شوہر سے ہی ثابت ہوگا اور شوہر کا صرف اس بنیاد پر کہ "وہ ڈیڑھ سال بیوی سے جدا رہا" بچے کی اپنے سے نفی کرنا درست نہیں (بالخصوص جبکہ بچے میں اس کی شباہت وغیرہ قرائن بھی بچے کا اس سے ہی ہونے کی تائید کرتے ہیں) کیونکہ اس لئے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اگرچہ عام طور پر ولادت نو، دس ماہ میں ہوتی ہے۔ تاہم اگر شوہر اپنے سے بچے کی نفی کرتا ہے تو اس کی صرف ایک صورت ہے کہ وہ شرعی طور پر لعان کے ساتھ اپنے سے بچے کے نسب کی نفی کرے، اگر ان میاں بیوی میں

لعان کی شرائط نہیں پائی جاتیں یا پائی تو جاتی ہیں لیکن شوہر لعان نہیں کرتا تو بچے کا نسب شوہر ہی سے ثابت ہوگا، نیز بچے میں صرف شکل و شباہت کا پایا جانا ثبوت نسب کیلئے دلیل شرعی نہیں بلکہ ثبوت نسب کیلئے فراش کا ہونا ضروری ہے اور یہاں فراش پایا جاتا ہے۔

لمافی الهندية(۱/۵۱۹): رجل له امرأة فجاءت بولد فنفاه وقال هذا الولد ليس مني أو قال هذا الولد من الزنا وسقط اللعان بوجه من الوجوه فإنه لا ينتفي النسب سواء وجب عليه الحد أو لم يجب وكذلك إذا كان من أهل اللعان فلم يتلاعنا فإنه لا ينتفي النسب كذا في شرح الطحاوي۔

وفيه أيضاً (۱/۵۴۰): أكثر مدة الحمل سنتان وأقل مدة الحمل ستة أشهر كذا في الكافي۔

وفيه أيضاً(۴/۱۱۳): ولثبوت النسب مراتب ثلاث أحدها بالنكاح الصحيح وما هو في معناه من النكاح الفاسد والحكم فيه أنه يثبت من غير دعوى ولا ينتفي بمجرد النفي وإنما ينتفي باللعان في النكاح الصحيح دون الفاسد كذا في الظهيرية وله أن ينفيه ما لم يقر بنسبه صريحا أو يظهر منه ما يكون اعترافا من قبول تهنئة أو شراء متاع الولادة۔الخ۔

وفي الدر المختار(۳/۵۵۰): وقد اكتفوا بقيام الفراش بلا دخول كتزوج المغربي بمشرقية بينهما سنة فولدت لستة أشهر مذ تزوجها لتصوره كرامة أو استخداما۔

وفي الردتحته:(وقوي) وهو فراش المنكوحة ومعتدة الرجعي فإنه فيه لا ينتفي إلا باللعان۔

(۵۰۵)شوہر کے انتقال کے پانچ سال بعد بچے کا پیدا ہونا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت جو پورے خاندان میں پاکدامن سمجھی جاتی ہے اس کے شوہر کے انتقال کے پانچ سال بعد بچہ ہوا۔عورت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ میرے شوہر کا بچہ ہے میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے، قسم کھانے کے لئے بھی تیار ہے۔بعض حضرات کا کہنا ہے کہ دو سال سے زائد بچہ پیٹ میں نہیں رہ سکتا لہٰذا یہ ثابت النسب نہیں ہوسکتا جبکہ دیگر حضرات مختلف واقعات پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیگر ائمہ کرام کے ہاں چار سال یا زائد کے گزرنے کے باوجود بچہ پیٹ میں رہ سکتا ہے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ بچہ پہلے سے موجود ہوالبتہ خشک ہوگیا ہواور اب تندرست ہوگیا ہو لہٰذا عورت جو دعویٰ کرتی ہے وہ درست ہے۔مذکورہ واقعہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... عندالاحناف ثبوت نسب کے لئے دو سال کی مدت کے اندر اندر بچے کا پیدا ہونا ضروری ہے اگر خاوند کی وفات کے بعد بچہ دو سال کے اندر پیدا نہ ہوا بلکہ بعد میں پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں ہوگا اب صورت مسئولہ میں چونکہ بچہ خاوند کی وفات کے پانچ سال بعد میں پیدا ہوا ہے اس لئے اس کا نسب اس عورت کے خاوند سے ثابت نہیں ہوگا البتہ اقرار اور بینہ یعنی گواہوں

کے نہ پائے جانے کی وجہ سے عورت پر حد جاری نہیں ہوگی۔

لمافی الشامية (۳/۵۴۰): قوله (لخبر عائشة) هو ما أخرجه الدارقطني والبيهقي في سننهما أنها قالت ما تزيد المرأة في الحمل على سنتين قدر ما يتحول ظل عمود المغزل وفي لفظ لا يكون الحمل أكثر من سنتين الخ وتمامه في الفتح ــــــوقال بعد سطرين :ولا يخفي أن قول عائشة رضي الله تعالى عنها مما لا يعرف إلا سماعا فهو مقدم على هذا لأنه بعد صحة نسبته إلى الشارع لا يتطرق إليه الخطأ بخلاف الحكاية فإنها بعد صحة نسبتها إلى مالك يحتمل خطؤها وكون دمها انقطع أربع سنين ثم جاءت بولد فيجوز أنها امتد طهرها سنتين أو أكثر ثم حبلت ولو وجدت حركة في البطن مثلا فليس قطعا في الحمل وتمامه في الفتح ـ

رسالة

القول الحامد

فی

إحالة النسب إلی النکاح الفاسد

اگر نسب کو نکاح صحیح اور نکاح فاسد دونوں کی طرف

منسوب کرنا ممکن ہو تو نسب کے ثبوت، مصالح اور مختلف صورتوں کا بیان

(۵۰۶) معتدہ سے نکاح کے آٹھ ماہ بعد پیدا بچے کے نسب کا حکم

سوال

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی! میں ایک مسجد میں امام ہوں اور وفاق المدارس کا فاضل بھی ہوں۔عوام بعض اوقات اپنے مسائل پوچھ لیتی ہے۔جنہیں میں اپنے پاس موجود کتابوں کے ذریعے حل کر کے جواب دیتا ہوں، لیکن مشکل اور تحقیق طلب مسائل میں حضرت والا دامت برکاتہم کی خدمت میں لکھ بھیجتا ہوں۔

مسئلہ یہ ہے کہ علاقے میں ایک صاحب نے اپنی بھابی سے بھائی کے انتقال کے فوراً بعد نکاح کر لیا ہے۔کیا دوران عدت یہ نکاح درست ہے؟ بھابھی کی عدت چار ماہ دس دن پوری نہیں ہوئی تھی نیز نکاح کے آٹھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا ہے۔کیا وہ بچہ ثابت النسب ہو گا؟ میں نے عربی اردو کتب کی مراجعت کی لیکن مجھے مسئلہ کا جواب سمجھ نہ آسکا۔آنجناب سے مؤدبانہ التماس ہے کہ مسئلہ کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب

عدت کے دوران نکاح کرنا جائز نہیں۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ (البقرة:۲۳۵)

"اور تم نکاح کے تعلق کا ارادہ بھی مت کرو۔ یہاں تک کہ عدت مقررہ اپنے اختتام تک پہنچ جائے۔"

البتہ اگر کوئی عورت دوران عدت نکاح کر لیتی ہے اور مرد کو بھی معلوم ہو کہ یہ عورت عدت میں ہے تو یہ نکاح باطل ہے۔اس میں عدت یا نسب کے کوئی احکام جاری نہ ہوں گے۔اگر مرد کو عورت کا معتدہ ہونا معلوم نہ ہو تو یہ نکاح فاسد شمار ہوگا نیز نکاح فاسد میں عدت، نسب، مہر وغیرہ نکاح کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

لہذا اگر اس شخص نے اپنی بھابھی سے بھائی کے انتقال کے بعد یہ جانتے ہوئے شادی کی کہ یہ غیر کی معتدہ ہے اور عدت باقی ہے نیز یہ نکاح منع ہے تو یہ نکاح باطل اور اس میں کی گئی ہمبستری زنا محض ہے، جس سے کسی قسم کا نسب ثابت نہ ہوگا۔اس صورت میں یہ آٹھ ماہ بعد پیدا ہونے والا بچہ شوہر اول سے منسوب ہوگا، کیونکہ اس کی پیدائش اور بچے کی موت کے درمیان دو سال سے کم کا وقفہ ہے لہذا اس کا نسب اس مرنے والے شوہر سے ثابت کر دیا جائے گا۔

اگر اس شخص کو بھابھی کا معتدہ ہونا معلوم نہ ہو تو یہ نکاح ثانی فاسد ہوگا، جس میں نکاح کے احکام کا اجراء ہوتا ہے اور اس سے

پیدا شدہ بچہ ثابت النسب ہوگا لیکن نسب کے ثبوت میں کچھ تفصیل ہے جو تحریر کی جارہی ہے۔ تفصیل سے پہلے یہ قاعدہ ملحوظ رہے کہ حمل کی اکثر مدت دو سال اور اقل مدت چھ ماہ ہے۔ یعنی دو سال کے بعد یا چھ ماہ سے کم میں پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب نہیں ہوتا۔ اس اعتبار سے صورت مسئولہ کی چار صورتیں بن سکتی ہیں:

(۱) بچہ پہلے شوہر کے طلاق دینے یا موت واقع ہونے کے وقت سے دو سال کے اندر اور دوسرے نکاح (فاسد) سے چھ ماہ کے اندر اندر پیدا ہو جائے تو یہ بچہ لامحالہ پہلے شوہر سے ثابت النسب ہوگا۔ نسب کے سلسلے میں یہ اصول ہے کہ جب تک نکاح صحیح کی طرف منسوب کرنا ممکن ہو تو حتی الامکان اسی کی طرف منسوب کیا جائے۔ اس پہلی صورت میں تو دوسرے نکاح فاسد سے ثابت کرنا ممکن ہی نہیں لہذا نسب پہلے شوہر سے ثابت ہوگا۔

(۲) بچہ پہلے شوہر کے طلاق دینے یا موت واقع ہونے کے وقت سے دو سال کے بعد اور دوسرے نکاح فاسد سے بھی چھ ماہ بعد پیدا ہوا تو یہ بچہ دوسرے شوہر سے ثابت النسب ہوگا۔ اس صورت میں پہلے شوہر سے فرقت کے دو سال بعد چونکہ بچہ پیدا ہوا ہے لہذا اکثر مدت حمل کے بعد پیدا ہونے کی وجہ سے اس پہلے شوہر سے اثبات نسب ممکن نہیں لہذا یہ بچہ دوسرے شوہر سے ثابت النسب ہوگا۔ دوسرے کے نکاح فاسد سے چھ ماہ بعد اس بچہ کا پیدا ہونا اس دوسرے شوہر سے اثبات النسب کو ممکن بناتا ہے۔

(۳) بچہ پہلے شوہر کے طلاق دینے یا موت واقع ہونے کے وقت سے دو سال کے بعد اور دوسرے نکاح سے چھ ماہ کے اندر اندر پیدا ہو جائے۔ اس تیسری صورت میں بچے کا نسب کسی سے ثابت نہ ہوگا پہلے شوہر سے تو اس لئے کہ دو سال حمل کی اکثر مدت ہے اور بچہ اس کے بعد پیدا ہوا ہے۔ دوسرے شوہر سے بھی اس بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا، کیونکہ یہ نکاح ثانی سے چھ ماہ کے اندر اندر پیدا ہو گیا ہے لہذا یہ بچہ ولد الزنا شمار ہوگا۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ بچہ پہلے شوہر کے طلاق دینے سے دو سال کے اندر اور دوسرے نکاح کے چھ ماہ بعد پیدا ہو۔ یہ چوتھی صورت ایسی ہے کہ اس میں امکان کے درجے میں بچے کا نسب دونوں شوہروں سے ثابت کرنا ممکن ہے۔ پہلے شوہر سے اس لئے کہ بچہ دو سال کے اندر پیدا ہوا ہے اور دوسرے شوہر سے اس لئے کہ نکاح ثانی کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہے۔ اب اس صورت میں دونوں شوہروں سے نسب کا ثابت کرنا ممکن ہے لیکن نسب کس سے ثابت کیا جائے گا؟ علامہ ابن نجیم حنفی متوفی (سن ۹۷۰ھ) کی رائے اس صورت میں یہ ہے:

لو جاءت به لأقل من سنتين من طلاق الأول ولستة أشهر من دخول الثاني ينبغي إلحاقه بالأول۔

(البحر الرائق ۴/۲۴۲)

"اگر عورت، بچہ، پہلے شوہر کی طلاق سے دو سال کے اندر اور دوسرے کے دخول سے چھ ماہ بعد جنے تو بچے کا پہلے شوہر سے الحاق (نسب ثابت کرنا) مناسب ہے"

علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے شوہر سے اثبات نسب کے مناسب ہونے کی وجہ تحریر نہیں فرمائی چونکہ وجہ بالکل ظاہر تھی، البتہ علامہ

کاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''بدائع الصنائع'' میں اس کی وجہ تفصیلاً ذکر فرمائی ہے۔ بدائع میں ہے:

"النسب يثبت من الأول إن أمكن إثباته منه بأن جاءت به لأقل من سنتين منذ طلقها الأول أو مات عنها ولستة أشهر فصاعدا منذ تزوجها الثاني لأن النكاح الثاني فاسد ومهما أمكن إحالة النسب إلى الفراش الصحيح كان أولى وإن لم يمكن إثباته منه وأمكن إثباته من الثاني فالنسب يثبت من الثاني" (بدائع ۴/۴۹۰)

''نسب حتی الامکان پہلے شوہر سے ہی ثابت کیا جائے گا مثلاً بچہ پہلے شوہر کی طلاق یا موت سے دو سال کے اندر اندر اور دوسرے کے نکاح سے چھ ماہ یا اس سے زائد بعد پیدا ہوا ہو کیونکہ دوسرا نکاح تو فاسد ہے اور جب نسب کو فراش صحیح (پہلے شوہر کے نکاح صحیح) کی طرف منسوب کرنا ممکن ہے تو یہ بہتر ہے۔ ہاں اگر پہلے شوہر سے نسب ثابت کرنا ممکن ہی نہ ہو تو نسب دوسرے شوہر سے ثابت کر دیا جائے گا''

ان عبارات کا خلاصہ یہی ہے کہ اس چوتھی صورت میں جب دونوں شوہروں سے اثبات نسب ممکن ہے تو نسب کو پہلے شوہر سے ثابت کیا جائے گا، کیونکہ اس کا نکاح صحیح اور فراش صحیح ہے۔ بندہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ یہاں کچھ مرجحات ایسے ہیں جو دوسرے شوہر سے نسب کے اثبات کی ترجیح بیان کرتے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) پہلا تو یہ کہ بدائع اور ہندیہ وغیرہ میں ''اولی'' بہتر کے الفاظ ہیں لہذا پہلے شوہر سے نسب کا ثابت کرنا صرف اولی ہے اور دوسرے سے اثبات بھی بوقت ضرورت درست ہے۔

(۲) پہلا شوہر مر چکا ہے یا طلاق دے کر علیحدہ ہو چکا ہے، اب اس بچے کا مستقبل دوسرے شوہر سے متعلق ہے اور جب اس دوسرے شوہر سے نسب ثابت کرنا ممکن بھی ہے تو بظاہر بچے کیلئے بہتری اور اولی یہ ہے کہ اس کا نسب دوسرے سے ثابت کر دیا جائے۔

(۳) دوسرے شوہر سے نسب ثابت کرنے کا ایک عقلی مرجح یہ بھی ہے کہ فقہاء نے دو سال حمل کی اکثر مدت احتمال اور امکان کی حد تک قرار دی ہے ورنہ عموماً دو سال تک بچے کا پیٹ میں رہنا مستبعد ہے جبکہ سات یا آٹھ ماہ میں بچے کا پیدا ہو جانا معمول کی بات ہے۔ اس لحاظ سے بھی بچے کا نسب دوسرے شوہر سے ثابت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۴) عورت کو شوہر اول کے انتقال یا طلاق دینے کے بعد اگر اپنے مخصوص ایام میں ایک بھی حیض آیا ہے تو وہ حیض قاطع للحمل ہے اور بچہ کا پہلے شوہر سے نہ ہونا ظاہر کرتا ہے۔ یہاں اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوران حمل آئے خون کو فقہاء حیض نہیں مانتے، بلکہ استحاضہ کہتے ہیں، لہذا ممکن ہے کہ یہ خون استحاضہ کا ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں تسلیم ہے کہ دوران حمل خون کا آنا یہ مطلقاً قاطع نہیں، بلکہ اسے استحاضہ شمار کر لیا جاتا ہے، لیکن ان مخصوص ایام میں خون کا آنا اس طرف مشیر تو ہے کہ حمل نہیں اور قوی احتمال ہے کہ یہ خون حیض کا ہی ہو اور جو بچہ بعد میں پیدا ہوا ہے وہ دوسرے شوہر کا ہی قرار دیا جائے۔

لہذا یہ چار مرجحات ایسے ہیں کہ جو بچے کے نسب کو دوسرے شوہر کے نکاح فاسد سے ثابت کرنے کی اولویت بتاتے ہیں نیز نفی

زمانا ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں کہ عدت میں نکاح ہوجاتے ہیں، لہذا دوسرے شوہر سے نسب کا اثبات قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اسکے برخلاف کچھ وجوہات کی بناء پر نسب کو اس چوتھی صورت میں شوہر اول سے ہی ثابت کیا جائے گا جس میں ایک وجہ تو نسب کے معاملے میں ملحوظ احتیاط اور ہدایات ہیں۔ نسب میں کسی قسم کا اشتباہ شرعاً قبیح ہے اور اس صورت میں فراش صحیح کی طرف نسبت کرنا چونکہ ممکن ہے تو وہی معین ہوگا۔ نکاح فاسد میں فراش ضرور ہوتا ہے اور وہ بوقت ضرورت زنا سے بچانے کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن نکاح صحیح کے مقابلے میں (نسب کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے) اسے کالعدم قرار دیا جائے گا اور نسب کا فراش صحیح یعنی زوج اول سے الحاق کیا جائے گا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بحر میں صورت ہذا میں "ینبغی" کے الفاظ ہیں اور ینبغی کے الفاظ "یجب" کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں، لہذا بحر کی عبارت میں مذکورہ صورت میں شوہر اول سے نسبت کے اثبات کا وجوب معلوم ہوتا ہے۔

صورت مسئولہ میں ذکر شدہ صورت میں جو واقعہ ہے اس میں بچہ دوران عدت کئے نکاح کے آٹھ ماہ بعد ہوا ہے۔ یعنی پہلے شوہر کی موت سے دو سال کے اندر اور نکاح ثانی سے آٹھ ماہ بعد پیدا ہوا ہے، لہذا یہ چوتھی صورت ہی بنتی ہے اور اس صورت میں بچے کا نسب مرحوم اور شوہر ثانی دونوں سے ثابت کرنا ممکن ہے، لیکن مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر نسب کو شوہر اول [مرحوم] کی طرف منسوب کیا جائے گا اور یہ بچہ مرحوم شوہر کا کہلائے گا۔ یہی اس بچے کیلئے اولی اور بہتر ہے، نیز ان دونوں مرد اور عورت پر فوری علیحدگی ضروری ہے۔ انہیں چاہیئے کہ فی الفور علیحدہ ہوجائیں اور نکاح جدید صحیح شرعی اصولوں کے مطابق کریں۔ نکاح فاسد کے وبال سے نکلیں، کیونکہ نکاح فاسد میں ہمبستری جائز نہیں، یہ دونوں سخت اعلانیہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں۔

لما في القرآن الكريم (الأحزاب:٥): ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ الخ

وفي سنن ابي داود (۴/۴۹۰): قال حدثني سعد بن مالك قال سمعته أذناي ووعاه قلبي من محمد عليه السلام أنه قال: "من ادعى إلى غير أبيه وهو يعلم أنه غير أبيه فالجنة عليه حرام۔

وفي الهندية (۱/۵۱۸): وإذا تزوجت المعتدة بزوج آخر ثم جاءت بولد إن جاءت به لأقل من سنتين منذ طلقها الأول أو مات ولأقل من ستة أشهر منذ تزوجها الثاني فالولد للأول وإن جاءت به لأكثر من سنتين منذ طلقها الأول أو مات ولستة أشهر فصاعدا منذ تزوجها الثاني فهو للثاني والنكاح جائز وإن جاءت به لأكثر من سنتين منذ طلقها الأول أو مات ولأقل من ستة أشهر منذ تزوجها الثاني لم يكن للأول ولا للثاني وهل يجوز نكاح الثاني في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى جائز هذا إذا لم يعلم قبل التزويج أنها تزوجت في عدتها فإن علم ذلك ووقع النكاح الثاني فاسدا فجاءت بولد فإن النسب يثبت من الأول إن أمكن إثباته بأن

جاءت به لأقل من سنتين منذ طلقها الأول أو مات ولستة أشهر فصاعدا منذ تزوجها الثاني لأن نكاح الثاني فاسد ومهما أمكن إحالة النسب إلى الفراش الصحيح كان أولى وإن لم يكن إثباته منه وأمكن إثباته من الثاني فالنسب يثبت من الثاني بأن جاءت به لأكثر من سنتين منذ طلقها الأول أو مات ولستة أشهر فصاعدا منذ تزوجها الثاني لأن نكاح الثاني وإن كان فاسدا لكن لما تعذر إثبات النسب من النكاح الصحيح فإثباته من الفاسد أولى من الحمل على الزنا هكذا في البدائع۔

وفى الشامية(١٣٢/٢): أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى كما في القنية وغيرها اه والحاصل أنه لا فرق بينهما في غير العدة أما فيها فالفرق ثابت وعلى هذا فيقيد قول البحر هنا ونكاح المعتدة بما إذا لم يعلم بأنها معتدة ـ

(۵۰۷) مادہ منویہ کے ناقابل تولید ہونے کی ڈاکٹری رپورٹ کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک دوست تھا، کافی عرصہ سے وہ اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرتا رہا البتہ حمل کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد بتایا کہ آپ کے منی کے جرثومے مردہ ہیں لہٰذا اس سے حمل نہیں ٹھہر سکتا، البتہ کچھ عرصہ بعد حمل ٹھہر گیا۔ اب میرا دوست کافی پریشان ہے کہ یہ کیا ہوگیا یعنی اپنی بیوی پر شک کر رہا ہے تو اب کیا کیا جائے اور یہ حمل ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں آپ کے دوست کو چاہیئے کہ اپنی بیوی پر بغیر کسی شرعی دلیل کے خواہ مخواہ شک نہ کرے۔ اولاد کا ہونا نہ ہونا اور حمل کا ٹھہرنا نہ ٹھہرنا سب کچھ اللہ رب العزت کی قدرت میں ہے، جسے چاہے جب چاہے اولاد کی نعمت عطا کردے اور جسے چاہے محروم کردے قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے فرمایا (ترجمہ): "وہی ذات ہے جس کو رحموں کے اندر کا علم ہے" لہٰذا ڈاکٹروں کا قول قطعی حجت نہیں ہے، چنانچہ شریعت مطہرہ کی رو سے یہ حمل ثابت النسب ہوگا۔

لمافی الهندية (٥٣٦/١): النكاح الصحيح وما هو في معناه من النكاح الفاسد والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة ولا ينتفي بمجرد النفي ـــ وإذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بالولد لأقل من ستة أشهر منذ تزوجها لم يثبت نسبه وإن جاءت به لستة أشهر فصاعدا يثبت نسبه منه اعترف به الزوج أو سكت۔

وفي الشامية (٥٤٥/٣، ٥٤٧): قد ولدت والنكاح قائم فلا يتوقف ثبوت الولادة على الشهادة إذا أنكرها بل يكفي شهادة القابلة لقيام الفراش فيثبت النسب بالفراش وتعيين الولادة بشهادة القابلة كما ذكره الزيلعي في ولادة المنكوحة ـــ وحاصله أن الثبوت يتوقف على الفراش وهو يثبت مقارنا للنكاح المقارن للعلوق فتعلق وهي فراش فيثبت نسبه۔

(۵۰۸) باپ کا ناراضگی کی وجہ سے چند بچوں کو اپنا نہ کہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے ۵ بیٹے ہیں اور ۴ بیٹیاں ہیں، مگر زید ۴ بیٹوں سے اور دو بیٹیوں سے ناراض ہے جس کی وجہ سے اگر کوئی شخص ان سے پوچھتا ہے کہ آپ کے کتنے بیٹے اور بیٹیاں ہیں تو وہ غصے میں آ کر کہتا ہے کہ میرا ایک بیٹا اور ۲ بیٹیاں ہیں تو کیا اس شخص کا اس طرح کہنا از روئے شرع درست ہے اور بار ہا اس طرح کہہ چکا ہے۔ کیا اس کہنے سے نسب میں کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی؟ مہربانی فرما کر جواب مرحمت فرمائیں اللہ آپ حضرات کی سعی کو قبول فرمائے، آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... جو رشتے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جوڑے ہوئے ہوتے ہیں وہ زبان سے توڑنے سے ختم نہیں ہوتے لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کا یہ کہنا کہ میرا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں (اور باقی چار بیٹوں اور دو بیٹیوں سے ناراضگی کی وجہ سے ان کو بیٹوں اور بیٹیوں میں شمار نہ کرنا) درست نہیں ہے بلکہ مذکورہ بیٹے اور بیٹیاں بھی بدستور زید ہی کی اولاد رہیں گی اور زید کے اس طرح کہنے سے نسب پر بھی کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی اور ان بیٹوں اور بیٹیوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے والد صاحب کی ناراضگی کو دور کر کے انہیں راضی کریں اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی دل وجان سے کوشش کرتے رہیں۔

لمافی الهندية (۵۳۶/۱): الباب الخامس عشر في ثبوت النسب قال أصحابنا لثبوت النسب ثلاث مراتب الأولى النكاح الصحيح وما هو في معناه من النكاح الفاسد والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة ولا ينتفي بمجرد النفي وإنما ينتفي باللعان فإن كانا ممن لا لعان بينهما لا ينتفي نسب الولد كذا في المحيط۔

(۵۰۹) قریب البلوغ لڑکے سے اولاد کے نسب کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عمر قریب البلوغ ہے۔ اس کی بیوی بالغہ ہے۔ عمر کا اس کی بیوی سے بچہ ہوا ہے۔ آیا اس کا نسب عمر سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ اس لئے کے عمر ابھی بالغ نہیں ہوا بلکہ بلوغ کے قریب پہنچا ہوا ہے۔ براہ کرم تفصیل سے مدلل جواب بہترین انداز میں مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... بلوغت میں اعتبار علاماتِ بلوغ کے ظاہر ہونے کا ہوتا ہے اور اگر بچے پر کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو لڑکے اور لڑکی کے پندرہ سال کی عمر تک پہنچنے پر بالغ شمار کیا جاتا ہے اور لڑکے کی کم از کم مدتِ بلوغ بارہ اور لڑکی کی نو سال ہے لہٰذا بارہ سال کی عمر تک پہنچنے سے قبل اگر لڑکے کا بچہ ہو تو وہ ثابت النسب نہ ہوگا البتہ بارہ سال کی عمر کے بعد اگر بچہ ہو تو اگر اس کو وطی پر قدرت ہے تب تو اس سے نسب ثابت ہونا واضح ہے اور اس لڑکے کو وطی کرنے کی وجہ سے ہی بالغ شمار کیا جائے گا اور اگر اسے وطی پر قدرت نہ ہو تب بھی چونکہ امکان ہے لہٰذا احتیاطاً اس بچے کا نسب اسی لڑکے سے ثابت کر دیا جائے گا۔

لمافی الهندية (۵۴۰/۱) (الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب): الصبي المراهق إذا جاءت امرأته بولد يثبت النسب كذا في السراجية۔

وفی الدر المختار (۵۱۲/۳) باب العدة: (ولا نسب في حاليه) إذ لا ماء للصبي نعم ينبغي ثبوته من المراهق احتياطا۔

وفی الرد تحته: قوله (نعم ينبغي الخ) عبارة الفتح ثم يجب كون ذلك الصبي غير مراهق أما المراهق فيجب أن يثبت النسب منه إلا إذا لم يمكن بأن جاءت به لأقل من ستة أشهر من العقد اهـ۔

(۵۱۰) نکاح فاسد میں زوجین کا ہمبستری میں اختلاف کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میاں بیوی کے درمیان نکاحِ فاسد ہوا تھا اور بعد میں ایک بچہ پیدا ہو گیا۔ مرد دعویٰ کر رہا ہے کہ صرف خلوت ہوئی ہے جبکہ عورت کہہ رہی ہے کہ دخول بھی ہوا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس بچے کا نسب مرد سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور مہر وعدت کے حکم بھی مذکورہ صورت میں بتا دیجئے؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... صورتِ مسئولہ میں چونکہ مرد دخول سے انکاری ہے اس لئے نسب ثابت نہ ہوگا اور اسی طرح مہر وعدت بھی عورت کے لئے ثابت نہ ہوں گے۔

لمافي الدر المختار (۱۳۱/۳) باب المهر: (ويجب مهر المثل في نكاح فاسد) وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود (بالوطء) في القبل (لا بغيره) كالخلوة لحرمة وطئها (ولم يزد) مهر المثل (على المسمى) ـ ـ ـ (وتجب العدة بعد الوطء) لا الخلوة للطلاق لا للموت (من وقت التفريق) أو متاركة الزوج وإن لم تعلم المرأة بالمتاركة في الأصح (ويثبت النسب) احتياطا بلا دعوة۔

وفي الرد تحته: وفي البحر عن الذخيرة ولو اختلفا في الدخول فالقول له فلا يثبت شيء من هذه الأحكام اهـ۔

(۵۱۱) منہ بولے بیٹے کے نسب کے احکام

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کی سالی کے یہاں عرصہ ہوا کہ اولاد نہیں ہو رہی تھی۔ زید کی بیوی نے اس سے مشورہ کر کے اپنے نومولود بیٹے عمرو کو اپنی بہن کو گود دے دیا۔ اب عمرو دس سال کا ہو چکا ہے۔ اس کو اپنے حقیقی والدین کا علم نہیں ہے۔ وہ اپنے خالہ، خالو کو ہی اپنے حقیقی ماں، باپ سمجھتا ہے۔ اگر اُس سے اس کے باپ کے بارے میں پوچھا جائے تو اپنے خالو کا نام لیتا ہے۔ حتیٰ کہ ابھی عمرو اپنے خالہ، خالو کے ساتھ عمرہ پر گیا تو پاسپورٹ پر عمرو کی ولدیت اس کے خالو کی طرف منسوب کی گئی۔

محترم مفتی صاحب! اگر عمرو کو اس کے حقیقی والدین کے بارے میں بتا دیا جائے تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ عمرو اپنی خالہ کو چھوڑ کر (جنہوں نے اُسے بچپن سے اب تک ماں بن کے پالا ہے) اپنے حقیقی والدین کے پاس آجائے، جس سے اس کی خالہ کی زندگی ایک بار پھر ویران ہو جائے اور شاید اپنی بیماریوں کی وجہ سے اس شدید صدمہ کو برداشت نہ کر سکیں۔ اسی طرح اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ عمرو یہ سمجھ کر کہ میں اپنے والدین پر بھاری تھا اسی لئے انھوں نے مجھے دیگر بہن بھائیوں کی طرح اپنے پاس نہیں رکھا، وہ اپنے والدین کی طرف سے بھی بدگمانی کا شکار ہو کر کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا لے۔ اب اس صورتِ حال میں عمرو سے اصل والدین کو چھپانا جائز ہے؟ اور

اگر نہ بتایا جائے تو عمرو اپنی ولدیت غیر باپ کی طرف منسوب کرسکتا ہے؟ کاغذات، شناختی کارڈ وغیرہ پر اس کی ولدیت کیا لکھی جائے گی؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اسلام کے ابتدائی زمانہ میں لوگوں کے درمیان یہ رواج تھا کہ کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیتے تھے پھر اس کے ساتھ نکاح، میراث، پردہ وغیرہ میں بالکل حقیقی بیٹے جیسا معاملہ کرتے تھے، لیکن بعد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں آیت نازل فرما کر اس رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا۔ اسی طرح اپنے والدین کے علاوہ غیر کی طرف اپنے کو منسوب کرنا بھی اسلام نے حرام قرار دیا ہے اس بارے میں احادیث کے اندر بہت سخت وعیدیں آئی ہیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص غیر کی طرف اپنے کو منسوب کرے اور جانتا بھی ہو کہ یہ اس کا والد نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔ (مسلم شریف)

لہٰذا صورت مسئولہ میں "عمرو" کو اس کے حقیقی والدین کے بجائے خالہ خالو کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ پہلے "عمرو" کو پیار اور حکمت کے ساتھ سمجھا دیا جائے کہ خالہ خالو نے کن وجوہات کی وجہ سے اس کو گود لیا تھا اور انہوں نے کتنی محنت اور مشکلات سے اس کی پرورش کی، پھر اس کے بعد "عمرو" کو اس کے حقیقی والدین کا بتادیا جائے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ اس طریقے سے "عمرو" خالہ کو چھوڑ کر نہیں جائے گا، کیونکہ تجربہ بھی یہی ہے کہ بچے کو ان ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے جنہوں نے بچپن سے اسکو پالا ہو، پھر اس کے بعد "عمرو" خالہ خالو کے ساتھ رہ سکتا ہے، لیکن اس پر حقیقی بیٹے کے احکام میراث وغیرہ میں لاگو نہیں ہوں گے۔

لما في القرآن المجيد (الاحزاب:۵): اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

وفي الصحيح لمسلم (۵۷/۱) باب بيان حال ايمان من رغب عن ... الخ: عن سعد وأبي بكرة كلاهما يقول سمعته أذناي ووعاه قلبي محمدا صلى الله عليه وسلم يقول: "من ادعى إلى غير أبيه وهو يعلم أنه غير أبيه فالجنة عليه حرام"

(۵۱۲) منگنی کے بعد ہمبستری سے پیدا بچے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکا اور لڑکی نے منگنی کے بعد اور نکاح سے پہلے ہمبستری کرلی بچہ پیدا ہونے کے بعد باہم نکاح بھی کرلیا، اب پوچھنا یہ ہے کہ بچہ ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے اور ان دونوں کی شرعی سزا کیا ہے اور سزا کون دے گا؟ قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں جب نکاح سے پہلے ہمبستری کرلی تو شرعاً یہ فعل حرام یعنی زنا کے مرتکب

ہوئے اور حاملہ من الزنا سے پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب نہیں ہوتا، لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ بچہ ثابت النسب نہیں ہوگا۔ اگر غیر محصن (غیر شادی شدہ) مرد یا عورت زنا کریں تو ان کی سزا سو (۱۰۰) کوڑے ہیں۔

كما في قوله تعالى: الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ.

" زانی مرد اور زانی عورت ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ۔"

لیکن اس پر حد جاری کرنے کا حق حاکم وقت یا جو اس کا قائمقام ہو اس کو ہوگا، ہر ایک کو حد جاری کرنے کا حق حاصل نہیں۔

لما في الشامية (۱۳۲/۳): باب ثبوت النسب: قلت لكن سيذكر الشارح في آخر فصل في ثبوت النسب عن مجمع الفتاوى نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه ولا تجب العدة لأنه نكاح باطل ۔۔۔ وفي (۵۵۵/۳): قوله (لأنه نكاح باطل) أي فالوطء فيه زنا لا يثبت به النسب۔

وفي الفقه الاسلامي (۵۳۸۳/۷): أما ما يعم الحدود كلها فهو الإمامة كما سيأتي، وأما ما يخص حد الرجم: فهو شرط البداية من الشهود في الرجم. وعلى هذا فالإمام أو من ينوب عنه هو مقيم الحد فإذا كان الحد جلداً فهو الذي يقيمه أو ينيب عنه أحداً. وأما إذا كان الحد رجماً، فيشترط البداية من الشهود في الرجم، إذا ثبت الحد بالشهادة، فإذا ثبت بالإقرار، فيبدأ الإمام بالرجم۔

(۵۱۳) ڈاکٹروں کا چھ ماہ سے کم میں بھی ولادت کا امکان ظاہر کرنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شریعت میں اقلِ مدتِ حمل اور اکثر مدتِ حمل کتنی ہے اور کس نص سے ثابت ہے؟ اور یہ اتفاقی مسئلہ ہے یا ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی کا اختلاف ہے؟ اور ہمارے دلائل کیا ہیں؟ اور اقل مدت حمل چھ مہینے ہونے کا کیا مطلب ہے حالانکہ میڈیکل والے کہتے ہیں کہ چھ مہینے سے پہلے بچہ پیدا ہوسکتا ہے اور زندہ بھی رہ سکتا ہے۔ آیا شریعت میں میڈیکل کی اس رپورٹ کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ اور اس تعارض کا حل کیا ہے؟ اس طرح بہت سی شریف، پاکدامن عورتیں گھر سے باہر بھی نہیں نکلی ہوتی ہیں اور نہ ان میں زنا کا تصور ہوتا ہے اور ان کے ہاں نکاح کے بعد پانچ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہوجاتا ہے اور وہ بچہ والدین کے ہم شکل بھی ہوتا ہے تو پھر کیوں "الولد للفراش" قاعدے کے مطابق اس بچے کا نسب اس کے والد سے ثابت نہیں کیا جاتا؟ حالانکہ دوسری طرف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نسب کے ثبوت میں اتنی نرمی برتی گئی ہے کہ اگر مشرقی مرد مغربی عورت سے نکاح کرلے اور ان دونوں کی آپس میں ملاقات بھی نہ ہوئی ہو اور اس کا بچہ پیدا ہوجائے تو یہ بچہ "الولد للفراش" کے مطابق ثابت النسب ہوتا ہے۔ برائے مہربانی اس مشکل کا حل بتا کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... (۱) اقل مدت حمل چھ ماہ ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، چنانچہ درمختار میں ہے "وأقلها ستة أشهر إجماعاً" (۵۴۰/۳، ط سعید) اور اس اجماع کا مبنیٰ علیہ قرآن کریم کی آیات، آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور

واقع اور طب کی تائید ہے، چنانچہ الفقہ الاسلامی میں ہے:

"ودليل إجماع العلماء على أقل مدة الحمل: العمل بمجموع آيتين في القرآن الكريم هما: {وحمله وفصاله ثلاثون شهراً} [الأحقاف] {وفصاله في عامين} [لقمان] فالآية الأولى حددت الحمل والفصال، أي الفطام بثلاثين شهراً، وحددت الآية الثانية الفصال بعامين، فبإسقاط مدة العامين للفصال تكون مدة الحمل ستة أشهر، والواقع والطب يؤيدان ذلك."

(الفقه الاسلامي وأدلته ۷۲۵۰/۱۰)

التفسیر المنیر میں ہے:

"وفي الآية أيضا إيماء إلى أن أقل الحمل ستة أشهر (نصف عام) وكان علي رضي الله عنه أول من استدل بهذه الآية وآية لقمان. وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ وقوله تعالى: وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ [البقرة:۲۳۳] على أن أقل مدة الحمل ستة أشهر، لأن أكثر مدة الرضاع والفطام حولان كاملان، فبقي للحمل من الثلاثين شهرا ستة أشهر. وهو استنباط صحيح، وافقه عليه عثمان وجماعة من الصحابة رضي الله عنهم"

(التفسير المنير - سورة الأحقاف ۳۳/۲۶)

تفسیر روح المعانی میں ہے:

"وقد ذكر علماء الطبيعة أن أقل مدة الولادة ستة أشهر" (۸۰/۶ سورة مريم)

پس ان دلائل کی وجہ سے چھ ماہ سے کم میں محض میڈیکل کی رپورٹ کی بناء پر بغیر تصادقِ زوجین یا بغیر دعویٰ زوج نسب ثابت نہیں ہوسکتا۔

(۲) اکثر مدتِ حمل ائمہ اربعہ رحمہ اللہ علیہم کے درمیان مختلف فیہ، احناف کثر اللہ سوادھم کے نزدیک دوسال اور ائمہ ثلثہ رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں چار سال ہے، چنانچہ درمختار میں ہے:

"فصل في ثبوت النسب (أكثر مدة الحمل سنتان) لخبر عائشة رضي الله عنها كما مر في الرضاع وعن الأئمة الثلاثة أربع سنين" (الدر المختار ۵۴۰/۳)

اس سلسلے میں ہماری دلیل حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے:

"عن جميلة بنت سعد قالت قالت عائشة رضي الله عنها: ما تزيد المرأة في الحمل على سنتين قدر ما يتحول ظل عود المغزل" (دار قطني ۳۲۱/۳)

(۳) نسب کے ثبوت میں حتی الامکان احتیاط سے کام لیا جاتا ہے جبکہ اس میں کسی نص کی مخالفت لازم نہ آتی ہو، پس صورتِ

مسئولہ میں اگر چھ ماہ کے دوران کسی نیک صالح زوجین کے ہاں بچہ ہوتا ہے اور والدین کے مشابہ ہوتا ہے تو بغیر دعویٰ زوج کے نسب ثابت کرنے میں نصوص کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ اس کو احتیاط فی ثبوت النسب کے خلاف کہنا اور پھر فقہ حنفی کے مذکورہ جزئیہ سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ مذکورہ جزئیہ میں کسی نص کی مخالفت لازم نہیں آتی جبکہ صورت مسئولہ میں اگر احتیاطاً نسب ثابت مان لیا جائے تو دوسری جانب نصوص کی مخالفت الزام علی الزوج من غیر رضاہ، کسی درجہ میں زنا کا دروازہ کھلنا، جیسی خرابیاں لازم آتی ہیں پس احتیاط اسی میں ہے کہ اس صورت میں بغیر دعوی زوج نسب ثابت نہ مانا جائے نیز ایسا نہیں کہ مطلقاً نسب کی نفی کی جارہی ہو بلکہ دعوی زوج کے ساتھ نسب کا اثبات کردیا جاتا ہے۔

لمافي الهندية (١/٥٣٩، النسب): ولو زنى بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت إن جاءت به لستة أشهر فصاعدا ثبت نسبه وإن جاءت به لأقل من ستة أشهر لم يثبت نسبه إلا أن يدعيه ولم يقل إنه من الزنا أما إن قال إنه مني من الزنا فلا يثبت نسبه ولا يرث منه كذا في الينابيع ---

أكثر مدة الحمل سنتان وأقل مدة الحمل ستة أشهر كذا في الكافي۔

(۵۱۴) مختلف رپورٹس کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل بہت سے حتمی رپورٹ شہادت کا درجہ حاصل کرسکتی ہیں؟ مثلاً DNA Test یا Finger Print وغیرہ بہت سے ممالک میں ان کی بنیاد پر سزائیں جاری ہوجاتی ہیں اور مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ ہمیں شریعت کی روشنی میں ان کا درجہ معلوم کرنا ہے مثلاً عنین کے بارے میں بیوی کے دعوی کے جواب میں اس کی بکارت یا ثیبہ ہونے کو دیکھنے کے بجائے ڈاکٹری رپورٹ پر فیصلہ کرلیا جائے۔ زنا اور لعان جیسے مسائل میں ہم ان رپورٹ سے حد تو ثابت نہیں کرسکتے لیکن کیا DNA Test کے ذریعے بچے کو ولد الزنا قرار دیا جاسکتا ہے الغرض کسی بھی اعتبار سے، کسی بھی درجہ میں ان رپورٹوں (جو کہ دنیا میں حتمی مانی جاتی ہیں مثلاً CCTV کیمرے یا کال ریکارڈنگز اور فنگر پرنٹس وغیرہ) کا شرعاً اعتبار ہے یا ان کا سفر صفر سے شروع ہوکر صفر پر ہی ختم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱) واضح رہے کہ (DNA Test) حدود اور قصاص میں مفید نہیں کیونکہ حدود اور قصاص شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں۔

قال عليه الصلوة والسلام: "ادرءوا الحدود ما استطعتم" [ترمذی]

لہٰذا اس ٹیسٹ کے ذریعے کسی کے خلاف فرد جرم عائد نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں یہ بات ہوسکتی ہے کہ قاضی اس ٹیسٹ کی بنیاد پر متہم شخص سے اقرار کرانے کی کوشش کرلے اور اقرار کے بعد اس اقرار کو بنیاد بنا کر کاروائی کرے۔ یہ ٹیسٹ نہ تو بینہ قاطعہ ہے اور نہ ثبوتِ مستقل لہٰذا قاضی اس سے مدد تو لے سکتا ہے تنہا اس کی بنیاد پر کسی کو مجرم قرار دینا درست نہیں ہوگا۔

(۲) بعینہ اسی طرح زنا کے ثبوت میں DNA Test شرعاً غیر معتبر ہوگا کیونکہ زنا کے ثبوت کیلئے چار عینی گواہوں کی شہادت یا ملزم کا اقرار منصوص مسئلہ ہے، جس سے انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ قاضی کے فیصلے کی بنیاد شرعی شہادت پر ہوتی ہے جو کہ ایک قطعی امر ہے جبکہ DNA Test ایک ظنی امر ہے۔

اس کے علاوہ CCTV کیمرے یا فنگر پرنٹس وغیرہ کی بھی یہی حیثیت ہے ان کی بناء پر جرم ثابت نہیں ہوسکتا لیکن ان سے ملزم کو جرم کے اقرار پر مجبور کیا جاسکتا ہے گویا یہ اشیاء مثبتہ نہیں البتہ مد ہیں اور اقرار اصل حجت ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ DNA Test وغیرہ کے ذریعے کسی کے خلاف فردِ جرم یا زانی یا ولدِ زنا ہونے کا حکم لگانا درست نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ٹیسٹ وغیرہ معاملہ کی تفتیش میں مدد ومعاون ثابت ہوں گے مگر مستقل ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔

لما فی الهندية(۱۴۳/۲): ويثبت الزنا عند الحاكم ظاهرا بشهادة أربعة يشهدون عليه بلفظ الزنا لا بلفظ الوطء والجماع كذا في التبيين۔۔۔وبعد أسطر:۔۔۔ويثبت الزنا بإقراره كذا في البحر الرائق۔

وفی الفقه الاسلامی، حدود (۵۳۷۱/۷): المبحث الرابع۔ إثبات الزنا عند القاضي :أجمع العلماء على أن الزنا يثبت بالإقرار أو بالشهادة، ولا تثبت حدود الله تعالى كالزنا والسرقة والمحاربة والشرب بعلم القاضي حالة القضاء أو قبل القضاء؛ لأنها تدرأ بالشبهات ويندب سترها ۔۔۔ ولا يثبت الزنا بحمل المرأة وهي خلية لا زوج لها. ولم يأخذ الحنفية والشافعية بإثبات الزنا بالقرائن۔

وفی الموسوعة الفقهية(۱۳۴/۱۷): أجمع الفقهاء على أن الحدود تدرأ بالشبهات ۔۔۔ والأصل في ذلك قوله صلى الله عليه وسلم: ادرءوا الحدود بالشبهات وفي حديث عائشة رضي الله تعالى عنها: ادرءوا الحدود عن المسلمين ما استطعتم، فإن كان له مخرج فخلوا سبيله،فإن الإمام أن يخطئ في العفو خير من أن يخطئ في العقوبة ، والحديث المروي في ذلك متفق عليه ، وتلقته الأمة بالقبول۔

(۵۱۵) لعان کے بعد بچے کے نسب کے اقرار کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کی ایک عورت سے شادی ہوئی پھر آپس میں لڑائی ہوئی چند ماہ بعد عورت حاملہ ہوگئی لیکن اسی اثناء میں کسی بات پر پھر لڑائی شروع ہوگئی اور خاوند نے عورت پر تہمتِ زنا لگائی عورت نے کہا میں نے زنا نہیں کیا ہے، بلکہ یہ میرا حمل تم سے ہے، لیکن خاوند نہیں مانا۔ مفتی صاحب پوچھنا یہ ہے کہ ہمارے ہاں لعان تو ہو نہیں

سکتا لیکن اگر لعان کی صورت ممکن ہوجائے تو پھر لعان کے بعد شوہر یہ دعوی کردے کہ یہ بچہ میرا ہے تو آیا اس صورت میں بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا؟ اسے سزا ملے گی؟

الجواب بعون الملک الوهاب......اگر شوہر لعان کے بعد اقرار کرلے کہ یہ بچہ میرا ہے تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوجائے گا اور جھوٹ تہمت تراشی کی سزا اسی (۸۰) کوڑے اس پر لاگو ہوگی۔

لما في صحيح البخاري(۱/۳۸۸)كتاب الوصايا: عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اجتنبوا السبع الموبقات قالوا: يا رسول الله وما هن؟ قال: ---- وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات۔

وفي الشامية(۳/۴۹۳): قوله(فقدثبت نسب الولد)أي ضمنالأن حدقاذفها يتضمن ثبوت نسب الولد من أبيه۔

وفيه أيضاً(۳/۴۹۰): قوله (للقذف) أي لقذف الثاني الذي تضمنته كلمات اللعان كشهود الزنا إذا رجعوا فإنهم يحدون لا للقذف الأول لأنه أخذ بموجبه وهو اللعان كما أفاده في البحر وأفاد الرحمتي أنه لما أكذب نفسه تبين أن اللعان لم يقع موقعه من قيامه مقام حد القذف فرجعنا إلى الأصل من لزوم الحد بالقذف الأول فافهم۔

(۵۱۶)شوہر کا نکاح سے پانچ ماہ بعد پیدا شدہ بچے کا اقرار کرلینے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ایک عورت سے نکاح کیا، رخصتی کے پانچ ماہ انیس دن بعد اس عورت نے بچہ جن دیا اور زید بھی کہتا ہے کہ یہ میرا بچہ ہے اور والدہ بھی کہتی ہے کہ یہ زید کا بچہ ہے اور میڈیکل رپورٹ کے مطابق بھی وہ بچہ پانچ ماہ انیس دن کا ہے، جبکہ زید کے والدین کہتے ہیں کہ یہ زنا کا ہے، اس مسئلہ میں شرعی اعتبار سے کس کا قول معتبر ہے؟ مزید یہ کہ زید کے والدین کہتے ہیں کہ اس عورت کو طلاق دے اور زید طلاق دینا نہیں چاہتا۔ اب اگر زید طلاق نہ دے تو کیا وہ شرعاً والدین کا نافرمان تو نہیں ہوگا اور کیا ایسی صورت میں زید کیلئے بیوی کو طلاق دینا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......شریعت نے اقل مدتِ حمل چھ ماہ مقرر کی ہے، یعنی چھ ماہ یا اس کے بعد کسی کے ہاں بچہ پیدا ہو تو والد بغیر لعان کے اس بچے کا انکار نہیں کرسکتا اور اگر چھ ماہ کے اندر اندر بچہ پیدا ہوجائے تو وہ شخص بغیر لعان کے بھی اس بچے کا انکار کرسکتا ہے، اور یہ اسی قاعدے کی بنا پر ہے کہ اقل مدتِ حمل چھ ماہ ہے اور اگر کوئی شخص چھ ماہ کے اندر اندر پیدا ہونے والے بچے کا انکار نہ کرے اور صرف یہ کہہ دے کہ یہ میرا بچہ ہے تو "الولد للفراش" کے تحت اس بچے کا نسب اسی سے ثابت ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب پانچ ماہ انیس دن بعد زید کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو اسی کے قول

کا اعتبار ہوگا اور زید کے والدین کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور محض والدین کے کہنے سے زید پر اپنی بیوی کو طلاق دینا ضروری نہیں۔

لما في الهندية (١/٥٤٠) الباب الخامس عشر في النسب: ولو زنى بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت إن جاءت به لستة أشهر فصاعدا ثبت نسبه وإن جاءت به لأقل من ستة أشهر لم يثبت نسبه إلا أن يدعيه ولم يقل إنه من الزنا۔

وفيه أيضاً (٥/٣٧٢): له امرأة فاسقة لا تنزجر بالزجر لا يجب تطليقها كذا في القنية۔

وفي الدر المختار (٣/٥٤٠): فصل في ثبوت النسب۔ (أكثر مدة الحمل سنتان) لخبر عائشة رضي الله عنها كما مر في الرضاع وعن الأئمة الثلاثة أربع سنين (وأقلها ستة أشهر) إجماعا۔

وفي اللجنة الدائمة (٢٠/٣١): ج: يجب على الرجل المذكور أن يبرّأمه، وأن يحسن إليها قولا وفعلا قدر استطاعته وإذا كانت زوجته المذكورة مرضية في دينها وخلقها فلا يجب عليه طلاقها۔

(۵۱۷) رخصتی کے پانچ ماہ بعد پیدا ہونے والے بچے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ عمرو اور فاطمہ کا نکاح ہوا لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔ دو ماہ کے بعد رخصتی ہوئی اور رخصتی کے ۵ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ اب اختلاف ہو رہا ہے کہ مدت سے پہلے بچہ ہو گیا ہے، ثابت النسب نہیں ہے۔ اب آیا یہ بچہ ماں باپ کا شمار ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے۔ براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے اور یہ چھ ماہ نکاح کے وقت سے حساب ہوگا نہ کہ رخصتی کے وقت سے، لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ بچے کی ولادت نکاح کے وقت سے سات ماہ بنتی ہے، لہٰذا مذکورہ بچہ اپنے باپ ہی سے ثابت النسب شمار ہوگا۔

- لما في الهندية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب (١/٥٣٦): وإذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بالولد لأقل من ستة أشهر منذ تزوجها لم يثبت نسبه وإن جاءت به لستة أشهر فصاعدا يثبت نسبه منه اعترف به الزوج أو سكت فإن جحد الولادة تثبت بشهادة امرأة واحدة تشهد بالولادة كذا في الهداية۔

وفي الدر المختار، فصل في ثبوت النسب (٣/٥٥٠): وقد اكتفوا بقيام الفراش بلا دخول كتزوج المغربي بمشرقية بينهما سنة فولدت لستة أشهر مذ تزوجها لتصوره كرامة أو استخداما، فتح۔

وفي الشامية (٣/٥٥١) مطلب في ثبوت كرامات الأولياء والاستخدامات: وعبارة الفتح والحق أن التصور ثابت في المغربية لثبوته كرامات الأولياء والاستخدامات فيكون صاحب خطوة۔

باب الرجعة

(رجعت کا بیان)

(۵۱۸) کن کن چیزوں سے رجعت ثابت ہوتی ہے؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رجعت کن کن چیزوں سے ثابت ہوتی ہے؟ اگر کوئی شخص بغیر شہوت کے مطلقہ (بالفاظ صریحہ) عورت کو دیکھے تو کیا رجوع ثابت ہوجائے گا یا نہیں؟ نیز یہ بتائیں کہ اگر معتدہ کے ساتھ خلوت ہوجائے تو کیا صرف خلوت سے رجعت ثابت ہوجائے گی؟ مہربانی فرما کر جلد از جلد جواب دیں اور مفصل جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... مطلقہ رجعیہ سے عدت کے اندر رجوع کرنا جائز ہے، قولاً رجوع ان الفاظ کے ساتھ کیا جائے گا:

(۱) میں آپ سے رجوع کرتا ہوں۔

(۲) میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا۔

(۳) میں آپ کو واپس لوٹاتا ہوں۔

(۴) آپ کو اپنے پاس روکتا ہوں۔

یہ الفاظ رجعت کے باب میں صریح ہیں، اگر یہ کہے کہ [آپ میرے ساتھ ہیں جس طرح پہلے تھیں] یا [آپ میری بیوی ہیں] تو اس صورت میں اگر رجوع کی نیت کرتا ہے تو رجوع ثابت ہوجائے گا ورنہ نہیں اور یہ الفاظ کنایہ ہیں۔ اسی طرح فعلاً بھی رجوع کیا جاسکتا ہے کہ بیوی کے ساتھ ہمبستری کرے یا شہوت کے ساتھ چھولے یا شہوت سے بوسہ دے یا عدت میں نکاح کرے تو ان صورتوں میں بھی رجوع ثابت ہوجائے گا، اسی طرح اگر بیوی نے شہوت کے ساتھ شوہر کو چھولیا یا ہمبستری کی یا بوسہ لیا اور باوجود علم وقدرت کے شوہر نے نہیں روکا تو اس سے بھی رجعت ثابت ہوجائے گی۔ محض بیوی کی طرف دیکھنے سے رجعت کا ثبوت نہیں ہوگا اور نہ معتدہ کے ساتھ خلوت سے رجعت ثابت ہوگی۔

لمافی الهندیة (۱/۴۶۹) کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعة: ولا یکون بالنظر إلی شيء من بدنها سوی الفرج رجعة کذا في التبیین کل ما تثبت به حرمة المصاهرة تثبت به الرجعة کذا في التتارخانیة ـــ إذا کان اللمس والنظر من غیر شهوة لم یکن رجعة بالإجماع کذا في السراج

الوهاج لا فرق بين كون القبلة والنظر واللمس منها أو منه في كونه رجعة إذا كان ما صدر منها بعلمه ولم يمنعها اتفاقا ۔۔۔ الخلوة بالمعتدة ليست برجعة لأنها لا تختص بالملك وكل فعل لا يختص بالملك إذا فعل الزوج بالمعتدة لا يكون رجعة كذا في المحيط۔

وفی الشامية (۳۹۸/۳)باب الرجعة: قلت وتقدم أيضا في باب في المهر أن الخلوة الصحيحة لا تكون كالوطء في الرجعةاھ وإذا كان ذلك في الخلوة الصحيحة فالفاسدة بالأولى ۔۔۔ قوله (بنحو راجعتك) ۔۔۔ وهذا بيان لركنها وهو قول أو فعل والأول قسمان صريح كما مثل ومنه النكاح والتزويج كما يأتي وبدأ به لأنه لا خلاف فيه وكناية مثل أنت عندي كما كنت وأنت امرأتي فلا يصير مراجعا إلا بالنية أفاده في البحر والنهر قوله (راجعتك) ۔۔۔ ومنه ارتجعتك و رجعتك فتح ۔۔۔ قوله (كمس) أي بشهوة كما في المنح ويفيده قوله بما يوجب حرمة المصاهرة ح قال في البحر ودخل الوطء والتقبيل بشهوة على أي موضع كان فما أو خدا أو ذقنا أو جبهة أو رأسا والمس بلا حائل أو بحائل يجد الحرارة معه بشهوة والنظر إلى داخل الفرج بشهوة بأن كانت متكئة وخرج ما إذا كانت هذه الأفعال بغير شهوة۔

(۵۱۹)ایک طلاق کے بعدعدت میں مردکورجوع کاحق ہے

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو سگے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہوا تھا۔ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے صلح کر لی، بڑا بھائی جب چھوٹے بھائی کے گھر صلح کیلئے جانے لگا تو اس نے یہ بات کہی۔ مجھ پر میری بیوی طلاق ہوگی میں یہ گھر چھوڑ دوں گا لیکن اس نے بعد میں وہ گھر نہیں چھوڑا آپ سے درخواست ہے کہ یہ طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟ کیا اس کو یہ گھر چھوڑ دینا چاہیئے کہ نہیں؟ آیا ایک طلاق واقع ہوئی ہے یا پوری طلاقیں واقع ہو چکی ہیں؟

تنقیح: سائل سے یہ معلوم ہوا کہ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو مخاطب ہو کر یہ کہا ''مجھ پر میری بیوی طلاق میں آپ کی وجہ سے یہ گھر چھوڑ دوں گا''۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں جب بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو مخاطب ہو کر یہ کہا: ''مجھ پر میری بیوی طلاق، میں آپ کی وجہ سے یہ گھر چھوڑ دوں گا'' بڑے بھائی کے ان الفاظ (مجھ پر میری بیوی طلاق) سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگئی ہے۔ اب بڑے بھائی کو عدت کے اندر اندر رجوع کرنے کا اختیار ہے اور عدت گزر جانے کے بعد باہمی رضامندی سے نکاحِ جدید کے ساتھ اپنی سابقہ زوجہ سے ازدواجی تعلق قائم رکھ سکتا ہے اور بڑے بھائی کے ان الفاظ (میں آپ کی وجہ سے یہ گھر چھوڑ دونگا) سے گھر چھوڑنا واجب نہیں ہوتا لہٰذا وہ اپنے سابقہ گھر میں رہ سکتا ہے۔

لمافي الهندية(۱/۴۷۰) باب الرجعة: وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض كذا في الهداية۔

(۵۲۰) طلاق رجعی میں رجوع کی صورت اور اس کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے کے ایک مولوی صاحب نے تقریر میں کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے اور پھر محبت اور شہوت کے ساتھ دیکھے یا بوسہ لے یا چھولے تو سابقہ نکاح برقرار رہتا ہے دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں اور شریعت میں اس کو رجوع بعد الطلاق کہتے ہیں۔ نیز یہ بھی بتایا وہ تمام چیزیں جن سے حرمت مصاہرہ ثابت ہوتی ہے ان تمام چیزوں سے رجوع ثابت ہوجاتا ہے۔

اب آپ حضرات سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی رجوع سے نکاح برقرار رہتا ہے؟ اور کیا واقعی ان تمام چیزوں سے رجوع ثابت ہوتا ہے جن چیزوں سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱) طلاق رجعی میں عدت کے اندر اندر اگر بیوی کے ساتھ رجوع کی کوئی صورت اختیار کرلی جائے تو اس سے بیوی حلال ہوجاتی ہے اور سابقہ نکاح برقرار رہتا ہے۔

(۲) وہ تمام چیزیں جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے ان سے رجوع بھی ثابت ہوجاتا ہے، البتہ رجوع کے اندر مستحب طریقہ یہ ہے کہ رجوع قول کے ذریعہ کیا جائے اور اس پر کسی کو گواہ بھی بنادیا جائے کیونکہ فعل کے ذریعہ یعنی شہوت کے ساتھ چھونا، بوسہ لینا، وطی کرنا وغیرہ اس سے اگرچہ رجوع ثابت ہوجاتا ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے نیز شہوت کے ساتھ دیکھنے سے جس طرح حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی اسی طرح رجوع بھی ثابت نہ ہوگا۔

لمافي الهندية(۱/۴۶۸) الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة: وما يتصل به الرجعة إبقاء النكاح على ما كان ما دامت في العدة كذا في التبيين--- وإن راجعها بالفعل مثل أن يطأها أو يقبلها بشهوة أو ينظر إلى فرجها بشهوة فإنه يصير مراجعا عندنا إلا أنه يكره له ذلك ويستحب أن يراجعها بعد ذلك بالإشهاد كذا في الجوهرة النيرة ---كل ما تثبت به حرمة المصاهرة تثبت به الرجعة كذا في التتارخانية۔

وفي الشامية، باب الرجعة (۳/۳۹۷): قوله (هي استدامة الملك)عبر بالاستدامة بدل الرد الذي هو معنى الرجعة لأن المتبادر منه ما يكون بعد الزوال فينافي قوله القائم ولأن المراد به هنا الإبقاء قال تعالى { وبعولتهن أحق بردهن }--- فهذا الرد إبقاء للملك القائم أي إدامة له وإمساك۔ قال تعالى { فإذا بلغن أجلهن } أي قارب البلوغ { فأمسكوهن بمعروف } قال

في النهر والإمساك استدامة القائم لا إعادة الزائل ولذا صح الإيلاء منها والظهار واللعان ـــ قوله (وبالفعل) ـــ قوله (مع الكراهة) ـــ قوله (كمس) أي بشهوة كما في المنح ويفيده قوله بما يوجب حرمة المصاهرة ح قال في البحر ودخل الوطء والتقبيل بشهوة على أي موضع كان فما أو خدا أو ذقنا أو جبهة ـــ الخ

(۵۲۱) دو طلاقیں دینے والے مرد کے لئے رجوع کا حکم

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا تو میں اس کو میکے لے گیا اور وہاں جاکر میں نے اس کو کہا کہ "میں تمہیں اپنے ہوش وحواس میں طلاق دیتا ہوں" اور پھر دوسری بار کہنے ہی لگا تھا کہ میری سالی نے میرا منہ پکڑلیا اور میں نہیں کہہ سکا پھر میں باہر نکل گیا اور پھر گھر میں جاکر دوبارہ ایک مرتبہ بیوی کو کہا "میں تمہیں اپنے ہوش وحواس میں طلاق دیتا ہوں" مفتی صاحب اب پوچھنا یہ ہے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اب میں رجوع کرنا چاہتا ہوں کیا اس کی کوئی صورت ہے اور اس واقعہ کو تقریباً دو ہفتے گزر گئے ہیں۔ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں اگر آپ کا بیان درست ہے کہ آپ نے صرف دو مرتبہ ہی طلاق کے مذکورہ الفاظ کہے تھے تو آپ کی بیوی پر دو طلاقیں رجعی واقع ہوگئی ہیں، جس کا حکم یہ ہے کہ عدت (تین ماہواری) کے دوران شوہر رجوع کرسکتا ہے، جس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ شوہر دو گواہوں کے سامنے بیوی سے کہہ دے کہ "میں نے تجھ سے رجوع کرلیا"، اس کے بعد آپ دونوں حسب سابق میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں، البتہ آئندہ آپ کو صرف ایک طلاق کا اختیار باقی رہے گا، یعنی اب اگر مذکورہ بیوی کو ایک مرتبہ بھی طلاق دیدی تو وہ حرمتِ مغلظہ کے ساتھ حرام ہوجائے گی۔

لمافی الهندية (۱/۴۷۰) باب الرجعة: وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض كذا في الهداية۔

وفى الدرالمختار (۳/۴۰۱):(وندب إعلامها بها)لئلاتنكح غيره بعدالعدة فإن نكحت فرق بينهما وإن دخل شمني (وندب الإشهاد) بعدلين ولو بعد الرجعة بالفعل۔

وفى الرد تحته: فالسني أن يراجعها بالقول ويشهد على رجعتها ويعلمها ولو راجعها بالقول ولم يشهد أو أشهد ولم يعلمها كان مخالفا للسنة كما في شرح الطحاوي اهـ۔

(۵۲۲) زبردستی کئے گئے رجوع کا حکم

سوال......کیافرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو صریح الفاظ

کے ساتھ طلاق دی کہ ''تجھے طلاق ہے'' لیکن اب علاقے کے لوگوں نے اس کو دھمکی دے کر اور اس پر زبردستی کر کے رجوع کرنے پر مجبور کیا ہے اور عورت کی عدت باقی ہے یعنی عدت کے دوران رجوع کرنے پر مجبور کیا ہے اور اس نے رجوع کرلیا۔اب آپ حضرات بتائیں کہ کیا زبردستی اگر کسی سے رجوع کروایا جائے اور وہ اکراہ کی وجہ سے رجوع کرے تو کیا اس طرح رجوع ثابت ہوجائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کا رجوع بلاشبہ ثابت ہوگیا ہے اگرچہ اس سے زبردستی رجوع کروایا گیا ہو۔

لمافی جامع الترمذی المطبوع مع عارضة الاحوذی (۵/۱۲۵) :عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : "ثلاث جدهن جد وهزلهن جد : النكاح والطلاق والرجعة" .

وفي الهندية (۵/۴۶) كتاب الاكراه: وكذا لو أكرهه على أن يظاهر من امرأته كان مظاهرا ولا يقربها حتى يكفر وكذا الرجعة وكذا الفيء فيه ۔۔الخ

(۵۲۳) رجوع سے متعلق چند مسائل

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ محمد طاہر نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی۔اب پوچھنا یہ ہے کہ ایک بار طلاق دینے کے بعد رجوع کی کیا مدت ہے اور رجوع کی مدت میں اگر رجوع کرلیا تو کیا حکم ہے اور اگر رجوع نہیں کرسکا تو پھر کیا کرنا ہوگا؟

(۲) دوسری بات یہ کہ لڑکا تو رجوع کرنا چاہتا ہے لیکن لڑکی راضی نہیں اب اگر لڑکا زبردستی رجوع کرے تو کیا حکم ہے؟ آیا صرف لڑکے کے رجوع کرنے سے رجوع ثابت ہوجائے گا؟

(۳) لڑکا رجوع کرنے میں یہ شرط رکھتا ہے کہ لڑکی اپنے تمام گھر والوں اور عزیز رشتے داروں سے رشتہ ختم کردے،اس کے جواب میں لڑکی نے بھی لڑکے پر اپنے رشتہ داروں اور اعزاء واقارب سے رشتہ ختم کرنے کی شرط لگائی ہے۔کیا رجوع میں اس طرح کی شرائط لگانا جائز ہے؟اور کیا اس کی پاسداری کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱) ایک آدمی اگر اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق رجعی دے دے تو جب تک عورت عدت گزار رہی ہو اس دوران شوہر کو رجوع کا حق ہوتا ہے اور اگر رجوع کرلیا جائے تو یہ رجوع ہی شمار ہوگا،نکاحِ جدید کی ضرورت نہیں البتہ اگر عورت کی عدت ختم ہوجائے اور اب یہ رجوع کرنا چاہتا ہے تو اسے رجوع کا حق نہ ہوگا بلکہ نکاحِ جدید کرنا ہوگا۔

(۲) رجوع کا اختیار مرد کو ہوتا ہے عورت کا اس میں کوئی دخل نہیں،مرد اگر عورت کی غیر موجودگی میں بھی زبان سے رجوع کے الفاظ کہہ دے تو رجوع ہوجاتا ہے لہٰذا جب عورت موجود ہو تو بدرجہ اولیٰ رجوع ثابت ہوگا،عورت کے راضی ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار نہیں۔

(۳) صلہ رحمی فرض ہے اور قطع رحمی کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے لہٰذا ایسی کسی بھی شرط کی پاسداری کرنا جو ایک حرام کام پر مبنی ہو ضروری نہیں بلکہ اس کا انجام نہ دینا فرض ہے لہٰذا شوہر اور بیوی دونوں اس طرح کی شرائط لگا کر حرام کے مرتکب ہو رہے ہیں ایسی شرائط پر عمل جائز نہیں البتہ رجوع ثابت ہو جائے گا اور یہ شرط لغو ہوگی۔

لمافی المظهری (۲۳۱/۵) سورة الرعد: ایت،۲۱: وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ ما أَمَرَ اللهُ بِه أَنْ يُّوصَلَ هذا لفظ عام مندرج فيه الإيمان بجميع الكتب والرسل بحيث لا يفرق بين أحد منهم وموالاة المؤمنين وصلة الرحم وقال البغوي الأكثرون على أن المراد به صلة الرحم۔

وفی الهندية(۴۶۸/۱): الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة: وما يتصل به الرجعة إبقاء النكاح على ما كان ما دامت في العدة كذا في التبيين۔

وفيه أيضا(۴۷۰/۱): تصح الرجعة مع الإكراه والهزل واللعب والخطأ كالنكاح ۔۔۔وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض كذا في الهداية۔

وفی الدرالمختار (۳۹۷/۳) باب الرجعة: (هي استدامة الملك القائم)بلا عوض ما دامت (في العدة)۔

وفی الردتحته: قال في النهر والإمساك استدامة القائم لا إعادة الزائل ولذا صح الإيلاء منها والظهار واللعان ۔۔۔وبعد صفحة(۳۹۸/۳): وتصح مع الإكراه والهزل واللعب والخطأ كالنكاح كذا في البدائع ط۔

وفی الدرالمختار (۴۰۹/۳):(وينكح) مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع ومنع غيره فيها لاشتباه النسب۔

(۵۲۴) ٹیلیفون پر رجوع کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دے دی۔ اس کے تین چار دن بعد وہ دبئی چلا گیا اور طلاق دینے کے بعد رجوع نہیں کیا تھا۔ اب وہ چاہتا ہے کہ اپنی بیوی سے فون پر بات کر کے رجوع کرلے تو کیا فون پر بیوی سے یہ کہنا کہ ''میں رجوع کرتا ہوں'' اس سے رجوع ثابت ہوگا؟ نیز اگر اس سے رجوع ثابت ہوتا ہے تو اس پر گواہ قائم کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ اگر گواہ قائم کرنا ضروری ہے تو گواہ کس طرح قائم کرے، آیا یہ دو آدمیوں کے سامنے رجوع کا اقرار کرے یا اس کی بات اس کی بیوی دو بندوں کو سنا دے، یعنی یہ فون پر بات کر رہا تھا اور اس کو اس کی بیوی کے ساتھ موجود دو بندوں کو سنا

ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صرف اتنا کہنے سے کہ "میں رجوع کرتا ہوں" رجوع ثابت ہوجاتا ہے البتہ رجوع کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ بیوی کو بتادیا جائے اور گواہ بنادیئے جائیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں بیوی کو فون پر بتادینے سے رجعت ثابت ہوجائے گی بہتر یہ ہے کہ بیوی کو اطلاع دینے کے بعد دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا ہے۔

لمافي الشامية (۴۰۱/۳): قال في البحر وأشار المصنف إلى أن الرجعة على ضربين سني وبدعي فالسني أن يراجعها بالقول ويشهد على رجعتها ويعلمها ولو راجعها بالقول ولم يشهد أو أشهد ولم يعلمها كان مخالفا للسنة كما في شرح الطحاوي اهـ

(۵۲۵) بعد از انقضاء عدت شوہر کے دعوے رجوع کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ شوہر طلاق رجعی دے کر چلا جائے اور دو سال بعد آ کر کہے کہ میں نے رجوع کرلیا تھا اور بیوی انکار کردے تو کیا کیا جائے گا؟ شوہر کی بات بغیر گواہوں کے بھی معتبر ہوگی یا گواہ لانا ضروری ہیں؟ نیز اگر شوہر رجوع پر گواہ لے آئے تو بیوی دوبارہ اسے ملے گی؟ اور اگر بالفرض بیوی دوسری شادی کرچکی ہو تو کیا حکم ہوگا؟ ازراہِ کرم بعد از عدت رجوع سے متعلق تفصیلات تحریر فرمادیں اور اس میں عورت کیلئے ضرر کو بھی ملحوظ رکھیں کیونکہ شوہر تو اس طرح کبھی بھی آ کر دعویٰ رجوع کردے گا تو عورت تو معلق رہے گی؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے دے تو عدت کے اندر اندر اسے رجوع کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے اگرچہ اس کا اظہار گواہوں کی موجودگی میں بیوی کی عدت گزرنے کے بعد کرے لیکن یہ طلاق رجعی اپنے محل کے اعتبار سے پڑ جاتی ہے اور شوہر کو اس طلاق کے ہدم کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کوئی شخص دو سال گزرنے کے بعد بیوی سے رجوع کرنے کا دعویٰ کردے اور بیوی شوہر کی رجعت کا انکار کردے تو شوہر کیلئے ضروری ہے کہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے دو گواہوں کو پیش کرے ورنہ بیوی سے قسم لی جائے گی اور دونوں میں جدائی ہوجائے گی۔

(۲) اگر شوہر اپنے دعوے کو بینہ سے ثابت کردے تو اس بیوی کا حقدار یہی شوہر ہوگا۔

(۳) اگر عورت مطلقہ رجعیہ ہو اور عرصہ دراز کے بعد وہ نکاح کرے پھر سابق شوہر آ کر یہ دعویٰ کردے کہ میں نے عدت میں رجوع کرلیا تھا اور اس دعویٰ پر گواہ بھی پیش کردے تو قاضی یا جج فی الفور ان دونوں میں جدائی کروادے گا اور پہلے شوہر کے حق میں فیصلہ کردے گا۔

باقی رہی یہ بات کہ عورت کو اس طرح ضرر پہنچے گا اور وہ معلق رہے گی اور شوہر تو طلاق رجعی کے بعد کبھی بھی رجوع کا دعویٰ کرسکتا

ہے تو اس ضرر سے بچنے کا طریقہ یہ ہے عدت کے بعد یہ عورت کسی طرح شوہر سے معلوم کرلے کہ اس نے رجوع کیا یا نہیں۔

لما فی المبسوط، باب الرجعة (۱۹/۶۔ ۲۲) (بیروت): فإذا انقضت العدة قبل الرجعة فقد بطل حق الرجعة وبانت المرأة منه وهو خاطب من الخطاب يتزوجها برضاها إن اتفقا على ذلك وإذا أراد أن يراجعها قبل انقضاء العدة فأحسن ذلك أن لا يغشاها حتى يشهد شاهدين على رجعتها والإشهاد على الرجعة مستحب عندنا ۔۔۔ وبعد أسطر: قال: وإن قال كنت راجعتك أمس صدق إن كانت في العدة بعد لأنه أخبر بما يملك استئنافه فلا يكون متهما في الإخبار ولم يصدق إذا قال ذلك بعد انقضاء العدة لأنه أخبر بما لا يملك استئنافه وهذا لأن الإقرار خبر متردد بين الصدق والكذب فإذا كان يملك مباشرته في الحال تنتفي تهمة الكذب عن خبره وإذا كان لا يملك مباشرته تتمكن تهمة الكذب في خبره وهو كالوكيل بالبيع إذا قال قبل العزل كنت بعته من فلان يصدق بخلاف ما لو قال بعد العزل فإن صدقته المرأة في إخباره بعد انقضاء العدة كان مصدقا لأن الحق لا يعدوهما وتصادقهما على الرجعة كتصادقهما على أصل النكاح۔

وفی الدر المختار (۴۰۱/۳): (وندب إعلامها بها) لئلا تنكح غيره بعد العدة فإن نكحت فرق بينهما وإن دخل۔

وفی الرد تحته: قوله (فرق بينهما) أي إذا ثبتت المراجعة بالبينة ۔۔۔ قوله (ادعاها) أي الرجعة بعد العدة فيها أي في العدة ۔۔۔ قوله (صح بالمصادقة) لأن النكاح يثبت بتصادقهما فالرجعة أولى ۔۔۔ (قوله إذا لم تصدقه) لو أقام ببينة تقبل لأنه إذا كان القول لها تكون البينة عليه لأن البينة لإثبات خلاف الظاهر۔

(۵۲۶) خلوت کے بعد طلاق سے عدت کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ غیر مدخول بہا عورت کو طلاق ہوجائے تو عدت نہیں لیکن اگر خلوت کے بعد طلاق ہو دخول نہ ہو تو کیا خلوت بھی صحبت کے قائمقام ہے؟ جیسا کہ مہر وغیرہ میں ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... غیر مدخول بہا عورت کو اگر خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی جائے تو اس پر عدت گزارنا لازم ہوجاتا ہے اور یہ خلوت صحیحہ صحبت کے قائم مقام شمار ہوگی۔

لمافی فتح القدیر، کتاب النکاح (۳۳۲/۳): واعلم أن أصحابنا أقاموا الخلوة الصحيحة مقام الوطء

في حق بعض الأحكام تأكد المهر وثبوت النسب والعدة والنفقة والسكنى في مدة العدة ومراعاة وقت طلاقها ولم يقيموهما مقامه في الإحصان وحلها للأول والرجعة والميراث وحرمة البنات۔

وفي الهندية، كتاب النكاح (۱/۳۰۶): وأصحابنا أقاموا الخلوة الصحيحة مقام الوطء في حق بعض الأحكام دون البعض فأقاموها مقامه في حق تأكد المهر وثبوت النسب والعدة والنفقة والسكنى في هذه العدة وحرمة نكاح أختها وأربع سواها وحرمة نكاح الأمة على قياس قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى ومراعاة وقت الطلاق في حقها ولم يقيموها مقام الوطء في حق الإحصان وحرمة البنات وحلها للأول والرجعة والميراث وأما في حق وقوع طلاق آخر ففيه روايتان والأقرب أن يقع كذا في التبيين۔

وفي الدرالمختار، كتاب النكاح (۳/۱۱۸): (في ثبوت النسب) ولو من المجبوب (و) في (تأكد المهر) المسمى (و) مهر المثل بلا تسمية و (النفقة۔ الخ۔

وفي الرد تحته: قوله (والعدة) وجوبها من أحكام الخلوة سواء كانت صحيحة أم لا ط أي إذا كانت في نكاح صحيح أما الفاسد فتجب فيه العدة بالوطء كما سيأتي۔

(۵۲۷) ایک طلاق سے رجوع سے قبل عدت گزر جانے کے بعد دو طلاقیں دینا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں مسمی محمد عمران ولدیت لطیف احمد نے اپنی زوجہ کو 2006-3-9 کو ایک طلاق دے دی تھی۔ پھر تقریباً تین سال بعد 14 جولائی 2009 کو میں نے بقیہ طلاقیں بھی دے دیں، گویا کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں 14 جولائی 2009 کو گواہوں کے سامنے دے دی تھیں جو کہ تحریراً موجود بھی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ چونکہ میں نے 2006-3-9 کو ایک طلاق دی تھی پھر رجوع بھی نہیں کیا پھر بقیہ طلاقیں 14 جولائی 2009 کو دیں تو شرعی لحاظ سے کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر میں اپنی مطلقہ زوجہ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہوں تو شرعی لحاظ سے اس کی کیا صورت ہوگی؟ براہ کرم جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ آپ نے اپنی زوجہ کو جو 2006-3-9 کو ایک طلاق دی پھر آپ نے رجوع بھی نہیں کیا یعنی تین ماہواری گزرنے تک آپ نے رجوع نہیں کیا، پھر تقریباً آپ نے تین سال بعد 14 جولائی 2009 کو بقیہ دو طلاقیں دیں تو بقیہ دو طلاقیں واقع نہیں ہوں گی کیونکہ پہلی ایک طلاق سے ہی عدت گزرنے کے بعد آپ کی بیوی بائنہ ہوگئی اور آپ کا اس سے نکاح کا تعلق ختم ہوگیا، گویا آپ نے 14 جولائی 2009 میں جو طلاقیں دیں وہ اپنے نکاح میں ہوتے ہوئے

نہیں دیں لہٰذا اب اگر سابقہ بیوی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں البتہ اب آپ کو نکاحِ جدید کے بعد صرف دو طلاقوں کا اختیار ہوگا۔

لما فی المحیط البرهانی (۱۷۹/۵، ۱۸۳): ولكن استحب الإعلام كيلا تقع في المعصية، فإنّها ربما تتزوّج إذا انقضت عدّتها بناءً على زعمها فتقع في المعصية ـــ وهذا لأنّه لو لم يجعل ذلك رجعة تظهر في الآخرة أنّه وطئها حراماً؛ لأنّها تبين عند انقضاء العدّة من وقت الطلاق، والتحرّز عنه ممكن بأن يجعل ذلك من الزوج دليل استدامة الملك بهذا الطريق ـــ وبعد أسطر: وإذا انقضت العدّة فقد بطل حقّ المراجعة۔

وفی الهندية (۴۷۲/۱) فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به: إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة۔

باب الحلالۃ

(حلالہ کابیان)

(۵۲۸) تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ رجوع ممکن نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بھتیجی کی طلاق مورخہ ۲۳/اکتوبر ۲۰۰۴ء کو ہوئی مگر وہ دورانِ عدت مورخہ ۱۶/دسمبر ۲۰۰۴ء کو گھر سے ایک لڑکے کے ساتھ فرار ہوگئی اس کے والد اور والدہ نے ہمارے منع کرنے کے باوجود دورانِ عدت اُس لڑکے کے ساتھ اُس کا نکاح کروادیا، جس پر خاندان کے دوسرے افراد بہت برہم ہوئے کہ یہ نکاح باطل ہے اور لڑکی کے گھر والوں سے قطع تعلق کرلیا۔ ایک سال کے بعد لڑکی کے والدین نے اسی لڑکے کے ساتھ نکاح ثانی کروادیا تاکہ خاندان والوں کی ناراضگی ختم ہو اور اس کے لئے انہوں نے کسی عالم سے فتویٰ بھی نہیں لیا اس کے بعد خاندان کے لوگ لڑکے کے والد، والدہ سے ملنے جلنے لگے مگر دل سے اس نکاح کو بھی جائز نہ سمجھا نہ لڑکی اور اس کے شوہر سے تعلقات بحال کئے۔

۲۰۰۷ء میں لڑکی نے ایک بچے کو جنم دیا۔ حالات اسی طرح گزر رہے تھے کہ مورخہ ۱۱/اگست ۲۰۰۸ء کی صبح لڑکی اور اس کے شوہر کے درمیان کسی بات پر تلخ کلامی ہوگئی اور لڑکے نے میری بھتیجی کو تین دفعہ طلاق دے دی جس کی گواہی میرے بڑے بھائی، بڑی بھابھی نے دی۔ شام کو میری بھتیجی کی والدہ نے دونوں کا جھگڑا ختم کرواکر دونوں کو ایک ساتھ رہنے پر مجبور کردیا۔ مورخہ ۱۷/اگست ۲۰۰۸ء کو تمام بھائی اس معاملے کیلئے جمع ہوئے مگر کوئی حل نہیں نکلا۔ لڑکی اور لڑکے نے کہا کہ ہم ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے اور کہا کہ ہمارا دوبارہ نکاح پڑھوا دیا جائے۔ اب میرے ان سوالات کا قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیا جائے۔

(۱) دورانِ عدت کیا نکاح جائز تھا؟

(۲) اگر نکاح جائز نہ تھا تو کہنے سے طلاق بھی واقع نہیں ہوئی؟

(۳) لڑکی اپنی پہلی طلاق کی عدت کس طرح پوری کرے؟

(۴) کیا موجودہ نام کے شوہر کے ساتھ یہ تیسری بار نکاح ہوسکتا ہے؟

(۵) اگر نکاح کیا جاسکتا ہے تو اس کا طریقہ کار کیا ہوگا تاکہ یہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرسکیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... (۱) دورانِ عدت کیا جانے والا نکاح منعقد نہیں ہوا، البتہ ایک سال بعد کیا جانے والا

نکاح درست تھا۔

(۲) چونکہ ایک سال بعد کیا جانے والا نکاح منعقد ہو چکا تھا اس لئے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

(۳) لڑکی کو تین ماہواریاں عدت گزارنا چاہیئے تھی اس طرح عدت مکمل ہو جاتی، لیکن چونکہ یہ عدت میں نہیں بیٹھی لہٰذا یہ گناہ گار ہوگی، البتہ تین ماہواریاں آنے سے اس کی عدت گزر چکی ہے۔

(۵،۴) نکاح اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ اس لڑکی کا نکاح کسی اور شخص سے ہو جائے اور وہ اس سے مباشرت کرے پھر طلاق ہو جائے یا اس کا انتقال ہو جائے تو یہ لڑکی عدت کے بعد اپنے پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے البتہ شرط لگا کر اس طرح کا نکاح کرنا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے۔

لما في الدر المختار(۳/۴۱۴):(وكره) التزوج للثاني (تحريما) لحديث لعن المحلل والمحلل له (بشرط التحليل) كتزوجتك على أن أحللك (وإن حلت للأول) لصحة النكاح وبطلان الشرط فلا يجبر على الطلاق كما حققه الكمال۔

(۵۲۹) حلالے کے ضروری ہونے کی حکمت

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن ایک مولانا صاحب فرمارہے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے وہ بغیر حلالہ کے اس کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تو کیا ان کی بات صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو حلالہ کے بغیر بیوی حلال نہ ہونے کی حکمت کیا ہے جبکہ یہ طریقہ عرفاً معیوب سمجھا جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... حلالہ حکم شرعی ہے، اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم میں تین طلاقوں کے بعد حلالہ کا حکم دیا ہے:

"فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ" (البقرة:۲۳۵)

"اگر شوہر (تیسری) طلاق دیدے تو پھر وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک وہ عورت کسی دوسرے آدمی سے نکاح (اور وطی) کرے۔"

اس صریح نص کے بعد حلالے کی حکمت پوچھنا بے معنی اور فضول حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بغیر چوں چرا ان کے مان لینا ہی بندگی اور تعبد ہے، البتہ اس اشکال کے تناظر میں کہ حلالہ تو ایک معیوب چیز ہے پھر اس کی مشروعیت کی کیا حکمت ہے؟ اس ذیل میں چند کلمات عرض ہیں۔ یہ بات تو واضح ہے کہ حلالہ شوہر اوّل کیلئے سزا ہے اور سزا معیوب شیٔ کو ہی بنایا جاتا ہے۔ دنیا میں مشکل ہی کوئی شخص ہو جو اس بات کو برداشت کرے کہ اس کی بیوی کسی اور کے ساتھ رات گزارے اور دوسرے کی منکوحہ بن کر رہے (ازواجِ مطہرات کیلئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے بعد بھی کسی دوسرے سے نکاح کے حلال نہ ہونے کی ایک حکمت یہ بھی ہے) لیکن ایسا شخص جو بیوی کو تین طلاقیں دیدے، اس نے خود تمام دروازے بند کر دیئے جبکہ شرع نے آخری حل ایک طلاق رجعی دے کر عدت گزرنے کے بعد علیحدہ

کر دینے کا بتایا ہے۔ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا گناہ اور منکر ہے، ایسا کرنے والے شخص کی عقوبت اور سزا کیلئے شریعت نے حلالہ کو مشروع کیا ہے۔

یہاں یہ بھی یادر ہے کہ حلالہ کوئی مرغوب فیہ چیز نہیں کہ با قاعدہ اس کا اہتمام کیا جائے بلکہ احادیث میں شرط لگا کر اس طرح حلالے کے نکاح کرنے پر سب کو ملعون قرار دیا گیا ہے، اس صورت میں پہلا شوہر دوسرا شوہر اور عورت سب ملعون ہوں گے حلالہ میں تو اصل یہ ہے کہ اتفاقاً [بغیر حلالہ کی غرض سے] دوسرا نکاح ہوا اور ایک مدت گزرنے کے بعد شوہر مر جائے یا خود ہی طلاق دیدے یا وہ سمجھے کہ بچوں کے مستقبل کیلئے اس عورت کو طلاق دیدینا زیادہ مفید ہے اور طلاق دیدے تو اس طرح حلالہ کرنے کی کسی حد تک گنجائش ہے بہر حال شرط لگا کر حلالہ کا نکاح کرنا درست نہیں، اگر کسی شریف گھرانے میں تین طلاقوں کا وقوع ہو جائے اور کوئی شخص یہ سمجھے کہ اس گھر کیلئے حلالہ کر دیا جائے اور وہ اس نیت سے کہ اس کے بچوں کا مستقبل خراب نہ ہو نکاح کر کے طلاق دیدیتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

لمافی التفسیر الکبیر(۱۱۳/۳)أما القياس فلأن المقصود من توقيف حصول الحل على هذا الشرط زجر الزوج عن الطلاق لأن الغالب أن الزوج يستنكر أن يفترش زوجته رجل آخر ولهذا المعنى قال بعض أهل العلم إنما حرم الله تعالى على نساء النبي أن ينكحن غيره لما فيه من الغضاضة ومعلوم أن الزجر إنما يحصل بتوقيف الحل على الدخول فأما مجرد العقد فليس فيه زيادة نفرة فلا يصح جعله مانعاً وزاجراً۔

وفی الشامية (۴۱۲/۳): قوله (لاشتراط الزوج بالنص) أي في قوله تعالى {حتى تنكح زوجا غيره} فأنه جعل غاية لعدم الحل الثابت بقوله تعالى { فلا تحل له } فإذا طلق زوجته الأمة ثنتين ثم بعد العدة وطئها مولاها لا يحلها للأول لأن المولى ليس بزوج قوله (ولا ملك أمة الخ) عطف على قوله وطء المولى أي لو طلقها ثنتين وهي أمة ثم ملكها أو ثلاثا وهي حرة فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبيت وملكها لا يحل له وطؤها بملك اليمين حتى يزوجها فيدخل بها الزوج ثم يطلقها كما في الفتح ۔

(۵۳۰) حلالہ کی شرعی حیثیت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حلالہ کی شرعی حیثیت قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کریں۔ کیا حلالہ جائز ہے اور اگر نا جائز ہے تو اس کی صورتوں کو واضح کریں، نیز یہ کہنا کہ تین طلاقوں کے بعد بیوی ہمیشہ کیلئے حرام ہو جاتی ہے کیا یہ درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے تو ان تین طلاقوں کے بعد یہ عورت اس کے نکاح میں

آسکتی ہے یا نہیں؟ پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ عورت ہمیشہ کیلئے اس مرد پر حرام ہو چکی ہے اور دوبارہ نکاح کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں تو یہ بات نص قرآنی کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ"

"پس اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے اس (پہلے شوہر) کیلئے حلال نہ ہوگی۔"

شریعت مطہرہ میں مطلقہ مغلظہ کو دوبارہ نکاح میں لانے کی جو صورت بیان کی گئی ہے اس کو حلالہ کہا جاتا ہے جیسے "فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ" سے واضح ہے، اسی طرح حدیث میں بھی اس صورت کو بیان کیا گیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمہارا پہلا شوہر تم پر اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتا جب تک تمہارا دوسرا شوہر تمہارا مزہ نہ چکھ لے اور تم اس کا مزہ نہ چکھ لو (یعنی ہمبستری نہ کرلو)" (بخاری) یعنی اتفاقاً [بغیر حلالہ کی غرض سے] دوسرا نکاح ہوا اور ایک مدت گزرنے کے بعد دوسرا شوہر مرجائے یا خود ہی طلاق دیدے یا وہ سمجھے کہ بچوں کے مستقبل کیلئے اس عورت کو طلاق دیدینا زیادہ مفید ہے اور طلاق دیدے تو اس طرح حلالہ کرنے کی کسی حد تک گنجائش ہے باقی وہ حلالہ جس میں شرط لگائی جائے تو شریعت اس کو حرام کہتی ہے اور اس طرح حلال کرنے والے پر حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "حلالہ کرنے والے اور کروانے والے پر لعنت ہے"۔ (مشکوۃ)

لما في القرآن الكريم (البقرة: ٢٣٠): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔

وفي مشكوة المصابيح (٢/٢٨٤): عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم "المحلل والمحلل له" رواه الدارمي ورواه ابن ماجه عن علي وابن عباس وعقبة بن عامر رضي الله عنهم۔

وفي مرقاة المفاتيح (٦/٤٠٥): وأعلم أنه استدل بهذا الحديث في الفروع على كراهة اشتراط التحليل بالقول فقالوا إذا تزوجها بشرط التحليل بأن يقول تزوجتك على أن أحللك له أو تقول هي فمكروه كراهة تحريم المنتهضة سببا للعقاب للحديث المذكور وقالوا ولو نويا اشتراط التحليل ولم يقولاه يكون الرجل مأجور لقصد الإصلاح فيحمل قوله على قصد الفراق الخ على ما إذا اشترطاه بالقول أما إذا نوياه فلم يستوجبا اللعن على أن بعضهم قال إنه مأجور وإن شرطاه بالقول لقصد الإصلاح ويؤول اللعن بما إذا شرط الأجر على ذلك ـــ قال الزيلعي في التخريج استدل المصنف بهذا الحديث على كراهية النكاح المشروط به التحليل وظاهره التحريم كما هو مذهب أحمد لكن يقال لما سماه محللا دل على صحة النكاح لأن المحلل هو المثبت للحل فلو كان فاسدا لما سماه محللا اهـ۔

وفي الفقه الاسلامي (٩/٦٦٤٤):قال الحنفية والشافعية:تحل المطلقة ثلاثاً لزوجها الأول بنكاح التحليل،لكن يكره عندالحنفيةتحريماً التزوج الثاني إن كان بشرط التحليل، مثل: تزوجتك على أن أحللك.لحديث:لعن رسول الله صلّى الله عليه وسلم المحلِّل والمحلَّل له، ويصح الزواج، ويبطل الشرط، فلا يجبر الثاني على الطلاق. فإن أضمر الزوج الأول والثاني التحليل، أو كان الثاني مأجوراً لقصد الإصلاح، لا مجرد قضاء الشهوة ونحوها، لا يكره۔

(۵۳۱) تین طلاقوں کے بعد رجوع کا طریقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے ایک رشتہ دار نے اپنی بیوی سے لڑائی جھگڑے کی وجہ سے تین طلاقیں دے دیں اور وہ بہت پچھتا رہے ہیں شرعی طریقے سے رجوع کرنا چاہتے ہیں، اگر زوجہ سے دوبارہ رجوع کی کوئی صورت ہوتو بتادیں۔زوجہ بھی دوبارہ ملنے پر راضی ہیں اور یہ لوگ نئے سرے سے زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......بیوی کو تین طلاق دینے سے بیوی مغلظہ بائنہ ہوجاتی ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں آپ کے عزیز کو اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات استوار رکھنا حرام ہے۔اگر وہ دونوں اپنے کئے ہوئے فعل پر نادم وپشیمان ہیں اور دوبارہ ازدواجی بندھن میں جڑنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ عورت اپنی عدت طلاق گزار کر کسی اور اجنبی شخص سے (بغیر کسی شرط فاسد کے) نکاح صحیح کرے اور وہ زوج ثانی اس سے صحبت کرنے کے بعد ازخود اس کو طلاوق دیدے یا زوج ثانی کا انتقال ہوجائے، پھر وہ عورت عدت طلاق یا وفات گزار لے تو آپ کے عزیز (زوج اوّل) اُن سے نکاح کر سکتے ہیں اس کے بغیر وہ دونوں آپس میں ہرگز حلال نہ ہوں گے۔

لمافي الهندية (١/٤٧٣): وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية ولا فرق في ذلك بين كون المطلقة مدخولا بها أو غير مدخول بها كذا في فتح القدير ويشترط أن يكون الإيلاج موجبا للغسل وهو التقاء الختانين هكذا في العيني شرح الكنز۔

(۵۳۲) حلالہ کیلئے دخول شرط ہے

سوال......مفتی صاحب! درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) کیا حلالہ کیلئے دخول شرط ہے؟

(۲) کیا حلالہ میں انزال بھی شرط ہے یا صرف دخول کافی ہے اگر انزال شرط ہے تو کیا یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ حلالہ

میں انزال ضروری ہے۔ برائے کرم انزال کی دلیل بھی بتائیں۔

(۳) اگر حلالہ میں مرد نے دخول کرنے کے بعد انزال ہوتے وقت ذکر باہر نکال کر عزل کرلیا تو کیا حلالہ ہوگیا؟؟ برائے مہربانی تمام صورتوں کے جوابات صاف صاف بتا کران صورتوں میں ہماری الجھن دور فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں حلالہ کیلئے صرف دخول شرط ہے، چاہے انزال ہو یا نہ ہو، لہٰذا اگر حلالہ میں مرد نے دخول کرنے کے بعد انزال ہوتے وقت ذکر باہر نکال کر عزل کرلیا تو بھی حلالہ ہوجائے گا۔

لما في الدرالمختار(۴۱۳/۳): (والإيلاج في محل البكارة يحلها والموت عنها لا) كما في القنية و استشكله المصنف في النهر وكأنه ضعيف لما في التبيين يشترط أن يكون الإيلاج موجبا للغسل وهو التقاء الختانين بلا حائل يمنع الحرارة وكونه عن قوة نفسه فلا يحلها من لا يقدر عليه إلا بمساعدة اليدإلا إذا انتعش وعمل ولو في حيض ونفاس وإحرام وإن كان حراما وإن لم ينزل لأن الشرط الذوق لا الشبع قلت وفي المجتبى الصواب حلها بدخول الحشفة مطلقا۔

(۵۳۳) مطلقہ مغلظہ کا بغیر حلالہ شرعیہ زوج اول سے نکاح کرنا جائز نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں فدوی عبدالکریم حلالہ کے سلسلہ میں فتویٰ چاہتا ہوں، قرآن وسنت کی روشنی میں بتایا جائے کہ اگر ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہ بیوی اس آدمی کیلئے حرام ہوجائے گی۔ اب اگر اس آدمی کو پچھتاوا ہو اور وہ آدمی اس بیوی سے محبت بھی کرتا ہو نیز دوبارہ اس عورت کو نکاح میں لے تو قرآن وسنت کا کیا فرمان ہے؟ اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟ اس آدمی کا یہ عمل اللہ کی نظر میں کیسا ہے؟ اگر بیوی دوسرا آدمی نہ کرنا چاہے، پہلے آدمی کے ساتھ دوبارہ نکاح کرے تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کی نظر میں کیسا ہوگا؟ حلالہ کا طریقہ اور کیا عورت کو صرف نئے آدمی کے ساتھ صرف نکاح کرنا پڑے گا یا ہمبستری بھی کرنی ہوگی؟

• عورت پہلے شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ دوبارہ نکاح بھی ایک سزا ہی ہوگی۔

جناب ہم بہت پریشان ہیں طلاق کے عمل پر اللہ تعالیٰ سے شرمندہ ہیں، اپنی باقی زندگی ایک دوسرے کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو فتویٰ دیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو اس کی بیوی طلاق مغلظہ کی بناپر حرام ہوجائے گی اور بغیر حلالہ شرعیہ کے اپنے شوہر کے ساتھ دوبارہ نکاح نہیں کرسکتی اور حلالہ شرعیہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورت اس طلاق مغلظہ کے بعد عدت گزارے اور پھر کسی اور مرد سے شرعی طریقے پر نکاح کرے، اور نکاح کے بعد وہ مرد اس عورت سے ہم بستری بھی کرے اور اس کے بعد اگر وہ مرد کسی وجہ سے اس عورت کو طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہوجائے تو یہ عورت پھر اس مرد کی عدت گزارے اور اس عدت کے بعد چاہے تو پھر اپنے اس شوہر کے ساتھ جس نے اسے تین طلاقیں دی تھیں ازسرِ نو نکاح کرسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح

سمجھ اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

لمافي المشكوة (۲/۲۸۴): عن عائشة رضى الله عنها قالت : جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت : إني كنت عند رفاعة فطلقني فبت طلاقي فتزوجت بعده عبد الرحمن بن الزبير وما معه إلا مثل هدبة الثوب فقال : " أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة ؟ " قالت : نعم قال : "لا حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك"

وفي الهندية (۱/۴۷۳): وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية ۔۔۔ ويشترط أن يكون الإيلاج موجبا للغسل وهو التقاء الختانين هكذا في العيني شرح الكنز۔

وفي الشامية (۳/۴۱۰): ثم اعلم أن اشتراط الدخول ثابت بالإجماع فلا يكفي مجرد العقد۔

(۵۳۴) زوج ثانی کے صحبت کئے بغیر بیوی پہلے شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دیں۔میں نے تین مہینے دس دن عدت گزاری، اس کے بعد میں نے حلالہ کیلئے دوسری شادی کی، لیکن میں نے دوسرے شوہر کا منہ تک نہیں دیکھا اور بیس منٹ یا آدھے گھنٹے کے بعد دوسرے شوہر نے مجھے طلاق دیدی، پھر میں نے عدت تین مہینے دس دن گزارنے کے بعد پہلے شوہر سے شادی کر لی۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا جو میں نے حلالہ کیا تھا وہ صحیح نہیں ہوا۔اب میں پہلے شوہر سے علیحدگی چاہتی ہوں اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اور پہلا شوہر مجھے چھوڑ نہیں رہا۔ کہتا ہے خدا معاف کرے گا۔اب میرے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......تین طلاق دینے کے بعد، عورت مرد کیلئے حرام ہوجاتی ہے، بغیر حلالہ کے پہلے شوہر کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ عورت طلاق کی عدت (تین ماہواریاں اگر ماہواری آتی ہو یا تین مہینے اگر ماہواری نہ آتی ہو) گزار کر دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرلے، وہ شخص کم ازکم ایک بار اس عورت کے ساتھ ہمبستری کرے پھر اس کو طلاق دیدے یا انتقال ہوجائے تو عدت پوری ہونے کے بعد یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہوجائے گی، اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرکے آباد ہوسکتی ہے۔

برتقدیرِ صحت واقعہ صورت مسئولہ میں چونکہ حلالہ صحیح نہیں ہوا کیونکہ حلالہ میں کم ازکم ایک بار ہمبستری ضروری ہے جو نہیں ہوئی ہے لہٰذا آپ پہلے شوہر کیلئے حرام ہیں۔آپ کیلئے فوراً اس سے علیحدہ ہونا ضروری ہے۔اگر سابقہ شوہر آپ کو نہیں چھوڑ رہا تو آپ کسی بھی صورت میں اس سے جدائی اختیار کرلیں چاہے اس کو مال دے کر ہو، یا والدین کے گھر چلے جانے کی صورت میں ہو یا آج کل عدالت جو یکطرفہ خلع کی ڈگری دیتی ہے عورت اسے حاصل کرلے یہ ڈگری اگرچہ شرعاً معتبر نہیں اور نہ اس سے جدائی واقع ہوتی ہے لیکن یہ عورت چونکہ پہلے ہی حرام ہوچکی ہے لہٰذا یہ ڈگری اس کے لئے قانونی ثبوت بن جائیگی۔

لما في الدر المختار (۴۰۹/۳، ۴۱۰): (لا) ينكح (مطلقة) من نكاح صحيح نافذ كما سنحققه (بها) أي بالثلاث (لو حرة وثنتين لو أمة) ولو قبل الدخول وما في المشكلات باطل أو مؤول كما مر (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا) يجامع مثله۔

وفي الرد تحته: ثم اعلم أن اشتراط الدخول ثابت بالإجماع فلا يكفي مجرد العقد قال القهستاني وفي الكشف وغيره من كتب الأصول أن العلماء غير سعيد بن المسيب اتفقوا على اشتراط الدخول وفي الزاهدي أنه ثابت بإجماع الأمة وفي المنية أن سعيدا رجع عنه إلى قول الجمهور فمن علم به يسود وجهه ويبعد ومن أفتى به يعزر وما نسب إلى الصدر الشهيد فليس له أثر في مصنفاته بل فيها نقيضه وذكر في الخلاصة عنه أن من أفتى به فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين فإنه مخالف الإجماع ولا ينفذ قضاء القاضي به وتمامه فيه۔

(۵۳۵) دوسرے دن طلاق دینے کی شرط پر حلالہ کرنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زبیر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں پھر بھی وہ اس کے ساتھ رہ رہا ہے، اس وجہ سے کہ اگر ماں باپ اور اولاد کو یہ پتا چل گیا تو وہ لوگ ویسے ہی بیمار ہیں کہیں مر نہ جائیں، یہ بات سن کر اس پر ان لوگوں نے ایک حیلہ تلاش کیا اس کا شوہر فوج میں ہوتا ہے اور سال میں دو دفعہ گھر پر آتا ہے۔

اس کا شوہر یہ چاہ رہا ہے کہ میری بیوی کے ساتھ کوئی حلالہ کر لے۔ حلالہ کرنے کے عوض اس کو پیسے دیں گے، مگر جو حلالہ کرے گا اس کو یہ بھی بولا ہے کہ دوسرے دن آپ اس کو طلاق دو گے، ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تفصیلی جواب عنایت فرما کر گناہ کبیرہ سے بچائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......شریعت مطہرہ نے حلالہ کی اجازت دی ہے البتہ حلالہ ایک سزا اور عبرت کی چیز ہے یہ کوئی ممدوح چیز نہیں بلکہ ایک گناہ کے کام یعنی تین طلاقوں کی سزا ہے اس لئے اس سے ازحد اجتناب کیا جائے، اگر کوئی شخص عوض دے کر حلالہ کروائے یا کوئی شخص عوض لے کر یا حلالہ کی شرط لگا کر حلالہ کرے تو ایسے لوگوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "حلالہ کرنے والے اور حلالہ جس کیلئے کیا جا رہا ہے (دونوں پر) اللہ کی لعنت ہے" چنانچہ شریعت مطہرہ نے حلالہ کا جو شرعی طریقہ بیان فرمایا ہے وہ اس طرح ہے کہ عورت دوسرے شخص سے نکاح کرے پھر وہ اس کے ساتھ کم از کم ایک دفعہ حق زوجیت بھی ادا کرے اس کے بعد دوسرا شوہر اپنی مرضی سے عورت کو طلاق دے یا اس شوہر کا انتقال ہو جائے تو پھر یہ عورت عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے، ورنہ نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں شوہر اوّل کا یہ کہنا کہ (نکاح کے دوسرے دن طلاق دو گے ورنہ کچھ بھی ہو سکتا ہے) اس طرح کی شرائط لگانا صحیح نہیں بلکہ شوہر ثانی کو اختیار ہے یا تو طلاق دے یا اپنے پاس رکھے۔

لما في مرقاة المفاتيح (٦/٤٠٥): قال القاضي المحلل الذي تزوج مطلقة الغير ثلاثا على قصد أن يطلقها بعد الوطء ليحل المطلق نكاحها وكأنه يحللها على الزوج الأول بالنكاح الوطء والمحلل له هو الزوج ۔۔۔۔ وليس في الحديث ما يدل على بطلان العقد كما قيل بل يستدل به على صحته من حيث أنه سمى العاقد محللا وذلك إنما يكون إذا كان العقد صحيحا فإن الفاسد لا يحلل وهذا إذا أطلق العقد فإن شرط فيه الطلاق بعد الدخول ففيه خلاف والأظهر بطلانه ۔۔۔۔ واعلم أنه استدل بهذا الحديث في الفروع على كراهة اشتراط التحليل بالقول فقالوا إذا تزوجها بشرط التحليل بأن يقول تزوجتك على أن أحللك له أو تقول هي فمكروه كراهة تحريم المنتهضة سببا للعقاب للحديث المذكور وقالوا ولو نويا اشتراط التحليل ولم يقولاه يكون الرجل مأجورا لقصد الإصلاح فيحمل قوله على قصد الفراق الخ على ما إذا اشترطاه بالقول أما إذا نوياه فلم يستوجبا اللعن على أن بعضهم قال انه مأجور وإن شرطاه بالقول لقصد الإصلاح ويؤول اللعن بما إذا شرط الأجر على ذلك۔

وفي الدر المختار (٣/٤٠٩،٤١٠): (لا) ينكح (مطلقة) ۔۔۔ (حتى يطأها غيره ولو) الغير (مراهقا)۔

وفي الرد تحته: ثم اعلم أن اشتراط الدخول ثابت بالإجماع فلا يكفي مجرد العقد۔الخ۔

(۵۳۶) زوج ثانی کے انتقال کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک کرایہ کا رکشہ ڈرائیور ہوں اور میں شادی شدہ ہوں۔ میرے چار بچے ہیں۔ قلیل آمدن اور کرایہ کا مکان ہونے کی وجہ سے تنگدستی غالب ہے۔ تنگدستی کی وجہ سے میری اہلیہ سے تکرار ہوتی رہتی تھی۔ اس روز روز کی پریشانی اور جھک جھک سے تنگ آ کر میں نے ایک دن اپنی اہلیہ کو غصہ کی حالت میں تین طلاقیں دیدیں۔ بعد میں میری اہلیہ کا نکاح دوسری جگہ ہوگیا البتہ نکاح کے ایک عرصہ بعد وہ دوسرا شخص ایک ایکسڈنٹ میں مر گیا۔ عدت کی مدت بھی گزر گئی ہے کیا میں دوبارہ اپنی سابقہ اہلیہ سے نکاح کر سکتا ہوں؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... بشرطِ صحت واقعہ جب عورت نے طلاق اور عدت گزرنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح صحیح کرلیا ہے اور ایک عرصہ تک وہ دونوں ساتھ رہے اس کے بعد دوسرے شوہر کا ایکسڈنٹ میں انتقال ہوگیا تو اگر دوسرے شوہر نے اپنی زندگی میں ایک بار بھی اس عورت سے ہمبستری کی ہو تو اب اس دوسرے شوہر کی عدت وفات [موت سے چار ماہ دس دن] گزرنے کے بعد آپ اپنی سابقہ اہلیہ سے نکاح کر سکتے ہیں۔

لما في القرآن المجيد (البقرة:٢٣٠): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

وفی الهندية (١/٤٧٣): وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية۔۔۔ ويشترط أن يكون الإيلاج موجبا للغسل وهو التقاء الختانين هكذا في العيني شرح الكنز أما الإنزال فليس بشرط للإحلال۔

(۵۳۷) بغیر شرط کے نکاح میں حلالہ کی نیت کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بھانجے نے اپنی بیوی کولڑائی کی حالت میں تین طلاقیں دے دی ہیں، اب بغیر شرعی حلالہ کے دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا، آپ حلالہ کا شرعی طریقہ بتادیں۔

(۲)......جس آدمی کے ساتھ ہم نکاح کریں گے اس کو مسئلہ بتادیں گے، کوئی شرط نہیں رکھیں گے۔

(۳)......ہماری نیت تو حلالہ کی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

(۴)......جس آدمی کے ساتھ نکاح کریں گے اس کی نیت اگر یہ ہو کہ میں نکاح کے بعد اس کو طلاق دے دوں گا یہ صحیح ہے؟

(۵)......لڑکی جس گھر میں رہتی ہے کیا اسی میں رہ سکتی ہے یا اپنے سسرال میں جانا ضروری ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں بیوی تین طلاقوں کے بعد پہلے خاوند کیلئے حرام ہوچکی ہے اور اب بغیر شرعی حلالہ کے پہلے خاوند سے نکاح نہیں کرسکتی۔ طلاق دینا شریعت کی نظر میں کوئی پسندیدہ عمل نہیں بلکہ عند اللہ سخت مبغوض ہے اور تین طلاقیں دینا تو شریعت کی نظر میں گناہ ہے اس کے بعد حلالہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے حلالہ ایک سزا اور شوہر کیلئے مقامِ عبرت ہے اور شرعی حلالہ میں ضروری ہے کہ عورت عدت گزارنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرے پھر وہ اس سے ہمبستری کرنے کے بعد طلاق دیدے یا مرجائے پھر یہ عدت گزار کر پہلے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے نیز اس نکاح میں حلالہ کی شرط لگانا سخت گناہ اور موجب لعنت ہے البتہ بغیر شرط لگائے حلالہ کی نیت سے نکاح کرنا بلا کراہت صحیح ہے بلکہ اولاد کی تربیت اور سابقہ مرد اور عورت کا گھر بسانے کی نیت سے اس طرح حلالہ کرنے والے کے بارے میں امید ہے کہ اس کو ثواب بھی ملے گا، تاہم عدت کے بارے میں اصول یہ ہے کہ عورت اس گھر میں عدت گزارتی ہے جہاں وہ طلاق سے پہلے رہتی تھی خواہ وہ سسرال ہو یا کوئی اور گھر ہو، اس لئے صورت مذکورہ میں بھی عورت کو دوسرے شوہر کے ہاں ہی عدت گزارنی چاہیئے البتہ اگر سخت مجبوری ہو اور دوسرے شوہر کے گھر عدت گزارنے میں خاندان کی بے عزتی یا معاملات بگڑتے ہوں تو اپنے گھر پر بھی عدت کے دن گزارنے کی گنجائش ہے۔

لمافی القرآن المجید (البقرۃ:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔

وفی الهندية (۱/۵۳۵): على المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت كذا في الكافي۔

وفی الدرالمختار(۳/۴۱۴):(وكره) التزوج للثاني (تحريما) لحديث لعن المحلل والمحلل له (بشرط التحليل) كتزوجتك على أن أحللك(وإن حلت للأول) لصحة النكاح وبطلان الشرط فلا يجبر على الطلاق كما حققه الكمال۔۔۔۔(أما إذا أضمرا ذلك لا) يكره (وكان) الرجل (مأجورا) لقصد الإصلاح وتأويل اللعن إذا شرط الأجر ذكره البزازي۔

(۵۳۸) حلالہ کے لئے شوہر ثانی کا کفوء ہونا ضروری ہے

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے سنا ہے کہ اگر کوئی عورت کسی ایسے لڑکے کے ساتھ شادی کرلے جس پر ان کے ماں باپ راضی نہ ہوں اور وہ لڑکا بھی بدچلن ہو تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ باطل ہوتا ہے تو اگر حلالہ کی صورت میں کوئی شوہر اپنی مطلقہ بیوی کی شادی کسی ایسے لڑکے سے کرادے جو فاسق بھی ہو اور لڑکی کے ماں باپ بھی اس پر خوش نہ ہوں اور وہ لڑکا طلاق بھی دیدے تو یہ نکاح درست ہو کر پہلے شوہر کیلئے یہ بیوی حلال ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوهاب.....صورت مسئولہ میں حلالہ کی صورت میں اگر عورت نے ایسے لڑکے سے نکاح کرلیا جو لڑکی کا کفو نہیں ہے اور لڑکی کے ماں باپ بھی خوش نہ ہوں تو یہ نکاح صحیح نہیں ہے لہٰذا طلاق کے بعد یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی کیونکہ حلالہ میں شرط ہے کہ دوسرے آدمی سے نکاح صحیح ہوا ہو اور اگر وہ لڑکا اس لڑکی کا کفو ہو تو اولیاء کی رضامندی کے بغیر بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں لڑکی کے والدین وغیرہ اگر دیندار اور صالح لوگ ہوں تو پھر لڑکی کا ایک فاسق شخص سے حلالے کا نکاح منعقد نہ ہوگا۔

لمافی الدرالمختار(۳/۵۷): (ويفتى) في غير الكفء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثا نكحت غير كفء بلا رضا ولي بعد معرفته إياه فليحفظ۔

(۵۳۹) کیا ارتداد سے حلالہ ساقط ہوجاتا ہے

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں، طلاق کے چھ ماہ بعد یہ عورت مرتد ہوگئی ہندو مذہب اپنالیا چار ماہ کے بعد اللہ پاک نے ہدایت عطا فرمائی اور دوبارہ مسلمان ہوگئی۔ اب یہ عورت اپنے سابق شوہر کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب.....صورت مسئولہ میں تین طلاق کے بعد عورت کے (العیاذ باللہ) مرتد ہونے اور پھر دوبارہ

مسلمان ہونے کی وجہ سے حلالہ ساقط نہیں ہوگا اور بغیر حلالہ کے اس کا سابقہ شوہر سے نکاح کرنا درست نہیں ہوگا۔

لمافی الدرالمختار(۴۱۲/۳): فلا يحلها وطء المولى ولا ملك أمة بعد طلقتين أو حرة بعد ثلاث وردة وسبي۔

وفي الرد تحته : قوله (ولا ملك أمة الخ) عطف على قوله وطء المولى أي لو طلقها ثنتين وهي أمة ثم ملكها أو ثلاثا وهي حرة فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبيت وملكها لا يحل له وطؤها بملك اليمين حتى يزوجها فيدخل بها الزوج ثم يطلقها كما في الفتح۔

(۵۴۰) تین طلاقوں کے بعد عورت کے ساتھ رہنا زنا ہے

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو سگے بھائیوں نے اپنی بیویوں کو تین طلاقیں دے دیں اس سلسلہ میں ان لوگوں نے دارالافتاء سے فتویٰ بھی لیا۔ مفتی صاحب نے فتویٰ میں لکھا کہ تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور ان دونوں پر بیویاں حرام ہیں اور بغیر شرعی حلالہ کے اپنے ساتھ رکھنا جائز نہ ہوگا لیکن اس کے باوجود یہ دونوں بھائی ان عورتوں کے ساتھ رہائش پذیر ہیں۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات درکار ہیں:

(۱) ان دونوں افراد کے ساتھ خاندان کے دوسرے افراد ماں، باپ، بہن، بھائی کا میل جول، لین دین رکھنا صحیح ہے یا غلط؟ جبکہ ان میں سے ایک بھائی نے صاف طور سے اپنی ماں اور بہن بھائیوں کو اپنے گھر آنے سے منع کر دیا ہے۔

(۲) ان دونوں بھائیوں کے ساتھ دیگر بھائیوں کا کاروبار میں شامل ہونا صحیح ہے یا غلط؟

(۳) شرعی حلالہ کیا ہے؟ ان میں سے ایک بھائی یہ کہتا ہے کہ حلالہ کروالوں گا۔ اس کے بعد خود نکاح کرلوں گا، کیا اس کا یہ عمل جائز ہوگا؟

(۴) کیا شرعی حلالہ کسی شرط پر جائز ہے؟ اگر عورت پہلے ہی سے یہ طے کرے کہ میں نکاح کرنے کے بعد طلاق لے لوں گی اور پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کرلوں گی تو کیا اس کا یہ عمل جائز ہے؟

(۵) آدمی طلاق دینے کے بعد یہ کہے کہ میں حلالہ شرعیہ کروالوں گا، اس کے بعد خود نکاح کرلوں گا کیا یہ جائز ہے؟

براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں راہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں مذکورہ بالا دونوں اشخاص زنا کر کے حرام کے مرتکب ہو رہے ہیں، لہٰذا ان کا بائیکاٹ کیا جائے تا آنکہ وہ توبہ کرلیں اور باز آجائیں، نیز ان کے لئے دعائے خیر کرتے رہنا چاہیئے کہ اللہ رب العزت ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔

البتہ شرعی حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عورت عدت گزرنے کے بعد نکاح صحیح کرے جس سے مقصد معاشرتی تعلقات کا قیام ہو

اور جب ازدواجی تعلقات قائم ہوجائیں تو پھر شوہر اپنی مرضی سے اس کو طلاق دیدے یا اس کی موت واقع ہوجائے، پھر یہ عورت دوسرے شوہر کی عدت گزار کر شوہر اوّل سے نکاح کرے تو یہ حلالہ شرعیہ کہلائے گا اور اگر شادی بشرط حلالہ کی گئی تو یہ ناجائز ہے، ایسا عمل کرنے اور کروانے والے دونوں پر اللہ کی لعنت وارد ہوئی ہے، البتہ ایسا کرنے پر حلالہ ہوجائے گا۔

لما في القرآن المجيد (البقرة:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

وفي البخاري (۲/۷۹۱): عن ابن شهاب، قال: أخبرني عروة بن الزبير، أن عائشة، أخبرته: أن امرأة رفاعة القرظي جاءت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله، إن رفاعة طلقني فبت طلاقي، وإني نكحت بعده عبد الرحمن بن الزبير القرظي، وإنما معه مثل الهدبة. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لعلك تريدين أن ترجعي إلى رفاعة؟ لا، حتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته"

وفي الدرالمختار (۳/۴۱۴): (وكره) التزوج للثاني (تحريما) لحديث لعن المحلل والمحلل له (بشرط التحليل) كتزوجتك على أن أحللك (وإن حلت للأول) لصحة النكاح وبطلان الشرط فلا يجبر على الطلاق كما حققه الكمال۔

(۵۴۱) حلالہ کی شرط لگا کر کئے گئے نکاح کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو وقفہ وقفہ سے طلاق دے کر اپنے اوپر حرام کیا ہے، یعنی اس کو تین طلاقیں دے چکا ہے۔ اب وہ حلالہ کرنا چاہتا ہے کیا اس کیلئے حلالہ کرنا جائز ہے؟ کیا حلالہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے نیز محلل (زوج ثانی) محلل لہ (زوج اول) سے اگر واپسی کی نیت سے (مطلقہ) کا نکاح کرائے تو اس طرح کرنے سے حلالہ ہوجائے گا اور وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہوجائے گی؟ کیا اس طرح نیت کرنے والے کیلئے حدیث میں کوئی وعید وارد ہوئی ہے؟ نیز فقہ کی بعض کتابوں میں پہلے شوہر کیلئے حلالہ کی نیت سے محلل کیلئے ثواب کو ثابت کیا ہے، اس کی کیا حیثیت ہے؟ نیز اقوال وعید اور اقوال ثواب کے درمیان تطبیق کا کیا طریقہ کار ہوگا۔

الجواب بعون الملک الوھاب......حلالہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اس کی نفس مشروعیت پر ائمہ اربعہ رحمہ اللہ علیہم کا اتفاق ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو یہ عورت اب اس کیلئے حلال نہیں رہتی اور نہ ہی اب اس سے نکاح کرسکتا ہے الا یہ کہ عورت عدت کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور حقوق زوجیت بھی ادا ہوجائیں اب شوہر ثانی اگر اسے طلاق دے دیتا ہے یا فوت ہوجاتا ہے تو یہ عورت اپنی عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجاتی ہے، البتہ حلالہ کی شرط پر نکاح کرنا مکروہ ہے یعنی نکاح کرنے والے (محلل [زوج ثانی] اور محللۃ عورت) اور اسی طرح محلل لہ (زوج اول) نکاح کرنے میں یہ

شرط لگاتے ہیں کہ دوسرا شوہر طلاق دے گا تو ان کا اس شرط کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس میں وعیدِ لعنت کے مستحق ہوں گے یا محلل (زوج ثانی) حلالے پر اجرت کی شرط لگاتا ہے تو وہ اس صورت میں وعید کا مستحق ہوگا لیکن باوجود اس شرط کے اگر نکاح کر کے دخول کر لے اور طلاق دیدے تو یہ عورت اپنی عدت گزارنے کے بعد زوج اول کے لئے حلال ہوجاتی ہے۔

رہا مسئلہ ثواب کا تو فقہ حنفی کی بعض کتب میں محلل (زوج ثانی) کیلئے جس ثواب کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ اصلاح کی نیت سے ہو یعنی اس نیت سے نکاح کرتا ہے کہ بچوں کی پرورش کا صحیح انتظام ہوجائے اور ان کا گھر آباد ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس پر اس کو اجر ملے گا۔

لما في القرآن المجيد (البقرة:٢٣٠): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

وفي صحيح البخاري (٧٩١/٢): عن عائشة رضي الله عنها أن رجلا طلق امرأته ثلاثا، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول"

وفي الدر المختار (٤١٤/٣): (وكره) التزوج للثاني (تحريما) لحديث لعن المحلل والمحلل له (بشرط التحليل) كتزوجتك على أن أحللك (وإن حلت للأول) لصحة النكاح وبطلان الشرط ----- (أما إذا أضمرا ذلك لا) يكره (وكان) الرجل (مأجورا) لقصد الإصلاح وتأويل اللعن إذا شرط الأجر ذكره البزازي۔

وفي الرد تحته: قوله (بشرط التحليل) تأويل للحديث بحمل اللعن على ذلك ويأتي تمام الكلام عليه قوله (وإن حلت للأول الخ) هذا قول الإمام وعن أبي يوسف أنه يفسد النكاح لأنه في معنى المؤقت لا يحلها وعن محمد يصح ولا يحلها لأنه استعجل ما أخره الشرع كما في قتل المورث هداية------ قوله (لقصد الإصلاح) أي إذا كان قصده ذلك لا مجرد قضاء الشهوة ونحوها وأورد السروجي أن الثابت عادة كالثابت نصا أي فيصير شرط التحليل كأنه منصوص عليه في العقد فيكره وأجاب في الفتح بأنه لا يلزم من قصد الزوج ذلك أن يكون معروفا بين الناس إنما ذلك فيمن نصب نفسه لذلك وصار مشتهرا به اهـ تأمل قوله (وتأويل اللعن الخ) ---وهنا قول آخر وهو أنه مأجور وإن شرط لقصد الإصلاح وتأويل اللعن عند هؤلاء إذا شرط الأجر على ذلك اهـ قلت واللعن على هذا الحمل أظهر لأنه كأخذ الأجرة على عسب التيس وهو حرام ويقربه أنه عليه الصلاة والسلام سماه التيس المستعار۔

وفي الشامية (٤١٤/٣): قوله (وكره التزوج للثاني) كذا في البحر لكن في القهستاني وكره للأول

والثاني وعزاه محشي مسكين إلى الحموي عن الظهيرية وينبغي أن يزاد المرأة بل هي أولى من الأول في الكراهة لأن العقد بشرط التحليل إنما جرى بينها وبين الثاني والأول ساع في ذلك ومتسبب والمباشر أولى من المتسبب ولفظ الحديث يشمل الكل فإن المحلل له يصدق على المرأة أيضا۔

(۵۴۲) نیک نیتی سے حلالہ کرنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے محلے میں ایک عورت کو خاوند نے تین طلاقیں دی تھیں، اس کی عدت ختم ہوچکی ہے۔ اب وہ دوبارہ آباد ہونا چاہتے ہیں انہوں نے ایک دارالافتاء سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ حلالہ کرنا ہوگا۔ وہ لوگ مجھے کہہ رہے ہیں کہ حلالہ کرلو۔ میں نے اولاً انکار کردیا بعد میں انہوں نے بہت زور دیا ہے کہ مہربانی کر کے ہمارا گھر آباد کرادو۔ اب جبکہ مجھے معلوم ہے کہ میں حلالہ کررہا ہوں ان کی نیت بھی یہی ہے تو حلالہ کی نیت سے کئے گئے نکاح کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ اس نیت سے نکاح کرنا موجب لعنت ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......(۱) حلالہ اس وقت موجب لعنت اور حرام ہے کہ جب نکاح اور عقد کے وقت حلالہ کی شرط لگائی جائے مثلاً شوہر کہے کہ میں تیرے ساتھ نکاح اس لئے کررہا ہوں کہ تو پہلے شوہر کیلئے حلال ہوجائے اور جب ایسی صورت میں نکاح موجب لعنت ہے تو پھر اس لعنت میں پہلا شوہر، عورت اور دوسرا شوہر یہ سب شریک ہیں۔

(۲) البتہ اگر دوسرے زوج کی فقط حلالہ کی نیت ہے یعنی اصلاح کی نیت سے کرتا ہے کہ بچوں کا مستقبل سنور جائے محض اپنی شہوت پوری کرنے کیلئے نہیں کرتا تو ثواب اور اجر کی بھی امید کی جاسکتی ہے۔

(۳) لیکن یہ جواز بھی اس وقت ہے کہ جب کوئی اس کام کو عادت اور باقاعدگی کے طور پر نہ کرتا پھرے ورنہ پھر اگر صرف حلالہ ہی کی نیت سے کرتا ہے تب بھی ناجائز اور گناہ ہے، کیونکہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ جو چیز عادت کے طور پر ثابت ہو وہ ایسی ہے کہ جیسے مشروط کے طور پر لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کو حلالہ کرنے کی گنجائش ہے۔

لمافي الهندية (۴۷۴/۱): رجل تزوج امرأة ومن نيته التحليل ولم يشترطا ذلك تحل للأول بهذا ولا يكره وليست النية بشيء ولو شرطا يكره وتحل عند أبي حنيفة وزفر رحمهما الله تعالى كذا في الخلاصة وهو الصحيح هكذا في المضمرات۔

وفي الدر المختار(۴۱۴/۳): (وكره) التزوج للثاني (تحريما) لحديث لعن المحلل والمحلل له (بشرط التحليل) كتزوجتك على أن أحللك(وإن حلت للأول) لصحة النكاح وبطلان الشرط ۔۔۔۔(أما إذا أضمرا ذلك لا) يكره (وكان) الرجل (.مأجورا) لقصد الإصلاح

وتأويل اللعن إذا شرط الأجر ذكره البزازي۔

(۵۴۳) حلالہ سے متعلق چند مسائل کا بیان

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بندہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے بیوی اپنی عدت مکمل کر چکی ہے بلکہ عدت سے زیادہ دن گزار لئے ہیں۔شوہر اگر ایک شخص سے مکمل بات چیت کے ذریعے طے کر لے کہ تمہیں نکاح کر کے طلاق دے دینی ہے اس طرح آپ کی طلاق کے بعد میں اس سے نکاح کرلوں گا اور وہ میری بیوی بن جائے گی۔

آپ سے اس بارے میں چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔

(۱) یہ جو درمیان والا مرد ہے جو صرف طلاق دینے کیلئے نکاح کر رہا ہے اگر یہ جماع نہ کرے بلکہ ہاتھ بھی نہ لگائے ویسے ہی طلاق دے دے تو کیا طلاق کے بعد پہلے شوہر کا نکاح صحیح ہوگا؟

(۲) اگر پہلے شوہر سے نکاح صحیح نہ ہو تو ان کے جو بچے ہوں گے وہ کس کے شمار ہوں گے؟ وہ ولد الحلال کہلائیں گے یا نہیں؟

(۳) دوسرے شوہر سے نکاح کے بعد کتنا وقت ساتھ رہنا ضروری ہے کیا کوئی خاص وقت یا مدت ہے؟ تب دوسرا شوہر اسے طلاق دے سکتا ہو یا مطلقاً نکاح کے بعد طلاق دے دی جائے۔

(۴) درمیان والا مرد بغیر ہمبستری کے طلاق دے سکتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱) حلالہ شرعی کی صورت قرآن وحدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ اگر شوہر بیوی کو تیسری طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی یہاں تک کہ وہ عورت (عدت کے بعد) دوسرے شوہر سے نکاح (صحیح) کرے (اور نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس سے صحبت کرلے پھر مر جائے یا از خود طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے تب یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہوگی اور وہ اس سے نکاح کر سکے گا۔

(۲) تین طلاق کے بعد عورت کا کسی سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا یہ شرط باطل ہے اور حدیث میں ایسا حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے تاہم دوسرا شوہر اگر صحبت کے بعد طلاق دے دے تو عدت کے بعد عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائے گی البتہ اگر دوسرے مرد سے نکاح کرتے وقت یہ نہیں کہا گیا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا اور اسی طرح عورت کا بھی فقط یہ ارادہ ہو کہ وہ دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کرے گی اور پہلے شوہر کے گھر کو آباد کرے گی تو یہ صورت موجب لعنت نہیں بلکہ اگر بچوں کی اصلاح اور نیک نیتی کی بناء پر ایسا کیا ہو اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل مقصود نہ ہو تو بعض فقہاء نے ایسی صورت کو موجب اجر بھی لکھا ہے۔

(۳) اگر دوسرا شوہر صحبت کئے بغیر طلاق دے دے (جیسا کہ صورت مسئولہ میں مذکور ہے) تو عورت پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوگی۔

(۴) البتہ اگر پہلے شوہر نے اس (حلال نہ ہونے) کے باوجود نکاح کرلیا تو اس صورت میں یہ نکاح باطل ہوگا البتہ شبہ عقد کی وجہ سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس سے ثابت ہوگا عورت سے جو تعلق اس کے بعد قائم کیا گیا ہے وہ زنا ہے ان پر علیحدگی اختیار کرنا ضروری ہے۔

(۵) دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے بعد، اس کے پاس کسی متعین وقت تک رہنا ضروری نہیں، بلکہ دوسرا شوہر صحبت کرنے کے بعد جب بھی اسے طلاق دے دے تو وہ عورت عدت گزارنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔

(۶) دوسرا شوہر (درمیان والا مرد) ہمبستری کے بعد طلاق دے سکتا ہے البتہ اس صورت میں وہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوگی۔

لما في القرآن المجيد (البقرة:۲۳۰): فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.

وفي التاتارخانية (۴/۸۰): وفي تجنيس الناصري ولو طلقها ثلاثا ثم تزوجها قبل أن تنكح زوجا غيره فجاءت منه بولد ولا يعلمان بفساد النكاح فالنسب ثابت، وإن كانا يعلمان بفساد النكاح يثبت النسب أيضا عند أبي حنيفة۔

وفي الدر المختار (۴/۲۲): الواطیء (إن ادعى النسب يثبت في الأولى) شبهة المحل (لا في الثانية) أي شبهة الفعل لتمحضه زنا (إلا في المطلقة ثلاثا بشرطه) بأن تلد لأقل من سنتين لا لأكثر إلا بدعوة كما مر في بابه وكذا المختلعة والمطلقة بعوض بالأولى۔

(۵۴۴) حلالہ کی شرط لگانا حرام ہے

سوال..... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیتا ہے اب وہ حلالہ کروانا چاہتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک مولوی صاحب نے بتایا تھا کہ کسی شخص سے اس شرط پر نکاح کروانا کہ وہ طلاق دیگا یہ مکروہ تحریمی اور حرام ہے اور ایسا کرنے والے اشخاص ملعون ہیں۔ مفتی صاحب دریافت طلب امر یہ ہے کہ پھر حلالہ کس طرح ہوگا وہ دوسرا شخص تو اگر طلاق نہ دیگا تو پھر مسئلہ بن جائے گا۔ ازراہِ کرم حلالہ کی صورت بتادیں اور کس طرح سامنے والے کو تیار کیا جائے گا؟

الجواب بعون الملك الوهاب..... صورت مسئولہ میں اولاً مسئلے کی صحیح نوعیت کا ادراک ضروری ہے صحیح نوعیت کو سمجھے بغیر مسئلہ کو سمجھنا ممکن نہیں۔ دراصل حلالہ کوئی مستقل حکم یا مرغوب فیہ امر نہیں بلکہ یہ تو ایک سزا اور عقوبت ہے۔ اس سلسلے میں اصل تو یہ ہے کہ جب شوہر نے تین طلاقیں (جنہیں ایک ساتھ دینا سخت گناہ ہے) دے کر اس عورت سے تمام تعلقات ختم کردیئے تو اب یہ شخص اس عورت کی طرف دوبارہ رخ نہ کرے۔

اگر اب پشیمان ہورہا ہے تو اس کا حل شریعت نے یہ بتایا تھا کہ ایک طلاق دی جاتی تا کہ بعد میں رجوع ممکن ہوتا لیکن اب

رجوع کے تمام امکانات ختم ہو چکے لہٰذا دوبارہ نکاح حرام ہوگیا اور شریعت نے اس عورت کیلئے اس شوہر اول کے علاوہ کسی بھی مرد سے نکاح کو حلال قرار دیا اور اس شخص سے نکاح حرام قرار دیدیا جب تک کسی دوسرے مرد سے اس عورت کا نکاح نہ ہو اور وہ اس کے ساتھ ہمبستری کرے اور پھر کسی وقت مرجائے یا خود ہی طلاق دیدے تو اب شوہر اوّل کیلئے نکاح جائز ہوگا۔

دوسری بات یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حلالہ کے علاوہ عام اوقات میں بھی اس شرط پر نکاح کے شوہر اتنے دنوں بعد طلاق دیگا یہ درست نہیں یہ شرط لغو ہوگی نکاح منعقد ہوجائے گا اور شوہر پر کسی قسم کی طلاق دینا ضروری نہ ہوگا۔

اب آجائیں صورتِ مسئولہ کی طرف تو حلالہ میں اس شرط پر نکاح کرنا کہ شوہر ہمبستری کرکے طلاق دیگا تاکہ شوہرِ اوّل کیلئے عورت حلال ہوجائے یہ اوّلاً نکاح کی مشروعیت جو کہ تابید اور ہمیشگی کا مقصود ہونا ہے کہ خلاف ہے ثانیاً یہ ایک رذیل حرکت ہے کہ صرف ایک رات کیلئے نکاح کیا جائے۔ اس لئے حلال کرنے کی شرط پر نکاح کو ملعون قرار دیا گیا ہے ایسی شرائط پر نکاح باعثِ لعنت ہے اگر ایسی شرط پر نکاح کرلیا گیا اور شوہرِ ثانی نے ہمبستری کرلی تو اگرچہ یہ گناہ اور باعثِ لعنت ہے البتہ عورت شوہر اوّل کیلئے حلال ہوجائے گی لیکن شوہرِ ثانی پر طلاق دینا بہر صورت ضروری نہ ہوگا۔

جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ پھر حلالہ کس طرح ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی تو کوئی صورت ہے ہی نہیں کہ دوسرے مرد پر طلاق دینے کو ضروری قرار دیا جائے لہٰذا ایسا کرلیا جائے کہ کسی سمجھدار اور باشرع انسان کے سامنے فقط اپنا مسئلہ اور بچوں کے مستقبل کا داؤ پر ہونا اور پشیمانی کا ذکر کیا جائے، حلالے وغیرہ کا ذکر نہ ہو وہ شخص خود سمجھ جائے گا اب اگر وہ خود یا کسی شخص کے ذریعے نکاح کرکے اس نیت سے کہ ان لوگوں کی زندگی تباہ نہ ہو خود ہی طلاق دیدے (ہمبستری کے بعد) تو اس صورت میں شوہر اوّل کیلئے وہ عورت حلال ہوجائے گی وہ اس سے نکاح کرسکتا ہے اور اس عمل پر بعض فقہاء نے شوہر ثانی کیلئے ثواب کی امید تک بتائی ہے۔

امید ہے اتنی وضاحت سے جواب سمجھنے میں آسانی ہوگئی ہوگی۔ اگر پھر بھی کوئی اشکال ہو تو دارالافتاء سے بالمشافہ رجوع کرلیا جائے۔

باب نفقة المطلقة والمعتدة

(مطلقہ اور معتدہ عورت کے نفقہ کا بیان)

(۵۴۵) معتدہ اور اس کے بچوں کے نفقے کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا دوست تنویر احمد جس نے کچھ دنوں پہلے اپنی بیوی کو طلاق دی تھی کہ ''میں تجھے طلاق دیتا ہوں''، تین بار یہ الفاظ ادا کیے۔ بیوی اپنے گھر چلی گئی۔ پھر بیوی کے گھر والوں نے UC-8 میں درخواست جمع کی۔ تنویر احمد کے تین لڑکے ہیں۔ پہلے لڑکے کی عمر تقریباً 4 سال ہے اور دوسرے کی 3 سال ہے تیسرا لڑکا تقریباً 1 سال کا ہے۔ UC-8 میں ناظم صاحب نے وہ تینوں لڑکے ان کی ماں یعنی تنویر احمد کی بیوی کو دیئے۔ لہٰذا آپ ان باتوں کا جواب دے دیں:

(۱) تینوں بچوں کا خرچ تنویر احمد کو ادا کرنا ہوگا یا نہیں؟ یہ بچے کس کے پاس رہیں گے؟

(۲) شوہر اور بیوی کے ایک ساتھ رہنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

(۳) ابھی جو وہ عدت کر رہی ہے اس کا خرچ شوہر تنویر احمد پر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب...... جب انسان ہوش وحواس میں اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا ہے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں تنویر احمد کی بیوی پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوگئی ہیں۔ یہ تنویر احمد پر حرام ہو چکی ہے، بغیر حلالہ شرعیہ کے ازدواجی تعلقات قائم کرنا جائز نہیں۔ حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ یہ عورت عدت گزار کر کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرے وہ اس سے ہمبستری کر کے از خود طلاق دیدے یا فوت ہو جائے تو پھر یہ اس کی عدت گزار کر تنویر احمد سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ باقی رہا بچوں کی پرورش کا حق تو جب تک بچوں کی عمر سات (۷) سال نہیں ہو جاتی اس وقت تک بچے ماں کے پاس رہیں گے، ان کا خرچہ تنویر احمد پر لازم ہوگا۔ سات (۷) سال کے بعد یہ بچے تنویر احمد کے پاس آجائیں گے، ان کی تعلیم وتربیت اور شادی بیاہ کا حقدار یہی ہوگا، اسی طرح جب تک اس کی بیوی عدت گزار رہی ہے اس کا خرچہ اور رہائش بھی تنویر احمد پر لازم ہوں گے۔

لمافي الهندية (۵۴۲/۱): والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني وقدر بسبع سنين وقال القدوري حتى يأكل وحده ويشرب وحده ويستنجي وحده وقدره أبو بكر الرازي بتسع سنين والفتوى على الأول۔

وفي الشامية (٣/٦٠٩): وفي المجتبى نفقة العدة كنفقة النكاح وفي الذخيرة وتسقط بالنشوز وتعود بالعود وأطلق فشمل الحامل وغيرها والبائن بثلاث أو أقل۔

وفيه أيضا (٣/٦١٥): في الخانية من أن نفقة الصغار والإناث المعسرات على الأب لا يشاركه في ذلك أحد ولا تسقط بفقره اھ۔

(۵۴۶) شوہر کا نان نفقہ کے عوض طلاق دینے کا دعویٰ کرنا

سوال……کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے شوہر کی طرف سے مجھے عدالتی طلاقنامہ ملا، اور اس وقت میں موجود نہیں تھی تو کیا اس طلاقنامے سے مجھ پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲) اگر طلاق واقع ہو جاتی ہے تو کیا عدت کے ایام میں میں اپنے شوہر سے اپنا نان نفقہ طلب کر سکتی ہوں یا نہیں؟ اسی طرح بچوں کی پرورش کا نان نفقہ طلب کر سکتی ہوں یا نہیں؟

(۳) طلاقنامے میں مذکور شوہر کا قول یہ ہے کہ بیوی نے اپنا مہر، عدت کا نفقہ اور بچوں کی پرورش کا نفقہ طلاق کے عوض معاف کر دیا ہے، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں، کیونکہ طلاقنامہ لکھتے وقت میں موجود نہیں تھی، صرف مجھے یہ طلاقنامہ ہی ملا ہے، تو اب شریعت مطہرہ کے مطابق ہم دونوں میں سے کس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا؟

الجواب بعون الملک الوھاب……(۱) آپ نے جو طلاق نامہ ارسال کیا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جس وقت آپ کے شوہر نے یہ طلاق نامہ لکھا یا لکھوا کر اقرار کیا تھا اسی وقت آپ پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور اب اس شوہر سے بغیر حلالہ شرعیہ کے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا، نیز عدت بھی اسی وقت سے شروع ہو گئی، اور طلاق کے بعد عدت یہ ہوتی ہے کہ عورت شوہر کے گھر تین حیض (ماہواری) گزارے۔

(۲) مطلقہ عورت پر لازم ہے کہ وہ عدت کے ایام شوہر کے گھر میں گزارے اور اسے عدت کے ایام کا نان نفقہ بھی اسی وقت ملتا ہے جب وہ شوہر کے گھر میں ہو، لیکن اگر شوہر گھر سے نکال دے، یا آنے ہی نہ دے، یا شوہر فاسق ہو اور اندیشہ ہو کہ اگر عدت کے دوران اس کے ساتھ رہے گی تو وہ ظلم کرے گا اور ہمبستری کیلئے زبردستی کرے گا تو پھر عورت شوہر کے گھر سے منتقل ہو سکتی ہے اور عدت کے ایام کا نفقہ بھی طلب کر سکتی ہے۔ بچوں کی پرورش کا نفقہ بالغ ہونے تک مکمل طور پر والد کی ذمہ داری ہے ماں کی نہیں، نیز بیٹیوں کا نفقہ بالغ ہونے کے بعد بھی والد پر لازم ہے جب تک ان کی شادی نہ ہو جائے لہٰذا آپ بچوں کی پرورش کا نفقہ شوہر سے طلب کر سکتی ہیں اور اگر کوئی دو سال سے کم دودھ پیتا بچہ ہو تو عدت کے بعد اپنے لئے دودھ پلانے کی اجرت بھی طلب کر سکتی ہیں، اسی طرح بچوں کی پرورش کی اجرت بھی اپنے لئے علیحدہ طلب کر سکتی ہیں۔

(۳) اگر یہ بات درست ہے کہ طلاق نامہ شوہر کی یکطرفہ کارروائی ہے، اور آپ نے طلاق نامہ میں مذکور شرائط قبول نہیں کیں تو

شرعاً نہ حق مہر معاف ہوا اور نہ عدت کا نفقہ اور نہ ہی بچوں کا نفقہ، بلکہ شوہر پر حق مہر، عدت کا نفقہ اور بچوں کی پرورش کا نفقہ ادا کرنا شرعاً لازم ہے۔

لمافي الهندية (۱/۴۹۵): إن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال وكان الطلاق بائنا كذا في الهداية۔

وفيه أيضاً (۱/۵۵۷): الفصل الثالث في نفقة المعتدة: المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيا أو بائنا أو ثلاثا حاملا كانت المرأة أو لم تكن كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفي الدر المختار (۳/۶۰۹): (و) تجب (لمطلقة الرجعي والبائن والفرقة بلا معصية كخيار عتق و بلوغ وتفريق بعدم كفاءة النفقة والسكنى والكسوة) إن طالت المدة۔

وفي الرد تحته: وفي المجتبى نفقة العدة كنفقة النكاح، وفي الذخيرة وتسقط بالنشوز وتعود بالعود۔

وفي الدر المختار أيضاً (۳/۶۱۲): (وتجب) النفقة بأنواعها على الحر (لطفله) يعم الأنثى والجمع (الفقير) الحر ۔۔۔ (وكذا) تجب (لولده الكبير العاجز عن الكسب) كأنثى مطلقا وزمن۔

وفي الشامية (۳/۵۳۸): قوله (وفي المجتبى الخ) حيث قال والأفضل أن يحال بينهما في البيتوتة بستر إلا أن يكون فاسقا فيحال بامرأة ثقة وإن تعذر فلتخرج هي وخروجه أولى اھ۔

(۵۴۷) نافرمان بیوی کے نفقہ کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری شادی کے بعد سے ہماری مسلسل چھوٹی چھوٹی باتوں پر تکرار ہوتی رہتی تھی۔ وہ مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرتی رہتی تھی اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر روٹھ کر میکے چلی جاتی تھی۔ ایک دفعہ کاغذ پر لکھ کر دیا کہ مجھے فارغ کردو۔ اسی دوران بات زیادہ بڑھ گئی اور ایک طلاق کی نوبت آگئی۔ فوراً رجوع بھی ہوگیا۔ اس کے بعد مجھ سے کہا کہ مجھے ۳، ۴ دن تک اپنی امی کے گھر چھوڑ آؤ۔ میں خوشی خوشی اسے چھوڑ کر آگیا۔ ۳، ۴ دن کے بعد لینے گیا، ان کے گھر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ باہر سے واپس آگیا۔ محلے کی عورتوں کو اسے لینے کیلئے بھیجا، ان کے گھر والوں نے ہمارے گھر بھیجنے سے انکار کردیا۔ علاقے کے بہت سارے لوگوں کو بھیج کر کوشش کرتے رہے، حتیٰ کہ مفتی نعمان صاحب کے ذریعے سے بھی کوشش کرکے دیکھ لیا، مگر ہر بار انکار ہی کرتے رہے۔

اسی دوران ۳ ماہ گزر گئے۔ اس کے بعد میرا مسئلہ حل ہوجائے اس کے لئے ایک پرچہ لکھا، جو اس کے ساتھ دے رہا ہوں۔ پرچہ دینے کے بعد جو ایک ہفتہ کا تھا اس دوران بھی کوشش کرتا رہا کہ کسی نہ کسی طریقہ سے ہمارا گھر بس جائے، لیکن وہ آخری دن تک بھیجنے سے انکار کرتے رہے۔ جب پندرہ منٹ باقی تھے تو رمضانی بھائی اور آفتاب کے ذریعے کوشش کی کہ صرف ہمارے گھر میں آجائے اور

پھر چلی جائے تا کہ طلاق واقع نہ ہو پھر بھی وہ نہ مانی اور مسلسل نافرمانیاں کرتی رہی اور طلاق واقع ہوگئی۔عدت کا زمانہ بھی وہ اپنی ماں کے گھر گزار رہی ہے۔اب اسکا مطالبہ ہے کہ عدت کا جو خرچہ ہوتا ہے وہ دیا جائے۔

آپ بتائیں کہ اس صورت حال میں اس کا خرچ مجھ پر لاگو ہوتا ہے یا نہیں، اگر ہوتا ہے تو کتنا ہوتا ہے؟ شادی کے وقت میں نے اسے سونا دیا، جو مجھے اس نے تحفۃً یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ (میری خواہش تھی کہ میں تمہیں کچھ تحفہ دوں) میں نے پہلے مہر ادا کیا تھا پھر بیوی نے خود ہی مجھے اپنی خوشی سے دیدیا تھا پھر جب صلح ہونے لگی تو فاروق صاحب کے کہنے کی وجہ سے وہ میں نے دوبارہ دیدیا تھا پر جب لڑکی والے جہیز لینے آئے تو انہوں نے دوبارہ مجھ کو کسی کے ہاتھ بھجوادیا تھا۔اب بتائیں کیا وہ مجھ کو دینا ہوگا یا نہیں؟ اس تحفے (سونا) پر اس کا کتنا حق ہے یہ بھی فتویٰ دیں۔اگر ضرورت ہوئی تو وہ سب جو اس کے گھر جھگڑا ختم کرنے کے سلسلے میں گئے تھے آجائیں گے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... بیوی کو شوہر سے نان ونفقہ وصول کرنے کا حق اس وقت حاصل ہے، جبکہ وہ اپنے شوہر کے گھر کو آباد کرے، اگر وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے میکے وغیرہ چلی جائے یا شوہر کو اپنے قریب آنے نہیں دیتی تو وہ شرعاً "ناشزہ" (نافرمان) ہے، اور ناشزہ کا نان ونفقہ شوہر کے ذمہ نہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحت واقعہ جب آپ نے پرچے میں بیوی کو تین طلاق دینا معلق کیا تھا اور شرط پوری نہ ہو پائی جس کے باعث طلاقیں واقع ہوگئیں لہٰذا آپ کی بیوی کا خرچہ آپ کے ذمہ نہ عدت سے پہلے کا ہے اور نہ دورانِ عدت کا ہے۔ جہاں تک مہر کا تعلق ہے تو آپ کے بیان کے مطابق وہ مہر بیوی کی طرف سے جب ہبہ ہوکر آپ کے قبضہ میں آگیا تو وہ اب آپ کی ملکیت ہے، اس میں بیوی کا کوئی حق نہیں ہے۔

لمافي الهندية (۳۸۶/۴) كتاب الهبة: وإذا وهب أحد الزوجين لصاحبه لا يرجع في الهبة وإن انقطع النكاح بينهما۔

وفيه أيضاً (۵۴۵/۱): وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه۔

وفي الدرالمختار (۵۷۶/۳): و (خارجة من بيته بغير حق) وهي الناشزة حتى تعود ولو بعد سفره۔

(۵۴۸) بیزار ہوکر جدائی اختیار کرنے والی خاتون کا نفقہ

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت کو اگر کوئی آدمی طلاق نہ دے بلکہ صرف جدائی اختیار کرے تو کیا اس عورت کا اس مرد پر نان نفقہ لازم ہوگا یا نہیں، اگر ہوگا تو کتنا لازم ہوگا؟

تنقیح سوال: سائل کی زبانی معلوم ہوا کہ، جدائی اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے نان ونفقہ کا خیال نہیں رکھتا، اپنی بیوی کے حقوق پر اپنی بہنوں اور والدہ کے حقوق کو ترجیح دیتا ہے، اس لئے بیزار ہوکر بیوی نے اپنے شوہر سے جدائی اختیار کرلی۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... بیوی کا نان ونفقہ شوہر کے ذمہ فرض ہے، اللہ جل شانہٗ نے زوجین، والدین، اولاد اور بہن

بھائیوں میں سے ہر ایک کے الگ الگ حقوق مقرر کئے ہیں، ہر صاحبِ حق کو بغیر کسی زیادتی کے اس کا حق ادا کرنا لازم ہے، شریعت میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ کسی کا حق دبا کر کسی کو راضی کیا جائے، بلکہ سب کے حقوق مساوی طور پر ادا کرنا لازم ہے، پس صورت مسئولہ میں بشرطِ صحت واقعہ اگر عورت نے مجبور ہو کر شوہر سے جدائی اختیار کی ہو تو شوہر کے ذمہ سے اس کا نفقہ ساقط نہ ہوگا، شوہر پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کے حقوق صحیح طرح ادا کرے اور ان میں کوتاہی نہ کرے، نیز نان ونفقہ کی کوئی مقدار متعین نہیں بلکہ یہ عرف وعادت پر مبنی ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر زوجین دونوں مالدار ہوں تو نفقہ میں مالداری ملحوظ ہوگی اور اگر دونوں غریب ہوں تو غربت ملحوظ ہوگی اور اگر ان میں سے کوئی ایک امیر اور دوسرا غریب ہو تو جانبین کا لحاظ رکھتے ہوئے متوسط درجہ کا نفقہ لازم ہوگا۔

لما في القرآن الكريم (الطلاق: ٧): لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا۔

وفي الدر المختار (٣/٥٧٢، ٥٧٤): (فتجب للزوجة) بنكاح صحيح فلو بان فساده أو بطلاقه رجع بما أخذته من النفقة بحر (على زوجها) لأنها جزاء الاحتباس وكل محبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته ۔۔۔ (بقدر حالهما) به يفتى۔

وفي الردتحته (قوله به يفتي) كذا في الهداية وهو قول الخصاف وفي الولوالجية: وهو الصحيح وعليه الفتوى وظاهر الرواية اعتبار حاله فقط وبه قال جمع كثير من المشايخ، ونص عليه محمد۔ الخ۔

وفي الدر المختار (٣/٥٨٠): (إلا أن يظهر للقاضي عدم إنفاقه فيفرض)۔

وفي الشامية (٣/٥٨٠): فإن لم يعط حبسه ولا تسقط عنه النفقة اهـ۔

(۵۴۹) معتدہ اور اس کی اولاد کے نفقے اور پرورش کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے بڑے بھائی نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی ہے اور لڑکی حمل سے ہے۔ مسئلہ یہ معلوم کرنا تھا کہ اب ہم پر شرعی اعتبار سے کیا ذمہ داری ہے؟ بچہ کی پیدائش تک ہمیں کس حساب سے بیوی کا خرچہ دینا ہے اور بچے کی پیدائش کے بعد کب تک بچہ کا خرچہ دینا ہے اور ہم بچہ کو شرعی اعتبار سے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس سلسلے میں جو ضروری معلومات ہوں وہ فراہم کردیں۔ نیز یہ بھی بتادیں کہ بچہ کی پیدائش کا خرچہ (ڈلیوری فیس) کس پر ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں لڑکی کی عدت ختم ہونے تک لڑکی کے نفقہ وسکنی کا انتظام شوہر کے ذمہ اپنی اور بیوی کی حیثیت کے بقدر ضروری ہے اس عورت کی عدت وضع حمل ہے بچے کی پرورش کا حق والدہ کو ہے، وہ لڑکے کو سات برس اور لڑکی کو نو برس تک رکھ سکتی ہے، اگر بچوں کی ماں بچوں کے غیر محرم سے شادی کرلے تو اولاد رکھنے کی حق دار نہ ہوگی اور ان دونوں صورتوں میں ان کی پرورش اور شادی وغیرہ کا حق باپ کو ہوگا۔ بچے کی پیدائش کے بعد حد بلوغت تک بچے کو خرچہ دینا باپ پر واجب ہے، بچے کی پیدائش کا

خرچہ بھی شوہر کے ذمہ ہوگا۔

لمافی الدر المختار(۵۶۶/۳): (وتعود) الحضانة (بالفرقة) البائنة لزوال المانع والقول لها في نفي الزوج وكذا في تطليقه إن أبهمته لا إن عينته (والحاضنة) أما أو غيرها (أحق به) أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى لأنه الغالب۔

وفيه أيضا (۵۷۵/۳): وكذا إذا طالبها ولم تمتنع أو امتنعت (للمهر أو مرضت في بيت الزوج) فإن لها النفقة استحسانا لقيام الاحتباس وكذا لو مرضت ثم إليه نقلت أو في منزلها بقيت ولنفسها ما منعت وعليه الفتوى كما حرره في الفتح۔

(۵۵۰) وفات کی عدت کے بعد مطلقہ اور اس کے بچوں کے نفقے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بھائی کے انتقال کو ۹ ماہ ہو چکے ہیں، اس کے دو بچے ہیں، اس کی ذاتی کوئی جائیداد اور رہائش نہ تھی، وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ والدین کے مکان میں رہتا تھا۔ اب مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ عدت کے بعد اس کی بیوہ کہاں پر رہے گی۔ اسی گھر میں یا اپنے والدین کے پاس؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... جب عورت کی عدت مکمل ہو جائے اور وہ ضرورت مند بھی ہو تو اس کے نان ونفقہ اور رہائش کی ذمہ داری اس کے والد وغیرہ پر ہوگی، البتہ بچوں کے نفقہ وغیرہ کی ذمہ داری ددھیال وغیرہ پر ہوگی اور یہ میراث کی ترتیب پر ہوگی یعنی دادا پر اگر دادا نہ ہو تو بھائی پر ورنہ چچا پر ہوتی ہے۔

لمافی مشكوة المصابيح (ص۴۲۵): وعن سراقة بن مالك رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " ألا أدلكم على أفضل الصدقة؟ ابنتك مردودة إليك ليس لها كاسب غيرك " . رواه ابن ماجه

وفي الهندية(۵۶۶/۱): وتجب نفقة الإناث الكبار من ذوي الأرحام وإن كن صحيحات البدن إذا كان بهن حاجة إلى النفقة كذا في الذخيرة۔

وفيه أيضا (۵۶۳/۱): ونفقة الإناث واجبة مطلقا على الآباء ما لم يتزوجن إذا لم يكن لهن مال كذا في الخلاصة۔

(۵۵۱) میکے میں عدت گزارنے والی عورت نافرمان شمار ہوگی؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج سے ایک سال پہلے میری ساس اور میرا سالہ میری بیوی کو میرے گھر سے جھگڑا کر کے لے گئے، میرے منع کرنے کے باوجود وہ لوگ میری بیوی کو لے گئے۔ میری بیوی کو گئے ہوئے ایک

سال کا عرصہ ہوگیا۔اس ایک سال میں، میں نے اپنے والدین اور مختلف رشتے داروں کو صلح کے لئے بھیجا جبکہ انہوں نے منع کر دیا اور کہا کہ الگ مکان لے کر لڑکی کو رکھیں ورنہ طلاق دے دیں۔

جب بھی کوئی رشتہ داران سے صلح کے لئے رجوع کرتا وہ ہر بار یہی جواب دیتے کہ لڑکا الگ رہے ورنہ طلاق دے، جبکہ میری اتنی گنجائش نہیں ہے میری آمدنی صرف دس ہزار روپے مہینہ ہے لہٰذا میں نے تنگ آکر اپنی بیوی کو ایک سال گزرنے کے بعد تین طلاق دے دیں اور اس ایک سال کے عرصے میں وہ اپنے والدین کے گھر ہی رہی۔ میں مہر اور جہیز کا تمام سامان علاقہ ناظم کی نگرانی میں انہیں دے چکا ہوں۔اب ان کا مطالبہ ہے کہ وہ ایک سال کا عرصہ جو اس نے اپنے والدین کے گھر گزارا، اس کا خرچ اور بعد از طلاق عدت کا خرچ انہیں دیا جائے، جبکہ وہ میرے منع کرنے کے باوجود اپنے والدین کے گھر رہی اور میں نے اپنے والدین اور مختلف رشتے داروں کو بھیج کر اسے منانے اور واپس لانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ لوگ نہ مانے۔

کیا شرعی طور پر اس ایک سال کا خرچ اور عدت کا خرچ مجھے ادا کرنا ہوگا یا نہیں جبکہ میری تنخواہ دس ہزار روپے ہے، میں گھر کا بڑا بیٹا ہوں، والدین اور گھر کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اگر یہ خرچ مجھے ادا کرنا ہو تو میری تنخواہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کتنا خرچ ادا کرنا ہوگا؟ لہٰذا شرعی طور پر اس مسئلے میں میری راہنمائی کریں۔عین نوازش ہوگی۔شکریہ

الجواب بعون الملک الوھاب......بصورت صحت واقعہ آپ پر اس ایک سال کا خرچہ ادا کرنا شرعاً لازم نہیں ہے اور اگر آپ کی بیوی کی عدت گزر چکی ہے تو اس صورت میں بھی آپ پر اس عدت کا خرچہ لازم نہیں ہے اور اگر عدت نہیں گزری ہے تو آپ پر نفقہ دینا اس وقت لازم ہوگا جبکہ وہ آپ کے گھر میں آکر عدت گزارے اور اگر اپنے ماں باپ کے گھر آپ کی رضامندی کے بغیر عدت گزار رہی ہے تو اس صورت میں آپ پر عدت کا خرچہ ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

لمافی الهندية (۱/۵۵۸): والمعتدة إذا كانت لا تلزم بيت العدة بل تسكن زمانا وتبرز زمانا لا تستحق النفقة كذا في الظهيرية۔

وفيه أيضاً(۱/۵۴۵): وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه بخلاف ما لو امتنعت عن التمكن في بيت الزوج لأن الاحتباس قائم۔

وفی الدرالمختار(۵۷۶،۵۷۵/۳): (لا) نفقة لأحد عشر مرتدة ومقبلة ابنه ۔۔۔ و (خارجة من بيته بغير حق) وهي الناشزة حتى تعود ۔۔۔ وتسقط به المفروضة لا المستدانة في الأصح كالموت۔

(۵۵۲) عدت کا نفقہ شوہر پر لازم ہونے کی ایک صورت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اور ہندہ کے درمیان معمولی تکرار ہوئی۔اس تکرار کے

دوران زید نے ہندہ سے کہا کہ میں آپ کے بھائی کو بلا رہا ہوں، تم اپنے گھر چلی جاؤ۔ تمہیں ایک طلاق ہوگئی۔ یہ کہہ کر زید کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد زید نے ہندہ سے رجوع کرلیا اور خوشی ورضامندی سے ہندہ کو میکے میں چھوڑا۔ پھر اس کے بعد وہ لینے آیا لیکن چونکہ زید بے روزگار تھا اور مسلسل ہندہ کو طلاق کی دھمکیاں دیتا تھا، اس لئے ہندہ کے گھر والوں نے زید سے کہا کہ آپ ہندہ کو چھ ماہ بعد آکر لے جایئے گا۔ تھوڑا صبر کرلیں تاکہ آپ کا اور ہندہ کا غصہ ٹھنڈا ہوجائے لیکن زید نے بجائے روزگار تلاش کرنے اور صبر کرنے کے مسلسل طلاق کی دھمکیاں دیں۔ اور دیگر مشتعلانہ حرکات کرتا رہا۔

اس کی ان حرکات کی وجہ سے ہندہ نے زید کے ساتھ جانے کا ارادہ کرلیا اور زید سے کہا کہ دو دن بعد آکر لے جائے لیکن زید نے بجائے لے آنے کے محلہ میں آکر ہندہ اور اس کے گھر والوں کو بدنام کیا۔ پھر اس کے بعد زید نے ایک ہفتہ کی مہلت پر طلاق بھجوائی اور ساتھ ہی علاقے میں پرچے بانٹے کہ ہندہ کے گھر میں کوئی شادی مت کرنا۔ اس کی اس حرکت پر ہندہ نے جانے سے انکار کردیا اور طلاق واقع ہوگئی۔ پھر اس کے بعد زید نے رجوع نہیں کیا اور طلاق کو بائن کردیا۔ اب ہندہ زید سے مطالبہ کررہی ہے کہ وہ عدت کا نان و نفقہ ادا کرے تو کیا آیا ہندہ کا یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ زید کا کہنا ہے کہ ہندہ میکے میں ہے مجھ پر کچھ واجب نہیں، کیا زید کا یہ کہنا صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمادیں۔ نیز شادی کے موقع پر زید نے ہندہ کو سونا دیا تھا۔ بعد ازاں وہ بطور قرض کے مانگ لیا تو کیا اب ہندہ اس سونے کا مطالبہ کرسکتی ہے؟ اس مسئلے کی بھی وضاحت فرمادیں۔

تنقیح:......کیا مذکورہ صورت میں عدت گزر چکی ہے یا باقی ہے اور ہندہ زید کے رضامندی سے میکے میں عدت گزار رہی ہے یا بلا رضامندی۔

جواب تنقیح:......صورت مسئولہ میں عدت باقی ہے اور بیوی ناشزہ نہیں ہے بلکہ شوہر کے بداخلاق ہونے کی وجہ سے میکے میں عدت گزار رہی ہے اور شوہر اس پر راضی ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......طلاق خواہ رجعی ہو یا بائن یا مغلظہ ہر سہ صورت میں شوہر پر بیوی کی عدت کا نان ونفقہ واجب ہوتا ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں جواب تنقیح کے مطابق چونکہ عدت ابھی تک باقی ہے اور بیوی ناشزہ ونافرمان بھی نہیں ہے بلکہ شوہر کے بداخلاق ہونے کی وجہ سے میکہ میں عدت گزار رہی ہے تو اس صورت میں ہندہ کا میکہ میں ہونے سے زید کے ذمہ سے وجوب نفقہ ساقط نہیں ہوتا اور زید نے ہندہ سے جو سونا بطور قرض لیا ہے زید سے ہندہ اس کا مطالبہ بھی کرسکتی ہے کیونکہ مذکورہ سونا ہندہ کی ہی ملکیت ہے جو کہ زید کو ہر صورت میں لوٹانا ہے۔

لمافی الهندية (۱/۵۵۷):الفصل الثالث في نفقة المعتدة: المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة و السكنى كان الطلاق رجعيا أو بائنا أو ثلاثا حاملا كانت المرأة أو لم تكن۔

وفيه أيضاً(۱/۵۳۵):إذا طلقها ثلاثا أو واحدة بائنة وليس له إلا بيت واحد فينبغي له أن يجعل بينه وبينها حجابا حتى لا تقع الخلوة بينه وبين الأجنبية فإن كان فاسقا يخاف عليها منه فإنها تخرج وتسكن منزلا آخر وإن خرج الزوج وتركها فهو أولى۔

وفي الهندية أيضا(٣٧٤/٤): وأما حكمها فثبوت الملك للموهوب له غير لازم حتى يصح الرجوع والفسخ وعدم صحة خيار الشرط فيها۔

(۵۵۳) شہید کی بیوی کا نفقہ کس پر ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو مجاہد شہید ہو جاتا ہے ان کی اولاد اور بیوی وغیرہ کے نان نفقہ کا خرچہ کون برداشت کرے گا کیا ان کی کفالت حکومت پر ہوگی یا جس تنظیم کی طرف سے وہ جہاد میں شہید ہو گیا ان تنظیم والوں پر؟ جبکہ آج کل مجاہدین کو گرفتار کیا جاتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......نان ونفقہ کا خرچہ اولاً سب سے قریبی محرم پر لازم ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ رشتہ دار جن کا تعلق بچے کے ددھیال سے ہے اور اگر ددھیال کے رشتے دار نہیں تو پھر [اگر ذی رحم محرم موجود نہیں ہے تو] ان رشتہ داروں پر لازم ہے جو وارث بننے کی اہلیت رکھتے ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر ان بچوں کا دادا حیات ہے تو ان کے نان ونفقہ کا دو ثلث دادا کے ذمہ ہے اور ایک ثلث ان کے ماں کے ذمہ ہے، اگر ماں تنگ دست ہے تو بچوں کا کل خرچہ ان کے دادا کے ذمے ہے اور ماں کا خرچہ اس کے والد کے ذمے ہے۔

لما في الهندية (٥٦٦/١): ولو كان له أم وجد فإن نفقته عليهما أثلاثا على قدر مواريثهما الثلث على الأم والثلثان على الجد۔

وفيه أيضاً(٥٦٥/١): والنفقة لكل ذى رحم محرم اذا كان صغيراً او كانت امرأة بالغة فقيرة۔

وفيه ايضاً (٥٦٣/١): ونفقة الإناث واجبة مطلقا على الآباء ما لم يتزوجن إذا لم يكن لهن مال۔

وفي الشامية (٦٢٤/٣): القسم الخامس الأصول فقط فإن كان معهم أب فالنفقة عليه فقط ---- وإلا فإما أن يكون بعضهم وارثا وبعضهم غير وارث أو كلهم وارثين ففي الأول يعتبر الأقرب جزئية لما في القنية له أم وجد لأم فعلى الأم أي لقربها--- وفي الثاني أعني لو كان كل الأصول وارثين فكالإرث ---- ثم هذا كله إذا كان جميع الموجودين موسرين فلو كان فيهم معسر فتارة ينزل المعسر منزلة الميت وتجب النفقة على غيره وتارة ينزل منزلة الحي وتجب على من بعده بقدر حصصهم من الإرث وسيأتي بيانه أيضا۔

(۵۵۴) عدت کا خرچہ شوہر پر اپنی وسعت کے مطابق لازم ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیوی کو ۲۰۰۸ء/۰۹/۲۸ کو طلاق دے

دی تھی پھر یہ فیصلہ یونین کونسل کی ذیلی کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ کمیٹی والوں نے مجھے اور میرے سسرال والوں کو طلب کیا، کمیٹی والوں نے مجھے جہیز واپس کرنے کیلئے کہا اور عدت میں بیٹھی ہوئی میری بیوی کیلئے مجھے کہا کہ اس کا خرچہ بھی دو۔ کمیٹی والوں نے مجھے تین ہزار روپے ماہانہ دینے کیلئے کہا، جبکہ میری آمدنی اتنی نہیں ہے اور ہم گھر کے کل سات افراد ہیں اور ہمارے گھر کا مکمل ماہانہ خرچہ نو ہزار روپے ہے اور میں صرف عدت کا خرچہ ایک ہزار روپے ماہانہ ادا کر سکتا ہوں زیادہ کی میرے اندر گنجائش نہیں ہے۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......عدت کا خرچہ شرعاً مرد کے اوپر لازم ہے البتہ اس کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں بلکہ اس میں مرد اور عورت کی حالت کا اعتبار ہے۔ جتنا اس میں وسعت ہو اور عورت کا گزارا اس میں ہو جائے اسی کے بقدر خرچہ وغیرہ واجب ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر عورت کے کھانے پینے وغیرہ کا ماہانہ خرچ تین ہزار روپے بنتا ہے پھر تو کمیٹی والوں کا تین ہزار روپے متعین کرنا صحیح ہے اگر اس سے کم ہے تو پھر دونوں کی حالت کا اعتبار کر کے باہمی رضامندی سے خرچہ متعین کرلیا جائے۔

لما في القرآن الكريم (الطلاق: ٦): أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ.

وفيه أيضاً (الطلاق: ٧): لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا.

وفى الهندية (۱/۵۵۸): ويعتبر في هذه النفقة ما يكفيها وهو الوسط من الكفاية وهي غير مقدرة لأن هذه النفقة نظير نفقة النكاح فيعتبر فيها ما يعتبر في نفقة النكاح۔[1]

(۵۵۵) مطلقہ والدہ کو والد کے مکان میں ساتھ رکھنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ خالد نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اب خالد کی اولاد اپنی والدہ کو اپنے ساتھ اسی مکان میں یا دوسرے مکان میں خالد سے علیحدہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں تو کیا شریعت کی رُو سے اولاد کا اپنی والدہ (جو والد کی مطلقہ ہو) کو ساتھ رکھنا درست ہے یا نہیں نیز اگر والد (خالد) اولاد کو منع کرے کہ اپنی والدہ کو نہ رکھو تو اس صورت میں والدہ کو اپنے پاس رکھنے سے والد کی نافرمانی کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ نیز اس معاملے میں والد کی اطاعت لازم ہے یا نہیں؟ براہ کرم قرآن

---

[1] ایک یا ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں ادائیگی نفقہ اور نکاح کے بعد بیوی کے نفقہ سے متعلق تمام تفصیلات نیز نفقہ شوہر کی حالت کے بقدر ہوگا یا میاں اور بیوی دونوں کی حالت کا اعتبار ہوگا، مسئلہ ھذا سے متعلق فقہی عبارات، شرعی نصوص، دلالۃ النص یا قیاس سے اثبات، کتبِ فقہ کی روشنی میں ظاہر الروایۃ کی ترجیح اور متعلقہ ابحاث پر تفصیلی اور تحقیقی فتوی نجم الفتاوی کی پانچویں جلد میں بنام "القول بالمساواۃ فی أن الفتوی علی ظاهر الروایة فی نفقة الزوجات" ملاحظہ ہو۔ ازمرتب

وحدیث کی روشنی میں رہبری فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......عدت طلاق (تین حیض یا وضع حمل) پوری ہونے تک بیوی کا نفقہ، سکنی شوہر پر فرض ہے، جب تک عدت پوری نہ ہو، بیوی اپنے شوہر کے گھر میں ہی رہے گی، البتہ عدت پوری ہوجانے کے بعد شوہر پر بیوی کا کوئی حق نہیں رہتا، اس لئے اگر شوہر اپنی بیوی کو اپنے ذاتی مکان میں رکھنے سے اولاد کو منع کرے تو یہ ان کا حق ہے۔ اُن کے مطالبہ کو ماننا والدہ کی نافرمانی نہیں بلکہ مجبوری سمجھی جائے گی۔ لیکن اولاد پر لازم ہے کہ وہ والدہ کی عفت، عصمت، صحت، نفقہ اور سکنی سب چیزوں کا خیال رکھیں۔ الغرض اللہ جل شانہ نے والدین میں سے ہر ایک کے مساوی حقوق رکھے ہیں۔ لقوله تعالىٰ: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ الخ (ترجمہ: اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو)۔ اور اگر گھر بچوں کی ملکیت ہے تو پھر باپ کا والدہ کو گھر سے نکالنے کا حکم ماننا ضروری نہیں اور نہ اس پر عمل کیا جائے، اسے نافرمانی یا گناہ شمار نہیں کیا جائے گا۔

اگر اولاد اپنے والد کی کوئی حق تلفی نہیں کرتی، اس کے باوجود اپنی اولاد کو ان کی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے، ان کے نفقہ و سکنی کا خیال رکھنے میں مانع بنے تو یہ سراسر ظلم و ناجائز ہے، بچوں کو ان کے منع کرنے پر ان کی بات کو ماننا بھی جائز نہیں۔ لقوله عليه السلام: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق (یعنی مخلوق کی فرمانبرداری کرکے خالق کی نافرمانی کرنا قطعاً جائز نہیں)۔ تاہم اولاد اپنی والدہ کو اپنے والد کے مکان میں ساتھ رکھنا چاہیں، اور والد بھی راضی ہوں تو اس کی بھی اجازت ہے، بشرطیکہ والدین (والد اور مطلقہ بیوی) کے درمیان مکمل احتیاط کے ساتھ پردہ کا اہتمام ہو۔

لمافي الهندية(۵۳۵/۱): إذا طلقها ثلاثا أو واحدة بائنة وليس له إلا بيت واحد فينبغي له أن يجعل بينه وبينها حجابا حتى لا تقع الخلوة بينه وبين الأجنبية۔

وفي الدر المختار(۵۳۸/۳): وسئل شيخ الإسلام عن زوجين افترقا ولكل منهما ستون سنة وبينهما أولاد تتعذر عليهما مفارقتهما فيسكنان في بيتهم ولا يجتمعان في فراش ولا يلتقيان التقاء الأزواج هل لهما ذلك قال نعم وأقره المصنف۔

وفي الرد تحته: قوله (وسئل شيخ الإسلام) ـــ والظاهر أن التقييد بكون سنهما ستين سنة وبوجود الأولاد مبني على كونه كان كذلك في حادثة السؤال كما أفاده ط۔

(۵۵۶) طلاق کے بعد شوہر کی طرف سے شادی کے خرچ کے مطالبے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ سید تصدق حسین شاہ بخاری ولد سید تجمل حسین شاہ (مرحوم) نے ۴ مئی ۲۰۰۸ء کو رفعت شاہین سے عقد نکاح کیا، نکاح میں رفعت کے والد نے کہا کہ لڑکی کی والدہ کا مطالبہ ہے کہ رہائشی مکان لڑکی کے نام کرنا ہوگا۔ ان کی اس شرط کو میں نے قبول کیا اور مکان نکاح نامہ میں لکھ دیا۔ عرصہ دو مہینے رفعت شاہین گھر میں اس طرح رہی کہ دو

دن کے بعد اپنی والدہ کے ہاں چلی جاتی تھی اور پھر ۸ دن کے بعد آتی۔عرصہ دو ماہ گزرنے کے بعد رفعت شاہین کے والد نے مطالبہ کیا کہ ہماری لڑکی آپ کے گھر اس علاقے میں نہیں رہنا چاہتی، بلکہ ہمارے ہی قریب آپ گھر کرائے پر لے کر رہیں۔میں نے ان سے عرض کیا کہ میں وہاں گھر لے کر نہیں رکھ سکتا کیونکہ میرے اتنے وسائل نہیں ہیں۔جس پر لڑکی کے والد نے طلاق کا مطالبہ کیا۔میں نے کہا ابھی دو مہینے ہماری شادی کو ہوئے ہیں مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی، بہر حال ان کے اصرار پر مجھے ان کی بات رکھنی پڑی اور میں نے ان سے لکھوایا کہ ہم طلاق اپنی مرضی سے لے رہے ہیں۔اس کے بعد میں نے ان سے اپنی شادی کے خرچ کا مطالبہ کیا تو انہوں نے فرمایا شرعی طور پر اگر آپ کا حق بنتا ہے تو ہم دینے کیلئے تیار ہیں لہٰذا آپ حضرات شرعی نقطہ نظر سے ہم پر واضح کریں کہ آیا یہ خرچہ ان پر لازم ہوتا ہے یا نہیں اور ہمارے لئے لینا کس طرح ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورتِ مسئولہ میں چونکہ طلاق بغیر کسی معاوضے کے دی گئی ہے اس لئے طلاق کے بعد کسی خرچے کا مطالبہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

لمافی القرآن الکریم (النساء:۲۰۔۲۱):وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا(۲۰) وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا(۲۱)

وفی الھندیۃ (۱/۴۹۵):الفصل الثالث في الطلاق على المال إن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال وكان الطلاق بائنا كذا في الهداية۔

(۵۵۷)مطلقہ کا شوہر کے مکان میں حصہ مانگنا

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور میرے پانچ بچے ہیں۔چار لڑکے (ایک لڑکا نابالغ) اور ایک لڑکی اور گھر بھی میرے نام ہے۔بندہ یہ پوچھتا ہے کہ میرے اپنے بچے اور بیوی پر نان نفقہ کے اعتبار سے کیا حقوق ہیں؟ جبکہ بیوی کا مطالبہ یہ ہے کہ گھر کی آدھی ملکیت میرے نام کی جائے۔برائے مہربانی تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......مطلقہ عورت کے نان ونفقہ اور رہن سہن کا انتظام ایامِ عدت میں شوہر کے ذمہ لازم ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کا اپنی مطلقہ بیوی کیلئے ایامِ عدت میں کھانے اور رہنے کیلئے انتظام کرنا ضروری ہے اور آپ کی بالغ اولاد جو خود کما کر اپنی معاشی زندگی آرام سے گزار سکتی ہے تو آپ پر ان کیلئے کچھ لازم نہیں البتہ نابالغ اولاد کا نان ونفقہ وغیرہ دینا آپ پر لازم ہے اور اسی طرح بچیوں کا نان ونفقہ جب تک ان کی شادیاں نہ ہو جائیں آپ کے ذمہ لازم ہے اور اگر پورا گھر آپ ہی کی ملکیت ہے تو آپ کی بیوی کو آپ سے آدھے گھر کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں اور نہ آپ پر دینا ضروری ہے۔

لما فی الخانیة (۱/۲۰۴): نفقة الأولاد الصغار والأناث المعسرات علی الأب لایشارکه فی ذلك أحد ولا تسقط بفقره، ولا يجب عليه نفقة الذكور الكبار الا أن يكون الولد عاجزا عن الكسب لزمانة أو مرض فيكون نفقته على والده۔

وفی الشامية (۶۱۲/۳): قوله (وينفق عليهم) أي على أولاده الصغار۔

وفيه أيضا (۶۱۴/۳): قوله (كأنثى مطلقا) أي ولو لم يكن بها زمانة تمنعها عن الكسب فمجرد الأنوثة عجز إلا إذا كان لها زوج فنفقتها عليه ما دامت زوجة وهل إن نشزت عن طاعته تجب لها النفقة على أبيها محل تردد فتأمل وتقدم أنه ليس للأب أن يؤجرها في عمل أو خدمة وأنه لو كان لها كسب لا تجب عليه۔

باب الحضانۃ

(حقِ پرورش کا بیان)

(۵۵۸) بچے کی پرورش کا حق کن کن کو حاصل ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں محمد خالد نے ایک سال پہلے اپنی زوجہ نوید اختر کو ایک طلاق دی تھی، پھر رجوع کر لیا تھا۔ اب گھر میں جھگڑا ہوا تو میری بیوی اپنی بہن بھائی کے گھر چلی گئی۔ پانچ دن کے بعد بھائی بہنوئی، بہن اور بھانجوں کے ساتھ آئی اور بچوں کو لے کر بہن کے گھر چلی گئی۔ دوسری صبح میں ان کی بہن کے گھر بچوں کو لینے گیا تو ان کے بہنوئی اور بھانجے کے دوستوں نے مجھے بہت مارا اور فائر بھی کیا۔ پھر ان کے بھائی وہاں آئے اور سب نے کہا کہ میں طلاق دے دوں۔ میرے اور میری بیوی کے درمیان طے ہوا تھا کہ اس نے کہا کہ میں نے اپنے حق مہر معاف کر دیا اور میں نے کہا کہ اب ہمیشہ کیلئے دو طلاق دینے کا حق ختم کرتا ہوں تاکہ گھر ہمیشہ بچا رہے۔ اس دن میں نے کہا سب کو کہ میں طلاق نہیں دے سکتا، میرے پاس یہ حق نہیں ہے۔ میری بیوی کے پاس خلع کا حق ہے۔ اگر یہ چاہے تو خلع لے سکتی ہے۔ جمعہ ۲۳/ جنوری کو ان کے بھائی نے اپنی بہن کے ہاں بلوایا اور کہا کہ بچے میں اپنی بیوی کیلئے لکھ دوں۔ اس اثناء میں بہت جھگڑا ہوا، ان کے بھائی نے بہت مارا، پھر معافی مانگی۔ میرے بڑے بیٹے کو میرے ساتھ بھیج دیا۔ میرے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ لکھ دیا آپ ان سوالوں کے جوابات دے دیں:

(۱) بیوی اگر مرجائے تو بچوں کی پرورش اور پاس رکھنے کا حق دار باپ ہے یا بیوی کے بہن بھائی؟

(۲) شوہر اگر مرجائے تو بچوں کی پرورش اور پاس رکھنے کا حقدار کون ہے؟

(۳) اگر عورت شوہر کے مرنے کے بعد شادی کر لیتی ہے تو بچوں کی پرورش کی ذمہ داری کس کی ہے؟ چچاؤں اور پھوپھیوں کو بچوں کی پرورش اور پاس رکھنے کا حق ہے؟

(۴) طلاق یا خلع کی صورت کے بعد بچوں کی پرورش اور پاس رکھنے کا حق دار باپ ہے یا نہیں؟

(۵) آیا بیوی طلاق یا خلع کے بعد زبردستی بھائی، بہنوں، بہنوئیوں، بھانجوں کے ساتھ بچوں کو گھر سے لے جاتی ہے اور سارا سامان بھی لے جاتی ہے۔ شوہر کسی صورت میں بچوں کو مطلقہ مغلظہ کے پاس نہیں رہنے دینا چاہتا، کیا کیا جائے؟

(۶) میری بیوی سے تین بچے ہیں۔ بڑے بیٹے کی عمر تقریباً ساڑھے تیرہ سال ہے اور دوسرے نمبر پر بچی ہے اس کی عمر تقریباً

ساڑھے دس یا گیارہ سال ہے اور تیسرے نمبر کا بچہ تقریباً ۸ سال کا ہے۔ اب یہ بچے میری بیوی کے پاس ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ان بچوں کی پرورش کا حقدار کون ہوگا؟ یہ بچے میرے پاس رہیں گے یا اپنی والدہ کے پاس رہیں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... شوہر اور بیوی میں جدائی واقع ہو یا نہ ہو، ہر دو صورتوں میں بچہ جب سات (۷) سال سے چھوٹا ہو اور بچی جب نو (۹) سال سے چھوٹی ہو تو پرورش کا حق ماں کو ہے اور اگر بچوں کی ماں فوت ہو جائے یا پرورش کا حق قبول نہ کرے یا اپنے حق کو ساقط کرے یا کسی اجنبی (بچوں کے غیر محرم) سے شادی کرلے تو پھر بچوں کی پرورش کا حق نانی کو ہوگا پھر دادی کو پھر بہن کو پھر بھانجی کو پھر خالہ کو پھر پھوپھی کو ہے اور بچہ جب سات سال کا ہو جائے اور بچی جب نو سال کی ہو جائے تو پرورش کا حق باپ کو ہے اگر باپ نہ ہو تو دادا کو ہے۔ صورت مسئولہ میں تینوں بچوں کی پرورش کا حق دار باپ ہے۔

لمافی الدر المختار (۵۶۲/۳) باب الحضانة: (ثم) أي بعد الأم بأن ماتت أو لم تقبل أو أسقطت حقها أو تزوجت بأجنبي (أم الأم) وإن علت عند عدم أهلية القربى (ثم أم الأب وإن علت) بالشرط المذكور --- (ثم) الأخت (لأب) ثم بنت الأخت لأبوين ثم لأم ثم لأب (ثم الخالات كذلك) أي لأبوين ثم لأم ثم لأب ثم بنت الأخت لأب ثم بنات الأخ (ثم العمات كذلك)۔

وفي الشامية (۵۶۳/۳): (قوله ثم بنت الأخت لأبوين ثم لأم) كونهما أحق من الخالة باتفاق الروايات وأما بنت الأخت لاب ففي رواية أحق والصحيح أن الخالة أحق منها كما في البحر والزيلعي (قوله ثم لأب)۔

(۵۵۹) ماں کو لڑکی کا حق پرورش کب تک ہے؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس وقت بکر کا انتقال ہوا تھا تین ماہ کی لڑکی گود میں تھی اب تک وہ اپنی والدہ کے پاس ہے۔ اس کی عمر دو سال چھ ماہ ہے۔ بکر کا والد اس کو لے سکتا ہے یا نہیں؟ لڑکی کی ماں کو لڑکی کا حق پرورش کس مدت تک ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... لڑکی کی عمر نو سال ہونے تک والدہ کو حق پرورش حاصل ہے اس کے بعد والد یا اگر والد نہ ہو تو دادا اس کو والدہ سے لے سکتا ہے، صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکی کی عمر دو سال چھ ماہ ہے لہٰذا بکر کا والد لڑکی کی عمر نو (۹) سال ہونے تک والدہ سے نہیں لے سکتا۔ ہاں نو سال مکمل ہونے کے بعد بکر کا والد لڑکی کو والدہ سے لے سکتا ہے۔

لمافی الدر المختار (۵۶۶/۳۔ ۵۶۷) باب الحضانة: (والأم والجدة) لأم أو لأب (أحق بها) بالصغيرة (حتى تحيض) أي تبلغ في ظاهر الرواية ولو اختلفا في حيضها فالقول للأم بحر بحثا وأقول ينبغي

أن يحكم سنها ويعمل بالغالب ۔۔۔ (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقدر بتسع وبه يفتى وبنت إحدى عشرة مشتهاة اتفاقا زيلعي (وعن محمد أن الحكم في الأم والجدة كذلك) وبه يفتى لكثرة الفساد زيلعي۔

(۵۶۰) علیحدگی کے بعد بھی بچے کی پرورش کا نفقہ باپ پر ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن میں نے غصے کی حالت میں بیوی کو تین مرتبہ کہا ''میں نے طلاق دی''، ان الفاظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوتی ہیں تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ اب عورت کی عدت کتنی ہوگی اور عدت کا خرچہ وغیرہ کس پر ہوگا؟ اس بیوی سے میرے تین بچے ہیں، ایک لڑکی ۹ سال کی دوسرا لڑکا پانچ سال کا تیسری لڑکی تین سال کی۔ اب یہ بچے کس کے پاس رہیں گے ان کے اخراجات کس کے ذمے ہوں گے؟ آیا بیوی بچوں کی وجہ سے شوہر کے گھر میں شوہر سے تعلقات رکھے بغیر رہ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں آپ نے اپنی بیوی کو غصے کی حالت میں تین مرتبہ کہا ''میں نے طلاق دی'' مذکورہ الفاظ سے آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں، اگر عورت حاملہ نہیں ہے تو اس کی عدت تین ماہواریاں گزارنا ہے اور عدت کے ایام کا خرچہ آپ کو دینا ہوگا۔ بچوں کی پرورش کی حقدار ان کی ماں ہے۔ ہاں! لڑکا جب سات سال کا ہوجائے تو پھر ماں کا حق ختم ہوجاتا ہے۔ اب لڑکا باپ کے پاس رہے گا اور لڑکی جب نو سال کی ہوجائے تو باپ کے پاس رہے گی۔ صورت مسئولہ میں جس بچی کی عمر نو سال ہے اس کی پرورش کے حقدار آپ ہیں اور باقی دو بچے ایک لڑکا جس کی عمر ابھی پانچ سال ہے اور ایک لڑکی جس کی عمر تین سال ہے ان کی پرورش کی حقدار ان کی ماں ہے وہ ماں کے پاس رہیں گے اور ان دونوں بچوں کے اخراجات آپ کے ذمے ہوں گے۔ اگر عورت کا اور کوئی گھر نہیں تو بچوں کی پرورش کی وجہ سے مرد کو چاہیئے کہ عورت کو ایسا گھر مہیا کرے جس میں مرد کا کوئی عمل دخل یعنی آنا جانا نہ ہو۔

لما في القرآن الكريم (البقرة: ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۳): وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ وَّلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللهُ فِيْ أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوْا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۲۲۸) الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ ... فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ... وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۔الآية۔

وفي الدر المختار (۵۶۱/۳): وفي شرح النقاية للباقاني عن البحر المحيط سئل أبو حفص عمن لها إمساك الولد وليس لها مسكن مع الولد فقال على الأب سكناهما جميعا وقال نجم الأئمة المختار

أنه عليه السكنى في الحضانة وكذا إن احتاج الصغير إلى خادم يلزم الأب به.

وفيه أيضا(٣/٥٥٦): وفي القنية الأم أحق بالولد.

وفيه أيضا(٣/٥٦٦)(والحاضنة) أما أو غيرها (أحق به) أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى لأنه الغالب ـــ (والأم والجدة) لأم أو لأب (أحق بها) بالصغيرة (حتى تحيض) أي تبلغ في ظاهر الرواية ـــ (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقدر بتسع وبه يفتى.

رسالة

بناء الدعامة

بنقل الفتوی علی القول المفتی به فی مسئلة الحضانة

مسئلہ حضانت میں ظاہر الروایۃ پر فتویٰ دیا جائے گا یا مفتی بہ قول پر؟؟

نیز مسئلہ کی علت، کتب کثیرہ سے نقل فتویٰ

اور مسئلہ ہذا سے متعلق امور پر مفصل فتویٰ

(۵۶۱) بچی کے حق پرورش سے متعلق تحقیقی فتویٰ

سؤال

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر میاں بیوی میں جدائی ہوجائے اوران کی نابالغہ بچی ہو تو بچی کی پرورش کا حق والدہ کو حاصل ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ماں کو پرورش کا حق نو سال تک ہوگا یا بلوغت تک؟ اس میں فتویٰ کس پر ہے؟ بعض اردو فتاویٰ احقر نے مطالعہ کئے تو ان میں بلوغت کے قول کو لیا گیا ہے اور بعض میں نو سال کے، بندہ مسئلہ میں تشفی حاصل کرنا چاہتا ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب

بچی یا بچے کے پرورش کے حق کو حضانت کہا جاتا ہے یعنی میاں بیوی میں جدائی کے بعد بچہ باپ کے ساتھ رہے گا یا ماں کے ساتھ؟ اسے حق حضانت کہتے ہیں۔ اتنی بات تو اتفاقی ہے کہ بچی چھوٹی عمر میں ماں کے پاس اور ایک حد پر پہنچنے کے بعد بچی کو باپ کی پرورش میں دیدیا جائے گا۔

یہ مدت کتنی ہو اس میں فقہ حنفی میں دو اقوال ہیں ایک قول بلوغت تک کا ہے اور ایک قول حد اشتہاء کا ہے۔ بلوغت کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کو حیض آجائے اور حیض نو یا دس یا پندرہ سال کی عمر تک پہنچنے تک کبھی بھی آسکتا ہے گویا بلوغت کی کوئی مقرر حد نہیں۔ حد اشتہاء کہتے ہیں کہ جب لڑکی مشتہاۃ یعنی شہوت کی حد تک پہنچ جائے جو کہ راجح قول کے مطابق نو سال ہے۔ الغرض مسئلہ میں یہ دونوں قول فقہ حنفی میں منقول ہیں پہلے قول کے مطابق لڑکی بلوغت تک اور دوسرے قول کے مطابق حد اشتہاء یعنی نو سال تک ماں کے پاس رہے گی اور پھر باپ کے حوالے کردی جائے گی۔

پہلا یعنی بلوغت والا قول ظاہر الروایۃ ہے جبکہ دوسرا قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے یہ اختلاف دراصل ماں، دادی اور نانی (اگر ماں نہ ہو) سے متعلق ہے ان تین کے علاوہ جتنی بھی عورتیں ہیں ان کے پاس بچی حد اشتہاء تک پہنچنے تک ہی رہے گی اور پھر باپ کے حوالے ہوگی البتہ ماں، دادی اور نانی سے متعلق ظاہر الروایۃ بلوغت تک کی ہے جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ماں، دادی اور نانی میں بھی حد اشتہاء پر ہی مدار رکھتے ہیں۔

مسئلہ ھذا میں بتصریح فقہاء امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ ہے تقریباً تمام شروح اور فتاویٰ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مفتی بہ اور صحیح قرار دیا گیا ہے، ظاہر الروایۃ کو ترجیح نہیں دی گئی۔ ہندیہ میں ہے:

"عن محمد رحمه الله تعالى إذا بلغت حد الشهوة فالأب أحق وهذا صحيح" (الهندية ۵۴۲/۱)

درمختار میں ہے:

"(والأم والجدة) لأم أو لأب (أحق بها) بالصغيرة (حتى تحيض) أي تبلغ في ظاهر الرواية... (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقدر بتسع وبه يفتى وبنت إحدى عشرة مشتهاة اتفاقا. زيلعي (وعن محمد أن الحكم في الأم والجدة كذلك) وبه يفتى لكثرة الفساد. زيلعي"

ردالمحتار میں اس کے تحت ہے:

"قوله (كذلك) أي في كونها أحق بها حتى تشتهي قوله (وبه يفتى) قال في البحر بعد نقل تصحيحه والحاصل أن الفتوى على خلاف ظاهر الرواية" (شامیه ۵۶۷/۳)

اسی طرح بحر (۴/۲۸۷)، تبیین (۳/۲۹۶)، مجمع الانھر (۲/۱۶۹)، نہر (۲/۵۰۲) وغیرہ کتب فقہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ نقل ہے۔ اصول فتویٰ کی روشنی میں جس قول سے متعلق "وبه يفتى" وغیرہ فتوی کے الفاظ آ جائیں اسے ہی لیا جاتا ہے، چاہے ظاہر الروایہ کے مقابلے میں ہو۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وحاصله: أن الحكم إن اتفق عليه أصحابنا يفتى به قطعا، وإلا فإما أن يصحح المشايخ أحد القولين فيه أو كلا منهما، أولا وإلا ففي الثالث يعتبر الترتيب، بأن يفتى بقول أبي حنيفة ثم بقول أبي يوسف إلخ، أو يعتبر قوة الدليل، وقد مر التوفيق، وفي الأول إن كان التصحيح بأفعل التفضيل خير المفتي، وإلا فلا، بل يفتى بالمصحح فقط" (شامية ۷۴/۱)

نیز امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول دیگر بعض وجوہ کی بنیاد پر بھی راجح معلوم ہوتا ہے اولاً تو حد اشتہاء جو کہ نو سال ہے اس نو سال کا دیگر احکام مثلاً مصاھرت اور رضاعت وغیرہ میں بھی اعتبار ہے نو سال سے کم عمر بچی کو شہوت سے ہاتھ لگانے سے مصاھرت ثابت نہیں ہوتی، زیادہ عمر میں ہو جاتی ہے، اسی طرح نو سال سے کم عمر بچی کا دودھ پی لینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی زیادہ عمر میں ہو جاتی ہے نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نو سال کی عمر میں رخصتی بھی اس پر دال ہے کہ وہ نو سال کی عمر میں بالغہ ہو چکی تھیں اور نو سال کی عمر کا لڑکی کے معاملات میں دخل ہے اگرچہ اس کی کسی نے صراحت نہیں کی البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا نص سنن کبری للبیہقی میں نقل ہے:

"عن عائشة رضى الله عنها أنها قالت اذا بلغت الجارية تسع سنين فهي امراة"

(سنن كبرى للبيهقي ۲۲/۲)

الغرض عورت سے متعلق نو سال کی عمر کا کافی دخل ہے اور راجح قول کے مطابق نو سال کی عمر میں لڑکی حد اشتہاء کو پہنچ جاتی ہے لہٰذا حضانت (پرورش) کے معاملے میں بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حد اشتہاء کے قول کو لینا اس اعتبار سے راجح معلوم ہوتا ہے۔

ایک وجہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ قول کے رجحان کی یہ بھی ہے کہ فقہاء نے ظاہر الروایۃ کے خلاف روایت محمد رحمۃ اللہ علیہ پر فتویٰ

دینے کی وجہ بھی تحریر فرمائی ہے "لکثرۃ الفساد" یعنی فسادِ زمان کے بڑھ جانے کی بناء پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حد اشتہاء والے قول پر فتوی دیا جائے گا اور فسادِ زمان بڑھ جانے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ لڑکی پر غلط نظر کریں گے اور ماں اسے سنبھال نہیں پائے گی لہٰذا نو سال کی عمر میں ہی باپ کے حوالے کر دیا جائے اب اسے باپ کی ضرورت ہے جبکہ بلوغت والے ظاہر الروایہ کے قول کے مطابق ممکن ہے لڑکی پندرہ سال کی عمر میں بالغہ ہو تو اس میں تاخیر اور لڑکی کیلئے مضرت ہے اس بنیاد پر قول محمد رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ ھذا میں مفتی بہ ہے۔

ہر شخص جان سکتا ہے کہ جب آج سے صدیوں قبل فقہاء نے یہ فرمایا ہے تو آج کے پر فتن دور میں کیسے ظاہر الروایۃ کو لیا جاسکتا ہے، آج تو بدرجہ اولیٰ روایتِ محمد رحمۃ اللہ علیہ پر فتویٰ دینا چاہیئے، جیسا کہ لڑکی کے ازخود غیر کفو میں نکاح کا مسئلہ ہے اس میں ظاہر الروایہ کے مطابق نکاح منعقد ہے فقط ولی کو اعتراض کا حق ہے لیکن فسادِ زمان کی بناء پر ہی وہاں روایتِ حسنؒ بن زیاد پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور نکاح کا لعدم قرار پاتا ہے، اس غیر کفو میں نکاح کے فساد پر تقریباً تمام فقہاء نے ظاہر الروایۃ کے برخلاف قولِ حسن بن زیاد پر فتویٰ نقل کیا ہے لہٰذا آج فسادِ زمان بڑھ جانے کی بناء پر اسی پر فتویٰ ہے بالکل اسی طرح مسئلہ حضانت میں بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ قول سے عدول کی کوئی وجہ نہیں۔

الغرض بے شمار فقہاء کا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر نقل فتویٰ، رضاعت اور مصاھرت میں بھی نو سال کی عمر کا اعتبار نیز امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ کی وجہ "لکثرۃ الفساد" کا آج بدرجہ اتم پایا جانا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کی بنیاد پر بندہ یہ سمجھتا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول فتویٰ کے لئے معین ہے اور ظاہر الروایۃ پر فتویٰ نقل کرنا اصولِ فتویٰ کی روشنی میں محل نظر معلوم ہوتا ہے۔

بعض حضرات نے مسئلہ ھذا میں ظاہر الروایۃ کو لیا ہے اور اپنے فتاویٰ میں ظاہر الرویہ پر فتویٰ دیا ہے۔ انہوں نے موسم کے تغیر سے بلوغت [اور حد اشتہاء] کے فرق کو مدار بنایا ہے، لیکن بندہ اس فرق کو محل نظر سمجھتا ہے مسئلہ واضح اور بے غبار ہے لڑکی کو حد اشتہاء نو سال کی عمر میں باپ کے حوالے کر دینے میں ہی لڑکی کا بھی فائدہ ہے فتنہ سے بھی نجات ہے اور سب سے بڑھ کر فقہاء کے جم غفیر نے اس پر فتویٰ نقل کیا ہے لہذا اس سے عدول محل نظر معلوم ہوتا ہے۔ جن حضرات نے موسم کے تغیر کے باعث حد اشتہاء کا تعین مشکل ہونے کی بناء پر ظاہر الروایۃ کو لیا ہے ان کی بات درج ذیل وجوہات کی بناء پر مخدوش ہے:

(۱) ظاہر الروایۃ میں مطلقاً بلوغ کا قول ہے، کسی کتاب میں اس کی یہ ترجیح ذکر نہیں [کہ حد اشتہاء کا تعین تغیر موسم کی بناء پر مشکل ہے لہٰذا ظاہر الروایۃ راجح ہو] جب کسی نے یہ وجہ ذکر نہیں کی تو یہ وجہ بتانا محل نظر ہے۔

(۲) اہل فتاویٰ کے جم غفیر نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول حد اشتہاء پر فتویٰ دیا ہے اصول فتویٰ کی روشنی میں اس سے عدول نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) رضاعت، مصاھرت وغیرہ میں نو سال والے قول پر ہی فتویٰ ہے یہاں ان احکام میں نو سال کی عمر مسلم ہے تو یہاں حضانت میں بھی مان لی جائے ورنہ وہاں بھی موسم کے تغیر کا قول کیا جائے۔

(۴) اگر موسم کے تغیرات کو لیا جائے تو بلوغ کی مدت وغیرہ میں بھی فرق آئے گا اور موسم کے تغیر سے اس کا تعین بھی مشکل ہوگا

لہٰذا احداشتہاء نوسال کے قول کو لے لیا جائے تو اس میں سہولت ہے۔

(۵) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر نقل فتوی کی جو وجہ "لکثرة الفساد" ذکر کی گئی ہے وہ ہمارے زمانے میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے لہٰذا نوسال کی عمر میں لڑکی کو باپ کے حوالے کر دینا ہی زیادہ بہتر ہے۔

لمافی سنن الکبری للبیہقی (۲۲/۸) باب السن التی وجدت المرأة حاضت :عن عائشة رضی الله عنها أنها قالت: إذا بلغت الجارية تسع سنين فهی امرأة۔

وفی المحیط البرهانی، کتاب الحدود(۴۴۴/۶)مکتبه ادارة القرآن: وهذا بخلاف ما اذا کانت المرأة مجنونة أو صبية يجامع مثلها کان على الرجل الحد۔

وفی الهندية (۲۷۵/۱): ويشترط أن تكون المرأة مشتهاة كذا في التبيين والفتوى على أن بنت تسع محل الشهوة لا ما دونها كذا في معراج الدراية ـ

وفيه ايضاً. باب الحضانة (۵۴۲/۱): وفی نوادر هشام عن محمد رحمه الله تعالى إذا بلغت حد الشهوة فالأب أحق وهذا صحيح۔

وفی الشامية (۳۷/۳):قوله (ليست بمشتهاة به يفتى) كذا في البحر عن الخانية ثم قال فأفاد أنه لا فرق بين أن تكون سمينة أو لا ولذا قال في المعراج بنت خمس لا تكون مشتهاة اتفاقا وبنت تسع فصاعدا مشتهاة اتفاقا وفيما بين الخمس والتسع اختلاف الرواية والمشايخ والأصح أنها لا تثبت الحرمة۔

وفی الدر المختار (۲۱۷/۳): (ولبن البكر بنت تسع سنين)فأكثر (محرم) وإلا لا۔

وفی الرد تحته:قوله (وإلا لا) أي وإن لم تبلغ تسع سنين فنزل لها لبن لا يحرم جوهرة لأنهم نصوا على أن اللبن لا يتصور إلا ممن تتصور منه الولادة۔

وفی الدر المختار أيضاً (۵۶۶/۳): (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقدر بتسع وبه يفتى وبنت إحدى عشرة مشتهاة اتفاقا زيلعي (وعن محمد أن الحكم في الأم والجدة كذلك) وبه يفتى لكثرة الفساد ـ

وفی الرد تحته: قوله(مشتهاة اتفاقا)بل في محرمات المنح بنت تسع فصاعدا مشتهاة اتفاقا سائحاني۔

(۵۶۲) ماں نہ ہو تو حق حضانت کس کو ہے؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی سگی بیٹی کرن زیب کی شادی محمد عمران شیخ ولد امیر الدین شیخ سے باہمی رضامندی سے کرائی تھی، جن کی صرف ایک ساڑھے تین سالہ بیٹی مریم ہے، میرے داماد کے بھائی اکثر جائیداد اور گھریلو مسائل میں ان سے جھگڑا کرتے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۸ فروری ۲۰۱۲ء کو میرے داماد کے بھائیوں نے میری بیٹی کرن اور داماد عمران کو گھر کے کمرے میں بند کر کے جلا کر قتل کر دیا۔ ان کی صرف ایک بیٹی مریم ہے اور دادا، دادی بھی وفات پا گئے ہیں۔ چاچا، تایا اور پھوپھی حیات ہیں، جبکہ ننھیال میں نانا، نانی، ماموں اور خالہ حیات ہیں، اب شریعت مطہرہ میں حقِ پرورش کا حق دار کون ہے، جبکہ ددھیال میں بچی کی پرورش اور زندگی محفوظ نہیں ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں بچی کی پرورش کا حق نو سال تک اس کی ماں کو ہوتا ہے چونکہ بچی کی ماں کو قتل کر دیا گیا لہٰذا اب پرورش کا حق اس کی نانی کو حاصل ہوگا۔

لما في الدر المختار(۵۶۲/۳) باب الحضانة: (ثم) أي بعد الأم بأن ماتت أو لم تقبل أو أسقطت حقها أو تزوجت بأجنبي (أم الأم) وإن علت عند عدم أهلية القربي (ثم أم الأب وإن علت) بالشرط المذكور--- (ثم) الأخت (لأب) ثم بنت الأخت لأبوين ثم لأم ثم لأب (ثم الخالات كذلك) أي لأبوين۔

(۵۶۳) عورت اگر بچیوں کے نامحرم سے نکاح کرلے تو حضانت کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص فوت ہو گیا، اس کے بعد اس کی ایک زوجہ دو لڑکیاں اور ایک بھائی اس کے وارث ہیں مرنے والا سرکاری ملازم تھا۔ سرکار نے یتیم لڑکیوں کیلئے مبلغ بارہ سو روپیہ وظیفہ مقرر کیا اور باقاعدہ دیتے رہے ہیں اور لڑکیوں کی والدہ نے دوسری شادی کر لی ہے۔ ان لڑکیوں کا چچا اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ چونکہ لڑکیوں کا چچا ہوں اب لڑکیاں میرے حوالہ کر دو، وہ اس سے لڑکیوں کا خرچہ مانگتی ہے۔ کیا شریعت میں وہ خرچہ کی مستحق ہے جبکہ سرکار کی طرف سے باقاعدہ خرچہ لیتی رہی ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... صورت مسئولہ میں لڑکیوں کی ماں نے اگر لڑکیوں کے غیر محرم سے نکاح کر لیا یا لڑکیوں کی عمر نو (۹) سال یا اس سے زائد ہو گئی ہے تو اس (یعنی لڑکیوں کی ماں) کے لئے ضروری ہے کہ وہ لڑکیوں کو ان کے چچا کے حوالے کر دے اور اس صورت میں اس کے لئے لڑکیوں کے چچا سے خرچہ مانگنا شرعاً درست نہیں۔

لما في الهندية(۵۶۴/۱): وإن كان الأب قد مات وترك أموالا وترك أولادا صغارا كانت نفقة

الأولاد من أنصبائهم وكذا كل ما يكون وارثا فنفقته في نصيبه وكذلك امرأة الميت تكون نفقتها في حصتها من الميراث حاملا كانت أو حائلا بعد هذا ينظر إن كان الميت قد أوصى إلى رجل فالوصي ينفق على الصغار من أنصبائهم۔

وفيه أيضاً(۱/۵۴۱): وإنما يبطل حق الحضانة لهؤلاء النسوة بالتزوج إذا تزوجن بأجنبي۔۔۔ وإذا وجب الانتزاع من النساء أو لم يكن للصبي امرأة من أهله يدفع إلى العصبة فيقدم الأب ثم أبو الأب وإن علا۔۔۔ثم العم لأب ۔الخ۔

وفى الدر المختار(۳/۶۱۲): (وتجب) النفقة بأنواعها على الحر (لطفله) يعم الأنثى والجمع (الفقير) الحر فإن نفقة المملوك على مالكه والغني في ماله الحاضر ۔۔۔ فلو كانا فقيرين فالأب يكتسب أو يتكفف وينفق عليهم ولو لم يتيسر أنفق عليهم القريب۔

وفى الرد تحته: (الفقير) أي إن لم يبلغ حد الكسب فإن بلغه كان للأب أو يؤجره أو يدفعه في حرفة ليكتسب وينفق عليه من كسبه۔۔۔ قوله (وينفق عليهم) أي على أولاده الصغار وقيل نفقتهم في بيت المال بحر۔

(۵۶۴) سات سال کے بعد بچے کے حق پرورش کی ایک صورت

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک بیٹا تھا جو فوت ہو گیا، اس سے میرا ایک پوتا ہے، جس کی عمر سات سال ہے، اب صورتحال یہ ہے کہ بچہ کی ماں اور نانی، نانا وغیرہ بچے کو مجھ سے ملنے نہیں دیتے۔ میں نے علماء کرام سے اس سلسلے میں استفتاء کیا تو معلوم ہوا کہ حق پرورش ماں کو سات سال تک ہے اس کے بعد یہ حق دادا وغیرہ کو حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ خود، دادا کے پاس آنے کو تیار نہ ہو یا نانا وغیرہ کی ذہن سازی کی بنا پر انکار کر رہا ہو تو کیا شریعت مطہرہ دادا کو یہ حق دیتی ہے کہ اسے جبراً اپنے پاس رکھے اور کیا سات سال کے بچے کا قول "نہ رہنے" کا یہ شرعاً معتبر ہوگا یا نہیں؟ براہ کرم جواب سے مستفید فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......شریعت میں بچے کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے سات سال تک اور سات سال کے بعد یہ حق پرورش باپ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور باپ کی عدم موجودگی میں یہ حق دادا کو حاصل ہوتا ہے پس صورت مسئولہ میں جیسا کہ مذکور ہے کہ وہ بچہ سات سال کا ہے تو اب اس کی پرورش کا حق باپ کی عدم موجودگی میں دادا کو حاصل ہے اور نانا وغیرہ کا بچے کو ورغلانا یہ شرعاً صحیح نہیں ہے نیز بلوغت سے قبل بچے کو یہ اختیار نہیں ہے کہ سات سال سے پہلے باپ کو اور سات سال کے بعد ماں یا نانا وغیرہ کو اختیار کرے۔

لما في الهندية(۱/۵۴۱): بخلاف الأب حيث يجبر على أخذه إذا امتنع بعد الاستغناء عن الأم كذا في

العيني شرح الكنز۔

وفيه أيضا (۵۴۲/۱): والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني وقدر بسبع سنين وقال القدوري حتى يأكل وحده ويشرب وحده ويستنجي وحده وقدره أبو بكر الرازي بتسع سنين والفتوى على الأول ۔۔۔ وبعدما استغنى الغلام وبلغت الجارية فالعصبة أولى يقدم الأقرب فالأقرب كذا في فتاوى قاضيخان۔

(۵۶۵) باپ فاسق، فاجر ہو تو بچے کو ماں رکھ سکتی ہے

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی کو تقریباً ۱۷ سال ہو چکے ہیں میرا شوہر پہلے صحیح تھا، مزدوری وغیرہ کرتا تھا جس سے ہمارا گزارا اچھا ہوتا تھا، تقریباً آٹھ نو سال تک تو وہ صحیح رہا، اس کے بعد وہ نشہ وغیرہ کا عادی ہو گیا۔ مزدوری وغیرہ کرنی بھی چھوڑ دی اور آوارہ قسم کے دوستوں کے ساتھ گھومنا پھرنا اس کا دن رات کا مشغلہ بن گیا اور گھر بار کی تمام چیزیں بھی بیچ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس شادی کے سلسلے میں ہمیں چار لڑکیاں بھی دی ہیں، میرے شوہر کی بے حیائی یہاں تک پہنچ گئی کہ اس سے یہ خطرہ ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو بیچ دے گا، بارہا اس نے اس پر اقدام بھی کیا مگر میرے والد صاحب اور بھائیوں نے میری بچیوں کی حفاظت کی، اب میں اپنی بچیوں کو لے کر آٹھ نو سال سے اپنے والد کے گھر رہ رہی ہوں۔

میرا شوہر مطالبہ کر رہا ہے کہ میری بچیاں مجھے واپس کر دو مگر میں اور میرے والد صاحب اس کو نہیں دے رہے کیونکہ وہ ان کو بیچ دے گا اب پوچھنا یہ ہے کہ میرے شوہر کا صحیح ہونا تو ممکن نہیں ہے، کیا میں اپنی ان بچیوں کو اس کو دے دوں؟ کیا وہ ان کو لینے کا حقدار ہے جبکہ اس کی حالت میں نے بیان کر دی، ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ آپ کو روکنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ کیا اس صورت میں اپنی ان بچیوں کو اس کے حوالے کر دوں یا اپنے پاس ہی رکھوں؟ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... نو سال کی عمر تک بچیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہوتا ہے، نو سال کے بعد ان کی پرورش اور شادی بیاہ کرانا باپ کے ذمہ ہوتا ہے۔ صورت مسئولہ میں چونکہ باپ فاسق فاجر ہے۔ بچیوں کو بیچنے کا بھی اندیشہ ہے تو آپ بچیوں کو اپنے پاس رکھ سکتی ہیں جب تک باپ توبہ تائب نہ ہو جائے۔

لمافي الشامية (۵۵۵/۳): قوله (تثبت للأم) ظاهره أن الحق لها ۔۔۔ (۵۶۴/۳) قوله: (سوى فاسق) استثناء من قوله ثم العصبات، قال في البحر ولا للعصبة الفاسق ولا إلى مولى العتاقة تحرزا عن الفتنة اهـ

وفيه أيضا (۵۶۶/۳): قوله (أي تبلغ) وبلوغها إما بالحيض أو الإنزال أو السن ط قال في البحر لأنها بعد الاستغناء تحتاج إلى معرفة آداب النساء والمرأة على ذلك أقدر وبعد البلوغ تحتاج إلى التحصين

والحفظ والأب فيه أقوى وأهدى۔

وفي الفقه الاسلامي (۷۳۱۱/۱۰): وقال الجمهور (الحنفية والشافعية والحنابلة): إذا سقطت الحضانة لمانع، ثم زال المانع، عادت الحضانة إلى صاحبها، سواء كان اضطرارياً كالمرض، أم اختيارياً كالزواج والسفر والفسق، لزوال المانع. لكن ذلك عند الحنفية في الحال بالنسبة للبائن ولو قبل انقضاء العدة، أما الرجعية فلا بد من انقضاء العدة فيها۔

(۵۶۶)والدین کے بعد بچے کی پرورش کا حقدار کون ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک گاڑی میں میاں بیوی اوران کا ایک چھوٹا لڑکا تھا کہیں جارہے تھے۔اسی سفر میں حادثہ ہوااور میاں بیوی دونوں کا اس میں انتقال ہوگیا جبکہ لڑکا صرف زخمی ہوگیا تھا۔اب پورے خاندان میں یہ جھگڑا چل رہا ہے کہ اس کی پرورش ہم کریں گے تو آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ ماں باپ کے بعد اولاد کی پرورش کا حق کس کو کس کے بعد حاصل ہوتا ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں اولاد کی پرورش کا حق سب سے پہلے ماں کو حاصل ہے اس کے بعد نانی کو پھر دادی کو پھر بہن کو پھران میں بھی سب سے پہلے حقیقی بہن کو پھر ماں شریک بہن کو پھر باپ شریک بہن کو پرورش کا حق حاصل ہے،اس کے بعد خالہ کو اسی ترتیب پرحق پرورش حاصل ہے اس کے بعد پھوپی کو اسی ترتیب پر۔اگران میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوتو پھر عصبہ کو وراثت کی ترتیب پرحق پرورش حاصل ہے۔اگر عصبہ بھی موجود نہ ہوں تو پھر ذوی الارحام کو حق پرورش حاصل ہے۔

لما في الدر المختار(۵۵۵/۳): باب الحضانة بفتح الحاء وكسرها تربية الولد (تثبت للأم)---

(۵۶۲/۳): (ثم)أي بعدالأم بأن ماتت أولم تقبل أو أسقطت حقهاأو تزوجت بأجنبي (أم الأم)۔الخ۔

(۵۶۷)سوتیلی نانی اور دادی میں سے پرورش کا حقدار کون ہوگا؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیٹی کا شوہر فوت ہوگیا ہے۔اب میری بیٹی اوراس کا بچہ یعنی (ہمارا نواسہ) ہمارے پاس ہے یعنی نانا اور نانی کے پاس اور نانی ہی زیادہ بچے کی پرورش کررہی ہے،اب میں اپنی بیٹی کی دوسری جگہ شادی کررہا ہوں،مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ نواسہ کی پرورش کا پہلا حق نانی کا ہے یا دادی کا اور نانی نواسہ کی بہترین پرورش کررہی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میری بیوی یعنی نواسہ کی نانی سوتیلی ہے لیکن سگی نانی سے زیادہ نواسہ کی پرورش کررہی ہے۔کیا سوتیلی نانی کا حق ایسا ہی ہے نواسہ کی پرورش کا جیسا سگی نانی کا حق ہے؟قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

(نوٹ: سوال میں جس نانی کا ذکر ہے وہ سوتیلی نانی ہے)

الجواب بعون الملک الوھاب...... بچے کی پرورش کی سب سے پہلی حقدار اُس کی والدہ ہے، اگر وہ فوت ہوجائے یا وہ کسی اجنبی شخص سے شادی کرلے تو اس کے بعد اس بچے کی پرورش کا حق اس کی سگی نانی کو ملتا ہے اور اگر وہ نہ ہو تو پھر اس کی دادی پرورش کا حق رکھتی ہے الخ لہٰذا صورت مسئولہ میں چونکہ بچے کی والدہ کی آپ دوسری جگہ (یعنی بچے کے نامحرم سے) شادی کررہے ہیں تو اس کی پرورش کا حق اس کی سگی نانی کو ملتا ہے، البتہ اگر بچے کے محرم سے شادی ہورہی ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط نہ ہوگا لیکن سگی نانی موجود نہیں تو اس لئے اس کے بعد اس بچے کی پرورش کا حق اس کی دادی کو ملے گا، لہٰذا دادی کے ہوتے ہوئے سوتیلی نانی کو پرورش کا حق حاصل نہیں۔

نوٹ: اگر دادی، سوتیلی نانی کی پرورش پر راضی ہو اور اپنا حق اُسے دینا چاہے تو سوتیلی نانی کا بچے کی پرورش کرنا بالکل درست بلکہ بہتر ہے کیونکہ وہ اچھے انداز سے بچے کی پرورش کررہی ہے۔

لمافی الهندية(۱/۵۴۱): الباب السادس عشر فی الحضانة: وإن لم يكن له أم تستحق الحضانة بأن كانت غير أهل للحضانة أو متزوجة بغير محرم أو ماتت فأم الأم أولى من كل واحدة وإن علت فإن لم يكن للأم أم فأم الأب أولى ممن سواها وإن علت كذا في فتح القدير۔

وفی الدر المختار(۳/۵۶۲) باب الحضانة: (ثم) أي بعد الأم بأن ماتت أو لم تقبل أو أسقطت حقها أو تزوجت بأجنبي (أم الأم) وإن علت عند عدم أهلية القربى (ثم أم الأب وإن علت) بالشرط المذكور وأما أم أبي الأم فتؤخر عن أم الأب بل عن الخالة أيضا بحر۔

(۵۶۸) تیرہ سالہ لڑکی کا حقدار ماموں ہے یا سوتیلی ماں؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی کے حقیقی والدین فوت ہوگئے اور چچا وغیرہ کوئی نہیں صرف سوتیلی ماں اور ماموں موجود ہیں۔ اب یہ کس کی پرورش میں ہوگی؟ لڑکی کی عمر ۱۳ سال ہے۔

الجواب بعون الملک الوھاب......ورثا عصبات (باپ دادا، چچا، بھتیجا وغیرہ) میں سے کسی کے نہ ہونے کی صورت میں جبکہ صرف سوتیلی ماں اور ماموں موجود ہیں تو حق اقرب کی بنا پر مذکورہ تیرہ سالہ لڑکی کی پرورش اور ذمہ داری کا استحقاق ماموں کو حاصل ہوگا البتہ ماموں اگر اکیلا ہو اور ممانی وغیرہ یا کوئی عورت ماموں کے گھر میں نہ ہو نیز سوتیلی ماں بھی بچے کی پرورش کی چاہت رکھتی ہو تو پھر بہتر یہ ہے کہ بچہ سوتیلی ماں کے حوالے کردیا جائے البتہ اگر سوتیلی ماں ہی بچے کو لینا نہیں چاہتی یا اس کی طرف سے بچے پر ظلم ہونا یقینی ہو تو ماموں ہی بچے کی کفالت کرے۔

لمافی المحيط البرهانی (۴/۳۵۷): والحاصل: أن هذه النفقة لا تجب إلا على ذي رحم محرم هو

أهل للإرث سواء كان وارثاً في هذه الحالة أو لم يكن، وعندالاستواء في المحرمية وأهلية الإرث يترجح من كان وارثاً حقيقة في هذه الحالة، حتى إنه إذا كان له عم وخال فالنفقة على العم لأنهما استويا في المحرمية، وترجح العم على الخال في هذه الحالة لكونه وارثاً حقيقة وكذلك إذا كان له عم وعمة وخالة فالنفقة على العم الموسر لا غير؛ لأنه ساواهما في المحرمية. والعم هو الوارث دونهما فتكون النفقة عليه، ولوكان العم معسراً فالنفقة على العمة والخالة أثلاثاً على قدر ميراثهما، ويجعل العم كالميت۔

وفي الدر المختار(۵۶۶/۳): (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقدر بتسع وبه يفتى۔

وفي الرد تحته: قوله (وبه يفتى) قال في البحر بعد نقل تصحيحه والحاصل أن الفتوى على خلاف ظاهر الرواية۔

(۵۶۹) منہ بولے بچے کی پرورش کے احکام

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بہن مجھ سے ایک بچی گود لینا چاہتی ہے تو کیا میں انہیں بچی گود دے سکتا ہوں، ان کے ہاں کوئی چھوٹا بچہ یا بچی نہیں ہے اس لئے وہ لینا چاہتی ہے اور اس طرح گود لینے کے کیا احکام ہیں اور کس کے نام سے اسے پکارا جائے گا وغیرہ وغیرہ بیان فرما کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......آپ کی بہن آپ سے بچی گود لے سکتی ہے لیکن گود لینے سے آپ کی بہن اور بہنوئی اس بچی کے ماں باپ نہیں کہلائیں گے بلکہ حقیقی ماں باپ تو آپ اور آپ کی بیوی ہیں اور آپ ہی رہیں گے اور ولدیت میں آپ ہی کا نام لکھا جائے گا اور وہ تمام احکام مثلاً وراثت وغیرہ جو آپ کے اور بچوں کیلئے ہیں وہ اس بچی کیلئے بھی ہوں گے۔ آپ کے بہنوئی جو رشتہ میں اس بچی کے پھوپھا ہوئے، آگے چل کر ان سے اس بچی کا پردہ ہوگا اگرچہ وہ ان کے ہاتھوں میں کھیلی ہے اور انہوں نے ہی اس کی پرورش کی ہے، ہاں اگر آپ کے بہنوئی اپنی بہن، بھانجی، بھتیجی وغیرہ میں سے کسی سے اس بچی کو دودھ پلوادیں (بشرطیکہ بچی کی عمر دو سال سے زیادہ نہ ہوئی ہو) تو وہ اس بچی کے محرم ہو جائیں گے اور پھر پردہ وغیرہ کے احکام نہ رہیں گے۔

لما في القرآن الكريم (الأحزاب:۵): أُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔

وفي الدر المختار، كتاب الحج (۴۶۴/۲)(و) مع (زوج أو محرم) ولو عبدا أو ذميا أو برضاع۔

وفي الرد تحته: قوله (ولو عبدا) راجع لكل من الزوج والمحرم وقوله أو ذميا أو برضاع يختص

بالمحرم كما لا يخفى ح لكن نقل السيد أبو السعود عن نفقات البزازية لا تسافر بأخيها رضاعا في زماننا اهـ أي لغلبة الفساد قلت ويؤيده كراهة الخلوة بها كالصهرة الشابة فينبغي استثناء الصهرة الشابة هنا أيضا لأن السفر كالخلوة۔

وفی الفقه الاسلامی (۱۰/۷۲۴۹)الباب الثالث حقوق الأولاد:فمن تبنى لقيطاً أو مجهول النسب دون أن يدعي أنه ولده، لم يكن ولده حقيقة، فلا يثبت التوارث بينهما، ولا تجري عليه أحكام التحريم بالقرابة۔

(۵۷۰) بچے کی پرورش سے متعلق چند مسائل کا حکم

سوال......مفتی صاحب!درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) اگر میاں، بیوی کے درمیان جدائی ہوجائے اور ان کی ایک سوا سال کی بچی بھی ہوتو یہ بچی کس کے پاس رہے گی؟ باپ، دادی یا ماں، نانا، نانی وغیرہ کے پاس؟

(۲) اگر وہ بچی ماں کے پاس رہے تو اس کے باپ کو اپنے بچہ پر شریعت کی جانب سے کتنا اختیار حاصل ہوتا ہے؟ مذکورہ مسئلہ سے متعلق چند جزئی سوالات مندرجہ ذیل ہیں؟

۱)......کیا باپ اپنی بچی سے ملاقات کرسکتا ہے یا نہیں؟

۲)......اگر باپ چاہے تو کچھ دیر کیلئے اپنی بچی کو اپنے ساتھ گھمانے پھرانے یا دادی، پھوپھیوں وغیرہ سے ملوانے لے جاسکتا ہے یا نہیں؟

۳)......اس بچی کا خرچہ جبکہ وہ اپنی ماں، نانا، نانی اور ماموؤں کے ساتھ رہتی ہو، کس کے ذمہ واجب ہوگا؟

۴)......ہفتہ یا مہینہ میں باپ کتنی مرتبہ اپنی بچی سے ملنے جاسکتا ہے؟

۵)......اس بچی کی تعلیم وتربیت اور پرورش وغیرہ کے سلسلے میں بچی کے باپ سے مشورہ لینا ضروری ہوگا یا نانا، نانی وغیرہ کو مکمل اختیار حاصل ہوگا کہ جو چاہیں کریں؟

۶)......وہ بچی ہمیشہ اپنی ماں، نانا، نانی وغیرہ کے پاس رہے گی یا باپ کے گھر بھی آسکے گی؟

۷)......بچی کو کتنی مدت تک باپ سے جدا رکھا جائے گا؟

۸)......اپنی ماں کے ساتھ رہنے کی صورت میں اگر بچی کی ماں، نانا، نانی، ماموں وغیرہ اسے کہیں دور یا شہر سے باہر لے جانا چاہیں یا بھیجنا چاہیں تو کیا اس صورت میں باپ سے اجازت لینا ضروری ہوگا یا نہیں؟

۹)......اگر باپ کی طرف سے بچی کو کہیں دور یا شہر سے باہر لے جانے کی اجازت نہ ہو اور ماں، نانا، نانی وغیرہ وہاں ضرورۃً

جانا چاہیں تو اس دوران بچی کس کے پاس رہے گی؟

۱۰)......اگر بچی کی ماں یا اس کے گھر والے بچی کے باپ یا اس کے گھر والوں کو بچی سے نہ ملنے دیں تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

۱۱)......بچی کے مختلف اقسام کے معاملات وغیرہ میں فیصلہ کرنے کا حق اس کے ننھیال والوں کو ہوتا ہے یا ددھیال والوں کو؟

۱۲)......اگر بچی کی ماں یا نانا نانی وغیرہ اس کے ذہن میں باپ یا اس کے گھر والوں کے خلاف نفرت بٹھانے والی چیزیں بھریں (اس سے قطع نظر وہ درست ہوں یا غلط) تاکہ وہ بچی آئندہ زندگی میں ان سے نفرت کرے اور ان کے پاس رہنے کو رضامند نہ ہو تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

۱۳)......اگر بچی کی ماں، بچی کے غیر محرم سے شادی کرے تو پرورش کا حق کس کو حاصل ہوگا اور کب تک حاصل ہوگا؟

الجواب بعون الملک الوھاب......(۱)۔مذکورہ صورت میں بچی ۹ سال کی عمر تک ماں کے پاس ہی رہے گی جب بچی ۹ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کے بعد باپ کے پاس رہے گی۔

(۲)۔ماں کو اپنے بچے کا صرف حق پرورش حاصل ہوتا ہے اس کے علاوہ باقی اختیارات "مثلاً بلوغت سے پہلے نکاح کرنا وغیرہ" باپ کو حاصل ہوتے ہیں۔

جزئی سوالات کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:

۱)......باپ اپنی بچی سے ملاقات کرسکتا ہے۔

۲)......باپ اگر بچی کو دادی پھوپھیوں سے ملانا چاہے تو کوئی حرج نہیں۔باپ کے بچی کو کہیں لے جانے میں بچی کی تربیت یا پرورش میں کوئی حرج آئے تو اس صورت میں لے جانے کی اجازت نہیں ورنہ اجازت ہے۔

۳)......اس بچی کا خرچہ باپ پر ہوگا۔

۴)......باپ بچی سے جب بھی ملنا چاہے اگرچہ ہر روز ہی کیوں نہ ہو تو اس کی شرعاً اجازت ہے۔

۵)......بچی کی تربیت و پرورش کے امور میں ماں کو مکمل اختیار ہے۔

۶)......بچی ۹ سال کی عمر تک ماں کے پاس رہے گی اس کے بعد باپ کے پاس۔

۷)......۹ سال کی عمر تک باپ سے جدا رہے گی یعنی ماں کے پاس رہے گی۔

۸)......ماں کو شریعت نے بچی کو اپنے پاس رکھنے کا اختیار اس لئے دیا ہے تاکہ وہ اس کی اچھی تربیت کرے ماں کو چاہیئے کہ بچی کو اپنے سے جدا نہ کرے اگر بچی کو لے کر ماں کہیں اور جانا چاہتی ہے تو اتنا دور تک لے جاسکتی ہے کہ باپ اگر روزانہ اپنی بچی سے ملنا چاہے تو مل کر رات تک اپنے گھر واپس پہنچ سکے۔اگر اس سے بھی زیادہ دور لے جانا چاہتی ہے تو بچی کے والد سے اجازت لینا ضروری ہوگا بغیر اجازت لے جانا درست نہ ہوگا۔

۹)...... مذکورہ صورت میں بچی اپنی دادی کے پاس رہے گی۔

۱۰)...... اگر بچی کی ماں یا اس کے گھر والے بچی کے باپ یا اس کے گھر والوں کو بچی سے نہ ملنے دیں تو اس بارے میں شریعت کی طرف سے ماں اور اس کے گھر والوں کو اس کا کوئی اختیار نہیں۔

۱۱)...... مختلف قسم "مثلاً نکاح وغیرہ" کے معاملات میں فیصلہ کرنے کا حق بہر صورت بچی کے والد کو ہوتا ہے۔

۱۲)...... اگر بچی کے ذہن میں اس قسم کی غلط باتیں ڈالیں تو یہ بہتان ہوگا اور اگر درست باتیں ڈالیں تو یہ غیبت ہوگی، دونوں حرام ہیں۔

۱۳)...... اگر بچی کی ماں بچی کے غیر محرم سے شادی کرے تو ۹ سال کی عمر تک پرورش کا حق نانی کو حاصل ہوگا۔ اگر نانی انکار کرے تو دادی کو حق پرورش حاصل ہوگا۔

لمافی الدرالمختار(۳/۵۵۵) : باب الحضانة بفتح الحاء وكسرها تربية الولد (تثبت للأم)۔

وفيه أيضاً(۳/۵٦۱): (أجرة الحضانة إذا لم تكن منكوحة ولا معتدة لأبيه) وهي غير أجرة إرضاعه ونفقته۔

وفى الرد تحته: قوله (وهي غير أجرة إرْضاعه ونفقته) قال في البحر فعلى هذا يجب على الأب ثلاثة أجرة الرضاع وأجرة الحضانة ونفقة الولد اهو مثله في الشرنبلالية۔

وفيه أيضاً(۳/۵٦۳): ثم بعد الأم --- (أم الأم) --- (ثم أم الأب وإن علت)۔

وفيه أيضاً(۳/۵٦۵): (والحضانة يسقط حقها بنكاح غير محرمه) الصغير۔

وفيه أيضاً: (والأم والجدة) لأم أو لأب (أحق بها) بالصغيرة (حتى تحيض) أي تبلغ في ظاهر الرواية ولو اختلفا في حيضها فالقول للأم، بحر بحثا وأقول ينبغي أن يحكم سنها ويعمل بالغالب وعند مالك حتى يحتلم الغلام وتتزوج الصغيرة ويدخل بها الزوج عيني (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقدر بتسع وبه يفتى وبنت إحدى عشرة مشتهاة اتفاقا زيلعي (وعن محمد أن الحكم في الأم والجدة كذلك) وبه يفتى لكثرة الفساد، زيلعي۔

وفى الشامية (۳/۵۷۰): والحاصل أن عبارة المتن والشرح في غاية الخفاء مع التطويل فالأظهر والأخصر أن يقال وللمطلقة الخروج بالولد من قرية إلى مصر قريبة لا عكسه۔

(۵۷۱) یتیم کے مال کا ولی کون ہوگا؟

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بچی جو نابالغہ ہے اس کے والد کا انتقال ہو گیا تو اس کو

جو میراث ملے گی اس کا ولی کون ہوگا؟ نیز یہ بتایئے کہ ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے تو وہ عورت اسی گھر میں عدت پوری ہونے کے بعد رہے گی یا نہیں؟ نیز اس بچی کی پرورش کا حق کس کو ہے؟ (نوٹ: بچی کے دادا حیات ہیں۔)

الجواب بعون الملک الوھاب...... (۱) نابالغ کے مال کی ولایت باپ کے بعد اس کے وصی (جس کو والد نے بچی کی دیکھ بھال کیلئے مقرر کیا ہو) کو حاصل ہوتی ہے اور اگر باپ نے کوئی وصی نہیں بنایا تو دادا کو حاصل ہوتی ہے اور دادا کے بعد دادا کے وصی کو لہٰذا صورت مسئولہ میں بچی کے مرحوم والد نے اگر کسی کو مقرر کیا ہے تو بچی کے مال کی ولایت اسی کو حاصل ہے اور اگر کسی کو وصی مقرر نہیں کیا تو بچی کے دادا کو حاصل ہے۔

(۲) عورت چونکہ اپنے شوہر کی وارث ہوتی ہے لہٰذا اگر وہ مکان شوہر کا تھا اور عورت اور اس کے بچے ہی اس مکان کے وارث ہیں تو وہ اسی گھر میں رہیں گے، اور اگر مکان شوہر کا نہیں تھا اور عورت کا اس گھر میں کوئی حصہ نہیں ہے تو دیگر اہل خانہ (جو اس مکان کے مالک ہیں) کی اجازت سے عورت اس گھر میں رہ سکتی ہے بشرطیکہ اس کی عزت وآبرو اور جان ومال کو کوئی خطرہ نہ ہو۔

(۳) نابالغہ بچی کی پرورش کا حق ۹ سال کی عمر تک اس کی ماں کو حاصل ہے بشرطیکہ ماں ایسی فاجرہ نہ ہو جس سے بچی کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اور بچی کے غیر محرم سے شادی بھی نہ کرے۔

۹ سال کی عمر کے بعد بچی کے دادا کو حق ہے کہ وہ بچی کو اپنے زیرِ پرورش لے لے اور دادا کی عدم موجودگی کی صورت میں چچا کو یہ حق حاصل ہے بشرطیکہ وہ فاسق وفاجر نہ ہو البتہ جب تک بچی اپنی والدہ کے پاس رہے گی تو اس کے تمام اخراجات بچی کے دادا بچی کے مال سے ادا کریں گے۔

لمافی الدرالمختار(۵۶۶/۳) (باب الحضانة) :(والأم والجدة) لأم أو لأب (أحق بها) بالصغيرة (حتى تحيض) أي تبلغ في ظاهر الرواية ولو اختلفا في حيضها فالقول للأم ، بحر بحثا وأقول ينبغي أن يحكم سنها ويعمل بالغالب وعند مالك حتى يحتلم الغلام وتتزوج الصغيرة ويدخل بها الزوج عيني (وغيرهما أحق بها حتى تشتهي) وقدر بتسع وبه يفتى وبنت إحدى عشرة مشتهاة اتفاقا زيلعي (وعن محمد أن الحكم في الأم والجدة كذلك) وبه يفتى لكثرة الفساد. زيلعي۔

وفى الرد تحته: قوله (وبه يفتى) قال في البحر بعد نقل تصحيحه والحاصل أن الفتوى على خلاف ظاهر الرواية۔

وفى الشامية (۷۶/۳): قوله (لا المال) فإن الولي فيه الأب ووصيه والجد ووصيه والقاضي ونائبه فقط ح۔

باب فی متفرقات الطلاق

(متفرقاتِ طلاق کا بیان)

(۵۷۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کی طلاقوں کی تحقیق

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کو طلاق دی تھی؟ نیز خلفاء راشدین میں سے کسی کا اپنی بیوی کو طلاق دینا ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو پھر طلاق تو ایک مبغوض ترین عمل ہے یہ ان حضرات سے کیسے واقع ہوسکتا ہے؟ براہ کرم بحوالہ جواب سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات میں سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تھی اور پھر رجوع کرلیا تھا۔ اسی طرح ابنۃ الجون کے متعلق بھی روایات میں ذکر ہے کہ ابنۃ الجون جس کا نام امیمہ بنت شراحیل تھا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیا اور جب اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو اس نے کچھ نامناسب اور نازیبا الفاظ کہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو طلاق دی تھی اور اس عورت کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا ذہنی توازن درست نہیں تھا۔ اسی طرح خلفاء راشدین میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت (اسلام سے پہلے) میں اپنی ایک بیوی جس کا نام قتیلہ تھا کو طلاق دی تھی اور یہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی والدہ تھیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تین بیویوں کو طلاق دی تھی جن میں سے ایک کا نام جمیلہ بنت ثابت بن ابی الاقلح الانصاریہ تھا اور یہ عاصم بن ثابت کی بہن تھیں اور اس کے علاوہ دو بیویاں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق دی تھی ان میں سے ایک کا نام قریبہ بنت ابی امیۃ جبکہ دوسری کا نام امّ کلثوم بنت عمرو تھا اور یہ دونوں مشرکہ تھیں اور شرک پر ہی مری تھیں اور ان دونوں کی طلاقوں کا سبب یہ بنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وَلَا تُمْسِکُوْا بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ" (ترجمہ) "اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو" تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ان دونوں بیویوں کو طلاق دے دی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق باوجود تتبع اور تلاش کے کہیں صراحت نہیں ملی کہ انہوں نے اپنی کسی بیوی کو طلاق دی ہو۔ باقی آپ کا یہ اشکال کہ یہ مبغوض عمل ان حضرات سے کیسے واقع ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے تو مشرکہ عورتوں کو طلاق دے کر علیحدہ کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کو جو طلاق دی تھی وہ یا تو بیان جواز کیلئے تھی یا یہ کہ طلاق ہر حالت میں مبغوض نہیں بلکہ اگر ضرورت پڑے اور ساتھ رہنے کی تمام کوششیں ناکام ہوگئی ہوں تو ایک طلاق رجعی دے کر علیحدہ کردینا

ہی پسندیدہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو رجوع بھی فرمالیا لہٰذا یہ طلاق تھی ہی نہیں۔

لمافی سنن ابی داؤد (۱/۳۱۱): باب فی المراجعة: عن ابن عباس رضی الله عنهما عن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم طلق حفصة ثم راجعها۔

وفي أسد الغابة (۷/۵۹): جميلة بِنْت ثابت بن أبي الأقلح: جميلة بِنْت ثابت بن أبي الأقلح الأنصارية، أخت عاصم بن ثابت، امْرَأَة عُمر بن الخطّاب، تكنّى أم عاصم بابنها عاصم بن عُمر بن الخطاب، سمته باسم أخيها روى حماد بن سلمة، عن عُبَيْد الله بن عُمر، عن نافع، عن ابن عُمر رضی اللہ عنہ: أنها كان اسمها عاصية، فلما أسلمت سمّاها رسول الله صلّى الله عليه وسلّم جميلة تزوجها عُمر سنة سبع من الهجرة، فولدت له عاصماً، ثم طلقها عُمر فتزوجها يزيد بن جارية۔

وفي صحيح البخاری (۲/۷۹۰): حدثنا الحميدي حدثنا الوليد حدثنا الأوزاعي قال سألت الزهري أي أزواج النبي صلى الله عليه وسلم استعاذت منه قال أخبرني عروة عن عائشة رضي الله عنها أن ابنة الجون لما أدخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم ودنا منها قالت أعوذ بالله منك فقال لها لقد عذت بعظيم الحقي بأهلك۔

وفي التفسير المظهری (۹/۲۶۴): قال البغوي قال الزهري فلما نزلت هذه الآية طلق عمر بن الخطاب امرأتين بمكة مشركتين قرينة بنت أبي امية بن المغيرة فتزوجها بعده معاوية بن أبي سفيان وهما على شركهما بمكة والأخرى أم كلثوم بنت عمرو بن جردل الخزاعية أم عبد الله بن عمر رضی الله عنهما فتزوجها أبو جهيم بن حذافة ابن غانم وهما على شركهما۔

وفي الجامع لأحكام القرآن للقرطبی (۹/۵۹): (سورة الممتحنة) روى عامر بن عبد الله بن الزبير عن أبيه: أن أبا بكر الصديق طلق امرأته قتيلة في الجاهلية، وهي أم أسماء بنت أبي بكر۔

وفي طبقات ابن سعد (۶/۱۰۵): عن أبي مناح قال: قال استعاذت من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وكانت قد دلهت وذهب عقلها۔

(۵۷۳) عورت کا مرد کیلئے زینت اختیار کرنے اور جیب خرچی کا حکم نیز آئی برو وغیرہ بنوانا

سوال...... مفتی صاحب! درج ذیل سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) شوہر تمام اخراجات پورے کرے مگر بیوی کو جیب خرچی نہ دے تو شوہر کی جیب سے پیسے نکالنا یا بغیر اجازت جیب میں ہاتھ ڈالنا ٹھیک ہے کہ غلط؟

(۲) میری بہن کی شادی کو ۳ سال ہو گئے ہیں ۲ بچے ہیں مگر اس کا شوہر کوئی کام نہیں کرتا۔ ۳ سال سے گھر کا کرایہ، کپڑے، کھانا پینا، بچوں کا دودھ، بہن کی ڈیلوری کا خرچہ وغیرہ سب میرے والدین پورا کرتے آئے ہیں، جب بھی بہن کام کیلئے کہتی ہے تو اسے مارتا پیٹتا ہے۔ مالک مکان بتاتے ہیں کہ وہ آپ کی بیٹی کو بہت بے دردی سے مارتا ہے مگر میری بہن کچھ نہیں بتاتی، وہ بچوں کی وجہ سے اُسے نہیں چھوڑتی کیونکہ اُسے ڈر ہے کہ بچے لے جائے گا۔ ہم اُس سے طلاق لینے کا کہتے ہیں وہ منع کرتی ہے، اُس کا شوہر بہت ظلم کرتا ہے۔ کیا ہمارا اُسے طلاق کا کہنا ٹھیک ہے یا غلط؟

(۳) آئی برو، اَپر لپ، ہاتھ پیر کے بال صاف کرنا گناہ ہے یا نہیں؟ اَپر لپ کے بال موٹے موٹے ہیں، جبکہ میرے شوہر جب کسی لڑکی کو دیکھتے ہیں جو یہ سب کرواتی ہے اُنہیں اچھی لگتی ہے۔ بولتے ہیں کیسی اچھی ہے۔ جب میں اُن سے کہتی ہوں آپ ایسی پسند کرتے ہیں تو میں بھی آپ کیلئے یہ سب کر لیتی ہوں تو منع کرتے ہیں کہ تم ایسی ہی ٹھیک ہو۔ کیا میں اپنے شوہر کیلئے یہ سب کر سکتی ہوں؟ اور بالوں کی نوکیں کٹوانا بھی کیا گناہ ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب...... (۱) شوہر پر بیوی کیلئے تمام ضروریات مہیا کرنا لازم ہے، چاہے وہ جس قبیل سے بھی ہوں البتہ اگر اختلاف اور جھگڑے حدود سے تجاوز کر جائیں تو قضاءً شوہر پر جو اخراجات نکاح کی وجہ سے فرض ہیں وہ رہائش، کھانا اور کپڑے وغیرہ ہیں۔ ان چیزوں کا تو ہر حال میں مہیا کرنا شوہر پر فرض ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں شوہر کی جیب سے پیسے نکالنا یا بغیر اجازت کے جیب میں ہاتھ ڈالنا ٹھیک نہیں ہے، البتہ اگر شوہر ان تینوں چیزوں کپڑا، رہائش اور کھانے کے دینے میں کوتاہی کر رہا ہو تو پھر بیوی کیلئے معروف طریقے سے ان اشیاء کیلئے شوہر کی جیب سے پیسے نکالنے کی گنجائش ہے۔

(۲) طلاق اگرچہ مباح اور جائز ہے تاہم پھر بھی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ میاں بیوی کو چاہیئے کہ طلاق دینے اور لینے میں مسارعت اور جلدی نہ کریں کیونکہ عام طور پر طلاق واقع ہونے کے بعد ندامت اور پشیمانی ہوا کرتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی بہن کا شوہر ترکِ واجب (یعنی نان نفقہ نہ دینے) اور ظلم کرنے کی وجہ سے سخت گناہگار ہے اور بلاوجہ اپنی بیوی کو مارنا بے مروتی اور بے غیرتی کی بات ہے۔ بیشک آپ کی بہن کو اجازت ہے کہ وہ شوہر کو طلاق دینے پر آمادہ کرے یا خلع لے، لیکن چونکہ آپ کی بہن اس کے ساتھ رہنے پر راضی ہے اور صبر کر سکتی ہے لہٰذا آپ اس کے شوہر کو سمجھا بجھا کر طلاق دینے پر آمادہ کرنے کے بجائے اس کو خوفِ خدا اور آخرت کی فکر، حکمت اور نرمی کے ساتھ یاد دلائیں، خصوصاً جبکہ شوہر حق زوجیت ادا کر رہا ہے (یعنی نامرد نہیں ہے) اور ماشاء اللہ آپ کے والدین آپ کی بہن کی تمام ضروریات کے اخراجات بھی ادا کر رہے ہیں لہٰذا افہام تفہیم سے مسائل حل کرنے کی کوشش کی جائے۔

(۳) عورتوں کا بناؤ سنگھار اگر شریعت کی حدود میں ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آئی برو بنوانا فطری اور پیدائشی انسانی ہیئت کے خلاف ہے، اس لئے یہ جائز نہیں ہے۔ ہاں قینچی کی مدد سے زائد بالوں کو کاٹنا ٹھیک ہے۔

لمبے اور گھنے بال عورتوں کیلئے زینت کا باعث ہیں چنانچہ آسمانوں پر فرشتے یہ تسبیح بھی پڑھتے ہیں "سبحان من زین

الرجال باللحی وزین النساء بالذوائب" پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کوداڑھی سے زینت بخشی اور عورتوں کو لٹوں اور چوٹیوں سے لہٰذا سر کے بالوں کی نوکیں کاٹنا اگر بالوں کو چھوٹا کرنے کی غرض سے ہے تب تو نا جائز ہے اور اگر مزید بڑھانے کی غرض سے کاٹنا ہے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ باقی اَپرلپ، ہاتھ اور پیر کے بالوں کو صاف کرنا عورتوں کو شوہروں کے لئے زینت کی خاطر درست ہے۔

لمافی المشكوة (ص۲۹۰): عن عائشة رضي الله عنها قالت : إن هندا بنت عتبة قالت : يا رسول الله إن أبا سفيان رجل شحيح وليس يعطيني ما يكفيني وولدي إلا ما أخذت منه وهو يعلم فقال : " خذي ما يكفيك وولدك بالمعروف"

وفی التفسير روح المعانی (۲۲۲/۱): ومن تسبيح الملائكة: سبحان من زين الرجال باللحى وزين النساء بالذوائب۔

وفی الهندية (۵۴۹/۱): والنفقة الواجبة المأكول والملبوس والسكنى أما المأكول فالدقيق والماء والملح والحطب والدهن كذا في التتارخانية وكما يفرض لها قدر الكفاية من الطعام كذلك من الآدام كذا في فتح القدير ويجب لها ما تنظف به وتزيل الوسخ كالمشط والدهن وما تغسل به من السدر والخطمي وما تزيل به الدرن كالأشنان والصابون على عادة أهل البلد وأما ما يقصد به التلذذ والاستمتاع مثل الخضاب والكحل فلا يلزمه بل هو على اختياره إن شاء هيأه لها وإن شاء تركه۔

وفی الشامية (۵۸۰/۳):وفي البزازية ولا تفرض لها الفاكهة ـــ تنبيه قد علم مما ذكر أنه لا يلزمه لها القهوة والدخان وإن تضررت بتركهما لأن ذلك إن كان من قبيل الدواء أو من قبيل التفكه فكل من الدواء والتفكه لا يلزمه كماعلمت ـ

وفی الشامية أيضا(۳۷۳/۶): قوله (والنامصة إلخ) ذكره في الاختيار أيضا وفي المغرب : النمص نتف الشعر ومنه المنماص المنقاش اه ولعله محمول على ما إذا فعلته لتتزين للأجانب والا فلو كان في وجهها شعر ينفر زوجها عنها بسببه ففي تحريم إزالته بعد لأن الزينة للنساء مطلوبة للتحسين إلا أن يحمل على ما لا ضرورة إليه لما في نتفه بالمنماص من الإيذاء وفي تبيين المحارم إزالة الشعر من الوجه حرام إلا إذا نبت للمرأة لحية أو شوارب فلا تحرم إزالته بل تستحب اه۔

وفي التاترخانية عن المضمرات ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه ما لم يشبه المخنث اه۔

وفی الدر المختار (۴۰۷/۶): وفيه قطعت شعر رأسها أثمت ولعنت زاد في البزازية وإن بإذن

الزوج لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته والمعنى المؤثر التشبه بالرجال اھ۔

(۵۷۴) نابالغ اولاد کا کتنا خرچہ والد پر لازم ہے

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر عورت طلاق کے بعد چھوٹے بچوں کی پرورش کرے تو ان بچوں کا خرچہ شوہر سے لیا جائے گا یا نہیں؟ اگر لیا جائے گا تو اس میں کون کون سا خرچہ شامل ہوگا؟ مثلاً کھانے پینے کا، علاج معالجہ کا، کہیں لانے لے جانے کا وغیرہ۔ یہ سب شامل ہوں گے یا صرف کھانے اور کپڑوں وغیرہ کا خرچہ ہوگا؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں والد پر حسبِ حیثیت اپنی اولاد کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنا لازم ہے لہٰذا اولاد کا مکمل خرچہ باپ کے ذمے ہوگا۔

لما فی احکام القرآن لابن العربي (۱/۲۷۴):المسألة الرابعة : قوله تعالى :{ وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف } دليل على وجوب نفقة الولد على الوالد لعجزه وضعفه فجعل الله تعالى ذلك على يدي أبيه لقرابته منه وشفقته عليه؛ وسمى الله تعالى الأم لأن الغذاء يصل إليه بوساطتها في الرضاعة، كما قال تعالى: { وإن كن أولات حمل فأنفقوا عليهن } لأن الغذاء لا يصل إلى الحمل إلا بوساطتهن في الرضاعة وهذا باب من أصول الفقه وهو أن ما لا يتم الواجب إلا به واجب مثله۔

و فی الخانية على هامش الهندية(۱/۴۴۵): نفقة الأولاد الصغار والأناث المعسرات على الأب لا يشاركه فی ذلك أحد ولا تسقط بفقره ولا يجب عليه نفقة الذكور الكبار إلا أن يكون الولد عاجزا عن الكسب لزمانة أو مرض فتكون نفقته على والده۔

وفی الشامية (۳/۶۰۴): قوله (وطفله) أي الفقير الحر ط قوله (ومثله كبير زمن) المراد به الابن العاجز عن الكسب لمرض أو غيره كما سيأتي بيانه۔

(۵۷۵) کیا بیوی کو والدین کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے؟

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کا چار بھائیوں میں چوتھا نمبر ہے، زید کرائے کے مکان میں اپنے ماں باپ، بیوی، ایک بھابھی اور تیسرے نمبر کے بھائی بکر (جو کہ شادی شدہ نہیں ہے) کے ساتھ رہتا ہے۔ زید کے بڑے دو بھائی اور زید مل کر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس گھر کا کرایہ اور خرچہ چلاتے ہیں۔ بکر چرس کا نشہ کرتا ہے اور کوئی کام نہیں کرتا، اس کو گھر

میں ایک کمرہ اور باتھ روم ملا ہوا ہے وہاں پڑا رہتا ہے، سوتا رہتا ہے یا بیٹھا رہتا ہے۔ اس کو بہت سمجھایا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آیا، اس سے گھر میں سب پریشان ہیں اس کو کوئی محتاجی بھی نہیں ہے۔ جب زید کی شادی ہوئی تو چند مہینے صحیح گزرے لیکن اس کے بعد بکر نے زید کی بیوی کو طرح طرح کی باتیں کہنا شروع کر دیں اور گالیاں دینا شروع کر دیں، فضول کی نفرت کا اظہار کرنے لگا جبکہ زید کی بیوی بکر سے پردہ بھی کرتی ہے، اس کے سامنے آنے کی بالکل کوشش نہیں کرتی اور نہ ہی اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

جب یہ گالیاں دینے کا سلسلہ شروع ہوا تو بیوی نے زید کو بتایا کہ آپ کا بھائی ایسا کہتا ہے، میرے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے اور اگر کبھی گھر کی صفائی کرتے ہوئے سامنا ہو جائے تو بکر اس کے سامنے فرش پر یا کارپٹ یا چادر پر تھوک دیتا ہے۔ گھر میں ماں باپ کی بھی کوئی عزت نہیں کرتا۔ ایک دن تو حد کر دی کہ زید کی بیوی نے اپنے کپڑے دھو کر سکھانے کیلئے لٹکائے تو بکر نے بلیڈ سے اس کے کپڑے کاٹ دیئے اور پوچھنے پر کہنے لگا میں نے نہیں کاٹے جبکہ گھر میں اس کے علاوہ زید کی بیوی سے کسی کو نفرت نہیں ہے، کیونکہ نفرت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

زید کے والد صاحب اکثر زید کی بیوی کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں جیسے کوئی ساس کرتی ہے جبکہ باتیں یا تو بہت چھوٹی ہوتی ہیں یا بالکل فضول ہوتی ہیں، زید کی امی کچھ نہیں کہتیں، ان کا رویہ سب کے ساتھ بہت اچھا ہے۔ بکر کی ان حرکتوں کی وجہ سے زید کی بیوی اکثر پریشان رہتی ہے، خاص طور پر جب سے اس کے ماں باپ کو فضول میں گالیاں دی گئی ہیں اس دن کے بعد سے اس کی صحت یہ سوچ سوچ کر گرتی جا رہی ہے کہ میرے ماں باپ کو فضول میں کیوں گالیاں دی جا رہی ہیں۔ ابھی تک زید کا کوئی بچہ نہیں ہے لیکن جب بچہ ہو گیا تو وہ بھی ناقابل برداشت ہو جائے گا کیونکہ زید کے سب سے بڑے بھائی جب ساتھ رہتے تھے تو ان کے بچوں کو بھی بکر گالیاں دیتا تھا اور بھابھی کو بھی دیتا تھا جبکہ وہ خالہ زاد بہن بھی تھیں۔ اب ان سب باتوں کے بعد زید کی بیوی اکثر ڈری رہتی ہے۔ خاص طور پر جب گھر میں بکر اور زید کی بیوی کے علاوہ کوئی نہ ہو کہ کہیں یہ بکر نشے میں آ کر کوئی الٹی حرکت نہ کر دے۔

ان باتوں کی وجہ سے زید اور اس کی بیوی نے فیصلہ کیا کہ ہم اس گھر میں نہیں رہ سکتے جس میں عزت اور جان کو خطرہ ہو، اس لئے کہ بکر جوان ہے اور ماں باپ دونوں بوڑھے ہیں وہ اس کو روک نہیں سکتے اور نہ وہ اس کو گھر سے نکال رہے ہیں۔ جب یہ بات زید کے والد کو پتا چلی تو انہوں نے بکر کو گھر سے نکالنے کے بجائے زید کی بیوی پر اعتراض کیا کہ وہ شروع ہی سے الگ ہونا چاہتی ہے، یہ بکر کا صرف بہانہ ہے لیکن سب خاندان والے جانتے ہیں اور بڑے بھائی بھی اس کے گواہ ہیں کہ بکر کے ساتھ نہیں رہا جا سکتا۔

اب جب زید نے بھی والد صاحب کو کہا کہ میں اس گھر میں نہیں رہ سکتا اور میں الگ ہو رہا ہوں تاکہ میری بیوی خوش رہے اور اس کی عزت و جان و مال محفوظ رہے تو والد صاحب نے زید کی بیوی اور سسرال والوں کے متعلق بہت گندی باتیں کیں اور ان پر الزام لگایا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی بیٹی الگ ہو جائے اور وہ اس کو پٹیاں پڑھا کر بھیجتے ہیں کہ بیٹا تو الگ ہو جا۔ جب زید الگ ہونے کی بات پر جم گیا تو زید کے والد نے کہا کہ "تو اپنی عاقبت خراب کر رہا ہے، تیری بیوی نے تجھے اپنی رومالی گھول کر پلا دی ہے، تیری بیوی اور سسرال والے بہت چالاک ہیں اور میں نے تجھ پر پیدائش سے لے کر جوانی تک جو خرچہ کیا ہے وہ مجھے واپس کرو جو پچاس لاکھ روپے بنتا ہے، تو

نے الگ ہونا ہے تو ہوجا لیکن سامان جب اٹھانے دوں گا جب تو پچاس لاکھ روپے دے گا۔ میں ایسا کام کروں گا کہ تجھے تیری بیوی اور ساس سسر گھر سے دھکے دے کر نکال دیں گے۔ میں جیل چلا جاؤں گا لیکن تجھے قتل کردوں گا۔" اس کے جواب میں زید نے کہا کہ "اگر آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو کردیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ابھی قتل کردیں تاکہ میری جان بھی اس روز روز کی پریشانی سے چھوٹ جائے اور آپ بھی سکون سے رہیں"، جبکہ زید کی والدہ کئی بار کہہ چکی ہیں کہ تو الگ ہوجا تاکہ تو بھی خوش رہے اور ہم بھی۔ اب درج ذیل امور سے متعلق دریافت کرنا ہے:

(۱) زید کی تنخواہ قلیل ہے وہ یا تو اپنی بیوی کو الگ کرایے کے گھر میں رکھ کر اس کا خرچہ اٹھا سکتا ہے یا ماں باپ کا، تو وہ کس کا خرچہ اٹھائے؟ کیا زید پر ماں باپ کا خرچہ اٹھانا لازم ہے یا بیوی کا؟ جبکہ زید کے بڑے بھائی زید سے زیادہ کمائی کرتے ہیں کیا یہ بڑے بھائیوں کی ذمہ داری ہے؟

(۲) کیا زید ان حالات کی وجہ سے الگ ہوکر رہ سکتا ہے جبکہ ساتھ رہنے میں اس کی بیوی کی عزت وجان ومال کی کوئی ضمانت نہیں؟ اور پردے میں رہنا بھی مشکل ہے۔

(۳) کیا زید الگ ہوکر باپ کا نافرمان کہلائے گا؟ جبکہ والدہ خود چاہتی ہیں کہ وہ الگ ہوجائے تاکہ کوئی جھگڑا نہ ہو۔

(۴) کیا زید کے والد نے جو باتیں کی ہیں وہ درست ہیں؟

(۵) کیا زید کے والد نے جو پیدائش سے جوانی تک کے خرچہ کا مطالبہ پچاس لاکھ کیا ہے وہ خرچہ دینا زید پر فرض ہے؟ کیا والد اس طرح کا مطالبہ اپنی اولاد سے کرسکتا ہے؟

(۶) کیا سسر اپنی بہو پر کسی قسم کا اعتراض کرسکتے ہیں اور حکم چلا سکتے ہیں؟

(۷) کیا ساس سسر کی خدمت کرنا بہو پر فرض ہے یا سنت یا احسان ہے؟

(۸) اگر زید ان تمام باتوں کے بعد اپنے سسرال میں ساری زندگی رہے تو کیا یہ جائز ہوگا؟ جبکہ سسر زید کو اپنا سب سے بڑا بیٹا مانتے بھی ہیں اور انہوں نے کہا بھی ہے کہ جب تک تمہارے لئے الگ گھر کا بندوبست نہ ہوجائے تم میرے ساتھ جتنے دن چاہے رہ سکتے ہو۔ (نوٹ: زید اپنے ماں باپ کو ساتھ رکھنے پر راضی ہے جبکہ وہ بہو پر کوئی اعتراض نہ کریں لیکن وہ بکر کو ساتھ نہیں رکھ سکتا۔)

برائے مہربانی جلد جواب دیں زید بڑی مشکل میں گرفتار ہے، وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی نہ ہو۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی عبادت کے ذکر کرنے کے بعد والدین کے حقوق اور ان کے ساتھ احسان کی تاکید فرمائی ہے اور اسی طرح اللہ رب العزت نے بیوی بچوں کے ساتھ حسن معاشرت اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا بھی حکم دیا ہے لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے والدین اور بیوی کے حقوق میں سے ہر ایک کی ادائیگی کی ہر ممکن کوشش میں لگا رہے۔

(۱) مذکورہ صورت میں زید پر لازم ہے کہ بیوی کا خرچہ اُٹھانے کے ساتھ ساتھ اگر والدین ضرورت مند ہیں تو ان کو بھی خرچہ

دے۔دوسرے بھائیوں کی طرح بحیثیت بیٹا ہونے کے والدین کے خرچہ میں وہ برابر کا شریک ہے۔

(۲) زید اپنی بیوی کے ساتھ الگ مکان میں رہ سکتا ہے بلکہ بیوی کی عزت وآبرو محفوظ نہ ہونے کی بنا پر اسے علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔

(۳) اس صورت میں زید اپنے باپ کا نافرمان شمار نہ ہوگا۔

(۴) زید کے والد نے جو باتیں کی ہیں وہ درست نہیں۔

(۵) زید کے والد نے زید کی پیدائش سے لے کر اس کے بالغ ہونے تک جو خرچہ کیا ہے وہ ان پر فرض تھا اور زید کے بالغ ہونے کے بعد جو خرچہ کیا ہے وہ تبرع اور ان کا احسان ہے لہٰذا اس لئے واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتے البتہ زید کو چاہیئے کہ ان کے ساتھ ہر حال میں حسن سلوک کا معاملہ کرتا رہے۔

(۶،۷) بیوی پر خاوند کی اطاعت لازم ہے اس لئے خاوند اگر کسی جائز کام کا حکم دے تو بیوی کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔سسر کا حکم ماننا اور ان کی خدمت کرنا شرعاً اگرچہ ضروری نہیں لیکن اخلاقاً اس کو چاہیئے کہ اپنے خاوند کے والدین کی حتی الوسع خدمت کرے۔

(۸) زید اپنی بیوی کے ساتھ جہاں بھی رہنا چاہے رہ سکتا ہے مگر زید پر لازم ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کا معاملہ رکھے اگر ان کو اس کی مالی یا بدنی خدمت کی ضرورت ہو تو اس میں ہرگز کوتاہی نہ کرے۔اپنے مال سے حسب توفیق انہیں خرچہ دیتا رہے۔غرض والدین کی ہر جائز خواہش اور حکم کو بجا لائے اور انہیں اپنے سے خوش وخرم رکھے تو زید پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو باہمی حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

لما فی جامع الترمذی (۲۲/۲):عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال النبی صلی الله علیه وسلم:" لا یکون المؤمن لعانا "

باب ما جاء فی کثرة الغضب:عن أبي هريرة ﷺ قال جاء رجل إلى النبی صلی الله علیه وسلم قال علمني شيئا ولا تكثر علی لعلی أعیه. قال: لا تغضب فردد ذلك مرارا كل ذلك يقول: لا تغضب۔

وفيه أيضا (۱۴/۲)باب ما جاء فی رحمة الناس:عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:الراحمون يرحمهم الرحمن ارحموا من فی الأرض يرحمكم من فی السماء الرحم شجنة من الرحمن فمن وصلها وصله الله ومن قطعها قطعه الله۔

وفی الشامية (۶۲۱/۳):وفي كافي الحاكم أيضا ولا يجبر المعسر على نفقة أحد إلا على نفقة الزوجة والولد اه ومثله في الاختيار ونحوه في الهداية وفي الخانية لا يجب على الابن الفقير نفقة والده الفقير حكما إلا إن كان والده زمنا لا يقدر على العمل وللابن عيال فعليه أن يضمه إلى عياله وينفق على الكل ۔۔۔(۶۲۳/۳) وكذا لو كان للفقير ابنان أحدهما فائق في الغنى والآخر

يملك نصابا فهي عليهما سوية خانية ۔

وفی الشامية (۵/۶۹۶): وفي الفتاوى الخيرية سئل فيما يرسله الشخص إلى غيره في الأعراس ونحوها هل يكون حكمه حكم القرض فيلزمه الوفاء به أم لا أجاب إن كان العرف بأنهم يدفعونه على وجه البدل يلزم الوفاء به مثليا فبمثله وإن قيميا فبقيمته وإن كان العرف خلاف ذلك بأن كانوا يدفعونه على وجه الهبة ولا ينظرون في ذلك إلى إعطاء البدل فحكمه حكم الهبة في سائر أحكامه ۔

وفی الدر المختار (۳/۲۰۸): وحقه عليها أن تطيعه في كل مباح يأمرها به ۔

وفی الشامية (۳/۲۰۸): قوله (في كل مباح) ظاهره أنه عند الأمر به منه يكون واجبا عليها كأمر السلطان الرعية به ط ۔

(۵۷۶) بچوں کو والدین سے ملنے سے منع کرنا جائز نہیں

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض اوقات میاں بیوی میں طلاق ہوجاتی ہے اور بچے چھوٹے ہونے کی بنا پر والدہ کو مل جاتے ہیں، چنانچہ جب تک وہ والدہ کے پاس رہتے ہیں وہ انہیں ان کے والد سے نہیں ملنے دیتی اور جب وہ بچے والد کے پاس ہوں تو والد ان کو والدہ سے نہیں ملنے دیتا، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......صورت مسئولہ میں والدین کا اس طرح منع کرنا جائز نہیں کیونکہ بچوں پر شوہر بیوی دونوں کا حق ہوتا ہے، اس لئے کسی ایک کو دوسرے سے منع کرنا صحیح نہیں۔

لمافی الشامية (۳/۵۷۰): وإن أرادت نقله من قرية إلى مصر جامع وليس ذلك مصرها ولا وقع النكاح فيها فليس لها ذلك إلا أن يكون المصر قريبا من القرية على التفسير الذي قلنا اھ۔

وفی الفقه الاسلامی (۷/۷۴۰): قال الحنفية: إذا كان الولد عند الحاضنة، فلأبيه حق رؤيته، بأن تخرج الصغير إلى مكان يمكن الأب أن يراه فيه كل يوم. وإذا كان الولد عند أبيه لسقوط حق الأم في الحضانة، أو لانتهاء مدة الحضانة، فلأمه رؤيته، بأن يخرجه إلى مكان يمكنها أن تبصر ولدها كل يوم۔

(۵۷۷) ماں کا نومولود بچے کو چھوڑ کر جانے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بہو شادی سے پہلے سے انجینئرنگ یونیورسٹی میں پڑھ

رہی ہے شادی کے بعد حمل سے ہونے کے باوجود یونیورسٹی جاتی رہی اب جون میں پوتی پیدا ہوئی ہے۔ اب وہ اور اس کے ماں باپ یہ کہتے ہیں کہ پڑھائی چار پانچ مہینے کی رہ گئی ہے اسے یونیورسٹی جانے دیا جائے جبکہ یونیورسٹی جانے کی صورت میں بچی کو پاؤڈر کا دودھ پینا پڑے گا اور ماں کے بغیر ۸ سے ۹ گھنٹے رہنا پڑے گا ایسی صورت میں کیا اسے یونیورسٹی جانے دیا جائے یا روک دیا جائے۔ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں کیا کیا جائے؟ آپ سے درخواست ہے کہ جواب دے کر مسئلہ کو حل فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب......نومولود بچے کے لئے سب سے نفع بخش خوراک ماں کا دودھ ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ خوراک ماں کے دودھ کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس لئے بہتر تو یہ ہے کہ بچے کو اس کی فطری خوراک یعنی اپنی ماں کا دودھ دیا جائے اور اپنے دنیاوی کاموں کو مؤخر کیا جائے جو کہ ممکن بھی ہے، لیکن اگر انتہائی مجبوری کی صورت ہو تو پھر شریعت ماں کو اجازت دیتی ہے کہ بچے کو چھوڑ کر اپنا کام پورا کر لے اور یہ اجازت اس صورت میں ہے کہ جب بچے کو کوئی سنبھالنے والا موجود ہو مثلاً بچے کے دادا، دادی یا پھوپھی وغیرہ گھر میں ایسے ہوں کہ اس بچے کی دیکھ بھال پر تیار ہوں اگر یہ راضی نہ ہوں تو یہ باپ کے ذمے ہے کہ بچے کی دیکھ بھال کے لئے دایہ وغیرہ کا انتظام کرے اگر وہ اتنا باحیثیت ہے تو صحیح ورنہ بیوی کو باہر جانے سے منع کر دے اور بچے کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ بھی نہ ہو لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کی بہو یونیورسٹی اس شرط کے ساتھ جا سکتی ہے کہ بچی کو گھر میں کوئی سنبھالنے والا موجود ہو اور پاؤڈر کے دودھ کو بچی کی طبیعت قبول کر لے نیز شوہر کی اجازت اور شرعی پردہ کا اہتمام بھی ہو ورنہ اجازت نہیں۔

لما فی الهندية(۵۴۱/۱)الباب السادس عشر فی الحضانة: ولا تجبر عليها في الصحيح لاحتمال عجزها إلا أن يكون له ذو رحم محرم غيرها فحينئذ تجبر على حضانته كي لا يضيع بخلاف الأب حيث يجبر على أخذه إذا امتنع بعد الاستغناء عن الأم كذا في العيني شرح الكنز الخ۔

وفی الدر المختار(۵۵۶/۳): باب الحضانة بفتح الحاء وكسرها تربية الولد (تثبت للأم) النسبية (ولو) كتابية أو مجوسية أو (بعد الفرقة إلا أن تكون مرتدة) فحتى تسلم لأنها تحبس (أو فاجرة) فجورا يضيع الولد به كزنا وغناء وسرقة ونياحة كما في البحر و النهر بحثا ---- (أو غير مأمونة)ذكره في المجتبى بأن تخرج كل وقت وتترك الولد ضائعا۔

وفی الرد تحته: قوله (بأن تخرج كل وقت الخ) المراد كثرة الخروج لأن المدار على ترك الولد ضائعا والولد في حكم الأمانة عندها و مضيع الأمانة لا يستأمن ولا يلزم أن يكون خروجها لمعصية حتى يستغني عنه بما قبله فإنه قد يكون لغيرها كما لو كانت قابلة۔ الخ۔

(۵۷۸) بعد از موت ولادت کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دن مطالعہ کر رہا تھا کہ اچانک اس عبارت پر نظر پڑی:

"(قوله وبرهنا) قال في البحر في باب دعوى الرجلين: لو برهنا على النكاح بعد موتها ولم يؤرخا أو أرخا... يرثان ميراث زوج واحد فإن جاءت بولد الخ"

حالانکہ اوپر فرمایا:

أما لو كانت حية تهاتر البرهان" (الشامية ۶/۷۷۰)

اشکال یہ ہے کہ جب مرگئی تو کیسے فرماتے ہیں کہ "إن جاءت بولد الخ" البتہ میں نے کسی سے یہ جواب سنا کہ کبھی کبھی موت کے بعد بھی بچہ پیدا ہوسکتا ہے۔ دونوں مسئلوں کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورتِ مسئولہ میں بچے کا پیدا ہونا متصور ہے، کبھی آپریشن کے ذریعے اور کبھی ولادت کے دوران عورت کی موت واقع ہونے کی صورت میں۔

لما في الهندية (۱/۱۵۷): امرأة ماتت والولد يضطرب في بطنها قال محمد رحمه الله تعالى يشق بطنها ويخرج الولد لا يسع إلا ذلك كذا في فتاوى قاضيخان۔

(۵۷۹) رخصتی میں تاخیر اور شوہر کی ناراضگی سے نکاح کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں محمد محمود اپنی بیٹی کے بارے میں آپ سے معلومات چاہتا ہوں، میری بیٹی کے نکاح کو پانچواں سال چل رہا ہے، نکاح کے بعد لڑکے اور اس کے گھر والوں کا رویہ ہم سے بہت اچھا تھا۔ لڑکا میری بیٹی سے بات بھی کرتا تھا، تحفہ بھی لئے دیئے جاتے تھے پھر تقریباً ایک سال سے لڑکے اور اس کے گھر والوں کا رویہ ہم سب سے ٹھیک نہیں ہے اور نہ ایک سال سے لڑکے نے میری بیٹی سے بات کی۔ میں آپ سے اس پریشانی کا حل چاہتا ہوں برائے مہربانی اصلاح کریں وہ رخصتی لینے کیلئے راضی نہیں ہوتے، کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتے ہیں، نکاح پر کوئی فرق تو نہیں پڑا، اگر علیحدگی ہو تو کیا احکام ہیں؟

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں نکاح کے بعد کچھ عرصہ سے شوہر کے ناراض ہونے سے آپ کی بیٹی کے نکاح میں کوئی فرق نہیں پڑا اور اگر شوہر نے انہیں طلاق نہ دی ہو تو وہ بدستور ان کی بیوی ہیں لہٰذا لڑکے والوں کا رخصتی کیلئے راضی نہ ہونا اور ٹال مٹول سے کام لینا درست نہیں بلکہ فریقین کو چاہیئے کہ وہ صلح صفائی سے رخصتی کی کوئی تاریخ طے کرلیں کیونکہ خواہ مخواہ کسی کو طلاق دینا مناسب نہیں۔

اگر لڑکے والے رخصتی کیلئے تیار نہیں ہوتے جیسا کہ سوال سے یہی ظاہر ہے تو اس صورت میں ان سے لڑکی کو طلاق دینے کا مطالبہ کیا جائے اور اگر وہ اس کے لئے بھی تیار نہ ہوں تو پھر خلع کیلئے کورٹ میں درخواست دائر کی جائے اور جانبین (میاں بیوی) کی رضامندی سے ان دونوں کو جدا کردیا جائے۔ یاد رہے کہ کورٹ کا یکطرفہ خلع (یعنی شوہر کی رضامندی کے بغیر) لینا یہ درست نہیں ہے۔

اگر آپ کے داماد نے آپ کے بیٹی سے خلوت صحیحہ نہیں کی تو اس صورت میں طلاق ہوجانے سے آپ کی بیٹی پر کوئی عدت

گزارنا واجب نہیں بلکہ فی الفور دوسری جگہ ان کا نکاح کرانا درست ہوگا اور [اس طلاق دینے والے] شوہر پر نصف مہر کی ادائیگی واجب ہوگی۔

لما في الهندية (۴۸۸/۱) الباب الثامن في الخلع: إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعلا ذلك وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال كذا في الهداية۔

وفيه أيضاً (۵۲۶/۱): رجل تزوج امرأة نكاحا جائزا فطلقها بعد الدخول أو بعد الخلوة الصحيحة كان عليها العدة كذا في فتاوى قاضي خان۔

وفي الدر المختار (۵۰۴/۳) باب العدة: (وسبب وجوبها) عقد (النكاح المتأكد بالتسليم وما جرى مجراه) من موت أو خلوة أي صحيحة فلا عدة بخلوة الرتقاء۔

(۵۸۰) بیوی کا الفاظ طلاق سننے کا دعویٰ کرنا

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ڈیڑھ سال قبل اپنی بیوی کو دو طلاقیں دی تھیں، اس کے بعد رجوع کرلیا تھا پھر ایک دن میں کمرے کے اندر داخل ہوا بڑے لڑکے جمیل کو اٹھا کر ڈیوٹی پر بھیجا اور میں باہر آ گیا ساڑھے نو بجے دوبارہ کمرے میں گیا، میں نے عدیل الرحمن اور عقیل الرحمن [عرف اگو] کو اٹھایا تجھے سونے سے فرصت نہیں، تو نے ادھورا حفظِ قرآن کیا۔ قرآن حفظ کرے تو ایک سیڑھی بخشی جائے گی۔ اگو یعنی عقیل الرحمن نے کہا میں حفظ نہیں کروں گا، میرے پاس ٹائم نہیں، اس پر عقیل الرحمن عرف اگو کی اور میری ہاتھا پائی ہوگئی۔

اسی دوران میری زوجہ تسلیم درمیان میں آ گئی۔ ہوسکتا ہے درمیان میں آنے کی وجہ سے اس کو تھپڑ لگ گیا ہوگا میرے علم میں نہیں بائی پاس ہونے کی وجہ سے میں تھک کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ عقیل الرحمن نے اپنی والدہ تسلیم کو چادر دی اور تسلیم (زوجہ) نے چادر صوفہ پر ڈال دی۔ اس پر میں نے عقیل سے پوچھا کہ تو نے اپنی والدہ تسلیم کو چادر دی ہے، کہاں لے کر جائے گا؟ میں نے کوئی طلاق دی ہے جو تو لے کر جا رہا ہے۔ اس وقت عدیل الرحمن بھی موجود تھا، شکیل الرحمن بھی موجود تھا یہ الفاظ جو میں نے عقیل الرحمن عرف اگو سے کہے تھے تسلیم (زوجہ) نے سمجھا کہ یہ الفاظ مجھے (تسلیم) کو کہے ہیں۔ وہ چادر اٹھا کر بہن کے گھر چلی گئی۔

میں یہ کہتا رہا کہ میں نے تمہیں طلاق نہیں دی، کیوں جا رہی ہو؟ اس پر میری زوجہ (تسلیم) نے کہا کہ "تم نے مجھے طلاق دے تو دی دوبار، پہلے اور ایک بار آج"۔ اب میں جا رہی ہوں میں نے یہ کہا کہ "میں نے طلاق نہیں دی" اس پر زوجہ تسلیم نے کہا کہ "میں لیاقت کے گھر جا رہی ہوں ابھی آ رہی ہوں"۔ اس کے بعد زوجہ تسلیم بلوچ کالونی میرے بڑے بھائی کے گھر چلی گئی۔

اب شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہوگا؟ جبکہ میں حلفیہ کہتا ہوں میں نے اپنی زوجہ تسلیم کو طلاق نہیں دی اور زوجہ کہتی ہے آپ نے

طلاق دی ہے۔قرآن وسنت کی روشنی میں جلد جواب دیں۔

الجواب بعون الملک الوهاب...... جب میاں بیوی کے مابین طلاق کے معاملہ میں اختلاف واقع ہوجائے تو اگر بیوی کے پاس شرعی گواہ موجود نہ ہوں تو شوہر کے قول کا اعتبار قسم کے ساتھ ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں اولاً تو اپنے بیٹوں سے دریافت کرلیا جائے اگر وہ بھی شوہر کی بات کی تصدیق کردیں تو بیوی کی غلط فہمی دور ہوسکتی ہے لیکن اگر وہ تصدیق نہ کریں تو آپ میاں بیوی اپنے اس اختلاف کو قاضی کی مجلس (عدالت) میں پیش کریں یا آپس میں رضامندی سے کسی ایسے عالم کو حکم (فیصلہ کرنے والا) مقرر کریں جو مسائل کی نوعیت سے واقف ہو۔پھر قاضی یا حکم شرعی طریقہ کے مطابق آپ کی زوجہ سے طلاق پر گواہ طلب کرے اور چونکہ آپ کی زوجہ کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے تو اس صورت میں قاضی یا حکم آپ سے بیوی کے مطالبے پر قسم لے، اگر آپ طلاق نہ دینے پر قاضی یا حکم کے سامنے قسم کھالیتے ہیں تو قضاءً آپ کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

البتہ بیوی چونکہ طلاق کے وقوع کا دعوی کررہی ہے اگرچہ اس کے پاس گواہ نہیں لہذا دیانۃً اس کے حق میں طلاق واقع ہوگئی ہے اور وہ تین طلاقوں سے مغلظہ ہوگئی ہے [بشرطیکہ وہ سچی ہو اور اللہ تعالی وآخرت کو مدنظر رکھتے ہوئے بتائے کہ اس نے الفاظِ طلاق سنے ہیں] چنانچہ بیوی کیلئے شوہر کو تمکین دینا جائز نہیں۔

لمافی الدر المختار (۳/۳۵۶،۳۵۷): (فإن اختلفا في وجود الشرط) أي ثبوته ليعم العدمي (فالقول له مع اليمين) لإنكاره الطلاق --- (إلا إذا برهنت) فإن البينة تقبل على الشرط وإن كان نفيا كإن لم تجيء صهرتي الليلة فامرأتي كذا فشهد أنها لم تجئه قبلت وطلقت منح۔

وفی الشامية (۳/۲۵۱): والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوى على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب كما أنه ليس له قتلها إذا حرمت عليه وكلما هرب ردته بالسحر۔

(۵۸۱) نافرمان بیوی اور اولاد کے ساتھ رہنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے آٹھ بچے ہیں، جن میں ۵ لڑکیاں اور تین (۳) لڑکے ہیں اور ان آٹھوں کا رویہ میرے ساتھ صحیح نہیں ہے، ان کے رویہ کی وجہ سے میں ہر وقت ٹینشن میں رہتا ہوں۔میری ایک دوکان تھی اس کو بیچ کر میں نے ایک مکان سرجانی میں خریدا اور اس میں ہم سب رہتے ہیں میری بیوی نے سب بچوں کو اپنے ساتھ ملا کر میرے خلاف کردیا ہے ایک دفعہ دونوں لڑکوں نے مجھے مارا اور ایک دفعہ محلہ والوں کے سامنے مارا جس کی رپورٹ میں نے تھانہ میں بھی کرائی تھی اور میری بیوی تین تین ماہ تک رات کو کھانا بھی نہیں دیتی ہے اور میرا بڑا بیٹا اپنے نانا کے ہاں رہتا ہے۔میری بغیر اجازت کے ننھیال میں رہ کر وہ میرا اور بھی دشمن بن گیا ہے۔اب وہ بحرین میں دوسال سے ہے اور مجھ سے کوئی رابطہ نہیں رکھتا، میرے علاوہ وہ پورے گھر

سے رابطہ رکھتا ہے۔ میری بیوی کو جہاں کہیں بھی جانا ہوتا ہے میری اجازت کے بغیر چلی جاتی ہے۔

پڑوسن کی باتوں کو زیادہ اہمیت دیتی ہے اور مجھ کو کچھ نہیں سمجھتی۔ دوسرے تیسرے ماہ کہتی ہے کہ مجھے طلاق دیدو اور کہتی ہے کہ پانچ سو روپیہ روز دو تو گھر میں رہو ورنہ گھر سے نکل جاؤ۔ میں ضعیف آدمی ہوں پانچ سو روپے کما کر کہاں سے لاؤں، جبکہ مکان میرا اپنا ذاتی ہے اور بچے بھی میرے ہیں اور گھر میں تمام سامان بھی میرا ہے، اس کے باوجود میری گھر میں کوئی عزت نہیں ہے اور نہ ہی میری بیوی حق زوجیت ادا کر رہی ہے۔ جون 2002 کو میرے بیٹے محمد علی نے لاہور سے آکر مجھے اس قدر مارا کہ میں لہولہان ہو گیا اور میرے سر میں چار ٹانکے آئے تھے جبکہ میرے تینوں بیٹے برسر روزگار ہیں اور میں اس کے باوجود ایک ایک پیسہ کا محتاج ہوں کیونکہ میرے بیٹے نے اپنی ماں کیلئے بینک اکاؤنٹ کھلوا رکھا ہے اور دو بیٹے بیکری میں کام کرتے ہیں وہ بھی اپنی کمائی ماں کو دیتے ہیں۔

میرے پورے گھرانے نے میرا جینا حرام کر رکھا ہے اور اب کہہ رہے ہیں کہ مکان بیچ کر مجھے دو لاکھ روپے دو جبکہ ان لوگوں نے مکان پر ایک پیسہ بھی نہیں لگایا البتہ ایک بیٹے نے دس ہزار روپے لگائے ہیں اور اب یہ سب مکان کے مالک بننا چاہتے ہیں۔ جناب میں عمر کے آخری حصہ میں کہاں جاؤں گا اور میں اپنا جیب خرچ ٹھیلا چلا کر کرتا ہوں اور میری بیوی نے میرے پڑوسی کو میری اجازت کے بغیر گیس کا کنکشن دیدیا ہے اور ان کی ہر بات مانتی ہے جبکہ میں شوہر ہوں مجھے کچھ بھی نہیں سمجھتی لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ برائے مہربانی اسلام کی رو سے مجھے فتویٰ دیں کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیئے بڑی نوازش ہوگی کیونکہ میں نے اپنی روداد آپ کے سامنے رکھ دی ہے، شکریہ۔

الجواب بعون الملک الوهاب......صورت مسئولہ میں آپ کی اہلیہ اور بیٹوں کا معاملہ آپ کے ساتھ صحیح نہیں ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہیئے، خاص طور پر آپ کے بیٹوں کو کیونکہ والدین کی نافرمانی ایسا گناہ ہے جس کی سزا دنیا ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ آج یہ لوگ اگر آپ کی نافرمانی کر رہے ہیں تو کل ان کی اولاد ٹھیک اسی طرح ان کی نافرمانی کرے گی اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔ موجودہ مکان جب تک آپ زندہ ہیں آپ کی ملکیت ہے یہ لوگ آپ کو مکان سے نہیں نکال سکتے البتہ اگر آپ کا اہلیہ کے ساتھ رہنا ممکن نہیں رہا تو شرعاً آپ کیلئے طلاق [احسن یعنی حالتِ طہر میں ایک طلاق دیکر علیحدہ کر دینے] کی گنجائش ہے جب آپ کی بیوی کی عدت مکمل ہو جائے تو اسے اس مکان میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں رہے گا۔ اگر آپ چاہیں تو یہ مکان فروخت کر دیں اور اس رقم کو اپنے استعمال میں لائیں یا کسی فلاحی ادارے کیلئے وقف کر دیں کہ آپ کے بعد ایسی نافرمان اولاد اس سے نفع نہ حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

لما فی القرآن الکریم (البقرة:۸۳): لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا۔

(النساء:۳۶): وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔـا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا۔

(العنکبوت:۸): وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ حُسۡنًا۔

وفی المشکوة (ص۴۱۸): وعنه رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " رغم أنفه رغم أنفه رغم أنفه " . قيل : من يا رسول الله ؟ قال : " من أدرك والديه عند الكبر أحدهما أو كلاهما

ثم لم يدخل الجنة " رواه مسلم۔

وعن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " رضى الرب في رضى الوالد وسخط الرب في سخط الوالد " . رواه الترمذي۔

(۵۸۲) شوہر کے بدفعلی کرنے سے نکاح کا حکم

سوال...... کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ہمشیرہ کی شادی تین برس قبل ہوئی تھی، کئی مرتبہ لڑائی جھگڑے ہوئے اور صلح ہوگئی مگر گزشتہ دنوں کے جھگڑے میں معلوم ہوا کہ اصل وجہ لڑکے کی اپنی بیوی کے ساتھ بدفعلی ہے وہ غیر شرعی طریقہ سے بیوی سے ملتا ہے (یعنی بدفعلی) کرتا ہے اور کئی مرتبہ کر چکا ہے۔ اس وقت میری ہمشیرہ پانچ ماہ کی امید سے بھی ہے۔ گزشتہ ماہ کی ۱۶ تاریخ کو جھگڑے کے دوران اس نے نام لے کر کہا کہ ''میں تجھے طلاق دیتا ہوں'' اور میری ہمشیرہ غصہ میں گھر سے آ گئی۔ (اس کے شوہر نے صرف ایک مرتبہ کہا ہے) اس سے پہلے جب بھی وہ بدفعلی کیلئے مجبور کرتا تو ڈراتا تھا کہ اگر تو نے کسی کو بتایا تو میں تجھے طلاق دے دوں گا میں تجھے طلاق دے دونگا۔

(۱) حضرت صاحب کیا بدفعلی کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔

(۲) کیا ایک مرتبہ طلاق دینے سے طلاق ہوگئی، کیا یہ دونوں اب ساتھ رہ سکتے ہیں، اس کا کیا طریقہ ہوگا؟ کیا اس کے ساتھ رہنے کی کوئی گنجائش ہے؟ از راہ کرم راہنمائی فرمائیے۔

الجواب بعون الملک الوھاب...... لواطت (بدفعلی) کی شناعت اور اس کی قباحت کے بارے میں قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اس خلاف فطرت فعل کرنے والے کو حدیث میں ملعون (لعنتی) کہا گیا ہے۔ ایسے شخص کی طرف قیامت کے روز اللہ رب العزت رحمت ومحبت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر واقعۃً آپ کے بہنوئی یہ گھناؤنی حرکت (بدفعلی) کرتے ہیں۔ تو آپ کی ہمشیرہ کو چاہیئے کہ وہ ان کو اس (بدفعلی) کی اجازت ہرگز نہ دیں البتہ بدفعلی کرنے کی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔

بتقدیر صحت واقعہ اگر وہ ایک طلاق دے چکا ہے تو وہ دورانِ عدت (وضع حمل سے پہلے تک) رجوع کر سکتا ہے اور اگر وہ اپنے اس فعل شنیع (بدفعلی) سے باز آ جاتا ہے تو ٹھیک ہے، لیکن اگر آپ کی ہمشیرہ کو یہ خوف واندیشہ ہو کہ وہ رجوع کرنے کے بعد بھی اپنی خبیث فطرت کی وجہ سے یہ فعل شنیع (بدفعلی) جاری رکھے گا تو پھر بہتر یہ ہے کہ اس (آپ کے بہنوئی) کو رجوع کرنے کا حکم نہ بتلایا جائے اور آپ کی بہن وضع حمل کی عدت اپنے گھر ہی گزارے۔ تو اس سے ان کے درمیان طلاق اور جدائی واقع ہو جائے گی لیکن اگر آپ کا بہنوئی وضع حمل کی عدت کے دوران رجوع کر لیتا ہے تو اس کا رجوع کرنا درست ہے اور اگر شوہر رجوع کرنے کے بعد بھی بدفعلی کرتا ہو تو آپ کی ہمشیرہ کو چاہیئے کہ وہ کسی بھی طرح اس سے طلاق یا خلع لے لے۔

لما في القرآن الكريم (البقرة: ۲۲۲): وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي

الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللهُ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

وفی الدرالمختار(۲۹۷/۳، ۳۹۸): (هي استدامة الملك القائم) بلا عوض ما دامت (في العدة) أي عدة الدخول حقيقة إذ لا رجعة في عدة الخلوة، ابن كمال وفي البزازية ادعى الوطء بعد الدخول و أنكرت فله الرجعة لا في عكسه وتصح مع إكراه وهزل ولعب وخطأ (بنحو) متعلق باستدامة (راجعتك ورددتك ومسكتك) بلا نية لأنه صريح (و) بالفعل مع الكراهة۔

وفی الشامية تحته (۳۹۸/۳): قوله(مع الكراهة)الظاهر أنها تنزيهية كما يشير إليه كلام البحر في شرح قوله والطلاق الرجعي لا يحرم الوطء. رملي ويؤيده قوله في الفتح عندالكلام على قول الشافعي بحرمة الوطء إنه عندنا يحل لقيام ملك النكاح من كل وجه إنما يزول عند انقضاء العدة فيكون الحل قائما قبل انقضائها اھ

وفی الفقه الاسلامی وأدلته(۶۵۸۹/۹، ۶۵۹۰) : كتاب النكاح أحكام الزواج عند الفقهاء: أ- حل الوطء في القبل لا الدبر: ولا يحل الوطء في حالة الحيض والنفاس والإحرام وفي الظهار قبل التكفير (إخراج الكفارة) لقوله سبحانه: {والذين هم لفروجهم حفظون إلاعلى أزواجهم أوما ملكت أيمانهم. فإنهم غيرملومين} [المؤمنون :۲۳] ولقوله تعالى: {ويسئلونك عن المحيض قل: هو أذىً فاعتزلوا النساء في المحيض. ولا تقربوهن حتى يطهرن } [البقرة:۲۲۲] والنفاس أخو الحيض. وقوله عز وجل: { نساؤكم حرث لكم فأتوا حرثكم أنى شئتم } [البقرة:۲۲۳] أي في أي وقت وكيفية شئتم في المكان المعروف وهو القبُل . وقول سبحانه: { والذين يظهرون من نسائهم، ثم يعودون لما قالوا فتحرير رقبة من قبل أن يتماسا } [المجادلة:۵۸]وقوله صلّى الله عليه وسلم : [ملعون من أتى امرأة في دُبُرها] ، [من أتى حائضاً أو امرأة في دبرها. أو كاهناً فصدَّقه، فقد كفر بما أنزل على محمد صلّى الله عليه وسلم] ۔الخ۔

(۵۸۳) اسلام لانے کے بعد عدت گزارنے سے پہلے نکاح کا حکم

سوال.....کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عیسائی عورت 30 جون 2012 کو مسلمان ہوئی اور یہ پہلے سے شادی شدہ تھی۔اس نے مسلمان ہونے کے بعد ایک مسلمان مرد سے بغیر کوئی عدت گزارے شادی کر لی۔مفتی صاحب پوچھنا یہ ہے کہ آیا اس عورت کا نکاحِ ثانی درست ہے؟ جبکہ پہلے خاوند (جو کہ عیسائی ہے) نے طلاق وغیرہ نہیں دی اور نہ ہی اس پر اسلام پیش کیا

گیا کہ اسلام سے انکار کی صورت میں ان کا نکاح ختم ہوجاتا۔آیا اس نومسلمہ اور اس کے نئے شوہر کا اکھٹے رہنا درست ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب......اگر شوہر و بیوی دونوں عیسائی ہوں اور دونوں دارالاسلام میں ہوں، پھر بیوی اسلام لے آئے، تو اب سب سے پہلے شوہر پر تین بار اسلام پیش کیا جائے گا، اگر وہ اسلام لانے سے انکار کرے، تب قاضی (عدالت) یا اس کا قائم مقام ان کے درمیان تفریق کرے گا اور یہ تفریق طلاق کے حکم میں ہوگی۔اب اگر نومسلمہ کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہے تو عدت گزرنے کے بعد نکاح کرسکتی ہے، اس سے پہلے (یعنی تین ماہواری گزرنے سے قبل) نکاح کرنا درست نہیں، بلکہ فاسد ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ نومسلمہ کا اپنے عیسائی شوہر پر اسلام پیش کرنے اور تفریق سے پہلے مسلمان مرد سے نکاح کرنا فاسد اور ناجائز ہے، اسی طرح ان دونوں کا اکٹھے رہنا حرام ہے۔

لمافی بدائع الصنائع (۶۱۸/۳) فصل فی النکاح الفاسد: وجملة الكلام فيه أن الزوجين الكافرين إذا أسلم أحدهما في دار الإسلام فإن كانا كتابيين فأسلم الزوج فالنكاح بحاله لأن الكتابية محل لنكاح المسلم ابتداء فكذا بقاء وإن أسلمت المرأة لا تقع الفرقة بنفس الإسلام عندنا ولكن يعرض الإسلام على زوجها فإن أسلم بقيا على النكاح وإن أبي الإسلام فرق القاضي بينهما لأنه لا يجوز أن تكون المسلمة تحت نكاح الكافر ولهذا لم يجز نكاح الكافر المسلمة ابتداء فكذا في البقاء عليه۔

وفی الدرالمختار(۱۸۸/۳) باب نكاح الكافر : (وإذا أسلم أحد الزوجين المجوسين أو امرأة الكتابي عرض الإسلام على الآخرفإن أسلم)فبها(وإلا) بأن أبي أوسكت(فرق بينهما)۔

وفی الرد تحته: قوله (وإذا أسلم أحد الزوجين الخ) حاصل صور إسلام أحدهما على اثنين وثلاثين لأنهما إما أن يكونا كتابيين أو مجوسيين ---- قوله (أو سكت) غير أنه في هذه الحالة يكرر عليه العرض ثلاثا احتياطا كذا في المبسوط ، نهر قوله (فرق بينهما) وما لم يفرق القاضي فهي زوجته حتى لو مات الزوج قبل أن تسلم امرأته الكافرة وجب لها المهر أي كماله وإن لم يدخل بها لأن النكاح كان قائما ويقرر بالموت. فتح وإنما لم يتوارثا لمانع الكفر۔

(وفی ص ۱۸۹):قال في البحر وأشار بالطلاق إلى وجوب العدة عليها إن كان دخل بها لأن المرأة إن كانت مسلمة فقد التزمت أحكام الإسلام ومن حكمه وجوب العدة۔

(۵۸۴)زانیہ بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے کا حکم

سوال......کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی عورت زنا کروائے اور وہ شادی شدہ ہو پھر اس کے

شوہر کو پتہ چل جائے تو آیا اس کا شوہر اب اس کو گھر میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب......زنا ایک لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عفت و پاکدامنی کے حصول کے لئے نکاح کو مشروع کیا ہے۔ اگر ایک شادی شدہ شخص ہی زنا کا مرتکب ہو تو یہ انتہائی بدترین اور شنیع فعل ہے جس کی شناعت بیان سے باہر ہے، اللہ تعالیٰ نے شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم یعنی سنگسار کر کے مار دینا قرار دی ہے۔

صورت مسئولہ میں زانیہ بیوی کو طلاق دینا اگرچہ واجب نہیں لیکن اگر آپ یہ دیکھیں کہ اس عورت کی اصلاح مشکل ہے اور یہ پھر ایسی حرکت کرے گی یا آپ کے گھر میں بیٹیاں وغیرہ موجود ہوں اور ان پر غلط اثرات پڑنا یقینی ہو تو آپ کو چاہیئے کہ ایسی عورت کو جلد از جلد طلاق دے کر علیحدہ کر دیں لیکن اگر اصلاح ممکن ہو اور گھر میں بیٹیاں وغیرہ نہ ہوں تو آپ اس عورت کو ساتھ رکھ سکتے ہیں لیکن اسے سخت تنبیہ کریں۔

لمافی الدرالمختار(۳/۵۰):(أو) الموطوءة (بزنى) أي جاز نكاح من رآها تزني وله وطؤها بلا استبراء وأما قوله تعالى { والزانية لا ينكحها إلا زان } فمنسوخ بآية { فانكحوا ما طاب لكم من النساء } وفي آخر حظر المجتبى لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة ولا عليها تسريح الفاجر إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا۔

نجم الفتاوی جلد سادس میں موجود مدلل ومفصل فتاوی کے نام

نجم الفتاوی کی یہ طبع جدید جہاں اور خصوصیات کی حامل ہے وہاں اس کی زینت وہ تحقیقی اور تفصیلی فتاوی بھی ہیں جو ان چھ جلدوں میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف عنوانات کی ان تحقیقات کو [جو کہ فتاوی کا حسن ہوتی ہیں] متعلقہ ابواب میں درج کر دیا گیا ہے۔اہل علم، صاحب نظر، فقہ وتفقہ کا ذوق رکھنے والوں اور تحقیق کے شناوروں کیلئے ان فتاوی میں انتہائی قابلِ قدر مواد موجود ہے۔

ہر جلد کی تفصیلی فہرست میں ان فتاوی کو نمایاں کر دیا گیا ہے نیز ''نجم الفتاوی جلد اول'' کے آخر میں مکمل چھ جلدوں میں موجود ان تمام محقق فتاوی کی فہرست مع مختصر تعارف کے موجود ہے۔ ہر جلد کے آخر میں صرف اس جلد میں موجود فتاوی کے نام مع صفحات نمبر درج کئے جا رہے ہیں۔درج ذیل نام اس چھٹی جلد میں موجود تفصیلی فتاوی کے ہیں۔ازمرتب فرحان حسن عفی عنہ

دار الإفتاء دار العلوم یاسین القرآن